فتاویٰ مفتی محمود

جلد اوّل

فقیہِ ملت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

جلد اول

فقیہِ ملت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۵۴۲۷۹۰۱-۲

Fatawa Mufti Mahmood Vol.1
By
Maulana Mufti Mahmood

ISBN : 969-8793-19-4

قانونی مشیر : سیّد طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ضابطہ

نام کتاب	:	فتاویٰ مفتی محمود (جلد اوّل)
اشاعت اوّل	:	جولائی ۲۰۰۱ء
اشاعتِ ہفتم (جدید)	:	مارچ ۲۰۱۰ء
ناشر	:	محمد ریاض درانی
بہ اہتمام	:	محمد بلال درانی
سرورق	:	جمیل حسین
کمپوزنگ	:	رشید احمد صدیقی
مطبع	:	اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور
قیمت	:	-/500روپے
شوروم	:	رحمٰن پلازہ مچھلی منڈی اُردو بازار، لاہور

انتساب

والدِ مکرم

اُستاذ العلماء

حضرت مولانا مہابت خان رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

تحقیق و تخریج

زیرِ سرپرستی

حضرت مفتی روزی خان دام مجدہ (دارالافتاء ربانیہ، کوئٹہ)

مرتبین

مولانا نعیم الدین مدظلہم (اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور)

مولانا عبدالرحمٰن (خطیب جامع مسجد عالی موڑ سمن آباد، لاہور)

حافظ محمد ریاض درانی (خطیب جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور)

تصحیح

مولانا محمد عارف (اُستاد جامعہ مدنیہ، لاہور)

فہرست

کتاب الاذان ۸۱۷

عرضِ ناشر

• حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ (م ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء) اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کی بناء پر اپنے زمانے کی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں جن کی دینی، مذہبی، ملی، ملکی اور سیاسی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر معاصرین میں وہ مقام پیدا فرمالیا تھا جس کے موافق و مخالف سب معترف تھے، آپ نے جہاں دین متین کی دیگر خدمات انجام دیں وہیں آپ کا بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ پچیس سال مسلسل ملک کے معروف ادارے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اس دور میں آپ کے پاس بیشمار ایسے مسائل آئے جو بظاہر مغلق، پیچیدہ اور لاینحل تھے آپ نے ان مسائل کو اپنی خداداد فقہی مہارت و بصیرت سے حل فرمایا۔ اس پچیس سالہ دور افتاء میں آپ نے مختلف مسائل سے متعلق تقریباً بائیس ہزار فتاویٰ جاری فرمائے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان نایاب اور قیمتی فتاویٰ جات کو کئی سال پہلے شائع کر دیا جاتا تاکہ علماء اور عوام کماحقہ مستفید ہوتے۔ ہماری خوش بختی ہے کہ اللہ پاک نے ان فتاویٰ کی اشاعت کے لیے ہمیں منتخب فرمایا۔ شاید اس لیے کہ ہمارے والد محترم (مولانا مہابت خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو جو روحانی اور قلبی تعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے تھا اور اس تعلق سے ہمارا پورا گھرانہ فیض یاب ہوا اس تعلق کو اللہ پاک کی بارگاہ میں قبولیت نصیب ہوئی۔

ہم قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے قاسم العلوم ملتان کی فائلوں سے ان قیمتی فتاویٰ کی فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے جمعیۃ پبلی کیشنز کے حوالے کیں اور ساتھ ہی اس سارے کام کی نگرانی کے لیے برادر محترم مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کو مقرر فرمایا جن کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب خطیب عالی مسجد لاہور اور مولانا نعیم اللہ صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور نے ترتیب و تبویب کا کام انتہائی محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا اس پر ہم ان حضرات کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ فتاویٰ کی تصحیح کے لیے حضرت مولانا محمد عرفان صاحب استاذ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور نے جس شوق اور ولولے کا مظاہرہ کیا ہے یہ ان کی علم دوستی کی دلیل

ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فتاویٰ کی پہلی جلد کی بروقت تیاری میں مولانا موصوف کا بنیادی کردار ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک مولانا کے علم وعمل میں برکت عطا کرے۔ ہم محترم خالد علیم اور عزیزم رشید احمد صدیقی کے بھی ممنون ہیں جن کے تجربے سے کمپوزنگ کے مشکل مراحل طے کیے جا سکے۔

سردست فتاویٰ کی پہلی جلد حاضر خدمت ہے کوشش کی گئی ہے کہ فتاویٰ جات کی اشاعت میں جمعیۃ پبلی کیشنز کی سابقہ روایات کو برقرار رکھا جائے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ پڑھنے والے ہی فرمائیں گے۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں اغلاط کا امکان موجود ہے۔ اگر ناظرین ان غلطیوں کی نشان دہی فرما دیں گے تو یہ ہم پر احسان ہوگا تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ کیا جا سکے۔

آخر میں ہم برادر مکرم مفتی محمد جمیل خان صاحب (حفظہ اللہ) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کی ذاتی کوشش سے یہ علمی ذخیرہ زیور طباعت سے آراستہ ہو سکا۔ مفتی محمد جمیل خان صاحب کو حضرت مفتی صاحب سے جو قلبی تعلق تھا اس کا اندازہ فتاویٰ کی اس جلد میں شامل مقدمہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کام میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

محتاج دعا

محمد ریاض درانی

مسجد پائیلٹ ہائی سکول وحدت روڈ، لاہور

جولائی ۲۰۰۱ء

نقشِ ثانی

حضرت مولانا مفتی محمود ہمارے عہد کے بالغ نظر فقیہ و محدث تھے۔ انھوں نے تمام عمر فقہ و حدیث کی خدمت میں بسر کی۔ ان کی سیاسی سرگرمیاں بھی انھی علوم کی تعلیمات کے فروغ اور نفاذ کے لیے تھیں۔ آپ فقہی جزئیات پر گہری نظر رکھتے تھے اور اس کے مراجع و منابع کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپ میں وہ تحمل، تدبر، بالغ نظری، وسیع النظر فی اور دردمندی و دلسوزی تھی جو ایک فقیہہ اور مفتی کے لیے لازم ہے۔ مفتی صاحب نے ایک عمر قاسم العلوم ملتان کے دارالحدیث اور دارالافتاء کو رونق بخشی۔ وہ جب دنیا سے گئے تو تلامذہ کے علاوہ امالی اور فتاویٰ کا ایک ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کی استعانت کے بھروسے پر مفتی صاحب کے آثار علمیہ کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا تاکہ یہ آثارِ علمی آنے والی نسلوں کے لیے بھی مفید ہوسکیں۔ ابتداءً ہم نے ان کے فتاویٰ کی ترتیب واشاعت سے کام کا آغاز کیا۔ پہلی جلد کو بہت پذیرائی ہوئی اور قارئین کے وسیع حلقے نے اس خزانہ علمی سے استفادہ کیا۔ انھوں نے ہمیں بہت حوصلہ دیا اور ہماری ہمت افزائی کی جس کے نتیجے میں ہم نے اس گنجینہ کو دفینہ بننے کی بجائے سفینہ بنا دیا۔ اس کام میں بہت سے احباب کی علمی محنت اور توجہ شامل حال رہی، خصوصاً برادرِ مکرم حضرت مفتی محمد جمیل خاں شہید کی توجہ اور محنت ہمارے بہت کام آئی۔ انھوں نے اس جلد کی دوسری اشاعت کے وقت پوری جلد کو عنوانات سے مزین کیا۔ اس تمام سفر میں امیر مکرم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدھم کی محبت اور توجہ بھی ہمارے شامل حال رہی۔ انھوں نے نہ صرف فراخ دلی سے ہمیں اشاعت کی اجازت دی بلکہ فتاویٰ مفتی محمود اور تفسیر محمود کے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ کے تمام علمی جواہر پاروں کو گورنمنٹ آف پاکستان کے کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کروانے کے سلسلہ میں بھی مسلسل سرپرستی فرمائی۔ نتیجتاً اس سلسلے کی گیارہ جلدیں بحسن وخوبی شائع ہوچکیں ہیں اور تمام کی تمام گورنمنٹ آف پاکستان کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔ توقع ہے کہ مزید چار جلدیں بھی جلد شائع ہو جائیں گی۔

اس ذخیرۂ علمی کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید کی خواہش پر

تخریج کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ تاکہ مزید تحقیق کو آسان بنایا جاسکے۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ کی خصوصی ہدایت پر ان کے تلمیذ خاص حضرت مولانا مفتی روزی خاں صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ ربانیہ کوئٹہ نے اس علمی کام کا آغاز کیا۔ آپ صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ محنتی مزاج کے حامل ہیں۔ آپ نے بہت محنت سے یہ کام سرانجام دیا جو ہر حال میں کارنامہ کہلانے کا مستحق ہے۔ مولانا کے اس عمل کی بدولت اب فتاویٰ مفتی محمود زیادہ مفید اور نافع ہو گیا ہے۔

ابتدائی اشاعتوں میں بعض جگہوں پر مستفتیین کے نام رہ گئے تھے۔ اس اشاعت میں ان ناموں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سارے کام کی وجہ سے کتاب کا حجم کافی بڑھ گیا لیکن افادیت دو چند ہو گئی ہے۔

ہم اس کی جدید اشاعت پر رب العالمین کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ اس کام کے سلسلے میں مولانا محمد عارف صاحب استاذ جامعہ مدنیہ لاہور، حضرت مفتی رشید احمد العلوی خطیب جامع مسجد ڈیفنس، لاہور کی رفاقت اور محنت ہمارے شامل حال رہی، ہم ان کے لیے دُعا گو ہیں۔ اللہ رب العالمین ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ نیز دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ علمی کو قارئین کے لیے مزید نافع بنائے۔

والسلام

محمد ریاض درانی

مدیر جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم

محدث العصر جانشین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی زبانی اکثر و بیشتر حلاوت آمیز یہ جملے بار بار کانوں کی سماعت سے ٹکرا کر عقیدت و محبت میں اضافے کا باعث بنے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی محمود (رحمہ اللہ) کو بلا کی ذہانت، غیر معمولی حافظہ اور بے مثال فقاہت و ذکاوت اور سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے۔ وسعت مطالعہ کے لیے مثالاً فرماتے کہ اس شخص کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شامی جیسی ضخیم ترین فقہی کتاب کا بالاستیعاب دو مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور میرے خیال میں شامی کا ایک ایک جزئیہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ بارہا حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ مفتی صاحب سے فرمایا کرتے تھے کہ ''آپ کیوں اپنے آپ کو سیاست کے خاردار میدان میں ضائع کر رہے ہیں''۔ مجھے حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی شرف زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تو واقعی اس سے بھی بڑھ کر پایا اور ہر ملاقات میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بیان کردہ تأثرات میں اضافہ ہی محسوس ہوا۔

بارہا اکابر علماء کرام کی موجودگی میں حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے مدلل انداز اور استحضار کی کیفیت دیکھ کر اکابر علماء کی نظروں میں جو خراج تحسین دیکھا اور محبت و شفقت کے جذبات محسوس کیے اس کی وجہ سے مفتی محمود رحمہ اللہ کی علمی حیثیت مزید اجاگر ہوتی چلی گئی۔ اب تک بغیر دلیل کے گفتگو کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کو نہیں دیکھا گیا۔ واقعی وہ دلائل کے بادشاہ تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ تینوں علوم میں عظیم مہارت آپ کے علو مرتبہ کی روشن دلیل ہے۔ درس حدیث کے ساتھ افتاء کی مشغولیت ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن مفتی محمود رحمہ اللہ نے جس سہل انداز سے ان دونوں منصبوں کو نبھایا اس نے علماء کرام کے قلوب میں آپ کی علمیت کی دھاک بٹھا دی اور رب کائنات کے حسن معاملہ کا اندازہ فرمائیں کہ جس فن کی بلندی کے لیے مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے زندگی کھپا دی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلانے کا فیصلہ فرمایا تو اسی موضوع پر گفتگو کرتے

ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن میں مولانا مفتی احمد الرحمٰن، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا محمد طاسین، مولانا محمد بنوری، مفتی محمد جمیل خان، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سے زکوٰۃ سے متعلق فقہی انداز سے مدلل گفتگو فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور اسی میں اپنی زیارت ولقاء کے لیے بلالیا اور زندگی کا مشغلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہنے کا بندوبست فرمادیا۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے بارہا گفتگو ہوئی کہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو منظر عام پر نہ لاکر امت کو ایک عظیم علمی ذخیرہ سے محروم رکھا جارہا ہے۔ ہر دفعہ وہ جلد اشاعت کی نوید سناتے رہتے تھے۔ آج انتہائی مسرت وخوشی کے جذبات کے اظہار کے لیے یہ چند سطور قلم برداشتہ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوگئیں کہ پہلی جلد تیار ہوگئی ہے اور اگلی جلدوں پر کام جاری ہے۔ اس خبر سے جہاں حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی روح کو طمانیت حاصل ہوگی، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمہ اللہ، مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ اور شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی ارواح طیبہ بھی مسرت وانبساط کی کیفیت سے جھوم رہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بہترین بدلہ عطا فرمائے جنہوں نے مفتی محمود رحمہ اللہ کے اس علمی ذخیرہ کو امت تک پہنچانے کے لیے کسی بھی انداز سے محنت کی۔ اللہ تعالیٰ اس سے امت کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
خادم حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ
رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ سلسلۃ الذہب کی وہ کڑی ہیں جن کو اللہ تعالی نے بڑی جامعیت سے نوازا۔ دین اسلام کے تمام شعبوں میں ان کو مہارت تامہ عطا فرمائی۔ وہ بیک وقت محدث بھی تھے اور مفسر بھی، فقیہ کی حیثیت سے دنیا بھر کے علماء کرام ان پر اعتماد کرتے تھے، تقریر و تحریر کے میدان میں ایک دنیا ان کو مہارت کی داد دیتی تھی اور مدرس کی حیثیت سے تشنگان علوم ان سے جواہر علمی چنتے تھے۔ میدان سیاست میں انہوں نے علماء کرام کے کردار کو ایسا اجاگر کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے بعد طبقۂ علماء میں ایسی جامعیت والی شخصیت نظر نہیں آتی۔ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مفتی محمود رحمہ اللہ کی اس حیثیت کو موافق و مخالف ہر ایک نے تسلیم کیا۔ مدرسہ شاہی مراد آباد کے یہ فاضل اگر چہ پاکستان کے ایک ایسے دور دراز بیابانی علاقے کے باشندے تھے کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس شخص سے دنیا کس حد تک متعارف ہو گی۔ مگر ان کے علم و فضل کی روشن کرنوں نے ان کو کروڑوں مسلمانوں کی دلوں کی آواز اور محبت و عقیدت کا محور بنا دیا۔

اگر چہ مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ ایک مدرس کی حیثیت سے علمی دنیا پر ظاہر ہوئے اور آپ کے دلکش انداز تدریس نے طلباء کو آپ سے استفادہ کی طرف راغب کیا اور انہوں نے اپنے اساتذہ سے درخواست کی کہ جامعہ قاسم العلوم کی مسند تدریس پر ان کو لایا جائے، مگر فیاضیٔ قدرت ان کو ایک محدث و فقیہ کے ساتھ ایک قائد اسلام کی حیثیت سے دنیا کے سامنے اجاگر کرنے کا راستہ ہموار کر رہی تھی۔ جامعہ قاسم العلوم کی مسند تدریس سے آپ مسند حدیث پر اس انداز سے تشریف فرما ہوئے کہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی یاد تازہ کر دی۔ دوسری طرف آپ کے فتاوی نے چار دانگ عالم میں آپ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور تحقیق مسائل کی دھوم مچا دی اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا غلام

غوث ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ جیسے اکابر نے آپ کو اپنا ہم پلہ قرار دے کر مسلک دیو بند کا وقار گردانا اور آپ کے فتاویٰ دار العلوم دیو بند کے مستند فتاویٰ کی حیثیت حاصل کر گئے۔ جامعہ قاسم العلوم کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ آپ کا ایک ایک فتویٰ تحقیق و تدقیق کے میدان میں اپنی مثال آپ ہے اور آپ کے کسی فتویٰ پر معمولی سی بھی انگشت نہیں رکھی جا سکتی۔ بعض فتاویٰ ایک مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فتنۂ انکار حدیث، مشینی ذبیحہ، حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی جیسے اہم موضوعات پر آپ کے فتاویٰ نے امت کو بہت بڑی گمراہی سے بچایا۔

ہزاروں کی تعداد میں یہ بکھرے ہوئے فتاویٰ اگرچہ تحریری شکل میں موجود تھے مگر امت کی نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے اس بات کا شدت سے تقاضا کر رہے تھے کہ اس محقق علمی خزانہ کو منظر عام پر لایا جائے۔ عزیزم مولوی محمد جمیل خان نے خوش خبری سنائی کہ مولانا فضل الرحمٰن کی ہدایت اور شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی خواہش پر عزیزم مولوی حافظ محمد ریاض درانی نے ان فتاویٰ کی پہلی جلد ترتیب دے کر کمپوزنگ کے مراحل سے گزار دی ہے میں اس کے لیے چند سطور لکھ دوں تا کہ اس کو شایان شان انداز میں شائع کر دیا جائے۔ اس بناء پر چند جملے لکھوا دیے اس امید کے ساتھ کہ اس صدقہ جاریہ میں میرا بھی حصہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ وہ عظیم خدمت ہے جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ذات باری تعالیٰ سے امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے یہ فتاویٰ امت کے لیے بہت زیادہ نافع ہوں گے اور علماء کرام کو رہنمائی کے لیے بہت بڑا خزانہ اور حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ صاحب کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ.

شیخ الحدیث مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر
جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت فیوضہم

مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ صاحب اکابر علماء دیوبند کے سرخیل اور ہم سب کے بزرگ ومحبوب رہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت زیادہ خیر کا کام لینا تھا اس لیے ان کو خصوصی طور پر فقاہت کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا تھا۔ آپ کی زندگی پوری کی پوری اشاعت علوم دینیہ اور تحقیق مسائل دینیہ سے عبارت تھی۔ زندگی بھر آپ درس وتدریس میں مشغول رہے اور مسند حدیث کو رونق بخشنے کے ساتھ ساتھ فقہ کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے رہے۔ قاسم العلوم کی نصف زندگی میں آپ سے جہاں ہزاروں تشنگان علوم دینیہ سیراب ہوئے وہیں لاکھوں افراد نے مسائل کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل کی۔ فیاضیٔ قدرت سے آپ کو اتنی ذہانت عطا ہوئی تھی کہ پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو منٹوں میں حل فرمادیتے تھے۔ وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر اور مصالح امت پر گہری نگاہ کی وجہ سے آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ ''الدین یسر'' کی روشن مثال ہوتے تھے۔ مسلک حقہ دیوبند کے مسلک اعتدال کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ حنفی پر پختگی آپ کی اسلاف کے ساتھ گہری محبت وعقیدت کی کھلی دلیل اور خود رائی اور تجدد پسندی سے کنارہ کشی کا ثبوت تھی۔ عامۃ المسلمین کے مسائل کے سلسلے میں رخصت کا پہلو، اہل علم کے لیے عزیمت کے پہلو کا اختیار اتباع سنت کی اہمیت کو نمایاں کرتا نظر آتا تھا۔ بایں ہمہ اکابر علماء کرام کی طرح تواضع و انکساری اور شہرت ونام نمود سے دوری آپ کے تقویٰ وعبادت کا روشن گوشہ تھا۔

جامعہ قاسم العلوم کے رئیس مفتی کی حیثیت سے آپ نے جو محققانہ فتاویٰ جاری کیے وہ ایسا علمی خزانہ ہے جس سے امت مسلمہ رہتی دنیا تک استفادہ کرتی رہے گی۔ علماء کرام اس سے خوشہ چینی کر کے امت کی رہنمائی کا

فریضہ سرانجام دیں گے۔ عرصہ دراز سے نگاہیں منتظر تھیں کہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا یہ علمی ذخیرہ کب ان کی عقیدت مند اولاد و تلامذہ منظر عام پر لائیں گے لیکن ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کے مصداق مایوسی میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا کہ بشارت عظمیٰ ملی کہ حافظ ریاض درانی صاحب فتاویٰ کی پہلی جلد منظر عام پر لارہے ہیں۔ سعادت کے حصول کے لیے چند سطریں تحریر کردیں اس یقین کے ساتھ کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کا یہ فقہی ذخیرہ اگرچہ دیر سے آیا لیکن ''دیرآید درست آید'' کے مصداق بہت ہی قابل فخر کارنامہ ہے اور علماء کرام کی ضرورت۔ حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے یہ فتاویٰ ایک طرف علماء کرام کے لیے بہت بڑا علمی ذخیرہ ہیں تو امت کے لیے بھی دینی رہنمائی کا ایک بہت بڑا خزانہ۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس علمی ذخیرہ کو منظر عام پر لانے میں تعاون کیا۔ مفتی محمود رحمہ اللہ کا یہ علمی خزانہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ کے ساتھ ساتھ علماء دیوبند کے وقار میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین.

شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف میانوالی

پیش لفظ

از قائد جمعیت ابن محمود حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

نحمدہ ونصلی و نسلم علی رسولہ الکریم: اما بعد

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل ترین دین ہے جو زمین پر اس لیے آیا ہے کہ پوری کائنات کو اس خدائی نظام پر چلائے جو انسانوں کو فضل و کمال، شرف و مکرمت، یک جہتی، یگانگت اور اخوت و محبت کی لازوال دولت سے مالا مال کر دے اور اس کے ساتھ ہی انسان انسانیت اور اس کے تقاضوں سے ایک لمحہ کے لیے بھی الگ تھلگ نہ ہونے پائے جو اس کا سب سے نمایاں طرۂ امتیاز ہے۔

خداوند عالم نے اس عظیم الشان ''نظام حیات'' کی بقاء کے لیے قرآن پاک جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی اور قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا اعلان فرمایا۔ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پاکباز و برگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ کی تعلیم و تبیین، تزکیہ و تطہیر اور آپ کے پیش کردہ نشان راہ پر ایمان لایا جائے اور اپنی زندگی کا محور و مرکز بنا لیا جائے اور اس طرح انسان اس منزل مقصود تک پہنچ جائے جو اس کی تخلیق کا منشاء و مقصد ہے۔

عہد صحابہ تک یہ نظام فکر و نظر سے بڑھ کر عمل اور ہر حرکت و سکون میں جاری و ساری رہا آفتاب نبوت گو روپوش ہو چکا تھا مگر اس کی گرمی سے سینے اسی طرح معمور تھے، جمال نبوی گو آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن جامہائے دیدار نبوی نے جو نقشہ پیدا کر دیا تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال کے چلتے پھرتے مجسمے تھے ان کی کوئی ادا اسوۂ نبوی کے خلاف نہیں تھی۔ مگر جس قدر انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی بڑھتی ہوئی، حدود نے نئے نئے مسائل لا کھڑے کیے ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آ چکا تھا جو رات دن پھیلتا جا رہا تھا، سوز و گداز، سادہ دلی و سادہ زندگی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاص شیوہ تھا ختم ہوتا جا رہا

تھا، روم وفارس اور دوسرے عجمی ممالک کی سہل پسندی طبیعتوں میں مرکوز ہوتی جارہی تھی اس لیے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔

علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے باضابطہ طور پر سب سے پہلے امام عالی مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع فرمادی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے جو اپنے علم وفن میں بصیرت ومہارت کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، خداترسی وفرض شناسی اور ان جیسے دیگر اوصاف حسنہ وخصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ ان ماہرین نے جہاں کتاب وسنت کے ذخائر سے ہزاروں مسائل مستنبط کیے وہیں اخذ مسائل کے ایسے اساسی اصول وضع فرمائے جن کی رہنمائی میں امت مسلمہ نئے پیش آمدہ مسائل حل کرتی رہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ امت مسلمہ کو جب بھی کسی موڑ پر کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں ضرورت پڑی علماء ربانیین نے آگے بڑھ کر امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا، ہر دور میں زعماء ملت اور علماء امت قوم کی رہنمائی کرتے رہے تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد مطلق کی اہلیت نہ پائے جانے کی وجہ سے اس درجہ کا اجتہاد باقی نہیں رہا تاہم ائمہ مجتہدین کے اصول اساسی کی رہنمائی میں استنباط مسائل اور تحقیق وتفکر کا سلسلہ جاری ہے علماء محققین اور مفتیان دین متین زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید ٹیکنالوجی کے عروج کی وجہ سے نئے پیش آمدہ مسائل میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک وملت کی عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

فقہ اور دین کے وہ پیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے اس سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ ''فتویٰ'' کے قالب میں جلوہ گر ہوئے اور اس سلسلہ نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا، نیز کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید وجدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچالیا۔ انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس قدر پیدا ہوتے گئے کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط ان مسائل کے ذخیرہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا کسی مرحلے پر جمود پیدا نہیں ہوا چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب مفتیان کرام آپ کو فراہم کرکے نہ دے سکیں۔

فقہ وفتاویٰ ایسا فن ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے اس لیے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس فن اور اس کے اصول وجزئیات سے پڑتا ہے اور جس قدر آئے دن کے مسائل کا جواب یہاں سے ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں۔

تاریخ فتاویٰ:

فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم اور اس کی نسبت بہت اونچی ہے اس لیے کہ کوئی بھی مسلمان ہو خواہ وہ ولی ہو قطب ہو، محدث ہو، مفسر ہو، مؤرخ ہو غرض جو بھی ہو وہ اپنی معلومات میں مفتی کا محتاج ہے بغیر اس کی کد و کاوش اور تحقیق و جواب کے مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمیں اپنی زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا جس میں فقہ و فتاویٰ کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔

مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تام ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام و خواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع رہا اور یہ جماعت اپنے علمی رسوخ، خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء کرام کے دو طبقے مخصوص طور پر دین کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے ہیں ایک محدثین کا جن کا مشغلہ احادیث نبوی کی حفاظت و صیانت رہا۔ دوسرا طبقہ فقہائے امت کا جنھوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ سے مسائل و احکام کا استنباط کیا۔ مفتیان کرام کا تعلق اسی دوسرے طبقہ سے ہے اور اس امت کے سب سے پہلے مفتی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور یہ دولت آپ تک اللہ رب العزت کی طرف سے پہنچی۔ قرآن پاک میں ''افتاء'' کا لفظ خود رب العالمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَکَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ﴾ (النساء: ۱۹)

''لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو تم کو قرآن کے اندر پڑھ کر سنائی جاتی ہیں''۔

ملاحظہ فرمایئے اس آیت کریمہ میں ''افتاء'' کی نسبت خود اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی عظمت و جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس عظیم منصب پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ صحابہ کرام اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپ ان سب کو جواب عنایت فرماتے، ان جوابات و سوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے، بہت سے علماء نے اس حصہ کو علیحدہ بھی جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم الشان منصب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز ہوئے، صحابہ کرام باہمی

فہم وفراست اور ذہانت وذکاوت میں مختلف تھے ان میں جو صاحب فتویٰ تھے ان کی تعداد کے متعلق علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ وہ ایک سوتیس سے کچھ زائد ہیں جن میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔ان حضرات میں سے سات بزرگوار وہ ہیں جن کے فتاویٰ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں، کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام حضرات کے فتاویٰ یکجا کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہوگی کہ اس کی کئی ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں ان سات حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

ثم قام بالفتوی بعده بكر الاسلام، وعصابة الايمان، وعسكر القرآن، وجندالرحمن اولئك اصحابه صلى الله عليه وسلم الين الامة قلوباً واعمقها علماً واقلها تكلفاً واحسنها بياناً واصدقها ايماناً واعمها نصيحةً واقربها الى الله وسيلةً وكانوا بين مكثرٍ منها ومقلٍ ومتوسطٍ والذين حفظت عنهم الفتوى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونيف وثلاثون نفساً مابين رجلٍ وامرأة وكان المكثرون منهم سبعة عمر بن الخطاب و علي بن ابي طالب وعبدالله بن مسعود و عائشة ام المومنين وزيد بن ثابت و عبدالله بن عباس وعبدالله بن عمر رضي الله عنهم.

ترجمہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتویٰ کا کام انہوں نے سنبھالا جو دورِ اسلام کا آغاز، ایمان کی جماعت، قرآن کا لشکر، رحمٰن کے سپاہی تھے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے جو امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ عمیق اور گہرے علم والے، سب سے کم تکلف والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر تھے وہ ایمان میں سب سے زیادہ سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے، اور وسیلہ میں اللہ کے سب سے قریب تر تھے، ان میں کثرت سے فتویٰ دینے والے بھی تھے بہت کم فتویٰ دینے والے بھی تھے اور متوسط درجے کے بھی تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن حضرات کے فتاویٰ محفوظ رہے وہ ایک سوتیس سے کچھ اوپر ہیں جن میں مرد وزن شامل ہیں پھر ان ایک سوتیس افراد میں سے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار مکثرین میں شمار کیا گیا ہے وہ سات افراد یہ ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد تبع تابعین پھر بعد کے علماء وفقہاء نے

اس سلسلہ کو جاری رکھا اور یہ سلسلہ کسی منزل پر پہنچ کر رکا نہیں بلکہ اب تک مسلسل چلا جارہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت یونہی جاری رہے گا''۔ مذکورہ تحریر سے جہاں افتاء کی تاریخ معلوم ہوئی وہیں اس کی اہمیت اور عظمت کا بھی پتہ چلا۔

افتاء جہاں وقت کی ایک اہم ضرورت ہے وہیں یہ ایک اہم ذمہ داری اور انتہائی نازک کام بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلاف اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے بچتے تھے اور جن کو وہ علم وعمل میں اپنے سے فزوں تر سمجھتے تھے ان کے سر یہ ذمہ داری ڈالتے تھے۔ اس میں بھی ان کی یہ حالت تھی کہ اگر مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی تو بلا تکلف بتادیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو صفائی سے کہہ دیتے کہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں کسی اور سے پوچھ لیا جائے۔ یہ حضرات فتویٰ دینے میں کسی قسم کی کھینچ تان، تکلف وتصنع کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یاایها الناس من علم شیا فلیقل به و من لم یعلم فلیقل الله اعلم فان من العلم ان تقول لما لاتعلم الله اعلم، قال الله تعالیٰ لنبیه قل مآاسئلکم علیه من اجر ومآ انا من المتکلفین.

''لوگو! سنو، جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہہ دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ آپ کہہ دیں میں تم سے اس پر کسی قسم کی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے:

''ان کل من افتی الناس فی کل مایسئلونه عنه لمجنون'' (۱) جو شخص لوگوں کے تمام سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار بیٹھا رہے وہ پاگل ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه'' (۲)'' جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کرلیا تو) اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا''۔

۱- اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۴ ۲- ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹ کتاب العلم

منصب افتاء کے نازک اور حساس ہونے کی بناء پر علماء امت نے ''مفتی'' کے لیے بہت سی شرائط اور آداب ذکر فرمائے ہیں جن کا مفتی میں پایا جانا ضروری ہے مثلاً یہ کہ ''مفتی'' علم وفہم سے آراستہ ہو، مسائل پر عبور اور قواعد فقھیہ کو جانتا ہو، ماہر استاذ کا تربیت یافتہ ہو، بلند کردار اور عفت کا حامل ہو، بردباری اور نرم خوئی سے کام لیتا ہو، دوراندیش اور بیدار مغز ہو، زمانہ کے عرف وعادت سے واقف ہو، فتویٰ دیتے وقت غور وفکر سے کام لے اور دل میں خوف خدا ہو وغیرہ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر زمانہ میں ایسے مفتی حضرات پیدا ہوتے رہے اور ان شاء اللہ تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔

علماء اہلسنت علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کو اللہ تعالیٰ نے گوناں گوں خصوصیات وامتیازات کے ساتھ ساتھ اس خوبی سے بھی نوازا ہے کہ ان میں مذکورہ صفات کے حامل مفتیان کرام ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ایک جہاں میں ان کا فتویٰ چلتا تھا اور کوئی اسے چیلنج نہیں کرسکتا تھا ان قدسی صفات مفتیان کرام میں سے ایک ایک مفتی نے اس قدر فتاویٰ جاری کیے کہ آج ہمارے سامنے ان کے فتاویٰ کئی کئی ضخیم جلدوں میں موجود ہیں جن سے امت مسلمہ رہنمائی حاصل کررہی ہے۔

مفتیان کرام کے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ (م-۱۴۰۰-۱۹۸۰ء) تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ اپنے دور کے بہترین فقیہ اور مفتی تھے۔ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۵ء تک کے دور افتاء میں آپ نے تقریباً بائیس ہزار فتاویٰ جاری فرمائے جو نوع بنوع مسائل سے متعلق تھے۔ آپ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حدیث وفقہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت بھی عطا فرمائی تھی، اس بناء پر آپ کے فتاویٰ نہایت مدلل، معتدل اور متوازن ہوتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہت صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ ان صلاحیتوں کا ادراک مجھ جیسے صلاحیتوں سے محروم کے لیے ممکن بھی نہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ضلع میانوالی کی بستی عیسیٰ خیل سے درس وتدریس کا آغاز کیا تھا اور چند سال بعد حضرت کے شیخ اور مربی حضرت سید عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر ابا خیل ضلع لکی مروت تشریف لائے اور وہاں مدرسہ عزیزیہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینا شروع کیں۔ تدریسی ملکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ علمی دنیا میں نہایت مختصر مدت میں آپ کی تدریسی قابلیت کو شہرت عام حاصل ہوگئی، اور دور دور سے تشنگان علم اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے کو آنے لگے۔ لیکن فقر وقناعت ہی مدرسہ کا سرمایہ تھا اور ظاہری وسائل محدود تھے۔ طلبہ کی اتنی بڑی تعداد کے لیے اخراجات کا تحمل اہل علاقہ کے لیے ممکن نہ رہا۔ اسی اثنا میں اہل عبدالخیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں نے مفتی صاحب کو مسجد کی امامت

اور وہاں تعلیم و تدریس کی خدمت سرانجام دینے کے لیے دعوت دی جو حضرت نے قبول فرمائی۔ لیکن وہاں بھی طلبہ کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ حضرت مفتی صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں سحری سے درس شروع کرتا اور مغرب تک تقریباً ۲۵ کتب پڑھاتا تھا اور وہ بھی چھوٹے رسائل نہیں بلکہ بڑی متداول کتابیں اور اس طرح علمی ماحول میں بھرپور اعتماد حاصل ہونے کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی طرف سے دعوت ملی۔ گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں یہ فائدہ کہیں زیادہ قاسم العلوم ملتان میں لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں۔ لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی اور مفتی صاحب قاسم العلوم تشریف لے آئے جبکہ گاؤں میں مسجد کی امامت اور بچوں کی تعلیم کے لیے چھوٹے بھائی اور ہمارے چچا جان حضرت خلیفہ محمد صاحب کو مقرر کر دیا اور زندگی بھر مدرسہ قاسم العلوم کے ساتھ وابستہ رہے۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بہت جلد مفتی صاحب نے بڑے استاد کا مقام حاصل کر لیا بلکہ قاسم العلوم کو ایک عالمی شہرت کا حامل مدرسہ بنا دیا جس نے بعد میں جامعہ کی حیثیت حاصل کر لی۔

قاسم العلوم ملتان میں افتاء کا کام حضرت مفتی صاحب کے سپرد کیا گیا۔ وظیفہ افتاء میں حضرت مفتی صاحب کی معاونت کیے بعد دیگر حضرت مولانا سید عبدالرحمٰن صاحب اباخیل، حضرت مولانا مفتی احمد جان صاحب پنیالہ، حضرت مفتی عبداللطیف صاحب عبدالخیل اور حضرت مولانا مفتی محمد صاحب نے کی۔ اس باب میں ایک بڑا نام حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب کا ہے جو جامعہ خیر المدارس ملتان اور قاسم العلوم دونوں میں حدیث کے استاد تھے اور باقاعدہ طور پر خیر المدارس کے مفتی تھے لیکن قاسم العلوم میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ افتاء پر کام میں بھرپور معاونت فرماتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ کے اس ذخیرہ میں جن حضرات کے دستخطوں سے جو فتاویٰ بھی جاری پائے جاتے ہیں، ان کو حضرت مفتی صاحب کی بھرپور تائید حاصل رہی ہے۔

آپ کے پچیس سالہ دور افتاء کے انتہائی قیمتی فتاویٰ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی فائلوں میں موجود تھے۔ ناچیز کی عرصہ سے خواہش تھی کہ یہ نادر فتاویٰ کسی طرح مرتب ہو کر شائع ہو جائیں تاکہ علماء و عوام ان سے استفادہ کر سکیں لیکن احقر اپنی مصروفیات کی بناء پر یہ کام خود نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا نعیم صاحب مدظلہ اللہ تعالیٰ کو جنہوں نے محنت و جانفشانی سے ان فتاویٰ کی ترتیب و تدوین میں اپنی مساعی صرف کیں۔ یہ ان کی علماء دین اور حضرت مفتی صاحب سے بھرپور عقیدت کا اظہار ہے اور برادر مکرم جناب مولانا حافظ محمد ریاض درانی صاحب نے اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری لی۔ توقع ہے کہ یہ فتاویٰ تقریباً چھ جلدوں میں شائع ہوں گے۔ فتاویٰ کی پہلی جلد ''فتاویٰ مفتی محمودؒ'' کے نام سے قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس جلد میں درج ذیل ابواب سے متعلق فتاویٰ جات کو اکٹھا کیا گیا ہے:

(۱) کتاب العقائد (۲) کتاب الطہارت (۳) کتاب المساجد (۴) کتاب الاذان
(۵) مواقیت الصلوٰۃ۔

یہاں یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ ان فتاویٰ جات میں بہت سے فتاویٰ پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے نام کے بجائے دیگر مفتیان کرام کے نام درج ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب اپنی انتہائی مصروفیات کی بناء پر جب خود فتویٰ نویسی کی فرصت نہ پاتے تو معین مفتی کے سپرد فرمادیتے۔ معین مفتی حضرت مفتی حضرت رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق فتویٰ تحریر کرتے اور مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زبانی یا تحریری تصدیق کے بعد اسے جاری کرتے۔ اس لحاظ سے یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی کے فتاویٰ ہوئے۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا عموماً اور عزیز محترم ریاض درانی صاحب کا خصوصاً شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس اہم علمی و دینی کام میں میری معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول و منظور فرماکر تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مولانا) فضل الرحمٰن

امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مقدمہ

از حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ

بعثت نبویہ کے مقاصد اربعہ:

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آخری نبی کی حیثیت سے ہوئی اس لیے آپ کو جو دین عطا ہوا وہ آخری دین ہے اور آپ کو جو کتاب عطا ہوئی وہ بھی آخری کتاب ہے۔ چونکہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ قیامت تک ختم ہو گیا اس لیے آپ کے دین کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حاصل کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطہ سے علماء امت طبقہ بہ طبقہ حاصل کرتے رہے۔ اس طرح یہ دین نہ صرف اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے بلکہ اس کی توضیح و تشریح بھی علماء امت کر رہے ہیں اور کسی بھی دور میں علماء کرام نے دین کی تشریح و توضیح کے سلسلہ کو منجمد ہونے نہیں دیا۔ قرآن کریم، احادیث نبویہ کی حفاظت کے ساتھ وہ تمام علوم جو اس دین کی تفہیم اور تفسیر و تشریح کے لیے ضروری تھے نہ صرف وہ ایجاد کیے بلکہ ان تمام علوم و معارف میں مختلف افراد نے مہارت تامہ حاصل کر کے ان علوم کے قواعد و ضوابط تک مرتب کیے اور نسل در نسل ان علوم کے ماہرین کی تیاری کا ایک متواتر سلسلہ قائم کیا...... ان علوم و معارف کے ساتھ قرآن و احادیث سے ہر دور کی ضرورت کے مطابق مسائل کے استنباط و استخراج اور ان کے معانی و مفاہیم کی تشریح و توضیح کے تعین کے لیے امت کے مختلف افراد نے اپنی زندگیاں وقف کیں اس سلسلے میں بھی مختلف علوم و فنون تیار کر کے ان کے ذریعہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے لاکھوں مسائل مستنبط کر کے امت مسلمہ کے لیے ایک بہترین لائحہ عمل اور دستور زندگی جو قرآنی حکم "لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة" کا پرتو تھا پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دین قیامت تک نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی راہ ہدایت ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کی حفاظت کرنے والے ان قابل قدر افراد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراء اور حفاظ قرار دیکر ان کی فضیلت و اہمیت کے اظہار کے لیے احادیث نبویہ میں بے شمار انعامات کا تذکرہ کیا جس کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور اور اس کے بعد ہر دور میں ایک جماعت ہمیشہ اس خدمت کے لیے اپنی

زندگیوں کو وقف کرتی رہی ہے اور چونکہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا اس لیے قرآنی معجزہ کے اظہار کے لیے اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے امت کے بچوں کے سینوں میں محفوظ کرنے کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ جاری فرمایا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس بنا پر مسلمان بانگ دہل یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کے کسی ایک لفظ میں بھی رد و بدل نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی کیا جاسکے گا۔ قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت چونکہ سب سے اہم ترین معاملہ تھا اور اس پر قرآن کریم کی تشریح اور حضور کی شریعت اور آپ کا اسوہ حسنہ پر مسلمانوں کے دستور العمل کا دار و مدار تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سب سے زیادہ اس کی حفاظت کی سعی کی گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی تحصیل اور اس کی حفاظت کے لیے مقرر ہوئی جن کی تربیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے فرماتے رہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جن افراد نے ایک ایک حدیث، اس کے راوی، اس کے الفاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کیفیت میں بیان فرمایا اور آپ کا اس وقت مقصد کیا تھا، اس ایک ایک ادا کو محفوظ فرمایا ان حضرات کو اصطلاح میں محدثین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے معانی اور مفاہیم سے امت کے جن افراد نے مسائل کا استنباط کیا ان کو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فقیہ یا دین کا فہم رکھنے والے یا صاحب حکمت سے تعبیر کیا گیا اور ان لوگوں کے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں بہت زیادہ اوصاف بیان کیے گئے انہی حضرات پر دین کا مدار ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرسکے یا اس کے مطابق زندگی کا لائحہ عمل طے کرسکے۔ لامحالہ اہل فہم وحکمت سے رہنمائی حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مقاصد اربعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق:

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے دین اسلام کی خدمات انجام دینے والے ان اصحاب علم وفضل، ارباب تقویٰ وطہارت اور اصحاب فہم وفکر کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں بہت ہی حسن و خوبی سے بیان کیا ہے۔ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی احادیث نبویہ کی خدمات کے ضمن میں ماہنامہ بینات کے حضرت بنوری نمبر کی خصوصی اشاعت میں اپنے مضمون کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت کو قرآن کریم میں مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد ربانی ہے:

''اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے، بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا

ہے۔''(بقرہ:۲۹)

سورۂ آل عمران میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے احسان وامتنان کے ضمن میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا:

''اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔''(آیت:۱۶۴)

سورۂ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح کے بعد ہی ارشاد ہے:

''وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں، ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔''(آیت:۲)

آیات بالا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت مندرجہ ذیل معلوم ہوئے۔

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس۔

حکمت سے مراد کیا ہے، اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ **راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد سنت، یعنی حدیث نبویہ ہے**، کیونکہ صحابہ وتابعین جن کی بصیرت قرآنی ہر زمانے میں سند وحجت رہی ہے، ان **سب کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد حدیث وسنت ہے**، حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ **حکمت سے مراد سنت وحدیث ہی ہے**، امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الرسالۃ میں اطاعت رسول اور سنت وحدیث کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ''الکتاب'' کا ذکر کیا جس سے مراد قرآن کریم ہے اور ''الحکمۃ'' کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں نے قرآن کے ان علماء کرام سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ کہتے سنا کہ **اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے** اور یہ اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباعِ رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا ہے لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے''۔(ص:۷۸)

صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ ہدیٰ نے مندرجہ بالا مقاصد نبوت پر کام کیا اور **العلماء ورثة الانبیاء** کے مصداق بنے۔ حضرات قراء مقصد اول کے مظہر ہیں، جنہوں نے قرآن کی مختلف قرأتوں اور رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی تلاوت آیات کی مختلف کیفیتوں کو محفوظ کیا۔ وہ سارے علماء اور وہ سب کتابیں جو قرأت و تجوید اور رسم الخط قرآنی کے سلسلے میں لکھی گئیں، مقصدِ اول کی شرح اور ایضاح ہیں۔ ائمہ تفسیر اور مفسرین سلف مقصد دوم یعنی تعلیم کتاب کے ذیل میں داخل ہیں۔ اس سلسلے میں مفسرین کے طبقات اور تفسیر قرآن کی خدمت اور اس سلسلے کی تصانیف مقصد ثانی الذکر کی ترجمان ہیں۔ فقہاء محدثین مقصد ثالث کے مظہر اتم ہیں، محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت کی اور بسلسلہ حفاظتِ حدیث پچاس سے زیادہ علوم ایجاد اور تجویز کیے جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے، پھر چونکہ احادیث رجال کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں اس لیے جرح وتعدیل کے اصول وضع کیے گئے، رجال کے طبقات مقرر کیے گئے اور ان کے سوانحی خاکے مرتب کیے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص کی کوائف کا ایک ایسا ذخیرہ دنیا کے سامنے آیا جس کی نظیر ملنی مذاہب کی تاریخ میں محال ہے، مسلمانوں نے نہ صرف اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کی ایک ایک حرکت وسکون کو جمع کیا بلکہ حدیث وسنت رسول کی حفاظت کے واسطے سے ایک لاکھ سے اوپر اشخاص کو زندہ وجاوید بنادیا، آج کسی مذہب کے پاس نہ تو ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی ورسول کی زندگی، مسلمانوں کو یہ شرف وفخر حاصل ہے کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے اور ان کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نہ صرف ہر ورق بلکہ ایک ایک سطر محفوظ ہے۔

فقہاء کرام معانی حدیث کے محافظ ہیں اور اس کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان برگزیدہ نفوس نے اپنی زندگیاں صرف کر کے قرآن وحدیث سے استنباط احکام کا قابل فخر کارنامہ انجام دیا، جس سے آیاتِ احکام اور حدیث کے معانی ومطالب محفوظ ہو گئے اور قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کو اربابِ ہوس (زنادقہ، باطنیہ اور تجدد پسند لوگوں) کے دستِ برد سے بچالیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فقہاء کرام حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔'' (کتاب الجنائز باب غسل المیت)

امت مسلمہ محدثین وفقہاء دونوں کے احسانات سے سرنگوں (ممنون وشکرگزار) ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں قابل قدر خدمات انجام دیں، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وجزاہم احسن الجزاء)

تزکیۂ نفوس کی نسبت کے حامل حضرات صوفیائے کرام ہیں، جنھوں نے اس نسبت احسانی کی پاسبانی کی اور قلوب کے تزکیہ وتصفیہ اور اصلاح امت وسیرت سازی کا گرانقدر کارنامہ سرانجام دیا، جس کی نظیر بھی ملنی مشکل ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان ما بہ الامتیاز:

مقاصد نبوت وبعثت پر مکرر نظر ڈالیے، مذکورہ بالا مقاصد نبوت کا تکمیل تک پہنچنا حزب اللہ (جماعت حقہ)

اور حزب الشیطان (جماعت باطلہ) کے درمیان مابہ الامتیاز بھی ہے، یعنی اگر کسی جماعت کی حقانیت معلوم کرنی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس جماعت کی تگ ودو محنت وکاوش کا میدان اگر یہی مقاصد ہیں اور ان کی تحقیقات قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیا کی تحقیقات کے خلاف نہیں ہیں تو یہ جماعت حقہ سمجھی جائے گی اور وہ اہل السنّت والجماعت کا صحیح مصداق ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ اگر کسی جماعت کی جدوجہد کا دائرہ کار یہ مقاصد نہیں اور نہ ان کی تحقیقات سلف صالح کی تحقیقات کے موافق ہیں تو وہ باوجود اپنے بلند بانگ دعاوی کے جماعت اہل حق نہیں سمجھی جائے گی، پھر اس معیار حق وباطل سے جس جماعت میں جس قدر انحراف ہوگا، اسی قدر زیغ وضلال اور کفر کے درجات منطبق ہوں گے۔

ان چاروں شعبوں کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک مسلم چلی آرہی ہے اور کسی فرد نے بھی ان کی افادیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا مگر ان شعبوں میں ترجیح کے سلسلے میں خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کی خدمات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تیسرا شعبہ تفقہ یعنی تفہیم دین اور مسائل کا استنباط سب سے اہم شعبہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ اس شعبہ میں احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ تحریف وتبدیلی کی کوئی گنجائش نہ رہے کیونکہ عام طور پر تحریف کا دروازہ اسی راستہ سے کھولا جاتا ہے اور امت کو گمراہی میں اسی طریقہ سے ڈالا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کی ہر دور کی ضروریات دین بھی پوری ہوتی رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور سے لے کر آج تک کا مشاہدہ یہی ہے کہ امت مسلمہ کی رہنمائی کا کام سب سے زیادہ اسی طبقہ کے علماء اور فقہاء کرام نے کیا اور مسلمانوں کو ہر دور میں گمراہی سے بچانے میں اس طبقہ کی سب سے زیادہ کوشش ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو باطل کے سامنے جو طبقہ سینہ سپر ہو کر اس کا نہ صرف راستہ روکتا ہے بلکہ اس کو ناکام بناتا ہے وہ یہی طبقہ فقہاء کرام کا ہے۔

فقہ خیر کثیر ہے:

قرآن کریم کی آیت کے ذیل میں اس طبقہ کے افراد کو خیر کثیر کی عطا کی نوید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **من یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیراً**

ترجمہ: ''جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔''

علماء تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد اس جگہ فقاہت دین ہے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پھر کیوں نہ چل پڑا ہر فرقے سے ایک گروہ ''دین'' میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے تاکہ چونکائیں اپنی قوم کو وہ لوگ جب پلٹ کر آئیں ان کے پاس شاید کہ وہ (نا کردنیوں سے) بچیں (آیت:۱۲۲)

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں جو احادیث بیان فرمائی ہیں اس میں مشہور احادیث درج ذیل ہیں:

''جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرمالیتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں''۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ترمذی شریف میں روایت منقول ہے:

ترجمہ: ''ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے''۔

خطیب بغدادی اپنی کتاب ''النصیحہ'' میں روایت نقل کرتے ہیں:

''علم کے فہم والے بنو، صرف روایت کرنے والے نہ بنو''۔

ایک حدیث میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم طبقہ فقہاء کرام کو کس شاندار الفاظ میں دعائیہ کلمات ارشاد فرمارہے ہیں:

''تروتازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے ہم سے ہماری کوئی بات سنی تاکہ جس طرح سنا تھا اسی طرح ادا کرے کیونکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا خود فقیہ نہیں ہوتا، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا ایسے آدمی تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو''۔

بخاری کی ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طبقہ فقہاء اور محدثین کی تعریف اور اہمیت ایک تشبیہ اور مثال کے ذریعہ واضح فرمارہے ہیں:

''خدا نے ہدایت کے جن علوم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا ان کی مثال ایک ایسی زبردست بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی پھر اس زمین کا کچھ حصہ تو ایسا تھا کہ (ہر قسم کی آلائش سے) پاک صاف تھا۔ اس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس اور ہریالی کو اس نے اگایا اور بعض حصہ اس زمین کا ایسا سخت تھا جو پانی کو چوس نہیں سکتا تھا لیکن اس نے پانی کو روک لیا۔ پھر اس پانی سے خدا نے لوگوں کو نفع پہنچایا۔ یعنی خود پیا اور پلایا (جانوروں کو) اور کھیتوں کو پہنچا۔ لیکن ایک حصہ زمین کا ایسا بھی تھا جو ایسا چٹیل میدان تھا جس میں پانی نہ ٹھہر سکا اور نہ روئیدگی گھاس وغیرہ کی ہوسکی۔ پس اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ سے جس نے کام لیا اور خدا نے جس علم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا یا اس سے نفع اٹھایا اس کی مثال وہی ہے۔ (یعنی پہلے دوحصوں کی)''۔

خطبہ حجۃ الوداع میں فقہاء کی اہمیت:

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے حقوق انسانی پر مشتمل جو عظیم خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور

جس کو دنیا شاہکار خطبہ کے طور پر یاد کرتی ہے اور حقوق انسانی کے چارٹر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو انسانیت کی برتری کے ساتھ اسلامی تعلیمات اور علوم نبویہ کا ایک عظیم خزانہ ہے اس کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں پوری امت کو گواہ بنا کر پیغام خداوندی صحیح انداز میں پہنچانے کی تصدیق کرائی اور پھر اس تصدیق پر خدا تعالیٰ کی گواہی ثبت کرا کر امت مسلمہ پر قیامت تک حجت قائم کی وہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد خطبہ سننے والے صحابہ کرام کو تلقین کی کہ وہ اس خطبہ کے الفاظ غیر حاضر ہونے والے صحابہ کرام یا بعد میں آنے والے امت کے افراد تک پہنچا دیں کیونکہ ممکن ہے کہ غائب رہنے والے صحابہ کرام یا بعد میں آنے والے امت کے افراد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی فقاہت اور سوجھ بوجھ کے حامل ہوں جو اس سے زیادہ استفادہ کر سکیں اور زیادہ بہتر انداز سے اس سے مسائل اخذ کر سکیں۔ ان تمام احادیث مبارکہ میں سوجھ بوجھ کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ فقہ کے ہیں اس لیے زیادہ تر محدثین یا مفسرین نے اس سے مراد فقہاء کرام ہی لیے ہیں۔

اسی بنا پر ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وخیر علوم علم فقہ لانہ ۔۔۔ یکون الی کل المعالی توسلا

فان فقیہا واحداً متورعا ۔۔۔ علی الف زی زھد تفضل واعتلی

''جملہ علوم سے بہتر علم فقہ ہے کہ وہ تمام مراتب عالیہ کا وسیلہ ہے اس واسطہ کہ ایک متقی فقیہ ہزار زاہدوں پر عالی قدر ہے''۔

دوسرے شاعر کے الفاظ ہیں:

الفقہ افضل شییء انت ذاخرہ

من یدرس الفقہ لم تدرس مفاخرہ

''فقہ سب سے افضل علم ہے جس کا تو ذخیرہ کرنے والا ہے۔ جو فقہ کی تدریس کرتا ہے اس کی عظمت ختم نہیں ہو سکتی''۔

فقہ و تفقہ کی ضرورت انسان کو ابتدائے آفرینش ہی سے ہے کیونکہ عقل کی دولت عطا کر کے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو جانوروں اور دیگر مخلوق سے ممتاز کر کے شرف و اعزاز عطا فرمایا وہاں اپنا خلیفہ نامزد کر کے احکام کی اطاعت اور نافرمانی سے بچنے کا مکلف بھی بنایا، اس کے ساتھ اس کی فطرت میں تلاش و جستجو، تحقیق و تدقیق اور سوال کے ذریعہ حصول علم کا جذبہ بھی ودیعت کر دیا اور وحی کے ذریعہ علوم کا حصول اس پر فرض قرار دیا ایسی صورت میں فطرت اس کو چین لینے ہی نہیں دیتی کہ وہ جامد یا یکسو ہو کر ایک حالت پر اکتفا کرے۔ بلکہ ترقی کے مراحل کی تلاش کا حصول اس کو وسعت مطالعہ اور استنباط مسائل پر آمادہ کیے رہتا ہے۔ اسی فطری جذبے کے تحت تفقہ فی

الدین یا فقہ اسلامی کی ضرورت کو مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''مقدمہ تدوین فقہ'' میں بہت خوبصورت انداز سے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

مجھے اس وقت جو کچھ کہنا تھا وہ صرف یہی ہے کہ حسی معلومات پر جس طرح عقل عمل کرتی ہے اور چند بسیط و محدود معلومات سے جو حواس اس پر پیش کرتے ہیں نتائج ونظریات اور مباحث ومسائل کا طوفان پیدا کر دیتی ہے، بجنسہ یہی حال ان معلومات کا ہے جو وحی و نبوت کی راہ سے عقل پر پیش ہوتے ہیں۔ عقل انسانی ان معلومات کی روشنی سے بھی جب جگمگا اٹھتی ہے تو ٹھیک جس طرح حسی معلومات سے نتیجے سے نتیجہ، قانون سے قانون پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یوں ہی وحی ونبوت کی معلومات سے بھی نتائج وتفریعات کا سمندر ابلنے لگتا ہے۔ عقلی اجتہاد وکوشش کے یہ دونوں سلسلے تعقل ہی کے یعنی انسانی فطرت کے اسی خصوصی جوہر لطیف کا کارنامہ ہیں، جسے ہم ''عقل'' یا ''قوت عقلیہ'' وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ البتہ حدیث وقرآن کے بعض اشارات میں جن کا ذکر آگے آئے گا وحی ونبوت کے متعلق عقل جو کام انجام دیتی ہے، بجائے تعقل کے اس کا نام تفقہ رکھ دیا گیا ہے۔ ورنہ تفقہ اور تعقل میں نفس عقلی کاروبار کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔

تفقہ انسان کی فطری خصوصیت ہے:

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں جہاں اور بہت سے امتیازی وجوہ وفصول ہیں، وہیں ان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر یعنی حیوانات اگرچہ حواس کی راہ سے انہیں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں یعنی وہ بھی دیکھتے ہیں جس طرح آدمی دیکھتا ہے، وہ بھی سنتے ہیں جس طرح آدمی سنتا ہے۔ الغرض کھلی ہوئی بات ہے کہ احساسی قوتوں کی حد تک جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے امتیازی حدود اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسی معلومات جن بسیط حالات کے ساتھ حیوانات کو ملتے ہیں، آج لاکھوں برس گزر جانے کے بعد بیل ہوں یا گھوڑے، گدھے ہوں یا کتے، ان میں سے کسی کو ان معلومات سے جو نتائج وقوانین وکلیات پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ان کی آنکھوں کے سامنے بھی یہی آفتاب یہی ماہتاب، یہی ستارے، یہی سیارے تھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ بیلوں کے جد امجد نے سر اٹھا کر آج سے لاکھوں سال پہلے کرۂ خورشید کو دیکھا تھا، اب بھی ان کا کام اس سے آگے نہیں بڑھا ہے، مگر اس کے مقابلہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہے کہ اسی آفتاب، اسی ماہتاب، ان ہی ستاروں اور سیاروں کو دیکھ کر جنہیں دیکھنے والی ہستیاں دیکھ رہی ہیں اس نے اسٹرانومی، علم ہیئت، علم نجوم اور خدا جانے کتنے علوم پیدا کر لیے جن میں ہر علم بجائے خود ایک بے تھاہ سمندر کی کیفیت رکھتا ہے۔

پھر حسی معلومات کے محدود سرمایہ سے آدمی کی عقل جب علم کے ان دریاؤں کو نکال رہی ہے، کوئی وجہ ہو سکتی

ہے کہ جو معلومات اس انسان کو وحی و نبوت کی راہ سے عطا ہوئی ہیں، ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے بیل اور گھوڑے، گدھے اور کتے کی طرح اندھا بنا رہے، یقیناً آدمی بہر حال آدمی ہے وہ نہ بیل تھا نہ ہے نہ بن سکتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ انسان سے اس غباوت اور کوڑھ مغزی کی توقع کرتے ہیں انہوں نے کبھی انسان کی فطرت پر بھی غور کیا ہے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ جن نتائج کو عقل انسانی نے کل پیدا کیا تھا، آج ثابت ہو جائے کہ وہ غلط تھے، لیکن حسی معلومات ہوں یا وحی و نبوت کی معلومات، ان کے متعلق آدمی سے اس کی توقع کرنا کہ جو نتائج ان سے پیدا ہو سکتے ہیں ان پر غور نہ کرے، انہیں نہ سوچے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ قیاس نہ کرے، اجتہاد سے باز آ جائے، یہ قطعاً ایک غیر فطری مطالبہ ہے! ایک ایسا مطالبہ جو بجائے انسانوں کے صرف جانوروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ وحی و نبوت کی معلومات جن کی عام تعبیر دین و مذہب کے لفظ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں قیاس جائز نہیں، یہ حکم اس مذہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتا ہے جو کسی حیوان کو عطا کیا گیا ہو، لیکن ایک ایسے عقلی وجود کا مذہب جس کا نام انسان ہے، اس کے مذہب کے متعلق بھی یہی رائے رکھنا، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ انسانی فطرت کے متعلق غلط اندازہ یا اس کی خصوصیات سے لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، یہ دعویٰ کہ مذہب میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے اثبات میں سارا زور جو خرچ کیا جاتا ہے، وہ عقل و قیاس ہی کا زور ہوتا ہے۔ قیاس کے ذریعہ سے قیاس کی تغلیط اپنے دعویٰ کو خود اپنے دعویٰ ہی کے ذریعہ سے باطل کرنے کی بہترین مثال ہے۔ خیر اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کے متعلق تو ابھی آپ بہت کچھ سنیں گے بالفعل صرف ''فقہ'' کے لفظ کی تشریح میرے پیش نظر ہے۔ یہ کہنا ہے کہ حسی معلومات پر عقل جو کام کرتی ہے وہی کام وحی و نبوت کی معلومات کے متعلق عقل جب انجام دیتی ہے تو اسی کا نام تفقہ و اجتہاد ہے۔ السیوطی نے اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں علم فقہ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ: ﴿ ان الفقه معقول من منقول ﴾

''فقہ ایک عقلی علم ہے جو منقول (یعنی وحی و نبوت کی معلومات) سے حاصل کیا گیا ہے''۔

اور یہ تو ایک اجمالی اشارہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور انسائیکلوپیڈیا یعنی ''الحاوی'' جو حاوی قدسی کے نام سے بھی مشہور ہے اس سے صاحب بحر الرائق نے لفظ ''فقہ'' جو تفقہ کا مادہ ہے اس کی لغوی اور اصطلاحی تشریح ان الفاظ میں نقل کی ہے:

﴿ اعلم ان معنى الفقه في اللغة الوقوف والاطلاع و في الشريعة...... الوقوف الخاص وهو الوقوف على معاني النصوص واشاراتها ودلالاتها ومضمراتها ومقتضياتها و "الفقيه" اسم للواقف عليه ﴾.

''معلوم ہونا چاہیے کہ لغت میں واقف ہونا اطلاع پانا یہی فقہ کے معنی ہیں اور شریعت میں خاص قسم کی

واقفیت کا نام فقہ ہے۔یعنی نصوص شرعی کے معانی سے اور ان کے اشاروں سے، جن چیزوں پر وہ دلالت کرتے ہوں ان سے اور ان کے مضمرات سے اور جو کچھ ان کا اقتضا ہو ان سب سے واقف ہونا یہ تو فقہ ہے اور ان امور سے جو واقف ہو اسی کا نام فقیہ ہے''۔

مطلب وہی ہے کہ ''النصوص'' یعنی وحی ونبوت کی معلومات خواہ الکتاب (قرآن) سے حاصل ہوں، یا السنۃ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وتقریرات) سے ماخوذ ہوں، ان ہی معلومات میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہوں یا ان کے جامع ومانع الفاظ کی کلیت میں جو باتیں مضمر اور پوشیدہ ہوں یا جن امور کے وہ مقتضی ہوں، ان ہی چیزوں کا نام شرعی اصطلاح میں ''الفقہ'' ہے اور جن کی عقل وحی ونبوت کی معلومات سے ان نتائج کو پیدا کرتی ہے، ان ہی کو ''الفقیہ'' کہتے ہیں، جس کا حاصل یہی ہوا کہ ''فقہ'' کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ عقل کرتی ہے بلکہ وہی بات یعنی نتائج واحکام کا جو روغن وحی ونبوت کی ان معلومات میں چھپا ہوا تھا عقل کی مشین ان ہی کو اپنی طاقت کی حد تک ان سے نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ ''فتوحات'' میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

﴿اعلم ان الاجتهاد ماهو ان تحدث حكما هذا غلط، وانما الاجتهاد المشروع في طلب الدليل من كتاب او سنة او اجماع اوفهم عربي على اثبات حكم في تلك المسئلة بذلك الدليل الذي اجتهدت في تحصيله والعلم به في زعمك، هذا هو الاجتهاد.﴾

''یہ جاننا چاہیے کہ نئے سرے سے کسی حکم کا پیدا کرنا، اجتہاد نہیں ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ شریعت میں جس اجتہاد کا اعتبار ہے وہ کتاب یا سنت سے دلیل تلاش کرنے میں جدوجہد کرنا ہے یا اجماع، یا زبان عربی کے محاورات کی رہنمائی میں خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا جو اس دلیل سے پیدا ہوتا ہو، جس کی تلاش میں تم نے کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل سے تمہیں حاصل ہوا ہو، بس اسی کا نام ''الاجتہاد'' ہے (یعنی شریعت میں یہی اجتہاد معتبر ہے)''۔

شیخ نے اس کے بعد لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اجتہاد اگر اس کا نام ہے کہ جو چیز دین میں نہ تھی اس کا اجتہاد کے ذریعہ سے دین میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ قطعاً دین نہیں بلکہ بے دینی ہے، فرماتے ہیں:

﴿فان الله تعالىٰ قال اليوم اكملت لكم دينكم " وبعد ثبوت الكمال فلايقبل الزيادة فان الزيادة في الدين نقص في الدين و ذلك هو الشرع الذي لم ياذن به الله.﴾

''(اجتہاد اور فقہ میں دین کی اتباع) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ پس ''الدین'' کسی زیادتی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ دین میں اضافہ کی گنجائش تو دین کے نقص کے ہم معنی ہوگا اور یہی وہ شریعت ہے جس کا فرمان اللہ سے صادر نہیں ہوا ہے''۔

الحاصل تفقہ ہو یا اجتہاد اس کے ذریعہ سے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جن پر النصوص یعنی وحی و نبوت کی معلومات مشتمل ہیں، لیکن ٹھیک مشینوں کا قوت وضعف کے حساب سے جو حال ہوتا ہے مثلاً لیموں نچوڑنے کی کوئی ایسی مشین بھی ہو سکتی ہے کہ پوری طاقت خرچ کر دینے کے بعد بھی عرق کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہو، اور ایسی بھی ہو سکتی ہے جو ایک ایک قطرہ کو نچوڑ کر رکھ دے، بجنسہٖ یہی حال عقل کی اجتہادی قوتوں کا بھی ہے۔ حسی معلومات بھی آخر سب ہی کے حواس حاصل کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ نتائج ان سے ہر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو اپنے اندر عقل رکھتا ہے، لیکن اجتہادی طاقت کا اتنا پُر زور ہونا کہ ان ہی معلومات کے سرمایہ سے جو تقریباً سب ہی کے پاس ہوتی ہیں، ایسے کلیات وقوانین کا پیدا کرنا جن سے کسی مستقل علم و فن کی بنیاد قائم ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لیکن محض اس لیے کہ ہر عامی کا دماغ ان حسی معلومات کے ذریعہ سے ان نتائج تک چونکہ نہیں پہنچ سکا جہاں تک مثلاً نیوٹن، اڈیسن، مارکونی کی عقول پہنچیں، محض اس وجہ سے کیا عامیوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ نتائج جو ان حکما اور موجدین کے دماغوں نے نکالے ہیں وہ حسی معلومات کی پیداوار نہیں ہیں؟ پس جو حال حسی معلومات سے نتائج پیدا کرنے میں مختلف عقلوں کی اجتہادی قوتوں کا ہے، ظاہر ہے کہ وحی و نبوت کی معلومات میں بھی انسانی عقول کی اجتہادی قوتوں کے تفاوتِ عمل و اثر کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، مشہور حدیث ہے:

﴿نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل فقه ليس بفقيه.﴾

''تروتازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے ہم سے ہماری کوئی بات سنی تاکہ جس طرح سنا تھا اسی طرح سے ادا کرے کیونکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا خود فقیہ نہیں ہوتا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا اسے ایسے آدمی تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو''۔

اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی عقول کے اسی تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر جس طرح قوائے دماغی کے اس تفاوت کا انکار فطرت کے قانون کا انکار ہے، اسی طرح وحی و نبوت کی معلومات کے ایسے نتائج جن تک عام عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیا یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ وحی و نبوت کی معلومات سے ماخوذ نہیں ہیں؟

آپ کی مشین کسی لیموں سے اس کے سارے رس کو نچوڑ کر اگر باہر نہیں نکال سکتی اور اس سے طاقتور مشین

نے لیموں کی ان ہی قاشوں سے جنہیں آپ نے ثفل سمجھ کر پھینک دیا تھا، اگر کوئی اور زیادہ عرق نکال لے، تو کیا آپ کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ لیموں کے اندر کا عرق نہیں ہے بلکہ باہر سے پانی ملایا گیا ہے؟ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لائے ہوئے علم کے متعلق اسی مشہور تشبیہی بیان میں مختلف صلاحیتوں کے رکھنے والوں کے ظہور کا جو اعلان کیا ہے میرا اشارہ صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مثل مابعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلاء والعشب الكثير وكانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصابت منها طائفة اخرى انما هي قيعان لاتمسك ماء ولاتنبت كلاء فذلك مثل من فقه في دين الله و نفعه بها بما بعثني الله به.﴾

''خدا نے ہدایت کے جن علوم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا ان کی مثال ایک ایسی زبردست بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسی، پھر اس زمین کا کچھ حصہ تو ایسا تھا کہ (ہر قسم کی آلائش سے) پاک صاف تھا، اس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس ہریالی کو اس نے اگایا، اور بعض حصہ اس زمین کا ایسا سخت تھا جو پانی کو چوس تو نہیں سکتا تھا، لیکن اس نے پانی کو روک لیا۔ پھر اس پانی سے خدا نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا یعنی خود پیا اور پلایا (جانوروں کو) اور کھیتوں کو سینچا، لیکن ایک حصہ اسی زمین کا ایسا بھی تھا جو ایسا چٹیل میدان تھا جس میں پانی بھی نہ ٹھہر سکا اور نہ روئیدگی گھاس وغیرہ کی ہوسکی۔ پس اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ سے جس نے کام لیا اور خدا نے جس علم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس سے نفع اٹھایا اس کی مثال وہی ہے (یعنی پہلے دو حصوں کی)''

کیا اس صحیح حدیث میں انسانی فطرت کے ان ہی فطری اور قدرتی آثار و نتائج کی صریح لفظوں میں تصریح نہیں فرمائی گئی ہے؟ پھر زمین کے جس حصہ نے کلاء (گھاس) اور عشب (ہریالی) کو اگایا اس کے متعلق دوسرے حصوں کا یہ کہنا کیا صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس بارش کا نتیجہ نہیں ہے جو ہم پر بھی اسی طرح برسی جیسے تم پر برسی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں جس الفقہ اور الاجتہاد کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کے ذریعہ سے وہی نتائج پیدا کیے گئے ہوں جن پر واقع میں وحی و نبوت کی معلومات حاوی و مشتمل ہوں، وہی وہ دین بن سکتا ہے جس کا مطالبہ وغیرہ بیسیوں آیات قرآنی میں کیا گیا ہے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورۃ الجاثیۃ ۱۸)

''پھر ہم نے تمہیں الامر کی ایک شریعت پر قائم کیا پس اسی کی پیروی کرو، اور جو نہیں جانتے ہیں ان کے خیالات کے پیچھے نہ جاؤ۔

اور

﴿ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ (سورۃ النسآء:۶۵)

''اور قسم ہے تیرے رب کی وہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک ان امور میں جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں تجھے فیصل قرار نہ دیں اور جو تم فیصلہ کرو اس کے متعلق اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور جھکائیں سر پورے طریقہ سے جھکانے کی شکل میں''۔

بہرحال ان امور کی تفصیل تو ہم ان شاء اللہ آئندہ کریں گے۔ اس وقت تو صرف ''الفقہ'' کے لغوی اور عام شرعی معنی کی تحقیق مقصود تھی، یعنی یہ بتانا تھا کہ النصوص جن کی تعبیر میں وحی و نبوت کی معلومات سے کر رہا ہوں، ان کے دلالات، اشارات، مضمرات، مقتضیات کا سمجھنا اسی کا نام تفقہ ہے۔ خواہ ان نتائج کا جو اس ذریعہ سے حاصل کیے گئے ہوں ان کا دین کے کسی شعبہ سے بھی تعلق ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ابتداء اسلام میں ''الفقہ'' کے لفظ کا اطلاق ان تمام نتائج و نظریات، مسائل و احکام پر ہوتا تھا، جو وحی و نبوت کی معلومات سے حاصل کیے گئے ہوں۔ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

سواء كان من الاعتقادات او الو جدانيات او العمليات و من ثم سمى الكلام فقها اكبر

''خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات سے یا عملیات سے، یہی وجہ ہے جو علم کلام کا نام ''فقہ اکبر'' رکھا گیا''۔ (بحر الرائق ج ۱ ص ۶)

علماء اسلام کا نام پہلے دانشمند تھا:

غالباً وحی و نبوت کی معلومات میں عقل و دانش کے استعمال کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایران و خراسان بلکہ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان ہی ممالک کی تقلید میں علماء کو ''دانش مند'' کے لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا، خلجیوں اور تغلقوں کے عہد کے مشہور بزرگ و صوفی حضرت سیدنا نظام الدین المشہور بہ نظام الاولیاء و سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' مرتبہ حسن علا سنجری میں بکثرت اس اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے، حضرت سلطان جی کی زبانی ایک حکایت درج کرتے ہوئے حسن علا سنجری لکھتے ہیں: حضرت نے ارشاد فرمایا:

''کہ در مدرسہ معزی دانشمندے بود او را مولانا زین گفتندے، مردے دانشمند بود، ہر مسئلہ کہ از وے پرسیدندے جواب شافی گفتے و در مباحثہ بعبارات دانشمندانہ در آمدے۔''

''مدرسہ معزی (شہاب الدین غوری کے لقب معز الدین کی طرف یہ منسوب تھا اس مدرسہ) میں ایک دانشمند تھے جن کا نام مولانا زین الدین تھا، یہ شخص ایک صاحب دانش آدمی تھے جو مسئلہ بھی ان سے پوچھا جاتا تشفی بخش جواب اس کا دیتے، اور بحث مباحثہ میں ''دانشمندانہ'' طریقہ اختیار کرتے''۔

اس زمانہ کی تاریخوں، عام کتابوں میں بکثرت ''دانشمند'' کے اسی لفظ کا اطلاق علماء اسلام پر کیا جاتا تھا خواہ دین کے کسی علم سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔

بہر حال ''فقہ'' یا ''علم الفقہ'' کی یہ تو قدیم اصطلاح تھی کہ وحی و نبوت کی معلومات سے جو نتائج بھی پیدا کیے جاتے ہوں خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات یا عملیات سے، سب ہی پر ''فقہ'' کا اطلاق ہوتا تھا، البتہ عقائد کی اہمیت کے لحاظ سے اس کو ''فقہ اکبر'' کہتے تھے، جیسا کہ ابن نجیم رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے بلکہ عقائد کی مشہور کتاب ''الفقہ الاکبر'' جس کے متعلق مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی ان عبارات سے ہماری سمجھ میں یہ بات بھی خوب اچھی طرح آجاتی ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کا دین تحریف وتبدیلی کا کیوں شکار ہوا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تحریف وتبدیلی سے کیوں محفوظ ہوا۔ گزشتہ حضرات نے اپنے نبی کی وفات کے بعد اپنی تحقیق و تدقیق اور استنباط مسائل میں اپنے آپ کو نبی کی تعلیمات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے نظریات یا تعلیمات کو بھی اس میں داخل کر دیا جس کی وجہ سے ایک طرف تو وہ کلام صرف خدا تعالیٰ کا کلام نہیں رہا اور دوسری طرف اپنی تحقیق کی وجہ سے وہ صراط مستقیم پر قائم نہیں رہے اور اپنے نظریات کو دین کی شکل میں پیش کر کے دین کی شکل بگاڑ دی اور رفتہ رفتہ دین مکمل طور پر ختم ہو کر بعد والوں کے نظریات کی شکل میں رہ گیا، اس لیے توراۃ، انجیل، زبور اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے نسخوں کی تعداد ہزاروں میں موجود ہے۔ جب کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے فقہاء کرام قرآن وحدیث کو اپنے مفہوم میں پیش کرنے کی اجازت نہ ہونے کی بنا پر آج تک تفقہ اور استنباط مسائل کی ضرورت کے باوجود دین کے دائرے سے نہ نکل سکا اور دین اپنی اصل شکل میں مکمل طور پر نہ صرف محفوظ رہا بلکہ ہر دور کی ضروریات کے مطابق امت مسلمہ کی رہنمائی بھی کرتا رہا اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ قرآن وحدیث کے دائرہ سے نکلنے کی صورت میں چونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی گمراہی کی اس انداز میں پیش گوئی بھی کر دی تھی اس بنا پر امت مسلمہ کے فقہاء کرام نہ صرف خود اس سلسلے میں محتاط رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اس دائرہ سے نکلنے کی کوشش کریں اور ایسے تمام فتنوں کا بھرپور مقابلہ کر کے دین اسلام کو تحریف سے بچایا جو اس دائرہ سے نکل کر امت کی گمراہی کا سبب بنتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ علم لوگوں سے یکا یک نہیں چھین لیا جائے گا بلکہ علم والے اٹھا لیے جائیں گے اس وقت علم بھی اٹھ جائے گا اور لوگوں کے سردار صرف جاہل لوگ رہ جائیں گے، جو علم کے بارے میں فتویٰ دیں گے۔ پھر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری کتاب العلم) اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے: اے اللہ میں ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو پناہ چاہتا ہوں۔

ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر صحابی کو خود جواب مرحمت فرماتے ہیں یہاں تک کہ نجی معاملات تک کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اس دوران یہودیوں اور منافقین نے آپ کو تنگ کرنے کے لیے طرح طرح کے سوالات کا تانتا باندھ دیا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض پابندیاں عائد کی گئیں۔ ایسی صورت حال میں ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ ذمہ داری دوسرے اہل فہم و تفقہ کی طرف منتقل کی جائے۔ چونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہو رہا تھا اور اصحاب صفہ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی علمی، عملی اور تحقیقی استعداد بھی بڑھ رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ان تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد بھی ہو گیا تھا چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور ان سے سوال کیا کہ لوگوں کا فیصلہ کس طرح کرو گے تو جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اگر ان دونوں میں نہیں پاؤں گا تو اپنی عقل کو ان دلائل کی روشنی میں استعمال کروں گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اس اعتماد کے پیش نظر آپ نے بعض صحابہ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم اور اشاعت میں لگایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین احادیث نبویہ کی حفاظت پر مامور ہوئے جب کہ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ان کے تفقہ اور حکمت و فہم کی بنا پر فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا اس لیے یہ کہنا کسی طور پر درست نہیں کہ فتویٰ یا تدوین فقہ کا کام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دور سے شروع ہوا اس سے قبل نہیں۔ یہ اعتراض اس طرح غلط ہے جس طرح منکرین حدیث یہ غلط فہمی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث نبویہ نہیں لکھی گئیں اور نہ ہی ان کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ کیونکہ احادیث نبویہ وقتی ضرورت کی بات تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ حالانکہ احادیث نبویہ میں خود اس کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی احادیث نبویہ قلمبند ہونا شروع ہو گئیں تھی اور ایک بہت بڑا طبقہ جس میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمرو جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے،

وہ احادیث نبویہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسی بنا پر بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں ان حضرات سے بکثرت روایات منقول ہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ قرآن مجید کی عظمت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ زور اسی بات پر تھا کہ اس کو محفوظ کر کے امت کے ایک ایک فرد تک پہنچایا جائے۔ اس لیے ابتدا میں کتابت احادیث اور تدوین فقہ پر زیادہ زور نہیں دیا گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ ہم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوالدرداء، خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب، خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم وغیرہم کو فقاہت کے اعلیٰ درجہ پر فائز پاتے ہیں۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اصحاب فتاویٰ شمار ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان حضرات سے مسائل فقہ میں استفادہ کرتے تھے۔ ان میں سب سے ممتاز مرتبہ و مقام اس شعبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور زیادہ تر علماء کرام رحمہم اللہ نے فقہی مسائل میں آپ کی پیروی کو بہتر گردانا اور آپ کی اتباع کو ذریعہ کامیابی ٹھہرایا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن ہی سے ان کی اس سلسلے میں خصوصی تربیت فرمائی اور آپ کو بمنزلہ اپنے بیٹے کے علوم سے سرفراز فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سر پر دست شفقت رکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں آپ کو درس و تدریس اور فتویٰ کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صراحتاً تاکید فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے تعلیم حاصل کرو۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابن مسعود جس چیز کو پسند کریں میں اس کو ساری امت کے لیے پسند کرتا ہوں اور جس کو وہ ناپسند کریں میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔ (کنز العمال)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جماعت فقہاء:

اعلام الموقعین میں امام مسروق سے منقول ہے کہ میں نے حضور آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چھ اصحاب کو علوم کا سرچشمہ پایا۔۔۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ ان چھ کا خزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پایا، ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اپنی فقاہت و سمجھ بوجھ سے ان علوم سے ہزاروں مسائل استنباط کیے پھر یثرب کا بارانِ علوم و حکمت نبویہ جب کوفہ کی وادیوں میں برسا تو اس سرزمین کا ایک ایک ذرہ چمک اٹھا اور صاحب فہم و ذکاوت اس سے مستفید ہوئے اور ایک عالم ان کے علوم سے سیراب ہوا اور دنیا میں بھی اسلامی ریاست کا وجود ابھرا۔ ان حضرات کے علوم کی ضیا پاشیوں نے ان ریاستوں

کے نوجوانوں کو منور کیا اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مشاہدہ بن کر مقبولیت کا مظہر ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں بیک وقت ہزار ہا طلباء شریک ہوا کرتے تھے، خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ہزاروں شاگردوں کی معیت میں کوفہ سے باہر آپ کا ایسا استقبال کیا کہ ہر طرف علماء کرام کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔ علماء کی یہ قدر و منزلت دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور بے ساختہ فرمایا: ابن مسعود رضی اللہ عنہ، تم نے کوفہ کے لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور تمہاری وجہ سے اس وقت کوفہ علوم دینیہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود آخری عمر میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کا ۳۲ھ میں وصال ہوا اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم فقہ کی کیا اہمیت تھی اور کس طرح اس کی ترویج کی گئی، مناظر اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ اس کا نقشہ اس انداز میں کھینچتے ہیں:

بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کے ابتدائی چند سال تک اس لیے بھی کہ خود صاحب وحی مسلمانوں میں موجود تھے نیز اسلام کے حلقہ اثر میں جو لوگ داخل ہوئے تھے ان کی تعداد بہت محدود تھی بقول جرجی زیدان:

﴿تاسست المملكة الاسلامية فى المدينة فى السنة الاولى للهجرة والمسلمون قليلون و كل ارض خارج من اسواد المدينة غير ارضهم و كل رجل غير الصحابة عدو لهم وحدود تلك المملكة محصورة بيثرب وبعض ضواحيها۔﴾

(التمدن الاسلامی: ص ۹۳)

''ہجرت کے پہلے سال میں مملکت اسلامیہ کی بنیاد مدینہ منورہ میں قائم ہوگئی، اور مسلمان اس وقت بہت تھوڑے تھے، زمین کا ہر وہ خطہ جو مدینہ کی شہر پناہ سے باہر تھا وہ مسلمانوں کی زمین نہ تھا، اور صحابہ کے سوا جو بھی تھا وہ ان کا دشمن ہی تھا، اس اسلامی مملکت کے حدود صرف یثرب اور بعض اس کے مفصلات تک محدود تھے''۔

ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر ایسی صورت میں حوادث و واقعات کی مختلف پیچیدہ شکلیں یوں ہی کم پیش آتی تھیں اور کبھی کبھی جو پیش بھی آ جاتی تھیں تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان میں موجود تھے با سانی صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

درزمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردمان درہمہ انواع علوم چشم بر جمالِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و

گوش برآواز وے می داشتند ہر چہ پیش می آمد از مصالح جہاد و ہدنہ وعقد جزیہ واحکام فقہیہ وعلوم زہدیہ ہمہ ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار نمودند۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر قسم کے علم کے متعلق لوگوں کی نگاہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک پر جمی ہوئی تھیں ان کے کان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لگے ہوئے تھے جہاد کی مصلحتوں صلح وجزیہ کا معاہدہ فقہی احکام، زہد کے متعلق علوم وغیرہ کے متعلق جو باتیں بھی پیش آتی تھیں سب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے''۔

لیکن اچانک قطعاً ایک معجزانہ شکل میں اسلام کے دائرہ اثر میں وسعت شروع ہوئی اور ٹھیک چڑھتی ہوئی دھوپ کے مانند اقطار ارض کو وہ اپنے احاطہ میں لینے لگا۔ فتوحات کے سوا وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا جو جزیرہ عرب کے کم وبیش دس لاکھ مربع میل والی زمین کے مختلف علاقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ٹڈیوں کے دل کی طرح اسی شکل میں جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ (النصر ۲)

''داخل ہوئے جاتے ہیں، اللہ کے دین میں فوج در فوج''۔

ہر طرف سے کھنچے کھنچے چلے آرہے تھے اور اسی بنیاد پر عہدِ نبوت ہی میں یہ ضرورت پیش آگئی کہ وحی و نبوت کے ذریعہ سے معلومات کا جو مجموعہ مسلمانوں کے سپرد کیا جارہا ہے اس کے کلیات کو جزئی واقعات پر صحیح طریقہ سے منطبق کرنے اور جدید حوادث ونوازل اور واقعات وحالات کے لیے ان ہی کی روشنی میں احکام پیدا کرنے کا کوئی نظم کیا جائے کیونکہ عربوں کی حالت جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہی نے لکھا ہے، نزول قرآن وبعثت محمدی کے بعد یہ ہوگئی تھی:

کہ گویا الیوم از شکم مادر بہ ظہور آمدہ اند، چہ علوم رسمیہ تجربیہ کہ پیش از بعثت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ایشاں بود۔ ہمہ در سطوت فیوض نازلہ از جانب مدبر السموات والارض جلت قدرتہ متلاشی گشتہ ودر ہر باب غیر از حکم حضرت مخبر صادق ﷺ وظیفہ ایشاں نہ بود۔

''کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے باہر ہوئے ہیں کیونکہ رسمی علوم ہوں یا تجرباتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کے متعلق جو کچھ بھی ان کے معلومات تھے سب کے سب ان نازل ہونے والے فیوض جو آسمان وزمین کے مدبر حق تعالیٰ جلت قدرتہ کی طرف سے نازل ہورہے تھے ان کی سطوت کے سامنے سارے معلومات ناپید ہو کر رہ گئے اور ہر بات میں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سوا اور کوئی چیز ان کے سامنے باقی نہیں رہی تھی''۔

پھر جیسا کہ میں بار بار کہتا چلا آرہا ہوں کہ حسی ونصی معلومات دونوں کے متعلق کچھ نہ کچھ عقل سے کام لینے

کی ضرورت تو ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ لیکن ان معلومات کو پیش نظر رکھ کر باضابطہ کسی فن کا پیدا کرنا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہوسکتا اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں کے متعلق تاریخوں میں اسلامی نصوص کے سمجھنے کے جو واقعات منقول ہیں، ان ہی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کام ہر شخص کا نہیں ہوسکتا۔

فقیہ اور غیر فقیہ کے فہم کا فرق:

کہتے ہیں کہ ایک عالم عربی زبان کے جاننے والے صاحب کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ استنجا سے جب فارغ ہوتے ہیں تو باضابطہ وضو کر کے تین رکعتیں وتر کی لزوماً ادا کرتے ہیں آخر کسی نے دریافت کیا کہ یہ نماز جو تم پڑھتے ہو کیا ہے، بڑے غصہ میں آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو حدیث کا علم نہ ہو تو میں کیا کروں، دریافت کیا گیا کہ حدیث کیا ہے، مشہور حدیث: "من استجمر فلیوتر" جو استنجا میں ڈھیلا استعمال کرے چاہیے کہ طاق عدد استعمال کرے"۔

آپ نے پڑھ کر سنائی، صحاح کی کتابوں سے نکال کر اسے دکھایا، حالانکہ ان کو مغالطہ صرف یہ لگا کہ "فلیوتر" جس کا ترجمہ ہے طاق عدد میں کلوخ آدمی استعمال کرے۔ انہی "فلیوتر" کا ترجمہ یہ سمجھ لیا گیا کہ وتر کی نماز پڑھے:

اسی قسم کا مشہور لطیفہ یہ بھی ہے کہ ایک صاحب جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانے یا اصلاح کرانے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے، دریافت سے وجہ معلوم ہوئی کہ مشہور حدیث: **"لاتتخذوا الحلق قبل صلوة الجمعة"** "نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر نہ بیٹھا کرو"۔ میں "الحلق" سے حلقہ بنا کر بیٹھنا مقصود ہے، اسی سے منع کیا گیا ہے، سر منڈانا اسی "الحلق" کا ترجمہ سمجھ لیا گیا۔ ایک اور محدث کا واقعہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ مشہور حدیث: **"لاتتخذوا الروح غرضاً"** "کسی جاندار شے کو نشانہ نہ بناؤ" کو آپ **"لاتتخذوا الروح عرضا"** پڑھاتے رہے اور مطلب یہ بتلاتے رہے کہ ہوا آنے کی جگہ کو کشادہ نہ بنایا کرو۔ ان عام لطائف کے سوا صحیح حدیثوں میں عہد صحابہ کے متعدد واقعات اسی سلسلے میں نقل کیے جاتے ہیں کہ ایک صحابی نے قرآن کی آیت روزہ کی سحری کے متعلق:

﴿ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

"تاایں کہ سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے الگ ہوجائے"۔

کا مطلب یہ خیال فرمالیا کہ مراد اس سے دو سیاہ اور سفید دھاگے ہیں اور ان ہی دونوں دھاگوں کو لے کر تکیہ کے نیچے سویا کرتے لیکن اس ذریعہ سے کچھ پتہ نہ چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا: "ان وسادتک لعریض": یعنی اس سے مراد تو رات کی سیاہی اور صبح کا سپیدہ ہے۔ تم نے ان

دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے دبا لیا تو گویا تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے کہ شب کی تاریکی اور صبح کی سپیدی بھی اس میں سما جاتی ہے۔

ان ہی صحاح کی کتابوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی مذکور ہے، ان کو یہ معلوم تھا کہ پانی نہ ملے تو وضو کی جگہ تیمم کر لیا جائے، لیکن غسل کی صورت میں اگر پانی نہ ملے تو آدمی کیا کرے اس کا علم نہ تھا، سفر میں غسل کی حاجت ہوئی تو وضو والے تیمم پر قیاس کر کے خود بیان فرماتے تھے کہ:

فتمرغت فی الصعید کما تمرغ الدابة

مٹی میں اس طرح میں نے لوٹ لگائی جیسے جانور لوٹ لگاتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس اجتہاد یعنی "تمرغ" یا "تمعک" کا حال بیان فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ: انما یکفیک ان تصنع ھکذا ۔ تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ بس ایسا کرتے (یعنی وضو والے تیمم کی طرح ہاتھ مار کر اشارہ فرمایا)

مطلب وہی تھا کہ جو وضو والا تیمم ہے، وہی غسل کے لیے بھی کافی تھا، زمین میں سارے بدن سمیت لوٹنے پوٹنے کی ضرورت نہ تھی۔

وحی کے بغیر ہدایت ممکن نہیں:

ان چند واقعات و لطائف کا ذکر تو میں نے تشریحی مثالوں کی حیثیت سے کیا، ورنہ اپنے حسی معلومات سے جیسے ہر شخص ان نتائج کو نہیں نکال سکتا، جہاں تک حکماء اور ائمہ حکمت و سائنس کی نگاہیں پہنچتی ہیں، جب انسانی فطرت کا یہ کھلا ہوا روزمرہ کا تجربہ ہے تو وحی و نبوت کے معلومات کے نتائج و تفریعات تک ہر شخص کی نگاہ کیسے پہنچ سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہوئے "اولوالامر" یعنی حکم دینے کی جن میں صلاحیت ہو ان کی اطاعت کو بھی قرآن کا منصوص مسئلہ اس مشہور آیت میں قرار دے دیا یعنی

﴿واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اولی الامر منکم﴾ (النساء:۵۹)

(فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور تم میں جو الامر والے ہوں۔)

ظاہر ہے کہ اسلام جو صرف نظم و ضبط کا ایک دین ہے، جس میں دو آدمی کو بھی سفر کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں کہ ہر ایک اپنی اپنی مرضی کا پابند ہو بلکہ حکم ہے کہ آپس میں دو آدمی بھی ایک کو آمر (حکم دینے والا) اور دوسرے کو مامور بنا کر سفر کریں۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس کے سامنے اپنا عالمگیر مستقبل تھا وہی اسلام مسلمانوں کو ایک ایسی حالت میں

کیسے چھوڑ دیتا کہ جس کے جو جی میں آئے قرآن وحدیث سے سمجھ لے اور جس قسم کا فیصلہ چاہے کر لے، اللہ اللہ اگر اس کی اجازت دے دی جاتی تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جس طرح ہر شخص کی صورت بلکہ ہر شخص کی آواز دوسرے سے مختلف ہے، اسی طرح سے اپنی شخصی خصوصیتوں کی بنا پر ہر مسلمان کا ایک نیا مذہب ہوتا، گویا چالیس کروڑ مسلمانوں کی نمازیں چالیس کروڑ شکلوں کی ہوتیں۔ اتنے سخت نظم کے بعد بھی جس کا اسلام نے انتظام کیا ہے جب اختلافات کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات بعض کور بختوں کے دلوں میں اسلام سے گرانی کی وجہ مسلمانوں کے یہی مذہبی اختلافات بن گئے ہیں، اگر چہ ان کی یہ گرانی قطعاً بے معنی ہے جس کی تفصیل ابھی سنائی جائے گی، لیکن آج جو چاہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں ہر مسلمان کو خواہ عربی بھی نہ جانتا ہو، اس کی شکل چونکہ انسانوں کی شکل ہے، اسے خواہ فکر ونظر، تعقل وتفقہ کی ہوا بھی نہ لگی ہو لیکن چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے اسے آزاد ہونا چاہیے کہ جو چاہے قرآن سے مطلب نکالے اور جس طرح احادیث وسنن کے مقاصد چاہے متعین کرے، ان سے نتائج کا استنباط کرے، دین تو بہر حال دین ہی ہے لیکن دنیا کے معاملات میں بھی اسلام کا نقطہ نظر جب یہ ہو یعنی امن وخوف کی خبروں میں بھی عام آزادی کے استعمال کا تذکرہ ان الفاظ میں کرنے کے بعد:

﴿ وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ﴾. (النساء: ۸۳)

(اور جب آتی ہے کوئی بات خوف اور امن کی تو پھیلا دیتے ہیں اس کو)

قرآن حکم دیتا ہے کہ:

﴿ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ (النساء: ۸۳)

''اگر سپرد کر دیں اس کو رسول اور امر والوں کی طرف تو جان لیں گے (اصل حقیقت) کو وہ لوگ جو ان میں بات سے استنباط کا سلیقہ رکھتے ہیں''۔

جس کا مطلب وہی ہے کہ خوف کی خبر ہو، یا امن کی ہر حال میں عام مسلمانوں کو حق نہیں ہے کہ سننے کے ساتھ ہی اسے پھیلا دیں، بلکہ ان کا فرض مقرر کیا جاتا ہے کہ ''الرسول'' تک پہنچا دیں اور ''الرسول'' نہ ہوں تو پھر ''الامر'' والوں کو خبر کریں، غور کرنے کی بات ہے کہ الخوف میں تو خیر اس کا بھی اندیشہ ہے کہ جنگ وغیرہ کی خبروں کی اشاعت سے نقصان پہنچ جائے، لیکن الامن کی خبروں میں بھی قرآن کا جب یہ نقطۂ نظر ہے تو پھر دین جس کا معاملہ دنیا کے خوف وامن دونوں سے اہم ہے اس میں ہر شخص کو شتر بے مہار بنا کر کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

الامر والوں کا مطلب:

گزشتہ بالا آیت میں اس سوال کا جواب کہ ''امر'' والوں سے کیا مراد ہے، خود قرآن نے دے دیا ہے یعنی

امن وخوف کی خبروں اور جومعلومات اس باب میں حاصل ہوں ان سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا جن میں سلیقہ ہو ان ہی کو وہ ''الامر'' کا حق دیتا ہے یعنی حکم دینے کے وہی مجاز ہیں اور جب امن وخوف کی معلومات کے متعلق امر والے یہی لوگ ہیں تو اللہ ورسول کی اطاعت جس کام کے لیے واجب کی گئی ہے یعنی دین میں بھی امر کا حق ان ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے جن میں وحی ونبوت کی معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا سلیقہ ہواور یہ بھی سچ پوچھیے تو ایک قدرتی بات ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں حکم وامر کا قدرتی استحقاق ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس سلسلہ کی معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ آخر طب میں، انجینئری میں یا ازیں قبیل تمام شعبہائے حیات میں ''اکسپرٹ'' ''فنکار'' ''فن داں'' ''ماہر'' ''حاذق'' ہی کو امر اور حکم کا حق کیوں دیا جاتا ہے، وہی فطری وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے چہرے پر آدمی کی کھال مڑھی ہوئی ہے، اس کا زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق معلومات سے صحیح نتائج کا پیدا کرنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ یہ توقع قطعاً غلط اور غیر فطری ہوگی ''کتاب عبقات'' میں مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اس موقع پر خوب فرمایا ہے:

ان النفس وان كانت تستعملها كل قوة في مانيط بها، الا ان لاستعمالها نحوين الاول ان تستعملها في ضمن تضاعيف اشتغالها بمشاغل متشتة كما ان العوام يستعملون المفكرة في ضمن اشتغالهم بالماكل والمشارب والملابس والمحسوسات والمخيلات، وقس عليه سائر القوى فلايظفرون الابقدر مايحتاجون اليه من افاعيلها. والثاني ان تتفرغ لتكميل تلك القوة وتستقل النظر الى ماتفيض بها وتتجرد بملاحظة فنونها وشعبها كتفرغ الفلاسفة بتكميل العاقلة والشعراء بتكميل المخيلة واهل الصنائع الدقيقة واهل الرياضات الشاقة بتكميل المحركة، وقس عليه سائر القوى، فحينئذ تتسع دائرة افاعيلها اشدالاتساع ويقع فيها بسط اى بسط، الم ترالى الفرق بين علوم العوام من اهل الشوق وبين الفلاسفة المدققين.

ترجمہ: ''ہر قوت کے ساتھ جو کام وابستہ کیا گیا ہے اگرچہ آدمی کا نفس اس قوت کو اسی کام میں استعمال کرتا ہے، لیکن استعمال کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ دیگر مختلف کاروبار کے ذیل میں اسے استعمال کرے مثلاً جو عوام کا حال ہے کہ فکری قوت کو کھانے، پینے، لباس اور محسوسات یا خیالی امور کی دلچسپیوں کے ذیل میں استعمال کرتے ہیں، اسی پر نفس کی دوسری قوتوں کے ضمنی استعمال کو قیاس کر کے سمجھو، بہرحال استعمال کے اس طریقے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام نفس کی قوت کے نتائج سے اسی حد تک

بہرہ ور ہوتے ہیں جس قدر ضروری قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ان قوتوں کے استعمال کا ایک اور دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قوت کو ابھارنا مقصود ہو ہر چیز سے الگ ہو کر آدمی اسی قوت کی تکمیل میں غرق ہو جائے اور جو نتیجہ اس سے برآمد ہو اس پر پوری توجہ مبذول رکھے اور اس کی مختلف شاخوں اور شعبوں میں اپنے آپ کو فنا کر دے مثلاً فلاسفہ اپنی عقلی قوت کے ساتھ جو برتاؤ کرتے ہیں، یا خیالی قوت کے ساتھ شاعروں کو جو تعلق ہوتا ہے یا قوتِ محرکہ عملیہ کی مشق سے دقیق صناعات والے یا سخت ورزش یا محنت کرنے والے کام لیتے ہیں، اسی پر دوسری قوتوں کے اس طریقہ استعمال کو قیاس کرو، استعمال کی دوسری شکل میں نفسانی قوت کے آثار ونتائج اور ان کے کاروبار کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ وسیع، اس میں فراخی پیدا ہوتی ہے اور کیسی فراخی وکشادگی۔ آخر تم ان لوگوں کے علوم پر جن کا تعلق عوام سے ہے غور کرو کہ صرف معمولی شوق وتوجہ کی بنیاد پر علم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان ہی کے مقابلہ میں ان دقیقہ سنج نکتہ شناس فلاسفہ کے علوم کا اندازہ کرو (کیا دونوں میں کوئی نسبت ہے؟)"

اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی واضح حقیقت ہے جو دین اور دنیا دونوں کو حاوی ہے۔ آج جب کہ ہر بدیہی مسئلہ کو نظری بنانے کی کوشش کی جارہی ہے کوئی کیا کہہ سکتا ہے، ورنہ اسلام کے ضبط ونظم کے اس سلسلہ میں اس حد تک اصرار تھا کہ "خطبہ" اور "وعظ" جس میں عموماً قانونی مسائل بیان کیے جاتے ہیں اس کے متعلق بھی عام اعلان کر دیا گیا تھا: **لایخطب الامیر او مامور او مختال فخور.** "تقریر نہیں کرتا ہے لیکن وہ جو خود صاحب امر ہے یا صاحب امر کا اجازت یافتہ ہے، یا جاہ پرست مغرور آدمی۔"

اہل علم کی اہمیت وضرورت:

مگر دنیا کے ہر معاملہ میں ماہرینِ فن کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے محض دین کو آزادی فکر ورائے کی خوبصورت تعبیر سے کیا بازیچہ اطفال بنا لیا جائے گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کا اندیشہ ظاہر فرمایا تھا وہی آخر ہو کر رہا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ حدیث مروی ہے، گویا آج جو کچھ دکھایا جارہا ہے اسی کو وقوع سے پیشتر دیکھ لیا گیا تھا، حدیث یہ ہے:

﴿ان اللہ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالمًا اتخذ الناس رؤوساً جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم وضلوا واضلوا.﴾ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۳)

"عمرو بن عاص کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم لوگوں سے یکا یک چھین نہیں لیا جائے گا بلکہ علم والے اٹھا لیے جائیں گے اس وقت علم بھی اٹھ جائے گا اور لوگوں کے سردار صرف جاہل لوگ رہ

جائیں گے جو فتوے دیں گے جانے بغیر پھر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کی بھی راہ ماریں گے''۔

''العلماء'' سے اس حدیث میں وحی و نبوت کی معلومات کے جاننے والے اور ان سے صحیح نتائج کے استنباط کرنے والے نفوس مراد ہیں، بخاری کی اس روایت کے ایک اور طریق میں ان الفاظ کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان اللہ لاینزع العلم بعداذ اعطا کموہ انتزاعًا (الحدیث)

''یقیناً اللہ تم لوگوں کو عطا فرمانے کے بعد علم کو چھین نہیں لے گا۔''

جس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ ''العلم'' سے مراد یہاں وہی علم ہے جو آخری نبوت کی راہ سے مسلمانوں کو عطا کیا گیا ہے، اطلاع دی گئی ہے کہ اسی علم کے علماء اور جاننے والے بتدریج اٹھتے چلے جائیں گے اور گو زندگی کے ہر شعبہ میں اس شعبہ کے علماء اور ماہرین کی قدرتی ضرورتوں سے آدمی اپنے آپ کو کبھی بے نیاز نہ پائے گا لیکن باوجود اس کے صرف اس علم کے متعلق رائے دینے کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو عطا کیا گیا ہے اور آزادی کے اسی اعلان کے بعد:

یفتونھم بغیر علم فیضلون ویضلون۔

''لوگ فتوے دیں گے جانے بغیر پھر خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔'' کی پیشین گوئی پوری ہوگی''۔

شاید اسی کا تماشا ہے جو آج دیکھا جا رہا ہے، کاش نہ دیکھا جاتا لیکن جو کہا گیا تھا بہرحال اس کو بھی تو کسی طرح پورا ہونا ہی تھا بہرحال جس خدا نے:

﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا﴾ (الفتح:۲۸)

''(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ''الھدیٰ'' اور ''دین حق'' کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ غالب کر دے (اس الھدیٰ اور دین الحق) کو سارے دین پر، سب پر اور کافی ہے خدا نگرانی کے لیے)'' کا اعلان کیا تھا یقیناً اپنے پیغمبر کے سامنے اس نے کسی عظیم مستقبل کے نظام کو وقوع سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر کر دیا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وقتاً فوقتاً اس طرف اشارے فرماتے تھے، خندق کے پتھر اکھاڑنے کے وقت بھی وہ دیکھا جا چکا تھا جو بعد کو دیکھا گیا، بخاری اور مسلم جیسی صحیح حدیثوں کی کتابوں میں ہے کہ الارض (کرہ زمین) کی مفاتیح (کنجیوں) کے متعلق پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ وہ مجھے عطا کی گئی ہیں، ان ہی کتابوں میں ہے کہ زمین کے خزائن بھی آپ ﷺ پر کھولے گئے، مشرقی قوتوں کے اقتدار اعلیٰ (کسریٰ) اور مغربی قوتوں کے اقتدار اعلیٰ

(قیصر) کی ہلاکت کی پیشین گوئی بھی کی جاچکی تھی اور ایسی بیسیوں چیزیں موجود ہیں جن سے بطور قدرِ مشترک کے تواتر وقطعیت کی شکل میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام نے آئندہ جس عظیم عالمگیر سیاسی قوتِ کبریٰ کی شکل کرۂ زمین پر اختیار کی وہ ایک دیکھی بھالی طے شدہ حقیقت تھی، اس کو صحابہ بھی جانتے تھے، وہی صحابہ جو اسلام پر دنیا کے آخری دین اور عالمگیر پیغام الٰہی کی شکل میں ایمان لاچکے تھے، خود بھی تو سوچنا چاہیے کہ وہ اس کے سوا آخر کوئی دوسرا خیال ہی کیا قائم کر سکتے تھے، یہ بات کہ ان کا یہ خیال پورا ہوگا یا نہ ہوگا، یا آئندہ جو پورا ہوا، آیا یہ اتفاقی حادثہ تھا، جو سنایا گیا تھا وہی دکھایا جارہا تھا۔ یہ سارے وسوسے دوسروں میں تو پیدا ہو سکتے تھے یا اب بھی پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ان کا تو یہی ایمان تھا، یہی ایقان تھا، بہر حال وہ پیش آتا یا نہ آتا لیکن جو یقین کر چکے تھے کہ یہی ہوگا اور یہی ہو کر رہے گا ان کے سامنے اسلام کی پیش آنے والی وسعت دامانیوں کی ناگزیر آئینی اور قانونی ضرورتوں کا کوئی خیال نہ تھا، کیا یہ بات عقل میں سماسکتی ہے؟

حال تو یہ ہے کہ اسلامی دائرہ کی وسعت حالانکہ ابھی جزیرہ عرب سے آگے نہیں بڑھی ہے، نبوت ہی کا زمانہ ہے، لیکن جس حد تک اسلام کی دینی واسلامی حد وسیع ہو چکی تھی ان ہی علاقوں کے مختلف اطراف ونواحی میں عجیب وغریب نادر شکلوں کے وقوع پذیر ہونے کا تجربہ شروع ہو گیا تھا ایسی شکلیں کہ آج بھی جب کتابوں میں ہم ان کا ذکر پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔

زبیہ کا واقعہ:

مثلاً وہی ''الزبیہ'' کا حادثہ ہے، زبیہ یمنی زبان میں اس شکاری خندق یا گڑھے کو کہتے ہیں جو عموماً شیر وغیرہ جیسے درندوں کو پھنسانے کے لیے جنگلوں میں کھودے جاتے ہیں، قصہ یہ ہے کہ یمن کے ایک مخلاف (صوبہ) کے والی (گورنر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقرر ہو کر تشریف لے گئے تھے، آپ کے سامنے ان ہی دنوں میں ایک مقدمہ یہ بھی پیش ہوا کہ زبیہ میں ایک شیر پھنسا اطراف وجوانب کے تماش بینوں کا ایک مجمع اس زبیہ کے دھانے پر جمع ہو گیا، شیر اسی خندق یا کنویں میں پڑا غرا رہا تھا، تماشہ دیکھنے والوں میں سے کسی پر ہیبت طاری ہوئی، بدحواسی میں پاؤں پر قابو نہ رہا اور پھسل کر خندق میں وہ گرنے لگا، بازو میں اس کے ایک آدمی کھڑا تھا بے اختیاری میں اس کو گرنے والے نے پکڑ کر سہارا لینا چاہا۔ اب یہ بے چارہ بھی اس کے ساتھ چلا، اس دوسرے نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا اور چاروں کے چاروں ایک ساتھ کنویں میں جا گرے، بے چاروں کا جو حشر ایسی صورت میں ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ بھوکے غضب ناک شیر نے سب کی تکہ بوٹی کر کے رکھ دی۔

مسئلہ کی جو صورت ہے اس میں قاتل ومقتول کا سوال تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب ہی کا انجام ایک تھا۔ لیکن کسی مقتول کا خون اسلام میں چونکہ مفت ضائع نہیں ہو سکتا بلکہ جس خاندان کا مقتول رکن ہوتا ہے اس کو

حکومت مالی معاوضہ دلاتی ہے، اسی کی تعبیر قانونِ دیت یا خون بہا یعنی خون کی قیمت سے فقہ میں کی گئی ہے، خون کی یہ قیمت قاتل ہی سے نہیں بلکہ قاتل کے متعلقین سے ان پر چندہ بٹھا کر قسط وار وصول کی جاتی ہے جن لوگوں پر چندہ بٹھایا جاتا ہے ان ہی کا اصطلاحی نام ''العاقلہ'' ہے مسئلہ کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں پڑھنا چاہیے اس وقت میری غرض صرف ایک نادر الوقوع حادثہ کو بطور مثال پیش کرنا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس مقدمہ پیش ہوا اور سوال اٹھا کہ ان چاروں میں سے کسے قاتل اور کسے مقتول قرار دیا جائے اور خون کے معاوضہ کی نوعیت کیا قائم کی جائے، یہ معاوضہ کن لوگوں سے وصول کیا جائے۔

سوال یقیناً پیچیدہ تھا، لیکن اسلام نے ان حوادث پر حکم لگانے کا جو ایک دروازہ اجتہاد و قیاس کے نام سے کھول دیا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی راہ سے فیصلہ فرمایا۔ فیصلہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جب پہنچی تو ارشاد ہوا: هو كمال قال (فیصلہ وہی ہے جو علی رضی اللہ عنہ نے کہا)

اور یہ صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے، ان چکرا دینے والے قوانین یا شرعی مسائل کا ایک ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہے جو عہد نبوت اور عہد صحابہ میں پیش آئے۔

اس ضرورت کا اسلامی حل اور اولوالامر کے پیدا کرنے کا نظام:

پس یہی ناگزیر ضرورت یعنی وحی و نبوت کے معلومات کی استعمال صحیح اور ان سے آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے متعلق جدید نتائج و احکام کو صحیح اصول پر مستنبط کرنا اور اسی کے مطابق امر و حکم دینے کی واقعی صلاحیت و قابلیت اور ماہرانہ لیاقت و استعداد پیدا کرنے کے لیے قرآن میں حق تعالیٰ نے:

﴿ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (التوبہ۱۲۲)

''پھر کیوں نہ چل پڑا ہر فرقے سے ایک گروہ ''الدین'' میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے تاکہ چوکنا کریں اپنی قوم کو وہ لوگ جب پلٹ کر آئیں ان کے پاس، شاید کہ وہ (نا کردنیوں) سے بچیں''۔

کی آیت نازل فرما کر ''تفقہ فی الدین'' پیدا کر کے امر و حکم کے صحیح استحقاق حاصل کرنے والوں کے لیے اسلام میں ایک مستقل باب کا افتتاح فرما دیا۔ حتیٰ کہ اسی نص محکم سے جو در اصل قیامت تک پیش آنے والی دینی و قانونی ضرورتوں کے حل کی اساسی بنیاد ہے، حافظ ابن حزم اندلسی اسی آیت کی روشنی میں اپنی کتاب الاحکام میں اسی آیت کو پیش کر کے لکھتے ہیں:

فرض على كل جماعة مجتمعة فى قرية او دسكرة وهى المحشرة عندنا او حلة اعراب او حصن ان ينتدب منهم لطلب جميع احكام الديانة اولها عن اخرها ويتعلم

القرآن کلہ والکتاب و کل ماصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن احادیث الاحکام اولھا عن اخرھا وضبطھا بنصوص الفاظھا وضبط کل ماجمع علیہ المسلمون وما اختلفوا فیہ... ففرض علیھم الرحیل الی حیث یجدون العلماء المحتوین علی صنوف العلم وان بعدت دیارھم ولو انھم بالصین.

''مسلمانوں کی جماعتیں خواہ وہ کسی گاؤں میں یا کسی بازار یا کسی بدوی منزل یا قلعہ میں جہاں کہیں بھی اکٹھی ہوکر آباد ہوجائیں ان پر فرض ہے کہ ان میں کچھ لوگ مذہب اور دیانت کے تمام احکام کی طلب و تلاش وتحصیل کے لیے آمادہ ہوجائیں یعنی اول سے آخر تک مذہب کے تمام مسائل کو سیکھیں، ان کو چاہیے کہ پورے قرآن کی تعلیم حاصل کریں اور احکام کی حدیثوں میں جو صحیح ثابت ہوچکی ہیں ان کی کسی کتاب کو پڑھیں، اول سے آخر تک، چاہیے کہ ان حدیثوں کے ہر ہر لفظ کو ضبط کریں نیز مسلمانوں کا جن مسائل پر اجماع واتفاق ہے ان کا بھی علم حاصل کریں اور جن میں لوگ مختلف ہیں، ان کا بھی۔ بہرحال ان پر واجب ہے سفر کرنا ان علاقوں کی طرف جہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین مل سکتے ہیں، خواہ یہ علاقے ان کے ملک سے دور ہی کیوں نہ ہوں، حتیٰ کہ چین ہی میں علماء کا یہ طبقہ کیوں نہ رہتا ہو''۔

اسی آیت کی ذیل میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس طرح ہر اجتماعی طبقہ سے کسی نہ کسی کو اس کام کے لیے مستعد ہوجانا فرض ہے یوں ہی

فرض علیٰ جمیع المسلمین ان یکون فی کل قریۃ او مدینۃ او حصن من یحفظ القرآن کلہ ویعلم الناس ویقرئہ ایاھم.

''تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کے ہر گاؤں، ہر شہر یا قلعہ میں ایسا آدمی ہو جسے پورا قرآن یاد ہو اور لوگوں کو وہ قرآن سکھاتا ہو اور پڑھاتا ہو۔ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی اپنی آبادیوں میں ایسے پڑھانے والوں کو مہیا کریں۔''

بہرحال وہی ضرورت یعنی وحی ونبوت کے ان آخری علوم کے مطابق الامر اور حکم دینے کا دروازہ رہتی دنیا تک ہر اس شخص کے لیے کھلا رہے جو اپنے لیے اسلامی نظام کے تحت زندگی گزارنے کا فیصلہ کرچکا ہو، قرآن میں یہ واجب اور فرض قرار دیا گیا کہ ہر فرقہ اور ہر جماعت سے ایک گروہ وحی ونبوت کی ان معلومات کی سمجھ اور ان میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اس خطاب کے پہلے مخاطب اور اس فرض کے پہلے مکلف وہی حضرات ہوسکتے تھے جنہیں ہم مسلمانوں کا پہلا قرن یا پہلا طبقہ سمجھتے ہیں، میری مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہدِ نبوت کے مسلمانوں سے ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے اپنے خاص رجحانات اور فطری مناسبتوں کے ساتھ صحابہ میں کچھ لوگ اس فریضہ قرآنی کے انجام دہی کے لیے آمادہ ہوگئے۔

فقہ اسلامی کے پہلے معلم صلی اللہ علیہ وسلم:

ظاہر ہے کہ دین میں تفقہ پیدا کرانے یا وحی ونبوت کی معلومات کے متعلق سوجھ بوجھ پیدا کرانے کا پہلا کام جس ہستی سے متعلق ہوسکتا تھا وہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی قرآن پاک میں:

﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ (البقرہ:۱۲۹) ''سکھاتے ہیں (پیغمبر ان مسلمانوں کو) الکتاب اور الحکمت''۔

ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ قرار دیا گیا تھا۔ محض اس لیے کہ سیکھنے والوں میں سے ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آئے تو کسی خاص وجہ سے جتنی توجہ کا ایک طالب العلم مستحق ہوسکتا ہے چونکہ بارگاہِ نبوت سے اتنی توجہ ان کی طرف مبذول نہ ہوئی، سب جانتے ہیں کہ صرف اسی لیے قرآن میں پیغمبر کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ o اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى o وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ o اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴾ (عبس:۱۔۷)

''منہ کڑھالیا (پیغمبر نے) اور اعراض کیا اندھے کے آنے پر اور کس نے بتایا کہ وہ پاکیزگی حاصل کرے گا یا نصیحت سنے گا پھر نصیحت اسے فائدہ نہ پہنچائے گی۔''

اس کے ساتھ

﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى o وَهُوَ يَخْشٰى o فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴾ (عبس: ۸۔۱۰)

''مگر جو دوڑا ہوا آیا حالانکہ وہ ڈرتا ہے تو تم نے اس سے بے پروائی برتی۔''

کی آیتیں نازل ہوئیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنا پڑا کہ:

﴿ انما بعثت معلما ﴾ (صحاح) ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے ساتھ ہی مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اسی مسجد میں ''صفہ'' کے نام سے ایک باضابطہ تعلیم گاہ کا افتتاح فرمادیا تاکہ علاوہ اس عام دعوت وتبلیغ کے جو ہر شخص کے لیے عام تھی دین کے مختلف شعبوں میں تفقہ اور سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا ان لوگوں کو موقع دیا جائے جو ان شعبوں میں سے کسی شعبہ میں یا چند شعبوں میں امر اور حکم دینے کا جائز استحقاق حاصل کرسکیں۔ صفہ جو مسجد نبوی کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ تھا، اگرچہ اس ادارے کا ایک استعمال یہ بھی تھا کہ نومسلموں میں جن لوگوں کے رہنے سہنے کا نظم نہ تھا ان کی وہ سکونت گاہ تھی، لیکن اس سے زیادہ جو کام اس ادارہ سے عہدِ نبوت میں لیا جاتا تھا وہ زیادہ تر دین کے مختلف شعبوں کی تعلیم وتعلم ہی کا کام تھا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت کی اس تعلیم گاہ میں شریک

ہونے والوں کی تعداد بیک وقت کبھی کبھی اسی پچاسی تک پہنچ جاتی تھی۔ بخاری میں ہے کہ صرف انصار میں سے ستر آدمیوں نے اس میں داخلہ حاصل کیا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

سبعین من الانصار کنا نسمیھم القراء فی زمانھم.

''ستر آدمی انصار میں تھے جنہیں ہم ان کے زمانے میں ''القراء'' کے نام سے موسوم کرتے تھے یعنی یہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ ہیں''۔

اسی روایت کا دوسرا جز جس سے ان لوگوں کے بسراوقات کے ذرائع کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ ہے:

کانوا یحتطبون بالنھار و یشترون به الطعام لاھل الصفة ویتدارسون القرآن باللیل ویتعلمون.

''یہ لوگ دن کو لکڑیاں چنتے تھے جسے بیچ کر پھر اس سے کھانا خریدتے تھے، صفہ والوں کے لیے اور رات کو باہم مل کر قرآن پڑھا کرتے تھے اور علم سیکھتے تھے۔''

دوسری روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں صفہ میں شریک ہونے والوں کی امداد ہوتی تھی۔

بہرحال صفہ کی تعلیم گاہ میں شریک ہونے والوں کا ایک تو عام گروہ تھا جن کا مقصد معمولی نوشت وخواند قرآن پڑھنا، نماز سیکھنا، عام معمولی اسلامی مسائل سے واقف ہونا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ مختلف رجحانات اور فطری مناسبتوں کا اندازہ کر کے مخصصین کی ایک جماعت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔

ابھی تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ''تفقہ فی الدین'' کے قرآنی مطالبہ کی تکمیل کے لیے دین کے مختلف شعبوں کے ساتھ خصوصیت پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک اچھی خاصی تعلیمی ہلچل عہد نبوت ہی میں پیدا ہوچکی تھی۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جیسا کہ ان کا خاص طریقہ ہے ''کتاب العلم'' کا باب قائم کر کے عہد نبوت کے مختلف تعلیمی واقعات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کر کے اس زمانہ کے نظامِ تعلیم کا جو خاکہ تیار کیا ہے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج جن چیزوں کو موجودہ زمانے کی تعلیمی ترقیوں کی خصوصیت قرار دیا جاتا ہے، بمشکل کوئی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے جسے امام نے صحیح روایتوں کی روشنی میں یہ ثابت کر کے نہ دکھایا ہو کہ سب کچھ اسی زمانہ میں ہوچکا تھا۔ تفصیل کے لیے تو خود بخاری کا ہی مطالعہ کرنا چاہیے۔

بخاری کے کتاب العلم کا خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت وضرورت، مردوں کی تعلیم، عورتوں کی تعلیم، غلاموں کی تعلیم، آغاز تعلیم کی عمر، طریقہ تعلیم، حلقۂ درس، حلقۂ درس کے قوانین و آداب، صف بندی، نشست کا طریقہ، تدریس کے وقت مدرس کی آواز کی بلندی وپستی، تفہیم کا طریقہ، ہاتھ اور آنکھوں سے کسی بات کو سمجھانا، تدریس کے مختلف طریقوں املاء، لیکچر یعنی استاد کا بولنا اور طلبہ کا سننا، عرض یعنی شاگرد کا پڑھنا استاد کا سننا، تعلیم میں تدریج کا طریقہ یعنی آسان مسائل سے بہ تدریج مشکل مسائل تک طلبہ کو لے جانا، ہر جماعت میں اس جماعت کی استعداد وصلاحیت کے مطابق استاد کے اسباق کی نوعیت، استاد کا طلبہ پر غصہ ہونا، الغرض اس قسم کے مختلف تعلیمی مسائل کے ساتھ ساتھ امتحان، تعطیل، تعطیل کی ضرورت وغیرہ وغیرہ تقریباً ساٹھ سے اوپر عنوانوں کے متعلق امام نے صحیح حدیثیں پیش کی ہیں اور ان امور کے متعلق حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے سب کو بیان فرمایا ہے۔

غریب عرب کی اسلام سے پہلے جو حالت تھی قرآن میں اس کی تعبیر جاہلیت کے لفظ سے کی گئی ہے، جاہلیت کا یہی لفظ اس زمانہ میں عموماً نوشت وخواند کی ناواقفیت کے ہم معنی ہوگیا ہے ممکن ہے کہ جاہلیت کے اس مغالطہ سے جن کے دماغ متاثر ہیں ان کے لیے ابتداء اسلام میں تعلیم اور اصولِ تعلیم کے متعلق اتنے تفصیلی مباحث باعث تعجب ہوں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ خود قرآن میں بکثرت آیتیں علم کی عظمت واہمیت کے متعلق موجود ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم وتعلم کے فضائل کے متعلق جس قسم کی حوصلہ افزا حدیثیں صحاح میں مروی ہیں جن کی ان پر نظر ہے ان کے لیے ان بیانات میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس دین کی ابتداء ہی **اقراء** یعنی خواندگی کے مطالبہ سے ہوئی ہے اور "**علم بالقلم**" کے الفاظ جس کی وحی کے ابتدائی فقروں میں شریک ہوں سب سے پہلی گفتگو جو خدا نے پہلی دفعہ مسلمانوں سے کی اسی میں

﴿ **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ** ﴾ (العلق:۵) "سکھایا آدمی کو وہ چیز جسے وہ نہیں جانتا"۔

کی حقیقت پر متنبہ کرتے ہوئے بتادیا گیا کہ "انسان" کو تمام دوسری زندہ ہستیوں کے مقابلہ میں جو خاص خصوصیت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا، لیکن **مالم یعلم** (جسے وہ نہیں جانتا) ان کے جاننے اور سیکھنے کی اس میں صلاحیت ہے اسی لیے آدم زاد جاہل پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات علامہ، فلاسفر، حکیم اور خدا جانے کیا کیا ہو کر مرتا ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری جاندار ہستیاں (حیوانات) ہیں کہ بقول سعدی:

"مرغک از بیضہ بروں آمد وروزی طلبید"

انڈا کھٹکنے کے ساتھ ہی مرغ تلاش معاش کی تدبیروں میں مشغول ہوجاتا ہے، پیدا ہونے کے وقت بھی

ان کا یہی حال ہوتا ہے اور زندگی کے سارے مراحل ختم کر کے جب وہ مرتے ہیں تو جو کچھ ان کی جبلت اسے ساتھ لاتی ہے اس پر صرف بال و پر کا ہی اضافہ ہوتا ہے۔

بہرحال "علم الانسان مالم یعلم" جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کا آخری فقرہ ہے اس میں آدمی کو تعلیمی حقیقت قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ بنی آدم کے اس آخری دین میں سب سے زیادہ اہمیت تعلیم ہی کو دی جائے گی اس لیے اس کی بنیاد میں سب سے پہلا پتھر "اقرأ" ہی کا جمایا گیا ہے، یعنی اس کی بنیاد نوشت و خواند پر قائم ہے اور یہ واقعہ ہے کہ رہتی دنیا تک سارے بنی آدم کے لیے عالمگیر ہمہ جہتی آئین حیات ہونے کا جو دعویٰ اسلام نے کیا ہے، یقیناً یہ دعویٰ اسی وقت عملی شکل اختیار کرسکتا تھا کہ اس دین کی بنیاد تعلیم و تعلم، تفقہ و اجتہاد پر رکھی جائے ورنہ تیرہ سو سال تک اسلام دنیا کے اکثر خطوں کے باشندوں کے ہر شعبہ حیات پر جو بآسانی منطبق ہوتا رہا یہ کامیابی بغیر اس تدبیر کے کیا حاصل ہوسکتی تھی جو قراۃ، تعلیم، تعلم، تفقہ فی الدین کے ذریعہ سے اسے میسر آئی۔

ان قولی و فعلی تصریحات کے سوا جن کا ذکر تعلیم و تعلم، تفقہ و قراۃ کے متعلق گزر چکا، یوں بھی ایک مورخ ہونے کی حیثیت سے بھی اگر مکہ نہیں تو مدینہ منورہ اور اس کے اطراف و نواح کے یہودی ماحول سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے نواح میں یہودیوں کی ایک مستقل درسگاہ قائم تھی جسے بیت المدارس کہتے تھے جہاں باضابطہ پڑھانے کا رواج پہلے سے جاری تھا، سرزمین عرب ہی کے علاقہ یمن میں عیسائیوں کا بھی ایک مستقل تعلیمی نظام موجود تھا، ابن ہشام وغیرہ نے نجران کے اسقف اعظم کے جو حالات نقل کیے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ عیسائی ممالک کا ممتاز ترین عالم اس زمانے میں عرب ہی میں رہتا تھا۔ پھر قدیم دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز اسکندریہ بھی عرب سے ظاہر ہے کہ زیادہ دور نہ تھا، عرب بھی اس مشہور تعلیمی ملک سے واقف تھے، نیز انطاکیہ، حران دور فلسطین جہاں یہودیوں اور نصرانیوں کے تعلیمی ادارے قدیم زمانے سے قائم تھے یہ سارے علاقے عرب کے آس پاس ہی میں تھے، جہاں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ مختلف وجوہ و اسباب کے تحت جاری تھا۔

بہرحال عہد نبوت ہی میں "تفقہ فی الدین" میں خصوصیت پیدا کرنے کے لیے کسی تعلیمی نظام کا قائم ہوجانا میرے نزدیک نہ اس میں عقلاً استبعاد ہے اور نقلاً تو عرض ہی کرچکا کہ قرآن ہی کا حکم تھا کہ ایک گروہ اس کام کے لیے مسلمانوں میں قائم کیا جائے اور اس طبقہ کے ذمہ یہ فریضہ سپرد کیا گیا کہ مسلمانوں کا علم اور ان کا عمل کس حد تک "اسلامی دستور" پر منطبق ہے، اس کی نگرانی کریں اور آئے دن نئے حوادث و واقعات کے سلسلے میں جو ضرورتیں پیش آتی رہیں، وحی و نبوت کی معلومات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو ان ضرورتوں کے متعلق امر و حکم دیا

کریں۔ ''تفقہ فی الدین'' کے مطالبہ کی گزشتہ بالاقرآنی آیت کے سوا دوسری جگہ قرآن ہی میں

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

''چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہو جو خیر کی طرف بلائے، اچھی باتوں کا امر و حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔''

کی آیت میں بھی اسی ''تعلیمی طبقہ'' کے پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا بھی مختلف قرآنی آیتوں میں صراحۃً و کنایۃً اس مطالبہ کو مختلف طریقوں سے دہرایا گیا ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔ مثلاً علم ہی کہ وجہ سے آدم کو ملائکہ پر فضیلت بخشی گئی نیز متعدد مقامات میں پوچھا گیا ہے کہ عالم اور جو عالم نہ ہو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

بہر حال ایک طرف اسلام میں ''تفقہ فی الدین'' کے لیے متخصصین کے ایک خاص طبقہ کا قائم کرنا اور دوسری طرف جہل کی فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے قرآن ہی کے قانون

﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل:۴۳)

''پوچھ لیا کرو، یاد رکھنے والوں سے، اگر تم خود نہیں جانتے۔'' یا

﴿ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ﴾ (لقمان:۱۵)

''اور جو میری طرف جھکے ہوئے ہیں ان کی راہ کی پیروی کرو۔''

کا نافذ کرنا، ان سب کا لازمی نتیجہ وہی ہونا چاہیے تھا جس کی تفصیل ہمارے مؤرخین نے بیان کی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ دوسری اور تیسری نسل ہی میں نہیں بلکہ عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ ہی میں مسلمانوں کے طبقہ اولیٰ یعنی صحابہ کرام میں ''اہل علم وفتویٰ'' کا ایک مخصوص طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنی اس خصوصی حیثیت و خدمت کے لحاظ سے عام صحابہ میں بالکل ممتاز تھا اور اسلامی تاریخ کا یہی پہلا طبقہ ہے جس میں تدوین فقہ کے کام کا آغاز ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی ممتاز تابعین و تبع تابعین نے علم فقہ کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دور میں حضرت علقمہ بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے علوم کی امانت کو اپنے سینے میں محفوظ کر کے تبع تابعین کے اکابر اصحاب تک پہنچایا۔ آپ کے بعد حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور آپ کے بعد حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ اپنی علمی قابلیت اور تمام شاگردوں میں افقہ ہونے کی بنا پر آپ کی مسند تدریس پر رونق افروز کیے گئے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کردہ احادیث کے سب سے

زیادہ اعلم حماد رحمہ اللہ ہی تھے۔ حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ سے یہ علوم سب سے اول مدون فقہ بلکہ واضع فقہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منتقل ہوئے۔

یہاں پر وہ سوال جو سب سے زیادہ ذہنوں میں ابھرتا ہے یہ ہے کہ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے علم فقہ سینہ در سینہ چلا آرہا تھا اور اب تک علوم کی شکل میں باقاعدہ مدون نہیں ہوا تھا تو آخر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی کہ اس علم فقہ کو مدون کیا گیا۔ اس کا ایک آسان جواب تو یہ ہے کہ جس طرح احادیث نبویہ کی تدوین، علم تجوید و قرأت اور دیگر علوم کو مدون کر کے مسلمانوں کی علمی ضرورت کو پورا کرنا ضروری تھا اسی طرح علم فقہ کی تدوین بھی مسلمانوں کی اہم ضرورت تھی اور امام اعظم نے اس ضرورت کو بہتر انداز میں پورا کیا اور اصلی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا دور خیر القرون تھا، ہر فرد میں دین کی اہمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، احادیث مبارکہ اور مسائل کے سلسلے میں وہ رخصت یا تاویل کی کسی گنجائش کے قائل نہ تھے، تقویٰ و طہارت کی گواہی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکی تھی، کسی طرح بھی یہ تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے مفہوم کو وہ اپنی خواہشات یا آسانی کے لیے کسی بھی انداز میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ فقہاء کرام اور علماء کرام تو اس سے بھی زیادہ محتاط درجے پر فائز تھے۔ لیکن فتوحات کی تیزی اور عرب و عجم اور مختلف اقوام کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی اب وہ حالت نہیں رہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ لوگ احادیث نبویہ کے مصداق کو اپنی ضروریات و خواہشات میں آسانی کے لیے استعمال کریں۔ ہر فرد احادیث نبویہ سے مسائل نکالنے کی کوشش میں گمراہی کے گڑھے میں گر جائے۔ ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر قصبہ کی اپنی اپنی تعبیرات ہوں۔ اس لیے علماء کرام نے اس کو زیادہ مناسب سمجھا کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع امت کے ذریعہ مسائل کے استنباط سے علم فقہ کی تدوین کر کے اس کے ایسے اصول و ضوابط وضع کر لیے جائیں کہ دین اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنایا جا سکے۔ پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کی پیشین گوئی فرمادی تھی جیسا کہ حافظ ابونعیم رحمہ اللہ نے "حلیہ" میں، شیرازی رحمہ اللہ نے "الکاب" میں طبرانی رحمہ اللہ نے "معجم کبیر" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ "اگر علم ثریا پر ہوگا تو کچھ لوگ ابنائے فارس کے اس کو ضرور حاصل کر لیں گے"۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس ضرورت کو کیسے محسوس کیا اور ضرورت کے پیش نظر اس کے لیے کیا کیا اقدامات کیے اور امام اعظم پر جو اعتراضات کیے گئے اس کے کیا جوابات ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی اس سلسلہ میں کیا کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں اور امام اعظم نے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کے لیے کیا کیا جتن کیے، دار العلوم دیوبند کے مفتی اور فتاوی دار العلوم کے مرتب مولانا ظفیر الدین نے

بہت ہی خوبصورت انداز میں ان کی تاریخ اور اعتراضات کے جوابات مرحمت فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:
''رب العالمین نے اس عظیم الشان ''نظام حیات'' کی بقاء کے لیے قرآن مقدس جیسی کتاب نازل کی اور قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا اعلان کیا، پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا، تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ ﷺ کی تعلیم وتبیین، تزکیہ وتطہیر، اور آپ ﷺ کے پیش کردہ نشانِ راہ پر ایمان لایا جائے اور اسے اپنی زندگی کا محور ومرکز بنالیا جائے اور اس طرح انسان اس منزل مقصود کو پالے، جو اس کی تخلیق کا منشاء ہے''۔

اسلامی نظام حیات پر عمل عہد صحابہ میں:

عہد صحابہ تک یہ نظام فکر ونظر سے آگے بڑھ کر عمل بلکہ ہر حرکت وسکون میں جاری وساری تھا، آفتاب نبوت گوردپوش ہو چکا تھا، مگر اس کی گرمی سے سینے اسی طرح معمور تھے۔ جمال نبوی سے آنکھیں بظاہر محروم تھیں، لیکن دیدار نبوی نے جو نشہ پیدا کر دیا تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، بلکہ کیف ومستی کا وہی عالم تھا، جدھر دیکھیے اور جہاں دیکھیے وہی حوروں کی سی پاکیزہ دلی اور فرشتوں کا سا تقدس! جانوں کی قربانی دی جاسکتی تھی لیکن شعبہ جات ایمان کی شاخوں میں سے کسی شاخ کی پژمردگی ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں برداشت نہیں تھی۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال کے چلتے پھرتے مجسمے تھے، ان کی کوئی ادا اسوۂ نبوی کے خلاف نہ تھی اور سچ پوچھیے تو کتاب وسنت کی یہ ایسی دل افروز شمعیں تھیں جن سے پوری آبادی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔

ضرورت تدوین فقہ:

مگر جس طرح انسان ترقی کرتا گیا، اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی وسعت سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے چلے گئے۔ ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آ رہا تھا، سوز وگداز اور سادہ دلی وسادہ زندگی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوۂ خاص تھا، ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ایران وروم اور دوسرے عجمی ممالک کی سہل پسندی طبیعتوں میں مرکوز ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال تلاش کیے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر ''نظام حیات'' کی ترتیب ایسے جاذب نظر اور دل کش انداز میں ہو کہ جسے عالم وجاہل، ذہین وغبی، عربی وعجمی اور شہری وبدوی ہر ایک بآسانی سمجھ لے اور جو مسائل صراحۃً کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود نہیں ہیں

علماء کے باہمی غور وفکر اور بحث وتمحیص سے مستنبط ہوں۔ تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں تیزگامی سے چل سکیں، اور ساتھ ہی ان کی عجلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش وتجسس کی مشقت سے محفوظ ہو جائیں۔

تدوین فقہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر، وسیع اور دائمی ''نظام حیات'' ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شانِ ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور میں ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر اپنے پیروکی رہبری سے قاصر نہ رہے۔

چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے اور جو اپنے علم وفن میں بصیرت ومہارت کے ساتھ ساتھ زہد واتقاء، خداترسی وفرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے متصف تھے۔

خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) جنہیں اس مجلس علماء کے صدر کی حیثیت حاصل تھی، ان سارے کمالات وفضائل کے جامع تھے جن کی ایسے اہم دینی کام میں ضرورت ہوتی ہے، اس زمانہ کا کوئی ایسا دینی مکتب فکر نہیں تھا جس سے آپ نے بیدار مغزی کے ساتھ استفادہ نہ کیا ہو، ہزاروں محدثین وشیوخ کے فیض یافتہ تھے، کم وبیش چار ہزار تابعین علماء ومشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا تھا۔

شرف تابعیت:

پھر خود آپ کو بھی تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ بعض روایات کے مطابق جس زمانہ میں آپ کوفہ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے اور اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ نے دیکھا تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں اس وقت بقید حیات تھے۔

﴿اما روايته عن انس وادراكه لجماعة من الصحابة بالسن فصحيحان لاشك فيهما۔﴾ (الخیرات الحسان ص ۲۵)

''ان کا یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا زمانہ پانا دونوں باتیں صحیح ہیں اور شک وشبہ سے پاک۔''

امتیازی شان:

یہ ایک ایسا شرف تھا جس میں کوئی ہم عصر آپ کا سہیم وشریک نہ تھا۔

وفی فتاویٰ شیخ الاسلام ابن حجرانه ادرک جماعة من الصحابة کانوا بالکوفة بعد مولده بهاسنة ثمانین فهو من طبقة التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمة الامصار المعاصرین کالا وزاعی بالشام والحمادین بالبصرة والثوری بالکوفة ومالک بالمدینة الشریفة واللیث بن سعد بمصر (الخیرات الحسان ص ۲۳)

''شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں صراحت ہے کہ انہوں نے (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو پایا تھا جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد کوفہ میں زندہ سلامت تھی اور اسی وجہ سے آپ کا شمار تابعین میں ہے۔ یہ شرف ایسا ہے جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہیں جیسے شام میں اوزاعی رحمہ اللہ بصرہ میں دونوں حماد رحمہ اللہ، اور مصر میں لیث رحمہ اللہ بن سعد (ان میں سے کسی کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے''۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی حیثیت:

ائمہ اربعہ جن کے مذاہب اس وقت دنیا میں رائج ہیں ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے علم وفضل اور سن و سال میں سب سے مقدم تھے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ بقیہ تمام ائمہ آپ کے فیض یافتہ تھے۔

الامن اشتهرت مذاهبهم هم اربعة ابو حنیفة الکوفی ومالک واحمد والشافعی رحمهم الله تعالیٰ. واولهم الاول ویعاصره الثانی وقیل روی الاول من الثانی وقیل بل الثانی تلمیذ للاول، والثالث تلمیذ للرابع، والرابع تلمیذ للثانی و لبعض تلامذة الاول. (مقدمة الفوائد البهیه ص۷)

''جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی، وہ چار امام ہیں، امام ابوحنیفہ کوفی، امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی رحمہم اللہ۔ ان چاروں میں سے پہلے (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) مقدم ہیں اور دوسرے آپ کے ہم عصر ہیں، یعنی امام مالک رحمہ اللہ اور بعضوں نے کہا پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے دوسرے (امام مالک) سے روایت کی اور بعضوں کا بیان ہے کہ دوسرے (امام مالک) پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے شاگرد ہیں اور تیسرے (امام احمد) چوتھے (امام شافعی) کے شاگرد ہیں اور چوتھے (امام شافعی رحمہ اللہ) دوسرے امام مالک رحمہ اللہ اور پہلے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے بعض تلامذہ کے شاگرد ہیں''۔

اس کا ماحصل یہ ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان چاروں میں مقدم ہیں اوران چاروں میں سے آپ کے ہمعصر صرف امام مالک رحمہ اللہ (م۱۷۹ھ) ہیں جو آپ سے پندرہ سال چھوٹے تھے پھر بعض علماء تاریخ کے بیان کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ آپ کے شاگردوں میں ہیں اور یہ بات عقل میں آتی بھی ہے،اس لیے کہ یہ عمر میں آپ سے کم تھے اور اس میں تو قطعاً شبہ ہی نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے اور امام محمد رحمہ اللہ (م۱۸۹ھ) وغیرہ کے شاگرد ہیں،اور دنیا جانتی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے،اور بعض علماء کے قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ بھی۔رہ گئے امام احمد رحمہ اللہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔اس طرح یہ سلسلہ بھی امام اعظم رحمہ اللہ سے جا کر ملا،اور امام شافعی رحمہ اللہ وامام احمد رحمہ اللہ امام اعظمؒ سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ان میں سے پہلے ستر سال اور دوسرے چوراسی سال۔

امام اعظم رحمہ اللہ کو ایک طرف تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو ان بقیہ تینوں ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں۔دوسری طرف آپ عمر میں ان میں سے بڑے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) آپ کے انہی فضائل ومناقب کے پیش نظر تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل ان التابعين افضل الامة بعد الصحابة.... فنعتقد ان الامام الاعظم والهمام الاقدم ابو حنيفة افضل الائمة المجتهدين واكمل الفقهاء في علوم الدين ثم الامام مالكؒ فانه من اتباع التابعين. ثم الامام الشافعيؒ لكونه تلميذ الامام مالكؒ بل تلميذ الامام محمدؒ ثم الامام احمد بن حنبلؒ فانه كالتلميذ للشافعيؒ.

(شرح فقه اكبر ص ۱۴۶)

’’حاصل یہ ہے کہ تابعین کا درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں سب سے بڑھا ہوا ہے،اسی وجہ سے ہمارا اعتقاد ہے کہ امام اعظم، ہمام اقدم،ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مرتبہ ائمہ مجتہدین میں سب سے اونچا ہے اور فقہاء علوم دینیہ میں آپ سب سے بلند واکمل ہیں۔آپ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کا درجہ ہے جو تبع تابعین کی صف میں ہیں۔پھر امام شافعی رحمہ اللہ کا۔اس لیے کہ آپ امام مالک رحمہ اللہ بلکہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔پھر امام احمد کا جو امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد کے درجے میں ہیں۔

ماہرین علم وفن کی جماعت:

اس مختصر تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ صدر مجلس اپنے محاسن ومناقب میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔چنانچہ آپ نے کتاب وسنت اور لغت ومحاورات کے ان ماہرین علماء ربانیین کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کی دفعات مرتب کیں،اور اصول وفروع کا نقشہ تیار کیا اور اس طرح کہ اس علمی ودینی پارلیمنٹ میں سبھوں نے وسعت

نظری کے ساتھ ایک ایک مسئلہ پر غور کیا اور بحث و مباحثہ، تحقیق و جستجو کی ضرورت پیش آئی تو اس سے بھی گریز نہیں کیا۔

تدوین فقہ میں احتیاط:

کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کا پورہ ذخیرہ سامنے رکھا تا کہ کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہنے پائے اور ہر طرح چھان پھٹک کر جچے تلے جملوں میں اسے قلمبند کیا، اور اس دیدہ ریزی، غور وفکر، اخلاص وللٰہیت اور فضل و کمال کے ساتھ فقہ کا وجود عمل میں آیا۔ جو ہر جہت سے مہذب و مرتب اور زندگی کے تمام شعبہ جات پر حاوی ہے۔

طریقۂ تدوین:

جن علماء قائمین بالحق کی مجلس میں استنباط و استخراج مسائل کا مہتم بالشان کام انجام پایا، ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی۔ ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے، اور مختلف علم وفن کے ماہرین شمار ہوتے تھے:

روی الامام ابو جعفر الشیر ماذی عن شفیق البلخي، انه يقول كان الامام ابو حنيفة من اورع الناس واعبد الناس واكرم الناس واكثرهم احتياطا في الدين وابعدهم عن القول بالرای في دين الله عزوجل كان لايضع مسئلة في العلم حتى يجمع اصحابه عليها ويعقد عليها مجلسا فاذا اتفق اصحابه كلهم على موافقتها للشريعة قال لابی يوسف اوغيره ضعها في الباب الفلاني. (ردالمحتار ص ۶۲ ج ۱)

''امام ابوجعفر الشیر ماذی شفیق البلخی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر پرہیزگار، عبادت گزار، کریم النفس اور دین کے باب میں محتاط تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے دین میں ذاتی رائے کے اظہار سے کوسوں دور تھے کسی علمی مسئلہ کی اس وقت تک تفریع نہیں کرتے جب تک تمام احباب کو جمع کر کے اس پر بحث نہ کر لیتے جب سارے علماء شریعت کے اس مسئلہ میں متفق ہوجاتے تو کہیں جا کر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یا ان کے سوا کسی اور سے فرماتے کہ اسے فلاں باب میں داخل کرلو۔

ایک ایک مسئلہ پر بحث:

امام شعرانی رحمہ اللہ نے (م ۹۷۳ھ) بھی امام صاحب رحمہ اللہ کے اس طرز استنباط کا تذکرہ کیا ہے اور تقریبا کم وبیش انہی الفاظ کے ساتھ، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

وکذا فی المیزان للامام الشعرانی قدس سرہ (ایضاً)

امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب "المیزان" میں ایسا ہی ہے۔

پھر علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

فکان اذا وقعت واقعة شاورهم و ناظرهم وحاورهم وسالهم فیسمع ماعندهم من الاخبار والآثار و یقول ماعنده ویناظر هم شهرا او اکثر حتی یستقر اخر الاقوال فیثبته ابو یوسف حتی اثبت الاصول علی هذا المنهاج الشوری لا انه تفرد بذلک. (ایضاً)

"جب کوئی واقعہ (مسئلہ) آ پڑتا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے تمام اصحاب علم وفن سے مشورہ، بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیال کرتے۔ پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس حدیث اور اقوال صحابہ کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں، پھر خود اپنا حدیثی ذخیرہ سامنے رکھتے اور اس کے بعد ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ آخری بات طے پاتی اور امام ابو یوسف اسے قلم بند کرتے۔ اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو"۔

کتاب وسنت کی حیثیت:

"اخبار وآثار" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ پہلے ان علماء کے پاس کتاب وسنت کا جو ذخیرہ ہوتا تھا وہ سنایا جاتا تھا پھر صدر مجلس کے علم میں کتاب وسنت کا جو خزانہ محفوظ ہوتا، وہ پیش ہوتا اور ان تمام مرحلوں کے بعد ان کی روشنی میں ہر شخص پیش آمدہ مسئلہ پر بحث کرتا اور اپنی رائے دیتا، دوسرے اس پر مختلف پہلو سے اعتراض اور اشکالات پیدا کرتے۔ پھر اشکالات کا ہر ایک اپنے فہم کے مطابق مگر کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیتا، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اس بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے اور جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث جاری رہتی، جب ہر پہلو سے اطمینان حاصل کرلیا جاتا تو اسے جچے تلے الفاظ میں درج رجسٹر کیا جاتا۔

خود سوچیے اگر تنہا کسی ایک کی بات ہوتی تو غلطی کا احتمال تھا، مگر جہاں چالیس چالیس جید ماہر فن علماء ہوں اور پوری سنجیدگی اور دیانت داری سے ہفتوں اور مہینوں تک ایک ایک اصل پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں بحث وتمحیص ہو، غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

انسانی غلطی کا تدارک:

لیکن بہر حال تھے یہ سارے علما، ربانیین انسان ہی۔ اس لیے ممکن تھا کہ کہیں کسی مسئلہ میں لغزش رہ گئی ہو، یا آیات واحادیث سے استنباط واستخراج میں نظر سے چوک ہوگئی ہو اس لیے صدر مجلس نے ضروری سمجھا کہ باایں ہمہ حزم واحتیاط اور کدوکاوش، انسانی بھول چوک اور محدود نظری سے صرف نظر کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ چنانچہ اعلان کر دیا کہ اگر کسی مستنبط مسئلہ کا کتاب وسنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے تو ہر مسلمان کو اختیار، بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ اسے ترک کر دے اور صراحۃً حدیث سے جو مسئلہ جس طرح ثابت ہوتا ہے اسی پر عمل کرے۔

فقد صح عن ابی حنیفۃ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذلک الامام عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ ونقلہ ایضا الامام الشعرانی (عقود رسم المفتی ص ۱۷)

''یہ روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بالکل درست ہے کہ آپ نے فرمایا جب حدیث صحت کو پہنچ جائے تو پھر میرا مذہب وہی حدیث ہے اسے امام عبدالبر اور دوسرے ائمہ دین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے باب میں بیان کیا ہے۔ اور امام شعرانی نے بھی اسے نقل کیا ہے''۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا اعلان

صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) سے مختلف حضرات نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے جو روضۃ العلماء زندویسیہ کے باب فضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔

سئل ابوحنیفۃ اذاقلت قولا وکتاب اللہ یخالفہ قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یخالفہ قال اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیل اذا کان قول الصحابۃ قال اترکوا قولی بقول الصحابۃ y (عقد الجید للشاہ ولی اللہ ص ۵۳)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے کسی قول کی کتاب اللہ سے مخالفت ہوتی ہو تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا ''کتاب اللہ کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو'' کہا گیا اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مخالفت ہوتی ہو تو؟ فرمایا ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو۔'' کہا گیا اور اگر ایسا ہی قول صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے خلاف پڑے تو؟ فرمایا قول

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں بھی میرا قول چھوڑ دو۔'' یعنی میرے قول کی وقعت اس وقت کچھ نہیں جب وہ ان میں سے کسی کے بھی خلاف ثابت ہو''۔

بات بالکل درست ہے کہ دراصل جو جدید ترتیب مسائل کی ہو رہی تھی یہ کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی ہی میں تو ہو رہی تھی اس طرز جدید کا منشاء صرف یہی تھا کہ امت کے سامنے زمانہ حال کے مطابق مسائل سہل اسلوب میں آجائیں، اس لیے کہ زمانہ کی رفتار کا جو رخ تھا، وہ بتا رہا تھا کہ انسانی مزاج سہل پسند بنتا جا رہا ہے اگر اس وقت توجہ نہیں دی گئی تو آگے چل کر دشواری بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

دلائل پر بنیاد:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ اپنے تلامذہ اور اصحاب کو حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا، بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی وزنی اور قابلِ اعتماد دلیل شرعی مل جائے تو پھر اس کو اختیار کرنا اور اس کا دوسروں کو حکم دینا، اس لیے کہ مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے، اپنی بات پر ضد اور اپنے فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے۔

فاعلم ان ابا حنيفة رحمه الله من شدة احتياطه وعلمه بان الاختلاف من اثار الرحمة قال لاصحابه: ان توجه لكم دليل فقولوا به۔ (عقود رسم المفتی ص: ۱۲)

''غایت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف آثار رحمت سے ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اصحاب سے فرما دیا تھا کہ ''اگر کوئی دلیل تم کو مل جائے تو پھر اسی پر عمل کرو اور اسی کا حکم دو۔''

بعد والوں کی احتیاط:

چنانچہ آپ کے تلامذہ واصحاب اور بعد والوں نے اس قول کی اہمیت محسوس کی اور جب بھی اور جہاں کہیں کسی مسئلہ کے اندر دلائل و براہین کی روشنی میں شبہ پیدا ہوا اسے ترک کر دیا اور کتاب وسنت کے دائرہ میں جو دوسری صحیح صورت نظر آئی، اس پر عمل کیا۔

وقد يتفق لهم ان يخالفوا اصحاب المذهب لدلائل و اسباب ظهرت لهم.

(ردالمحتار ج ۱)

''اور کبھی کبھی دلائل و براہین کے پیش نظر اصحاب مذہب کی مخالفت بھی ان لوگوں نے کی ہے''۔

ضد سے اجتناب کی بکثرت مثالیں:

یہ تو آپ کے اصحاب وتلامذہ کا حال تھا کہ انہوں نے بیسیوں مسائل میں آپ سے دلائل اور اپنے فہم کی

بنیاد پر اختلاف کیا اور اسی پر ان کا عمل رہا۔ دوسری طرف خود امام اعظم رحمہ اللہ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی طے کردہ مسئلہ کے خلاف کوئی دوسری رائے کتاب وسنت کی روشنی میں وزنی معلوم ہوئی اور کتاب وسنت سے قریب تر، تو آپ نے اس طے کردہ مسئلہ کو ترک کر دیا اور اس سے رجوع کر کے دوسری طرف کے قائل ہو گئے، ایک دو نہیں بیسیوں مسائل ایسے ہیں جن سے آپ کا رجوع ثابت ہے۔ جن لوگوں نے دقت نظر سے فقہ کا مطالعہ کیا ہے ان کی نگاہوں سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں۔

کتاب وسنت کے مقابلہ میں رائے کی شدید مذمت:

یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس رائے کی مذمت کرتے تھے جو کتاب وسنت سے مستفاد نہ ہو، بلکہ اسے ضلالت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

وقد روی الشیخ محی الدین فی الفتوحات المکیة بسنده الی الامام ابی حنیفة رضی الله عنه انه کان یقول ایاکم والقول فی دین الله تعالیٰ بالرأی وعلیکم باتباع السنة، فمن خرج عنها ضل. (کتاب المیزان للشعرانی ص ۵۰ ج ۱)

''فتوحات مکیہ میں شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے مسلسل ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک اپنی سند بیان کرنے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ کے دین میں محض رائے کی بنیاد پر حکم کرنے سے بچو، اور اپنے اوپر سنت کی پیروی ضروری کرلو اس لیے کہ جو اس سے خارج ہوا، وہ گمراہ ہو گیا۔''

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک شریعت میں کسی بات کا ثبوت نہ مل جائے اسے زبان پر لانا بھی گناہ ہے۔

وکان یقول لاینبغی لاحد ان یقول قولا حتی یعلم ان شریعة رسول الله صلی الله علیه وسلم تقبله (کتاب المیزان للشعرانی ص ۵ ج ۱)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ بات شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے کسی کے لیے اس کا زبان پر لانا درست نہیں ہے''۔

ستنباط مسائل اور اس کے لیے اہتمام:

جو مسائل صراحۃً کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں نہیں ملتے ان کے لیے پوری مجلس طلب کرتے، بحث و تمحیص سے کام لیتے اور جب تک کوئی چیز باہمی اتفاق سے طے نہ ہو جاتی، اطمینان خاطر نہ ہوتا۔ امام

شعرانی رحمہ اللہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان یجمع العلماء فی کل مسئلة لم یجدها صریحة فی الکتاب والسنة ویعمل بمایتفقون علیه فیها (کتاب المیزان للشعرانی ص ۱۵ ج ۱)

''جومسئلہ کتاب وسنت میں صراحتاً نہیں ملتا اس کے لیے تمام علماء کو جمع کرتے اور جس پرسبھوں کا اتفاق ہوتا عمل فرماتے''۔

استنباط واستخراج کے موقع پر بھی یہی کرتے، علماء عصر سے مشورہ اور ان کا اتفاق ضروری سمجھتے، تنہا اس طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

وکذلک یفعل اذا استنبط حکما فلایکتبه حتی یجمع علیه علماء عصره فان رضوه قال لابی یوسف اکتبه. (ایضاً)

''جب کبھی کسی حکم کا استنباط مقصود ہوتا تو اس وقت تک اسے ضبط تحریر میں نہیں لاتے جب تک تمام علماء کو جمع کر کے مشورہ نہ کر لیتے اگر سب اس سے متفق ہوتے اور پسند کرتے تو امام ابو یوسف سے فرماتے ''اسے لکھ لو''۔

اصحاب الرائے کا حاصل:

علماء نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جو''صاحب الرائے'' قرار دیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی ذاتی یا من مانی رائے ہوا کرتی تھی، اس لیے کہ آپ پڑھ چکے کہ امام صاحب رحمہ اللہ ایسی رائے کو گمراہی فرمایا کرتے تھے لہٰذا اگر کسی نے ایسا کہا ہے یا سمجھا ہے تو اس سے کھلی ہوئی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے خواہ وہ بڑے سے بڑا محدث کیوں نہ ہو۔ امام موصوف اور آپ کے اصحاب اس سے بالکل بری ہیں، ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ (م۹۷۳ھ) نے درست لکھا ہے:

اعلم انه یتعین علیک ان لاتفهم من اقوال العلماء عن ابی حنیفة واصحابه انهم اصحاب الرای علی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلی قول اصحابه لانهم براء من ذلک. (الخیرات الحسان ص ۳۹)

''خوب یقین کر لو کہ علماء کے اقوال کی وجہ سے ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ کے مقابلہ میں ''اصحاب الرائے'' کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے کہ یہ حضرات اس سے بالکلیہ بری ہیں''۔

تدوین فقہ میں ترتیب:

آگے دلائل کے طور پر لکھتے ہیں کہ امام صاحب رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کا طرز فکر اور استنباط و استخراج کیا تھا اور آپ کس اصول پر گامزن تھے، فرماتے ہیں:

فقد جاء عن ابی حنیفة a من طرق کثیرة ماملخصه انه اولاً یأخذ بما فی القران فان لم یجد فبالسنة فان لم یجد فبقول الصحابة فان اختلفوا اخذبما کان اقرب الی القران او السنة من اقوالهم ولم یخرج عنهم فان لم یجد لاحد منهم قولا لم یاخذ بقول احد من التابعین، بل یجتهد کما اجتهدوا. (الخیرات الحسان ص ۲۹)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق کثرت طریق سے جو ثابت شدہ حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلے قرآن اختیار کرتے اگر قرآن میں وہ چیز نہ ملتی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے اور اگر سنت میں بھی کوئی چیز نہ ملتی تو پھر قول صحابہ اختیار کرتے۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا تو ان میں جو قول کتاب وسنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا اسے قبول کرتے اور اس حد سے باہر نہ جاتے اور اگر صحابہ کا بھی کوئی قول نہ ملتا تو تابعین میں سے کسی کا قول اختیار نہ کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے''۔

تدوین فقہ میں اولیت کا شرف:

امت میں ترتیب فقہ اور مسائل کے استنباط و استخراج میں آپ کو اولیت کا شرف حاصل ہے اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دارومدار حافظہ پر تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی اس سلسلہ میں آپ کے خوشہ چیں ہیں، ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

انه اول من دون علم الفقه و رتبه ابو ابا و کتبا علی نحوما علیه الیوم وتبعه مالک فی مؤطاه ومن قبله انما کانوا یعتمدون علی حفظهم. (الخیرات الحسان ص ۳۱)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے اس طرح باب وفصل وار مرتب کیا جس طرح آج اس کی مرتب شکل پائی جاتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے لوگوں کا اعتماد حافظہ پر ہوا کرتا تھا''۔

امام اعظم رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے، اس لیے کہ جس زمانہ میں احادیث

کے مجموعے پائے نہیں جاتے تھے بغیر علم حدیث کے مسائل کا استخراج کہاں سے ہوسکتا تھا "فقہ حنفی" کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ، جس سے ساری دنیا اور بعد کے مجتہدین نے اپنے زمانہ میں استفادہ کیا، بغیر حدیث کے کہاں سے آ گیا، اور آج اس کے سارے مسائل و اصول کس طرح حدیث کے مطابق ہو گئے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ "فقہ حنفی" کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) نے لکھا ہے:

مر انه اخذ عن اربعة الاف شيخ من ائمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من المحدثين. (ایضاً ص ۶۲)

"یہ بات گزر چکی کہ امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار ائمہ تابعین اور دوسرے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی وغیرہ نے محدثین کے طبقہ حفاظ میں آپ کا شمار کیا ہے"۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا ذوق حدیث ان کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے لکھی ہیں کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الحج، موطا امام محمد، اور دوسری کتابیں عام طور پر ملتی ہیں، ان کو لے کر پڑھا جائے اور اندازہ لگایا جائے۔

آج بھی فقہ حنفی کا کوئی طالب العلم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک ایک ایک مسئلہ حنفی کی تحقیق کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کر لیتا۔

غلط پروپیگنڈا:

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان حضرات کو حدیث نبوی سے اتنا شغف نہیں تھا جتنا فقہ سے اور نہ یہ کہنا بجا ہے کہ ان حضرات کی تمام تر توجہ آیات اور احادیث سے مسائل واحکام کے استنباط و اختراج پر مرکوز تھی اور تدوین و جمع احادیث سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ بات صرف اس قدر ہے کہ تدوین فقہ جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی تھی، انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اجتماعی طور پر پوری محنت کے ساتھ یہ کام شروع کر دیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ استنباط مسائل واحکام اس وقت کا سب سے اہم کام تھا اور یہ سب کے بس کی بات بھی نہ تھی کیونکہ اس میں بڑے غور وفکر اور فہم وبصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، باقی تدوین حدیث کا کام تو یہ عہد نبوی سے ہوتا آ رہا ہے اور اس وقت بھی بطور خود ہر شخص کو دلچسپی تھی، جس کا بڑا ثبوت امام اعظم رحمہ اللہ کی "مسند" ہے اور پھر پہلی صدی ہجری کے ختم پر جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روپوش ہوئے ابھی دس بیس سال بھی نہ گزرے تھے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جمع حدیث میں اہم کام اسناد اور رواۃ پر نظر ہے اور سچ پوچھیے تو یہی معیار ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے دور میں جس وقت تابعین کا بڑا طبقہ بقید حیات تھا اسناد و رواۃ کی اس بحث کی گنجائش ہی کہاں تھی جو بعد میں ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ مسلم ہے **الصحابة كلهم عدول** صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں رہ گئے تابعین تو

یہ موجود ہی تھے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب فقہ کی ترتیب اور استنباط و استخراج مسائل کے اشتغال کی وجہ سے اگر احادیث کی روایت میں نمایاں نظر نہیں آتے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ حضرات نے حدیث کی دولت سے وافر حصہ نہیں پایا تھا۔۔۔ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

ولاجل اشتغاله بهذا الاهم لم يظهر حديثه في الخارج كما ان ابابكر و عمر رضي الله عنهما لما اشتغلا لمصالح المسلمين العامة لم يظهر عنهما من رواية الاحاديث مثل ماظهر عمن دونهما حتى صغار الصحابة رضوان الله عليهم و كذلك مالك والشافعي لم يظهر عنهما مثل ماظهر عمن تفرغ للرواية كابي زرعة و ابن معين.(الخيرات الحسان ص ٦٦)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وقرآن سے چونکہ مسائل کے استنباط و استخراج میں منہمک تھے جو بڑا اہم کام تھا۔ اس وجہ سے آپ کی خدمتِ حدیث نمایاں نہ ہوسکی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مصالح عامہ سے متعلقہ امور میں اشتغال کی وجہ سے روایت حدیث میں وہ نمایاں مقام نہیں حاصل کر سکے جو دوسرے چھوٹے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل رہا اور یہی حال امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کا ہے کہ ان کی خدمت حدیث ان لوگوں کی طرح نمایاں نہیں جو اس کام کے ہوکر رہ گئے تھے جیسے ابوزرعہ اور ابن معین''۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب نے احادیث کے ساتھ بھی اپنے دور کے مذاق کے مطابق وہی شغف رکھا جو رکھنا چاہیے تھا۔

تدوینِ فقہ اور مسائل کا پھیلاؤ :

فقہ کا جو کام امام اعظم رحمہ اللہ کی زیرنگرانی انجام پایا تھا وہ ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا ہی گیا کسی منزل پر جاکر رکا نہیں اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ انسانی ضرورتیں نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں اور نئی ایجادات اور جدت پسندی کے ساتھ نئے مسائل ابھرتے رہے اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تاقیامت یوں ہی جاری رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں فقہ کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من يرد الله به خير ايفقهه في الدين، انما انا قاسم والله يعطي (متفق عليه مشكوة كتاب العلم ص ٣٢)

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمالیتا ہے دین میں اسے بصیرت عطا کر دیتا ہے اور میرا کام تو

بس تقسیم کر دینا ہے حقیقت میں عطاء و بخشش خدا کا کام ہے"۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقاہت اور استنباط و استخراج میں بصیرت فیضان الٰہی ہے، انسانی عمل کو اس میں دخل نہیں، قدرت کی طرف سے یہ فیضان ان بندوں پر ہوتا ہے جسے وہ نوازنا چاہتا ہے۔

فقہ کی برکت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد رواه الترمذی (مشکوة)

"ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"۔

اور چیزوں کے ساتھ اس حدیث میں یہ بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر فقہاء مسائل میں صحیح طور پر رہنمائی نہیں فرماتے تو شیطان کا لشکر انسانوں کو غلط راستہ پر ڈال دیتا اور گمراہی کے جہنم میں لا کھڑا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیطان جس قدر فقیہ سے گھبراتا ہے عبادت گزار سے نہیں۔

فتویٰ اور اس کی اہمیت:

فقہ اور دین کے وہ پیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے یا اس سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ "فتاویٰ" کے قالب میں جلوہ گر ہوئے اور اس سلسلہ نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا، کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید و جدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق و جستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچا لیا، فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کے ساتھ بڑھتا گیا۔ انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس جس طرح پیدا ہوتے گئے، کتاب وسنت اور فقہ سے اس مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا، کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے۔

تنگ نظری کا الزام:

جن لوگوں نے اپنی کم علمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے علماء دین پر جمود اور تنگ نظری کا الزام لگایا ہے وہ بڑی حد تک معذور ہیں البتہ قابل صد ملامت وہ حاسدین ہیں جو از راہ کینہ پروری ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، ان میں ہر دور کے نئے مسائل بھی درج ہیں اور ان کے جوابات بھی، ان کتابوں سے بڑھ کر ثبوت میں اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

فقہ و فتاویٰ ایسا فن ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس

فن اور اس کے اصول و جزئیات سے پڑتا ہے اور جس قدر آئے دن کے مسائل کا جواب یہاں سے ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں ہے۔

تاریخ فتاویٰ :

''فتاویٰ'' کی تاریخ بہت قدیم اور اس کی نسبت بہت اونچی ہے اس لیے کوئی بھی انسان ہو فقہی معلومات میں ''مفتی'' کا محتاج ہے اس کی کدوکاوش اور تحقیق وجواب کے بغیر مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے۔کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہمیں اپنی زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا جس میں فقہ وفتاویٰ کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔

ایک شخص اپنے کو مسلمان بھی کہے، یعنی وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات کا پابند بھی ہو اور اسے دینی مسائل اور اس کی صحیح صورت سے بے پروائی بھی ہو ممکن نہیں۔عبادات ومعاملات اور اخلاق واعمال میں سیکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں جہاں اسے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ ان کٹھن مواقع میں یقینی طور پر فقہ، فتاویٰ اور فقہائے کرام ومفتیانِ عظام کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی منہمک زندگی میں اس قدر مہلت کہاں ہے کہ وہ خود قرآن وحدیث کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کرے اور وقت کے وقت پیش آمدہ مشکل مسئلہ کا حل تلاش کرے۔

فقہ وفتویٰ کے لیے مخصوص جماعت اور اس کی وجہ :

یہ درست ہے کہ مسائل واحکام کا سارا ذخیرہ اور اس کی بنیاد دراصل ''کتاب وسنت'' ہی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کے اندر ایک خاص انداز میں حقائق واحکام پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسری طرف یہ بھی مسلم ہے کہ عموماً ہر شخص کو ہر زمانہ میں حالات یکساں پیش نہیں آتے بلکہ مختلف ڈھنگ سے صورت حال سامنے آتی ہے۔سبھوں میں یہ فہم وبصیرت کہاں ہے جو کلام اللہ اور سنت نبوی سے اپنے حالات کے مطابق ہر ہر جزئیہ کا جواب حاصل کرلے اور وہ جواب بالکل صحیح بھی ہو۔اگر گنے چنے کچھ افراد اس طرح کے نکلیں بھی تو کوئی ضروری نہیں کہ انہیں کتاب وسنت میں مہارت بھی ہو اور وہ اپنے اندر ان تمام شرائط کو پاتے ہوں جو ایک صاحب نظر مفتی کے لیے ضروری ہے اور اگر ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں تو ان کو اتنی مہلت کہاں کہ اس عظیم الشان ذخیرہ سے مفید مطلب آیت وحدیث فوراً تلاش کرلیں اور اس طرح کہ وہ آیت و حدیث دوسری آیتوں اور احادیث سے متعارض بھی نہ ہوں، اس لیے عقل کا بھی تقاضا ہے کہ قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھنے والی ایک معتمد جماعت مسائل ضرور یہ مستنبط کرکے یکجا کرتی رہے تاکہ امت کے عام افراد دن

رات کے پیش آمدہ مسائل کے اندر کہیں الجھاؤ میں گرفتار نہ ہونے پائیں اور بلا شبہ اور بلا مبالغہ انہی مستنبط احکام ومسائل کا نام فقہ وفتویٰ ہے۔

مفتیانِ کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام وخواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا اور یہ اپنے علمی رسوخ، خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

دین کے مخصوص خدام:

یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء کرام کے دو طبقے مخصوص طور پر دین کی اس طرح کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے۔

ایک محدثین کا جس کا مشغلہ احادیث نبوی کی حفاظت و صیانت رہا، یعنی اس طبقہ کو احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام رہا اور انہوں نے اسناد والفاظ حدیث پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا طبقہ فقہاء امت کا، جنہوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط و استخراج کیا اور الفاظ حدیث سے زیادہ معانی حدیث اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔

ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی:

مفتیوں کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے اور اس امت کے سب سے پہلے مفتی اعظم خود رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے، اور یہ دولت آپ تک رب العزت کی طرف سے پہنچی، قرآن پاک میں افتاء کا لفظ خود رب العالمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ وَ مَایُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ ﴾ (النساء: ۱۲۷)

''اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں''۔

کلالہ کے سلسلہ میں آیت نازل ہوئی:

﴿ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالة ﴾. (النساء: ۱۲۴)

''لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتے ہیں''۔

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ ان آیتوں میں ''افتاء'' کی نسبت خود رب العزت جل مجدہ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً یہ نسبت اس شعبہ کی اہمیت وفضیلت کی سب سے بڑی سند ہے۔ یہیں سے یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جو عالم دین اس عظیم الشان منصب پر فائز ہوتا ہے اس کی ذمہ داری کس درجہ اہم ہے اور اسے کس بلندی کا حامل ہونا چاہیے۔

یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس منصب عظیم پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے عصمت کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا تاکہ دین کے سلسلہ میں آپ جو حکم فرمائیں وہ انسانی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ ہو، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپ ان تمام کو جوابات سے شادکام فرماتے۔ ان جوابات وسوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے۔ بہت سے علماء کرام نے اس حصہ کو بھی جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات اور جوابات کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام کی حاضری

کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے سوالات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئے جس کا جواب آپ کو معلوم نہیں تھا چنانچہ آپ نے توقف فرمایا، پھر فوراً جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے سامنے سوال پیش کر کے جواب طلب کیا، مگر روح الامین بھی بول اٹھے کہ اس سوال کے جواب میں میرا حال آپ جیسا ہی ہے اور پھر کہنے لگے ''آپ انتظار فرمائیں، میں ابھی رب ذوالجلال کی بارگاہ سے جواب لے کر حاضر ہوتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے پوچھا ''ای البقاع خیر؟'' کون سا خطۂ ارض بہتر ہے؟ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور فرمایا میری یہ خاموشی اسی وقت تک ہے جب تک روح الامین تشریف نہ لے آئیں، اتنے میں فوراً حضرت جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا اور دریافت کیا اس کا جواب کیا دیا جائے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

ماالمسئول عنها باعلم من السائل ولكن اسال ربي تبارك وتعالى.

(مشکوۃ باب المساجد ص ۷۱)

''جس سے پوچھا جارہا ہے وہ اس مسئلہ میں پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا لیکن میں پروردگار عالم بزرگ وبرتر سے پوچھتا ہوں''۔

یہ کہہ کر حضرت جبرئیل روانہ ہوگئے پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لے آئے اور کہنے لگے آج میں رب العزت سے اس قدر قریب ہوا جتنا کبھی نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اس کی نوعیت کیا تھی کہا میرے اور میرے رب کے درمیان صرف ستر ہزار نوری پردے پڑے ہوئے تھے۔'' پھر جو سوال کیا گیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جواب نقل کیا، کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ شر البقاع اسواقها و خير البقاع مساجدها رواه ابن حبان في صحيحه عن ابن عمرؓ ﴾ (ایضاً)

''زمین کا بدترین حصہ اس کے بازار ہیں اور بہترین حصہ اس کی مسجدیں''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن جواب بحیثیت رسول آپ کے ذمہ ضروری تھا لہٰذا آپ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ جواب معلوم کرتے اور پھر سائل کو جواب مرحمت فرماتے۔

عجلت پسندی سے اجتناب اور بڑے کی طرف رجوع:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ ۔۔۔(م۱۰۱۴ھ) نے اس حدیث کے ضمن میں طیبی رحمۃ اللہ (م۷۴۳ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

ان من استفتي عن مسئلة لايعلمها فعليه ان لايعجل في الافتاء ولايستنكف عن الاستفتاء عمن هو اعلم ولايبادر الى الاجتهاد مالم يضطر اليه فان ذلك من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم و سنة جبريلؑ (مرقاۃ المفاتیح)

''جس مفتی سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا جائے جس کا جواب وہ جانتا نہیں ہے تو اس کا فرض ہے کہ نہ وہ فتویٰ دینے میں عجلت کرے اور نہ اپنے سے بڑے عالم سے پوچھنے میں شرمائے اور جب تک بالکل اضطرار کی سی کیفیت پیش نہ آجائے اجتہاد کی ہمت نہ کرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا''۔

گویا مفتی کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اولاً نص کی تلاش کرے اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونے دے اگر اسے کوئی نص نہ مل سکے تو کسی بڑے عالم یا مفتی سے دریافت کرے، پوچھنے میں ننگ و عار سے کام نہ لے اور جب تک قابل اطمینان جواب مل نہ جائے، بغیر علم غلط صحیح جو جی میں آئے جواب دینے کی کوشش نہ کرے اور یہ کہ مسائل میں اجتہاد اس وقت کیا جائے، جب صراحۃً کوئی آیت یا حدیث یا قول صحابہ نہ مل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی حیثیت:

کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی حیثیت بہت اونچی ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس ارفع واعلیٰ ہے، آپ خاتم النبیین اور عصمت کی دولت سے نوازے ہوئے تھے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ جواب کی جامعیت وکاملیت اور اس کے الفاظ کا جچا تلا ہونا، جواب دینے والے کی علمی لیاقت اور اس کے شایان شان ہوتا ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کی حیثیت ''جوامع الکلم'' اور ''فصل خطاب'' کی ہے جس سے سرتابی کا خیال بھی ایک مسلمان کے لیے گناہ عظیم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴾ (النساء:۸)

''پھر اگر تم کسی امر میں اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ طریقہ سب سے بہتر ہے اور اس کا انجام خوش تر ہے''۔

منصب افتاء پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس عظیم الشان منصب پر آپ کے وہ جلیل القدر صاحب بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فائز ہوئے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ (توبہ ۱۳)

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی وخوش ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور راضی ہیں''۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (مشکوۃ باب مناقب الصحابۃؓ)

''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی تم اقتدا کروگے ہدایت یاب ہوگے''۔

اور جنہیں کتاب وسنت کا فہم خصوصی حاصل تھا اور جن کے باب میں امت کا فیصلہ ہے:

البر الامة قلوبا، واعمقها علما، واقلها تكلفا، واحسنها بيانا، واصدقها ايمانا واعمها نصيحة، واقربها الى الله وسيلة. (اعلام الموقعین. ص ۵ ج ۱)

''(صحابۂ کرام) امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح ایمان میں سب سے زیادہ سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے، اور باعتبار وسیلہ اللہ سے قریب تر ہیں''۔

صاحبِ فتویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہمی فہم وفراست اور ذہانت وذکاوت میں مختلف تھے ان میں جو صاحبِ فتویٰ تھے ان کی تعداد کے متعلق حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) کا بیان ہے کہ وہ کچھ اوپر ایک سوتین تھے، ان میں سے سات کا مکثرین میں شمار کیا گیا ہے، یہ وہ بزرگوار ہیں جن کے فتاویٰ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام حضرات کے فتاویٰ یکجا کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں، ان سات کے نام یہ ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد فتاویٰ

پھر ان حضرات اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ دینی علوم نے نشوونما پائی اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا چلا گیا، یہ سلسلہ الحمدللہ کسی منزل پر پہنچ کر ٹوٹا نہیں بلکہ اب تک قائم ہے اور یقین کامل ہے کہ تا قیامت یوں ہی قائم رہے گا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین، تابعین کے بعد تبع تابعین، پھر بعد کے علماء وفقہاء نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔

فقہ حنفی:

فقہ حنفی تمام تر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے مستفاد ہے مگر سلسلۂ اسناد اس کا حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر جا کر منتہی ہوتا ہے جو اولین ایمان لانے والوں میں ہیں، اور ان کے علاوہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملتا ہے جن کے شاگردوں سے امام اعظم رحمہ اللہ نے استفادہ کیا ان کی تعداد کم وبیش چار ہزار مورخین نے لکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، جو فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں:

رضیت لامتی مارضی لها ابن ام عبد یعنی عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ (او کماقال)

''میں نے اپنی امت کے لیے ان چیزوں کو پسند کیا جنہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کیا''۔

اور امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) نے اپنی کتاب ''التقریب'' میں حضرت مسروق رحمہ اللہ (م ۶۲ھ) سے یہ روایت نقل کی ہے:

انتهى علم الصحابة الى ستة عمر و علي و ابي وزيد و ابي الدرداء و ابن مسعود ثم

انتهى علم الستة الى علي و عبدالله بن مسعودؓ (ردالمحتار ص۴۲ ج۱)
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علوم چھ پر آ کر ختم ہوئے حضرت عمر، حضرت علی، ابی، حضرت زید، حضرت ابوالدردا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم پھر ان چھ کا علم دو میں سمٹ آیا۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔

ان دونوں (حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے علوم کے ممتاز خوشہ چیں حضرت علقمہ (م۶۲ھ) تھے جن کی پیدائش عہد نبوی کی ہے اور جنہوں نے ان حضرات کے علاوہ حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے خصوصی طور پر تعلیم پائی تھی۔ حضرت علقمہ سے حضرت ابراہیم النخعی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۶ھ) نے اور حضرت ابراہیم النخعی رحمہ اللہ سے حماد بن ابی سلیمان الکوفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۰ھ) نے تعلیم پائی اور حماد بن ابی سلیمان الکوفی رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (المتولد ۸۰ھ والمتوفی ۱۵۰ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے علاوہ ہزاروں دوسرے علماء ومشائخ سے بھی علم حاصل کیا تھا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے امام ابویوسفؒ، امام محمد (م۱۸۹ھ) اور امام زفر رحمہ اللہ (م۱۵۸ھ) اور دوسرے سیکڑوں علماء ومشائخ نے علم حاصل کیا اور پھر اس طرح یہ ''فقہ حنفی'' پورے عالم میں پھیل گیا اور بقول ملاعلی قاری رحمہ اللہ دو تہائی مسلمان اس فقہ پر عمل کرنے والے نظر آنے لگے اور اب تک آ رہے ہیں۔

دارالافتاء دارالعلوم:

اور سچ پوچھیے تو یہی سلسلہ چل کر ہمارے اس دور تک پہنچا ہے یوں دوسرے سلسلے بھی اس میں آ کر ملے ہیں جس کا سب سے بڑا مرکز اس وقت عالم اسلام میں دارالعلوم دیوبند (قائم شدہ ۱۲۸۳ھ) ہے، جہاں کتاب و سنت اور فقہ و فتاویٰ کی تعلیم کا ایک خاص اسلوب اور مخصوص معیار ہے اور جسے اس وقت بحمداللہ بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے اور جہاں اس وقت ہندوستان، پاکستان، افغانستان، برما، ملایا، تبت، افریقہ، انڈونیشیا، نیپال اور دوسرے ممالک کے طلبائے دین حاضر ہوتے ہیں اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔

افتاء کی اہمیت:

افتاء ایک اہم ذمہ داری ہے اور یہی وجہ تھی کہ اسلاف اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے سے علم و عمل میں برتر سمجھتے تھے ان کے سر یہ ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے۔ پھر اس باب میں ان کا حال یہ تھا کہ اگر مسئلہ مستفسرہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی، تو بلا تکلف بتا دیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو صفائی سے کہہ دیتے ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کسی اور سے پوچھ لیا جائے، کھینچ تان اور تکلف و تصنع کو کسی حال میں پسند نہیں کرتے تھے۔

افتاء کے لیے علم وفہم:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص پوچھنے والے کے ہر سوال کا جواب بے سمجھے بوجھے دینے لگے وہ ''پاگل'' ہے الفاظ یہ ہیں:

ان من افتی الناس فی کل مایسالونہ عنہ لمجنون (اعلام الموقعین ص ۲ ا ص ا)

حضرت سعید بن سحنون کا بیان ہے:

اجرأ الناس علی الفتیا اقلھم علما (ایضاً)

''فتویٰ پر بڑا بے باک وہ ہوتا ہے جو کم علم ہوتا ہے''۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس طرح کے تمام بیانات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الجراء علی الفتیاتکون من قلۃ العلم ومن ضرارتہ وسفھہ، فاذا قل علمہ افتی عن کل مایسئل عنہ بغیر علم (اعلام الموقعین)

''فتویٰ پر جری ہونا قلت علم ناتجربہ کاری اور بھولے پن کی دلیل ہے کیوں کہ جب آدمی کا علم کمتر ہوتا ہے تو وہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے بغیر جانے بوجھے''۔

مفتی کا فریضہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہوگا استفتاؤں کے جوابات دینے یا لکھنے میں پوری بصیرت سے کام لے گا اور سوچ سمجھ کر جواب دے گا، معلوم نہ ہوگا تو کہہ دے گا ''دوسرے علماء سے تحقیق کر لی جائے'' اور جسے ذمہ داری کا پورا احساس نہ ہوگا اس کے پیش نظر اپنی بڑائی ہوگی اور بس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یاایھا الناس من علم شیئاً فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل "اللہ اعلم" فان من العلم ان تقول لما لاتعلم اللہ اعلم قال اللہ تعالی لنبیہ قل ماأسئلکم علیہ من اجروما انامن المتکلفین متفق علیہ. (مشکوۃ کتاب العلم)

''اے لوگو! جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیوں کہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ فرمادیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں ہوں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔

خوف خدا:

لیکن دراصل مفتی وہی ہے جس کا دل خوف خدا سے لبریز ہو اور جو جواب دے خوب دیکھ بھال کر دے تا کہ اس کی دانست میں کوئی غلطی یا کوتاہی نہ رہنے پائے۔ مفتی کا فرض ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مستحضر رکھے:

من قال علی مالم اقل فلیتبوا بیتا فی جهنم و من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه رواه ابو داؤد. (مشکوة کتاب العلم)

''جو شخص میرے خلاف وہ بات کہے جو میں نے کہی نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے اور جو مفتی بغیر علم کسی مسئلہ کا جواب دے گا اس کا گناہ اس مفتی پر ہوگا''۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دین میں تحریف کا راستہ بند کر دیا:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب سے تدوین فقہ کے بعد پوری امت یکسوئی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوگئی اور دین میں تحریف وتبدیل کا راستہ بند ہوگیا۔ آپ کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمہم اللہ اور دیگر علماء کرام نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، جب کہ دوسری جانب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی اپنے اذواق کے مطابق فقہ کی تدوین کی اور ان چاروں ائمہ کرام کا سلسلہ جاری ہے اور امت کے اکثر طبقات نے اس کو قبول کر کے اس پر عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ فقہ کی اس تدوین کے بعد ہر دور میں ضرورت کے مطابق استفتاء اور اجتہاد دونوں کے ذریعہ فقہاء کرام علوم فقہ میں اضافہ کرتے رہے تا آنکہ برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کے دور حکومت میں اسلامی آثار کو مٹانے کے ساتھ اسلامی علوم کو ختم کرنے کی مہم شروع ہوتی ہے۔ حکومتی اداروں سے اسلام کو ختم کرنے کے لیے سرکاری دفاتر کی زبان فارسی سے تبدیل کر کے انگریزی کر دی جاتی ہے۔ دینی مدارس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ علماء کرام کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔ خود انگریز مورخین نے لکھا ہے کہ ایک ایک دن میں ہزاروں علماء کرام کو درختوں پر لٹکا کر گولیوں سے بھون دیا گیا۔ ٹھٹھہ کے ایک علاقہ میں ہزاروں مدارس کو تہس نہس کر دیا گیا۔ درختوں پر علماء کرام کی لاشوں کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ خود انگریزوں کے دل اس وحشتنا کی پر مضطرب ہوئے۔ بعض اہل ضمیر بے ساختہ چیخ اٹھے۔ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کیا تو انگریز فوجیوں نے شہریوں کی زندگیاں اجیرن کر دیں، علماء کرام شہید کر دیے گئے۔ ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ لوگ راتوں کو انگریزوں کے خلاف دعا کرنے سے بھی خوف کھانے لگے۔ انگریز پادریوں کے غول کے غول مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے گلی گلی، کوچے کوچے پھیل

گئے اور مسلمانوں کے دلوں سے قرآن وحدیث اور فقہ کو نکالنے کے لیے نہ صرف نظام تعلیم تبدیل کر دیا، بلکہ ایسا نظام تعلیم مرتب کیا گیا کہ جس کو پڑھ کر مسلمان مسلمان نہ رہے بلکہ عیسائیت اختیار کر لے۔ دوسری طرف کتب دینیہ کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قرآن کریم کو مٹانے کے لیے تمام حربے اختیار کیے جانے لگے۔ قرآنی آیت ''کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں'' کے مناظر نظروں کے سامنے آنے لگے۔ ایسے مخدوش اور تباہ کن حالات میں علماء دیوبند نے اسلام کی حفاظت کے لیے کیا کیا اور صورت حال کتنی خطرناک تھی مفتی اعظم پاکستان مولانا ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کتنی حقیقت پسندانہ عکس بندی کرتے ہیں:

حفاظتِ دین اور دار العلوم دیو بند:

قرونِ اخیرہ میں جب کہ ہندوستان میں کفر وشرک اور بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے، عقائد کے پیچ وخم کفر وشرک کی سرحدیں پار کر رہے تھے، جاہل صوفیوں اور گمراہ پیروں نے اسلامی اعمال و اخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، رفض وتشیع کی ظلمتیں اذہان پر چھائی ہوئی تھیں، دوسری طرف سیاسی طور پر ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی، مغلیہ سلطنت کا زوال ہو رہا تھا، اورنگ زیب کے جانشین رفض وتشیع کی آلودگیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ دہلی میں عین اسی وقت جب کہ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، شاہ ولی اللہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہونہار اور سعادت مند اور علوم نبوت سے سرشار فرزند عطا کیے جنہوں نے تزکیۂ نفوس کے موتی اسلامیان ہند کے لیے بکھیر دیے۔ عقائد کی اصلاح ہوئی، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں اور ایک عالم کو اپنے چشمۂ فیاض سے سیراب کیا، رفض وتشیع کے تار پود بکھیر دیے۔ جاہل صوفیوں اور گمراہ علماء سے انسانوں کو آزاد کرایا، کتاب وحکمت کی تعلیم کو عام کیا اور برصغیر پاک و ہند قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونج اٹھا۔ یہ خانوادۂ علم وعرفان اس وقت جماعت حقہ کا مصداق بنا۔ پھر اس خاندان صدق وصفا کی خلافت جماعت علمائے دیو بند کے حصے میں آئی، جنہوں نے مذکورہ بالا مقاصد میں سے ہر مقصد کے تحت کام کیا۔

ان حضرات میں اللہ تعالیٰ نے قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، ارباب فتوی اور تزکیۂ نفوس واصلاح کا کام کرنے والے پیدا کیے، قرات وتجوید کی کتابیں لکھیں، قرآن کریم کے تراجم، تفسیریں تصنیف فرما کر پہلے اور دوسرے مقصد کو پورا کیا، کتب حدیث کی طباعت اور اس پر تحشیہ اور صحاح ستہ کی مبسوط شروح لکھ کر تعلیم حکمت کا فریضہ انجام دیا، ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ حق دکھا کر، ذمائم اخلاق کی آلودگیوں سے پاک کر کے تزکیۂ نفوس اور سیرت سازی کا عظیم کام انجام دیا، بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے سلوک وتصوف کو قرآن وحدیث وفقہ سے ہم آہنگ کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، اجمالی اشارات ہیں، اس جماعت

حقہ کے کارناموں پر تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ غرض یہ جماعت ظلمت کدۂ ہندوستان میں ستارۂ نور بنی رہی، اور ہے اور تشنگان علوم نبوت کے لیے چشمۂ صافی۔ اس جماعت میں حضرات ذیل سر فہرست ہیں:

(۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ
(۳) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ
(۴) حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوری رحمہ اللہ
(۵) حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ
(۶) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
(۷) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمہ اللہ
(۸) حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ
(۹) حضرت مولانا انور شاہ الکشمیری دیوبندی رحمہ اللہ
(۱۰) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ
(۱۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ
(۱۲) مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ
(۱۳) مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ

اس اسلام دشمن ماحول میں جب کہ بقول مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب پادریوں کے غول کے غول گلی گلی گھوم کر برسر عام اسلام کے خلاف گفتگو کرتے اور بیانگ دہل اعلان کرتے کہ اب اس سرزمین پر اسلام کے بجائے عیسائیت کا غلبہ ہوگا کوئی عالم دین مقابلہ میں گفتگو کرتا تو اس کو سر عام پھانسی دے دی جاتی۔ ایک وقت ایسا آیا ہے کہ ہزاروں علماء کرام کو بیک وقت پھانسی دی گئی کہ علاقہ کا کوئی درخت ایسا نہیں رہا جس پر کسی عالم دین کی لاش نہ لٹکی ہوئی ہو۔ صورت حال اتنی گھمبیر ہوگئی تھی کہ لوگ انگریز حکومت کے خلاف سوچنے تک سے ڈرنے لگے۔ ایسی صورت حال میں اکابر دیوبند نے پہلا راستہ جہاد کا اختیار کیا اور مسلمانوں میں جینے اور آزادی کی امنگ پیدا کی اور وہ راستہ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ وغیرہ نے تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں پھونکا تھا اور جس کے عملی اقدامات کے لیے حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے رائے بریلی سے بالاکوٹ تک کا طویل سفر کر کے ایک ایک مسلمان کو تحریک آزادی اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے آمادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں ایسی تاثیر ودیعت فرمائی تھی کہ آپ جس کو دعوت دیتے وہ توبہ کر کے جہادی لشکر میں شامل ہو جاتا۔ ہزاروں طوائفوں اور ہزاروں زانیوں نے توبہ کی، لاکھوں افراد آپ کے شریک سفر ہو کر جہاد میں شامل ہوئے۔ پشاور اور اس کے اطراف میں آپ نے اسلامی حکومت قائم کی۔ لیکن آپ کو سکھوں نے چین لینے نہیں دیا۔ آخر کار بالاکوٹ میں آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور مسلمان پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ گئے۔

سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی امارت میں حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حافظ ضامن شہید رحمہم اللہ نے ایک لشکر تیار کیا اور شاملی کے میدان میں باضابطہ انگریزوں سے براہ راست جہاد کیا۔ حضرت حافظ ضامن شہید ہوئے۔ دیگر بہت سے مسلمان شہید اور گرفتار ہوئے۔ بادی النظر میں اس جہاد میں علماء کرام کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو مکہ مکرمہ ہجرت کرنی پڑی۔ جب کہ دیگر علماء کرام کچھ عرصہ روپوش رہے۔ صورت حال بہت زیادہ نازک ہوگئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کا وجود اور اسلامی تعلیمات کے اثرات بالکل ختم ہو کر رہ جائیں گے اور یہاں بھی اسپین کی تاریخ دوہرائی جائے گی۔

الہامی مدرسہ:

یہی وہ وقت ہے جب کہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرمایا اور بیک وقت ارباب قلوب کے دلوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت مسلمانوں کے عقائد اور دین کی حفاظت اور علوم نبویہ اور قرآنی تعلیمات کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کوئی تدبیر کی جائے اور برصغیر کو اسپین بننے سے بچایا جائے۔ اس بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد ارباب قلوب اس نتیجے پر پہنچے کہ دینی اداروں کے ذریعہ مسلمانوں کی علمی میراث اور عقائد کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد یہ ارباب قلوب قصبۂ دیوبند کے اس چھوٹے سے بقعۂ زمین میں جمع ہوئے جس کی نشاندہی بھی بشارت کے ذریعہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور جس جگہ سے گزرتے ہوئے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے۔ حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے اس پس منظر کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام مروجہ طریقے پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا گیا ہو، بلکہ یہ مدرسہ بالہام غیب قائم کیا گیا ہے۔ وقت کے اہل اللہ اور ارباب قلوب افراد کے قلوب پر یکدم وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جب کہ انگریزی اقتدار مسلط ہو چکا ہے اور اس کے تحت ان کا تمدن اور ان کے افکار و نظریات طبعاً اس ملک پر مسلط ہونے والے ہیں، جو یقیناً اسلام کے منافی اور نصرانیت کے فروغ کا باعث ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن کے زیر اثر اسلامی معاشرت بلکہ نفس دین و مذہب ہی سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے (جو کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی فراست ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا) ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں بیٹھ کر

ظاہر کیا، کسی نے کہا کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ان حالات میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو کم سے کم مسلمانوں کے دین کو محفوظ رکھ سکے۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر بھی یہی وارد ہوا ہے، کسی نے کہا کہ مجھے خواب میں یہی حقیقت دکھلائی گئی ہے۔ غرض قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے۔ گو ان کی اسلامی شوکت پامال ہو چکی ہے، لیکن اگر دین اور دینی جذبات محفوظ ہو جائیں گے تو ایسا وقت آنا بھی ممکن ہے کہ وہ ان دینی جذبات و دعاوی سے رہتی دنیا کو بھی سنوار سکیں۔ یہ تھے وہ الہامات غیب جن کے تحت ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا، اس لیے یہ مدرسہ کسی رسمی مشورہ و مفاہمت سے قائم نہیں ہوا، بلکہ باشارات غیب وقوع پذیر ہوا۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند:

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ان روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراء مدرسہ پر مستعد ہوئے اور ملا محمود صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو جو میرٹھ میں مدرس تھے، میرٹھ ہی میں بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہاں دس روپے ماہوار تنخواہ مل رہی ہے، آپ اپنے وطن دیوبند تشریف لے چلیں، وہاں مدرسہ قائم ہورہا ہے اور وہیں درس و تدریس شروع فرما دیں آپ کی تنخواہ ابھی پندرہ روپے ماہوار ہوگی۔ ملا صاحب جب ہی تشریف لے آئے اور مسجد چھتہ میں (جو دارالعلوم سے متصل اور اب دارالعلوم ہی کے زیر انتظام ہے) ملا محمود صاحب نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند رحمہ اللہ) کو سامنے بٹھلا کر مدرسہ دیوبند کا آغاز کر دیا۔ بعد میں اجراء مدرسہ کا اعلان ہوا اور بتدریج ایک سے دو اور دو سے دس پانچ تک طلباء کی تعداد بڑھنی شروع ہوگئی۔

پھر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس مدرسہ بلکہ اس جیسے تمام مدارس کے لیے آٹھ اصول وضع فرمائے اور ان پر عنوان یہ رکھا کہ ''وہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔'' مولانا محمد علی مرحوم جب تحریک خلافت کے موقع پر دیوبند تشریف لائے، دارالعلوم میں پہنچے اور یہ اصول ہشتگانہ حضرت ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ان کے سامنے پیش کیے گئے۔ (جو بجنسہٖ خزانہ دارالعلوم میں حضرت ہی کی قلمی تحریر کے ساتھ محفوظ ہیں) تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: ''ان اصول کا عقل سے کیا تعلق؟ یہ تو خزانۂ غیب اور مخزن معرفت سے نکلے ہوئے ہیں، حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہنچے ہیں، یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہنچ چکے تھے۔'' اس شہادت اور خدام دارالعلوم کے یقین کی گواہی سے صاف ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کے اصول بھی الہامی ہیں، کسی رسمی مشورہ و مفاہمت کا نتیجہ نہیں۔

اجراء مدرسہ کے بعد یہ مدرسہ مختلف مسجدوں اور پھر کرایہ کے مکانات میں چلتا رہا۔ سات آٹھ برس کے

عد جب طلبا کی کثرت ہوئی اور رجوع عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہیے، تو یہ جگہ اور اس کے وہ حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارات کھڑی ہوئی ہیں، تحریک وترغیب کے بعد درسے کے لیے دینے شروع کیے، بعض نے بقیمت اور بعض نے حسبۃً للہ، جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے اتھ آ گیا۔ یہ جگہ عموماً شہر کا میلا پونے اور کوریون کی جگہ تھی۔ دارالعلوم کے قیام سے تقریباً ایک صدی یا کم وبیش پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ مع اپنے رفقاء مجاہدین کے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے، جس کا ظہور سوسال بعد ہوا اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۸۰ء کے بعد علوم نبوت کی اشاعت و روتج شروع ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی جگہ کا انتخاب بھی الہامی ہے، جو باشارات غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعۂ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہ مہتمم ثانی دارالعلوم یوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے، صاحب کشف وواردات اور صاحب کرامات بزرگ تھے) کے زمانۂ اہتمام میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آ گیا کہ اسے مراجائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے، کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا سے فرمایا: شمال کی جانب جو یاد کھودی گئی ہے، اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصائے مبارک سے دس بیس گز مال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے، تاکہ مدرسے کا صحن وسیع رہے، (جہاں تک اب صحن ی لمبائی ہے) مولانا علیہ الرحمۃ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور موجود تھا تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا، نہ کسی سے شورہ کیا، اسی نشان پر بنیاد کھدوادی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہوگئی۔ اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی یادیں بھی الہامی اور اشارات غیب کے تحت ہیں۔

اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ اور اکابرین جمع ہی نہیں تھے، بلکہ ان کے قلوب میں ایک ب بشاشت وکیفیت کا نور موجزن تھا، سنگ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا، نہیں فلاں ماحب سے ابتداء کرائی جائے، وہ ہم سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کم سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا، بالآخر پہلی اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ، محدث مارنپوری رحمہ اللہ سے رکھوائی گئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت میاں جی منے شاہ ماحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا، تو انہوں نے

حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی، جس سے واضح ہے کہ سنگ بنیاد رکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباع سنت اور روحانیات میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

دار العلوم دیوبند کے بارے میں بشارتیں:

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ممدوح دار العلوم کے صحن (پیش نو درہ) میں کھڑے ہوئے تھے، چند طلباء بھی حاضر تھے کہ دورہ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لے کر آپ کے سامنے آیا (جب کہ اس وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلبا کا کھانا پکتا تھا) اور اس نے نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شوربے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دے مارا اور کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام و انتظام؟ کہ اس شوربے میں نہ مسالہ ہے، نہ گھی ہے، پانی جیسا شوربہ ہے، اور کچھ اور بھی سخت سست الفاظ کہے۔ اس گستاخی پر طلباء جوش میں آ گئے، مگر چونکہ حضرت مولانا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ نہیں فرمارہے تھے، اس لیے طلباء بھی خاموش کھڑے رہے، بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی، جب وہ طالب علم بک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلباء سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم ہے؟ طلبا نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے کا طالب علم ہے۔ فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، طلباء نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کے نام کا باقاعدہ اندراج ہے اور یہ برابر مدرسہ سے کھانا لے رہا ہے، فرمایا کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔ چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، اس کا ایک ہمنام دوسرا طالب علم ہے، اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا، ورنہ اس کا اندراج سرے سے ہی رجسٹروں میں نہیں ہے۔ بات کھل جانے پر طلبا نے عرض کیا کہ حضرت! بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، لیکن آپ نے اس قوت سے کس بنا پر اس کے طالب علم ہونے کی نفی فرمائی؟

فرمایا: ابتداءً میں اہتمام سے کارہ اور بے زار تھا، لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ روک دیتے تھے، مجبوراً پھر کام میں لگ جاتا تھا اور ردو انکار اور جبر و اصرار کے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطۂ مولسری دار العلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی من پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرمارہے ہیں، لینے والے آرہے ہیں اور دودھ لے جارہے ہیں، کوئی گھڑا لے کر آرہا ہے، کوئی لوٹا، کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے۔ اور اس طرح ہزاروں آدمی دودھ لے کر جارہے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے؟ تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثال دار العلوم کی ہے اور دودھ صورت مثال علم کی ہے اور

قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندۂ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ آ آ کر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں، جو حسب ظرف علم لے لے کر جا رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلبہ آتے ہیں، تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی، لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں اس لیے میں نے قوت سے کہہ دیا کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کے لیے طلبا کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے، نہ پروپیگنڈہ اور نہ ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلبہ آ کر داخل ہوں، بلکہ من جانب اللہ جس کے قلب میں داخلے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔

اکابر علماء کرام کی توجہات:

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دارالعلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا بلکہ حضرت نونوتوی رحمہ اللہ کرتے ہیں، جو جوان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور میں وہی کام کر گزرتا ہوں۔ چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے کہ مولانا! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے میرے دل میں آ رہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیے، جسے آپ نے عملاً انجام دے دیا۔ اس سے واضح ہے کہ اس مدرسے کے امور مہمہ بھی اشارات غیب اور الہامات ہی سے انجام پاتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں قوی النسبت اکابرین میں سے تھے، وہیں امی محض تھے، نہ لکھنا جانتے تھے، نہ پڑھنا، امور متعلقہ، مولانا کے ارشاد و احکام اہتمام قلمبند ہوتے تو مولانا اس پر اپنی مہر لگا دیتے تھے، گویا احکام اہتمام بھی کچھ ماوراء اسباب ہی قلمبند ہوتے تھے، جس میں رسمی نوشت و خواندگی ہوتی تھی، حضرت کا امی ہونا خود اس کی بھی دلیل ہے کہ ان کے قلبی مضمرات کسی رسمی علم کے تابع نہ تھے، بلکہ قلبی واردات ہوتے تھے، جنہیں ارشادات غیب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اولین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا۔ فرمایا کہ میں دارالعلوم کی وسطی درس گاہ نودرہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں، جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں اور اس لیے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے سے بھی حل نہیں ہوتا، اس درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں، بلکہ من جانب اللہ قلوب طلباء و اساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں

علمی شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی مکاشفہ ہے کہ درس گاہ نودرہ کے سامنے کے صحن میں درس گاہ کے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے، اس لیے اس احقر نے اس جگہ کی تشخیص کے بعد اس پر سیمنٹ کا ایک چوکھٹا (نشان) بنوایا ہے اور اس پر جنازہ رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ ان کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں، بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، خواہ وہ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں، **ھم القوم لایشقی جلیسھم**۔ پھر اس مدرسہ کے اساتذہ اور عہدیداروں میں بھی تکوینی طور پر ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے، جو صاحب نسبت اور صاحب دل ہی ہوتے رہے ہیں۔

بہر حال اس مدرسے کے ابتدائی تصور، اس کی جگہ کا انتخاب، اس کا اجراء اس کا سنگ بنیاد، اس کے ذمہ داروں کا انتخاب، اس کے طلباء کی تشخیص، طریق کار اور طریق اجراء احکام سب ہی کچھ اس عالم اسباب سے زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے میں نے اس مدرسے کا لقب عنوان میں ''الہامی مدرسہ'' رکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے جمعیت علماء اسلام کی خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں جو مقالہ پیش کیا اس میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد اور خدمات کے تذکرے کے ذیل میں فرماتے ہیں:

برادرانِ اسلام! ''ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس'' بھی اس علاقہ کی دارالعلوم دیوبند سے وابستگی اور شیفتگی کی علامت ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے اجلاس صد سالہ کے موقع پر پاکستان اور بنگلہ دیش میں بڑے اجتماعات منعقد کرنے کی تجویز پیش کی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اس کی اجازت دی اور آج انہی بزرگوں کی تجویز وتصویب کے مطابق جمعیۃ علماء اسلام یہ اجلاس منعقد کر رہی ہے جس کا مقصد دارالعلوم کی خدمات کا تعارف ہے، اور مجھے بھی اسی سلسلے میں اپنی معروضات پیش کرنی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر اور آفاقی خدمات اور اس کے کارناموں سے لبریز تاریخ کے بارے میں مختصر وقت میں تفصیلی گفتگو نہیں کی جا سکتی، اس لیے اختصار کے ساتھ عرض ہے، خدا ان باتوں کو مفید بنائے۔

دارالعلوم کیا ہے؟

اس سلسلے میں مجھے سب سے پہلے یہ واضح کرنا ہے کہ دارالعلوم کیا ہے اور اس کا مقصد ومنہاج کیا ہے؟ اختصار کے ساتھ یہ سمجھنا چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے قیام کے روز اول سے آج تک الحمدللہ اسی علمی، عملی اور

تہذیبی وراثت کا امین ہے جو اسے عہد خیر القرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، ملت اسلامیہ کی توجہات کا یہ مرکز علم وعمل کے لحاظ سے عہد خیر القرون کا نمونہ ہے، یہاں سب سے زیادہ باکمال وہ ہے جو زمان ومکان کے فاصلوں کو طے کر کے مجلس نبوت میں حاضر ہو جائے جس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے استفادہ کیا تھا۔ دارالعلوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کبھی وہ رنگ قبول نہیں کیا جو صبغۃ اللہ نہیں تھا، اسی لیے مکمل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے فرقۂ ناجیہ کی جو علامت ماانا علیہ واصحابی (میرے اور میرے صحابہ کے عقیدہ وعمل کے مطابق) بیان فرمائی تھی وہ الحمدللہ دارالعلوم کے مسلک پر پوری طرح منطبق ہے۔ دارالعلوم گویا اس صراط مستقیم کا محافظ اور پہرے دار ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کو اور صحابہ وتابعین سے ائمہ مجتہدین کو پہنچتی رہی ہے، پھر ائمہ مجتہدین سے امت کو ہر عہد میں یہ امانت ایسے انتخاب روزگار بزرگوں کے ذریعہ منتقل ہوتی رہی جو اگرچہ انفرادی طور پر تو معصوم نہیں ہیں لیکن ان کا مجموعی موقف یقیناً معصوم ہے، اس طرح الحمدللہ دین کی ابدی حفاظت ہوئی اور خداوند قادر وقیوم کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون پورا ہوتا رہا اور اسی لیے دارالعلوم کے مسلکِ حق کے مطابق قرآن کریم اور دین مبین کی صرف وہی تعبیر درست ہے جس کے حال کا رشتہ ماضی سے منقطع نہ ہوا ہو۔ چنانچہ دارالعلوم نے روز اول ہی سے قرآن کریم کو سینہ سے لگائے رکھنے کے ساتھ سنت کی اہمیت پر پورا زور دیا اور قرآن وسنت کی حامل اولین جماعت یعنی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر وعظمت، ان سے محبت اور بحیثیت طبقہ ان کے مقدس اور عدول ہونے کے عقیدے کو اپنایا۔

الغرض دارالعلوم اسی صراط مستقیم کا پاسبان ہے جو صحابۂ کرام سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خداوند عالم نے اکابر دارالعلوم کے ذریعہ گزشتہ زمانہ میں جو خدمت لی ہے وہ بے مثال ہے، بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت کا کوئی رخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ذریعہ منارے اور مشعلیں قائم نہ فرمادی ہوں، اسی طرح ضلالت وگمراہی کا کوئی پیچ وخم ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے اس کے ذریعہ صحیح رہنمائی کے اسباب فراہم نہ کر دیے ہوں، اس لیے کہ دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا ان میں علماء کرام کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں اور یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اکابر دارالعلوم کے ذریعہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرایا۔ فللہ الحمد۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر:

دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا وہ تاریخ ہند کا نازک ترین دور ہے، ہندوستان تقریباً ایک ہزار سال تک مسلم سلاطین کے زیر نگیں رہا ہے لیکن بہ استثناء چند سلاطین اسلام کے تغافل کے سبب اسلام کی

دعوت وتبلیغ کا کام صرف علماء وصوفیاء کے ذریعہ انجام پاتا رہا اور آج تک اس سرزمین پر اسلام اور مسلمانوں کے نام سے جو کچھ بھی موجود ہے وہ انہی علماء وصوفیاء کی مساعی جمیلہ کی یادگار ہے بلکہ سچ پوچھیے تو مسلمانوں کے عہد سلطنت میں بھی غلط کار اور غلط اندیش حکمرانوں کی بنیادی غلطیوں کی اصلاح کا فریضہ بھی یہی برگزیدہ جماعت انجام دیتی رہی ہے۔ لیکن اسلامی حکومت کے انحطاط اور زوال نے ان حضرات کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ کردیا، ایک طرف حکومت واقتدار کی بازیابی کے لیے جدوجہد، اور دوسری طرف اس دور کے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے بقاء وتحفظ کا پرپیچ مرحلہ۔ حالات بڑے مایوس کن تھے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی میراث کے وارث اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے اہل حق، خاندانِ شاہ ولی اللہ کی صورت میں ظاہر ہوئے، اسلامی حکومت کے دور انحطاط میں اس خانوادے نے جو جلیل القدر علمی وفکری خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی تاریخ کا عظیم الشان ذخیرہ ہیں، نہ صرف ہندو پاک بلکہ بیشتر بلادِ عربیہ کی دینی فضا بھی اسی جماعت کی کوششوں کی یادگار ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی انقلاب آفریں جدوجہد کے بعد ان کے صاحبزادگان نے تیرہ وتاریک ماحول میں آفتابِ عالم تاب کی طرح ضیا پاشیاں کیں، ملکی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ، ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر حکومتِ متسلطہ کے خلاف محاذ آرائی اور دہلی کی مسندِ حدیث وفقہ کی رونق افزائی ان کے زریں کارنامے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور بانیوں کو بھی اسی خانوادۂ علم ودانش سے نسبت فیض حاصل ہے کہ ان بزرگوں نے جب یہ دیکھا کہ انگریزی سامراج کے ظلِ اقتدار میں ذہن وفکر اور تہذیب وتمدن کا زبردست انقلاب مسلمانوں کی بساط کو تہ و بالا کردینے پر تلا ہوا ہے تو انہوں نے اس سیلاب پر بند باندھنے کی سعی کی، اور جہاد بالسیف سے غفلت نہ برتتے ہوئے انہوں نے دیوبند کی سرزمین پر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی مذہبی اقدار کی حفاظت کے لیے ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھ دی۔ ان بزرگوں میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سید عابد حسین دیوبندی، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ کے نام سرفہرست ہیں۔

خاندانِ ولی اللّٰہی سے نسبتِ فیض رکھنے والوں نے جب دارالعلوم دیوبند کی صورت میں ایک چشمۂ علم و معرفت قائم فرمادیا تو خداوند عالم نے مسلمانوں کے قلوب کو اس کی طرف مائل کردیا اور حصولِ علم کے پروانے جوق در جوق اس شمع کا طواف کرنے لگے، قبولِ عام کا یہ منظر بھی چشم فلک نے دیکھا کہ دارالعلوم کے قیام کے

پہلے ہی سال میں متعدد غیر ملکی طلبہ بھی داخل ہوئے اور اسی کے ساتھ جو دارالعلوم کی علمی، عملی، تعمیری، دفاعی اور سیاسی خدمات توفیقِ خداوندی سے پھیلنا شروع ہوئیں تو خطۂ عالم کا ایک ایک گوشہ اس سحابِ رحمت کی فیض رسانیوں سے مستفید ہوا اور اس مدت میں ہزاروں اساطینِ امت نے اس گلشنِ علم و معرفت کی آبیاری کی، ان بزرگوں کے نام اور کارنامے تاریخ انسانیت کا زریں باب ہیں، خدا ان کی ارواح کو خوش وخرم رکھے اور جنت الفردوس میں انہیں درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے اور ان کے سینچے ہوئے گلستان کی بہاروں کو تا ابد قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

دارالعلوم کا آفاقی فیض:

چنانچہ رجالِ دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل و معاملات میں جو رہنمائی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں پچھلی صدی میں کی گئی ہے، وہ الحمدللہ اپنی جگہ نہایت کامل و مکمل ہے، اور اگرچہ گزشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی اور ذہنی انقلاب کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب آفریں ہے لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش نہ کر دیا گیا ہو، دارالعلوم کی ان جلیل القدر خدمات سے دارالعلوم کی افادیت و ضرورت اور اس کے فیض عام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اسی گلستانِ فطرت کی آبیاری کر رہا ہے جس کے ایک ایک شجرۂ طوبیٰ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے لگایا گیا ہے۔

دارالعلوم کی ملی خدمات:

اکابر دارالعلوم، دارالعلوم کے قیام سے پہلے انفرادی طور پر اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن دارالعلوم کے قیام کے بعد جب ان کی قوتوں میں اجتماعی شان پیدا ہوگئی تو خداوند عالم نے ان کے ہاتھوں سے جو امور انجام دلائے وہ بالیقین گزشتہ صدی کا تجدیدی کارنامہ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم تجدیدی کارنامہ ہی نہیں جماعتِ مجددین کو جنم دینے والا ادارہ ہے، اس آفتاب ہدایت کی کرنوں نے برصغیر ہندو پاک ہی کو منور نہیں کیا بلکہ اس کا نور افغانستان، انڈونیشیا، ایران، برما، تھائی لینڈ، افریقہ، چین، روس، سعودی عرب، دیلون، عراق، فرانس، کمبوڈیا، ملیشیا، نیپال، یمن اور دنیا کے تمام علاقوں میں پہنچا، ان تمام ممالک کے فضلاء کی آج تک کی مجموعی تعداد تقریباً چالیس پچاس ہزار اور فیض یافتہ منتسبین کا عدد کئی لاکھ ہے۔

ان فضلاء میں تاریخ کے سرسری جائزے کے مطابق ایک ہزار مشائخ طریقت، دس ہزار مدرس، دو ہزار سے زائد مصنف، تین ہزار ارباب افتاء، دو ہزار مناظر، آٹھ سو صحافی، آٹھ ہزار خطیب، مبلغ، ایک ہزار طبیب،

اور ہزاروں ادیب پیدا ہوئے اور اسلامی علوم وفنون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس برگزیدہ جماعت کے احسانات سے گراں بار نہیں ہے، دینی علوم وفنون میں قرآن، حدیث، فقہ، فتاویٰ، عقائد اور ان سے متعلق علوم کی اتنی وقیع خدمات انجام دی گئیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے، اگر ان کتابوں کی صرف فہرست تیار کی جائے تو وہ اپنی ضخامت میں خود ایک مستقل تصنیف ہوگی۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کے ذریعہ جو مثالی کارنامے فضلائے دارالعلوم نے انجام دیے ان کا اندازہ بھی مشکل ہے، ہزاروں بلکہ لاکھوں مدارس کا قیام، ہزاروں خانقاہوں میں غلغلۂ حق اور ہزاروں مراکز تبلیغ کی رونق انہی کے دم سے ہے۔ مدارس، خانقاہوں اور مراکز تبلیغ کے علاوہ دارالعلوم کے فیض کا ایک بہت بڑا حصہ وہ تبلیغی سرگرمیاں ہیں جو براہِ راست دارالعلوم کے مبلغین یا بالواسطہ دارالعلوم کے فضلاء کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں وجود پارہی ہیں، برصغیر ہند وپاک بلکہ دنیا میں جہاں بھی تبلیغ ودعوت کے لیے کوئی نقل وحرکت پائی جاتی ہے بلاشبہ اس کا بیشتر حصہ دارالعلوم کے فضلاء کا مرہون عمل ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بھی دارالعلوم سے فیض پانے والے بزرگوں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ میں ہیں۔

اس لیے بلاشبہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ تصنیف وتالیف، درس وتدریس، بیعت وارشاد اور تذکیر وتبلیغ کی صورت میں جو خدمات انجام دی گئی ہیں، وہی دراصل مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں نشأۃ ثانیہ کی بنیاد ہیں۔ اگر دارالعلوم کی یہ تعلیمی وتبلیغی جدوجہد نہ ہوتی تو پچھلی صدی اپنی مادی ترقیات کے اعتبار سے فکر ونظر کا جو انقلاب اپنے جلو میں لائی تھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کیا انجام ہوتا اور کچھ بعید نہیں کہ ہند وپاک میں اسپین کی کہانی دہرا دی گئی ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے جو قلعہ تعمیر کیا اس کی بدولت اسلاف کی امانت محفوظ رہی، مادیت اور ضلال کا ہر سیلاب جو اس کی فصیل سے ٹکرایا، سجدہ ریز ہوا اور ناکام واپس ہوگیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی دارالعلوم دیوبند کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ خاصانِ خدا کی دعائے سحرگاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کا مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد واخلاص کی نمایاں علامت، علم ومعرفت کا حسین امتزاج، مسلمانان برصغیر کی حیات ملی کی صراط مستقیم، اور لامذہبیت کے اس دور میں دینی آثار واقدار اور اسلامی تہذیب وثقافت کا محافظ وعلمبردار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ تاریخ اسلامی کی اولین درسگاہ ''صفہ'' کی یادگار اور عکس جمیل، جس کی بنیاد توکل علی اللہ اور خدائے کریم ورحیم کے باحوصلہ بندوں کے مخیّرانہ جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی نواب ورئیس

کے مراحم خسروانہ کی جانب نگاہ اٹھائی اور نہ کسی حکمراں اور امیر کی داد ودہش کی پروا کی، جس کا سراپا وجود اپنے ابناء وفرزندوں کو اعتماد علی اللہ اور عرفان خودی کی تعلیم ودعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ برصغیر ہندو پاک کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی ہے، جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا مؤثر اور کامیاب مقابلہ کیا ہے، خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا ہو یا شدھی وسنگھٹن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ عیسائی پادریوں نے برپا کیا ہو یا انگریزوں کے ظل عاطفت میں پرورش پانے والے متنبی قادیانی نے، خواہ وہ فتنہ رضا خانیت اور غیر مقلدیت کے عنوان سے نمایاں ہوا ہو یا سبائیت اور ناصبیت کے لباس میں نمودار ہوا ہو۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ یہ وہ تربیت گاہ حریت ہے جس نے اسلامیانِ ہند کو ''جمعیۃ علمائے ہند'' جیسی اولوالعزم باحوصلہ، مدبر اور باشعور جماعت فراہم کی جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جب کہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اس وقت اعلان جنگ کر دیا جب کہ دوسرے لوگ اس نو وارد آقا کی خوشامد اور رضا جوئی میں لگے ہوئے تھے۔

تاریخ گواہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ برطانوی سامراج کو بایں طاقت وشوکت تگنی کا ناچ نچادیا اور اپنے جہد وعمل اور قربانیوں کے سلسلے کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک اس سفید فام سیاہ دل غاصبوں سے وطن عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرالیا۔

پس منظر:

سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین ومذہب اور تہذیب وثقافت سے بیگانہ اور برگشتہ کر دینے کی غرض سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، دینی علوم اور ان کے محافظ علماء وفضلاء کو سرزمین ہند سے بے نشان کر دینے کے لیے تشدد اور جارحیت کی حد کر دی گئی۔ ارض ہند جس پر انہوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی، امراء ورؤساء کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں نان شبینہ کا محتاج بنادیا گیا، غرضیکہ ظلم وجبر کی جس قدر بھی شکلیں امکان میں تھیں وہ سب مجبور مسلمانوں پر آزمالی گئیں، لیکن خانماں برباد ملت میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی، سب کچھ فنا ہو گیا تھا مگر اسلامی کردار زندہ تھا، دولت وحکومت اور شان وشوکت پر غارت گرانِ فرنگ نے قبضہ کر لیا تھا، مگر دینی حمیت محفوظ تھی، تمام تر وحشیانہ حرکتوں کے باوجود، دین ومذہب اور ملک ووطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جاسکیں تو ملک کے اقتدار پر قابض شاطر غاصبوں نے بجائے ظلم وتشدد کے ایک دوسری حکمت عملی تجویز کی جس کی تفصیل مولوی محمد طفیل علیگ کے الفاظ میں یہ ہے:

''حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص پر گورنمنٹ ہند کی حکمت عملی (پالیسی) ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے

بارے میں تبدیل ہوئی اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انہیں سلطنت کا خیر خواہ اور وفادار نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقۂ تعلیم دینے کا تہیہ کر لیا۔" (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

رد عیسائیت اور دار العلوم دیوبند:

اس حکمت عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے؟ انہیں اچھی طرح سمجھنے اور اس پالیسی کی اصلی حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا، یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے یا انگریزی زبان میں؟ اس کمیٹی کا اجلاس ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا جس میں لارڈ میکالے صدر اجلاس کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

"اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے اس کے ذریعہ ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا۔ مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا، اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انہوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔" (روشن مستقبل، ص: ۱۵۰)

لارڈ میکالے کا اصل جذبہ اور مخفی رائے جو ان کے قلب کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی تھی وہ تھی جو انہوں نے اپنے والد کو ایک خط میں لکھ کر بھیجی تھی، جس میں وہ لکھتے ہیں:

"اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، بعض لوگ مصلحت کے تحت ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو ملحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجویز پر عمل درآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔" (روشن مستقبل، ص ۱۵۱)

بالفاظ واضح برٹش سامراج کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہن و فکر کے اعتبار سے انگریز بن جائیں یا کم از کم ایماندار و باوفا رعایا بن جائیں، چنانچہ مسٹر انفسٹن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

"میں اعلانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے

میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں، اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایمان دار محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے''۔ (روشن مستقبل، ص:۹۵)

اس سیاسی انقلاب اور جدید تعلیمی نظام نے مسلمانوں کے اقتصادی وتمدنی اور علمی ومعاشرتی نظام کو کس طرح پامال کیا اس کی تفصیل سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب "Our Indian Muslims" (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کسی قدر بیان کی ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کی مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مسلمانوں کی حکومت سے بہت سی شکایات ہیں، ایک شکایت یہ ہے کہ حکومت نے ان کے لیے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے، دوسرے ایک ایسا طریقۂ تعلیم جاری کیا ہے جس میں ان کی قوم کے لیے کوئی انتظام نہیں، تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کر دیا ہے، چوتھی شکایت یہ ہے کہ ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہیے تھی غلط مصرفوں پر خرچ ہو رہی ہے۔''

ڈاکٹر ہنٹر نے ان شکایات پر بالتفصیل بحث کی ہے اور مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا ہے۔ الخ

(موج کوثر، ص:۴۷)

یہ تھے قوم وملت کے حالات کہ حکومت وسلطنت ایک قصہ پارینہ بن چکی تھی، جاہ ومنصب خواب وخیال ہو گئے تھے، دولت وثروت کے خزانوں پر افلاس وناداری کا پہرہ تھا، قومی وملی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈمان کے جزیرے میں محبوس کر دی گئی تھی، قسمت سے بچے کھچے افراد بتقاضائے مصلحت ہجرت کر گئے تھے یا اپنے اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس عالم لاچاری وکس مپرسی میں قوم وملت کے لیے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ ایمان واعتقاد کا سہارا تھا، مگر اب اس پر بھی غارت گران افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور ملت اسلامیہ ہند زبان حال سے ملتجی تھی:

گردش وقت یہ بھی چھین نہ لے

اک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللہی کا مرکز ''مدرسہ شاہ عبدالعزیز دہلی'' جہاں سے ملت کو علم ومعرفت اور عزم وحوصلہ کا درس ملتا تھا تباہ کیا جا چکا تھا، جب کہ تحریک ولی اللہی کی رگوں میں خون اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا، شاہ ولی اللہ، شاہ

عبدالعزیز، شاہ محمد اسحق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی اصلاحی وانقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اسی میں بیٹھ کر قوم کی علمی وفکری تعمیر وتشکیل کی خدمت انجام دی تھی۔

سقوط سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تو حسب تصریح مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ ''شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت نے جواب حجاز میں مقیم تھی اور امیر حاجی امداد اللہ کی رہنمائی میں ہندوستانی کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم (نانوتوی قدس سرہ) اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سات سال تک کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ یعنی (۳۰ رمئی) ۱۸۶۶ء میں سقوط دہلی کے ۹ سال بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہوسکی۔''

مولانا سندھی یہ بتارہے ہیں کہ ''دارالعلوم دیوبند'' کا قیام کسی وقتی جذبہ یا شخصی حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی ہے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیام دارالعلوم کے بعد جب شاہ رفیع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمایئے تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:

> ''سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوند! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں کو یہ سرزمین لے اڑی۔'' (علمائے حق، ج:۱، ص:۱۷)

یہ ہے ''مدرسہ عربی اسلامی دیوبند'' یعنی ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی تاسیس وبنا کا تاریخی پس منظر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند دراصل اسی شجر طوبیٰ کی ایک سرسبز وشاداب شاخ ہے جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے بافیض مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا، تاکہ شرک وبدعت، جہل ومعصیت کی بادسموم سے نڈھال واماندگان راہ اس کے حیات بخش سائے میں آکر زندگی کی تازگی وتوانائی حاصل کرسکیں۔

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس

گاہ گہہ واماندگانِ راہ منزل می کنند

اصول ومقاصد:

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے اصول و مقاصد کو حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ نے ''اساسی اصول ہشتگانہ'' کے عنوان سے خود تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ القاسم کے دارالعلوم نمبر (مجریہ ۱۳۴۷ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا سید محمد میاں دیوبندی رحمہ اللہ ان اصول ومقاصد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ان اصول کی بناء پر بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادیٔ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان ہو، کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہو سکے۔

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہوتا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کردے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لیے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لیے محفوظ ہو جائے جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے۔ نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹھ ان میں قطعاً نہ پیدا ہو بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(مندرجہ بالا الف وب کے لیے ملاحظہ ہو اصول ہشتگانہ کی دفعہ نمبر ۶، ۷، ۸)

(ج) کارکنان، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللّٰہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے، افراط وتفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو اصل نمبر ۴)

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادیٔ مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

(اس کے متعلق اصل نمبر ۳ میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔) (علمائے حق، ج:۱ص:۵۴تا۵۶)

الحاصل یہ اصول ومقاصد بتارہے ہیں کہ علم وعرفان کا یہ مرکز اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اس سے دین کے سچے اور مخلص خادم، اسلام کے جانباز وجرأت مند سپاہی تیار کیے جائیں جو اسلامی عقائد وشعائر اور دینی اخلاق وروایات کے داعی ونقیب بنیں اور باطل طاقتوں کی فتنہ سامانیوں سے اسلام اور مسلمانوں

کی حفاظت کریں۔ اسی لیے اس کا نظام تعلیم وتربیت امام الہند محدث دہلوی کی تحریک دعوت واصلاح کی بنیاد پر قائم کیا گیا۔

سند واستناد:

دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند مسند ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے گزرتا ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ دارالعلوم اور جماعت دیوبند کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہی ہیں جن کے علمی وفکری منہاج وطریق پر منتسبین دارالعلوم اور بالفاظ واضح دیوبندی مکتب فکر کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس لیے بحمد اللہ دیوبندی مکتب فکر کوئی نو پید جماعت نہیں بلکہ علمی، دینی اور سیاسی احکام وامور میں علمائے دیوبند مسند ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں۔

برصغیر میں جب مسلمانوں کے کاروان شوکت پر برطانوی سامراج نے شب خوں مارا، تو حکیم مطلق جل شانہ نے اسلامی تعلیمات واحکام اور تہذیب وثقافت کو بچانے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد کو آگے کردیا، ان بزرگوں کے سامنے دو منزلیں تھیں: (۱) مسلمانوں کی لٹی شوکت کیسے واپس لی جائے۔ (۲) اور سیاسی تنزل کے اس دور میں اسلامی علوم واحکام کی گرتی دیوار کو کس طرح سہارا دیا جائے۔

پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے محدث دہلوی رحمہ اللہ نے معاشی انقلاب، صحابہ سے انتساب اور قوم کو جہد وجہاد کی راہ دکھائی، ان تینوں امور کو واضح کرنے کی غرض سے حجۃ اللہ البالغہ، مصفی ومسوی اور ازالۃ الخفاء جیسی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ، حضرت سید احمد شہید دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالحئی بڈھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ عملاً جہاد میں نکلے۔

دوسری منزل تک پہنچنے کے لیے ان محدثین دہلی نے قرآن وحدیث کے درس اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت سے اسلامی اعمال واخلاق کی متزلزل دیوار کو سہارا دیا، چنانچہ عین اس وقت میں جب کہ سید احمد شہید اپنے جاں باز رفقاء کے ساتھ میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور تلمیذ وجانشین دہلی کی مسند تدریس پر قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند کیے ہوئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اسی علم وفکر کا وارث اور محدثین دہلی کے اسی خاندان سے وابستہ ہے اور آج برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش میں اہل سنت والجماعت کا مرکز ثقل یہی دارالعلوم اور اس سے وابستہ علمائے دیوبند ہیں۔

اسناد سلف کا لازمی اثر:

جن لوگوں نے علم وعمل کے چراغ سلف کے اسناد سے روشن کیے ہوں ان کے ذمے سلف کا دفاع لازمی

ہو جاتا ہے اور وہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں کہ اپنے اسلاف کے عمومی کردار کو ہر دور میں بے داغ اور آئندہ نسلوں کے لیے بمنزلہ چراغ ثابت کرتے رہیں۔ اس کے بغیر اسلام ایک مسلسل حقیقت اور ایک زندہ مذہب نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ دارالعلوم اور بالفاظ دیگر علمائے دیوبند مکمل طور پر صحابہ کرام سے لے کر محدثین دہلی تک اسناد اسلام کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔ تسلسل اسلام اور اسناد دین کو کمزور کرنے والے مختلف طبقوں سے دارالعلوم اور اس کے علماء نے اختلاف کیا، تو اس لیے نہیں کہ وہ اختلاف پسند تھے یا انہیں کسی طبقے سے ذاتی بغض تھا، بلکہ محض اس لیے کہ اسلام جس مبارک و پاکیزہ سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے۔ ان کے الحادی یا بدعی نظریات کی تردید و تخریب اس لیے ضروری تھی کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر و بقاء کی کوئی صورت نہیں تھی، لیکن ان کی یہ تردید بھی اصولی رہی اور انداز جدل احسن، جس کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے۔ **"وجادلهم بالتي هي احسن"** (پ:۱۴)

عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ:

اسلام کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی یورپ اور بلاد افریقہ میں تبلیغی مشن کے حسین عنوان سے مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم کے سرخیل شیخ امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا اشرف علی اور شیخ مہر علی شاہ گولڑوی کو اس کی سرکوبی کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد علامہ انور شاہ محدث کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد محدث عثمانی، مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد عالم (آسی) امرتسری، پھر حضرت محدث کشمیری کے تلامذہ میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس محدث کاندھلوی، مولانا محمد یوسف محدث بنوری وغیرہ اساطین علمائے دیوبند (رحمہم اللہ تعالیٰ) میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، مؤثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل و فریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد و منشأ لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی و فکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

جیسا کہ مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے تذکرہ میں تحریر فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی ان طویل خدمات میں جن نفوسِ قدسیہ کا کردار ہے ان میں مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک

اہم شخصیت ہیں اور حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کی عبقری شخصیات میں تحریر فرمایا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے کام کے حوالہ سے جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو قسم کی شخصیات کی خدمات نظر آتی ہیں، ایک وہ ارباب علم وفتویٰ جن کو اللہ تعالیٰ خاص شعبہ میں مہارت تامہ عطا فرماتے ہیں اور اسی کی نسبت سے خدمات جلیلہ سے امت مسلمہ مستفیض ہوتی ہے۔ جب کہ بعض شخصیات کو اللہ تعالیٰ ایسی جامعیت عطا فرماتے ہیں کہ دین کے تمام شعبوں میں ان کی خدمات سورج نصف النہار کی مثال بنی ہوئی نمایاں محسوس ہوتی ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی روحانی اولاد کی جامع ترین شخصیات کی فہرست کو ہم دیکھتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی کی شخصیت اپنی جامعیت میں ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔ آپ کے بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی خدمات کو دیکھتے ہیں تو آپ کی شخصیت میں جامعیت ہی جامعیت نظر آتی ہے۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی جامعیت:

چودہویں صدی کے آخری حصے میں جامعیت کی حامل اگر کسی شخصیت پر ہماری نگاہیں ٹھہرتی ہیں تو وہ ذات گرامی مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اپنی زندگی کے قیمتی ترین لمحات میں انہوں نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں ان کی خدمات کو دنیا بھر کے علماء کرام اور اصحاب علم نے خراج تحسین نہ پیش کیا ہو، ان کی وفات کے بعد ان کے عصری علوم کے استاد نے ”ننھے محمود سے مفتی محمود تک“ کے عنوان سے جو مضمون تحریر فرمایا اس میں انہوں نے صراحت سے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے ایک ممتاز طالب علم کی حیثیت سے ہماری نظروں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص بڑا ہو کر بہت بلند نام پیدا کرے گا اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں اپنے اس عظیم شاگرد کو جامعیت کے اس منصب پر دیکھا جس پر پوری دنیا کے مسلمان ناز کرتے تھے۔

مولانا مفتی محمود صاحب ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ جنوری ۱۹۱۹ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک قصبہ پنیالہ میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے۔ پنیالہ آپ کا آبائی علاقہ نہ تھا بلکہ آپ کے والد قندھار سے ہجرت کے بعد کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھے کہ پنیالہ کا سرسبز وشاداب علاقہ آپ کی نظروں کو بھا گیا اور آپ وہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی خلیفہ محمد صدیق تھا جنہوں نے بعد میں اپنے شیخ زادے مولانا عبدالعزیز کی خواہش پر لیسین زئی میں قیام کر لیا تھا۔ وہیں خلیفہ محمد صدیق کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی بھی شادی وانڈہ معظم میں ہوئی تھی۔ اس سے ایک صاحبزادے احمد اور ایک صاحبزادی صابرہ پیدا ہوئیں۔ دوسری شادی ملاگل کی صاحبزادی سے ہوئی جس سے مفتی محمود، خلیفہ محمد اور حامد پیدا ہوئے۔ حامد کا انتقال بچپن ہی میں

ہو گیا تھا۔

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نانا بھی بہت بڑے عالم تھے۔ وہ اکثر پیشگوئی فرماتے تھے کہ یہ بچہ ایک عظیم انسان معلوم ہوتا ہے چھ ماہ کی عمر میں آپ نے چلنا شروع کر دیا تھا۔ خلیفہ صدیق صاحب نے بزرگوں کی پیشگوئی کے مطابق آپ کی بہترین تربیت شروع کر دی تھی۔ گھر میں قرآنی تعلیم کے ساتھ آپ نے علاقے کے اسکول میں عصری تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۴ سال ایک ماہ کی عمر میں ۳۱ر مارچ ۱۹۳۳ء کو مڈل کلاس میں کامیابی حاصل کر کے سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ چونکہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ بہت ذہین تھے۔ چوتھی اور پانچویں جماعت میں بھی اول درجہ میں کامیاب ہو کر وظیفہ حاصل کر چکے تھے اور مڈل میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس بنا پر آپ کے والد محترم خلیفہ محمد صدیق کے پاس اسکول کے استاد جو آپ کی ذہانت بھانپ چکے تھے خود چل کر تشریف لائے اور بہت اصرار کے ساتھ مفتی محمود صاحب کی اگلی تعلیم کے لیے اجازت مانگی۔ یہاں تک کہا کہ میں ان کے تعلیمی اخراجات خود برداشت کروں گا۔ کیونکہ میں اس نوجوان اور ذہین طالب علم میں ایک بہت بڑے آدمی کی جھلک محسوس کر رہا ہوں۔ مگر خلیفہ محمد صدیق نے نہایت شکریہ کے ساتھ یہ پیش کش مسترد کر دی کہ میں اس کو بہت بڑے عالم، مفتی، محدث، مفسر اور مدرس کے طور پر دیکھ رہا ہوں اس لیے اس کو علم دین کی تعلیم دوں گا تا کہ قیامت کے دن یہ میرا سہارا ہو۔ یہ بات سن کر استاد محترم واپس تشریف لے گئے۔

مفتی محمود صاحب عصری تعلیم کے ساتھ ہی دینی تعلیم کا آغاز کر چکے تھے۔ مڈل کی تعلیم تک آپ اپنے والد خلیفہ محمد صدیق اور ماموں مولوی شیر محمد پنیالوی سے ناظرہ قرآن کریم اور فارسی کی کتابیں مکمل کر چکے تھے۔ مڈل کے بعد مفتی محمود صاحب دینی تعلیم کے لیے مولانا سید عبد العزیز شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت بزرگ تھے خدا تعالیٰ نے ان کو علم اور معرفت میں بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا۔ اباخیل میں ان کا درس بہت مشہور تھا۔ کچھ ماہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے ان سے تعلیم حاصل کی بعد ازاں واپس تشریف لائے اور شرح جامی، ہدایہ اولین اور سلم العلوم وغیرہ تک کی کتابیں اپنے والد اور ماموں سے مکمل کیں۔ مشہور منطقی عالم مولانا غلام رسول صاحب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ کو دین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ آپ دار العلوم دیو بند پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے عزیز اور سجادہ نشین خانقاہ یٰسین زئی کے صاحبزادگان جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، والد صاحب کے حکم سے بادل نخواستہ مراد آباد تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم کا آغاز کیا۔ تقریباً ۶، ۷ سال میں آپ نے تمام کتابوں کی تکمیل کر کے ۱۹۴۰ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں آپ ممتاز اور ذہین طلباء میں شمار ہوتے۔ تعلیمی صلاحیت تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے فطرۃً عطا کی تھی اس لیے ہر

کتاب میں اعلیٰ نمبر حاصل کرتے۔ درس کے دوران بھی آپ کے سوالات ذہانت سے بھرپور ہوتے اس بنا پر تمام اساتذہ کرام کی توجہ آپ پر ہوتی۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب جو کہ مراد آباد کے بڑے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور جمعیت علماء ہند میں آپ کی حیثیت ترجمان کی تھی، اس زمانہ میں اپنی مشہور تالیف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کی تالیف میں مشغول تھے۔ ان کی خصوصی توجہات ان پر پڑیں اور انہوں نے مفتی محمود صاحب کی تصنیفی تربیت کے لیے فارغ اوقات میں اپنے ساتھ معاونت پر لگا دیا۔ آپ مسودات کی تصحیح فرماتے اور حوالہ جات کی تلاش میں معاونت فرماتے۔ اس کے ساتھ آپ کی سیاسی تربیت میں بھی مولانا محمد میاں صاحب کا بہت بڑا دخل ہے۔ تعلیمی میدان کے ساتھ ساتھ مفتی محمود صاحب غیر تدریسی کاموں میں بھی طلباء کے قائد اور رہنما کی حیثیت سے مسلم تھے۔ تقریری مقابلہ ہو یا طالب علمانہ کھیل و تفریح کے مقابلے قیادت و سیادت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی ہی ہوتی۔ اس طرح بعض اوقات طلبا اور ارباب اہتمام کے درمیان معاملات طے ہونا ہوں تو مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ ہی طلباء کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے۔ اساتذہ کرام کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کے معاملات کو نمٹاتے۔ اس سلسلے میں حضرات مہتممین سے گفتگو کی نوبت آتی تو مفتی محمود صاحب اپنے ساتھیوں کی بھرپور وکالت کرتے۔ ان کے معاملات کو سدھارتے۔ اساتذہ کرام آپ کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو محبوب رکھتے۔ طالب علمی کے دوران آپ کے اساتذہ کرام نے آپ کو درس حریت اور باطل ادیان کے خلاف جہاد کا جذبہ بھی بھرپور انداز میں دیا جس کے اثرات طالب علمی میں ہی نمایاں ہونے لگے تھے۔ آپ نے جمعیت علماء ہند کے تحت مختلف تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا۔ آریہ سماج والوں کی جانب سے ہندو بناؤ مہم کا مقابلہ کیا۔ غرض باطل قوتوں کی مزاحمت آپ نے طالب علمی ہی میں شروع کر دی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رشد و ہدایت اور تبلیغی سلسلہ میں اکثر اطراف کے گاؤں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انہی میں مفتی محمود صاحب کا سسرالی گاؤں عبدالخیل بھی شامل تھا۔ یہ اور اطراف کے علاقے زیادہ پسماندہ تھے۔ گاؤں میں صرف بارش کے پانی سے گزارا کرنا پڑتا تھا۔ بارش نہ ہونے یا پانی جمع نہ ہونے کی صورت میں کئی کئی میل دور سے پانی لایا جاتا۔ جن لوگوں کے پاس اونٹ وغیرہ ہوتے وہ لوگ اونٹوں سے میلوں دور سے پانی بھر کر لاتے اور جن کے پاس اونٹ وغیرہ نہیں تھے ان کے گھر کے ایک یا دو مضبوط فرد اسی خدمت کے لیے مخصوص ہوتے۔ مفتی محمود صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صبح نماز سے قبل لوگ پانی لینے جاتے اور اکثر مغرب کے قریب واپس لوٹتے، دو تین دن بعد دوبارہ اسی طرح پانی کی تلاش میں نکل جاتے۔ ۱۹۴۷ء کا سن ہوگا۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے عبدالخیل قحط سالی اور خشک سالی کا شکار تھا۔ لوگ بہت زیادہ پریشان تھے۔ اس حال میں بے تاب ہو کر وہاں کے لوگ جمع ہو کر اپنے مرشد مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے پاس حاضر

ہوئے اور درخواست کی کہ وہ گاؤں تشریف لاکر دعا فرمائیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب تشریف لے جانے لگے تو مفتی محمودؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ دعا سے قبل مفتی محمودؒ کو حکم دیا کہ وہ بیان کریں۔ حضرت مفتی محمود صاحب نے جب بیان کیا تو گاؤں کے لوگ آپ کے حسن بیان پر ایسے گرویدہ ہوئے کہ اپنے مرشد اور روحانی بزرگ مولانا عبدالعزیز صاحب سے درخواست کی کہ ان کو حکم دیں کہ یہ ہمارے پاس آجائیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ گاؤں کی واحد مسجد کے امام مولوی فتح صاحب کے انتقال کی وجہ سے مسجد ویران ہو چکی تھی۔ ان کو امام کی ضرورت بھی تھی۔ بہرحال حضرت کے حکم پر مفتی صاحب اس شرط پر عبدالخیل جانے پر تیار ہو گئے کہ ان کے پاس پڑھنے والے طلباء کے کھانے وغیرہ کا انتظام گاؤں والے مل جل کر کریں گے۔

۱۹۴۷ء میں مفتی محمود صاحب عبدالخیل ۶۰ طلباء کے ساتھ تشریف لے آئے مسجد آباد کی، درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک کچا مکان اور حجرہ مفتی محمود صاحب کے حوالہ کر دیا گیا۔ گاؤں والوں نے ہر گھر میں سالن مقرر کرایا، باجرے کی روٹی طلباء خود تیار کر لیتے۔ صبح سے شام تک تعلیم ہوتی۔ شام کو مفتی محمود صاحب طلباء کے ساتھ گاؤں سے باہر نکل کر والی بال وغیرہ کھیلتے جس کی وجہ سے گاؤں والوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے کی بے تکلفی شروع ہوئی۔ بے شمار نوجوان دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ گاؤں والوں نے آپ کو کچا مکان تعمیر کر کے دے دیا جس میں تین کمرے زنانہ اور دو بیٹھک نما کمرے مردانہ کے تھے۔ مفتی محمود صاحب کے انتقال تک آپ کا یہ مکان اسی طرح کچا تھا۔ گاؤں میں آپ مولوی محمود کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

مفتی محمود صاحب کے پاس پڑھنے والے طلباء اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف شہروں کی طرف رخ کرنے لگے۔ ان میں کچھ طلباء مدرسہ قاسم العلوم ملتان پہنچے اور وہاں انہوں نے اپنی ذہانت اور علمی قابلیت کی وجہ سے اساتذہ کرام کے قلوب میں اپنی جگہ بنالی اور تعارف ہونے پر معلوم ہوا کہ عبدالخیل کے ایک بزرگ مولوی محمود صاحب کے تربیت یافتہ ہیں تو ان کے دل میں خیال ہوا کہ ان جیسی قابل شخصیت کا فیض ہمارے شاگردوں کو حاصل کرنا چاہیے، اس خواہش کی تکمیل کے لیے مدرسہ کے ایک استاد مفتی محمود صاحب کے ایک شاگرد کے ہمراہ عبدالخیل پہنچے اور مدرسہ کی ضرورت اور طلباء کے استفادہ کے حوالہ سے مفتی محمود صاحب کو قاسم العلوم ملتان آنے کی دعوت دی۔ مفتی صاحب نے ان سے کہا کہ میں گاؤں والوں کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتا۔ میں ان کو جمع کرتا ہوں اگر آپ کی بات سن کر اور دینی ضرورت محسوس کر کے ان حضرات نے اجازت دے دی تو میں بخوشی آپ کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا بصورت دیگر اسی کو مقدر سمجھ کر دین کی خدمت جاری رکھوں گا۔ گاؤں والوں نے اپنی ضرورت بتا کر ان سے معذرت کی اور قاسم العلوم والوں کو مایوس لوٹنا پڑا۔ دوسرے سال دوبارہ قاسم العلوم نے اپنی ضرورت کے پیش نظر پھر درخواست کی۔ اس سال اتفاق سے مفتی محمود صاحب کے بھائی خلیفہ محمد صاحب علمی

طور پر تیار ہو چکے تھے اور مفتی محمود صاحب کی جگہ پر کر سکتے تھے اس لیے گاؤں والے آپ کو قاسم العلوم جانے کی اجازت دینے پر تیار ہو گئے۔

مفتی محمود صاحب کے قاسم العلوم کے دور کو انقلابی دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور خالص علمی دور تھا جس میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل طور پر ایک مدرس، ایک مفتی، ایک محدث، ایک مصلح امت اور ایک مقرر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے متعارف ہوئے۔ ابتدائی کتابوں کے یہ مدرس ایک دو سال میں استاد حدیث کی حیثیت سے جب مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوئے تو چار دانگ عالم نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری، علامہ شمس الحق افغانی، خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور دیگر علماء کرام آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کو ہر محفل کی رونق بنانے لگے۔ بڑے بڑے علماء کرام آپ کے دورہ تفسیر میں شرکت اپنے لیے باعث سعادت تصور کرنے لگے۔ ادھر آپ کی فقاہت اور فہم و تدبر کی وجہ سے قاسم العلوم نے رئیس دارالافتاء کے منصب کو بھی آپ ہی سے زینت بخشنے کا فیصلہ کیا تو آپ کے فتاویٰ نے پورے ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی آپ کی فقاہت کی دھوم مچادی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شہرت تمام علمی شعبوں میں پھیلا دی تاکہ مستقبل میں جو عظیم کام لینا تھا اس کے لیے آپ کی شخصیت کو عمومی قبولیت عطا کر دی جائے۔

مفتی محمود صاحب کا دوسرا دور باطل فتنوں اور قوتوں کے مقابلہ کا ہے جس میں آپ نے قادیانیت، منکرین حدیث، منکرین قرآن، رفض و بدعت، اور موجودہ دور کے الحادی فتنوں اور ماڈرن اسلام کے دعویداروں کے خلاف بھرپور انداز میں جہاد کیا۔ جب کہ آپ کا تیسرا دور سیاسی میدان میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا ہے جس میں پوری دنیا نے آپ کی قیادت کو عمومی طور پر اور پاکستان کے مسلمانوں نے خصوصی طور پر قبول کیا اور آپ متفقہ قائد کے طور پر دنیا کے سامنے نمودار ہوئے۔ یہ دور آپ کی شہرت کے نصف النہار کا دور ہے۔

پیش نظر کتاب کی حیثیت سے اس مقدمہ میں آپ کے علمی دور یا پہلے دور کو زیادہ اجاگر کرنا مقصود ہے، اس میں بھی زیادہ تر آپ کی فقہی حیثیت کو زیادہ واضح کرنا ہے، البتہ دوسرے اور تیسرے دور کے بھی کچھ حالات قلمبند کیے جائیں گے تاکہ آپ کی پوری زندگی کا نقشہ قارئین کے سامنے آ جائے۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کی فقاہت:

جیسا کہ مقدمہ کی ابتدا میں واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس سے دین کا خاص کام لینا چاہتے ہیں اس کو علم کا فہم عطا فرماتے ہیں اور بقول مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی ایک قاضی اور مفتی کو قوم کا نباض ہونا چاہیے صرف سطحی علم یا وسعت مطالعہ سے کوئی شخص مفتی نہیں بن سکتا، جس طرح پنساری طبیب نہیں ہو سکتا حالانکہ دوائیوں کے نام

سے وہ زیادہ واقف ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے بھی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمیت کے ساتھ فقہ وحکمت اور فہم وذکاوت ہر اعتبار سے اس درجہ پر تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ''مفتی'' کے لفظ کو ان کے نام کا جز بنادیا تھا۔ آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں جاری ہوئے۔ کسی ایک فتوی پر کوئی شخص انگلی تک نہیں اٹھا سکتا۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ شیریں الفاظ ایک دو دفعہ نہیں دسیوں بار سنے بلکہ ہر دفعہ مفتی محمود صاحب کی تشریف آوری پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر خصوصی فضل کا معاملہ فرمایا ہے۔ ذکاوت اور ذہانت ان پر ختم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فقاہت کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے۔ دلائل و براہین ان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ''شامی'' جیسی فقہ کی ضخیم اور مستند کتاب کا دو مرتبہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب کی بہت سی جزئیات تک ان کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک مرتبہ قاری سعید الرحمٰن، مفتی احمد الرحمٰن اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کی موجودگی میں مفتی محمود صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا اگر آپ اس عصا (لاٹھی) کو سونے کی ثابت کریں تو ہم آپ کے دلائل سے عاجز آ کر اس کو سونے کی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مفتی محمود صاحب کی فقاہت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کا اسم گرامی میں نے سب سے پہلے اپنے ایک استاذ مکرم سے سنا تھا۔ اس وقت حضرت مفتی محمود صاحب مدرسہ قاسم العلوم میں استاذ حدیث اور مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے اور عملی سیاست میں داخل نہ ہوئے تھے ہمارے استاذ مکرم نے ان کی علمی بصیرت اور فقہی نظر کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا تھا کہ مفتی صاحب سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد احقر کو پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف وفاق المدارس کے ایک سالانہ اجلاس میں حاصل ہوا جس میں احقر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی علمی بصیرت، ان کی متانت وسنجیدگی اور ان کے دل کش اندازِ گفتگو کا ایک گہرا نقش دل پر ثبت ہوگیا۔

اس کے بعد بارہا مفتی صاحب سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا اور ہر مرتبہ اس تأثر کی تائید وتقویت ہی ہوتی چلی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ان کے بلند علمی مقام کا احترام دل میں ہمیشہ جاگزیں رہا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نادر صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کی عظمت کا احساس دل سے کبھی محو نہیں ہوا۔ ہم نے انہیں علمی اعتبار سے ہمیشہ اپنے استاد کے برابر سمجھا اور انہوں نے بھی ہمیشہ بزرگانہ شفقت و

محبت کا برتاؤ فرمایا۔

۱۹۶۸ء میں جب ادارہ تحقیقات اسلامی کی سربراہی ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے سپرد تھی، انہوں نے راولپنڈی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جس میں اطراف عالم سے چیدہ چیدہ اہل علم و فکر جمع تھے۔ اس کانفرنس میں اس وقت کے ناظم اوقاف صاحب نے جو مقالہ پڑھا وہ اشتراکیت کی تبلیغ و تائید پر مشتمل تھا اور اس میں بڑے جارحانہ انداز سے علماء کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وہ ان دلائل کا جواب دیں۔ مقالہ چونکہ انگریزی زبان میں تھا اس لیے ہمارے بیشتر علماء اس کے مشتملات سے بے خبر تھے۔ اس موقع پر ضرورت تھی کہ علماء کی طرف سے کوئی مؤثر شخصیت حقیقتِ حال کو واضح کرے۔ حسنِ اتفاق سے اس وقت پاکستان کے معروف علماء میں سے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے سوا کوئی ہال میں موجود نہیں تھا۔ احقر اور برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں گئے اور انہیں مقالے کے اہم اجزاء سے آگاہ کیا۔ حضرت مفتی صاحب یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور مناقشے کے لیے صدر سے وقت طلب کیا۔ چنانچہ انہیں وقت دیا گیا اور انہوں نے ایسی برجستہ اور فاضلانہ تقریر فرمائی جس سے فضا بدل گئی اور شکوک و شبہات بڑی حد تک دور ہو گئے۔

مولانا مفتی محمود صاحب بہت زیادہ وسیع النظر اور وسیع الظرف تھے۔ ان کے سامنے ہر وقت فقہاء کرام کی آراء رہتی تھیں اور مسائل کے سلسلے میں سب سے پہلے مخالف کے نقطۂ نگاہ کو تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنتے اور اس کے بعد پہلے اس کے دلائل کو رد فرماتے اور بعد میں اپنے دلائل جو کہ فقہاء کرام کی آراء پر مشتمل ہوتے تھے، اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے فقہی مسائل نہ میرے ہیں اور نہ آپ کے، ہم نے کتاب و سنت اور فقہاء کرام کی آرا کے مطابق حل کرنے ہیں اور اس میں ترجیح کا مدار دلائل پر ہے، یا مجھے اپنے دلائل سے قائل کر لیجیے یا میرے دلائل کو تسلیم کر لیجیے۔

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی مذہبی مسئلے کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش نہیں کی، وہ مذہبی مسائل کے معاملات میں سیاست دانوں سے مشورے کے بجائے علماء کرام سے گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذہبی مسائل کے سلسلے میں علماء کرام کا متفقہ موقف پیش کیا جائے تاکہ عوام اور حکومت میں بدظنی پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی مسائل کے سلسلے میں وہ دیگر مکاتبِ فکر کے علماء کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے تھے۔ دیکھیے زکوٰۃ کے مسئلے پر انہوں نے اپنا ایک موقف علماء کرام کے مشورے سے پیش کیا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اس فتوے کی تیاری کے بعد سب سے پہلے اس فتوے کو ملک بھر کے علماء کرام کی آرا معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تاکہ حکومت کو متفقہ طور پر ایک مسودہ پیش

کیا جائے اور پھر اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کا انتقال ہوا۔ اس مجلس میں آپ نے فرمایا تھا کہ بھائی یہ مذہبی مسئلہ ہے کوئی سیاسی مسئلہ نہیں اور نہ میں اس کو سیاسی رنگ دینا چاہتا ہوں، اس لیے ہم اس مسئلے پر غور کر رہے ہیں کہ اگر میں غلطی پر ہوں تو اس کی نشاندہی ہو جائے اور اگر میرا نظریہ صحیح ہے تو آپ کی رائے سے اس کی تائید ہو جائے۔

مفتی محمود صاحب مسائل کے سلسلے میں نہ تنگ نظر تھے کہ اس میں کوئی لچک ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اتنے وسیع النظر کہ حلال اور حرام کی تمیز ختم کر دیں۔ درمیانی طور پر جتنی مسئلے میں گنجائش ہوتی رعایت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقہ میں بہت بلند مقام عطا فرمایا تھا اور اہل فتویٰ کی حیثیت سے ان کی رائے کو مستند سمجھا جاتا تھا۔ مفتیان کرام میں ان کا ایک خاص مقام تھا اور وہ مجلس میں ہمیشہ اپنے علم اور فضل کی بنا پر بھاری پڑتے تھے اور ان کا انداز بیان بہت ہی زیادہ دلکش ہوتا تھا۔

خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ کندیاں کے حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب حضرت مفتی محمود صاحب کی فقہی بصیرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”مفتی صاحب میرے مخدوم و مکرم تھے۔ ان سے تعلق بھی پرانا ہے اور رشتۂ محبت بھی قدیم۔ پہلی ملاقات ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ حضرت والد محترم اس وقت بقید حیات تھے۔ مفتی صاحب کو انہوں نے کندیاں شریف بلایا تھا۔ ان کی آمد یہاں ایک فتوے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ ہمارے یہاں دو خاندانوں کا مسئلہ طلاق پر باہمی جھگڑا تھا۔ ایک عورت کو طلاق ہوئی، ایک فریق کہتا تھا طلاق ہو گئی ہے اور دوسرا اس سے مختلف موقف رکھتا تھا۔ علاقے کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام اس مسئلے پر اپنی رائے پیش کر چکے تھے، لیکن جھگڑا ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ غالباً یہ لوگ حضرت کے پاس یہ پوچھنے کے لیے آئے کہ ان کی نظر میں جو مفتی سب سے زیادہ قابل اعتماد ہو، اس کا نام پتا بتا دیں، حضرت نے مفتی محمود صاحب کا نام تجویز کیا اور خود ہی ان کو کندیاں شریف اپنا مہمان بنا کر بلایا۔

مفتی محمود صاحب نے مقامی علماء سے بات چیت کی، فریقین کا موقف معلوم کیا، پھر فریقین کی براہِ راست بات سنی، ان کے موجودہ اور سابقہ موقف کا موازنہ کیا پھر جب وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے، تو اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔ ان کا فیصلہ وہی تھا جو دوسرے علماء پہلے ہی دے چکے تھے، لیکن طریق معلومات اور طرزِ استدلال انوکھا تھا۔ چونکہ وہ اس وقت نوجوان تھے، زیادہ پختہ عمر نہیں تھے، اس لیے مقامی علماء میں ان کی ذات موضوع گفتگو بن گئی۔ اس بحث میں ان کے معاصرین ان کی علمی لیاقت پر اظہارِ حیرت کر رہے تھے۔ بعض حضرات نے ہمارے حضرت سے سوال کیا کہ آپ کی نظر انتخاب ان پر پڑنے کا کیا

سبب ہے؟ حضرت نے اس وقت علماء کو جو مختصر سا جواب دیا، وہ یہ تھا " یہ گوہر قابل ہے اس کی حفاظت کرو، اس پر نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بڑا کام لے گا۔"

حضرت کی یہ بات سینہ در سینہ، زبان در زبان علماء تک پہنچی اور علماء نے مفتی صاحب کو حضرت کا انتخاب قرار دیا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ مفتی صاحب حضرت کا حسین انتخاب تھے، خود مفتی صاحب کو بھی اپنی خداداد صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ وہ اعلیٰ مدرس، بلند پایہ شیخ الحدیث، منفرد مفسر قرآن اور صاحب اجتہاد فقیہ تھے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ قومی کاموں میں صرف ہوا، لیکن قومی امور اور ان سے متعلق ذمہ داریاں ان کے علمی مشاغل کو نہ روک سکیں۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کی جامع شخصیت:

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور فقہی منصب کا اعتراف اس انداز میں فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھی۔ ایک ایک گوشہ ایسا تھا جو کہ سب کو متاثر کر دیتا تھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسا شخص نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں سنا تھا کہ آپ جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف سیاسی میدان کے شہسوار، دوسری طرف تدریس کے لیے مایۂ ناز اور تیسری طرف طریقت کے بے مثل شیخ۔ یہی جامعیت ہم نے مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے زمانے میں تو سیاست اتنی گندی اور جھوٹی نہ تھی جتنی کہ موجودہ دور میں ہوگئی ہے۔ اب عام طور پر یہ تأثر ہے کہ کوئی شخص سیاست میں رہ کر شریف، سچا اور دیانت دار نہیں رہ سکتا، مگر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک ایسا نمونہ چھوڑ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی امداد شاملِ حال ہو اور انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنا لے تو اس راستے پر بھی وہ اپنا دامن بچا کر چل سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس گندے ماحول میں اپنے آپ کو دین پر نہ صرف قائم رکھا، بلکہ کسی بھی لمحہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو نہیں چھوڑا۔ اس کی وضاحت ایک واقعے سے ہو جائے گی۔ حضرت مفتی صاحب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ان دنوں سرحد بنک میں بڑی ملازمت کی جگہ خالی ہوئی جس کے لیے غالباً اخبار میں اشتہار چھپا۔ میں کراچی میں تھا ایک دوست میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ اس بنک کی ملازمت کے لیے آپ مفتی محمود صاحب کے پاس سفارش کے لیے چلیے۔ میں نے اس سے کہا کہ جانے سے پہلے میں مفتی صاحب

سے ٹیلی فون پر بات کروں گا۔ اگر انہوں نے کہا کہ آ جاؤ تو چلا جاؤں گا ورنہ میرا ٹیلی فون ہی ہوگا۔ بہر حال میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر بات کی۔ انہوں نے فرمایا کہ بنکنگ کا شعبہ تو میرے پاس نہیں ہے، یہ فاروق صاحب کے پاس ہے، میں اس میں زیادہ سے زیادہ سفارش کرسکتا ہوں مگر ایک بات پہلے تم سے پوچھتا ہوں، اگر تم نے بحیثیت مفتی اثبات میں جواب دیا تو پھر سفارش کروں گا، ورنہ نہیں۔ پھر سوال کیا کہ شرعی حکم کے مطابق کیا بنک کی نوکری جائز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ آپ خود مفتی ہیں، آپ بہتر فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ نہیں تم فتویٰ دو۔ اگر تم نے فتویٰ دے دیا تو میں اپنے فتوے کو چھوڑ کر تمہارے فتوے پر عمل کروں گا۔ میں نے مفتی صاحب سے کہا کہ آپ اپنا فتویٰ بتائیں۔ مفتی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں بنک کی نوکری کو ناجائز سمجھتا ہوں اور جو چیز ناجائز ہو، اس کی سفارش کو بھی جائز نہیں سمجھتا۔ بہر حال میں نے اس شخص کو پوری بات بتادی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس نے اس نوکری کا ارادہ ترک کردیا۔ دیکھیے اس مرحلے پر بھی آپ نے شریعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، حالانکہ یہ ایسا مسئلہ تھا جس میں تاویل اور ہیر پھیر کی گنجائش نکل سکتی تھی، مگر آپ نے اس موقع پر بھی تقویٰ پر عمل فرمایا۔

بحیثیت مفتی اعظم پاکستان:

اللہ تعالیٰ نے ان کو فقہ میں خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت پاکستان میں ان سے بڑا کوئی مفتی نہیں۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ میری نظروں سے آج تک کوئی عالم ایسا نہیں گزرا جس نے فقہ کی کتاب شامی (جو کہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد میں سات سو صفحات ہیں) کا بالاستیعاب ایک دفعہ بھی مطالعہ کیا ہو۔ مگر مفتی صاحب نے اس کتاب کو بالاستیعاب تین دفعہ اول سے آخر تک پڑھا اور ان کو اس پر مکمل عبور حاصل ہے کسی مسئلہ پر آپ کے فتوے کے بعد کسی دوسرے فتویٰ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ آپ کی فقہی شان کے بارے میں فرماتے ہیں:

مفتی صاحب کو علم دین کے مختلف پہلوؤں پر پورا عبور تھا۔ حدیث، تفسیر، فقہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ مشہور دینی درس گاہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور وہاں حدیث کی بڑی کتابوں، بخاری شریف، ترمذی شریف کا بڑے عرصے تک درس دیتے رہے۔ آپ کو فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا اور ہزاروں فتاوے آپ کے قلم سے نکل کر ملک کے طول و عرض میں پھیلے۔ علوم کا سطحی علم رکھنے والے افراد تو بہت ہوتے ہیں، لیکن گہرائی اور عمق رکھنے والی شخصیتیں اس دور میں بہت کم رہی ہیں۔ مفتی صاحب کی شخصیت خصوصاً فقہ اور افتاء کے معاملے میں امتیازی حیثیت کی مالک تھی۔ جدید مسائل اور نت نئے پیدا ہونے والے معاملات میں مفتی صاحب

کی رائے بڑی وزنی اور گہری ہوتی تھی۔ بارہا مجھے ایسی مجالس میں شرکت کا موقع ملا جہاں بڑے بڑے علماء موجود ہوتے تھے۔ جدید مسائل پر مفتی صاحب قوتِ استدلال سے اپنی بات منوا لیتے۔ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کی حیات میں جدید فقہی مسائل اور احکام پر شرعی نقطہ نظر سے غور کرنے کے لیے چیدہ چیدہ جید علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا گیا تھا، جس کے روحِ رواں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ، مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تھے۔ عام طور پر کراچی میں یہ علمی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جن میں کراچی کے دیگر حضراتِ علماء اور مفتیانِ کرام بھی شریک ہوتے۔ ان مجالس میں مباحثہ کے دوران مفتی صاحب کی فقہ میں گہرائی کا اندازہ ہوتا تھا۔ کئی بار ان کے ساتھ سعودی عرب، کویت، دوبئی، ابوظہبی اور جنوبی افریقہ تک سفر کا موقع ملا۔ ان ممالک کے جید علماء سے مفتی صاحب کی علمی مباحث پر گفتگو ہوئی تھی، وہ حضرات بھی مفتی صاحب کی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرتے۔ ان میں امامِ حرم شیخ عبداللہ بن سبیل، مکہ مکرمہ کے مشہور عالم دین محمد مالکی مکی، ابوظہبی کے رئیس القضاۃ محمد بن عبدالعزیز مبارک، قطر کے شیخ عبداللہ الانصاری کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفتی صاحب کو ان الفاظ میں پیغام بشارت دیا گیا: "**قل له مني السلام، يتقوى بالله ولا يقول الا الحق، والله يقول الحق وهو يهدي السبيل.**" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میری طرف سے آپ کو سلام کہیں، وہ ہر معاملہ میں اللہ سے قوت وطاقت کے طلب گار رہوں، ہمیشہ حق کہیں، اللہ تعالیٰ سچ اور حق کہتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔"

میں نے جب عرض کیا کہ حضرت سفرنامے میں اس کو شائع کیا جائے۔ پہلے تو کچھ نہ کہا، جب ریاض جانے کے لیے مدینہ منورہ ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے تو از خود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو، اس سے خودستائی کا پہلو نہ نکل آئے۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کو عرب علماء کا خراجِ تحسین:

صرف دو اور واقعات سن لیجیے۔ شیخ عبدالمحسن عباد جو سعودی عرب کے ایک ممتاز عالم اور اس وقت مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، جب مفتی صاحب یونیورسٹی کے دورے پر تشریف لے گئے تو دورانِ گفتگو شیخ عبدالمحسن عباد نے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: "**والله انا اشكره وكل مسلم يشكره**" (خدا کی قسم میں مفتی صاحب کا شکر گزار ہوں اور ہر مسلمان کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔)

مفتی صاحب جب امام مسجد نبوی شیخ عبدالعزیز صالح سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مفتی صاحب نے اٹھنے کی اجازت چاہی تو امام صاحب نے فرمایا: "**والله هذا المجلس لا يمل**" (خدا کی قسم اس

مجلس سے دل نہیں بھرتا، تشنگی باقی رہتی ہے۔)

عمر محمد فلاطہ مدینہ یونیورسٹی کے سیکرٹری جنرل تھے، انہوں نے دورانِ ملاقات کہا کہ میں آپ کو دیکھ کر اس لیے خوش ہو رہا ہوں کہ آپ دین کے ایک بلند مقام پر فائز ہیں اور آپ نے دین و سیاست کو اکٹھا کر کے دکھایا ہے۔

مولانا منظور احمد شاہ صاحب مفتی محمود رحمہ اللہ کی علمی قابلیت کا تذکرہ کتنے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں:

مفتی محمود صاحب سے میرا پہلا تعارف ۱۹۵۷ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے استاد کی حیثیت سے ہوا۔ اس ادارہ میں اس سال وہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے تھے، اس سے پہلے ان کے پاس فنون کی دوسری کتب تھیں، لیکن حدیث کی کوئی کتاب نہیں تھی، بعض ہمعصر علماء کا خیال تھا کہ مولوی محمود صاحب استاذِ حدیث کے طور پر کامیاب نہ ہوسکیں گے، کیونکہ اس سے قبل یہ منصب مولانا عبدالخالق مرحوم کے پاس تھا جن کے علم و فضل کا پورے برصغیر میں چرچا تھا اور مولوی محمود صاحب کو پہلی بار یہ ذمہ دارانہ منصب سونپا گیا تھا۔ ان لوگوں کی رائے بڑی وزنی نظر آتی تھی جو مولانا عبدالخالق اور مولوی محمود صاحب کا موازنہ کر کے اظہارِ خیال کر رہے تھے، کیونکہ مولوی محمود لاکھ ذہین سہی، لیکن شیخ الحدیث بننا معمولی بات نہیں ہوتی۔ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے کتب حدیث کے اس نصاب کو ''دورہ حدیث'' کہتے ہیں، اس وقت تک زیرِ تعلیم رہنے اور فنون کی دیگر کتابوں کی تکمیل کرنے والے طلبا کی نظر بہت وسیع ہو چکی ہوتی ہے ''دورہ حدیث'' کا ہر طالب علم حدیث کا متن پڑھ کر اس کا ترجمہ کر سکتا ہے اسناد کا اختلاف اور راویوں کی صحت و عدم صحت کے بارے میں اکثر باتیں کتابوں کے حواشی میں موجود ہوتی ہیں، اسی طرح مسائل کے بارے میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے ترجیحی پہلو بھی کتابوں ہی میں موجود ہوتے ہیں، مگر روایات کے تعارض میں تطبیق، اپنے مسلک کی حقانیت پر دوسری روایات، ضمنی مباحث، امثال و نظائر، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس قسم کے متعدد علمی مشکلات کا حل پیش کرنا شیخ الحدیث کی ذمہ داری ہوتی ہے، استاد کے سامنے بڑے بڑے ذہین و فطین اور منطقی طالب علم بیٹھے ہوتے ہیں، وہ کسی مسئلے پر استاد کے سکوت یا انکار کو اس کی کم علمی پر محمول کرتے ہیں اور کوئی بھی ایسا شخص حدیث نہیں پڑھا سکتا جو اختلافِ حدیث، اختلاف سند، اسماء الرجال اور دوسری فنی باتوں پر گہری نظر نہ رکھتا ہو ''دورۂ حدیث'' وہی استاد پڑھا سکتا ہے جو تمام مذاہب اور ان کے اختلافات اور ترجیحی پہلوؤں پر عبور رکھنے کے علاوہ طلبہ کی پیشانیوں پر ان کے سوالات اور اشکالات پڑھ کر ان کے معقول جوابات دے کر ان کی تشفی کر سکے، اور یہ کام مسلسل مطالعے کے بغیر ممکن نہیں، دینی مدارس میں سالہا سال سے پڑھانے والے اساتذہ بھی ہر سال مطالعہ کر کے پڑھاتے ہیں، یہی

وجہ ہے: دینی مدارس کے طلبا میں ایک شعر بہت مشہور ہے اور وہ اسے اکثر پڑھتے رہتے ہیں:

بن دیکھے جو مدارس میں پڑھاتے ہیں بخاری
آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

ان حالات میں اگر بعض علماء یہ رائے رکھتے تھے کہ مولوی محمود ''دورۂ حدیث'' نہیں پڑھا سکیں گے تو ان کی یہ رائے کچھ غلط نہیں تھی، یہاں تو ایسے اساتذہ بھی مشکلات سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جو برس ہا برس سے دورہ حدیث کی کتب پڑھاتے چلے آ رہے ہوں۔ مولوی محمود صاحب تو پہلی بار اس کوچے میں آئے تھے۔ لیکن جو مولوی محمود، مولانا عبدالخالق جیسے مشہور زمانہ محقق اور فن حدیث کے ماہر استاد کے بعد حدیث پڑھانے بیٹھا تھا اس نے صرف چند ماہ میں اپنے تمام معاصرین کو رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ حیرت سے پکار اٹھے، یہ وہی مولوی محمود ہے جو کئی سال چھوٹی کتابیں پڑھاتا رہا ہے؟ کئی طلبا نے حسرت سے کہا، کاش کہ مولوی محمود صاحب کو قاسم العلوم میں آتے ہی یہ خدمت سونپ دی جاتی۔ پھر کیا تھا کہ کبھی ایک مدرسے کے طلبا یہاں بھاگے آ رہے ہیں اور کبھی دوسرے کے، کبھی کابل وقندھار سے تشنگانِ علوم کے قافلے آتے ہیں تو کبھی ایران اور کردستان سے اور یہی مولوی محمود ہے جو سب کو پڑھا رہا ہے، سب کو مطمئن کر رہا ہے، سب کی تسلی وتشفی کر رہا ہے۔ علماء جوں جوں اسے دیکھتے تھے، ان کی حیرت بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

مفتی محمود رحمہ اللہ کو امیر شریعت کا خراج تحسین:

ان دنوں مولوی محمود صاحب علمی مصروفیات کے باوجود نمازِ عصر کے بعد روزانہ ورنہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ ایک بار میں اور میرے ساتھی بھی شاہ جی سے ملنے گئے، اس وقت ان کے پاس دوسرے لوگوں کے علاوہ مولوی محمود صاحب بھی بیٹھے تھے اور کوئی علمی موضوع چل رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد مولوی محمود صاحب نے شاہ جی سے جانے کی اجازت لی اور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد شاہ جی نے حاضرین مجلس سے پوچھا، آپ انہیں جانتے ہیں؟ ایک صاحب ان کا اشارہ سمجھ کر بولے جی ہاں! یہ مدرسہ قاسم العلوم کے استاد مولوی محمود صاحب ہیں۔ شاہ جی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا نہیں! تم اسے نہیں جانتے کہ یہ کون ہے! حاضرین مجلس کو گمان ہوا کہ شاہ جی مولوی محمود صاحب کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اس لیے ایک ساتھ کئی حضرات بولے کہ یہ مولوی محمود صاحب ہی ہیں، فرمایئے کیا بات ہے؟ شاہ جی نے دوبارہ سوال دہرایا۔ تم اسے جانتے ہو؟ پھر خود ہی فرمایا نہیں! تم نہیں جانتے یہ کون ہے! ہائے اس قوم کی بدقسمتی اور اس شخص کی بدقسمتی! ان کی اس بات پر لوگ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ مولوی محمود صاحب کے متعلق وہ کوئی بڑی اہم بات جانتے ہیں ایسی

بات جسے دوسرے لوگ نہیں جانتے۔

شاہ جی ایک قلندر آدمی تھے۔کبھی کبھی ترنگ میں آ کر ایسی بات کہہ جاتے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوتی تھی اور کچھ روز بعد ان کی کہی بات سامنے آ جاتی تھی۔ایک بار فرمایا کہ میں پیشگوئیاں نہیں کیا کرتا،لیکن اگر کوئی پیشگوئی کردوں تو مرزا قادیانی کی پیشگوئیوں کی طرح نقش بر آب ثابت نہیں ہوگی۔تم میری یہ پیشگوئی لکھ لو کہ مرزا غلام احمد کا فراڈ نہیں چلے گا۔تم اپنی آنکھوں سے ایک نہ ایک دن اس خانہ ساز نبوت کو دم توڑتے دیکھ لو گے،اس کے آقا اس کے لیے کچھ نہیں کرسکیں گے،اس کے پیروکار بے یارومددگار ہوکر پناہ گاہیں تلاش کریں گے لیکن ان کے پناہ گار بھی ان کے لیے ایک وبال بن جائیں گے،وہ ان کے لیے جو کچھ کریں گے اس کا نتیجہ اس کی کوششوں سے برعکس ہوگا۔مت بھولو کہ قدرت کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی

اس مجلس میں جب شاہ جی نے اپنے مخصوص قلندرانہ انداز میں کہا!''ہائے!اس قوم کی بدقسمتی اور اس شخص کی بدقسمتی!''تو حاضرین حیران شاہ جی کا منہ دیکھنے لگے۔ہر شخص ایک سوالیہ نشان بن کر سوچنے لگا کہ خدا جانے شاہ جی اس کے بعد کیا فرماتے ہیں،پھر شاہ جی کے چہرے پر تفکرات کے آثار ظاہر ہونے لگے،وہ دیر تک خاموش،گم صم اور کھوئے سے رہے۔پھر حاضرین پر ایک نظر ڈال کر فرمایا:''تم نہیں جانتے مولوی محمود کون ہے،یہ بڑا قیمتی آدمی ہے،یہ شخص ہمارے دور کا انسان تھا اس دور میں پیدا ہوگیا،یہی اس کی بدقسمتی ہے،ہم خوش قسمت تھے کہ اس دور میں پیدا ہوئے جب اچھے لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ہمیں اچھے ساتھی میسر آ گئے،اب جو دور آ رہا ہے اس میں اچھے لوگ مفقود ہیں۔

جو بادہ خوار پرانے تھے اٹھتے جاتے ہیں

خدا جانے اس شخص کو اچھے رفقاء میسر آئیں نہ آئیں۔قدرت نے اسے کسی بڑے کام کے لیے پیدا کیا ہے۔یہ اسی سانچے میں ڈھلا ہوا انسان ہے جس میں بڑے لوگ ڈھلا کرتے تھے،مگر اب تو وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا،اب بڑے لوگ پیدا نہیں ہوتے۔نہ جانے اس شخص کے چہرے پر مجھے مستقبل کا نوشتہ کیسے نظر آ رہا ہے؟پھر شاہ جی ایک شخص کی طرف دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئے''میرے بھائی!یہ اس دور کا انسان نہیں،خدا اس کی حفاظت کرے،تم لوگ بھی اس شخص کا خیال رکھو،یہ محمود بھی یقیناً کوئی سومنات توڑے گا۔''

ہمارے دل میں تو پہلے ہی مولوی محمود صاحب کا احترام بدرجہ اتم موجود تھا،اب شاہ جی کی باتوں کے بعد یہ احترام مزید بڑھ گیا۔

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب مفتی محمود صاحب کو کتنے خوبصورت انداز میں حضرت شیخ الاسلام مولانا

حسین مدنی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کا جانشین قرار دیتے ہیں:

میں ان کی جس بات کا سب سے زیادہ معترف ہوں، وہ ان کی اپنے اسلاف و اکابر سے محبت تھی۔ دینی مدارس، ماحول اور جماعتوں میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنے بڑوں سے کتنا قریب ہے۔ اگر شاگرد استاد سے قریب نہ ہو، مرید پیر سے قریب نہ ہو، اخلاف اپنے اسلاف سے ذہنی اور فکری اعتبار سے قریب نہ ہوں، تو ایسے افراد کو مذہبی حلقوں میں کبھی پذیرائی نہیں مل سکتی۔ جو لوگ اکابر سے کٹے ہوئے اور اسلاف سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں، انہیں دینی طبقوں میں عزت و عظمت کا ملنا محال ہوتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی صاحب علم ہوں، دینی حلقے ان کے ظاہر پر تو کسی حد تک اعتماد کر لیتے ہیں، ان کے باطن پر اعتماد نہیں کرتے۔ معاشرتی تعلقات کے باعث ان کا احترام کر سکتے ہیں لیکن دینی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی برتری کو تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ دینی اداروں کا سلسلۂ سند دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ کوئی شخص دینی ادارے سے تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کرے۔ وہ سند اس کے علم کی دلیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ علم کے لیے اس کے علم کا اظہار ہی دلیل ہوتا ہے۔ یہ سند اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے علماء و اساتذہ کا ایک روحانی سلسلۂ نسب موجود ہے۔ اس کے پڑھانے والا فلاں اور اس کا استاد فلاں اور اس کا استاد فلاں فلاں ہے۔ یہ سند اپنے بزرگوں سے اس کا علمی رابطہ قائم کرتی ہے۔ دوسرا سلسلۂ سند آدمی کی عملی زندگی سے نظر آتا ہے۔ اس کی باتوں سے، اس کے چال چلن سے، اس کے رہن سہن اور خورد و نوش سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پر کسی استاد یا بزرگ کا کتنا اثر ہے، اس کے اندر کون بول رہا ہے، اس کے روحانی اور فکری رابطے کس سے ہیں۔

ہمارے متاخرین کا روحانی سلسلہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے ملتا ہے اور ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ و مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ دو علمی و روحانی مفکر ہیں جن کے متوسلین اور چاہنے والے نسبتاً زیادہ ہیں۔ یہ دونوں سلسلے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ اسیر مالٹا، مولانا سید شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جیسے صاحب علم و بصیرت بزرگوں کے علمی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ ان تمام بزرگوں کا عملی سلسلہ مختلف واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک چلا جاتا ہے۔ عہد قریب کے یہ دو بزرگ تھانویؒ و مدنی رحمہ اللہ الگ الگ سلسلوں کے بانی نہیں تھے، بلکہ مقامات کے فرق نے پیروکاروں میں تقسیم کر دی اور آگے چل کر کچھ تو ایک بزرگ سے منسوب ہو گئے، کچھ دوسرے سے۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ ان دونوں بزرگوں کے سچے اور سچے پیروکار تھے۔ ایک طرف تو وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علم کلام و قرآن کے وارث تھے، تو دوسری طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کے علم حدیث اور علم سیاست کے حامل۔

جس طرح شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے پاکستان بنانے میں مدد دی، کیونکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے قیام پاکستان کے لیے فتویٰ دیا تھا، اسی طرح پاکستان بننے کے بعد مفتی صاحب نے اس کی حفاظت کر کے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی جانشینی کا حق ادا کیا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اس کی حفاظت کے لیے دعا مانگی تھی۔

مولانا عبیداللہ (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

مفتی صاحب نے اس پہلی ملاقات میں مجھ سے ایسی ہی بہت سی باتیں کیں جن سے میرے دل کو تسلی ہوئی۔ مجھے اس بالمشافہ گفتگو سے اندازہ ہوگیا کہ مفتی صاحب اپنے دل میں اتحاد بین المسلمین کے لیے بڑی تڑپ رکھتے ہیں اور فرقہ واریت سے انہیں طبعی نفرت ہے، چونکہ اس وقت وہ نوجوان تھے، اس لیے ایک نوجوان عالم کی زبانی اتنی سنجیدہ اور فکر انگیز گفتگو میرے لیے خوشی کا باعث بنی۔ نوجوان عموماً جذباتی ہوتے ہیں، ان کی سوچ بھی جذباتی ہوتی ہے، ان کے فیصلے بھی جذباتی ہوتے ہیں، مجھے اطمینان ہوا کہ ہمارے ہم عمر علماء میں وہ ایک پختہ فکر، صائب الرائے اور زیرک انسان ہیں۔ ان کی یہی صفت میرے دل کو زیادہ بھائی۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں میں علمی، سیاسی اور ملی مسائل کے علاوہ بین الاقوامی مسائل بھی زیر بحث آتے رہے اور ان کی فقہی رائے کو میں نے ہمیشہ قوی پایا۔ بعض مسائل میں وہ اپنی انفرادی رائے بھی رکھتے تھے، ایسی رائے کے حق میں ان کے پاس قوی دلائل ہوتے تھے۔

مثال کے طور پر فقہی مسائل پر عمل کے سلسلے میں ان کی رائے یہ تھی کہ مخصوص حالات میں ایک حنفی کے لیے جائز ہوگا کہ وہ کسی خاص مسئلے میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کر لے۔ ایسا آدمی ان کے نزدیک حنفیت سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے متعدد مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے، ان کی اپنی ترجیحات ہیں، لیکن ان پر حنفیت سے خروج کا الزام نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے اختلاف اور ترجیحات کے باوجود حنفی تھے۔ اسی طرح اگر کسی مسئلے میں امام صاحب رحمہ اللہ کا قول موجود نہ ہو، یا قول تو موجود ہو مگر سمجھ نہ آئے، یا سمجھ بھی آئے لیکن حالات کی خاص نوعیت کے تحت اس پر عمل ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے امام کی پیروی درست ہوگی۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل صورت پیش آجائے تو صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے۔ اگر صاحبین کے قول میں بھی یہی صورت پیش آئے تو امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ اس کے بعد درپیش مسئلے میں ائمہ اربعہ سے کسی ایک کے اقرب قول پر عمل کر لیا جائے۔ ان کے نزدیک کسی خاص مسئلے میں خاص حالات میں خروج عن الحنفیت تو جائز ہے، لیکن مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں۔ اس نقطۂ نظر میں مفتی صاحب منفرد تھے، تاہم وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ ایسا کرنا ان علماء کا کام ہے،

جن کی مذاہب اربعہ پر وسیع نظر ہے، جو کسی مسئلے کے ترجیحی پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عام آدمی کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ سنی سنائی باتوں پر عمل کرے، کیونکہ ایسی اجازت دینے سے اس کے عقیدے میں خلل آ سکتا ہے۔ لوگ اپنی مرضی کے مطابق ادھر ادھر بھٹکنے کے عادی بن سکتے ہیں، جب کہ ایسی صورت صرف اسی وقت پیش آ سکتی ہے جب ملکی قوانین کی تدوین کے سلسلے میں علماء کسی مشکل سے دوچار ہو جائیں تو اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکیں، کیونکہ اصل چیز کسی امام کا قول نہیں اصل چیز وہ نص ہے جس کی روشنی میں یہ قول متشکل ہو یعنی منصوص چیزیں جو ائمہ کرام کی علمی تحقیقات کے نتیجے میں معلوم ہوئیں، ائمہ اربعہ نے بے پناہ تحقیق و جستجو کے بعد قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کیے ہیں، اس لیے باور کیا جا سکتا ہے کہ کسی مسئلے پر اگر احناف کے ہاں کوئی دلیل یا سند نہیں مل سکتی تو دوسرے مذاہب سے اسے لینا درست ہوگا، بشرطیکہ وہ وہاں بہتر صورت میں موجود ہو۔

مولانا صدر الشہید رحمہ اللہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی مہارت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مفتی صاحب متواضع اور خلیق انسان تھے، ان کا علم وسیع تھا اور حلم وسیع تر۔ بات مختصر کرنے کے لیے میں ان کی زندگی کے فقہی پہلو کو لیتا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک ان کا فقہی مقام سب سے زیادہ بلند تھا۔ بحیثیت فقیہ اس دور کے آدمی نہیں تھے، گزشتہ دور کے انسان تھے۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ان کی لیاقت و ذہانت کو میں طالب علمی کے زمانے سے دیکھتا آیا ہوں۔ فقہ سے انہیں شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ جس طالب علم کو وقایہ اور ہدایہ کے اسباق سمجھ نہیں آتے تھے یا جو سمجھ کر بھول جاتے تھے وہ اس وقت بھی بھولے بسرے مسائل انہی سے پوچھتے تھے۔ درسی کتب تو انہوں نے سبقاً پڑھی تھیں، ان کے علاوہ بہت سی غیر درسی فقہی کتابیں انہیں از بر تھیں۔ فراغت کے بعد انہوں نے فقہی کتب شوق سے پڑھائیں اور خوش قسمتی سے انہیں طالب علم بھی لائق میسر آئے جو ان کی شہرت کا سبب بنے۔ قاسم العلوم ملتان میں ان کی آمد بھی دراصل ان کے شاگردوں کی پیدا کردہ شہرت کا نتیجہ تھی، ورنہ بڑے بڑے مدارس میں چھوٹے شہروں اور مدرسوں میں پڑھانے والے اساتذہ کو جگہ ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مفتی صاحب کے پاس جو طالب علم ابتدائی فقہی کتب پڑھتے تھے وہ بڑے مدارس میں آ کر فقہ کے آخری درجے کی کتب میں بھی بارسوخ ثابت ہوتے تھے، ایسے طالب علموں کو ہر استاد مطمئن نہیں کر سکتا۔

فتاویٰ میں اعتدال کی راہ:

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی شہرت عام ہوئی تو قاسم العلوم کی انتظامیہ انہیں اپنے مدرسے میں بلانے پر مجبور ہوگئی۔ جب مفتی صاحب قاسم العلوم میں آ گئے تو منتظمین کو معلوم ہوا کہ یہ صرف فقہ کے ماہر ہی نہیں، علم حدیث پر بھی پوری دسترس رکھتے ہیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ بحیثیت استاد تو مفتی صاحب علم حدیث پڑھائیں اور

بحیثیت مفتی دارالافتاء کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اب مفتی محمود صاحب ایک ہی وقت میں شیخ الحدیث بھی تھے اور قاسم العلوم کے مفتی بھی۔

قاسم العلوم میں ان کے ابتدائی دور میں لوگ ہزاروں مسائل لے کر آئے اور انہوں نے ہزاروں فتوے جاری کیے۔ ان میں بیشتر مسائل مشکل اور الجھے ہوئے ہوتے تھے، لیکن مفتی صاحب کے دست گرہ کشا کے سامنے یہ الجھاؤ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ اس مدرسے میں مفتی صاحب اس شرط پر آئے تھے کہ انتظامیہ ان کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائے گی، اس لیے جب مفتی صاحب کی سیاسی مصروفیات بڑھ گئیں تو افتاء کا کام کم ہو گیا۔ اب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مفتی صاحب اس پر فتویٰ دیتے، عام مسائل پر نائب مفتی ہی جواب لکھ دیتے تھے۔ میری معلومات کے مطابق ایسا بہت کم ہوا ہے کہ مفتی صاحب کو کسی مسئلے پر پریشانی ہوئی ہو اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ ان کے قلم سے کوئی فتویٰ نکلا ہو اور بعد ازاں اس پر انہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فتویٰ صادر کرنے سے پہلے متعلقہ مسئلے کی تمام کلیات و جزئیات کو سمجھتے تھے، اس کے بعد اس موضوع پر جملہ کتب کو سامنے رکھتے تھے، تب جا کر یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کس مسئلے پر کیا فتویٰ دینا درست ہوگا؟

ایک بار ایک مسئلے پر انہیں الجھاؤ ہوا تو انہوں نے اپنے استاد کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت مجھے وہ مسئلہ یاد نہیں کہ کیا تھا، اتنا یاد ہے کہ مفتی صاحب نے اس مسئلہ پر تحقیق کی لیکن وہ اس کی تعبیر سے قاصر تھے، بنوں میں ایک بزرگ ہمارے مشترکہ استاد تھے، مفتی صاحب نے وہ مسئلہ ان کے پاس بھیج دیا۔ بعد ازاں مجھے استاد محترم نے بتایا کہ مفتی محمود نے ایک مسئلہ ان کے پاس بھیجا ہے اور ساتھ ہی اپنی تحقیق ارسال کی ہے۔ میں نے ان سے مسئلے کی بابت استفسار کیا تو فرمانے لگے: مسئلہ وہی ٹھیک ہے جو مفتی صاحب نے سمجھا ہے، انہیں دلائل اور حوالہ جات مل چکے تھے۔ دلائل میں تطبیق کرنے میں ان سے سہو ہو گیا، اس لیے اس کی تعبیر ان کی سمجھ میں نہیں آئی تو انہوں نے یہ کیس میرے سپرد کر دیا۔ میں نے انہیں یاد دلایا ہے کہ ان سے کس مقام پر مسئلے کا کون سا پہلو نظر انداز ہوا ہے۔ جس کے باعث انہیں پریشانی ہوئی ہے، میری نشاندہی سے وہ سمجھ جائیں گے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

میں نے بہت سے مسائل پر ان سے خود بھی بات کی ہے، وہ بے پناہ حافظے اور قوت استدلال کے مالک تھے، فتویٰ زبانی ہو یا تحریری، دونوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کی تقاریر سننے والے جانتے ہیں کہ وہ کس احتیاط سے ایک ایک جملہ کہتے اور ایک ایک بات سمجھاتے تھے، تقریر کی نسبت تحریر میں زیادہ محتاط تھے، تقریر میں کوئی لفظ آگے پیچھے استعمال کرنے سے بات کا مفہوم بدل جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ اگر مقرر کو یاد نہ رہا تو بعد میں سوال کرنے پر وہ اس کی تشریح کر دیتا ہے، لیکن تحریری بات میں سہو کا امکان کم ہوتا ہے۔ تحریر کی غلطی صاحب تحریر کی غلطی سمجھی جاتی ہے، یہ تو عام تحریر کا اصول ہے، فتوے کی بات تو انتہائی سخت اور نازک ہوتی ہے۔

مفتی محمود اس بارے میں بے حد محتاط واقع ہوئے تھے، فتویٰ لکھتے وقت بھول کا احتمال موجود ہوتا ہے، بسا اوقات نظر ثانی کرتے وقت بھول کا احساس ہو جاتا ہے اور بسا اوقات فتویٰ دینے کے بعد بھی مفتی کو کسی غلطی کا احساس یا اس بارے میں کسی نئی بات کا علم ہو سکتا ہے۔ مفتی صاحب مرحوم پہلے ہی فتویٰ کامل احتیاط سے لکھتے تھے اور آج تک ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے تحریر کردہ فتوے پر کسی مفتی یا عالم نے اعتراض کیا ہو یا انہوں نے اپنے کسی فتوے سے رجوع کیا ہو۔

اگر بات فتوے دینے تک ہی ختم ہو جاتی تو اس بارے میں مفتی محمود کی کوئی انفرادیت نہیں تھی، لیکن ان کے ہاں ایک انفرادیت پائی جاتی تھی اور وہ تھی فتویٰ دینے میں اعتدال کی راہ۔ ان کا طریق کار یہ تھا کہ کسی مسئلے کا ایک رخ کیسا ہی واضح اور کتنا ہی روشن کیوں نہ ہو، وہ مسئلے کے دوسرے پہلو کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے، جب تک مسئلے کے دوسرے پہلو پر پوری تحقیق نہیں کر لیتے تھے، فتویٰ ہرگز نہیں دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اس بات کا وہ خیال رکھتے تھے کہ کسی مسئلے کے اثبات یا نفی میں دلائل لکھتے وقت مبالغہ اور افراط و تفریط سے کام نہ لیا جائے، جس بات کا جس درجے میں اثبات ہو اس کا اسی قدر اثبات کیا جائے اور جس چیز کی جس قدر نفی ہو اس کی اتنی ہی اور اسی قدر نفی کی جائے۔ افراط و تفریط سے بہت سی استحبابی چیزیں وجوب کا درجہ پا جاتی ہیں اور بہت سی وجوب کا درجہ رکھنے والی چیزیں استحباب کی جگہ آ جاتی ہیں، اس لیے ان کے نزدیک نفی اور اثبات میں تشدد کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں تھا، مفتی صاحب چونکہ بحیثیت مفتی انتہائی اعتدال پسند تھے، اس لیے یہ اعتدال ان کی شخصیت کا لازمہ بن چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی قومی زندگی میں بھی ہمیشہ اعتدال نظر آتا تھا۔

جمعیت علماء اسلام کے سرپرست مولانا قاری محمد اجمل خاں صاحب رحمہ اللہ، مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے فقاہت اور عالمانہ انداز کو یوں بیان کرتے ہیں:

علماء کے سرخیل:

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہدِ حاضر کے ان علماء اور محققین کے سرخیل تھے جن کے علمی اور سیاسی وجود پر نہ صرف برصغیر، بلکہ تمام عالمِ اسلام فخر کر سکتا ہے۔ وہ ایک ہمہ صفات انسان اور عجیب و غریب خوبیوں کے مالک تھے۔ قدرت نے انہیں اتنی اعلیٰ اور منفرد خصوصیات سے نوازا تھا کہ علم و دانش کے اس بحرِ بے کراں کا علمی استحضار بڑے بڑے علماء کے لیے قابلِ رشک تھا۔ ان کی فاضلانہ بصیرت مسلم تھی۔ وہ بیک وقت مفسر قرآن، محدث زمان، فقیہ دوران اور عربی کے قادر الکلام مقرر تھے۔ انہوں نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں منصب افتاء پر فائز ہو کر تقریباً ۲۲ ہزار فتوے صادر کیے اور کسی ایک فتوے پر بھی کوئی عالم یا مفتی انگشت نمائی نہ کر سکا۔ ترمذی شریف کی عربی شرح ان کا علمی شاہکار ہے۔ مفتی صاحب عالم اسلام کے چند بڑے علماء میں سے ایک تھے۔

ڈاکٹر معروف الدوالیبی کا اعتراف:

ایک بار ڈاکٹر معروف الدوالیبی، مفتی صاحب سے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں ملنے کے لیے تشریف لائے، تو فرمانے لگے" مفتی صاحب! ویسے تو آپ کو وقت نہیں ملتا میں نے سوچا چلیے ہسپتال ہی میں آپ سے ایک علمی مسئلے پر بات ہوجائے" مفتی صاحب نے فرمایا" کہیے!" ڈاکٹر صاحب کہنے لگے: "میں آپ سے "مسئلہ رجم" پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس بارے میں دشمنانِ اسلام عجیب وغریب اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک وحشیانہ سزا ہے، لیکن چونکہ شریعت نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے "رجم" ہی کی سزا مقرر کی ہے، اس بارے میں اسلام دشمنوں کی باتوں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ جہاں تک سزا کے نفاذ کا تعلق ہے یہ تو بہرحال ضروری ہے، لیکن سزا کے طریقے پر نظر ثانی کر لینے میں کچھ حرج نہیں۔ اس سزا کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسے فاسق آدمی کا وجود برداشت نہیں کرتا جو گناہ کا بیج بوکر سوسائٹی کو ناپاک کرتا ہے۔ اسلام نے اس کے وجود سے سوسائٹی کو پاک کرنے کے لیے اس کے لیے سزائے موت تجویز کی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ ثبوت جرم کے بعد اس پر حد جاری کردی جائے۔ اس سزا کی انتہا اس کی جان کا اتلاف ہے۔ اب اگر جان کا اتلاف ہی مقصود ہے تاکہ زنا جیسے بھیانک جرم کے ارتکاب کا دروازہ بند ہو اور سوسائٹی اس آلودگی سے بچی رہے تو جدید دور میں اگر کسی دوسرے معروف طریقے کو اختیار کرلیا جائے جس سے مجرم کی جاں کنی کا مرحلہ آسان ہوجائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ مثال کے طور پر ثبوت جرم کے بعد مجرم کو گولی ماردی جائے، بجلی کا کرنٹ لگا کر ہلاک کردیا جائے یا پھانسی دے دی جائے۔ یہ عمل اس صورت سے بہتر ہے کہ ایک آدمی کو سرعام کھڑا کرکے تمام لوگوں کو حکم دیا جائے کہ اس پر سنگ باری کریں تاکہ وہ ہلاک ہوجائے جب کہ اس کی ہلاکت کی دوسری صورتیں موجود ہیں، ان سے مقصد پورا ہوتا ہے اور دشمنانِ اسلام کی زبانیں بھی بند ہوجاتی ہیں۔ ہمیں اجتماعی طور پر اس مسئلے میں اجتہاد کرکے اس سزا کی صورت متعین کرنی چاہیے۔ میں نے اب تک عالم اسلام کے جن اکابر علماء کے سامنے اپنی رائے پیش کی ہے، بیشتر نے میرے خیال سے اتفاق کیا ہے، البتہ چند علماء ایسے بھی تھے جو "رجم" ہی کے حق میں ہیں، لیکن رجم کیوں ضروری ہے؟ اس کے ضروری ہونے کے لیے کوئی وزنی دلیل موجود نہیں۔"

مفتی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا! "آپ کی بات ختم ہوگئی یا اس سلسلے میں آپ مزید کچھ فرمانا چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر صاحب نے کہا: "نہیں۔" اس پر مفتی صاحب نے فرمایا: "دراصل آپ نے "رجم" کی مقصدیت کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سزا کے اجراء سے شریعت کا مقصد مجرم کی جان کا اتلاف ہے اور حقیقت معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر مجرم کو ہلاک کرنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت ﷺ

کے دور میں بھی ہلاکت کے دوسرے طریقے موجود تھے۔ کسی زانی یا زانیہ کو تلوار کے ایک ہی وار سے ختم کیا جا سکتا تھا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا مقصد کم از کم وہ نہیں جو آپ نے سمجھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی مقرر کردہ اس حد پر گفتگو کا جواز ہی نہیں۔ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف قولی حکم ہوتا تو اس کو سمجھنے سمجھانے کے لیے اس پر کسی حد تک گفتگو کا جواز تھا، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف قولی حکم نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانی اور زانیہ پر خود حد جاری فرمائی ہے۔ یہ حد ''رجم'' کی صورت میں تھی قتل محض کی صورت میں نہیں تھی۔ لہٰذا یہ مفروضہ باطل ہوگیا کہ اس سزا سے مقصد مجرم کی جان کا اتلاف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سزا کا مقصد کیا ہے؟ جب مقصد سمجھ میں آ جاتا ہے تو اس سزا پر اعتراض یا سزا کے نفاذ کے طریقے میں تبدیلی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے دو واقعات موجود ہیں اور ان دونوں واقعات میں اس سزا کی حکمت مضمر ہے۔

پہلا واقعہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعتراف جرم کر کے آپ سے اپنے اوپر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ چلے جاؤ'' سوچ سمجھ کر آنا کہ تم نے واقعی یہ جرم کیا ہے؟ وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اس شخص کو شاید جنون ہوگیا ہے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک اور صحیح الدماغ آدمی ہے۔ اس موقع پر بھی رسول خدا نے انہیں واپس بھیج دیا۔ پھر وہ تیسری بار حاضر خدمت ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد جاری کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا اس شخص نے کچھ پی تو نہیں لیا۔ شاید بہک گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اسے سونگھ کر دیکھا اور عرض کیا اس کے منہ سے بو نہیں آتی، اس نے کوئی نشہ آور چیز ہرگز استعمال نہیں کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

دوسرا واقعہ ''غامدیہ'' نامی ایک خاتون کا ہے۔ وہ بھی خود ہی حاضر خدمت ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اوپر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر آئے کیا واقعی اس نے یہ گناہ کیا ہے۔ وہ دوبارہ اس وقت حاضر خدمت ہوئی جب اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ اس نے اپنے گناہ پر اس بچے کو بطور ثبوت پیش کر کے وہی مطالبہ دہرایا کہ اسے گناہ سے پاک کرنے کے لیے اس پر حد جاری کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ چلی جاؤ جب یہ بچہ دودھ چھوڑ دے اس کے بعد آنا، تیسری بار وہ عورت آئی تو اس کے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ وہ کہنے لگی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو یہ بچہ کھانے

پٹنے کے قابل ہو گیا ہے۔اس کے اس تیسرے اقرار کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

اسی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ''رجم'' کے وقت جب لوگ اسے پتھر مار رہے تھے تو پتھر لگنے سے اس کے جسم سے خون فوارے کی طرح نکلا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر چھینٹے پڑے۔اس پر انہوں نے کوئی سخت جملہ کہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا!'' خالد! ایسا مت کہو، یہ تو اب اتنی پاک ہو چکی ہے کہ اس کی توبہ اگر مدینہ کی پوری بستی پر تقسیم کی جائے تو تمام اہل مدینہ کی بخشش کے لیے کافی ہے۔''

ان دو واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل سامنے آتا ہے۔اب غور کریں تو زنا کی حد جاری کرنے کی دو ہی عقلی صورتیں ممکن ہیں۔ایک یہ کہ مجرم خود اعتراف جرم کرلے، جیسا کہ ان واقعات میں نظر آتا ہے۔دوسرا یہ کہ مجرم کے جرم پر قانون شہادت سے ثبوت مل جائے۔اب ان صورتوں میں آپ کا عقلی استدلال یہ ہے کہ مجرم کو رجم کرنے کے بجائے گولی ماردی جائے یا بجلی کے جھٹکے سے اسے ختم کردیا جائے۔کیونکہ آپ کے نزدیک اس سے مقصود اس کی جان کا اتلاف ہے، لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ خدا آپ سے اور ہم سے زیادہ حکیم ہے۔اس کا رسول ﷺ حکمت کو تمام انسانوں سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔اسلام خود ہی ایک دین حکمت ہے۔دراصل دنیا جس سزا کو وحشت سے تعبیر کرتی ہے، وہی جان بچانے کا سبب ہے۔آپ نے یہ سمجھا ہے کہ اس سزا سے مقصود اتلاف جان ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سزا سے مقصود حفاظتِ جان ہے۔وہ اس طرح کہ اگر آپ کا طے کردہ طریق سزا مان لیا جائے تو شہادت ملنے یا اقرار جرم کرنے کے بعد مجرم کو ایک منٹ ہی میں ختم کردیا جائے گا۔جب کہ رجم میں اس کی بچت کی یہ صورت موجود ہے کہ ادھر سنگ زنی شروع ہوئی اور ادھر کوئی ایک گواہ چیخ اٹھا: ہائے میں مرگیا، غضب ہوگیا، میں نے فلاں شخص کے اکسانے پر یا فلاں دشمنی کے باعث گواہی دی ہے، درحقیقت یہ آدمی مجرم نہیں۔اب ظاہر ہے کہ دو چار پتھروں سے آدمی مرتو نہیں سکتا۔لیکن گواہ نے اگر جھوٹی گواہی دی ہے تو وہ اس منظر سے اتنا متأثر ہوگا کہ آخر وقت پر بھی سچ کہہ کر اس کی سزا موقوف کرادے گا۔اسی طرح اگر مجرم نے خود اقرار کیا اور اس پر حد جاری کی گئی، جب اس پر پتھر برسنے شروع ہوئے تو وہ چیخ اٹھا کہ میں نے مرنے کا ایک بہانہ سوچا تھا اب میں مرنا نہیں چاہتا اس قسم کی کوئی اور بات وہ کہہ دے، تو اس کی سزا فوراً موقوف ہو جائے گی۔''

مفتی صاحب کی گفتگو جاری تھی کہ ڈاکٹر دوالیبی ایک دم کھڑے ہو کر مفتی صاحب سے لپٹ گئے اور کہنے لگے ''بس مفتی صاحب! میں نے آج تک اتنے زوردار عقلی دلائل نہیں سنے۔''

مفتی صاحب کے متبحر عالم دین اور منفرد مفتی ہونے کا ایک اور واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مشینی ذبیحہ کے مسئلے پر اختلاف کی صورت میں سامنے آیا۔مفتی شفیع صاحب مرحوم کا

فرمان تھا کہ اگر کسی مسلمان شخص نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر مشین کا بٹن آن کر دیا تو مشین کے چلنے سے جتنے جانور ذبح ہوں گے وہ سارے حلال ہوں گے، کیونکہ مشین چلانے والا مسلمان ہے اور اس نے بوقت ذبح اللہ کا نام لیا ہے۔ مشین چوں کہ تکبیر کی شرط پوری نہیں کر سکتی وہ شرط اس مسلمان نے بٹن آن کرتے وقت پوری کر دی تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا، کیونکہ ''تکبیر'' اور ''ذبح'' دونوں کا ظہور ہوا ہے۔ مفتی محمود صاحب کا استدلال تھا کہ جانور پر ''تکبیر'' پڑھنے والے مسلمان شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود ''ذابح'' ہو، ذبح کا سبب نہ ہو، مشین چلانے والے عمل میں مسلمان ''ذابح'' نہیں بنتا، بلکہ صرف ذبح کا سبب بنتا ہے۔ ذابح وہ مشین ہوتی ہے جو بٹن آن کرنے سے چلتی ہے، اس لیے اس صورت میں ذبح کی شرط ''تکبیر ذابح'' ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ ذبیحہ حرام ہوگا، حلال نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے سامنے یہ مثال پیش کی کہ فرض کریں ایک مجوسی شخص جانور ذبح کرنا چاہتا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ذبح کے عمل سے روک دیتا ہے۔ اچانک ایک مسلمان وہاں پہنچ کر اس دوسرے روکنے والے آدمی کو پکڑ لیتا ہے اور مجوسی سے کہتا ہے کہ اپنا کام کر، جب مجوسی جانور کی گردن پر چھری چلاتا ہے تو مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہے۔ کیا ایسا ذبیحہ حلال ہوگا جس پر ایک مسلمان نے تکبیر کہی اور ایک مجوسی نے اسے ذبح کیا؟ مفتی محمود صاحب نے کہا کہ یہ ذبیحہ حرام ہوگا، حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان یہاں ذبح کا سبب بنا ہے، اس نے تیسرے آدمی کو پکڑ کر صرف رکاوٹ کو دور کیا ہے۔ رکاوٹ دور کر کے اس نے تکبیر کہہ دی، لیکن چونکہ وہ مکبر خود ''ذابح'' نہیں اس لیے ذبیحہ حرام ہے۔ ذابح مجوسی ہے ذبح میں جس کے ہاتھ استعمال ہوئے۔ جس طرح مجوسی کا ہاتھ پکڑنے والا شخص مجوسی کے ذبح میں رکاوٹ تھا، اسی طرح مشین کے چلنے میں وہ بٹن رکاوٹ ہے۔ جس طرح مجوسی کو روکنے والے شخص کو ایک مسلمان آدمی پکڑ کر رکاوٹ دور کرتا ہے، اسی طرح مشین کا بٹن آن کر کے ایک مسلمان اس رکاوٹ کو دور کرتا ہے اور مجوسی کی طرح مشین چل پڑتی ہے۔ اگر مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں، تو اس مشین کا ذبیحہ بھی حلال نہیں، کیونکہ یہ دونوں ذابح ہیں، مکبر نہیں ہیں۔ یہ جو مسلمان ان کو متحرک کرنے کے لیے متحرک ہوا ہے، اس نے سبب بن کر رکاوٹ کو دور کیا ہے، جب کہ ذبح کے لیے اس کا ذابح ہونا ضروری تھا اور ان دونوں میں یہ ذابح بن ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جس طرح اس مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے، اسی طرح اس مشین کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔

مولانا فیض احمد مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی فقاہت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تفقہ، تدبر، انجام بینی اور دور اندیشی میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ عالم اسلام کے محدث اعظم، عارف باللہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کو ''فقیہ النفس'' فرمایا کرتے تھے۔ تفقہ اور فہم دین آپ کا طبعی وفطری وصف تھا۔ معاملہ فہمی، حقیقت شناسی کا جو ہر قسام ازل نے آپ

کی طبیعت میں ودیعت کر دیا تھا۔ آپ نے تقریباً تیس سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے دارالافتاء کو زینت بخشی، قدیم وجدید مسائل پر ہزاروں فتوے آپ کے قلم، آپ کے مشورہ یا آپ کی سرپرستی میں لکھے گئے، جن کی نقول مدرسہ قاسم العلوم کے دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔"

مفتی محمود فقیہ النفس:

مندرجہ بالا اکابر علماء کرام کے تأثرات سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کس درجہ فقاہت عطا فرمائی تھی اور محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ تو سونے سے لکھنے کے قابل ہے کہ مفتی محمود صاحب فقیہ النفس تھے۔ جیسا کہ بزرگوں کے تأثرات سے اس کا بھی اظہار ہوا کہ مفتی محمود صاحب جس فقہی مجلس میں شریک ہوتے اپنی فقاہت اور وسعت مطالعہ کی بنا پر حاوی ہوجاتے اور کوئی بڑے سے بڑا مفتی بھی ان کے فتویٰ کے دلائل سے صرف نظر نہیں کرسکتا تھا۔ مشینی ذبیحہ کے مسئلہ پر جس طرح مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود صاحب کے دلائل کے بعد اپنے فتوی سے رجوع کیا وہ جس طرح مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تواضع وانکسار اور عالم برحق ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت پر اور وسعت مطالعہ پر بھی شاہد ہے۔ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم نے جس طرح ڈاکٹر معروف کے رجم کے مسئلہ پر اڑنے کے بعد مفتی محمود صاحب سے رابطہ کر کے مفتی محمود صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی بات کرائی اور مفتی صاحب نے جس مدلل انداز میں ڈاکٹر معروف دوالیبی کو قائل کیا اور جس پر بے ساختہ ڈاکٹر معروف دوالیبی کو مفتی صاحب کی فقاہت وعلمیت کا اعتراف کرنا پڑا اس کے بعد مفتی صاحب کی فقاہت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

مفتی محمد انور شاہ سابق ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان جو مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور رفیق کی حیثیت سے ۲۵ سال تک مدرسہ قاسم العلوم کے دارالافتاء میں اور وفاق المدارس میں آپ کے ساتھ شریک رہے ان کے بقول مفتی محمود صاحب کو بھٹو کے بڑے بڑے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا جواب لکھتے ہوئے کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فقہ کی بڑی کتب کے صفحات کے صفحات آپ کی نظروں کے سامنے ہیں۔ آپ بے ساختہ فرمادیتے کہ فلاں کتاب اٹھاؤ اس کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ پر امت کے تمام علماء کرام کو بھرپور اعتماد تھا اور ملک کے اکثر علماء کرام آپ کو مفتی اعظم پاکستان تصور کرتے تھے۔

مفتی محمود رحمہ اللہ مفسر، محدث، قاری:

جیسا کہ مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود صاحب کے تذکرہ میں فرمایا کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کی شخصیت جامع ترین شخصیت تھی اور بقول مولانا عبدالرحمن اشرفی مفتی محمود صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہما اللہ کے علوم کے وارث تھے۔ ہم جب مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کو مسند حدیث پر رونق افروز دیکھتے ہیں تو وہاں وہ اپنے ہم عصر نہیں بلکہ اپنے سے قبل کے اساتذہ کرام کے مجموعی نظر آتے ہیں۔ علماء کرام کو اس شعبہ میں کہیں وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور کہیں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ کے اوصاف کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی اس حیثیت کو خراج تحسین اور کیا ہوگا کہ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر طلباء کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنی حدیث کی تعلیم کی نسبت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جوڑیں۔ علامہ شمس الحق افغانی، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، پیکر عزم وایثار مولانا محمد علی جالندھری، حامل تواضع وانکسار شیخ الحدیث مولانا عبدالحق جیسی اولوالعزم اور علمی شخصیات علم حدیث میں آپ کی مہارت کو نہ صرف تسلیم کرتی ہیں بلکہ اپنے طلباء کو آپ سے استفادہ کی تلقین کرتی ہیں۔

علم تفسیر میں جب ہم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور مہارت کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اپنے ہم عصروں میں اس میں بھی بہت زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اس کی شہادت کے لیے یہی کافی ہے کہ شیخ التفسیر عارف کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ جیسے عظیم مفسر جن کے درس قرآن وتفسیر میں شرکت کرنے کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ جیسی عظیم علمی شخصیت کا حامل اپنے منصب اور مقام کی قربانی دے کر تحصیل علم کے لیے طالب علمانہ انداز اختیار کر کے ان کا تلمذ اختیار کرنا اپنے لیے سعادت تصور کرتا ہے اور اس شاگردی پر ناز کرتا ہے ان کی مسند کو پر کرنے کے لیے جب اطراف عالم کے علماء کرام کی جستجو وتلاش ہوتی ہے تو نظر انتخاب مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پڑتی ہے اور آپ کے اس درس تفسیر قرآن میں ہر سال سیکڑوں علماء کرام شرکت کر کے آپ کو جانشین حضرت لاہوری کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ایک سال نہیں کئی سال آپ کے درس سے ہزاروں علماء کرام مستفید ہوتے ہیں اور اکناف عالم میں قرآنی خدمات کر کے حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنتے ہیں۔

فن قرأت وتجوید میں جب ہم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کی جستجو کرتے ہیں تو استاذ القراء قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ استاذ القراء قاری محمد طاہر صاحب رحیمی رحمہ اللہ مفتی محمود صاحب کو خراج تحسین پیش

کرتے نظر آتے ہیں۔

تقریر وتحریر کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مفتی محمود صاحب کی ہزاروں تقاریر اور ہزاروں فتاویٰ آپ کی مہارت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

رشد و ہدایت کے میدان میں آپ کو چاروں سلسلوں میں کئی مشائخ و اکابر علماء کرام نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور ہزاروں مریدین نے اپنی اصلاح آپ سے کروائی۔

مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں زندگی بھر درس وتدریس، افتاء، تصنیف وتالیف، تحریر وتقریر کے ذریعہ دین کی خدمت کرتے رہے وہیں فرق باطلہ اور کفریہ قوتوں کے مقابلہ میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس میں آپ نے قائدانہ کردار ادا نہ کیا ہو۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت پاکستان کے قیام کے بعد غالباً پہلی دینی تحریک ہے جس میں حکومت اور دینی قوتوں کا مقابلہ ہوا۔ قادیانیوں نے اپنے وزیر خارجہ سرظفر اللہ کے ذریعہ اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی سرکردگی میں پاکستان کو یا بلوچستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کی کوشش کی۔ سرظفر اللہ نے جرأت مندانہ انداز میں سیرت کے نام پر سرکاری مشنری کے سائے میں جلسہ کرنا چاہا جہاں وہ اسلام کے خلاف بکواس کرنے کا پروگرام بنا کر مسلمانوں کے اسلام یا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلط ثابت کرنا چاہتا تھا۔ مجلس احرار اسلام کے علماء کرام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری رحمہم اللہ نے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کو جمع کیا اور قادیانیوں کے ان عزائم کو ناکام بنانے کی جدوجہد شروع کی۔ پوری حکومتی مشینری نے اس تحریک کو ناکام بنانے کی کوشش کی، لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا، تو جوانوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ دس ہزار نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک لاکھ سے زائد علماء کرام و جاں نثاران ختم نبوت پابند سلاسل کیے گئے۔ ان تمام قربانیوں کے نتیجہ میں قادیانیوں کے عزائم ناکام ہوئے۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے اس تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا اور پابند سلاسل بھی ہوئے۔

صدر ایوب خان جب آمریت کے عروج پر پہنچے تو اسلام پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش کی۔ منکرین حدیث کا ٹولہ اس کے ارد گرد جمع ہوگیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نامی منکر حدیث اور ملحد کی سرکردگی میں ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے ماڈرن اسلام کی تشکیل شروع ہوئی۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء اسلام کے ساتھ میدان جہاد میں اترے ہوئے تھے۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ نے اس تحریک میں مرکزی کردار ادا کیا۔ تحقیقات اسلامی کے اجلاسوں میں جس میں مفتی اعظم فلسطین اور عرب ممالک کے بڑے بڑے اکابر علماء کرام شامل تھے ان کے

سامنے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے شیطانی منصوبوں کی دھجیاں بکھیر دیں اور مفتی محمود صاحب اور دیگر اکابر کی کوششوں سے یہ فتنہ ختم ہوا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن جہاں سے آیا تھا وہیں پلٹ گیا۔

تحریک ختم نبوت میں مفتی محمود کا تاریخی کردار:

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تحریک ہے جس نے آپ کی شہرت کو چاردانگ عالم تک پہنچادیا۔ نشتر کالج کے طلباء پر ربوہ (چناب نگر) اسٹیشن پر مرزا طاہر کی قیادت میں ہزاروں قادیانیوں نے ہلہ بول دیا۔ مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے احتجاجی مہم شروع کی۔ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر تھے جب کہ جمیعت علماء اسلام کی قیادت و سیادت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے تھے اور حسن اتفاق کہ قومی اسمبلی میں جمیعت علماء اسلام کے اراکین کی اچھی تعداد تھی جس کی قیادت مفتی صاحب کے پاس تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد اور نواب زادہ نصر اللہ بھی اسمبلی میں موجود تھے۔ مفتی محمود صاحب نے اس تحریک کو صرف مذہبی تحریک کے بجائے موجودہ دور کے مطابق سیاسی اور مذہبی بنادیا اور تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں پر مشتمل مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم کر کے اس کی امارت پر محدث العصر سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو فائز کر دیا اور پورے ملک میں تحریک کا آغاز کر دیا گیا۔ مولانا مفتی محمود صاحب نے حزب اختلاف کے تمام اراکین کو جمع کر کے مولانا شاہ احمد نورانی کی وساطت سے ایک قرارداد بل کی شکل میں اسمبلی میں پیش کر دی۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور وزیر اعلیٰ حنیف رامے نے بہت کوشش کی کہ تحریک کو طاقت کے ذریعہ کچل دیا جائے مگر مفتی محمود صاحب نے اسمبلی اور اسمبلی کے باہر ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ ۱۴ر جون ۱۹۷۷ء کو ملک گیر ہڑتال نے بھٹو حکومت کو ہلا کر رکھ دیا جس پر مجبور ہو کر ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی کو خصوصی درجہ دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اب قومی اسمبلی صرف اس مسئلہ پر غور کرے گی۔ مفتی محمود صاحب نے قومی اسمبلی میں ملت اسلامیہ کا موقف بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ وزیر قانون اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کی وساطت سے بحث شروع ہوئی۔ قومی اسمبلی نے قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر اور لاہوری گروہ کے سربراہ مرزا صدر الدین کو اپنا موقف بیان کرنے کے لیے طلب کیا۔ مرزا ناصر نے بیان دیا جس پر مفتی محمود صاحب نے بہترین جرح کی اور مرزا ناصر کی زبانی کہلوادیا کہ وہ اراکین اسمبلی سمیت ایک ارب سے زائد مسلمانوں کو کافر گردانتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب کی انتھک محنت اور علماء کرام اور جاں نثاران ختم نبوت کی بھرپور جدوجہد کے آگے گھٹنے ٹیک کر ذوالفقار علی بھٹو نے سات ستمبر کو قومی اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کیا اور اس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ اس طرح ۹۰ سال کی جدوجہد کے آخری مراحل میں مفتی محمود صاحب کی بھرپور

کوششوں سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں کامیاب ہوئی۔

اس کے بعد بھی مفتی محمود صاحب مختلف تحریکات میں حصہ لیتے رہے تا آنکہ آپ کی زندگی کی آخری تحریک جو ایک دینی تحریک تھی کئی سیاسی جماعتوں کی شرکت کی وجہ سے وہ ایک سیاسی تحریک قرار پائی۔ اس کی قیادت مولانا مفتی محمود صاحب نے ایسی فرمائی کہ پوری قوم نے آپ کو اپنا متفقہ رہنما اور قائد تسلیم کیا۔ اس تحریک کے تذکرہ سے قبل ضروری ہے کہ مفتی محمود صاحب کی سیاسی زندگی کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جائے۔

جیسا کہ ابتدا میں تذکرہ آ چکا ہے کہ مفتی محمود صاحب زمانہ طالب علمی میں مولانا محمد میاں صاحب کی زیر تربیت رہے۔ اس زمانہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی قیادت میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد میاں اور دیگر بڑے بڑے اکابر تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ بعض دفعہ ضرورت کی بنا پر طلباء کو بھی بعض معاملات میں شریک کیا جاتا تھا۔ مرادآباد میں انتخابات کے موقعہ پر مولانا مفتی محمود صاحب نے طالب علمی کی زندگی میں جمعیت علماء ہند کے امیدواروں کے لیے کام کیا اور فراغت کے بعد تقسیم ملک سے قبل جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ پاکستان آنے کے بعد تدریس میں مشغول ہونے کی وجہ سے مفتی محمود صاحب عملی طور پر سیاسی میدان میں منظر عام پر نہیں آئے مگر ہر جگہ آپ نے وڈیروں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور ہر دینی اور سیاسی تحریک میں حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں کو تیار کیا۔

میدان سیاست کا شہسوار:

جمعیت علماء ہند قیام پاکستان کے بعد ہندوستان تک محدود ہو چکی تھی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جمعیت علماء اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے عدم توجہ کی وجہ سے معطل سی ہو کر رہ گئی تھی۔ ملک میں دینی سیاست کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کی ضرورت تھی۔ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۶ء میں چیدہ چیدہ علماء کرام کو ملتان میں جمع کیا جن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد نعیم لدھیانوی، مولانا عبدالحنان ہزاروی، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ شامل تھے۔ حاجی باران خان کی کوٹھی میں ان علماء کرام کا اجلاس ہوا اور مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام کی امارت قبول کی اور مولانا غلام غوث ہزاروی کو ناظم مقرر کیا۔ اس طرح جمعیت علماء اسلام کا احیاء مفتی محمود صاحب کی کوششوں سے ہوا۔ جمعیت علماء اسلام کو فعال بنانے کے لیے مفتی محمود صاحب نے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی معیت میں پورے ملک کا دورہ کیا اور تمام علماء کرام کو اس میں شریک کیا اس طرح علماء کرام نے اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے نفاذ شریعت کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

۱۹۶۲ء میں صدر پاکستان محمد ایوب خان نے بی ڈی سسٹم کے تحت انتخابات کا اعلان کیا، جمعیت علماء اسلام نے اس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کو بھی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے کہا گیا، جس پر آپ نے فرمایا کہ اگر خانقاہ یسین زئی کے اکابر مجھے اجازت دیں گے تو انتخابات میں حصہ لوں گا۔ ان کی اجازت سے آپ نے انتخابات میں حصہ لیا اور پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ حلف اٹھاتے ہوئے آپ نے حلف کے الفاظ پر اعتراض کیے اور اس میں صحیح الفاظ کا اضافہ کرایا۔ ایوب خان نے آمریت کے نشے میں بہت کچھ کرنے کی کوشش کی، مفتی محمود صاحب نے ہر جگہ مزاحمت کی اور ایوب خان کے غیر اسلامی اقدامات کو نافذ ہونے سے روکا۔ صدر ایوب خان کی آمریت کو ختم کرنے میں مفتی محمود صاحب اور جمعیت علماء اسلام نے بھرپور کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب یحییٰ خان نے انتخابات کا اعلان کیا تو مفتی محمود رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام کی سیٹ سے بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان میں زبردست شکست دی۔ بھٹو نے کان پکڑ کر اعلان کیا کہ وہ مفتی محمود صاحب کے خلاف الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ بھٹو نے آئین بناتے وقت اس کو سیکولر بنانے کی کوشش کی مفتی محمود صاحب نے اس کو ناکام کر کے اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دلوایا اور دیگر اسلامی دفعات کا اضافہ کرایا۔ ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو نے آمر بن کر ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو مفتی محمود صاحب نے تحریک نظام مصطفیٰ چلا کر نہ صرف بھٹو کا بوریا بستر گول کرایا بلکہ پاکستان کے اسلامی رخ کو بھی ایسا متعین کیا کہ آج تک کوئی حکمران اس کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ مفتی محمود صاحب نے اسلامی نظام کے لیے تعاون شروع کیا اور کچھ اسلامی دفعات کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ جب ضیاء الحق مرحوم آمریت کی طرف رخ کرنے لگے تو مفتی صاحب نے جنرل صاحب کی آمریت کو للکارا اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

محمود الملۃ والدین:

جنرل ضیاء الحق کے خلاف آپ تحریک کا آغاز کرنے کے لیے تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو متحد کر رہے تھے کہ چودھویں صدی کے آخری حج کے سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے کراچی میں قیام کے دوران جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانہ میں مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد رفیع عثمانی، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مفتی احمد الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد طاسین، مولانا محمد بنوری اور راقم الحروف سے زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے دار بقا کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان جائیے کہ موت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت فقاہت کا دنیا کو مشاہدہ کرایا، آپ کی وفات پر شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے ''بینات'' میں ''محمود الملۃ والدین'' کے عنوان سے جو اداریہ تحریر فرمایا وہ آب زر

سے لکھنے کے قابل ہے۔ اپنی تحریر کو حضرت شہید کی تحریر پر ختم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تا کہ میرا شمار بھی حضرت شہید رحمہ اللہ اور حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کے خدام میں ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہ نے دین قیم کی خدمت و پاسبانی اور اپنے وعدہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کی تکمیل کے لیے ہر دور اور ہر صدی میں ایسے مردان حق آگاہ پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے سوز دروں اور خون جگر سے گلشن دین کی آبیاری کی اور اسے ہمیشہ تر و تازہ، سرسبز شاداب اور سدا بہار رکھا اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة، قال فینزل عیسی بن مریم صلی الله علیه وسلم، فیقول امیر هم تعال صل لنا، فیقول لا، ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الله هذه الامة (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷ و مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۵) ﴾

"میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہیں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر عرض کرے گا کہ آئیے ہمیں نماز پڑھائیے وہ فرمائیں گے نہیں! (بلکہ تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ) تمہارے بعض بعض پر امیر ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے (کہ ایک جلیل القدر نبی اس امت کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔)"

اور مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۹ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے بسند صحیح یہ الفاظ ہیں:

﴿ لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یاتی امر الله تبارک وتعالیٰ وینزل عیسی بن مریم علیه السلام ﴾

"میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور وہ اپنے مخالفین پر غالب رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آ پہنچے اور عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔"

اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی سربلندی کا تکوینی نظام تا قیامت جاری رہے گا۔ اور یہ کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر ختم ہوگی۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے اس تکوینی نظام کے ذریعے چودھویں صدی میں ایسے ہی مردان باخدا کو کھڑا کیا

جن کے علم وفضل، صلاح وتقویٰ، زہد وقناعت، دعوت وعزیمت اور ہمت وشجاعت نے سلف صالحین کا نمونہ پیش کیا اور جن کے ذریعے اسلام کی حجت قائم ہوئی۔ اس صدی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہم اللہ ایسے درویشان خدامست ہوئے جن کے انفاس طیبہ سے جنید وشبلی رحمہما اللہ کی یادیں تازہ ہوئیں۔ اسی صدی میں امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت الشیخ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا سید محمد یوسف البنوری، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی ایسے فقہاء ومحدثین ہوئے جن سے حافظ ابن دقیق العید اور حافظ ابن حجر کی یاد تازہ ہوئی۔ اسی صدی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایسے کثیر التصنیف بزرگ ہوئے، جنہوں نے دینی ضرورت کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک مسئلہ پر قلم اٹھایا اور جن کی سرعت قلم، برکت اوقات اور کثرت تصنیف سے حافظ ابن جوزی اور حافظ سیوطی کی یاد تازہ ہوگئی۔ اسی دور میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، اور مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ ایسے مجاہدین اسلام ہوئے جنہوں نے اپنے دور کی سب سے بڑی فرعونی وطاغوتی شہنشاہیت کی سنگینوں کے سائے میں کلمۂ حق بلند کیا۔ اسی صدی میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہما اللہ ایسے مصلحین وداعی الی اللہ ہوئے جن کے اخلاص وللہیت اور درد وسوز نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا اور ان کے ٹوٹے ہوئے رشتۂ ایمان کو پھر سے جوڑ دیا۔ اسی صدی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ ایسے متکلمین ہوئے جنہوں نے تقریراً وتحریراً باطل کو مغلوب وپسپا کیا۔ چند نام محض بطور مثال نوک قلم پر آئے ہیں، ورنہ پاک وہند اور عالم اسلام میں اس سطح کے سینکڑوں نہیں لاکھوں اکابر ہوئے، جنہوں نے چودھویں صدی کی تاریکیوں میں حق وصداقت کی قندیلیں روشن کیں اور دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی نصرت وحمایت کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے حاملین دین کا ایک جم غفیر نہ کھڑا کردیا ہو۔

چودھویں صدی کے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مولانا مفتی محمود صاحب (نور اللہ مرقدہ) کی ذات والا صفات تھی۔

حق تعالیٰ شانہ کے لطف وکرم اور اس کی قدرت کاملہ کا تماشا دیکھو کہ تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے کو اٹھاتے ہیں اور اسے عرب وعجم کا شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ بنادیتے ہیں۔ گنگوہ کے ایک انصاری خاندان

کے ایک فرد پر نظرِ عنایت ہوتی ہے اسے قطبیت کبریٰ کے مقام پر فائز کر کے امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ بنا دیا جاتا ہے۔ کشمیر کی سنگلاخ سرزمین سے ایک گمنام خاندان کے ایک فرد کو لایا جاتا ہے اور علوم نبوت کا پورا کتب خانہ اس کے سینے میں انڈیل کر اسے امام العصر علامہ محمد انور شاہ رحمہ اللہ بنا دیا جاتا ہے۔ گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے ایک نومسلم کو لاتے ہیں اور اسے ولایت کبریٰ اور مقام صدیقیت پر فائز کر کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ بنا دیتے ہیں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک غیر معروف قصبہ سے ایک فرد کو کھینچتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے عالم، حافظ، قاری، فقیہ، مفتی، محدث، متکلم اور پھر وزیر اعلیٰ سے لے کر قائد حزب اختلاف تک بنا دیتے ہیں۔ اس صدی (اور گزشتہ صدیوں) کے اکابر کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجیے تو بظاہر اسباب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر محیط ہوگا۔ اس سے واضح ہوا کہ مشیت الٰہی حفظ دین اور پاسبانی ملت کا انتظام ظاہری اسباب سے بالاتر کرتی ہے اور لطف الٰہی خود ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جن سے دین قیم کی خدمت کا کام لیا جائے۔

حضرت اقدس مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ حرمین شریفین کے لیے عازم سفر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اپنی علالت اور ضعف و ناتوانی کے علی الرغم چودھویں صدی کے آخری حج میں شرکت کریں اور خانہ کعبہ جا کر بارگاہ ذوالجلال میں بصد عجز و نیاز یہ التجا کریں کہ پوری صدی میں امت سے جو کوتاہیاں، جو لغزشیں اور جو تقصیریں ہوئی ہیں، حق تعالیٰ شانہ، اپنی رحمت بے پایاں اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے امت کے پوری صدی کے گناہوں کو معاف کر دیں۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ کی مشیت و تکوین شاید یہ چاہتی تھی کہ مفتی محمود کے اس حسن اخلاص اور حسن نیت کی وجہ سے اس صدی کا خاتمہ ہی "محمود" پر کر دیا جائے۔

الٰہی عاقبت "محمود" گرداں

اس لیے حرمین شریفین کے لیے پرواز سے ٹھیک ۲۴ گھنٹے پہلے ان کی بے تاب و بے چین روح اس صدی کے مسلمانوں کی سفارش لے کر سیدھی بارگاہ ذوالجلال میں پہنچ گئی۔

﴿ یایتھاالنفس المطمئنۃ ٥ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ٥ فادخلی فی عبادی ٥ وادخلی جنتی ٥ ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ ۱۱؍اکتوبر یکم ذوالحجہ کو بروز ہفتہ کراچی پہنچے۔ ۱۵؍اکتوبر، ۵؍ذوالحجہ کی پرواز میں ان کی نشست محفوظ ہو چکی تھی۔ دن کو بیشتر قیام یہاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانہ میں رہتا تھا اور رات کو اپنے مخلص دوست جناب حاجی محمد حنیف صاحب کے یہاں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں تشریف لے جاتے تھے۔

۱۴؍ اکتوبر، ۴؍ ذوالحجہ کو بروز دوشنبہ صبح غسل فرمایا اور مکان پر بعض سیاسی رفقاء سے ملاقات فرمائی۔ ۱۱ بجے کے قریب مدرسہ تشریف لائے۔ آج حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ معمول سے زیادہ بشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے یاد فرمانے پر جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی اور مولانا محمد تقی عثمانی قانون زکوٰۃ کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے اور قریباً ساڑھے بارہ بجے رفیق محترم جناب مولانا محمد جمیل خان صاحب راقم الحروف کو باصرار مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ اس ناکارہ کو ان حضرات کی تشریف آوری کا علم نہیں تھا اور نہ موضوعِ گفتگو کے بارے میں کچھ خبر تھی۔ اس وقت مجلس میں یہ حضرات موجود تھے: جناب مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی، مولانا مفتی احمد الرحمن، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، صاحبزادہ مولوی محمد بنوری اور مولانا محمد جمیل خان۔ تھوڑی دیر میں جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر بھی تشریف لے آئے۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ ان کو بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بطورِ خاص یاد فرمایا تھا) کوئی پندرہ بیس منٹ تک لطف و مزاح کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران چائے آئی تو صاحبزادہ مولانا محمد رفیع عثمانی اور صاحبزادہ مولانا محمد تقی عثمانی نے چائے سے معذرت کی اور ٹھنڈا مشروب نوش کیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا گو میں خود چائے پیتا ہوں مگر جو حضرات نہیں پیتے ان کو بہت اچھا سمجھتا ہوں۔ جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پان کے بٹوے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! ہمارے ساتھ یہ علت لگی ہوئی ہے، فرمایا یہ اس سے بھی بدتر ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے چائے کی پیالی نوش فرمالی تو مولانا محمد تقی عثمانی نے پان پیش کیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے قبول فرمالیا۔ ادھر مولانا محمد طاسین صاحب نے دریافت کیا کہ نماز کس وقت ہوگی؟ ڈیڑھ بجے کا وقت بتایا گیا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا "پھر میرا خیال ہے کہ تھوڑی سی گفتگو نماز سے پہلے ہو جائے۔" پان بمشکل ایک یا دو منٹ منہ میں رہا ہوگا کہ اگالدان میں ڈال دیا، خوب کلی کی اور فرمایا:

"اس وقت ہماری گفتگو خالص شرعی نقطۂ نظر سے ہے۔ کوئی سیاسی ذہن یا تعصب اس میں کارفرما نہیں ہونا چاہیے، اور میں اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی غلطی معلوم ہوگئی تو میں اس سے رجوع کرلوں گا۔"

یہ کہہ کر فرمایا کہ "آپ حضرات نے میرے فتوے کا جواب لکھا ہے، گو اس میں صراحۃً میری تردید نہیں کی گئی مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرے فتوے کا جواب ہے، مجھے آپ حضرات پر تین اعتراض ہیں۔"

پہلے نکتے کی جو تشریح فرمائی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"آپ حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ بینکوں میں جو روپیہ جمع کردیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اموالِ ظاہرہ

میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ وہ اموال ظاہرہ سے بڑھ کر حکومت کی ضمانت وحفاظت میں داخل ہو جاتا ہے
بلکہ وہ اموال ظاہرہ سے بڑھ کر حکومت کی ضمانت وحفاظت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بینک میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے وہ ربوی قرض ہوتا ہے۔ چنانچہ بینک بھی اس کو قرض سمجھتے ہیں اور کھاتے دار بھی یہی سمجھتے ہیں اور قرض کی رقم کا حکم یہ ہے کہ وہ قرض دہندہ کی ملک سے خارج ہو کر مستقرض کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اس میں مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ اگر وہ رقم ضائع ہوتی ہے تو مستقرض کی ضائع ہوتی ہے اور فقہ کا ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں جس کے مطابق مستقرض کو قرض دہندہ کی جانب سے اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حق حاصل ہو۔ پس جب بینک میں جمع شدہ رقم قرض دہندگان کی ملکیت ہی نہیں بلکہ بینک کی ملکیت ہے تو اس کو اموال ظاہرہ میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے۔ اور بینک کو اس رقم پر قرض دہندہ کی طرف سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حق کس شرعی اصول سے دیا جاسکتا ہے؟ یہ رقم اموال ظاہرہ میں شامل ہے یا اموال باطنہ میں؟ یہ بحث تو اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب کہ وہ رقم قرض دہندہ کی ملک میں ہو۔ لیکن جب وہ رقم قرض دہندہ کی ملک سے خارج ہو کر بینک کی ملک میں داخل ہوگئی ہے تو اس رقم پر اموال ظاہرہ یا اموال باطنہ کا اطلاق کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ابھی پہلے نکتے کی ہی تشریح فرمارہے تھے ان کی تقریر بڑے ربط وتسلسل سے جاری تھی۔ اس ناکارہ کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی گفتگو سننے کا موقع پہلے بھی کئی بار ملا لیکن جس حاضر دماغی، جس ربط وسلیقہ اور جس حسن استدلال سے وہ آج اپنے مافی الضمیر کا اظہار کررہے تھے اس کا تجربہ اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔

قریباً دس منٹ تک وہ اس نکتہ پر تقریر فرماتے رہے، درمیان میں نہ کوئی حشو وزائد لفظ آیا، نہ کسی لفظ پر اٹکن یا لکنت محسوس ہوئی۔ خدا جانے وہ پہلے نکتہ کی تشریح مکمل کرچکے تھے یا اس سلسلہ میں ابھی اور وضاحت فرمانا چاہتے تھے کہ فقرہ مکمل کرکے ایک لمحہ کے لیے خاموش ہوئے، بایاں ہاتھ پیشانی پر رکھا اور یکایک بائیں پہلو کی طرف مائل پیچھے کو گر گئے۔ اس جانب جناب صاحبزادہ مولوی محمد بنوری بیٹھے ہوئے تھے، ان کی گود میں آرہے۔ ہم نے آج تک کسی کو اتنی آسانی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے کسی کو وہم بھی نہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ زبانِ حال سے ''لست علی صحبتکم بحریص[1]'' کہتے ہوئے ہم سے ہمیشہ کے

۱۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تاریخی فقرے کی طرف اشارہ ہے۔ اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے گورنروں اور فوجی حکام کے نام ایک گشتی فرمان لکھا تھا کہ اسلام کے کچھ شرائع اور ارکان ہیں۔ زندہ رہا تو تمہارے سامنے ان کی تشریح کروں گا۔ لیکن اگر میرا وقت موعود آپہنچا تو میں تمہارے پاس رہنے کا خواہش مند بھی نہیں ہوں۔

لیے رخصت ہو چکے ہیں۔ ہم سب یہی سمجھے کہ دل کے دورہ کی وجہ سے سکتہ کی سی بے ہوشی ہوگئی ہے۔ اس لیے مولانا محمد طاسین صاحب نے منہ میں پانی ڈالا۔ راقم الحروف نے زور سے مقام قلب کو مسلنا شروع کیا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب اور مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے پاؤں کی مالش شروع کردی۔ مولانا محمد رفیع عثمانی نے زبان کے نیچے وہ دوائی رکھی جو شدید دورۂ قلب میں دی جاتی ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد بنوری اور مولانا محمد جمیل خان ڈاکٹروں کی طرف دوڑے، مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے وقفہ وقفہ سے دو چار ہچکیاں لیں اور ابدی نیند سو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ راقم الحروف نے مصنوعی دانت اپنے ہاتھ سے نکالے اور آنکھوں سے چشمے اتارے۔ زندگی کی تمام علامتیں ختم ہو چکی تھیں اور یقین آ چکا تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی روح پرواز کر چکی ہے۔ لیکن ان کے معالج ڈاکٹر کا اصرار تھا کہ انہیں ہسپتال ضرور لایا جائے۔ چنانچہ ہسپتال لے گئے اور آدھے گھنٹے تک نظام تنفس جاری کرنے کی کوشش کی گئی۔ بالآخر اشک بار آنکھوں سے جناب ڈاکٹر اسلم صاحب اور ان کے رفقاء نے موت کی تصدیق کردی۔

﴿ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمیٰ﴾

یوں تو موت سنت بنی آدم ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا۔ لیکن بعض حضرات کی زندگی کی طرح ان کی موت بھی لائق رشک ہوتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی موت کئی لحاظ سے حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ ایک تو وہ سفر میں تھے اور سفر میں مومن کی موت معنوی شہادت ہے۔ پھر یہ سفر بھی سفر حج تھا۔ گویا یہ موت فی سبیل اللہ تھی۔ پھر ایک دینی و شرعی مسئلہ کی وضاحت و تشریح کرتے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ دینی مسائل کا مذاکرہ ذکر الٰہی کا ایک فرد ہے۔ پس ان کا خاتمہ ذکر الٰہی پر ہوا اور مفتی کی حیثیت سے جو خدمت حق تعالیٰ نے ان کو تفویض فرمائی آخری لمحہ تک اس میں مشغول رہے۔ پھر ان کے طائر روح نے جس سرعت سے پرواز کی وہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔ راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جب فقرہ پورا کر کے خاموش ہوئے تو اسی لمحہ بیٹھے بیٹھے ان کی روح پرواز کر گئی۔

اتنی آسانی سے روح کا قبض ہو جانا اس ناکارہ کے لیے بالکل ہی نیا مشاہدہ تھا کہ نہ موت سے پہلے کسی تکلیف کی شکایت نہ کسی درد و کرب کا اظہار، شیخ عطار رحمہ اللہ کے درویش کا واقعہ کتابوں میں پڑھا سنا تھا کہ ان کی دہلیز پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور کہا کہ ہماری روح تو یوں قبض ہو جائے گی۔ مگر اس کا چشم دید مشاہدہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے وصال سے ہوا کہ مرنے والے یوں بھی مر کر دکھا دیا کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے کسی کی موت کے لیے جو وقت مقدر فرما رکھا ہے، موت ٹھیک اسی وقت مقرر پر آتی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی اور یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم میں ہے کہ کس کی موت کے لیے کون

سا وقت موزوں ہے۔ اس لیے کسی کی موت کو" بے وقت کی موت" کہنا بڑا ہی غلط اور جاہلانہ محاورہ ہے اور یہ گویا حق تعالیٰ شانہ کے فعل پر اعتراض ہے۔ مومن کی شان تو وہ ہونی چاہیے جس کی تعلیم ایک دعاء کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فرمائی ہے:

﴿ اللهم احيني ماعلمت الحياة خير الي. وتوفني اذا علمت الوفاة خير الي ﴾

"اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک آپ کے علم میں زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے وفات دے جب آپ کے علم میں وفات میرے لیے بہتر ہے۔"

اس لیے عقلی و ایمانی حیثیت سے مومن کو اس بات کا پورا اطمینان ہونا چاہیے کہ جس شخص کے حق میں موت کا جو وقت مقرر ہے وہی اس کے لیے خیر ہے اور بلاشبہ بحالت ایمان کسی شخص کا اس دنیا سے رخصت ہو جانا اس کے حق میں بڑی نعمت ہے۔ اور دنیا کی ساری لذتیں اور نعمتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ تاہم دنیا سے جانے والے حضرات کی جدائی سے جو خلا پیدا ہو جاتا ہے اس پر رنج وغم اور حسرت وقلق کا ہونا ایک طبعی چیز ہے۔ خصوصاً اگر رخصت ہونے والے حضرات کا وجود دنیا کے لیے باعث رحمت ہو اور ان کی ذات سے دینی خدمات وابستہ ہوں تو ان کا صدمہ ایک عالم کی بے کسی و محرومی اور یتیمی کا موجب بن جاتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ۹۵ھ میں حجاج کے دست جفا سے شہید ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں ان کے بارے میں حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

﴿ لقد مات سعيد بن جبير وما علىٰ وجه الارض احد الاوهو محتاج الى علمه ﴾

"سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔"

نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

﴿ قتل سعيد بن جبير وما على الارض الاهو محتاج (اوقال مفتقر) الى علمه. ﴾

"سعید بن جبیر رحمہ اللہ اس وقت شہید ہوئے جب کہ روئے زمین کا کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔"

پاکستان کی حد تک یہ فقرہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہل علم ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے۔ اہل دانش کو ان کے فہم وتدبر کی احتیاج تھی اور اہل سیاست ان کی قیادت وزعامت کے حاجت مند تھے۔ اس لیے ان کی وفات بیک وقت علم ودانش، فقہ وحدیث سیاست وقیادت، حلم وتدبر، شجاعت وبسالت اور شہامت وزعامت کا ماتم ہے۔ ان کی تنہا ذات سے دین اور خیر

کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی ان کے خلا کو پر کرنے سے قاصر رہے گی۔

فکر وعزیمت کی بلندی حق تعالیٰ شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن جو حضرات اس نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں قوت برداشت اور صبر وتحمل کے باوجود یہ ان کے لیے امتحان و آزمائش اور عظیم ترین مجاہدہ بن جاتی ہے۔ ابنائے زمانہ ان کی اس بلندی کا ساتھ دینے سے قاصر رہتے ہیں اور ان حضرات کے لیے ابنائے زمانہ کی پست سطح پر اتر نا ممکن نہیں رہتا۔ یہی کشاکشی ان کے لیے صبر آزما مجاہدہ ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی روح ایک عرصہ سے اس کشاکشی کو برداشت کر رہی تھی۔ وہ اس ملک میں اسلام کو غالب دیکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے اپنی صحت و طاقت کی ساری پونجی داؤ پر لگادی تھی لیکن دور جدید کی پستی، منافقت اور "یقولون مالا یفعلون" کی پالیسی ان کی عزیمت کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ایک عرصہ سے اہل زمانہ کی یہ "جفائے وفانما" ان کے جسم کو گھائل اور ان کی روح کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر یہ روش جاری رہتی ہے تو یہ ملک اسلام کی برکات سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا۔ یہی سوز باطن ان کے لیے بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔

﴿ اللھم اغفر له وارحمه وعافه عنه، واکرم نزله، ووسع مدخله، وابدله دارا خیرا من داره، واھلا خیر امن اھله، اللھم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده . ﴾

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی پہلی جلد اگرچہ ۲۲ سال تاخیر سے شائع ہو رہی ہے مگر بہر حال اس کے شائع ہونے کی اتنی مسرت اور خوشی ہے کہ یہ تاخیر ذہنوں سے اتر گئی ہے۔ اس سلسلے میں جمعیت علماء اسلام کے قائد حضرت مولانا فضل الرحمن، مفتی محمد انور شاہ اور حافظ ریاض درانی مبارک باد کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے اس مجموعہ فتاویٰ کو قبول فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین.

(مفتی) محمد جمیل خاں رحمہ اللہ
خاکپائے حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی
نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال، پاکستان

کتاب العقائد

ثواب کے اعتقاد سے گٹھلیوں پر ختم پڑھنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صبح کے بعد یعنی نماز صبح کے بعد اور درس قرآن مجید سے پہلے۔ دوامی صورت میں جو لوگ گٹھلیوں پر درود وشریف پڑھتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا کہ نہیں۔ اگر بدعت ہے تو کون سی قسم کی، بدعت حسنہ یا ضلالۃ۔ اگر بدعت نہیں تو اس کے دوام کا ثبوت؟ کیونکہ زید اور بکر نے جب مذکورہ صورت میں اختلاف ڈالا تو زید دوسری صورت میں بدعت کا مدعی ہے اور بکر جواباً کہتا ہے، اگر یہ دوامی صورت گٹھلیوں کی بدعت ہے تو دوامی صورت درس قرآن کی بھی بدعت ٹھہرے گی۔

خلیل الرحمٰن از چک پھیروڈاکخانہ شاہ کوٹ، ضلع ملتان

﴿ج﴾

ختم گٹھلیوں پر ہو یا کسی اور چیز پر اگر وہ کلمات اتنے ہی عدد سے پڑھنا ثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو باعث ثواب ہوگا[1]۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو تو کسی کلمہ کو کسی خاص عدد کے ساتھ پڑھنا اور اسے موجب ثواب سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس عدد خاص میں زیادہ ثواب ہے جو اس سے کم وبیش کی صورت میں نہیں ہوتا، بدعت سیئہ ہے۔ ثواب وعذاب کسی عدد میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منقول ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی خاص عدد میں ثواب کا زیادہ ہونا قیاس سے معلوم نہیں کیا جا سکتا[2]۔ البتہ اگر کسی شیخ الطریقت بزرگ سے کسی خاص کلمہ کو خاص عدد سے پڑھنے کا طریقہ منقول ہو جیسے کہ اکثر مشائخ کے ختم کے مختلف طریقے منقول ہیں تو وہ جائز ہیں۔ لیکن وہ دراصل ثواب زائد کی نیت سے نہیں پڑھتے بلکہ بطور عملیات کی قسم سے پڑھتے ہیں۔ عبادات کی قسم سے نہیں اس لیے جائز ہے اور درس قرآن تو تبلیغ دین ہے جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے تھے اور ہر وقت آپ کا مشغلہ رہا۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا جہالت ہے[3]۔

---

۱) کما فی رد المحتار عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأۃ وبین یدیہا نوای او حصا تسبح بہ کتاب الصلوۃ. مطلب الکلام علی اتخاذ المسبحۃ, ج ۲ ص ۵۰۸ طبع مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما فی رد المحتار: قیل یکرہ لانہ سوء ادب, کتاب الصلوۃ مطلب فی ما لو زاد علی العدد الوارد فی التسبیح عقیب الصلوۃ, طبع مکتبہ رشیدیہ ج ۲ ص ۳۰۲.

۳) مآثر حکیم الامت، ص ۲۱۲۔

نماز فجر کے بعد درود شریف کے ورد کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں دیار میں اکثر جگہ مساجد میں صبح کی نماز کے متصل بعد کچھ گٹھلیاں لے کر ان پر درود شریف کا ورد کرتے ہیں اور جو اس میں شریک نہ ہو اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فعل درست نہیں ہے۔ لیکن بظاہر یہ کام اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صحیح طریقہ کیا ہے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بالکتاب و توجروا بالثواب

مستفتی عبدالخالق جامپوری

(ج)

درود شریف بہت بڑی عبادت اور نیکی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر بڑا حق اور احسان ہے۔ اس حق کی دائیگی میں درود شریف کو بہت کچھ دخل ہے۔ نیز درود پڑھنے والے پر ہر ایک مرتبہ درود پڑھنے سے اللہ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں[1]۔ لیکن اس عبادت کو اس طرح کرنا چاہیے کہ اس میں بدعت کا دخل نہ ہو جائے۔ نماز کے بعد انفرادی طور پر ہر شخص جتنی دیر چاہے درود پڑھتا رہے اور اجتماعی طور پر اگر گٹھلیوں پر درود شریف پڑھیں تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شامل نہ ہونے والے پر کوئی نکیر نہ ہو اور اگر نکیر ہونے لگے مثلاً کوئی آدمی اس مجلس درود میں بوجہ کسی عذر کے شریک نہیں ہو سکا یا بلا عذر کے چلا گیا تو اس کی طرف انگشت نمائی شروع ہو گئی اور لوگوں نے اس کو برا منایا تو اس طرح کا اجتماعی درود شریف بدعت بن جائے گا[2]۔

کیا کتاب ''حجۃ الاسلام'' کا پڑھنا جائز ہے

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ کتاب حجۃ الاسلام بملاحظہ پیش ہے، کیا اس کتاب کو اہل سنت والجماعۃ کے لیے پڑھنا اور عمل میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) کما فی معارف الحدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی مرۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا (رواہ مسلم) کتاب الاذکار والدعوات, ج ۵ ص ۲۶۵, طبع قدیمی کتب خانہ.

۲) کما فی رد المحتار، عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأۃ وبین یدیہا نوی او حصا تسبح بہ, کتاب الصلوۃ, مطلب الکلام علی اتخاذ المسبحۃ, ج ۲ ص ۵۰۸, طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ.

﴿ج﴾

دوسری اس سے اچھی اور صحیح آسان فہم کتابیں موجود ہیں جن کے پڑھنے سے دین آئے گا جیسے بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام، رسول کی سنتیں، حقوق الاسلام، فضائل نماز و فضائل صدقات، فضائل رمضان و فضائل حج، فضائل تبلیغ، حکایات صحابہ، ان جیسی آسان کتابیں اردو زبان میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھ لیا کریں۔ باقی کتاب حجۃ الاسلام میں حق و باطل ملا ہوا ہے۔ اس لیے عوام کے لیے اس کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ عوام حق کو باطل سے امتیاز نہیں کر سکتے بلکہ اس کے پڑھنے سے گمراہ ہوں گے۔

کیا گناہِ کبیرہ کے مرتکب پر لعنت کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص مرتکب بالمعاصی الکبیرہ والکثیرۃ مثلاً قتل المسلم ظلماً، زنا، شراب نوشی، سود خوری، رشوت خوری وغیرہا، لیکن ساتھ ساتھ اعتقادیات پر قائم بالقلب واللسان ہے اور ایسا کوئی کلمہ صادر نہیں ہوا جو خارج از اسلام کردے۔ آیا ایسے شخص کو ملعون، ملحد، بے دین کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ جو ایسے شخص کو ملعون کہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت دلائل سے تحریر فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں تاکہ مسئلہ بالبصیرت مفہوم ہو سکے۔ السائل العارض بندہ محمد حسین عفی عنہ، بہاول نگر

﴿ج﴾

اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ بندہ کبائر مادون الکفر کے ارتکاب سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا[1]۔ اس کے دلائل قرآن وحدیث وکتب فقہ وکلام سے بکثرت مل سکتے ہیں اس لیے کسی پر بھی لعنت جائز نہیں ہے جب تک کفر تک نہ پہنچا ہو۔ کرنے والا گنہگار ہے، توبہ کرے[2]۔

واللہ اعلم، محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

١) كمـا فـي البخاری عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه ان رجلا على عهد النبی صلی الله علیه وسلم كان اسمه عبد الله وكان يلقب حمارًا وكان يضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رسول الله صـلى اله عليه وسلم قد جلده فی الشراب فأتی به يوماً فأمر به فجلد فقال رجل من القوم اللهم العنه ما أكثر ما يؤتی به فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لاتلعنوه فوالله ما علمت انه يحب الله ورسوله (كتاب الـحـدود) بـاب مـايـكـره من لعن شارب الخمر) ج ٢ ص ١٠٠٢ مكتبه قديمی كتب خانه كراتشی هكذا فی مشكوة المصابيح ج ١ ص ٣١٦ طبع قديمی كتب خانه كراتشی.

٢) كـمـا فـی ردالـمحتار حقيقة اللعن المشهورة هی الطرد عن الرحمة وهی لاتكون الالكافرولذا لم تجز عـلی معين لـم يعلم موته على الكفر بدليل وان كان فاسقا مشهورا كيزيد علی المعتمد (كتاب الطلاق مطلب فی حكم لعن العصاة ص ٥٣، ج ٥، طبع مكتبة رشيديه، كوئٹه)

کیا خود کو انگریز کہنا جائز ہے

عرض آنکہ ایک پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوا ہے جس کے لیے جناب کو تکلیف دی جاتی ہے۔ براہ مہربانی کرم نوازی فرمادیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم دو آدمی کھڑے تھے۔ میں نے انگریزی کا لفظ بولا تو دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ نے انگریزی کا لفظ کیوں بولا ہے۔ کیا یہاں کوئی انگریز کھڑے ہیں۔ تو میں نے مذاق کے طور پر کہا کہ ہاں کھڑے ہیں تو اس آدمی نے پوچھا کہ کون کھڑا ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں کھڑا ہوں تو پھر اس آدمی نے کہا کہ آپ کس انگریز کے بیٹے ہیں۔ تو میں نے اپنے والد ماجد کا نام بتادیا۔ آپ جناب واضح طور پر بیان کریں کہ مجھ پر کفر لازم آتا ہے یا نہیں۔ اور میرا نکاح بھی ٹوٹ گیا یا نہیں۔ بعض مولویوں نے بتایا ہے کہ کفر لازم نہیں آتا کیونکہ یہ تمام باتیں میں نے مذاق کے طور پر کہی ہیں۔ نہ تو میں نے دین پر طعن کیا ہے اور نہ جان بوجھ کر منہ سے یہ کلمات کہے ہیں۔ نہ مجھے معلوم تھا کہ اس لفظ کے کہنے سے کفر آتا ہے اور نہ میرے والد ماجد انگریز تھے۔ تمام باتیں مذاق کے طور پر کی ہیں۔ براہِ کرم مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمائیں۔

فقط بشیر احمد طالب علم مدرسہ اشاعت القرآن حسن آباد تحصیل رحیم یارخان

﴿ج﴾

ان کلمات سے کفر لازم نہیں آتا۔ انگریز ایک قوم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر انگریز عیسائی یا دوسری قسم کا کافر ہو۔ بلکہ مسلمان ہوجانے کے بعد بھی انگریز، انگریز ہی رہتا ہے۔ انگریزیت کا تعلق نسب سے ہے، مذہب سے نہیں۔ اس لیے ان کلمات سے کفر لازم نہیں آتا[1]۔ واللہ اعلم!

محمود مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) كما في رد المحتار لايفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن كتاب الجهاد مطلب الاسلام يكون بالفعل (صفحه ۳۵۳ ج ٦ طبع مكتبه رشيديه كوئته)
كما في البحر الرائق ومن تكلم بها مخطئاً او مكرهاً لا يكفر عند الكل (كتاب السير) باب أحكام المرتدين ج ٥ ص ۱۲۵ طبع مكتبه رشيديه كوئته.
كما في شرح عقائد النسفي. وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وان ماتوا من غير توبة فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره الخ ص ۸۸ دار الاشاعة العربية كوئته.

کیا عیسائی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسلمان اور عیسائی دونوں کا ایک ہی برتن میں کھانا جائز ہے یا حرام ہے۔ براہ کرم صحیح مسئلہ سے آگاہ فرما کر چند لوگوں کو یہ کام کرنے سے بچالیں مہربانی ہوگی۔

نوٹ: ہم نے کافی دفعہ سمجھایا لیکن انہوں نے فتویٰ مانگا ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر چہ عیسائی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا حرام نہیں لیکن ان کے اختلاط سے برے اثرات کا خدشہ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ اکٹھے خوردونوش سے اجتناب ضروری ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

اقلیتوں کی سیٹ کے لیے خود کو عیسائی ظاہر کرنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) اس دفعہ جو حکومت نے اقلیت کو سیٹ دینے کا اعلان کیا ہے تو اس کے لالچ میں کمزور ایمان والے مسلمان ظاہر میں اپنے آپ کو عیسائی ثابت کر کے وہ سیٹ لینے لگے۔ یہی مسئلہ ہمارے شہر بھیرہ میں پیش آیا کہ ایک شخص کو چند مسلمانوں نے مل کر بظاہر عیسائی بنا کر عدالت میں پیش کر دیا اور اس پر حلفیہ بیانات دے کر اقلیت کی سیٹ پر عیسائیوں کا نمائندہ بنا دیا۔ تو اب وہ شخص جو بظاہر عیسائی ہوا اور دوسرے مسلمان جو یہ تجویز بنانے والے تھے مرتد ہوں گے یا مسلمان سمجھے جائیں گے۔

(۲) اگر وہ مسلمان ہو کر تجدید نکاح بھی کر لیں۔ لیکن ووٹ استعمال کرنے کا وقت آئے تو عیسائیوں کا نمائندہ بن کر استعمال کریں اور تجویز بنانے والے بھی اس بات پر خوش ہوں۔ تو اب ان کا حکم کیا ہے۔ مسلمان

---

۱) لما فی تفسیر ابن کثیر واما نجاسة بدنه فالجمهور علی انه لیس بنجس البدن والذات لان الله تعالی احل طعام اهل الکتب ج ۲ ص ۴۵۶، طبع قدیمی کتب خانه مقابل آرام باغ کراتشی)

کما فی الهندية ولا بأس بالذهاب الی ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد رحمه الله الخ ج ۵ ص ۳۴۷ (کتاب الکراهية) الباب الرابع عشر فی اهل الذمة۔(طبع مکتبه رشیدیه کوئته)۔

یا مرتد ہوں گے اور ان کے ساتھ نباہ کرنا کیسا ہے۔ بینوا تو جروا۔

مولوی جلال الدین مدرس مدرسہ حضریہ وخطیب جامع مسجد پراچگاں محلہ پراچگاں بھیرہ ضلع سرگودھا۔

﴿ج﴾

(۱) واضح رہے کہ ایمان اور اسلام ایک بہت بڑی دولت ہے۔ دنیا اور مافیہا اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ کسی بھی وقت اگر کسی شخص کے دل میں اسلام حقیر اور خفیف نظر آ جائے یا کسی بھی وقت باستثناء صورت اکراہ کے زبان پر کلمہ کفر جاری کر لے، معاذ اللہ۔ تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اعمال مثلاً سجود للصنم اور شدز نار وغیرہ سے بھی شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ صورت اکراہ مستثنیٰ ہے۔ **لقوله تعالى الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان. الاية.** [1] افسوس ہے کہ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جس کے متعلق صادق و مصدوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ پیشین گوئی فرمائی ہے۔ **ياتي على الناس زمان يصبح الرجل فيه مؤمنا ويمسي كافر اويمسي مؤمنا ويصبح كافراً او كماقال** [2]۔ آپ دیکھ رہے ہیں آج کل اکثر مسلمان کہلانے والے معمولی سی ضرورت کے لیے بلا وجہ کلمات کفریہ کہنے اور اپنے آپ کو کافر ظاہر کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ **نعوذ بالله من ذلك.**

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بشرط صحت واقعہ شخص مذکور دائرہ اسلام سے نکل گیا ہے بلکہ اس شخص کو عیسائی بنانے کی تجویز پیش کرنے والوں کا ایمان بھی خطرہ سے باہر نہیں ہے۔ ان سب پر لازم ہے کہ فوراً تجدید اسلام کر کے توبہ اور استغفار کریں، اور نکاحوں کی تجدید کر لیں۔

(۲) اگر عیسائیوں کا عیسائی نمائندہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو کفر ہے اور اگر عیسائیوں کا مسلمان نمائندہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو کفر نہ ہوگا۔ بہرحال ایسے شخص کو تجدید نکاح کرنی ضروری ہے۔ نیز اس سیٹ سے اس صورت میں مستعفی ہونا لازم ہے۔ بصورت ان لوگوں کے توبہ تائب نہ ہونے کے دیگر مسلمانوں کو ان سے قطع تعلقی کرنی ضروری ہے......

---

۱) لما في القرآن المجيد (سورة النحل) آيت ۱۰۴.

۲) كمـا في جامع الترمذي باب ما جاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم ج ۲ ص ۴۳ طبع ايچ ايم سعيد كمپني.

کما قال فی الفتاوی العالمگیریہ ج ۲ ص ۳۰۹۔ رجل کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالا یمان یکون کافرا و لایکون عندالله مؤمنا کذا فی فتاوی قاضیخان وفیها[1] ایضًا ج ۲ ص ۲۸۶. نصرانی اسلم فمات ابوه فقال لیت انی لم اسلم الی هذا الوقت حتی اخذت مال الاب یکفر کذا فی الفصول العمادية.[2] فقط والله تعالی اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۱۶ ذی قعدہ ۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸-۱۱-۸۵ھ

ہندو اور گرجا گھر کے عیسائیوں کو کافر کہنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ گرجا گھر کے عیسائیوں کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں نیز ہندو وغیرہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کے قائل ہوں ان کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ان الدین عندالله الاسلام[3]، ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین.[4] الآیة. آج کل کے عیسائی اگر مذہبی ہیں تو بوجہ اس کے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور تثلیث کے قائل ہیں اس لیے کافر ہیں۔ لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلثة[5] الآیه لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن

---

۱) کما فی الهندیة رجل کفر بلسانه طائعاً وقلبه مطمئن بالایمان یکون کافراً ولا یکون عند الله مؤمناً کذا فی فتاوی قاضی خان (کتاب السیر (باب فی أحکام المرتدین ج ۲ ص ۲۸۳ طبع مکتبه رشیدیه کوئته. نصرانی اسلم فمات ابوه فقال لیت انی لم اسلم الی هذا الوقت حتی اخذت مال الاب یکفر کذ فی الفصول العمادیة کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین ج ۳ ص ۲۵۷ طبع مکتبه رشیدیه کوئته

۲) وکما فی التاتار خانیه کافر اسلم واعطاه الناس اشیاء فقال مسلم کاش که وی کافر بودی تا مسلمان شدی مردمان او راچیزی دادندی او تمنی ذالك بقلبه فانه یکفر, هکذا حکی عن بعض المشایخ وفی فتاوی ابی اللیث رجل اسلم وله اب کافر ومات الاب وترك مالا فقال لیتنی لم اسلم الی الآن حتی اخذ مال الأب, کتاب أحکام المرتدین فصل فی تمنی ما لا ینبغی أن یتمنی ج ٥ ص ٥١٨ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية کراتشی.

۳) ان الدین عند الله الإسلام, سورة آل عمران ۱۹.

٤) ومن یبتغ غیر الإسلام دینا فلن یقبل منه الخ سورة آل عمران ۸۵.

٥) لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلثة سورة مائدة ۷۳.

مریم[1] –الایة– وقالت النصاری المسیح ابن الله ذالک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم الله انی یؤفکون[2] –الایة– اور اگر غیر مذہبی ہیں اور ان کے غیر مذہبی خداوند تعالیٰ جل شانہ کے وجود کے منکر نیز رسالت اور نبی کے منکر ہوتے ہیں تو ان کے کفر میں کیا شبہ ہوسکتا ہے[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عالم دین سے بائیکاٹ کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ مسلمان کے مابین بائیکاٹ اور قطع تعلق کرانا کس حیثیت کا جرم ہے؟ تفصیل اس کی یوں ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا ہے کہ فلاں مولوی صاحب سے تعلق ختم کرو۔ مثلاً دعوت و تقریبات، شادی بیاہ، جنازہ میں شرکت (جہاں بھی ہو) نہ کی جائے۔ اگر تو ان سے تعلقات اس قسم کے رکھے گا تو تیری بیوی کو تین طلاق واقع ہوں۔ خاوند نے اگرچہ اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ اس بات کو کسی حیثیت سے ماننے پر راضی نہیں ہوں۔ مولوی صاحب مدت قدیم سے ہمارے تمام علاقہ کے امام ہیں۔ ان سے تعلق ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ بیوی کو تین طلاق دینے پر راضی ہوں۔ نیز مولوی صاحب موصوف سید ھے

---

۱) لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح بن مریم سورة مائدة ۷۲.

۲) وقالت النصاری المسیح ابن الله ذلك قولهم بافواههم یضاهئون قول الذین کفروامن قبل قتلهم الله أنی یؤفکون. سورة توبة ۳۰.

وکما فی مشکوٰة المصابیح عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفس محمد بیده لایسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولانصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار (رواه مسلم)۔ کتاب الایمان الفصل الاول، ص ۱۲، ج ۱، طبع قدیمی کتب خانه کراتشی، کما فی درالمختار الکفار اصناف خمسة ...... من ینکر الوحدانیة الخ۔ کتاب الجهاد مطلب فی ان الکفار خمسة اصناف، ص ۳۴۹، ج ۶۔

۳) ومن یکفر بالله وملئکته وکتبه ورسله والیوم الآخر فقد ضل ضلالا بعیداً. سورة النساء ۱۳۹. کما فی البحر الرائق الکفار اقسام قسم یجحدون الباری جل وعلا وقسم جحدوا رسالة محمد صلی الله علیه وسلم کتاب السیر ج ۵ ص ۳۴۹ طبع مکتبه رشیدیه کوئته.

کما فی الدرالمختار, الکفار اصناف خمسة من ینکر الصانع, ج ٦ ص ۳۴۹, طبع رشیدیه کوئته, کما فی الشامیة, وصنف منهم یقرون بالصانع وتوحیده والرسالة فی الجملة لکنهم ینکرون عموم رسالة رسولنا صلی الله علیه وسلم وهم الیهود والنصاری, کتاب الجهاد مطلب فی ان الکفار خمسة اصناف ج ٦ ص ۳۵۰ طبع مکتبه رشیدیه کوئته.

ساڑھے پختہ مضبوط مسلمان ہیں۔ نہ زانی نہ زانی سے محبت، نہ چور نہ چور سے محبت، نہ اہل تشیع سے تعلق ہے، نہ بدعتی نہ بدعت کے حامی بلکہ ان کے تمام گھر والے پختہ نمازی اور دیندار ہیں۔ بلکہ ایک لڑکا حافظ و عالم سند یافتہ قاسم العلوم ملتان ہے۔ ایک لڑکا مڈل پاس ہے۔ ایک چوبیسواں پارہ حفظ کر رہا ہے اور ایک پندرھواں پارہ حفظ کر رہا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا ایک بھتیجا حافظ و عالم فاضل خیر المدارس کا ہے۔ بائیکاٹ کرانے والے حضرات بھی سنجیدہ و فہمیدہ آدمی ہیں ایک مولوی صاحب ہیں اور ایک حضرت حاجی الحرمین الشریفین ہے۔ بوقت ضرورت جھوٹی قسم اٹھا لیتے ہیں، دریغ نہیں کرتے۔ گناہ کی باتوں میں ایک دوسرے کے مدد و معاون رہتے ہیں۔ رشتہ اخوت اسلامی کے قطع کرانے اور کرنے والوں کی شرعی سزا و جزا کیا ہے، کتنا ثواب ملے گا۔

﴿ج﴾

اگر فی الواقع مولوی صاحب موصوف میں کوئی اس قسم کا شرعی عیب موجود نہ ہو جس کی بدولت شرعاً اس سے قطع تعلق جائز ہو تو قطع تعلق اور بائیکاٹ کرانے والے اور کرنے والے ہر دونوں بڑے گناہ گار ہیں۔ ان کو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور تعلقات بحال رکھ کر مولوی صاحب موصوف سے معافی مانگ لینی چاہیے(۱)۔

احادیث شریفہ میں مسلمان بھائی سے ناجائز قطع تعلق کے متعلق سخت سخت وعیدیں وارد ہیں۔ **وعن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايحل لمسلم ان يهجرا خاه فوق ثلث فمن هجر فوق ثلث فمات دخل النار. رواه احمد و ابوداؤد و عن ابی خراش السلمی انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من هجر اخاه سنة فهو كسفك دمه رواه ابوداؤد (بحواله مشكواة شريف صفحه ۴۲۸ باب ماينهى عنه من التهاجر الفصل الثاني**(۲)**.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما فى رد المحتار، ولو ام قوما وهم له كارهون .... كره .... وان هو احق لا والكراهة عليهم كتاب الصلوة مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد ج ۳ ص ۳۵٤ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كما فى صحيح مسلم' عن ابى ايوب الانصارى رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا وخيرهما الذى يبدا بالسلام۔

كما فى شرحه للنوى، قوله صلى الله عليه وسلم لايحل لمسلم ان يهجراخاه فوق ثلاث ليال، قال العلماء فى هذا الحديث تحريم الهجر، بين المسلمين اكثر من ثلث ليال واباحتها فى الثلاث الاول (الخ) كتاب البروالصلة والادب باب تحريم الهجر فوق ثلاثة ايام بلاعذرى شرعى، ص ۳۱٦، ج ۲، طبع قديمى كتب خانه كراتشى۔

كما فى المشكوٰة عن ابى خراش السلمى انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من هجر اخاه سنة فهو كسفك دمه رواه ابوداؤد بحواله مشكوة شريف صفحه ٤٢٨ كتاب الحدود باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، كما فى رد المحتار وصلة الرحم واجبة ولو كانت بسلام وتحية وهدية) .... وفى الحديث ان الله يصل من وصل رحمه ويقطع من قطعها وفى الحديث صلة الرحم تزيد فى العمر، كتاب الحظر والاباحة، وجوب صلة الرحم وقطعها ج ٦ ص ٤١١ طبع ايچ ايم سعيد۔

''اہل سنت والجماعت'' کہلانے کی وجہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جماعت اہل سنت والجماعت کا نام اہل سنت والجماعت کیوں رکھا گیا ہے اور کس نے رکھا ہے اور کیا ضرورت پیش آئی کہ اس نام سے موسوم کیا گیا حالانکہ قرآن میں دین کا نام اسلام ہے۔ جیسا کہ ﴿ان الدین عنداللہ الاسلام﴾ (سورۃ آل عمران رکوع ۲) اور دین کو قبول کرنے والوں کا نام مسلمان رکھا گیا جیسا کہ ﴿ھو سمکم المسلمین﴾ (سورۃ الحج رکوع ۱۰) سے ظاہر ہے۔ قانون شریعت میں نبیوں کے علاوہ اور کسی ہستی کو دست اندازی کرنے کا اختیار خداوند تعالیٰ کی جانب سے دیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر دیا گیا ہے تو وہ کون سی ہستی ہے اور کیا ثبوت ہے اور اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے اختیار نہیں دیا گیا تو یہ نام مسلمان سے تبدیل کر کے اہل سنت والجماعت کس نے اور کیوں رکھا۔ للہذا عرض ہے کہ جس شخص نے یہ سوال پیش کیا اس نے اقرار کیا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی کافی ثبوت مل جائے تو میں اور میرے احباب اہل سنت والجماعت میں شامل ہو جائیں گے اور اگر نہیں تو آپ لوگوں کو بھی یہ نام منظور نہ کرنا چاہیے کیونکہ اپنے نام رکھنے سے فرقہ بندی کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ﴿ولا تفرقوا﴾ ہے۔ (سورۃ آل عمران رکوع ۱۱) برائے مہربانی اس مسئلہ کا جواب جلد ارسال فرماویں اگر نہیں تو مجبوراً ہمیں یہ نام ترک کرنا پڑے گا اور روز جزا کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔ والسلام

محمد نواز طالب العلم بھیر دوال تحصیل کبیر والا ڈاکخانہ شام کوٹ ضلع ملتان

﴿ج﴾

الحمدللہ ہم اب بھی مسلمین ہیں اور مسلمین کہلاتے ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے اور اسلام کہلاتا ہے۔ نہ ان ناموں کو چھوڑا گیا ہے اور نہ ان کے چھوڑنے کے لیے ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان تیار ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ مسلم رہ کر کسی دوسرے اعتبار سے ہمارا کوئی نام نہ ہو۔ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہونے کی حیثیت سے حنفی ہیں، کوئی حنبلی ہے، کوئی مالکی ہے، کوئی شافعی ہے۔ ہم قومیت کے اعتبار سے مختلف نام رکھتے ہیں۔ ہم پیشہ کے اعتبار سے متفرق ناموں سے موسوم ہیں۔

نیز کسی سے نسبت سلوک ہو جانے کی وجہ سے نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں غرضیکہ جب ہم کئی اعتبارات سے کئی نام رکھتے ہیں تو اس سے مسلمین کے نام کا ترک کیسے لازم آتا ہے۔ ہم مجموعی حیثیت سے مسلمین ہیں۔ اس طرح ہم عقائد کی حیثیت سے چونکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پابند اور جماعۃ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے متبع ہیں۔اس لیے اہل سنت والجماعۃ کہا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی۔تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلها فی النار الاملة واحدة فقیل ما الواحدة قال ما انا علیه واصحابی. رواه الحاکم ولهذا الحدیث اسانید کثیرة والفاظ متقاربة. ما انا علیه میں اشارہ سنت کی طرف ہے اور واصحابی میں جماعۃ کی طرف [1]۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے پیچھے بھاگنا

﴿س﴾

تفسیر حقانی اور چند دیگر تفاسیر میں آیت ﴿ یاایها الذین امنوا لاتکونوا کالذین اذوا موسی فبرأه الله مماقالوا و کان عندالله وجیها ﴾ (الاحزاب ع/۹-۲۲) کی تفسیر کچھ عجیب طریقے سے موجود ہے۔اس مسئلہ کی صداقت پر علماء کرام کچھ روشنی ڈالیں۔کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام فی الواقعہ اپنے پارچہ جات کے پیچھے عریاں چلے تھے۔جبکہ ان کے پارچہ جات ایک پتھر لے بھاگا تھا۔

حافظ محمد عبداللہ قاری دین پور ڈیرہ اسماعیل خان

﴿ج﴾

یہ واقعہ بالکل صحیح ہے،صحیح بخاری وصحیح مسلم ودیگر جملہ کتب احادیث میں مذکور ہے۔انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچانا اور ان کی وجاہت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانا اس واقعہ کا مقصد تھا اور عریاں ہونا چونکہ اس قوم کی عادت میں کوئی عیب شمار نہیں ہوتا تھا اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عزت پر عوام کے نزدیک کوئی حرف نہیں آیا۔اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کے مطابق قلیل وقت میں غیر مناسب طور پر (جو کہ قوم کے نزدیک قطعاً غیر مناسب نہ تھا) پیغمبر کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے فی الحقیقت آپ کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر فرما کر ان کی عظمت بڑھائی اور عمر بھر کے لیے تہمت سے بری کر دیا۔نفع کثیر کے مقابلہ میں ضرر قلیل کو برداشت

---

۱) رواه الترمذی، تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی، باب افتراق هذه الامة ج ۲ ص ۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

کما فی شرح العقائد النسفیة، فبهت الجبائی وترك الاشعری مذهبه فاشتغل هو ومن تبعه بابطال رای المعتزلة واثبات ما ورد به السنة ومضی علیه الجماعة فسموا اهل السنة والجماعة، ص ٤ طبع دار الاشاعة العربیة، کوئٹه۔

کرنا عین تقاضائے حکمت ہے بالخصوص جبکہ قوم کی نظر میں نبی علیہ السلام کا کوئی عیب سامنے نہیں آیا۔ اس لیے اس واقعہ کے تسلیم کرنے میں پس وپیش نہیں کرنی چاہیے۔ جبکہ صحیح سند سے معتمد کتب حدیث میں ثابت ہے۔ صحیح ثابت شدہ روایات کا انکار کر کے جواب دینا فساد وفتنہ کا راہ کھول دینے کے علاوہ احساس کمتری کا نتیجہ ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲۹ شعبان ۱۳۷۶ھ

کسی کے وسیلہ سے دعاء کرنے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾
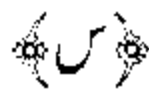
فما قولکم رحمکم الله. اهل تجدون فی الکتاب والسنة والاجماع و القیاس الشرعی و فتاوی علماء دیوبند حجة لمن یتوسل بذوات الانبیاء والصلحاء فی دعاءه لربه تبارک وتعالی بلفظ اللهم اقض لی حاجتی فلانة بحق فلان اوببرکة خلوصه فی الدین او اللهم انی اقسم علیک بحق فلان ان تقضی لی حاجتی. اذ طائفة من العلماء الحنفیة فی باکستان یفتون بجوازه فی مجالس الوعظ ودیوبند یحتجون بتصانیف اکابر اهل السنة والجماعة من اهل دیوبند فی جوازه کحجة الله علی العالمین وایة من ایت الله مولانا محمد قاسم النانوتوی و قطب الاقطاب المؤید بالحق والصواب مولانا رشید احمد گنگوهی وشیخ الاسلام وفخر الایمان مولانا محمود الحسن الدیوبندیؒ والسیف المسلول علی شاتم الرسول حکیم الامت مولانا الشیخ اشرف علی التهانویؒ الذین یفقد

---

۱) یایها الذین امنوا لاتکونوا کالذین اذوا موسی فبرأه الله مما قالوا وکان عندالله وجیها۔ سورة الاحزاب ۶۹۔
کما فی صحیح البخاری عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان موسی کان رجلاً حییاً ستیراً لا یری من جلده شیء ...... ان الله عزوجل اراد ان یبراه مما قالوا .... وطلب الحجر فجعل یقول ثوبی حجر ثوبی حجر حتی انتهی الی ملاء من بنی اسرائیل (الخ) کتاب الانبیاء باب قول الله هل اتاك حدیث موسی ج ۱ ص ۴۸۳، طبع قدیمی کتب خانه کراتشی۔
وهکذا فی صحیح مسلم، حدثنا ابوهریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراة ...... وکان موسی علیه السلام وحده .... فوضع ثوبه علی حجر ففر الحجر بثوبه قال فجمح موسی علیه السلام باثره یقول ثوبی حجر ثوبی حجر (الخ) کتاب الفضائل باب من فضائل موسی علیه السلام ج ۲ ص ۲۶۶، طبع قدیمی کتب خانه کراتشی۔

هـذا الـزمـان الاخيـر امثالهم بعد موتهم بلاخلاف، ولعمری هذا الاحتجاج بعيد عن الحق بـمراحل و كذب بحت وافتراء من نحو الاختراع على هؤلاء الأكابر الذين لم يخلق مثلهم فـی البـلاد لاطفاء نارجوع السائلين من متصوفة هذا الزمان. اذ تفسير التهانویؒ عارية عن هـذا الـمعنى من الوسيلة فی قوله تعالىٰ وابتغوا اليه الوسيلة (پاره نمبر ۲ مائده وايهم اقرب پـاره نـمبر ۱۰)، حيث فسره شيخ العلام والبحر القمقام بقرب الله تعالىٰ بالطاعة وازدياد الـخير والـصـلاح كـمـا فی روح المعانی نمبر ۱ وعلى تقدير تسليم فما الجواب عما فی القاموس الوسيلة والواسلة المنزلة عندالملک والدرجة والقربة و وسل الله تعالى توسيلاً عمل عملا تقرب به اليه كتوسل والواصل والواجب والراغب الى الله تعالى ۶۴/ج۴

۲: وايضاً فما الجواب عن نقد الحكيم الالوسیؒ حيث قال فی تفسيره ومن الناس من مـنـع التوسل والقسم على الله تعالىٰ باحد من خلقه مطلقا و هوالذی يرشح به كلام المجد ابـن تيـميةؒ ونـقـله عن الامام ابی حنيفةؒ و ابی يوسفؒ وغير هما من العلماء العلام رضی الله عـنهـم واجـاب عـن حـديـث ضرير البصر على مارواه الترمذی بانه على حذف مضاف ای بـدعـاء اوشـفـاعة نبيک فـفيه جعل الدعاء وسيلة وهو جائز بل مندوب والدليل على هذا التـقدير قوله فی اخر الحديث اللهم شفعه لی بل فی اوله ايضاً مايدل على ذلک حيث قال الـنبـی صـلـی الله عليه وسلم ادع الله ان يعافينی وقد انكر تاج السبكیؒ كماهوعادته على الـمـجدوقال ويحسن التوسل والاستغاثة بالنبی صلى الله عليه وسلم ولم ينكر ذلک احد فی السلف والخلف حتى جاء ابن تيمية فانكر ذلک وعدل عن الصراط المستقيم وابتدع مالم يقله عالم وصاربين الانام مثلة انتهى روح المعانی ج۶ ص ۱۲۶.

۳: وايـضًا فما الجواب عن نقد الحكيم الالوسیؒ تحت حديث انا نستشفع بک الى الـلـه تـعـالـىٰ و نستشـفـع بـالـلـه تـعـالى عليک محاجًا لقوله صلى الله عليه وسلم ان الله لايستشـفـع به على احد من خلقه فان الله تعالى اعظم من ذلک حيث قال ولوكان الاقسام معنى الاستشفاع فلما انكر النبی صلى الله عليه وسلم مضمون الجملة الثانية دون الاولى كـانه يقول معنى الاستشفاع الاقسام على الله تعالى كما اعتقدهؤلاء الغلاة الهی بحق فلان اقـض لـی حـاجتـی فـمـضـمون الجملة الاولى كان احق بالانكار عليه اذهو محل النزاع و تـنـكيـر الـنبـی صلى الله عليه وسلم جملة الثانية كان متروكا لكونها خلاف الحق بلانزاع

كماترك النبى صلى الله عليه وسلم تنكرة الجملة الاولى لاستقرار المعنى لاستشفاع طلب الدعاء فيه صلى الله عليه وسلم وليس هو محل النزاع. وايضًا فما الجواب عن نقده رحمه الله تعالى عليه تحت حديث الاستسقاء فى زمن عمرؓ حيث قال فانه لو كان التوسل به عليه الصلاة والسلام بعد انتقاله من هذه الدارلما عدلوا الى غيره. بل كانوا يقولون اللهم انا نتوسل اليك بنبينا فاسقنا وحاشهم ان يعد لواعن التوسل بسيد الناس الى التوسل بعمه العباس وهم يجدون اولى مساغ لذلك وقدو الهم هذا مع انهم السابقون الاولون و هم اعلم بالله تعالى و رسوله صلى الله عليه وسلم و حقوق الله تعالى وهو له عليه الصلوة والسلام وما يشرع من الدعاء ومالايشرع وهم فى وقت الضرورة و مخمصة يطلبون تفريج الكربات و تيسيرالعسير وانزال الغيث بكل طريق دليل واضح على ان المشروع ماسلكوه دون غيره. روح المعانى ج٦ ص١٢٦.

:۴ وايضًا فما الجواب عن نقد الحكيم الالوسیؒ تحت قوله تعالى ايهم اقرب سوره بنى اسرائيل پاره ۱۵ والعمرى لم يبق فى التوسل منزغا فى تحقيقه لكن التوجيه مع هذا متكلف وجوز الحوص والزجاج ان يكون (ايهم اقرب) مبتداء وخبر والجملة فى محل النصب ينظرون اى يفكرون والمعنى ينظرون ايهم اقرب فيتوسلون به وكان المراد يتوسلون بدعاء والافقى توسل بالذوات فيه وتعقب ذلك فى البحر بان اضمار الفعل المطلق و مع ذاهووجه غير ظاهر روح المعانى ص ۹۹ ج ۱۰.

:۵ وايضًا فما الجواب عما فى روح المعانى فى تفسيره فى انفسكم افلاتبصرون-اى فى ذواتكم ايات اذليس فى العالم شئى الاوفى ذات الانسان له نظير يدل مثل دلالته علىماانفردبه من الهيئات النافعة والمناظر البهية والتركيبات العجيبة والتمكن من الافعال البديعة واستنباط الصناع المتنوعة واستجماع الكمالات المختلفة وايات الانفس اكثر من ان تحصى افلاتبصرون اى الاتنظرون فلاتبصرون بعين البصيرة وهو تعنيف على ترك النظر فى الايات المراضه والنفسية و قيل فى اخير مسائل السلوك التهانویؒ ج۳ص۱۷۳ -روح المعانى ج۱۷ ص ۹- انظروافيه: اين السبيل للمؤمن لاتخاذ الوسيلة بذوات المخلوق فى لمحة من لمحات حياته حيث عنف المؤمن على ترك النظر فى

الأيات النفسية كانها فرض من فرائض الاعمال كالصلوة وغيرها من الامور الطاعة قائما وقاعدا اكلا وشاربا قائلا وعادلا وغير ذالک من الحوائج الانسانية نبؤني اى لمحة من لمحات حيات المومن بقى لاتخاذه الوسيلة بذوات المخلوق بالدعاء.

٦: وايضافما الجوابُ عن قوله تعالى ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون. اذ دخول الجنة مكتوب عندالله تعالى تفضلامنه من جزاء الاعمال الصالحة والوسيلة بالذات مشروط بصحته باذن الله تعالى من يشفع عنده الاباذنه فبكمال شرفكم اسرعوا بالجواب فانى انتظر لذلک اشد انتظار اذهو جزء من اجزاء الدين.

خادم العلماء الدكتور الحافظ ضياء الحسن الانصارى الجنجوهى ايل ايس ايم ايف اسسٹنٹ

ڈاکخانہ راهيدولوانى ضلع مظفر گڑه

اقول وبالله التوفيق انى امهداولا مقدمات عديدة ليمكن فهم الجواب عما سألتم.

(۱) بنوادم كلهم شركاء فى نفس البشرية و متساوية الاحكام فى الماهية الانسانية والحيوانية فان المنطقيين صرحوا بذلک بان لاتشكيک فى الماهيات والتفاوت بينهم والتفاضل فى مراتبهم انمايكون بحسب الملكات الفاضلة والاعتقادات الحقة والاعمال الحسنة والتوفيقات الالهية فمن بشريصطفيه الله عزوجل فيجعله بحيث يصير جامعا للكمالات ومكارم الاخلاق و محاسن الاعمال ويعصمه الله بحيث يصير مجتنبا من الشرک والكفر و الرذائل محفوظا من الذنوب والخطايا مصونا من السيئة والزلل وهم فى ذلک على درجات غير متناهية ومن رجل يضله الله فيكون غليظ القلب سيئ الاخلاق والاعمال لايدرى الطاعة من المعصية ولا يميزبين الحق والباطل يهيم فى وادى الضلال ولهم ايضامراتب لاتحصى فالتفاوت عندالله انما يكون بالاوصاف العارضة للانسانية لامن حيث هى هى.

(۲) الموت منيه للاعمال لا مفسدفان الاعمال الصالحة والعقائد الصحيحة وثمر

انها تنتهي وتقرر و تثبت بالموت لا انها تفسدفانها هي الباقيات الصالحات فالرجل بعد الموت ايضًا موصوف بالكمالات التي كان موصوفا بها في الحيوة الدنيا لايحبط عمله بالموت فان الله لا يضيع اجر المحسنين.

(٣) الاعمال الصالحة سواء كانت من نفسه او من غيره تصلح ان تكون وسيلة الى النجاة ولذا قال النبي صلى الله عليه وسلم انا فرطكم على الحوض وانا فرط من لافرط له" والشفاعة مبنية على هذا الأصل فان الشفيع باعماله الصالحة يتقرب الى الرب تعالى وتقربه بتلك الاعمال يكون ذريعة لقبول الشفاعة في حق العاصي فكان العاصي استفاد بالاعمال الصالحة للشفيع نجاة لنفسه واستفادة النجاة باعمال الغير هوالتوسل باعماله وانت ايها السائل معترف بالتوسل بالاعمال.

فبعد تمهيد تلك المقدمات اقول ان التوسل بنبي او ولي لايكون من حيث هوانسان وبشر بل من حيث هو موصوف بكمالات النبوة فائز بمراتب الرسالة اخذ باهداب الولاية و صالح العمل. فالتوسل في الدعاء و ان كان بلفظ دال على الذات كما في اللهم اني اتوسل اليك بفلان لكنه في الحقيقة يكون باعماله الصالحة فان الناس سواء في نفس الانسانية والافما الباعث له على ان يتوسل بالصالح المطيع دون الطالح العاصي فهذا ينادي باعلى نداء ان مقصوده بالتوسل بذات الصالح انما هو التوسل باعماله الصالحة وانت معترف بجوازه وليت شعري كيف يقول احمد بعدم جواز التوسل بالذوات بعد اقراره جواز التوسل بالاعمال كما عرفت من ان التوسل بالذات من حيث اتصالها بالاعمال لا من حيث نفسها واعماله الصالحة لما كانت باقية بعد موته جاز التوسل مطلقا في محياه و مماته. وان اكابر العلماء الديوبندية كلهم قائلون بجواز التوسل بالذوات فان السيد الشاه محمد اسماعيل الشهيد في منصب الامامة توسل بالنبي صلى الله عليه وسلم ومولانا قطب الجنجوهي في فتاواه قال بجوازه والشجرة المباركة والسلسلة الطيبة لمولانا الشيخ حسين احمد المدني مدظله و حضرة شيخ الهند قدس سره الى النبي صلى الله عليه وسلم مملوءة بالتوسل بمشائخهم وهذا هو مسلك العلماء الديوبندية و مشائخهم الشاه ولي الله المحدث الدهلوي وابنه الشاه عبدالعزيز و حفيده الشاه

اسماعيل الشهيد وغيرهم وهو المنقول بالتواتر من صحابة النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين و تابعيهم الى يومنا هذا فان طالعت كلامهم وجدت ذلك كالشمس في نصف النهار(۱)۔ واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ المفتی بمدرسہ قاسم العلوم

دعا میں بزرگوں کو وسیلہ بنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ کہ ایک شخص اولیاء کرام میں سے کسی ولی کے مزار پر جا کر دعا مانگتا ہے کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر نا جائز ہے تو شریعت میں اس کی کیا صورت ہے اور امداد بغیر اللہ اس صورت میں کہ غیر کو محض وسیلہ بناتا ہے حقیقت میں موصل الی المطلوب خدا کو جانتا ہے کیا شرعاً یہ جائز ہے۔

---

۱) كما في التفسير المنير: اما قوله تعالى: (وابتغو اليه الوسيلة) فقد استدل به بعض الناس على مشروعية الاستغاثة او التوسل بالصالحين وجعلهم وسيلة بين الله وبين العباد۔

اولاً: التوسل بمعنى التقرب الى الله بطاعته وفعل ما يرضيه وهو المراد بالآية،

ثانياً: التوسل بالمخلوق والاستغاثة به بمعنى طلب الدعاء منه، سورة المائدة ۲۵، ج ۹ ص ۱۷٤، طبع مكتبه غفاريه، كوئته۔

كما في صحيح مسلم، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال بينما ثلثة نفر يتمشون اخذهم المطر فاووا الى غار في جبل .... فقال بعضهم لبعض انظروا اعمالا عملتموها صالحة لله فادعوا الله تعالى بها لعله يفرجها عنكم فقال احدهم: اللهم انه كان لي والدان شيخان كبيران وامراتي ولي صبية صغار ادعى عليهم (الخ)

كتاب الذكر والدعاء باب قصة اصحاب الغار الثلثة والتوسل بصلاح الاعمال ج ۲ ص ۲۵۲ طبع قديمي كتب خانه كراتشي، كما في رد المحتار، قد يقال انه لاحق لهم وجوباً على الله تعالى لكن الله سبحانه وتعالى جعل لهم حقاً من فضله او يراد بالحق الحرمة والعظمة فيكون من باب الوسيلة، وقد قال تعالى: (وابتغوا اليه الوسيلة) الخ كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع، ج ۹ ص ۱۵۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

كما في مشكوة المصابيح عن انس رضي الله عنه ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقل اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا فيسقوا (رواه البخاري) باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۲، طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔

﴿ج﴾

دعا اللہ سے مانگی جائے [1] اور وسیلہ شیخ بزرگ کو بنایا جائے [2] جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

مشائخ کی ارواح سے فیض پہنچنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین آیا اموات بامراللہ و باذنہ امداد فرماتے ہیں یا نہ بمع ثبوت کے جواب فرمادیں۔

﴿ج﴾

اصحاب نسبت بزرگوں کو مشائخ و اولیاء کرام کے ارواح طیبہ سے فیض پہنچتا ہے اور وہ اس کا ادراک کرتے ہیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی روح سے بعد از وفات اکتساب فیض کیا تھا اور پھر دوسروں تک پہنچایا۔ مشائخ نقشبندیہ کے سلسلہ طیبہ میں حضرت خرقانی رحمہ اللہ اور حضرت بسطامی رحمہ اللہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر اخذ فیض بعد الموت کو نہ مانا جائے تو سلسلہ مشائخ نقشبندیہ میں انقطاع لازم آئے گا اس لیے کہ بالاتفاق حضرت بایزید رحمہ اللہ سے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کی دنیاوی زندگی میں ملاقات نہیں ہوئی۔ اور باتفاق جمیع مشائخ سلسلہ ہذا متصلہ ہے اور اتصال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہوا ہے۔ البتہ عوام الناس یا وہ خواص جو روحانی اعتبار سے کالعدم ہیں۔ ان کو ارواح مشائخ سے عادۃ کوئی فائدہ نہیں پہنچتا (بطور خرق عادت کبھی کوئی فائدہ پہنچے وہ زیر بحث نہیں ہے) نیز عوام الناس کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ وہ زیارت قبور مشائخ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو ان کی امداد سے دولت، اولاد، دفع الامراض وغیرہ منافع یا رفع مضار کا حصول ہوگا۔ متصرف فی الامور نفع وضرر کی مالک صرف خدا کی ذات ہے۔ زیارت قبور کا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ **فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا و تذکر الاخرۃ** [3] (رواہ ابن ماجہ) واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۱۵/ رجب ۱۳۷۶ھ

---

۱) کما فی القرآن المجید: (ادعونی استجب لکم) سورۃ مؤمن ۴۰) ایضاً، اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی) سورۃ البقرۃ ۱۸۔

۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان کسی کے وسیلہ سے دعا کرنے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کی شرعی حیثیت

۳) کما فی مشکوۃ المصابیح، باب زیارۃ القبور، الفصل الثالث ج ۱ ص ۲۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

الہامات وکرامات اولیاء حق ہیں

﴿س﴾

مولوی نور خان وحافظ غلام محمد ومیاں محمد نور خان وغیرہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء واولیاء اللہ کی قبروں میں شیطان ہوتا ہے اور جب صوفیاء کشف سے قبر کا حال معلوم کرتے ہیں تو ان کو شیطان بھی نظر آتا ہے اور اسی شیطان سے کلام بھی ہوتا ہے نہ کہ ارواح مقدسہ سے ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ جو کشف وکرامت اور الہام کا قائل ہے وہ جاہل، ظالم بدعتی، گمراہ بے دین، مشرک ہے جو صوفیاء کرام سے مراقبہ یا روح سے فیض کا حصول ہوکر منازل سلوک ہوتے ہیں۔ جیسا متقدمین صوفیاء سلسلہ اویسیہ میں اس حصول فیض کے قائل ہیں کیفیت خدا جانے لاتقف مالیس لک به علم خلاصہ یہ ہے کہ نور خان وغیرہ اس کو قطعی مشرک بدعتی لادین تصور کرتے ہیں اور مولوی اللہ یار خان جو کہ دیوبندی خیال کا ہے اس نے ان تمام چیزوں کا ثبوت پیش کیا اور فتویٰ دیا کہ مذکورہ عقائد والے مولوی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے یہ معتزلہ سے بھی بڑھ گئے ہیں اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ مولوی نور خان کا عقیدہ ٹھیک ہے یا مولوی اللہ یار خان کا اور کیا ان عقائد والے کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ ان دونوں امور کو بالوضاحت بیان فرمانا کہ لوگ غلطی سے محفوظ ہیں۔

﴿ج﴾

الہام وکشف وکرامات اولیاء حق ہیں، اہل السنۃ والجماعت کا یہی عقیدہ ہے [1]۔ حصول فیض قبور اولیاء سے ہوتا ہے۔ من لم یذق لم یدر یہ صحیح عقیدہ ہے۔ اس کے خلاف نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ موجودہ زمانہ میں زیادہ قبور اولیاء پر جن بدعات ورسوم مشرکہ کا صدور ہوتا ہے وہ لوگ اکثر حصول فیض کے نام سے یہ تمام بداعمالیاں

---

۱) کما فی شرح الفقه الاکبر، والکرامات للاولیاء حق، ای ثابت بالکتاب، فقوله تعالی فی حق الذی عنده علم الکتاب انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك فلما رآه مستقراً عنده قال هذا من فضل ربی (النحل آیت ٤٠)۔
وقوله فی حق مریم رضی الله عنها کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقاً قال یا مریم انی لك هذا قالت هو من عند الله ان الله یرزق من یشاء بغیر حساب، (آل عمران آیت ٢٧) خوارق العادات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق ص ٢٣٥ طبع دار البشائر الاسلامیة، کما فی رد المحتار، ثم قال والانصاف ما ذکره الامام النسفی حین سئل عما یحکی ان الکعبة کانت تزور واحدا من الاولیاء هل یجوز القول به فقال نقض العادة علی سبیل الکرامة لاهل الولایة جائز عند اهل السنة، کتاب الجهاد مطلب فی کرامات الاولیاء ج ٦ ص ٣٧ طبع مکتبه رشیدیه۔

کرتے ہیں حصول فیض خواص کا کام ہے عوام کا اس سے سروکار نہیں [1]۔ ان مسائل میں اختلاف بلا وجہ بڑھ گیا ہے کسی کی صحیح بات دوسرے تک نہیں پہنچتی۔ نقل و حکایت میں اکثر بعد از تحقیق غلطی ثابت ہوتی ہے۔ ان جاء کم فاسق بنبئا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی مافعلتم ندمین [2]۔ نفس عقیدہ کا جواب دے دیا گیا اور خاص اشخاص کے متعلق جن سے نہ میں واقف اور نہ آپ کے استفتاء سے میرے لیے کوئی شرعی ثبوت پہنچتا ہے کہ واقعی انہوں نے ایسے الفاظ کہے ہیں تو میں کیسے کسی خاص شخص کے متعلق رائے ظاہر کروں۔ البتہ یہ کہوں گا کہ یہ عقیدہ جو استفتاء میں درج ہے یہ غلط اور باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ

غیر اللہ کو ندا شرک ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

۱- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اعینونی یا عباد اللہ، یا غوث اعظم وغیرہ کلمات ندائیہ کہنے جائز ہیں یا ناجائز استمداد از انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء امت جائز یا ناجائز۔

۲- اسماعیلی فرقہ کے شیعہ جن کے منہ ولسان سے کبھی کسی نبی و ولی یا صحابی کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں سنا گیا اگر وہ خلیفہ کہے کہ صرف تکبیر مروجہ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کو ذبح کیا ہے کیا اس کا ذبیحہ قابل اکل ہے یا نہ جواب مفصل ومدلل مرحمت فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم- نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرلے [3] ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرمادیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہوجاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے [4]۔ یا محض شوقیہ کہتا ہو۔ محبت میں

---

۱) وھکذا فی رد المحتار، واما الاولیاء فانھم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالی ونفع الزائرین بحسب معارفھم واسرارھم کتاب الصلوة مطلب فی زیارة القبول ج ۳ ص ۱۷۸، طبع مکتبہ رشیدیة۔

۲) سورة الحجرات آیت ٦۔

۳) کما فی القرآن الکریم: فلا تدعوا مع اللہ احداً، سورة الجن آیت ۱۸، ایاك نعبد وایاك نستعین فاتحة آیت ٤، وھکذا فی تفسیر ابن کثیر، یقول تعالی آمرا عبادہ ان یوحدوہ فی محال عبادتہ ولا یدعی معہ احد ولا یشرك بہ، سورة الجن ج ٦ ص ۱۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

٤) کما فی سنن النسائی عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۱۸۹، قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

یا عرض حال محل تحریر وفرمان میں کہ ایسے موقع میں اگر چہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں۔ لیکن ہرگز مقصود نہ اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ۔ پس فی حد ذاتہ یہ الفاظ نہ شرک ہیں نہ معصیت ہیں۔ مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے [1] کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ایہام ہے البتہ اگر غیر اللہ کو عالم سامع مستقل عقیدہ کر کے پکارے تو صاف کلمات کفر ہیں نہ ان کو سننا حلال ہے اور نہ سکوت روا ہے۔ اگر قادر نہ ہو تو الگ ہو جائے۔

استمداد غیر اللہ سے وہ کفر ہے جو ان کو مؤثر بالذات سمجھ کر یہ کہے کہ تم میرا کام کر دو اور اگر ان کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتا اور یہ کہتا ہے کہ دعا کرو کہ حق تعالیٰ یہ کام کر دیوے یا یہ کہے کہ یا اللہ اگر یہ آپ کا مقرب بندہ ہے تو اس کے وسیلہ سے ہم پر بھی رحم فرما تو یہ کفر نہیں۔ مگر جو منکر سماع ہیں وہ منع کرتے ہیں بسبب لغو ہونے کے اور عدم ثبوت کے سنت سے اور مجوزین جائز کہتے ہیں بسبب سماع کے ثبوت کے ان کے نزدیک اور ثبوت اس کی اصل کی پس یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (کذا فی فتاویٰ رشیدیہ مختصراً) [2]

(۲) اگر شیعہ کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر نہ ہو مثلاً الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا قائل نہ ہو، جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان نہ باندھتا ہو وغیرذالک تو وہ کافر نہیں [3] اگر وہ بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ جانور کو ذبح کرے تو حلال ہے [4]۔

---

۱) کما فی صحیح البخاری لقوله علیه السلام فمن اتقی الشبهات استبرا لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کتاب الایمان باب من استبرا لدینه ج ۱ ص ۱۳، طبع قدیمی کتب خانه،
کما فی القرآن الکریم، وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو، سورة الانعام آیت ۵۹۔

۲) کما فی القرآن الکریم، ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك ولا یضرك فان فعلت فانك اذا من الظالمین، سورة یونس آیت ۱۰۶ ایاك نعبد وایاك نستعین، فاتحة آیت ٤۔
کما فی جامع الترمذی عن ابن عباس رضی الله عنهما قال کنت خلف النبی صلی الله علیه وسلم یوماً فقال .... اذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله (الخ) ابواب صفة القیامة، ج ۲ ص ۷۸، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
کما فی تفسیر المنیر، وابتغوا الیه الوسیلة، فقد استدل به بعض الناس علی مشروعیة الاستغاثة او التوسل بالصالحین (الخ) سورة المائدة آیت ۲۵، ج ٤ ص ۱۷٤، طبع مکتبة غفاریة کوئته، وکذا مر تفصیله فیما قبل۔

۳) کما فی رد المحتار، واما الرافضی ساب الشیخین بدون قذف للسیدة عائشه: رضی الله عنها فلیس بکفر (الخ) کتاب الجهاد مطلب فی حکم سب الشیخین ج ٦ ص ۳٦٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔
وهکذا فی الهندیة وان کان یفضل علیاً کرم الله وجهه علی ابی بکر رضی الله عنه لایکون کافراً الا انه مبتدع۔

٤) کما فی رد المحتار، وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح، کتاب الذبائح، ج ۹ ص ۵۰٤، طبع مکتبه رشیدیة۔
وکذا فی الهندیة (ومنها) التسمیة حالة الذکاة وعندنا ای اسم کان وسواء قرن بالاسم بصفة بان قال الله اکبر الله اعظم الله اجل الله الرحمن الله الرحیم ونحو ذلك الخ کتاب الذبائح الباب لاول فی رکنه وشرطه ج ۵ ص ۲۸۵ طبع مکتبه علوم اسلامیه کما فی فتح القدیر، وما تداولته الا لسن عند الذبح وهو قوله باسم الله والله اکبر (الخ) کتاب الذبائح ج ۸ ص ٤۱۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

(۳) جواہل کتاب سماوی مذہب اور کتاب کا معتقد ہو گو عامل بالکتاب نہ ہو اس ذبیحہ جب کہ تکبیر سے ہو جائز اور حلال ہے[1]۔ البتہ جو باوجود اس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے آج کل بعض کی حالت ہوگئی ہے تو ان کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا اور نہ ان کا ذبیحہ جائز ہوگا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَغِثْنَا یَا مُحَمَّدُ کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چار یار یا ائمہ کرام نے کبھی اپنی عمر میں اغثنا یا محمد یا محمد المدد کہا ہے تفصیلی طور پر احادیث کا حوالہ عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

کسی صحیح روایت میں صحابہ، تابعین اور ائمہ دین سے اَغِثْنَا یَا مُحَمَّدُ۔ یا محمد المدد ثابت نہیں۔ بلکہ ان الفاظ کا استعمال جائز بھی نہیں اگر عقیدہ حاضر و ناظر کے ساتھ ہو[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنے کا عقیدہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایسے شخص کے متعلق جو کہتا ہے آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان و مایکون کا اور حاضر ناظر سمجھتا ہے، نذر نیاز غیر اللہ کا بھی قائل ہے۔ باوجود سمجھانے کے بھی اپنی ہٹ

---

۱) کما فی القرآن الکریم، وطعام الذین اوتو الکتاب حل لکم، سورۃ مائدۃ آیت ۵۔
وھکذا فی رد المحتار، وکذا حل ذبیحتھم، کتاب النکاح مطلب فی وطی السراری ج ٤ ص ۱۳۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
کما فی الھندیۃ، وتوکل ذبیحۃ اھل الکتاب ویستوی فیہ اھل الحرب وغیرھم (الخ) کتاب الذبائح الباب الاول فی رکنہ وشرطہ، ج ٥ ص ۲۸٥، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ۔

۲) کذا فی رد المحتار ورجحہ فی فتح القدیر بان القائل بذلک طائفتان من الیھود والنصاری انقرضوا لا کلھم (الخ) کتاب النکاح، مطلب فی وطی السراری ج ٤ ص ۱۳۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۳) ایاک نستعین فاتحۃ آیت ٤، کما فی جامع الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ...... اذا سالت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ (الخ) ابواب صفۃ القیامۃ ج ۲ ص ۷۸، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔

دھرمی سے باز نہیں آتا اور اپنے عقیدہ پر مضبوط رہتا ہے اور ساتھ ہی کلمہ شریف پڑھتا ہے کیا یہ شخص یا ایسا عقیدہ رکھنے والے اشخاص مشرک ہیں یا نہیں؟ اگر مشرک ہیں تو پھر مرتدین کی صف میں شمار ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہوگا یا باوجود مشرک ہونے کے اہل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔ بینوا بالدلائل جزاکم اللہ۔

(۲) توسل بالاحیاء والاموات جائز ہے یا نہ۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر قابل توضیح یہ بات ہے کہ توسل بالاحیاء والاموات برابر ہے یا فقط یہ صورت جائز ہے کہ جو نیک لوگ زندہ ہیں۔ ان کے پاس جاکر ان سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی درخواست کی جائے۔ یا بحرمت فلاں بطفیل فلاں ببرکت فلاں کہہ کر دعا مانگی جائے۔ جو صورت جواز ہو اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

(۳) موجودہ ملکی، دینی، اقتصادی حالات کے ماتحت کسی جماعت میں شمولیت کے بغیر انفرادی طور پر دین کے لیے جدوجہد کرنا بہت مشکل ہے موجودہ دور میں ویسے تو کئی ایک جماعتیں حتی المقدور اپنے اپنے اصول کے تحت دین کو فروغ دینے کے مسئلہ میں جانفشانی سے کام کر رہی ہیں۔ مثلاً جماعت تحفظ ختم نبوت، تنظیم اہل سنت والجماعت، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی مگر مؤخر الذکر جماعت کے اصول وضوابط نظم ونسق اور طریق کار بظاہر اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے لیکن پاکستان کے اکابر علماء کرام میں سے اکثر عالم اس جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں مگر پوچھنے اور غور کرنے کے باوجود بھی بظاہر کوئی وجہ اختلاف سمجھ میں نہیں آتی اس لیے یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں عقدہ لاینحل بن چکا ہے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر ہمارے اس عقدہ کو حل فرما کر ہماری پوری رہبری فرمائی جاوے کہ اس وقت کون سی جماعت میں شامل ہو کر کام کیا جائے اگر مؤخر الذکر جماعت سے احتراز کا حکم ہو تو دوسری جماعت کی وجہ ترجیح اور اس کے پورے کے پورے نقائص بالدلائل بیان فرما کر ہماری تشفی فرمائی جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

۱- جواب تو یہ ہے کہ آیات واحادیث واقوال فقہاء کثرت سے اس پہ دال ہیں کہ علم غیب کلی ذات باری کا خاصہ ہے[1]۔ دوسرے کے لیے اس صفت کا ثابت کرنا شرک فی الصفات[2] ہے۔ نیز نذر کا عبادت ہونا متفق

---

۱) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (النحل آیت ٦٥) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الاهو (الانعام آیت ٥٩) وللہ غیب السموات والارض (النحل آیت ٧٧)۔

فی صحیح مسلم، فقال قم یا حذیفة تاتنا بخبر القوم (الخ) کتاب الجهاد والسیر باب غزوة الاحزاب ج ٢ ص ١٠٧ طبع قدیمی کتب خانه کراتشی۔

۲) کما فی الفتاوی الولوالجیة، من تزوج امراء ة بشهادة الله ورسوله لا یجوز النکاح وحکی عن ابی القاسم رحمه الله تعالی ان هذا کفر محض لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ یعلم الغیب وهذا کفر، کتاب النکاح الفصل الرابع ج ١ ص ٣٧٤ طبع بیروت لبنان، وهکذا فی شرح الفقه الاکبر، فالعلم بالغیب امر تفرد به سبحانه ولا سبیل للعباد الیه الا باعلام منه (الخ) ص ٤٢٢ طبع دار البشائر الاسلامیة۔

علیہ ہے اور عبادت کا ذات باری جل مجدہ کے لیے مخصوص ہونا ہی توحید[1] ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا کہ نذر لغیر اللہ جائز[2] اور علم غیب غیر اللہ کے لیے بھی ثابت ہے مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج[3] ہے اس کا ذبیحہ حرام ہے[4]۔ لیکن کسی خاص شخص پر جواب منطبق کرنے کے لیے حد سے زیادہ احتیاط لازم ہے مکمل تحقیق کر کے اس کے تمام اقوال پر غور وخوض کرنے کے بعد ہی کوئی حکم خاص لگایا جا سکتا ہے کسی فرقہ پر من حیث العموم کوئی حکم ہرگز نہ لگاویں من حیث الجماعت یہ بات نہیں۔

(۲) توسل بالذوات والاعمال ہر طرح جائز ہے درحقیقت توسل بالذوات نہیں ہوتا بلکہ ان کے اعمال حسنہ سے متصف ہوکر توسل کا باعث بنتا ہے باعتبار نفس ذات سب انسان برابر ہیں۔ تفاوت باعتبار صفات ہی ہوتا ہے لہٰذا توسل بالذات فی الحقیقت توسل بالصفات ہی ہے جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں پھر جیسا کہ اپنے اعمال حسنہ سے توسل جائز ہے دوسرے صالحین کے عمل سے بھی جائز ہے۔ موت سے ان کے اعمال حسنہ معدوم نہیں ہو جاتے بلکہ وہ محفوظ ہوتے ہیں لہٰذا توسل بالذوات الاحیاء والاموات جائز ہے۔ بحرمت فلان و برکت فلان کے الفاظ سلف سے عام منقول ہیں بحق فلان کی نہی فقہاء سے منقول ہے لہٰذا یہ لفظ استعمال نہ ہو[5]۔

(۳) یہ جواب درحقیقت بذریعہ تحریر اس وضاحت کا حامل نہیں ہوسکتا جس کو میں چاہتا ہوں وہاں کے کسی محقق باخبر عالم سے ہی تحقیق فرمالیں اور یہی تردد ہی آپ کے استفتاء کے جواب کی تاخیر کا باعث ہوا جس

---

۱) کما فی رد المحتار، لانه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، كتاب الصوم مطلب فی النذر الذی يقع للاموات ج ۳ ص ۴۹۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ایضاً فیہ، والنذر لله عزوجل، ج ۲ ص ۴۹۱، حوالہ بالا۔

۲) واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام (حوالہ بالا)

۳) كما فی شرح الفقه الاكبر ومنها ان تصديق الكاهن والمنجم بما يخبر من الغيب كفر (لقوله تعالى) قل لا يعلم من فی السموات والارض الغيب الا الله (النحل آیت ۶۵) لقوله عليه الصلاة والسلام: من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر، حکم تصدیق الکاهن ج ۱ ص ۴۱۶ طبع دار البشائر الاسلامیة، وهكذا فی ابی داؤد، كتاب الطب باب فی الكهان ج ۲ ص ۱۸۹، طبع مكتبہ رحمانیہ لاهور۔

۴) كما فی الهندية، لا توكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد كتاب الذبائح ج ۵ ص ۲۸۵ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، كذا فی الشامی كتاب الذبائح ج ۹ ص ۴۹۷، رشیدیہ کوئٹہ۔

۵) كما فی فتح البارى وفيه استعمال آثار الصالحين ولباس ملابسهم علي جهة التبرك والتيمن بها كتاب اللباس باب هل يجعل نقش الخاتم ثلثة اسطر ج ۱۱ ص ۵۱۷، طبع دار الفكر بيروت بقية تخريج کسی کے وسیلہ سے دعا کرنے کے تحت گزر گئی۔

کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ مختصراً عرض ہے شرعی حیثیت سے یہ بات معلوم اور واضح ہے کہ اسلام ایسی جماعت بندیوں کا قائل نہیں ہے۔ جس کا آج رواج عام ہے ہر امر خیر جس پلیٹ فارم پر ہو اس کی تائید اور اس سے تعاون کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے لہٰذا جماعت تبلیغی ہو یا تنظیم اہلسنت ہو یا مجلس ختم نبوت ہو ہر ایک کے کام میں حسب استطاعت موقع پر شامل ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ ان کے باقاعدہ نظم میں آپ شامل ہوں۔ البتہ جماعت اسلامی ایک مستقل طرز فکر کی حامل ہے ان میں اصولی خطرات یہ ہیں کہ ان کے مدرسہ خیال میں فقہ، تصوف و ادب مع الاسلاف کو وہ خاص مقام حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہیے اگر مدرسہ فکر کی اشاعت عوام الناس میں ہوئی تو قرآن و حدیث سے اپنے زعم وظن کے تحت بلاکسی مقرر کردہ اصول اجتہاد کے ایسے مسائل مستنبط ہوں گے جو اجماع امت کے بھی خلاف ہوں گے خرق اجماع کو کسی مجتہد نے بھی آج تک جائز نہیں کہا میں بہت سے ایسے مسائل کی نشاندہی کرا سکتا ہوں کہ جماعت کے امیر سابق مولانا مودودی صاحب کی جو تحقیقات ہیں وہ خلاف الاجماع ہیں۔ اجماع امت کے خلاف پر کسی شخص کی انفرادی رائے کے قابل تسلیم ہونے سے دین قدیم کی تعبیر کا جو حشر ہوگا وہ آپ پر بھی بشرط غور و خوض مخفی نہ رہے گا۔ البتہ نظام اسلام کا مطالبہ اور اس کے قیام کی جدو جہد ہر مسلمان کا فرض ہے خداوند قدوس مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر صحیح رہنمائی فرماوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم شہر ملتان

اولیاء کے مزارات پر چراغاں کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اولیا کے مزار پر جا کر ان سے مراد و حاجت مانگ سکتے ہیں یا نہ؟

(۲) اس طرح کہہ سکتا ہے کہ اے ولی یا اے بابا انھ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور میری حاجت کو پورا کر۔ مثلاً دولت، عورت، مقدمہ میں کامیابی، لڑکا، اسی طرح سے بریات زندگی دانت کے درد، کان کا درد، کمر درد وغیرہ۔

(۳) اہل قبور کو اپنا وسیلہ پکڑ سکتے ہیں یا نہ؟ اور یہ ہماری دعائیں اور مرادیں جو ہم چاہتے ہیں اللہ سے پوری کروا سکتے ہیں۔

(۴) اور مراد پوری ہونے پر نذر نیاز کرنا یعنی ... کے مزار پر چراغاں کرنا، موم بتی جلانا، غلاف ڈالنا اور جانور ذبح کرنا جائز ہے یا نہ۔

---

۱) کما فی قولہ تعالی وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، سورۃ مائدۃ آیت

(۵) اور اہل قبور پر مجاور بن کر ان مزاروں پر خدمت کرنا صفائی وغیرہ۔ جیسا کہ بعضے لوگ کام چھوڑ کر جا بیٹھتے ہیں۔

(۶) اور بعض لوگ مزاروں سے شمع اتار دیتے ہیں کہ ان کی روشنی کی ضرورت نہیں۔ ضرورت کی جگہ استعمال کی جاوے جیسا مسجد میں یا غلاف اُتارنا یا جھنڈا اُتارنا تو ان کو یہ اہل قبور فوراً یا کچھ عرصہ بعد دنیا میں نقصان دے سکتے ہیں یا نہ۔ ایک گروہ ان کو جائز قرار دیتا ہے اور ذریعہ ثواب اور دوسرا گروہ ان کو شرک سے تشبیہ دیتا ہے۔ آپ ان کے متعلق لکھیں جو جائز کہتا ہے اور جو ناجائز قرار دیتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

(۷) اور فطرانے کا حق دار کون ہے صرف امام ہے یا مسکین اقارب۔ واضح لکھیں۔

(۸) شادی کے وقت دولہا کو پھولوں کا سہرا باندھ کر گھوڑی پر سوار کر کے سسرال والوں کے ہاں جو جاتے ہیں تو سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) نہیں[۱] (۲) نہیں[۲] (۳) صالحین کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔ لیکن سوال اللہ تعالیٰ ہی سے ہونا چاہیے۔ حاجت روا صرف وہی ہے کسی کا ان پر بس نہیں ہے[۳]۔ (۴) جائز نہیں[۴] (۵) جائز نہیں[۵] (۶) تغییر منکر کے لیے ان کو کر سکتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں چونکہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہیں۔ لہٰذا ان اشیاء کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا[۶] نفع ونقصان دینے والا اللہ تعالیٰ ہے[۷]۔ منکرات کو رد کرنے والا عنداللہ ماجور

(۱،۲) کما فی قوله تعالی ایاك نعبد وایاك نستعین، سورة فاتحة آیت ٤، کما فی جامع الترمذی اذا استعنت فاستعن بالله واذا سئلت فاسئل الله، ابواب صفة القیامة ج ۲ ص ۷۸، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔

(۳) اسکی تخریج کسی کے وسلے سے دعا کرنے کے تحت گزر چکی ھے۔

(٤) کما فی مشکوة المصابیح، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج، رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی، کتاب الطهارة باب المساجد ومواضع الصلوة ج ۱ ص ۷۱، طبع قدیمی کتب خانه کراتشی، وکذا فی رد المختار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات ج ۳ ص ٤۹۱، طبع مکتبه رشیدیه کوئته، وکذا فی الهندیة، کتاب الکراهیة باب فی زیارة القبور ج ٥ ص ۳٥۱، طبع بلوچستان بك ڈپو کوئته۔

(٥) تبرکاً مجاور بیننا، احکام میت ص ۲۰٤، طبع ادارة القرآن الاسلامیة۔

(٦) کما فی البحر الرائق، واما النذر الذی ینذره اکثر العوام .... فیقول یا سیدی فلان ان رد غائبی ..... فلك من الذهب کذا او من الفضة کذا ...... فهذا النذر باطل بالاجماع لوجوه منها انه نذر المخلوق ...... ومنها ان المنذور له میت والمیت لا یملك، کتاب الصوم فصل فی النذر ج ۲ ص ٥۲۰، طبع مکتبه رشیدیة کوئته۔

۷) ان یمسسك الله بضر فلا کاشف له، سورة الانعام آیت ۱۷۔

ہوگا۔ اس کو نقصان نہیں پہنچتا اور اگر پہنچے تو یہ اس کا امتحان ہے۔ کوشش کرے کہ لغزش نہ کھائے۔ جو گروہ ان کو جائز کہتا ہے وہ مبتدع ہے۔ بے دینی اور مشرکانہ رسوم کو ثواب سمجھنے سے بڑھ کر کیا گناہ ہے۔ ان کو توبہ کرنا لازم ہے۔ خطرہ ہے کہ شرک کی حد کو نہ پہنچ جاوے[1]۔

(۷) فطرانے کا حقدار صرف امام نہیں ہے بلکہ ہر مسکین اور اس شخص کو جو زیادہ محتاج ہو اس کو دیتے ہیں اسی میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے[2]۔

(۸) یہ بھی محض رواج ہے۔ اس کو اگر ثواب سمجھا جاوے تو گناہ اور بدعت ہے ورنہ لغو ہے[3]۔ فقط واللہ اعلم۔

قبروں پر پیروں سے مطلب حاصل کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبروں پر بیٹھ کر پیروں سے مطلب حاصل کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے کام کروادیویں۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ مطلب کی خاطر پیروں کو بلانا جائز ہے یا نہیں۔ کسی بزرگ یا ولی یا نبی یا فرشتہ کو حاضر ناظر جاننا جائز ہے یا ناجائز پیر فقیر کے نام پر منت دینا جائز ہے یا نہیں پیر کے نام کا حصہ گیارہویں دینا جائز ہے یا ناجائز۔ امام بخش نبی بخش، محمد نواز، غوث بخش، حسین بخش، وغیرہ نام رکھنے جائز ہیں۔ تیجہ قل خوانی بیسواں چالیسواں روح کا آنا اور ہر جمعرات اور گیارہویں لازم سمجھ کر قرضہ اٹھا کر کرنا دن کو خاص کرنا جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) ان یمسسك الله بضر فلا كاشف له، سورة الانعام آیت ۱۷، قل لا املك لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء الله، سورة اعراف آیت ۱۸۸۔

۲) كما فی الشامية فمصرفه كالغنائم هو فقير، كتاب الزكاة باب المصرف ج ۳ ص ۳۳۳ طبع مكتبة رشيديه كوئته۔ كما فی الهندية، منها الفقير هو من له ادنى شیء ما دون النصاب او قدر نصاب غير نام هو مستغرق فی الحاجة (الخ) كتاب الزكاة باب السابع فی المصارف ج ۱ ص ۱۸۷، طبع مكتبة رشيدية كوئته۔

۳) كما فی المشكوة عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد، متفق عليه كتاب السنة باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷ طبع قديمی كتب خانه كراتشی۔

﴿ ج ﴾

قبروں کی زیارت مسنون ہے۔سلام کرنے کے بعد قرآن شریف کی آیات پڑھ کر ان کی ارواح کو ثواب بخشنا موجب ثواب ہے[۱]۔ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔البتہ ان سے کوئی چیز مانگنی جائز نہیں اور یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ ان سے خطاب کیا جاوے کہ تم اللہ تعالیٰ سے فلاں کام کرادو بلکہ ان کے وسیلہ سے مانگنا جائز ہے[۲]۔دور سے بلانا عقیدہ حاضر ناظر سے شرک ہے اس سے احتراز لازم ہے[۳]۔نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی کرنا شرک ہے۔اس لیے غیر اللہ کی منت ماننا سخت گناہ ہے اس سے پرہیز کیا جاوے گیارہویں اگر نذر لغیر اللہ کے طریقہ سے ہے تو اس کا حکم گزر گیا[۴] اور اگر خالص للہ خیرات کر کے ثواب حضرت شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو بخش دیا جاوے تو جائز[۵] ہے۔لیکن اس دن کی تخصیص کرنی اور اس دن کو ہی ثواب سمجھنا بدعت ہے[۶]۔غوث بخش وغیرہ نام رکھنے جائز نہیں اگر رکھ دیے ہیں تو تبدیل کر لیے جاویں[۷]۔واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ

---

۱) كـمـا فى المشكوة عن بريدة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نهيتكم عن زيارة القبـور فـزوروها، رواه مسلم باب زيارة القبور ج ۱ ص ۱۵۴، قديمى كتب خانه كراتشى، وكذا فى رد المحتار مطلب فى اهداء ثواب الاعمال للغير ج ٤ ص ۱۲ طبع مكتبه رشيديه۔

۲) اس کی تخریج کسی کے وسیلہ سے دعا کرنے کے تحت گزر گئی ہے۔

۳) سورة الانعام آيت ۵۹ سورة النحل آيت ٦۵، كما فى صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير باب غزوة الاحزاب ج ۲ ص ۱۰۷، قديمى كتب خانه كراتشى۔

٤) كـمـا فـى رد الـمـحتار، كتاب الصوم مطلب فى النذر الذى يقع للاموات ج ۳ ص ٤۹۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته

۵) كـمـا فى رد المحتار، مطلب فى اهداء ثواب الاعمال للغير ج ٤ ص ٤۹۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وكـذا فـى الهداية ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره (الخ) كتاب الحج باب الحج عن الغير، ج ۱ ص ۳۱٦، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

٦) كـمـا فى البزازيه ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد الخ كتاب الصلوة نوع اخر ذهب الى المصلى قبل الجنازة الخ طبع مكتبه علوم اسلاميه ج ٤ ص ۸۱۔

۷) كـمـا فى رد المحتار، ولا يسمى حكيماً ...... ولا عبد فلان منع التسمية بعبد النبى (الخ) كتاب الحظر والاباحة فصل فى البيع ج ۹ ص ٦۸۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

''بحق''، ''بوسیلہ'' بطفیل کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ کسی دعا میں ایسے الفاظ کہ یا اللہ بحق یا بوسیلہ یا بہ طفیل یا بحرمت نبی کریم یا فلاں بزرگ میری یہ دعا قبول کر آیا کسی حدیث یا عمل صحابہ سے صحیح سند سے ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو ان کی سند تحریر فرمائی جاوے۔ حضرت امام اعظمؒ کا مذہب کیا ہے اور کس کتاب میں کیا تحریر ہے۔

﴿ج﴾

وسیلہ، طفیل، حرمت کے الفاظ توسل بالانبیاء اور اولیاء کے وقت جائز ہیں [1]۔ بحق فلاں جائز نہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ باب الاستسقاء **اللهم انا كنا نتوسل اليک بنبينا فتسقينا و انا نتوسل اليک بعم نبينا فاسقنا فيسقوا رواه البخاری** [2] (الحدیث) نیز علامہ شامی نے رد المحتار شرح در المختار میں علامہ مناوی سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ **اللهم انی اسالک و اتوجه اليک بنبيک نبی الرحمة** نیز علامہ شامی نے اسی مقام پر تحریر فرمایا ہے۔ **قال السبکی يحسن التوسل بالنبی الی ربه ولم ينکره احد من السلف ولا الخلف** نیز در المختار میں ہے (و) **کره قوله (بحق رسلک و انبيائک) و اوليائک او بحق البيت لانه لا حق للخلق علی الخالق تعالیٰ۔** [3] واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ ذی قعد

''شفاعت کن مرا'' کہنے کا حکم

﴿س﴾

چہ میفر مایند علماء دریں مسئلہ کہ اگر کسے بر مزار ولی بایں الفاظ از خدا حاجت طلب کند کہ اے بندہ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا جائز است یا نہ و درین الفاظ شائبہ شرک است یا نہ و قائل ایں الفاظ مشرک شود یا نہ بینوا توجروا۔

السائل غلام قادر انصاری اندرون دہلی گیٹ شہر ملتان

---

۱) وابتغوا اليه الوسيلة، سورة المائدة آيت ۳۵۔

۲) كما فی مشكوة المصابيح باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۲ طبع قديمی كتب خانه۔

۳) كما فی رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة فصل فی البيع ج ۹ ص ٤٥٥، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

بوسیلۂ انبیاء علیھم الصلوات والتسلیمات و اولیاء اللہ دعا خواستن و خداوند کریم جل و علا را مخاطب کردن جائز است مثلاً گوید کہ یا اللہ بوسیلۂ فلاں این کار من[1] بکند و اگر بر قبر استادہ ایں چنیں گوید کہ اے فلاں تو از خدائے تعالیٰ برائے من دعا بخواہ دریں اختلاف است کسانیکہ سماع موتے از قریب و نزدیک مثلاً از بالائے قبر ثابت میگویند نزد ایشان جائز است و کسانیکہ سماع موتیٰ را در صورت مذکورہ ثابت نہ شمارند نزد ایشاں جائز نیست بہر حال احتیاط دریں است کہ ایں چنیں نہ کند لیکن بوجہ شرک نہ کہ بدان وجہ کہ مذکور شد لھذا اگر بطریق ثانی ہم بکند مشرک نہ شود[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ اصفر ۶ ۷ ھ

نذر لغیر اللہ کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ:

(۱) ربیع الثانی کی ۱۱ تاریخ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس اور گیارہویں کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے۔ کچھ لوگ اس کو کرنا کار ثواب، باعث برکت، ذریعہ بخشش سمجھتے ہیں کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

(۲) حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لیے جانور ذبح کرنا اور پلاؤ وغیرہ پکا کر ان کی نیاز دینا اس کو کھانا، کھلانا شریعت مطہرہ کی رو سے کیا ہے؟

(۳) کیا پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے؟ (۴) کیا لڑکے، لڑکیاں کر دیا کرتے تھے؟

(۵) جہاں سے ان کو پکارا جائے وہ پکار سن کر مدد کر دیا کرتے ہیں؟

(۶) کیا انہوں نے فرمایا ہے کہ میرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے؟

(۷) کیا پیر صاحب موصوف عرش معلیٰ کے اوپر اپنی زندگی میں گئے تھے؟

(۸) کیا انہوں نے بارہ برس کی ڈوبی ہوئی کشتی اور سواریاں نکال دی تھیں؟

(۹) پیر صاحب کے متعلق یہ اکثر باتیں "محفل گیارہویں" وغیرہ کتابوں میں چھپی ہوئی ہیں اور تقریروں میں بطور مناقب کے بیان کی جاتی ہیں بنا بریں پیر صاحب کے نعرے لگانا اور مدد کے لیے پکارنا، حاجت روا،

---

۱) اس کی تخریج پیچھے صفحہ پر گذر چکی ہے۔

۲) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

مشکل کشا، سمجھنا عام ہوتا جارہا ہے۔ کیا ایسے عقیدے واعمال درست ہیں؟

(۱۰) قصدیہ غوثیہ وغیرہ میں پیر صاحب کی شان میں لکھے ہوئے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ا۔ حالت درد جگر کس سے کہوں کون سنے — محی الدین آپ ہیں بیمار ہوں شیئاً للہ

ب۔ ہاتھ دو ہاتھ کہ ساحل پہ سفینہ پہنچے — دستگیری کا طالب گار ہوں شیئاً للہ

ج۔ نگاہ لطف غلاموں کی طرف ہو یا غوث — چشم رحمت کا طلبگار ہوں شیئاً للہ

د۔ آپ سے یا شہ جیلاں ہوں مدد کا طالب — بے یارومددگار ہوں شیئاً للہ

ہ۔ جب نزع کی شدت ہو اور جان پہ صدمہ — اس وقت میں آجانا یا سید جیلانی

و۔ نزع میں تو ہی محشر میں اے آقا — نگاہ کرم فرمانا یا سید جیلانی

ز۔ دلوں کے ارادے تمہاری نظر میں — عیاں تم پہ سب بیش وکم غوث اعظم

ح۔ مرادوں کے برلانے والے دوہائی — نہیں تاب رنج والم غوث اعظم

کیا یہ اشعار درست ہیں ان کا پڑھنا سننا کیسا ہے؟ اور جو کوئی ان قصیدوں کا وظیفہ کرے۔ اس کے لیے شرعاً کیا فتویٰ ہے؟

(۱۱) بروئے بغداد دست بستہ باادب کھڑے ہوکر پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی قبر کا تصور باندھنا جس کو عرف میں صلوۃ غوثیہ کہا جاتا ہے اور بغداد کی طرف پیٹھ نہ کرتے ہوئے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنا کیا جائز ودرست ہے؟ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصاً حکم دیا ہے؟ **بینوا بالبرھان توجروا عندالرحمان ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ ولاتخافوا فی اللہ لومۃ لائم۔ واللہ معکم ما کنتم مع الحق.**

سائل حاجی عبدالخالق روشن والا

ج

(۱) عرس کرنا بدعت ہے، صحابہ کرام وتابعین وائمہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہرگز منقول نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو موجب ثواب سمجھنا گناہ ہے۔ **من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد**[۱]۔

(۲) ناجائز اور حرام ہے۔ بہ نیت تقرب بغیر اللہ ذبح کرنا اگرچہ اس پر تسمیہ پڑھا جائے حرام ہوتا ہے۔ البتہ اگر خالص للہ ذبح کیا جاوے اور اس کا ثواب کسی مردہ کو بخش دیا جائے تو اچھا ہے[۲]۔

---

۱) کما فی مشکوۃ المصابیح، کتاب السنۃ باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

۲) کما فی رد المحتار، مطلب فی اھداء ثواب الاعمال للغیر ج ٤ ص ۱۲ طبع مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ۔ وکذا فی الھدیۃ، کتاب الحج باب الحج عن الغیر ص ۳۱٦، ج ۱، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاھور

(۳) احیاء موتی کی کرامت مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اس خرق عادت کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اور بعض اولیاء کے لیے بھی اس کے قائل ہیں۔ یہی دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت پیر رحمۃ اللہ علیہ سے اگر صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو مان لینے میں پس و پیش نہیں کرنی چاہیے (۱)۔

(۴) لڑکے لڑکیاں صرف خداوند کریم ہی دیا کرتا ہے (۲) البتہ اگر ان کی دعا اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں اپنے اختیار سے قبول فرما کر لڑکے عطا فرماوے تو یہ عقیدہ درست ہے اور ہو سکتا ہے (۳)۔

(۵) یہ عقیدہ قطعاً غیر صحیح ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کو سنانا چاہے تو دور سے بھی سنا سکتا ہے (۴)۔

(۶) ان کی تصنیفوں میں یہ قول موجود ہے۔ لیکن یہ قول ان کا علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ مؤول ہے (۵)۔

(۷) قطعاً نہیں نصوص قطعیہ کے خلاف ہے (۶)۔

(۸) کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں محض واعظانہ باتیں ہیں (۷)۔

(۹) صحیح روایات سے کسی کی تعریف کرنی چاہیے۔ غلط روایتوں سے نہیں (۸)۔ استعانۃ مافوق الاسباب صرف اللہ تعالیٰ سے ہو سکتی ہے (۹)۔

---

۱) کما فی ردالمحتار، والحاصل انه لاخلاف عندنا فی ثبوت الکرامة وانما الخلاف فی ماکان من جنس المعجزات الکبار والمعتمد الجواز مطلقا (الخ) کتاب الطلاق مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء والاستخدامات ص ۲۵۳، ج ۵، طبع مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

۲) یخلق ما یشاء یهب لمن یشاء اناثا ویهب لمن یشاء الذکور، سورة شوری آیت ۴۹۔

۳) کما فی رد المحتار، فقال نقض العادة علی سبیل الکرامة وانما الخلاف فی ما کان من جنس المعجزات الکبار والمعتمد الجواز مطلقاً (الخ) کتاب الطلاق مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء والاستخدامات ج ۵ ص ۲۵۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) ان الله یسمع من یشاء، سورة فاطر آیت ۲۲۔

٥) یہ قصہ بے اصل ہے اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں ہے، کفایۃ المفتی ج ۲ ص ۱۲۰، طبع دارالاشاعت کراتشی۔

٦) سبحن الذی اسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام، سورة بنی اسرائیل آیت ۱۔

٧) یہ بے اصل بے سند اور ناقابل اعتماد ھے، کفایة المفتی، ج ۱ ص ۱۱۸، دار الاشاعت کراتشی۔

٧) ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ایک عالم باعمل اور متبع شریعت ولی اللہ تھے، حقانیہ ج ۱ ص ۲۰۳، طبع جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

٩) سورة فاتحة آیت ٤، کما فی جامع الترمذی ابواب صفة القیامة، ج ۲ ص ۷۸، ایچ ایم سعید کراتشی، مر ذکرہ۔

(۱۰) یہ جاہلانہ اشعار ہیں۔ جن میں سے بعض کی تو کوئی تاویل صحیح نہیں ہو سکتی [۱]۔

(۱۱) نہیں یہ طریقہ قطعاً غلط ہے۔ پیر صاحبؒ نے ایسا قطعاً نہیں فرمایا ان کا دامن پاک ہے [۲]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان کیم جمادی الثانیہ ۷۶ھ

مزار پر جانور کو ذبح کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک مینڈھا اس نیت سے خریدا کہ میں اس جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس لے جا کر اللہ کے نام پر ذبح کروں گا اور اس کا ثواب اسی ولی اللہ کو بخشا۔ کیا یہ جانور حلال ہوا یا نہیں۔ کیا مسلمان اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر خالصۃً للہ شرعی طریقہ سے تکبیر کے ساتھ اس جانور کو ذبح کیا ہے۔ تو یہ ذبح درست اور گوشت حلال ہے [۳]۔ لیکن مزار کے پاس لے جانا یا وہاں ذبح کرنے کی تخصیص کرنا درست نہیں آئندہ اس سے احتراز کریں [۴]۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۱۷-۱۲-۹۰ھ

سماع موتیٰ کا قرآن وحدیث سے ثبوت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) کیا سماع موتیٰ قرآن اور حدیث نبوی اور اقوال ائمہ سے ثابت ہے یا نہیں ہمارے وطن میں اس کا بہت جھگڑا ہو رہا ہے۔

(۲) کیا وسیلہ پکڑنا نبی اور ولی وغیرہ کا جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

۲) یہ تمام باتیں بے اصل ہے، کفایۃ المفتی، ج ۱ ص ۱۱۸، طبع دار الاشاعت کراتشی۔

۳) کما فی الشامیۃ وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح، کتاب الذبائح ج ۹ ص ٥٠٤، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) کما فی البزازیۃ، ویکرہ اتخاذ الطعام ...... ونقل الطعام الی القبر فی المواسم (الخ) کتاب الصلوۃ نوع آخر ذھب الی المصلی قبل الجنازۃ (الخ) ج ٤ ص ۸۱، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ (چمن)۔

(۳) کیا نذر لغیر اللہ کرنے والا مشرک ہے یا نہیں اور اس پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے۔
(۴) ختم یعنی میت کے لیے خیرات کرنا۔ کیا وہ پہلے دن جائز ہے یا نہیں۔ تیسرے دن میں کسی کا خلاف ہے یا نہیں۔
(۵) سوال من غیر اللہ یعنی غیر اللہ سے حاجت مانگنا۔ براہ کرم ان مسائل کو مع دلائل قاطعہ بیان کر کے مشکور فرمادیں۔ کیونکہ ہمارے وطن میں اس پر بہت بڑا فساد اٹھتا جارہا ہے اور بریلوی شیخ پیری اس میں لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ بینوا توجروا۔

ج

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (۱) مسئلہ سماع موتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے مختلف فیہا چلا آرہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کا انکار کرتی ہیں اور آیت فانک لاتسمع الموتی سے استدلال کرتی ہیں۔ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل ہیں اور حدیث قلیب بدر سے استدلال کرتے ہیں۔ مفسرین اور محدثین کے مابین بھی یہ مسئلہ موضوع قیل وقال رہا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بحث و تمحیص صرف عالمانہ انداز تک محدود رہنی چاہیے۔ اس کی وجہ سے باہمی نزاع اور جنگ وجدال بغض وحسد ہر دو فریقین میں نہیں ہونا چاہیے۔ نہ سماع موتی کا قول کوئی شرک یا بدعت وغیرہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار کوئی باعث طعن وتشنیع بن سکتا ہے اور نہ منکر سماع کو وہابی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ترجیح میں اختلاف ہے۔ بعض علماء عدم سماع کو راجح قرار دیتے ہیں اور بعض سماع کو۔ ہمارے ہاں قول ثانی راجح ہے۔ فریقین کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔

دلائل قائلین سماع: فی منہیۃ التفسیر المظہری ج ۴ ص ۲۵۳ سورۃ روم) تحت قولہ تعالی فانک لا تسمع الموتی. اخرج مسلم عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک قتلی بدر (الی ان قال) قلت اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الموتی تسمع کلام الحی فمعنی قولہ تعالی انک لاتسمع الموتی باختیارک و قدرتک کما انت تسمع الحی علی ماجری عادۃ اللہ تعالی لکن اللہ تعالیٰ یسمع الموتی کلام الاحیاء اذا شاء اوانک لاتسمع الموتی سماعاً ترتب علیہ الفائدۃ ۱۲ منہ[1]۔ نور اللہ مرقدہ وفی تفسیر

---

۱) کما فی تفسیر المظهری، سورة روم آیت ۵۲، ج ۵ ص ۲۴۲، طبع بلوچستان بک ڈپو، وکذا فی روح المعانی سورة الروم آیت ۵۲، ج ۲۱ ص ۷۹، طبع دار احیاء التراث العربیة، کما فی البخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قلیب بدر فقال هل وجدتم ما وعد ربکم حقاً ثم قال انهم الان یسمعون (الخ) کتاب المغازی باب قصة غزوة بدر ج ۲ ص ۵۶۷ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

الحقانی ج۶ ص ۴۱ (فانک لاتسمع الموتی ولاتسمع الصم الدعاء ۔الایۃ ۔(سورۃ روم ج ۲) ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث واقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے۔ رہے احادیث واقوال ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میت سن نہیں سکتی بلکہ بہت سی احادیث اس بات دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔

ازاں جملہ وہ احادیث جو زیارۃ قبور کی بابت وارد ہیں [1] ۔الخ۔

وفی الحقانی فی آخر ھذا البحث ج۶ص۴۱) رہی یہ بات کہ ان کو قاضی الحاجات مستقل بنا کر پوجا جاوے جو کہ جہلا کا دستور ہے وہ ان کی ممات پر کیا موقوف حیات میں بھی منع ہے۔ ان کے مقابر مقدسہ سے فیوض وبرکات بیشک جاری ہیں۔ وقال عبدالحی اللکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ ج۲ص ۲۶۰ (کتاب الاذان) حاشیہ نمبر۷) الرابع ان قولھم فی بحث الکلام یخالف الاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی ان المیت یسمع سلام من یسلم علیہ و یجیب السلام و یفھم کلام الاحیاء وھی مرویۃ فی الصحیحین و غیرھما واماردعائشۃ رضی اللہ عنھا بعض تلک الاحادیث فلم یعتدبہ جمھور الصحابۃ ومن بعدھم و اماقولہ تعالیٰ انک لاتسمع الموتی ففیہ نفی الاسماع لاالسماع علی ان الصحیح ان المراد بالموتی ھناک موتی القلوب وھم الکفار لا الاموات العرفیۃ (الی ان قال) وبالجملۃ لم یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکہ وفھمہ وتألمہ لامن الکتاب ولامن السنۃ بل السنن الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھالہ. الخ. ھکذا فی شرح النقایۃ لملا علی القاریؒ.

سوانح قاسمی ج۲ص۲۹ پر ہے۔ آپ کے (مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند) تلمیذ سعد منصور علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات میں آپ کے مسلک کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ "بزرگوں کے مزار پر جایا کرتے تھے دعا کر کے چلے آتے" آگے صراحۃً اپنی یہ شہادت قلم بند کی ہے کہ سماع لاولیاء اللہ کے قائل تھے اور قائل ہی نہیں بلکہ آگے لکھتے ہیں۔الخ وفی روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۵ تا ۵۸ بعد

---

۱) کما فی مشکوۃ المصابیح، عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ فقال السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر، رواہ الترمذی، باب زیارۃ القبور ج ۱ ص ۱۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ماذکرادلة الجانبین. والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة وهذا علی احدوجهین[1]۔الخ

دلیل فریق اول: وقال فی المرقاة شرح المشکوة (ج ا ص ۳۳۹ باب اثبات عذاب القبر) تحت حدیث انه لیسمع قرع نعالهم. قیل ای یسمع صوتها لو کان حیافان جسده قبل ان یاتیه الملک فیقعده میت لایحس بشی وهو ضعیف اذثبت بالاحادیث ان المیت یعلم من یکفنه[۳] ومن یصلی علیه ومن یحمله، ومن یدفنه. وقال ابن الملک ای صوت دقها وفیه دلالة علی حیاة المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاة ممتنع عادة۔الخ۔

دلائل فریق ثانی: مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوی رشیدیہ ص ۸۷ پر ارشادفرماتے ہیں[۲] اور یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے۔اس کا فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا تلقین کرنا بعد دفن کے اس پر ہی مبنی ہے۔ جس پر عمل کرے درست ہے۔

وفی فتح القدیر[۳] ج اص ۴۴۷ ویشکل علیهم مافی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا اللهم الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه و بین الایتین۔الخ۔

(۴) وسیلہ انبیاء علیہم السلام کا اور اولیاء رحمہم اللہ کا پکڑنا جائز ہے اور ثابت ہے۔ کما قال فی وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفی لنورالدین علی ابن احمد السمهودی المتوفی ۹۱۱ ج ۴ ص ۱۳۷۱ اعلم ان الاستغاثة بالنبی صلی الله علیه وسلم وبجاهه وبرکته الی ربه تعالیٰ من فعل الانبیاء والمرسلین و سیرالسلف الصالحین واقع فی کل حال قبل خلقه صلی الله علیه وسلم وبعد خلقه فی حیاته الدنیویة ومدة البرزخ وعرصات القیامة. الخ. (ذکر فیه احادیث و روایات ودلائل تشفی العلیل وتروی الغلیل) وقال فیه الحال الثانی التوسل به صلی الله علیه وسلم بعد خلقه فی مدة حیاته فی الدنیا منه مارواه جماعة منهم النسائی والترمذی فی الدعوات عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصراتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ادع الله لی ان یعافینی قال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیرلک قال فادعه

---

۱) کما فی روح المعانی، سورۃ روم آیت ۵۲، ج ۲۱ ص ۷۹، طبع دار احیاء التراث العربیة۔

۲) وفی فتح القدیر: باب الجنائز، ج ۲ ص ۶۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کما فی مرقاة المفاتیح، کتاب الایمان باب اثبات عذاب القبر، ج ۱ ص ۳۱۳، طبع دار الکتب العربیة بیروت لبنان۔

٤) تالیفات رشیدیہ ص ۱۰۸، ادارہ اسلامیات لاہور۔

فامره ان یتوضا فیحسن و ضوئه ویدعو بهذا الدعاء اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی لتقضی لی اللهم شفعه فی قال الترمذی حسن صحیح غریب لانعرفه الامن هذا الوجه و صححه البیهقی وزادفقام وقدابصروفی روایة ففعل الرجل فبرأ. وفی صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۳۷ (باب الاستسقاء[۱]) عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا کنانتوسل الیک بنبینا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانه نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقوا[۱]۔(۳) نذرلغیر اللہ باطل ہےاورحرام ہےاوراگر غیراللہ کومتصرف فی الامور سمجھےتو شرک وکفر ہے۔ کما قال فی الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۹ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام. الخ. وقال الشامی تحته (قول باطل وحرام) لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز ولانه عبادة والعبادة لاتکون لمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت لایملک ومنها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ و اعتقاده ذلک کفر[۲]. الخ. (۴) میت کے لیےاگرخیرات کرنااس قسم کا ہوکہ اس میں برائے ایصال ثواب قرآن شریف یابعض سورتوں کاختم کرایاجائےاوراس میں حفاظ اورقراءکودعوت دی جائےتو یہ تو نہ تین دن سے پہلے جائز ہےاورنہ تین دن کے بعدکسی وقت جائز ہے۔قرأۃ قرآن لاجل الاکل نیزاطعام لاجل قرأۃ القرآن ہردونوں ناجائز ہے[۳]

---

۱) وابتغوا الیه الوسیلة، سورة مائدة آیت ۳۵، وکذا فی مشکوۃ المصابیح باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۲، قدیمی کتب خانه کراتشی۔

۲) کما فی رد المحتار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات ج ۳ ص ۴۹۱، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

وکذا فی صحیح البخاری عن انس بن مالك رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا کنا نتوسل الیك بنبینا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا قال فیسقوا، باب الاستسقاء ج ۱ ص ۱۳۷، طبع قدیمی کتب خانه۔

۳) کما فی البزازیه واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم (الخ) کتاب الصلوٰة نوع اخر ذهب الی المصلی، ص ۸۱، ج ٤، مکتبه علوم اسلامیه، چمن وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوٰة مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، ص ۱۷٤، ج ۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

اور اگر مجرد کھانا کھلانا ہو تو تین روز کے اندر درست نہیں ہے اور تین دن کے بعد جائز ہے[1] اور اگر نقدی یا کوئی جنس تقسیم کرنا ہو یا فقراء کے لیے دعوت وضیافت کرنا ہو تو وہ ہر وقت جائز ہے۔ کما قال فی العالمگیریہ ج ۱ ص ۱۷۸ ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام کذافی التتار خانیة[2]. وفی البزازیة علی هامش العالمگیرة ج ۶ ص ۷۶ ویکره اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانها ایام غم فلایلیق فیها مایختص باظهار السرور و ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا ولو فی الترکة صغار لا یتخذ منها وهکذا فی الشامیة فی کتاب الجنائز[3].

(۵) غیر اللہ سے مافوق الاسباب اشیاء کا سوال کرنا متصرف فی الامور سمجھ کر شرک ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبد اللطیف غفر لہ معین مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۱۔۳۔۱۳۸۷ھ

پیران پیر کو متصرف ماننا
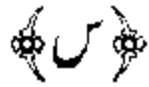
کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہر چاند کی گیارھویں تاریخ کو پیران پیر صاحب کو متصرف مان کر اور انہی کے نام پر نیاز و نذر کر کے دودھ خیرات کرے اور ساتھ یہ بھی خیال کرے کہ اگر میں نے یہ گیارھویں نہ کی تو میرے مال میں تباہی ہو جائے گی ایسے حالات کے ماتحت جو دودھ دیا گیا ہو اسے فقیر استعمال کر سکتا ہے۔ یعنی پی سکتا ہے یا کہ وہ دودھ اس کے ایسے اعتقاد سے حرام اور نجس ہو جاتا ہے۔

---

۱) کما فی ردالمحتار، ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث (الخ) کتاب الصلوة مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، ص ۱۷۶، ج ۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه، وکذا فی البزازیة، کتاب الصلوة نوع افرذهب الی المصلی، ص ۸۱، ج ٤، طبع مکتبه علوم اسلامیه، چمن۔

۲) کما فی الهندیة، کتاب الصلوة الحاوی والعشرون الفصل السادس ص ۱٤۷، ج ۱، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی ردالمحتار، کتاب الصلوة مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، ص ۱۷۵، ج ۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

٤) ولاتدع من دون الله، سورة یونس آیت ۱۰٤، وکذا فی جامع الترمذی، ابواب صفة القیمة، ص ۷۸، ج ۲، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔

(۲) متولیان یتیم اگر یتیم کے مال سے مثلاً قل خوانی وغیرہ یا صدقہ کریں مثلاً فقراء کو بلا کر کھلائیں تو وہ کھانا ان فقراء کے لیے جائز ہے یا نہ؟ درست ہے کہ متولیان یتیم کے مال کی ضمانت ادا کریں گے لیکن ایسے خرچ کرنے میں فقراء کے لیے ایسا کھانا حلال ہے یا حرام؟ جبکہ فقراء کو اس کا علم بھی ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ اگر ہم فقراء نہ کھائیں گے تو کسی اور بلا کر ضرور کھلائیں گے۔

﴿ج﴾

(۱) یہ عقیدہ کہ پیران پیر متصرف ہیں یا اگر میں نے گیارہویں کو دودھ نہ دیا تو مجھے نقصان پہنچے گا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے[۱]۔ اب اس شخص نے اگر پیران پیر کے نام کی نذر مان لی ہے تو اس دودھ کا پینا جائز نہیں[۲] اور اگر بغیر نذر مانے دے رہا ہے تو اس کا پینا جائز ہے[۳]۔

(۲) یتیم کے مال سے صدقہ کرنے کا ولی کو اختیار نہیں ہے۔ اس لیے اس کا کھانا قطعاً حرام ہے۔ غصب کردہ چیز سے ضمان ادا کرنے سے پہلے انتفاع حرام ہوتا ہے۔ تو قبل ضمان ادا کرنے کے اس کا کھانا قطعاً جائز نہیں اور ضمان بھی کہاں ادا کیا جاتا ہے۔ آج کل تو العیاذ باللہ یتیم کے مال کو مباح سمجھا جاتا ہے۔ باقی یہ کہ دوسری جگہ ضرور کسی کو دے گا محض بیکار بات ہے۔ دوسرے کے لیے بھی کھانا جائز نہ ہوگا تو اگر کوئی ناجائز کرے تو اس سے تمہاری کیا غرض اللہ تعالیٰ سب کو بچائے[۴]۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ۔ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲/ رجب المرجب ۷۶ھ

---

۱) سورۃ اعراف، آیت ۸۸، سورۃ جن، آیت ۲۱، کذا فی ردالمحتار، ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذالك كفر، كتاب الصوم مطلب في النذر الذي يقع للاموات، ص ۴۹۱، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما في ردالمحتار، كتاب الصوم مطلب في النذر الذي يقع للاموات، ص ۴۹۱، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کما في ردالمحتار، مطلب في اهداء ثواب الاعمال للغير، ص ۱۲۰، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

وكذا في الهداية، ان الانسان لهٗ ان يجعل ثواب عمله لغيره، كتاب الحج باب الحج عن الغير، ص ۳۱۶، ج ۱، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

۴) ان الذين ياكلون اموال اليتامى ظلما انما ياكلون في بطونهم نارا وسيصلون سعيراً، سورة النساء آيت، وكذا في الهندية، وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً اذا كانت الورثة بالغين فان كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة، كذا في التاتار خانية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر ج ۵ ص ۳۴۴، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

گیارہویں شریف کو دودھ تقسیم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گیارھویں کا دودھ اس نیت سے تقسیم کرتا ہے کہ اگر میں اس دودھ کو ہر گیارہویں تاریخ پر تقسیم نہیں کروں گا تو میری گائے بھینس مرجائے گی اور پیران پیر صاحب ناراض ہو جائیں گے تو اس عقیدہ شرکیہ کے تحت وہ دودھ جو صدقہ فقراء ومساکین پر کرتا ہے وہ دودھ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ فقط فقراء استعمال کر سکتے ہیں یا ہر متصدق علیہ خواہ غنی ہو یا فقیر استعمال کر سکتا ہے۔ یا دودھ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔ مستفتی عبدالقادر متعلم مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ان تعینات وعقائد کے ساتھ جو دودھ تقسیم کیا جائے یہ **مااهل به لغير الله** میں داخل ہے [1] اور اس کا استعمال غنی وفقیر ہر ایک کے لیے ناجائز اور حرام ہے۔ **قال في البحر الرائق ج۲ ص ۲۹۸ مطبوعه مصر. و منها ان المنذور له ميت و الميت لايملک ومنها ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالىٰ فاعتقاده ذلک كفر اللهم الا ان قال يا الله انى نذرت لک ان شفيت مريضى. الخ وفيه بعد اسطر فاذا علمت هذا فما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها وينقل الى ضرائح الاولياء تقربا اليهم فحرام باجماع المسلمين مالم يقصدوا بصرفها للفقراء الاحياء قولا واحدا** [2] ...... اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۸ پر یوں مذکور ہے یہ تعینات بدعت ضلالہ ہیں اور طعام میں اگر نیت ایصال ثواب کی ہے تو طعام مباح اور صدقہ ہے [3] اور جو نام ان اکابر کے ہے تو داخل **ما اهل به لغير الله** میں ہے اور حرام ہے اور ایسے عقائد فاسدہ موجب کفر کے ہیں۔ ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہیے مگر مسلم کے فعل کی تاویل لازم ہے جیسا اوپر کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۴-۴-۸۵ھ

---

۱) سورة البقرة آیت ۱۷۳۔

۲) كما في البحر الرائق كتاب الصوم فصل في النذر ج ۲ ص ۵۲۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) كما في الهداية ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره، كتاب الحج باب الحج عن الغير ج۱ ص ۳۱۶، طبع مكتبه رحمانيه لاهور، وكذا في رد المحتار، مطلب في اهداء ثواب الاعمال للغير ج ٤ ص ۱۲، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ عنوان پیران پیر کو متصرف ماننا، طبع اداره اسلاميات لاهور۔

پیر کو حال پر مطلع سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید گیارھویں دیتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ پیر میرے حال پر مطلع ہے اور اگر میں گیارہویں نہ دوں تو مال میں نقصان ہوگا یا دودھ میں کمی ہو جائے گی یا مکھن تھوڑا آئے گا یہ عقیدہ رکھ کر دودھ نکالتا ہے اور پھر ایصال ثواب کرتا ہے۔ کیا اس عقیدہ والی گیارہویں شرک ہے یا نہیں پھر اس دودھ کا پینا حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بغیر نذر ماننے کے اگر گیارھویں تاریخ کو خیرات کر کے ثواب حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؒ کی روح کو بخشے تو نہ کھانا حرام ہے اور نہ مشتبہ [1]۔ البتہ یہ عقیدہ کہ اس دن ثواب صدقہ کا زیادہ ملتا ہے تو یہ عقیدہ فاسدہ ہے اور بدعت ہے [2] اور عقیدہ کہ حضرت پیر کو ہر وقت میری بات اور اعمال کا علم ہوتا ہے عقیدہ شرکیہ ہے۔ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ **وعنده مفاتح الغيب لايعلمها الاهو الاية** [3]۔ نیز یہ کہ اگر یہ خیرات نہ کروں تو نقصان پہنچے گا یہ عقیدہ بھی فاسدہ ہے اس سے توبہ کرنا چاہیے۔ بزرگوں کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچنا تو ان کی شان کی تنقیص و توہین ہے۔ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اس سے بالا ہے کہ ان سے کسی کو نقصان پہنچے [4]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غیر اللہ کی نذر ماننا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ غیر اللہ کی نذر جائز ہے یا کہ نہیں

---

۱) كذا في الهداية، كتاب الحج باب الحج عن الغير، ج ۱ ص ۳۱٦، طبع مكتبه رحمانيه لاهور، مر ذكره مراراً۔

وكذا في رد المحتار، مطلب في اهداء ثواب الاعمال للغير ج ٤ ص ۱۲، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في مشكوة المصابيح، عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد متفق عليه، كتاب السنة باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قديمي كتب خانه كراتشي۔

۳) سورة الانعام، آيت ٥٩، قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله، سورة النحل آيت ٦٥۔

٤) قل لا املك لنفسي نفعاً ولا ضراً الا ما شاء الله، سورة الاعراف آيت ۸۸۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واضح رہے کہ نذر کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ نذر بزرگوں کے نام کی ہو یعنی ان سے بزرگوں کا تقرب مقصود ہو۔ تو اس کا کرنا اور کھانا حرام اور سخت گناہ ہے۔ بلکہ تقرب الی غیر اللہ میں خوف کفر ہے۔ کیونکہ یہ نذر غیر اللہ ہے جس کی صریح ممانعت احادیث صریحہ میں وارد ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے۔ لانذر الا فیما ابتغی به وجه الله۔ درمختار ص۱۳۹ ج۲ میں ہے۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل و حرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الانام و قد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی هذه الاعصار (الی قوله) لانه حرام بل سحت۔ الخ۔ ردالمختار میں ہے۔قوله باطل و حرام لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لاتکون لمخلوق (الی قوله) ومنها ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالی فاعتقاده ذلک کفر اللهم الا ان قال یاالله انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی اوقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة النفیسة. الی قوله. ممایکون فیه نفع للفقراء والنذر لله عزوجل و ذکر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقه[1]۔ الخ۔ (عن البحر)

دوسری صورت یہ ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے نام کی اور اس کی رضا و تقرب کے لیے ہو صرف اتنا کیا جائے کہ ایصال ثواب کسی بزرگ کی روح کو کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ کما فی الشامیة ۱۳۹ ۲ قوله مالم یقصدوا الخ. ای بان تکون صیغة النذر لله تعالی للتقرب الیه ویکون ذکر الشیخ مرادابا فقراء ہ کما مر ولا یخفی ان له الصرف الی غیرهم کما مر سابقا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸۔۲۔۹۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۸۔۲۔۱۳۹۸ھ

---

۱) کما فی رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للاموات ج ۳ ص ۴۹۱، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) بحواله بالا۔

سیّد عبدالقادر کے نام

﴿س﴾

ا۔ زید نے نذر مانی کہ میری فلانی حاجت میری مراد کے مطابق پوری ہو جائے تو میں سید عبدالقادر رحمہ اللہ کے نام پر بکرا دوں گا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت میری نذر سے مطلع ہیں کہ فلاں مرید نے اپنے اوپر نذر کی ہے کہ بکرا اللہ کی نذر ہے اور ثواب حضرت صاحب کے لیے ہے تا کہ حضرت میرے کام میں شفاعت کریں۔ یہ عقیدہ شرک ہے یا نہیں۔

۲۔ زید نے نذر کسی بزرگ کے نام پر مانی ہے اسی عقیدہ کے ساتھ طعام منذور کو تقسیم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا تصور تک بھی اس کو نہیں کہ ثواب اس عمل کا اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس بزرگ کو پہنچے تو ایسا شخص عندالشرع مشرک ہے یا مسلمان اور منذور شدہ طعام کھانا حلال ہے یا حرام۔ بینوا و توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) اگر نذر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مانی اور دل میں یہ تھا کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کو بخش دوں گا تو یہ نذر صحیح ہے اور اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن اگر نذر کے وقت ان بزرگ کا نام کیا تو نذر صحیح نہیں **واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل و حرام. بوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لاتکون الالله**[1]۔ الخ۔

تو تقرب الی غیر اللہ میں خوف کفر ہے اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو بچائے اس صورت میں جب منذور لغیر اللہ ہوا اور تقرب کسی بزرگ کا ہو۔

(۲) وہ چیز بھی حرام ہے۔ **قال الشامی ولانه حرام بل سحت**[2]۔ فقط واللہ اعلم۔ مفتی محمود عفا اللہ عنہ

---

۱) کما فی ردالمحتار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات، ص ۴۹۱، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصوم فصل فی النذر ص ۵۲۰، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما فی ردالمحتار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات، ص ۴۹۱، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

پیر کی گائے

﴿س﴾

(۱) ایک شہر میں صدیوں سے ذبائح آرہے ہیں اب فی زمانہ ان کا نام پیر کی گائے مشہور و مروج ہے۔ چھوٹے بڑے اسی نام سے بتایا کرتے ہیں۔ یہ ذبائح اس طریقہ سے ہوتے ہیں کہ چند آدمی مل کر شہر کے تمام گھروں سے بطور چندہ گندم، چنا، روپیہ وصول کر لیتے ہیں اور عام لوگ یہی کہتے ہیں کہ ذبائح پیر کی گائے کے لیے خیرات جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اس چندہ سے گائے خرید لیتے ہیں۔ بعدہ ذبح باسم اللہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ ذبائح حرام ہیں یا نہیں کیا حکم ہے۔

(۲) اکثر اوقات خیرات کے نام کا چندہ لیتے ہیں لیکن اگر کچھ چندہ اس شرط پر دیا گیا ہو کہ یہ پیر کی گائے کے لیے ہے۔ اگر ایسے شخص کا حصہ بھی اس میں داخل ہو تو اس میں خرابی ہے یا نہیں۔

(۳) ہمارے وطن میں یہ رواج ہے کہ کسی کو ایک مہم درپیش ہو یا کوئی حاجت ہو تو کہہ دیتا ہے کہ میرا کام ہو جائے تو میرا بکرا یا یہ گائے بندۂ مردہ کا ہے یہ ذبیحہ اور نذر کیسی ہے۔

﴿ج﴾

ہر جانور جو غیر اللہ کے نامزد کرایا جائے بایں صورت کہ اس سے غیر اللہ (بزرگ یا پیر یا فرشتہ یا بادشاہ) کی خوشنودی اور تقرب مقصود ہو تو وہ **ما اھل بہ لغیر اللہ** کے تحت داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے۔ چاہے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام پڑھے۔ اس کا کھانا اور استعمال کرنا شرعاً حرام ہے[۱] جب تک اس کا مالک تائب ہو کر غیر اللہ کی نامزدگی اور شہرت کو ختم نہ کرے اور ایسے جانور کے لیے جو پیر کا نامزد ہو چندہ لینا اور جمع کرنا دونوں حرام ہیں۔ زیادہ تفصیل بیان القرآن، تفسیر مظہری، ترجمہ قرآن مجید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ میں دیکھ لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاکِ شفا کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مطلقاً مٹی کا کھانا جائز ہے یا حرام اور خاکِ شفا کا حکم کیا ہے۔ شریعت مطہرہ اور احادیث صحیحہ کی رو سے واضح فرماویں۔ عبدالرشید

---

۱) ما اھل بہ لغیر اللہ، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۳ ...... وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی یقع للاموات ص ۴۹۱، ج ۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم فصل فی النذر، ص ۵۲۰، ج ۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی بیان القرآن، مااھل بہ لغیر اللہ، ص ۹۷، ج ۱، طبع ایچ ایم سعید کمپنی

﴿ج﴾

مٹی کا کھانا مطلقاً حرام ہے اگر چہ مٹی پاک ہے لیکن ضروری نہیں کہ جو چیز پاک ہو اس کا کھانا بھی حلال ہو۔ البتہ ضرورۃً قدر قلیل کھانا جائز ہے جیسا کہ چونا جو کہ جنس زمین میں سے ہے پان پر لگا کر تھوڑا سا کھانا جائز ہے۔ اسی طرح متبرک مٹی مثلاً خاک شفا اس کو اگر اس طرح استعمال کیا جائے کہ پانی میں ڈال کر پانی کو نتھار کر پئیں تو جائز ہوگا۔ کیونکہ مٹی نیچے بیٹھ جائے گی اور اس کی برکت پانی کے ذریعہ سے حاصل ہو جائے گی۔ وذکر شمس الائمه الحلوانی اذا کان یخاف علی نفسه انه لو اکله اورثه ذلک علة او افة لایباح له التناول و ان کان یتناول منه قلیلا او کان یفعل ذلک احیانا لاباس به کذا فی المحیط[1]۔ (عالمگیری ج۴ص۱۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴ رمضان ۱۳۹۴ھ

پیر کے قائم کردہ کنویں سے شفا کا عقیدہ

﴿س﴾

علماء دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی پیر صاحب یا سید صاحب ایک چاہ کھدوا کر تیار کرالیں تو پھر اس چاہ کے پانی میں غسل کرنا اس ارادہ سے کہ یہ چاہ سید صاحب نے یا پیر صاحب نے تیار کیا ہے۔ وہاں پر عورت اور مرد ہجوم کے ہجوم جا کر غسل کر لیں تو ان کو ہر ایک مرض سے شفا ہو جائے گی اور دعا بھی قبول ہوگی کیا ایسی صورت میں وہاں پر غسل کرنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

تبرک بآثار الصالحین اگر چہ جائز ہے[2] لیکن جہاں پر فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہو اور عوام مسلمین کے اعتقاد

---

۱) عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الحادی عشر فی الکراهة فی الاکل، ج ۵، ص ۳۴۰، مکتبه رشیدیه کوئٹه وفیه ایضاً: اکل الطین مکروه ...... بحواله بالا۔
وهکذا فی المحیط البرهانی، اکل الطین مکروه .... وان کان یتناول منه قلیلاً وکان یفعل ذلك احیاناً لا باس به، کتاب الکراهية والاستحسان، باب الکراهة فی الاکل، ج ٦ ص ۹، مکتبه غفاریة کوئٹه۔ ومثل هذا فی خلاصة الفتاوی: "وفی الفتاوی اکل الطین مکروه لانه تشبه بفرعون"۔

۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: اتخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم خاتماً من ورق وکان فی یده ثم کان بعد فی ید ابی بکر، ثم کان بعد فی ید عمر، ثم کان بعد فی ید عثمان، حتی وقع بعد فی بئر اریس ...... (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقش الخاتم، ج ۲ ص ۸۷۲، قدیمی کتب خانه)
وفی فتح الباری: وفیه استعمال آثار الصالحین ولباس ملابسهم علی جهة التبرك والتیمن بها، (کتاب اللباس، باب هل یجعل نقش الخاتم ثلاثة اسطر؟ ج ۱۱ ص ۵۱۷، دار الفکر بیروت) (وهکذا فی الشامی: کتاب الصلوة، مطلب فی زیارة القبور، ج ۳ ص ۱۷۸، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو وہاں پر ایسی خرافات کی گنجائش نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شجرہ مبارکہ کو بیخ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمانوں کے لیے باعث فتنہ بن جائے لہٰذا مسلمانوں کو ایسے مقام پر جانا جائز نہ ہوگا[1]۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۵ صفر المظفر ۷۲ھ

محرم میں سبیلیں لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ محرم کے اول عشرہ میں جگہ جگہ سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور نیاز بصورت کھانا بنام حضرت حسین رضی اللہ عنہ دی جاتی ہے۔ کیا ان سبیلوں سے پانی پینا یا نیاز کا کھانا کھانا جائز ہے۔ بعض حضرات ان دنوں میں خالصاً للہ بھی لوگوں کو پانی پلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں لیکن یہ تخصیص کرنا کہ کونسا للّٰہی ہے اور کونسا غیر للّٰہی ہے مشکل ہے۔ کیا ان سبیلوں میں جو للّٰہی ہیں کچھ عطیہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ السائل نصر الدین نشاط روڈ ملتان شہر۔

﴿ج﴾

جو سبیل نذر حسین رضی اللہ عنہ لگائی گئی ہو یا کھانا نذر لغیر اللہ ہو تو اس سبیل سے پانی پینا اور یہ کھانا جائز نہیں ہے[2] البتہ کوئی خالص للہ پانی پلاتا ہو، اس کا پینا اور پلانا بھی جائز ہے[3]۔ دن کی تخصیص سے پینے کا ناجائز ہونا لازم نہیں آتا اگرچہ تخصیص فی نفسہ بدعت ہے[4]۔ واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) المشهور ان الناس كانوا ياتونها فيصلون عندها فبلغ ذلك عمر رضی الله عنه فامر بقطعها خشية الفتنة بها لقرب الجاهلية وعبادة غير الله تعالى فيهم (تفسير روح المعانی للالوسی، سورة الفتح، ج ۲۶ ص ۳٦٤، دار احياء التراث العربی بيروت، وفی الدر المختار: اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام، كتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۱۷٦، طبع ایچ ایم سعید۔

۲) كما فی الدر المختار مع رد المحتار: واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اكثر العوام ...... فهو بالإجماع باطل وحرام ...... قال ابن عابدين رحمه الله لوجوه: منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز ...... الخ، كتاب الصوم، مطلب النذر الذی يقع للاموات، ج ۳ ص ٤۹۱، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد۔

وهكذا فی البحر الرائق: كتاب الصوم، فصل فی النذر، ج ۲ ص ۵۲۰، مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) كما فی الدر المختار مع رد المحتار: ای بان تكون صيغة النذر لله تعالى للتقرب اليه ويكون ذكر الشيخ مراداً به فقراء ه (بحواله بالا)

(۳) كما مر فی البزازية على هامش العالمگيرية: ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد ...... الخ۔

كتاب الصلوة، الباب الخامس والعشرون فی الجنائز، ج ٤ ص ۸۱، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وهكذا فی الشامية: كتاب الصلوة، مطلب كراهة الضيافة من اهل البيت، ج ۲ ص ۱۷٦، رشيديه كوئته طبع جديدسومثل هذا فی مجموعة الفتاوی: ابواب الجنائز، ج ۱ ص ۱۹۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

بارش کے لیے مزار کو غسل دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک علاقہ چوٹی بالا ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک بزرگ علی شاہ تالی کا مزار ہے اس کے متعلقین نے مشہور کر رکھا ہے کہ صاحب القبر نے اپنی حیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب بارش بند ہو جائے تو دو تو میں صاحبانی عالیانی صرف میرے مزار کو اس صورت میں غسل دیں کہ ایک نوعمر نابالغ لڑکی کسی قریب کے کنوئیں سے پانی بھر لائے اور پانی کے ساتھ چوب صندل گاجنی وگل سرشوئی تیل سرم ہی یہ چیزیں شامل ہوں تو غسل دینے والے کا بند بارانی ٹوٹ کر آباد ہو جائے گا۔ کیا اس طریقہ پر غسل دینا اور اس فعل کے مرتکب اور طریق حسن بتلانے والے کا کیا حکم ہے۔ نیز اگر کوئی یہ کہے کہ نزول بارش تو من جانب اللہ ہے لیکن تسکینا اور تبرکا اور حسب ارشاد ولی ہم کام کرتے ہیں ایسے آدمی کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اس قسم کی افواہوں پر اعتبار کر کے ایسے امور کسی نیک آدمی کی جانب منسوب کرنا ایک بہتان عظیم ہے جو اولیاء پر باندھا جاتا ہے اگر کوئی شخص ولی ہے تو وہ ضرور متبع سنت ہوگا اتباع سنت ہی ولایت ہے [1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ارشاد فرماتے ہیں **لاتجعلوا قبری وثنا یعبد او کما قال** [2]۔ جب سید القبور کے متعلق یہ ارشاد ہے تو ولی ہو کر کوئی ایسی وصیت کیسے کر سکتا ہے قبر کو ہاتھ لگانے کو تمام فقہاء نے مکروہ کہا ہے صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت شاذہ ہے کہ والدین کی قبر کو ہاتھ لگانا جائز ہے [3]۔ تو پھر غسل دینا اور اس ہیئت سے رہنا کیسے جائز ہوگا۔ اگر بالفرض وصیت کی ہو تو ایسی وصیت کسی کے لیے قابل عمل نہیں ہے [4]۔ **ھو الذی ینزل**

---

۱) كما في قوله تعالى: ان اولياء ه الا المتقون، سورة الانفال، آيت ٣٤۔

۲) لم اجد عينه ولكن وجدت مثله في جامع الاصول: اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد۔ الحديث، الفرع الرابع في امكنة الصلوة، حديث (٣٦٧٢) ج ٥ ص ٤٨٥، دار الكتب علميه بيروت۔

۳) ولا يمسح القبر ولا يقبله فان ذلك من عادة النصارى ولا باس بتقبيل قبر والديه، العالمگيرى، كتاب الكراهية، باب سادس عشر في زيارة القبور، ج ١ ص ٣٥١، بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔
وهكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ج ٣ ص ١٨٣، مكتبه رشيديه كوئٹه طبع جديد۔
ومثل هذا في حاشية الطحطاوى: كتاب الصلوة، باب زيارة القبور، ص ٦٢٤، درا الكتب العلمية، بيروت۔

٤) اوصى بان يصلى عليه فلان .... او يطين قبره او يضرب على قبره قبة ...... فهي باطلة، در مختار، كتاب الوصايا، ج ١٠ ص ٣٨١، مكتبه رشيديه كوئٹه طبع جديد۔

الغيث صراحةً[۱] حصر کے لیے ہے۔ ایسے عقیدہ کو ترک کر دینا ضروری ہے خداوند عالم کی طرف رجوع فرما کر اولیاء کو دعا میں توسل کے طریقہ پر ذکر کر لیا کریں[۲]۔ فقط اللہ واعلم۔ مفتی محمود عفا اللہ عنہ

نقصان سے بچنے کے لیے بزرگوں کے خاندان کو رقم دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے زمانہ میں ایک شہر جس کا نام درازندہ ہے دشمنوں اور ڈاکوؤں نے اسے لوٹا تھا اور نقصان پہنچایا تھا۔ اس شہر کے لوگ ہمارے خاندان کے ایک بڑے دادا کو ایک گاؤں سے لائے جو کہ ابتدا دور میں ایک یتیم لڑکا تھا اور ہر ایک شہری نے اسے ایک کیل یعنی ٹوپہ اپنے اوپر مقرر کیا۔ لوگوں نے اس آدمی کو (نیک) اور خان صاحب مان کر یہ برتاؤ شروع کیا اور بزرگی اور خان صاحبی کا ٹوپہ ہر شخص دیتا رہا۔ جسے اصطلاح قوم میں بوہل کہتے ہیں۔ جب وہ شخص فوت ہو چکا تو لوگ ہمارے خاندان کو یہ بوہل کا ٹوپہ دیتے رہے۔ آج تک یہ سلسلہ چلتا رہا ہے۔ لوگ اس شخص کو بزرگ سمجھتے ہیں اور لوگ بھی اسی نیت سے دیتے ہیں تو کیا شرعاً ان کا دینا اور ہمیں لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اس اعتقاد پر یہ ٹوپہ دینا کہ اگر یہ نہ دیا گیا تو ہمارے مال و جان کو نقصان پہنچے گا، شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی لینے والوں کا یہ خیال ہونا چاہیے کہ ضرور حسب دستور ہم کو وہ ٹوپہ ملنا چاہیے۔ ورنہ یہ ہمارے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ پس اگر دونوں طرف سے یہ خیالات و اعتقادات معدوم ہیں تو پھر لینے دینے میں کوئی حرج نہیں[۳]۔

---

۱) سورة لقمان، ٣٤۔

۲) وقد عد من آداب الدعاء التوسل ...... الخ، الشامية: كتاب الحظر والإباحة، ج ٩ ص ٦٥٤، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد۔

۳) قل لا املك لنفسي نفعاً ولا ضراً الا ما شآء الله، الاعراف ٨٨۔

قال ابن عابدين النذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق ...... اللهم الا ان يقال ياالله انى نذرت لك ان شفيت مريضى او ...... ان اطعم الفقراء الذى بباب السيدة نفسية ...... الخ، شامى، كتاب الصوم، باب النذر الذى يقع للاموات، ج ٣ ص ٤٩١، رشيديه كوئته طبع جديد۔

وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى النذر، ج ٢٠ ص ٥٢٠، رشيديه كوئته۔

عقائد و اعمال کی بعض بدعات و رسومات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چند مولوی صاحبان فرماتے ہیں کہ:

(۱) نبیوں کو بھائی کہنا کفر ہے۔(۲) یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہے۔(۳) زیارت و مقام سے مٹی لے کر پانی کے ساتھ ملا کر پینا درست ہے۔(۴) عید کے دن سعی ضروری ہے عید کی نماز ملے یا نہ ملے۔(۵) میت کو غسل دینے کے بعد دو آدمی ایک مولوی صاحب دوسرا اور کوئی قرآن شریف کو دونوں ہاتھوں سے لے کر مولوی صاحب یہ کہتا ہے کہ یہ قرآن میرا ملک ہے۔ وہ بھی مولوی سے نقل کرتے ہیں۔ اس میت کو آج سے لے کر بلوغ تک جو احکام خداوندی اس سے گزرے ہیں بحرمت اس کلام پاک کے اللہ سب کو بخشے حتیٰ کہ دس وارث بھی ویسے کرتے ہیں۔(۶) میت کے ساتھ قرآن کریم کو قبر تک لے جانا (۷) میت کے دفن کے بعد اذان کہنے کو ضروری سمجھنا۔(۸) عاشورہ کے دن کچی ٹہنی وغیرہ قبر پر رکھتے ہیں۔ ان تمام سوالات کا قرآن و حدیث سے جواب عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔(۱) نبیوں کو بھائی کہنا اس معنی میں کہ وہ انسان اور بشر ہیں، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں صحیح اور درست ہے۔ کلام پاک میں اللہ جل مجدہ نے انبیاء کو رجال (مرد) اور اپنی اپنی قوم کا بھائی درج کیا ہے۔ کما قال تعالی وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم [1]. الایة. وقال تعالی والی عادا خاھم ھودا [2]. الایة۔ یعنی قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے (قومی) بھائی ھود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔(سورہ ہود) و قال تعالی والی ثمود اخاھم صالحا [3]. الایة. ہاں نبی کو اپنے برابر بھائی کہنا ناجائز ہے انبیاء کی شان برتر و عالی ہے۔ انبیاء انسانوں کے بھائی ہونے کے باوجود انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ یہی عقیدہ رکھنا چاہیے [4]۔

---

۱) سورة الانبياء، آيت ۷۔

۲) آيت ۵۰، سوروة هود پاره ۱۲۔

۳) سورة هود آيت ٦١۔

٤) ولا يبلغ ولي درجه الانبياء لان الانبياء معصومون مامونون الخ۔

شرح العقائد النسفيه، ص ۱۱۸، دار الاشاعت العربية كوئته، كذا في الشامي، باب صفة الصلوة، ج ۲ ص ۲۹۵، رشيديه كوئته، وكما في البزازية: لو عاب نبياً كفر، كتاب الفاظ تكون اسلاماً او كفراً، الثالث في الانبياء، ج ٦ ص ۳۲۷، رشيديه كوئته۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کفر ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنا کفر ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی[2]۔ الآیۃ "اے نبی آپ فرمادیں کہ میں نہیں ہوں مگر تم جیسا بشر ہاں مجھے وحی ہوتی ہے"۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنا چہ جائیکہ بشر کہنے سے کفر کہا جائے۔ اس آیت سے اور اسی طرح دیگر متعدد آیات کے صریح خلاف ہے۔

(۳) ایسا کرنا درست نہیں ہے[3] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا بدعت ہے۔ **کما قال فی فتح القدیر**[4] **ج ۱ ص ۱۰۲۔ ویکرہ النور عندالقبر وقضاء الحاجة بل اولی وکل مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الازیارتها والدعاء عندها قائما کما کان یفعل صلی الله علیه وسلم فی الخروج الی البقیع و یقول السلام علیکم دارقوم مؤمنین وانا ان شاء الله بکم لا حقون اسال الله لی ولکم العافیة.**

(۴) اگر نماز ملنے کی امید ہے تب تو سعی ضروری ہے[5] ورنہ نہیں[6]۔

(۵) ایسا کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۶ فتاویٰ دارالعلوم ۷ ص ۱۸۲۔

---

۱) کما فی صحیح البخاری: انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون، کتاب الصلوة باب توجه نحو القبلة، ج ۱ ص ۵۸، قدیمی کتب خانه کراتشی۔ ومن قال لا ادری ان النبی صلی الله علیه وسلم کان انسیاً او جنیاً یکفر کذا فی فصول العمادیة (عالمگیری، کتاب السیر، باب تاسع، مطلب موجبات الکفر، ج ۲ ص ۲۶۳، علوم اسلامیه چمن، وهکذا فی تفسیر روح المعانی سوره ال عمران، آلایة ۱۶٤، ص ٤٤۳، ج ٤، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۲) سورة الکهف پاره ۱٦، آیت ۱۱۰۔

۳) اکل الطین مکروه، العالمگیری، کتاب الکراهیة، باب الکراهیة فی الاکل، ج ٥ ص ۳٤۰، رشیدیه کوئته، وهکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الکراهیة والاستحسان، باب فی الاکل ج ٦ ص ۹۰، مکتبه غفاریة کوئته۔

٤) کتاب الجنائز فصل فی الدفن، ج ۲ ص ۱۰۲، مکتبه رشیدیه۔

٥) کما فی قوله تعالیٰ: فاسعوا الی ذکر الله، الآیة ۹، سورة الجمعة پاره ۲۸۔

٦) لا یکلف الله نفساً الا وسعها، سورة البقرة، آیت ۲۸٦۔

۷) عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، متفق علیه، مشکوة، باب الاعتصام ص ۲۷، قدیمی کتب خانه کراتشی۔

(۶) یہ بھی شرعاً ثابت نہیں ہے[۱] اگر وہاں تلاوت کی غرض سے لے جائیں تو جائز ہے[۲]۔

(۷) دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بدعت ہے۔ کما قال فی رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۳. قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح اللباب [۳]۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۴۔ اذان بعد دفن کے قبر پر بدعت ہے کہ کہیں قرون ثلاثہ (مشہود لھا بالخیر) میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور جو امر ایسا ہو وہ مکروہ ہے[۴] تحریماً۔ الخ۔

(۸) سبز ٹہنی رکھنا قبر پر اگر چہ جائز ہے[۵] لیکن عاشورہ کے دن کی تخصیص نا جائز ہے[۶]۔

کما قال فی ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۸. ویؤخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاس ونحوه وصرح بذلک ایضا جماعة من الشافعیة وهٰذا اولیٰ مما قاله بعض المالکیة من ان التخفیف عن القبرین انما حصل ببرکة یده الشریفة صلی الله علیه وسلم او دعائه لهما فلایقاس علیه غیره وقد ذکر البخاری فی صحیحه ان بریدة بن الخصیب رضی الله عنه اوصی بان یجعل فی قبره جریدتان [۷]. والله تعالیٰ اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۰ ذی الحج ۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴-۱۲-۸۵ھ

---

۱) کما فی المشکوۃ، بحوالہ بالا۔

۲) کما فی رد المحتار: ویقرا من القرآن ما تیسر له من الفاتحة...... الخ۔
کتاب الصلوۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ج ۳ ص ۱۷۹، مکتبہ رشیدیہ طبع جدید۔
وهکذا فی الهندیة: قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالی لا تکره ...... الخ۔
(باب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج۱ ص ۱٦٦، رشیدیه کوئته۔

۳) کتاب الاذان، مطلب فی مواضع التی یندب لها، ج ۲ ص ٦۳، مکتبه رشیدیه طبع جدید۔
ومنه ایضاً: باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت، ج ۳ ص ۱٦٦، رشیدیه کوئته طبع جدید۔

٤) حواله حدیث عائشة رضی الله عنها حاشیة سابقه ۳، وکذا فی فتح القدیر، ویکره النور عند القبر ......
وکل ما لم یعهد من السنة الخ، کتاب الجنائز فصل فی الدفن، ج ۲ ص ۱۰۲، رشیدیه۔

٥) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال مر النبی صلی الله علیه وسلم بقبرین یعذبان ...... ثم اخذ جریدة رطبة فشقها نصفین ثم غرز فی کل قبر واحدة ...... الخ، الحدیث، صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر، ج ۱ ص ۱۸۲، قدیمی کراچی۔

٦) کیونکہ قرون ثلاثه میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے (بحواله حدیث عائشة رضی الله عنها حاشیه ۳۔

۷) رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب دفن المیت، ج ۳ ص ۱۸٤، مکتبه رشیدیه طبع جدید۔

ربیع الاول میں چراغاں کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر مکانات و عمارات پر چراغاں کرنا درست ہے یا نہ۔ نیز عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کے اظہار کا صحیح طریقہ کیا ہے اور کیا روضہ اطہر کی شبیہ بنا کر اظہار محبت کرنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے[۱] اور اسی میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود منحصر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ شریعت نے ہر کام کے لیے اور ہر عبادت کے لیے کچھ حدود اور قواعد مقرر فرمائے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا ہر عبادت میں سخت گناہ ہے[۲]۔ کوئی شخص اگر مغرب کی تین رکعتوں کے بجائے چار پڑھنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل ہی ہوگی۔ فی نفسہ کوئی گناہ کی چیز نہیں لیکن تجاوز عن الحدود و احداث فی الدین یعنی بدعت ہونے کی وجہ سے ساری امت اس کو گناہ کہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا یہ ایک ایسی ضرورت اور عبادت ہے جو آج نئی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ بعثت ونبوت کے بعد ہی سے اس کی ضرورت تھی۔ حتیٰ کہ ابتدائی زمانہ اور قرون اولیٰ میں جبکہ سیرت مدون نہیں ہوئی تھی اور منتشر کلمات مختلف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔ اس وقت اس کی ضرورت آج سے زیادہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود قرون اولیٰ میں بلکہ اس کے بھی بہت بعد تک اس کی ایک نظیر پیش نہیں کی جاسکتی کہ کہیں جلسوں کا انعقاد اس کام کے لیے ان تعینات ورسومات مروجہ کے ساتھ کیا گیا ہو۔ نیز مسلمانوں کا تو یہ منصب ہے کہ کوئی دن آپ ﷺ کے ذکر مبارک سے خالی نہ جائے۔ بلکہ ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو یاد رکھے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حق ہے کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ بھی صرف ایک دن کے لیے کر کے فارغ ہو جائیں اور اس میں بھی بہت سی بدعات شامل کر لیں۔ الغرض ہمارے نزدیک تو یہ جلسہ وجلوس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

---

۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بلغوا عنی ولو آیۃ (صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ج ۱ ص ۴۹۱، قدیمی کتب خانہ۔

۲) تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا، ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۹۔

سے مروجہ رسومات کے ساتھ منانا بدعت ہے۔اس سے احتراز لازم ہے[۱]۔کما فی فتاویٰ دارالعلوم[۲] ج ۲ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی شبیہ بنانا اوراس سے اظہار محبت کرنا بھی جائز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۲-۳-۹۲ء

آسیب سے بچنے کے لیے لوہا وغیرہ رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ بوقت تزویج زوجین دولہا کو آسیب، جنات وغیرہ کے تکلیف دینے کا خوف ہوتا ہے۔ضروری ہے کہ زوج اپنے ہاتھ میں ازقسم لوہا مثلاً تلوار یا چاقو یا چھرا لازماً ہمراہ خود ہاتھ میں رکھے تاکہ ازآسیب بلیات سے محفوظ ہو۔نیز برائے زینت زوجین ان ایام میں چیکو یعنی وٹنا کرنا جو کہ رنگ آور جو ہلدی تیل ملاکر تیار کیا جاتا ہے ضروری کریں۔آیا ایسا کرنا اوراعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے۔خیرالقرون میں کیا کرتے تھے یا کہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت ہے۔بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔ سائل عبداللہ طالب العلم

﴿ج﴾

یہ امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ،صحابہ کرام وتابعین وائمہ اسلاف رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں اور نہ خیرالقرون میں معمول بہا تھے۔اس لیے ان کو ضروری اعتقاد رکھنا بدعت ہے۔اس قسم کے عقائد صرف وساوس باطلہ پر مبنی ہیں مسلمان کی شان کے خلاف ہیں۔ان سے اجتناب لازم ہے[۳]۔واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان،شہر کچہری روڈ

---

۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، مشکوة، کتاب الاعتصام، ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ۔

وفی فیض الباری: واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعة لا اصل له فی الشرع واحدثه ملك الاربل كما فی تاریخ ابن خلكان۔ وهكذا علی هامشه لبدر عالم المیرتهی۔ كتاب الصلوة، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۳۱۹، مكتبه عثمانیه كوئته۔

ونظیر ذلك فعل كثیر موعواً ذكر مولده صلی اللہ علیه وسلم ووضع امه له من القیام وهو ایضاً بدعة لم یرد فیه شیء ...... الخ۔ الفتاوی الحدیثیة، مطلب: فی ان القیام فی اثناء مولده الشریف بدعة، ص ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۲) فتاوی دار العلوم امداد المفتیین، مصنف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، كتاب السنة والبدعة، ج ۲ ص ۱۷٤، طبع دار الاشاعت كراچی۔

۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، مشكوة المصابیح، كتاب الاعتصام، ص ۲۷، قدیمی كتب خانه۔

کم افراد کی شرکت کے خوف سے جنازہ کے شرکاء کو کھانا کھلانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوجاتا ہے تو اس کی تجہیز وتکفین میں ہرکس وناکس وبرائے اعانت شرکت کرتے ہیں تو اہل میت اسی دن ان شرکاء کے لیے لازماً علی سبیل الوسعۃ ایک دنبہ یا بکرہ یا گائے یا بھینس وغیرہ ذبح کرکے ان کو کھانا کھلاتے ہیں، رفتہ رفتہ اب یہ ایک رسم بن چکی ہے اگر اہل میت کھانا وغیرہ نہ کھلائیں تو ملعون ومعتوب و بے وفا سمجھے جاتے ہیں نیز مقامی نیم خواندہ ملا صاحبان اور جہلاء کا طبقہ نتبع ماالفینا علیه اباء نا۔الایۃ۔ کی رٹ لگاتے ہیں اور جہلاء کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ اگر اس طرح کھانا نہ کھلائیں تو بعض پہاڑی علاقوں میں قلت الناس کی وجہ سے آئندہ میت کی تجہیز وتکفین کے لیے کوئی نہیں آئے گا تو کیا میت کو باہر چھوڑ دیں لہٰذا اب صورت مسئلہ مذکورہ میں کیا یہ طعام کھانا اور کھلانا عندالشرع ومذہب حنفیہ حلال ہے یا حرام ہے دلائل وحوالہ جات کی اشد ضرورت درپیش ہے کیونکہ بلوچستان کے بعض پہاڑی علاقوں میں نیم خواندہ ملا تو ہوتے ہیں مگر کتابیں نایاب ہوتی ہیں لہٰذا برائے کرم اس مسئلہ کو دلائل قطعیہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعبارات فقہاء سے مترشح ومبرھن فرما کر مہر دارالافتاء لگا کر ارسال فرمائیں۔

﴿ج﴾

مذہب احناف میں مکروہ اور حرام ہے جیسا کہ ملا علی القاری رحمہ اللہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔ **واصطناع اهل الميت لاجل اجتماع الناس عليه بدعة مكروهة بل صح عن جرير رضى الله عنه كنا نعده من النياحة وهو ظاهر فى التحريم قال الغزالىؒ ويكره الاكل منه قلت وهٰذا اذا لم يكن من مال اليتيم او الغائب والا فهو حرام بلا خلاف** [1] جلد۴ص۲۲۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ۔ مشکوٰۃ شریف ج۱ص۱۵۱ کی حدیث بھی اس پر دال ہے۔ **وعن عبدالله بن جعفر رضى الله عنه قال جاء نعى جعفر رضى الله عنه قال النبى صلى الله عليه وسلم اصنعوا لال جعفر طعاما فقد اتاهم ما يشغلهم** ج۱ص۱۵۱ [2]۔ فتاویٰ عالمگیری [3] ج۴ص۱۰۶۔ پر ہے۔ **ولا يباح اتخاذ**

---

۱) مرقاة شرح مشكوة، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، ج ٤ ص ١٩٤، دار الكتب العلمية، بيروت۔

۲) مشكوة، باب البكاء على الميت، ج ١ ص ١٥١، قديمى كتب خانه۔

۳) فتاوى عالميگيرى، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات، ج ٥ ص ٣٤٤، مكتبه علوم اسلاميه، چمن۔

الضیافة ثلثة ایام فی ایام المصیبة فتاویٰ تاتارخانیہ[1] وغیرہ میں بھی یہ مسئلہ مدلل ثابت ہے۔
عطاء محمد غفرلہ مہتمم مدرسہ مطلع العلوم۔ عبدالعزیز عفی اللہ عنہ مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ بروری روڈ۔ المجیب مصیب محمد جان مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ محمد اشرف عفی عنہ خادم مدرسہ ہذا۔
الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

چالیسویں میں برادری میں کھانا تقسیم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقوں میں یہ رواج ہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے اس کو برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور بعض اوقات برادری خود مجبور کرتی ہے کہ ہماری دعوت کرو کیا یہ طعام برادری کو کھلانا چاہیے یا کہ مسکینوں کو۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ چالیسویں پر جو طعام پکایا جاتا ہے شرع میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک رسم اور بدعت ہے[2] البتہ بلا التزامات مروجہ و بلا پابندی و قیود ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
۱۹ شوال ۱۳۸۹ھ

---

۱) ولا يباح اتخاذ الضيافة ثلاثة ايام، فتاوى تاتارخانيه، كتاب الصلوة، باب الجنائز وما يتصل بهذا، ج ۲ ص ۱۸۳، ادارة القرآن والعلوم اسلاميه كراتشي۔
وهكذا في حاشية الطحطاوى، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ص ۶۱۷، دار الكتب العلمية، بيروت۔

۲) ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام في المواسم الخ، رد المحتار: كتاب الصلوة، باب زيارة القبور، ج ۳ ص ۱۷۶، مكتبه رشيديه كوئته، طبع جديد۔
وهكذا في البزازية: كتاب الصلوة الباب الخامس والعشرون في الجنائز، ج ٤ ص ۸۱، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
ومثل هذا في حاشية الطحطاوى: كتاب الصلوة، باب الجنائز، ص ۶۱۷، دار الكتب علمية بيروت۔

۳) من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز، ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة: (شامية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، مطلب: في القراءة للميت واهداء ثوابها له، ج ۳ ص ۱۸۰، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد۔
وفي البزازية: وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً الخ (كتاب الاستحسان، ج ٦ ص ۳۷۹، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

نماز جنازہ میں نیت باندھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کے بعد سلام پھیر کر اسی جگہ کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیے یا نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا کیا طریقہ تھا۔ پھر مردہ کو دفن کر کے دعاء پڑھ کر پھر تقریباً بیس اکیس قدم پر جو دعا پڑھتے ہیں یہ دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں بزرگان دین کا کیا طریقہ تھا۔ (۲) پھر ایک دن یا تیرہ دن مردہ کے عزیز و اقارب مسجد میں یا کسی اور مکان میں کلمہ طیبہ چنوں پر پڑھتے ہیں اور پھر چنے تقسیم کرتے ہیں اور اس کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ کام جو نہ کریں انہیں برا سمجھتے ہیں۔ تو یہ چنے پڑھنے چاہئیں یا نہیں۔ (۳) جمعرات کو کوئی خاص آدمی مقرر کر کے اس سے روٹی وغیرہ پر فاتحہ دلانا اور اسے ضروری سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ جمعرات کو مردوں کی روحیں اپنے اپنے گھر آتی ہیں یہ بات بدعت ہے یا نہیں۔ (۴) پھر چالیس دن ہونے پر چاول وغیرہ پکانا اور ان میں سے تھوڑے سے کسی رکابی (پلیٹ) میں ڈال کر فاتحہ پڑھنے والے کے سامنے رکھنا اور مختلف قسم کے پھل بھی رکھنا اور دودھ پانی بھی سامنے رکھنا اور پھر پڑھنے والے کا قرآن پاک کی چند سورتیں اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر کھانے کے سامنے دعا مانگنا، یہ درست ہے یا نہیں۔ جس کو عرف عام میں فاتحہ کہتے ہیں۔ (۵) کونڈا کرنا، امام جعفر رحمہ اللہ کے متعلق کوئی خاص تاریخ مقرر کر کے کھچڑا پکانا اسی طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ان کھانوں کی خصوصیت کرنی کیسی ہے۔ (۶) مجلس مولود کرنا اور پھر کھڑے ہوکر سلام پڑھنا۔ یا نبی سلام علیک۔ یا رسول اللہ سلام علیک یا حبیب سلام علیک اور یہ سمجھنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اب اس مجلس میں تشریف لے آئے ہیں اور پھر شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر تقسیم کرنا کیسا ہے۔ مندرجہ بالا مسائل کے سوالات کے جوابات سلیس اردو میں حدیث شریف اور قرآن پاک سے سمجھا کر ثواب دارین حاصل کریں۔ ناچیز طیب علی دیوبندی جمعدار جعفر خان نمبردار بقلم خود۔

﴿ج﴾

جملہ امور مذکورہ اس ہیئت کے ساتھ جو سوال میں درج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وائمہ صالحین رحمہم اللہ کے زمانہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے اور کسی امر کو از خود بغیر ثبوت شرع کے

موجب ثواب سمجھنا بدعت سیئہ ہے[1]۔ من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد[2]۔ (الحدیث) البتہ مطلقاً دعا کرنا اور ایصال ثواب درست ہے[3]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان شہر ۲۵ شوال ۱۳۷۶ھ

مزار کے قریب جانور ذبح کرنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلمان شخص نے ایک مینڈھا اس نیت سے خریدا کہ میں اس جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس لے جا کر اللہ کے نام پر ذبح کروں گا اور اس کا ثواب اسی ولی اللہ کی روح کو بخشوں گا، پھر وہ اسی نیت پر قائم رہا۔ پھر اس نے کچھ عرصہ کے بعد اسی جانور کو کسی ولی اللہ کے مزار کے پاس خالص نیت واسطے خدا تبارک وتعالیٰ کے ذبح کیا اور اس کا ثواب ولی اللہ کو بخشا۔ کیا یہ جانور حلال ہوا یا نہیں؟ کیا مسلمان اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگر خالصۃً للہ شرعی طریقہ سے تکبیر کے ساتھ اس جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ ذبح درست اور گوشت حلال ہے[4]۔ لیکن مزار کے پاس لے جانا یا وہاں ذبح کرنے کا تعین کرنا درست نہیں آئندہ اس سے احتراز کریں[5]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) ولا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة (خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوة باب الجنائز، ج ۱ ص ۲۲۵، رشیدیه کوئته، ومثل هذا فی البزازية: کتاب الصلوة، باب الجنائز، ج ٤ ص ۸۰، کوئته۔
وفی الشامية: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث، وبعد الاسبوع ...... کتاب الصلوة باب الجنائز، فصل فی الدفن، ج ۳ ص ۱۷٦، رشیدیه کوئته، طبع جدید۔ وفی فیض الباری: واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی الله علیه وسلم بدعة لا اصل له فی الشرع ...... الخ، کتاب الصلوة، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۳۰۹، مکتبه عثمانیه کوئته۔

۲) مشکوة، باب الاعتصام، ص ۲۷، قدیمی کتب خانه کراچی۔

۳) کما فی الشامية من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم، کتاب الصلوة، مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له، ج ۳ ص ۱۸۰، رشیدیه کوئته طبع جدید۔
وهکذا فی الهداية: باب الحج عن الغیر، ج ۱ ص ۳۱٦، مکتبه رحمانیه لاهور۔

٤) کما فی الشامية: واعلم ان النذر قربة مشروعة ...... الخ
کتب الایمان، مطلب فی احکام النذر، ج ٥ ص ٥۳۷، مکتبه رشیدیه طبع جدید۔

٥) کما فی الدر المختار: کتاب الذبائح، ج ۹ ص ٥۱٥، مکتبه رشیدیه کوئته طبع جدید، ومثله فی البزازية، بحواله بالا۔

بارش کے لیے شہداء کی قبروں پر جانور ذبح کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہم شہر کوٹ نگر کے لوگ اللہ کے نام پر شہر کے لوگوں سے خیرات جمع کرتے ہیں اس وقت جب قحط سالی یا بارش وغیرہ نہیں ہوتی اس جمع کردہ خیرات کا بکرا خریدتے ہیں اور خیرات بانٹنے کی تجویز کی جاتی ہے کہ ہمارے شہر سے ۳ میل کے فاصلے پر پہاڑ میں ایک مقام ہے جس کو گنگل درہ کہتے ہیں اور اس کے آگے ۳ میل کے فاصلے پر شہداء کی چند قبور واقع ہیں۔ ہم یہاں سے یہ نیت کر کے جاتے ہیں کہ گنگل درہ میں جا کر بکرا کو ذبح کریں اور شہر میں منادی بھی کی جاتی ہے کہ کل آ کر خیرات لیں۔ یہ منزل کا راستہ اس لیے طے کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر راضی ہو جائے اور ہمارے گناہ بخش دے اور وہاں بارش کے واسطے نفلیں بھی پڑھتے ہیں اور اس خیرات کا ثواب ان شہداء کو بخش دیتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور سب مسلمان بھائیوں کی ارواح کو بخشتے ہیں اور اللہ میاں سے یہ التجاء کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم لوگ گنہ گار ہیں ہم کو ہمارے گناہ بخش دے اور اپنے نیک بندوں کے واسطے ہم پر رحم کر اور بارش برسا۔ جبکہ اس خیرت والے بکرے کو شہداء کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا اور صرف اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے اس خیرات کا ثواب شہداء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو بخش دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا لکھا گیا ہے اگر ہمارا یہ فعل ناجائز ہے تو ہمارے لیے کیا سزا ہے۔ صحیح جواب مرحمت فرمادیں۔

﴿ج﴾

اگر چہ بظاہر تو سوال میں یہ لکھا گیا ہے کہ ہم صرف ایصال ثواب کی خاطر وہاں لے جاتے ہیں لیکن عوام اکثر اشیاء کو جو قبروں پر لے جاتے ہیں تو تقرب کے عقیدہ سے لے جاتے ہیں اس خیرات والوں میں اکثر ایسے ہوں گے جو تقرب کا عقیدہ رکھتے ہوں گے ورنہ وہاں لے جانا بے فائدہ ہوگا ثواب تو یہاں سے بھی پہنچتا ہے اس لیے وہاں قبروں کے قریب لے جا کر خیرات کرنا ٹھیک نہیں ہے گاؤں ہی میں خیرات کر دیں نیز وہاں کوئی محتاج لوگ بھی نہیں تا کہ ان کو کھلانے کے لیے لے جائے۔ فما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصدوا صرفھا للفقراء الاحیاء قولا واحدا بحر الرائق جلد[1] ۲ ص ۲۹۸۔

---

۱) کتاب الصوم، فصل فی النذر، ج ۲، ص ۲۹۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

اور علامہ شامی نے اس عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے وقد ابتلی الناس بذلک و لا سیما فی هذه الاعصار[1]۔ شامی ج ۲ ص ۱۳۹۔ واللہ اعلم۔

پیر کی قبر پر خیرات کا بکرا ذبح کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص فی سبیل اللہ ایک بکرا خیرات کرنا چاہتا ہے۔ لیکن گھر میں ذبح نہیں کرتا بلکہ گھر کے باہر تقریباً ایک میل دور جہاں پیر کی قبر ہے بکرا وہاں لے جا کر ذبح کر کے کچھ گوشت تقسیم کرتا ہے۔ اگر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ بکرا گھر میں کیوں ذبح نہیں کرتے اور پیر کی قبر کے پاس کیوں لے جاتے ہو تو جواب میں کہتا ہے کہ وہاں جانے میں جو قطع مسافت کرنی پڑتی ہے۔ اس قطع مسافت سے ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا میں اس لیے وہاں لے جاتا ہوں اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں اور وہ ذبح علی النصب میں داخل ہے یا نہیں مہربانی فرما کر یہ مسئلہ حل کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

السائل اصغر عبد الغنی

﴿ج﴾

یہ خیرات جائز نہیں ہے کیونکہ خیرات کرنے والا اگر چہ بظاہر تو یہ کہتا ہے کہ میں پیر کے نام وہاں نہ ذبح کرتا ہوں اور نہ میں نے منت مانی ہے۔ لیکن پھر بھی وہاں پر لے جانے میں تقرب ضرور سمجھتا ہے اور تقرب سمجھنا بھی موجب حرمت ہے۔ کما قال صاحب بحر الرائق ص ۲۸ ج ۲ فما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیهم فحرام باجماع المسلمین[2]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد الرحمن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) شامی، کتاب الصوم، فصل فی النذر الذی یقع للاموات، ج ۳ ص ۴۹۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه طبع جدید، وهکذا فی البزازیة: کتاب الصید، ج ٦ ص ۳۰۲، مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

۲) بحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، ج ۲ ص ۵۲۱، رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الشامیة: کتاب الصوم، فصل فی النذر الذی یقع للاموات، ج ۳ ص ۴۹۱، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

منت مان کر مزار پر قربانی کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی پیر یا ولی کے مزار پر منت مان کر مویشی یا نر بکرا ذبح کر سکتا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں ٹھوس دلائل سے جواب دے کر مشکور فرماویں عین نواز ہوگی۔

﴿ج﴾

اس میں تفصیل ہے ایک یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے کوئی جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا اور اس نیت سے اس کو ذبح کیا گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ صورت باتفاق وباجماع حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جز سے انتفاع جائز نہیں[1] اور آیت کریمہ و مااهل لغیر الله به[2] میں اس کا داخل ہونا متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام محض تعبیر وعنوان سے ہو، نیت میں ان کا تقرب ورضا مقصود نہیں جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے هــذا عــقيـقة فـلان یہ بلاشبہ حلال ہے[3]۔ فقط واللہ اعلم۔

تعویذات کا شرعی حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص جو کہ جنات کے ذریعہ سے چور اور شادی، مقدمہ وغیرہ کا حال معلوم کرتا ہے اور وہ کبھی سچ اور کبھی جھوٹ ہوتا ہے اور اعتقاد یہ رکھتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی علم

---

۱) فـمـا يـؤخـذ من الدراهـم والشـمـع والزيت وغيرها وينقل الى ضرائح الاولياء تقرباً اليهم فحرام بإجماع المسلمين، بحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى النذر، ج ۲ ص ۵۲۱، رشيديه كوئته۔
وهـكـذا فـى الـدر الـمـخـتـار، واعـلـم ان النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام ...... وقد ابتلى الناس بذلك، ولا سيما فى هذه الاعصار، كتاب الصوم، فصل فى النذر، ج ۳ ص ۴۹۱، رشيديه كوئته۔
۲) سورة المائده آيت، نمبر ۳
۳) ان رسـول الـلـه صـلـى الله عليه وسلم امر بهم عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة، الحديث، تـرمـذى، ابـواب الاضـاحـى، ج ۱ ص ۲۷۸، ايـچ ايـم سعيد، وكما فى الشامية: واعلم ان النذر قربة مشـروعة، كتاب الايمان، فى النذر، ج ۵ ص ۵۳۷، رشيديه كوئته، طبع جديد، وفيه ايضاً من صام او صـلـى ...... وجـعـل ثـوابه لغيره ...... جاز ...... كتاب الصلوة باب اهداء ثواب للميت، ج ۳ ص ۱۸۰، رشيديه كوئته۔

غیب حاصل نہیں۔ جو لوگ پوچھنے آتے ہیں ان کو بھی یہی کہتا ہے کہ ان پر اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ یہ صرف مشاہدہ ہے اور تجربہ کبھی سچ کبھی جھوٹ یقینی اور قطعی بالکل نہیں۔ برائے مہربانی اس شخص کے بارے میں جو بھی شرعی فیصلہ ہو فوراً ارشاد کریں کہ اس کی امامت جائز ہے یا ناجائز اور اس کے ساتھ تعلقات وغیرہ رکھیں یا بائیکاٹ کریں اور اس کا یہ عمل درجہ کفر تک پہنچ چکا ہے یا نہیں۔

نوٹ: جب اسے منع کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا اعتقاد ان باتوں پر نہیں میں ان کی تصدیق کو کفر سمجھتا ہوں اور کہتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی ایسے اعمال جن کے ذریعہ چوری وغیرہ معلوم ہو جاتی تھی۔ لکھے ہیں۔ فقط

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اگر چہ اس عمل پر امام مذکور فی نفسہ یقین نہ کرے۔ بلکہ قرائن کا اتباع کرے۔ پھر بھی چونکہ عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً اس عمل کے ذریعے سے اس شخص کو چور سمجھتے ہیں جس کے چور ہونے کا یقین کامل نہیں اور یہ نص و **لا تقف مالیس لک به علم**[۱] کے خلاف ہے کیونکہ علم سے مراد دلیل شرعی ہے اور ایسے اعمال دلیل شرعی نہیں اس لیے یہ عمل جائز نہیں[۲]۔ البتہ اگر یہ عمل کسی امر ناجائز کی طرف مفضی نہیں ہوتا تو جائز ہوگا[۳]...... مولانا تھانوی رحمہ اللہ چوری برآمد کرنے کے لیے عملیات سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ اس لیے کہ عوام حد تفحص سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۸۷)[۴]

---

۱) آیت نمبر ۳٦، سورة بنی اسرائیل، پاره ۱۵۔

۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه من اتی کاهنا فصدقه بما یقول ...... فقد برئ مما انزل علی محمد (الحدیث) مشکوة، باب الکهانة، ص ۳۹۳، فصل ثانی، قدیمی کتب خانه، وفی شرح الفقه الاکبر: ومنها: ان تصیق الکاهن ...... بما یخبره من الغیب کفر، ص ٤۱٦، دار البشائر اسلامیه، بیروت، وهکذا فی رد المحتار: مقدمة، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیه کوئته۔

۳) ولا باس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن واسماء الله تعالی، شامی، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس، ج ۹ ص ٦۰۰، رشیدیه کوئته طبع جدید، وهکذا فی فتح الباری، وقد اجمع العلماء علی جواز الرقی عند اجتماع ثلاثة شروط ...... الخ کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والتعویذات، ج ۱۱ ص ۳۵۲، دار الفکر بیروت۔

امداد الفتاوی، باب تعویذات واعمال ص ۸۸، ج ٤، طبع دار العلوم، کراتشی۔

٤) امداد الفتاویٰ، باب تعویذات و اعمال، ص ۸۸، ج ٤، طبع دار العلوم، کراچی، قدیم

علوم نجوم پر عمل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر ہم لوگوں میں اختلاف ہوگیا ہے کہ زید کہتا ہے کہ علم نجوم پر عمل پیرائی درست ہے۔ مگر یقین درست نہیں۔ اور بکر کہتا ہے کہ علم نجوم پر عمل پیرائی ہی ناجائز ہے۔ زید کی دلیل سنئے۔ حدیث عن معاویة بن الحکم قال قلت یا رسول اللہ اموراً کنا نصنع فی الجاھلیة کنا ناتی الکھان قال فلاتاتوا الکھان قال قلت کنانتطیر قال ذلک شئی یجدہ احد کم فی نفسہ فلایصدنکم وفی روایة قال قلت ومنا رجال یخطون قال کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاک رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۳۲۔ اور یہ اس حدیث شریف کے آخر کو حجت قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام بھی ایسا کرتے تھے اس وجہ سے اور بھی کئی برہان پیش کرتے ہیں ایک اور صریح حدیث بھی ہے۔ لیکن ہمیں معلوم نہیں۔

اب بکر کا تمسک ملاحظہ ہو: یہ صرف دو تین احادیث پیش کر کے اس علم نجوم سے گریز کرتا ہے اور اس کے ہاں کوئی حجت نہیں۔ (۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد مازاد. رواہ احمد و ابوداؤد ۲ ص ۱۸۸۔ (۲) عن قتادة خلق اللہ تعالیٰ ھذہ النجوم لثلث جعلھا زینة للسماء و رجومًا للشیاطین وعلامات یھتدی بھا فمن تاوّل فیھا بغیر ذالک اخطأ واضاع نصیبہ وتکلف مالایعلم رواہ البخاری تعلیقًا وفی روایة رزین وتکلف مالایعنیہ ومالا علم لہ بہ وما عجز عن علمہ الانبیاء والملائکة وعن الربیع مثلہ وزاد واللہ ماجعل اللہ فی نجم حیاة احد ولا رزقہ ولا موتہ وانما یفترون علی اللہ الکذب ویتعللون بالنجوم مشکوة ج ۲ ص ۳۹۴. (۳) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس بابا من علم النجوم لغیر ماذکر اللہ فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم کاھن والکاھن ساحر والساحر کافر. (نعوذ باللہ منھا) رواہ رزین مشکوة ج ۲ ص ۳۹۴۔ مدلل و مفصل جواب عنایت فرماویں۔

علم نجوم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ج ۱ ص ۴۳ وحراما وھو علم الفلسفة والشعبدة والتنجیم والرمل وعلوم

الطبائعيين والسحر [۱]۔ دراصل علم نجوم دو قسم پر ہے۔ ایک حسابی ہے اور دوسرا استدلالی۔ علم نجوم حسابی یہ حق ہے اس کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا حق ہے۔ قال تعالی والشمس والقمر بحسبان۔ یعنی وہ علم نجوم جس کے ذریعہ سے اوقات نماز اور جہت قبلہ وغیرہ معلوم کیے جائیں۔ دوسرا استدلالی جس کے ذریعہ سے ستاروں کے طلوع وغروب وغیرہ سے حوادثات زمانہ معلوم کیے جائیں اور یہ ناجائز ہے [۲]۔ واقعی یہ علم ایک پیغمبر حضرت ادریس یا دانیال علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کے لیے معجزہ تھا [۳] لیکن یہ علم مرتفع ہوگیا۔ محض تخمینی رہ گیا ہے۔ جس پر اعتماد کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے [۴] اور اس کی طرف حدیث کے ان الفاظ میں اشارہ ہے۔ کان نبی من الانبیاء یخطه فمن وافق خطه فذاک [۵]۔ وقال الامام الغزالی فی احیاء العلوم ج ا ص ۲۹ (الثانی) ان یکون مضرا بصاحبه فی غالب الامر کعلم النجوم فانه فی نفسه غیر مذموم لذاته اذهو قسمان قسم حسابی وقد نطق القران بان مسیر الشمس والقمر محسوب اذ قال عزوجل الشمس والقمر بحسبان وقال عزوجل والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم والثانی الاحکام وحاصله یرجع الی الاستدلال علی الحوادث بالاسباب وهو یضاهی استدلال الطبیب بالنبض علی ماسیحدث من المرض وهو معرفة لمجاری سنة الله تعالی وعادته فی خلقه لکن قد ذمه الشرع قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ذکر القدر فامسکوا و اذا ذکر النجوم فامسکوا و اذا ذکر اصحابی فامسکوا الی ان قال فاذن الخوض فی النجوم و مایشبهه اقتحام خطر و خوض فی جهالة من غیر فائدة فان ماقدر

---

۱) درمختار مع رد المحتار، المقدمة، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

۲) وفی مختارات النوازل لصاحب الهدایة: ان علم النجوم فی نفسه حسن غیر مذموم، اذ هو قسمان حسابی وانه حق وقد نطق به الکتاب وقال الله تعالی (الشمس والقمر بحسبان) ...... واستدلالی بسیر النجوم ...... ولو لم یعتقد بقضاء الله تعالی او ادعی الغیب بنفسه یکفر ......، رد المحتار، مقدمه: ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیه کوئٹه۔

۳) قال: کان نبی من الانبیاء، قیل دانیال، وقیل ادریس علیهما السلام۔
مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الطب والرقی، باب الکهانة ج ۸ ص ۴۰۷، دار الکتب علمیة بیروت۔
وکذا فی رد المختار: ولقد کان معجزة لإدریس علیه السلام فیما یحکی وقد اندرس، (بحواله بالا)

۴) وانما زجر عنه من ثلاثة اوجه: احدها: انه مضر باکثر الخلق ...... ثانیها: ان احکام النجوم تخمین محض، ...... وقد اندرس، وثالثها: انه لا فائدة فیه، فان ما قدر کائن، والاحتراز منه غیر ممکن (مقدمة شامی بحواله بالا)۔

۵) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الکهانة، ج ۲ ص ۲۳۲، قدیمی کتب خانه۔

کائن والاحتراز منه غیر ممکن بخلاف الطب فان الحاجة ماسة الیه واکثر ادلته بما یطلع علیه وبخلاف التعبیر وان کان تخمینا لانه جزء من ستة و اربعین جزء من النبوة والا خطر فیه فقط والله تعالیٰ اعلم(۱).

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۹ رجب ۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۲-۷-۸۵ء

پنجتن پاک کے ذریعہ قرعہ اندازی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں ایک دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری پہلی بیوی اس عورت سے تعلق نہیں مانتی۔ کافی دنوں سے اس بات پر گھر میں جھگڑا چل رہا ہے۔ آخر تنگ آ کر جب میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا تو ایک دن میں نے بعد نماز فجر اپنی پہلی بیوی کو پاس بلایا اور ۱۳ پرچیاں اس طرح ڈالیں ایک خدا تعالیٰ کے نام کی ایک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی پانچ پنجتن پاک کے نام کی چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کی ایک جناب پیر دستگیر کے نام کی اور ایک پرچی جس پر لکھا ہوا تھا کہ شادی کرنی چاہیے۔ دوسری پرچی پر اس عورت کا نام لکھا ہوا تھا کہ شادی نہ کرنی چاہیے۔ یہ تمام پرچیاں میں نے پہلی بیوی کے ہاتھ میں دے دیں اور کہا کہ ان کو قرآن پاک کے اوپر رکھ دو۔ اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ یا خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے غیب کا علم تو ہی جانتا ہے۔ ہماری سمجھ محدود ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دوسری شادی کرنے میں میری بہتری ہے یا نقصان ہے۔ ہم تیرا اور تیرے قرآن اور تیرے ان نیک لوگوں کا سہارا لیتے ہیں۔ تو ہی فیصلہ فرمادے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد میری بیوی نے ایک ایک کر کے پرچیاں اٹھانا شروع کیں۔ چند پرچیوں کے بعد ایک پرچی نکلی جس پر اس عورت کا نام لکھا ہوا تھا اور لکھا تھا کہ اس سے شادی کرنی چاہیے۔ بات یہاں ختم ہوگئی۔ لیکن چند دن گزرنے کے بعد میری بیوی نے پھر انکار کر دیا اور گھریلو حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر میں اس عورت سے شادی کرتا ہوں تو میرا سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے ان حالات کو دیکھتے ہوئے اگر میں شادی کرنے سے باز آؤں یعنی یہ کہ اپنا ارادہ ترک کر دوں کیا عورت مجھے معاف کر دے گی اور شرعاً میرے لیے کیا حکم ہے۔ براہ کرم ارشاد فرماویں۔

---

۱) احیاء العلوم، کتاب العلم، الباب الثالث، ج ۱ ص ۴۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

اس بیان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قرآن اور دیگر اسماء، رسول وپنجتن پاک وغیرہ سے فال نکالنا چاہتا تھا اور فال نکالنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، یہ اس کی مخترعات میں سے ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور نہ اس پر عمل چھوڑنے میں کوئی شرعی قباحت ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۳۔۳۔۱۴۰۱ھ

تعویذات کے ذریعہ مکان خالی کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں نے ایک شخص کو رہائش کے لیے اپنا مکان دیا۔ جب کچھ عرصہ بعد میں نے اس سے مکان کا کرایہ طلب کیا تو اس نے کرایہ دینے سے انکار کر دیا اور نہ ہی مکان خالی کرتا ہے بلکہ دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ یہ آدمی شرارتی اور بازاری قسم کا ہے۔ اگر اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے تو اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں میں تعویذات کے ذریعہ اپنا مکان خالی کرا سکتا ہوں یا نہیں۔

﴿ج﴾

جائز ہے اگر تعویذ کے استعمال میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ کرنا پڑے[2]۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم

---

۱) ومن جملة علم الحروف فال المصحف حيث يفتحونه ...... ولا يؤخذ الفال من المصحف......، روض الازهر شرح فقه الاكبر، باب تصديق الكائن كفر، ٤١٧، دار البشائر اسلاميه بيروت۔
وهكذا في كتاب الفتاوى الحديثية، ورد النهي عن تصغير لفظه ...... ويكره اخذ الفال منه الخ، مطلب: في انه يكره اخذ الفال من المصحف، ص ٣٠٧، دار احياء التراث العربي بيروت، وهكذا في رد المحتار، وفي فتاوى ابن حجر، ان تعلمه وتعليمه حرام شديداً لتحريم لما فيه من ايهام العوام ان فاعله يشارك الله تعالى في غيبه، مقدمة شامي، مطلب: في التحيم والرمل، ج ١ ص ١١٠، مكتبه رشيديه كوئته جديد، وفيه ايضاً: باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، ج ٣ ص ٥٠، رشيديه كوئته طبع جديد۔

۲) عن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لا باس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، المشكوة، كتاب الطب والرقى، ص ٣٨٨، قديمي كتب خانه۔ ان الرقى يكره ما كان بغير اللسان العربي ...... لاباس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، اى كفر، مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الاول۔
"اجمع العلماء على جواز الرقية عند اجتماع ثلاثة شروط: ان يكون بكلام الله تعالى وباسمائه وبصفاته ...... وباللسان العربي ...... او بما يعرف معناه من غيره ...... وان يعتقد ان الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى ...... الخ، فتح الباري، كتاب الطب، ج ١١ ص ٣٥٢، دار الفكر بيروت۔ وهكذا في الشامية: كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ج ٩ ص ٦٠٠، مكتبه رشيديه كوئته طبع جديد۔

دہلیز پر قرآنی آیت کے تعویذ دفن کرنا

﴿س﴾

تعویذ کے خانوں میں قرآن شریف کی آیت کے الگ الگ ٹکڑے لکھ کر اسے دہلیز کے نیچے دفن کیا جائے جس کے اوپر سے آدمی کا گزر رہوتا ہو تو کیا ایسا تعویذ جائز ہے۔

﴿ج﴾

اس طرح تعویذ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اس میں قرآن پاک کی بے ادبی ہوتی ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

قادیانیوں سے میل جول کا شرعی حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ ایک شخص جو کہ خود ہمیشہ تبلیغ کرتا رہا ہے کہ غیر مسلم یعنی مرزائی سے کھانا جائز نہیں اور وہ تبلیغ کنندہ یونین کونسل کا ممبر ہے اور قادیانی بھی یونین کونسل کا ممبر ہے۔ اب اسی دیہات میں پوری یونین کا اجتماع ہوتا ہے اور وہی تبلیغ کنندہ سب کی دعوت کرتا ہے۔ جس میں اسی دیہات کا وہ قادیانی بھی شامل ہے اور پھر اسی طرح دوبارہ اجتماع ہوتا ہے تو وہ قادیانی دعوت کرتا ہے۔ جس میں وہ تبلیغ کنندہ بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شمولیت مشروط ہے کہ اخراجات میں سے نصف خرچ میرا ہوگا۔ کیونکہ ہم دونوں کے مشترکہ مہمان ہیں اور وہ اس صورت میں رضامند ہو جاتا ہے۔ اس دعوت میں کسی قسم کا کوئی جانور قادیانی کا مذبوحہ نہیں ہے۔ جانور مذبوحہ کا گوشت مسلمان سے خریدا گیا ہے اور مسلمان ہی پکانے والا ہے۔ البتہ باقی روٹی اور برتن وغیرہ اس کے ہیں اور وہی تبلیغ کنندہ باقی ممبران یونین کے مجبور کرنے پر کہ اب دونوں کے ملنے سے دنیاوی کاموں میں عوام کا بہت فائدہ ہے تو وہ کھانا کھالیتا ہے۔ کھانے کے برتن میں مرزائی شریک نہیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بعد ازاں وہ قادیانی قیمت نہیں لیتا۔ جواب یہ دیتا ہے کہ پہلے آپ نے انتظام کیا میں

---

۱) یدفن ای یجعل فی خرقة طاهرة ویدفن فی محل غیر ممتهن لا یوطا۔
شامیة کتاب الطهارة، مطلب الدعاء یشمل علی ما یشمل الثناء، ج ۱ ص ۳۵۴، رشیدیه کوئٹه، طبع جدید۔
قال الزرکشی: یحرم مد الرجل الی شیء من القرآن ...... ولا یتخطاه ولا یرمیه بالارض بالوضع ؛ الخ۔
الفتاوی الحدیثیة، مطلب: حکم مد الرجل للمصحف، ص ۳۰۶/۷، دار احیاء التراث العرب، بیروت۔
وهکذا فی شرح فقه الاکبر، فصل فی القراءة والصلوة، ص ۴۵۷، دار البشائر اسلامیه بیروت۔

نے کچھ نہیں دیا۔ اب میں نے انتظام کیا ہے آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ کیونکہ اس وقت بھی مشترکہ خرچ ہونا تھا۔ اب اس شخص کے حق میں شرعی فیصلہ کیا ہے اور کس قدر مجرم ہے اور بعد ازاں ایک مولوی صاحب یا کوئی شخص جو کہ ایک ایسی پارٹی کے پاس مہمان ہوتا ہے جس کا ہر قسم کا لین دین حتی کہ دعوتوں میں شمولیت بھی کرتے ہیں اس قادیانی کے ساتھ ہے اور وہ مبلغ یا کوئی شخص اس کو کافروں سے مشابہت اور کتوں سے مشابہت دیتا ہے۔ کیا اس مبلغ نے قرآن وحدیث کی رو سے ٹھیک کہا یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اس کی سزا کیا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) صورت مسئولہ میں تبلیغ کنندہ کا پہلا رویہ درست تھا کہ ان کا کھانا اہل اسلام کے لیے درست نہیں۔ اس لیے کہ ان مرزائیوں سے تعلقات میل جول مفاسد سے خالی نہیں لہٰذا بعد میں مرزائی کی دعوت کو قبول کر لینا کھلی ہوئی غلطی اور بے شرمی اور حمیت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ نیز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم محبت کا اظہار ہے۔ دعوت میں شرکت کرنے والے اور مرزائی کو دعوت دینے والے دونوں مجرم ہیں۔ جلد از جلد توبہ کرنا لازم ہے[۱]۔ واضح رہے کہ تمام مسلمان مل کر اس برائی کو دور کریں[۲]۔

(۲) چونکہ مرزائی کافر ہیں[۳] اور مذکورہ مسلمان ان سے میل جول تعلقات رکھتے ہیں اور مرزائی اور وہ

---

۱) قال اللہ تعالی: ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، والرکون الی الشیء هو التکون الیه بالانس والمحبة فاقتضی ذلك النهی عن مجانسة الظالمین ومؤانستهم والانصات الیهم وهو مثل قوله تعالی: (فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین)، احکام القرآن للجصاص سورة هود، ج ٤ ص ٣٧٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
وقال اللہ تعالی: (یا ایها الذی آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم باالمؤدة) الممتحنة آیت ١ وفی شرح العقیدة الطحاویة: قوله: وکل دعوة نبوة بعده، فغي وهوی" (ش٩ لما ثبت انه خاتم النبیین، علم ان من ادعی بعده النبوة فهو کاذب، الخ" (باب کل من ادعی النبوة بعده صلی اللہ علیه وسلم کاذب ص ١٢٥، دار ابن حزم بیروت۔
۲) قال رسول اللہ ﷺ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من رای منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الایمان، کتاب صحیح مسلم، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان، ج ١ ص ٥٠، قدیمی کتب خانه۔
۳) قال اللہ تعالی: ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، الآیت ٤٠ سورة احزاب پاره نمبر ٢٢، وقد اخبر تعالی فی کتابه: ورسوله فی السنة المتواترة عنه انه لا نبی بعده، لیعلموا ان کل من ادعی هذا المقام بعده فهو کذاب افاك دجال ضال مضل، تفسیر ابن کثیر، پاره ٢٢، سورة الاحزاب (٣٣) آیت ٤٠، ج ٥ ص ١٨٨، قدیمی کتب خانه کراتشی، وهکذا فی الدر المختار: (وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورة (کفر) کتاب الصلوة باب الامامة، ج ٢ ص ٣٥٨، رشیدیه کوئته، طبع جدید، فهکذا فی العقیدة الطحاویة، ص ١٣٥، دار ابن حزم، بیروت۔

مسلمان ایک دوسرے کی دعوت وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اس بنا پر مولوی کا کہنا کوئی غلط نہیں البتہ مولوی کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ سمجھائیں [1]۔ لیکن اگر مذکورہ ممبران وغیرہ باوجود حکمت کے سمجھانے کے بھی تعلقات نہیں توڑتے تو اس مصلحت کی بنا پر کہ (مسلمان مرزائیوں کے شر سے محفوظ ہیں)۔ مولوی کا کہنا بجا اور صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قادیانی کا اپنے کو مسلمان کہنا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شخصے بنام عبدالعزیز مرا کہ من قسم بخدائے ذوالجلال والاکرام صحیح العقیدہ مسلمان ہستم۔ مرزائی بگوید و پروپیگنڈا بکندایں راسزا از روئے قرآن کریم وحدیث شریف و فقہ چیست۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

منجملہ از شروط صحت اسلام ودرستی عقیدہ ایں ہم است کہ یقین حاصل باشد کہ بعد از ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ دعویٰ نبوت کردہ آں دجال، کافر، کذاب ہست [2]، اگر فی الواقعہ شما ایں عقیدہ میدارید و نیز دیگر ضروریات دین را یقین میکنید و با ایں ہمہ کسے شمارا مرزائی یا کافر گوید۔ آں مجرم است و آں را خوف کفر است توبہ کردن لازم [3]۔ لیکن شرط ایں است کہ او بالیقین ایں قسم جملہ گفتہ باشد۔ و با قاعدہ شہادت شرعی بر گفتن اوازیں قسم جملہ ھائی موجود باشد۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴ر جب ۱۳۸۵ھ

---

۱) قال الله تعالى: ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، آيت سورة النحل۔

۲) كما في تفسير ابن كثير، تقدم تخريجه في السوال السابق۔

وكذا في شرح العقيدة الطحاوية: وكل دعوة نبوة بعده، فغي وهوى (تقدم تخريجه في السوال السابق)۔

۳) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ايما رجل قال لاخيه كافر فقد باء بها (اى رجع بائم تلك المقالة) احدهما: مرقاة المفاتيح شرح مشكوة، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان ...... ج ۹ ص ۵۵، دار الكتب علميه بيروت۔

وهكذا في فتح الملهم شرح صحيح مسلم، كتاب الايمان باب قول الرجل لاخيه المسلم، يا كافر ج ۲ ص ۳۵، دارالعلوم كراتشي۔

وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۷، رشيديه كوئته۔

لاہوری مرزائی کی امامت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کل مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۳ء بوقت سوا چار بجے دن سابق امام مسجد محمد طفیل ایم اے متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین نے جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ جب چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام دوکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لیے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کماحقہ مطلع فرمادیں۔

دستخط کنندگان عینی شاہد:

صابر حسین، محمد شریف، عبدالرحمان، ملک احمد خان سکنائی لنڈن، دوکنگ مسجد وہ مسجد ہے جس پر مرزائیوں نے پچاس سال غاصبانہ قبضہ رکھا۔ مولانا لال حسین مرحوم کے تبلیغی دورہ کے وقت آج سے پانچ برس قبل اہل اسلام کو دوبارہ قبضہ ملا۔ حاجی محمد اشرف گوندل۔ لنڈن۔ انگلینڈ۔

﴿ج﴾

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت اس کی کتابوں سے ظاہر ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ مدعی نبوت کو مجدد تسلیم کرنا تو کجا اسے مسلمان خیال کرنا بھی کفر ہے[1]۔ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس پر قرآن وسنت سے قطعی دلائل علماء امت نے پیش کیے ہیں۔ مسئلہ بہت واضح ہے علماء امت کا اس پر اجماع ہے[2]۔

---

۱) وذكر شيخ الاسلام: ان الرضا بكفر غيره انما يكون كفراً اذا كان يستجيره ويستحسنه ...... الخ (الروض الازهر شرح فقه الاكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص ٤٨٥، دار البشائر الاسلامية بيروت، وكذا في المرقاة، كتاب الآداب، ج ٩ ص ٣٣٤، دارالكتب العلمية بيروت۔ اجمع العلماء على ان شاتمه كفر، الخ، بزازية، كتاب الفاظ تكون اسلاماً، ج ٦ ص ٣٢٢، علوم اسلاميه، چمن۔

۲) قال الله تعالى ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، الآيت ٤٠ سورة احزاب، وفي شرح العقيدة الطحاوية: قوله وكل دعوة نبوة بعده فغي وهي، لما ثبت انه خاتم النبيين، الخ (باب كل من ادعى النبوة بعده صلى الله عليه وسلم كاذب، ص ١٢٥٠، دار ابن حزم، بيروت۔ وهكذا في تفسير ابن كثير، پاره ٢٢، سورة احزاب ٣٣، آيت ٤٠، ج ٥ ص ١٨٨، قديمي كتب خانه كراتشي۔

بنابریں اگر ثابت ہو جائے کہ دوکنگ مسجد کا سرکاری امام خواجہ قمر الدین لاہوری مرزائیوں کو (جو مدعی نبوت مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے ہیں) مسلمان یقین کرتا ہے تو وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھیں اور اسے دوکنگ مسجد کی امامت سے فوراً علیحدہ کر دیں(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ رمضان ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۳ء

قادیانی کی دعوت کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اگر کوئی مرزائی مسلمانوں کو کھانے کی دعوت دے تو ان کے گھر کھانا جائز ہے یا نہ؟ اگر کوئی دعوت کھائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔

فضل الرحمن

﴿ج﴾

مرزائی کی دعوت کھانا عوام المسلمین کے لیے جائز نہیں یہ اس طرح دھوکہ دیتے ہیں(۲)۔

مفتی محمد عبداللہ ۵ رشوال ۱۳۹۴ھ

مرزائی کی مسلمان اولاد سے رشتہ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ کٹر مرزائی احمدی ہے اس کی اولاد جو کہ بالغ ہے اپنی والدہ کے ساتھ انگلینڈ میں رہتے ہیں۔ کٹر مرزائی باپ کچھ دنوں سے یہاں اس ملک میں آیا ہوا ہے۔ اولاد کے خطوط سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہم شرع کے مطابق جو کچھ کہلوانا چاہیں ان کو کہلایا جا سکتا ہے۔ ہم احمدی نہیں

---

۱) ويكره) تنزيهاً) امامة عبد ...... وفاسق واعمى ...... الى قوله ...... (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر بها) ...... (فلا يصح لاقتداء به اصلاً، مختار، كتاب الصلوة، باب الامامة ج ٢ ص ٣٥٨، رشيديه كوئته۔ قال المرغيناني: تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا، (عالمگیری، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٨٤، علوم اسلامیه چمن۔

۲) قال الله تعالى: يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء تلقون اليهم بالمودة، آيت نمبر ٤ سورة الممتحنة۔ قال الله تعالى: (ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار) والركون الى الشيء هو السكون اليه بالانس والمحبة فاقتضى ذلك النهي عن مجانسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى (فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين)، (احكام القرآن للجصاص، سورة هود، ج ٤ ص ٣٧٩، دار احياء التراث العربي، بيروت۔

ہیں نہ ہم احمدیوں سے رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسے کٹر مرزائی کی اولاد جو کہ اپنے آپ کو مسلمان کہے اور جو یہ کہے کہ شرع محمدی کے مطابق جو کچھ مسلمان ثابت ہونے کے لیے شرائط ہیں۔ وہ ہم سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا ایسی اولاد کے رشتے ناطے کروانا، رشتہ ناطہ میں معاون بننا شرعاً جائز ہے۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ شرع محمدی میں مرزائی کی اولاد کے لیے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر پھر بھی پرکھنے کے لیے کیا ضابطے ہیں۔

﴿ج﴾

اگر اس مرزائی کی اولاد غلام احمد مرزا کو کاذب اور دائرہ اسلام سے خارج مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور دیگر ایمان و اسلام کے تمام ضروری عقائد رکھتے ہیں تو وہ مسلمان شمار ہوں گے اور جو معاملات مسلمانوں کے ساتھ جائز ہیں وہ ان کے ساتھ جائز ہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۴-۳-۱۳۸۹ھ

مشتبہ مرزائی کی رشتہ سے پہلے تحقیق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مرزائی ہے اس نے اپنے بھائی کو مرزائیت کی طرف دعوت دی۔ چنانچہ وہ اس طرف مائل ہو گیا اور ربوہ بھی گیا تھا اور اس کو مجدد بھی ماننے لگا۔ بعدہ اس کے سسرال والوں نے اس کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے اس کی بیوی اور بچوں کو اپنے گھر میں روک لیا ہے۔ سنا ہے کہ وہ اس اعتقاد سے رجوع کر کے پھر اسلام میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے سسرال والے یہ سنی سنائی بات پر اعتبار نہیں کرتے اور لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ اسلام میں داخل نہیں ہوا ہے اس کے سسرال والے اس کی بیوی بچوں کو اس کے گھر واپس نہیں بھیج رہے۔ لیکن اس شخص نے کہا تھا کہ میں نے مرزائیت چھوڑ دی ہے اور مسلمان ہو گیا ہوں چنانچہ اس نے نکاح ثانی بھی کیا تھا۔ لیکن سسرال والوں نے اعتبار نہیں کیا۔ اس کی بیوی کو اس کے گھر نہیں بھیجا۔ اب سوال یہ ہے کہ نکاح اس کا شرعاً باقی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

۱) (الایمان) هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورةً، در مختار مع رد المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٤٢، رشيديه كوئته طبع جديد۔

[2] الايمان في الشرع، هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى، اى تصديق النبي صلى الله عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه من عند الله تعالى اجمالاً، (شرح العقائد، الايمان، ص ۹۰، دار الاشاعت عربية، كوئته / قندهار۔

﴿ج﴾

تحقیق کی جائے ایسے خفیہ طور پر کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس شخص کے عقائد موجودہ کیا ہیں اگر واقعی صدق دل سے تائب ہو چکا ہے تو نکاح ثانی بھی درست ہے اور بیوی بھی اس کے حوالہ کر دی جائے[۱] اگر معلوم ہو کہ اس نے دھوکہ کیا ہے اور اس کے عقائد اب بھی ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے تو یہ نکاح ثانی بھی غلط ہوا اور بیوی اس کے حوالہ نہ کی جائے[۲] بہر حال خوب تحقیق کی جاوے۔ محض خیالات وشبہات کی بنا پر کوئی فیصلہ نہ کیا جاوے[۳]۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۱۹ محرم ۱۳۹۱ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ محرم ۱۳۹۱ھ

مرزائی مرتد اور واجب القتل ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا مرزائی کافر مرتد اور واجب القتل ہیں۔

﴿ج﴾

مرزائی کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اسی پر اجماع امت ہے[۴]۔ فقط واللہ اعلم۔

---

۱) فلو ارتد مراراً وجدد الاسلام ...... وجدد النكاح ...... تحل امراء ته الخ، رد المحتار، كتاب النكاح، ج ٤ ص ٣٦٢، رشيديه كوئته، طبع جديد۔
وفي الهندية، وان ارتدا معاً ثم اسلما معافهما على نكاحهما استحساناً، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج ٦ ص ٣٢١، علوم اسلاميه چمن۔ ولو ارتد والعياذ بالله تحرم امراء ته ويجدد النكاح بعد اسلامه، (بزازيه، كتاب الفاظ تكون اسلاماً ج ٦ ص ٣٢١، علوم اسلاميه چمن۔

۲) (وارتد احدهما) اى الزوجين (فسخ) ...... (عاجل) بلا قضاء، در مختار، كتاب النكاح، ج ٤ ص ٣٦٢، رشيديه كوئته جديد۔ وفيه ايضاً، ما يكون كفراً اتفاقاً، يبطل العمل والنكاح، (كتاب الجهاد، مطلب جملة من لا يقتل اذا ارتد، ج ٦ ص ٦٧٧، رشيديه كوئته۔

۳) قال الله تعالى: وان الظن لا يغنى من الحق شيئاً، سورة النجم، الآية ٢٨۔

٤) وقد اخبر تعالى في كتابه ورسوله في السنة المتواترة عنه، انه لا نبي بعده، ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك، دجال ضال مضل (تفسير ابن كثير، سورة احزاب آيت ج ٥ ص ١٨٨، قديمى كتب خانه كراتشى۔ وكذا فى الدر المختار (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر) (كتاب الصلوة، باب الامامة ج٢ ص ٣٥٨، رشيديه كوئته جديد۔
وكل دعوة نبوة بعده، فغي وهوى، لما ثبت انه خاتم النبيين، علم ان من ادعى بعده النبوة فهو كاذب، (شرح العقيدة الطحاوية، باب كل من ادعى النبوة، ص ١٢٥٠، دار ابن حزم بيروت۔

لاہوری مرزائی کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قادیانی ولاہوری احمدیوں کی شریعت غرا کی نگاہ میں کیا حیثیت ہے۔ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟ ان پر نماز جنازہ پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان پر نماز جنازہ کی امامت کیسی ہے اور اس امام کا جس کو وہ جائز قرار دیتا ہے کیا حکم ہے؟ ان کے ساتھ نکاح کیسا ہے اور نکاح کے جائز قرار دینے والے کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جدید نبوت کا مدعی یقیناً کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے[1]۔ اسے نبی ماننے والے قادیانی یا مجدد اور مسلمان ماننے والے لاہوری ہوں دونوں طرح کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں[2]۔ ان کی نماز جنازہ پڑھانی یا پڑھنی جائز نہیں ہے[3]۔ ان سے کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا[4]۔ اگر نکاح کے بعد خاوند مرزائی مذہب اختیار کرلے۔ تب بھی بوجہ مرتد ہونے کے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے[5]۔ ان کے ساتھ نکاح جائز قرار دینے والا شخص یا ان کی نماز جنازہ کے جواز کا قائل اگر مرزا صاحب

---

۱) قد تقدم تخریجه فی السوال السابق۔

۲) اذا رای منکراً معلوماً من الدین بالضرورة فلم ینکره ولم یکرهه ورضی به واستحسنه کان کافراً۔
مرقاة شرح مشکوة، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، ج ۹ ص ۳۲٤، دار الکتب علمیه بیروت۔
"ومن رضی بکفر الغیر یصیر کافراً" (فتاوی خانیه، کتاب السیر، باب ما یکون کفراً، ج ۳ ص ۵۷۲ علوم اسلامیه چمن) وهکذا فی البزازیة، ان شاتمة کافر حکمه القتل ومن شك فی عذابه وکفره کفر ...... الخ (کتاب الفاظ تکون اسلاماً الخ، ج ٦ ۳۲۲، علوم اسلامیه چمن۔

۳) (اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب) ای: ولا یغسل ولا یکفن الخ (شامیة، کتاب الصلوة، مطلب فی حمل المیت ج ۳ ص ۱۵۸، رشیدیه کوئٹه۔
وفی الهندیة: وشرطها اسلام المیت وطهارته الخ، (کتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل خامس فی الصلوة علی المیت، ج ۱ ص ۱۵۸، علوم اسلامیه چمن، وهکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوة، ج ۲ ص ۳۱٤ رشیدیه کوئٹه۔

٤) (ولا) یصلح (ان ینکح مرتد او مرتدة احداً) من الناس مطلقاً، (در مختار، کتاب النکاح، ج ٤ ص ۳۷۲، رشیدیه کوئٹه طبع جدید)۔
ولا یجوز نکاح المجوسیات...... ویدخل فی عبدالأوثان...... وکل مذهب یکفر به معتقده الخ (کتاب النکاح ص ۲۸۱، ج ۱، علوم اسلامیه چمن)

۵) (وارتداد احدهما فسخ عاجل) بلاقضاء (درمختار علی ردالمحتار، کتاب النکاح، ص ۳٦۲، ج ٤، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔
وفیه ایضاً: ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح، (کتاب النکاح، ج ٦ ص ۳۷۷، رشیدیه کوئٹه ۔

کے دعویٰ نبوت کو جان کر یہ فتویٰ اس بنیاد پر دیتا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اس کے نزدیک اسلام کا بنیادی عقیدہ نہیں ہے تو وہ بھی کافر ہے[۱]۔ اور اگر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ جو کتاب وسنت سے صراحۃً ثابت ہے اس پر کامل عقیدہ رکھ کر مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت یا اس کے عقائد باطلہ اور اس کے ضلال سے مطلع نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہے[۲]۔ البتہ اس کا فرض ہے کہ بغیر تحقیق مذہب قادیانی اس طرح کا فتویٰ نہ دے اور اس فتویٰ سے رجوع کر کے توبہ کرے[۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۷-۲-۸۸ھ

مسلمان ہونے والے قادیانی کا اپنے خاندان سے تعلق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے قادیانی عقائد اختیار کر کے کافر اور مرتد ہو گیا ہے اور دوسرا بھائی ابھی تک اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت ظاہر کرتا ہے۔ اس کو ہر چند سمجھایا گیا کہ مرزائی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اپنے بھائی سے ہر قسم کا قطع تعلق کرے مگر وہ اپنے قادیانی بھائی سے قطع تعلق نہیں کرتا۔ بلکہ رشتہ ناطہ بھی کر رہا ہے اور شادی بیاہ خوشی غمی میں بھی قادیانی بھائی کے ساتھ شریک ہوتا رہتا ہے۔ اب اس شخص کے بارے میں اس کی مسلمان برادری پریشان ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے آدمی سے مسلمان برادری قطع تعلق کرے اور اس کو اپنی خوشی وغمی میں شریک نہ کرے۔ کیا ایسا کرنے کی شرع شریف میں اجازت ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) وقد اخبر تعالى فى كتابه ورسوله فى السنة المتواترة عنه انه لا نبى بعده الخ (تقدم تخريج فى السوال السابق) وفى الدر المختار، (وان) انكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر) (كتاب الصلوة، باب الإمة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشيديه كوئته طبع جديد۔
وهكذا فى المرقاة شرح مشكوة اذا راى منكراً من الدين ضرورة ...... ورضى به ...... كان كافراً (اسی سوال میں اس کی تخریج گزر گئی)

۲) (الايمان) هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم فى جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورةً، (شامى كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ۳٤۲۔
وهكذا فى البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ۲۰۳، رشيديه كوئته۔

۳) قال الله تعالى: (انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب)، آيت ۱۷، سورة النساء، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه، (من الحديث الطويل، حديث الإفك صحيح البخارى كتاب المغازى، ج ۲، ص ٥٩٦، قديمى كتب خانه كراتشى۔

﴿ج﴾

مرزائیوں کے ساتھ برادری کے تعلقات قائم کرنا یا رشتہ کرنا ناجائز وحرام ہے[1]۔ لہٰذا اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس مرزائی کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کردے اور نخلع و نترک من یفجرک[2] پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے اس کے بندوں کی رضامندی کچھ نہیں۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق[3]۔ دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کو مزید سمجھانے کی کوشش کریں اور اس شخص کو اپنانے کی کوشش کریں تاکہ یہ مرزائی کے ساتھ تعلقات ختم کردے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرزائی کو کافر نہ سمجھنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب تعلیم یافتہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے ہیں اور شاگرد حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب کے ہیں اور نہایت صحیح العقیدہ اہل سنت ہیں اور نہایت پختہ حنفی المذہب دیوبندی ہیں۔ صرف ان کا ہمیشہ سے عقیدہ مرزا قادیانی کو کافر نہ کہنے کا ہے، ہاں بدعتی، ملحد، بددین، زندیق، خارجی دائرہ سنت وجماعت سے خارج غرض ہر برے لفظ سے برا کہتے ہیں۔ لیکن کافر نہیں کہتے کہ مذہب اثبت واسلم یہی ہے۔ اس لیے کہ متقدمین فقہاء مجتہدین جس بدعتی کی بدعت خلاف قطعیہ تاویل کرنے سے کفر تک بھی پہنچ جائے اس کو بھی بسبب اہل قبلہ ہونے کے کافر نہیں کہتے۔ اور بعض فقہاء مجتہدین کافر کہتے ہیں۔ چنانچہ درمختار وغیرہ کتب میں مسطور ہے۔ کل من کان من قبلتنا لایکفر بہ حتی

---

۱) قال اللہ تعالیٰ: (ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار) والرکون الی الشیء ھو السکون الیہ بالانس والمحبۃ فاقتضی ذلک النھی عن مجانسۃ الظالمین ومؤانستھم والإنصات الیھم وھو مثل قولہ تعالیٰ: (فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین) احکام القرآن للجصاص، سورۃ ھود، ج ٤ ص ٣٧٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

وقال اللہ تعالیٰ: (یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ) آیت ١، الممتحنۃ۔

۲) مصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب ٦، باب ١٢٩، فی قنوت الوتر من الدعاء، حدیث ٥، ج ٢ ص ٢٠٠، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان۔

۳) مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ، فصل ثانی، ص ٣٢١، قدیمی کتب خانہ۔

وایضاً فی الشامیۃ: لا طاعۃ لمخلوق الخ کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، ج ٩ ص ٦٧٢، رشیدیہ کوئٹہ طبع جدید۔

٤) قال اللہ تعالیٰ: (وذکر فإن الذکری تنفع المؤمنین)، آیت ٥٥ سورۃ الذاریات۔

الخوارج الذین یستحلون دمائنا و اموالنا ونسائنا وسب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وینکرون صفاتہ تعالی وجواز رویتہ لکونہ تاویلا و شبھة ۔پس ان کا اعتقاد اسی سبب سے بگڑا کہ انہوں نے معانی نص کو اپنے مطلب کے موافق بنالیا۔ جو معانی سلف الصالحین سے مروی تھے ان کے پابند نہ ہوئے و ما من کفرھم اس پر امام شامی نے فرمایا کہ مذہب معتمد اس کے خلاف اور خلاصہ سے بحر الرائق نے بعض ایسے فروع نقل کیے ہیں کہ جن بدعتیوں کا صریح کفر پایا جاتا ہے مگر ان کے لیے کہا ہے مذہب معتمد یہی ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہ کہا جاوے۔ (ان کی تاویل کے سبب) درمختار ص ۳۳۸ ج ۳ میں ہے۔ثم الخارجون عن طاعة الامام..... بتاویل یرون انہ علی باطل کفر او معصیة توجب قتالہ بتاویلھم یستحلون دمائنا واموالنا ویسبون نسائنا ویکفرون اصحاب نبینا علیہ افضل الصلوة حکمھم حکم البغاة باجماع الفقھاء کما حققہ فی الفتح ۔اس کے بعد صاحب درمختار نے فرمایا۔وانما لم نکفر ھم لکونہ عن تاویل و ان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل کما مر فی باب الامامة ۔فتح القدیر میں ہے کہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک کافر نہیں اور بعض محققین ان کے کفر کے قائل ہوئے ہیں اور محیط میں ہے بعض فقہاء تکفیر کے قائل ہیں اور بعض فقہاء تکفیر نہیں کرتے اس بدعت والے کی جس کی بدعت دلیل قطعی کے مخالف اور کفر ہو۔ صاحب محیط نے عدم تکفیر کو اثبت واسلم لکھا ہے۔امام حلبی نے کہا کہ یہ کلاو جھیہ ھکذا فی غایة الا وطار اس پر مولوی صاحب موصوف الصدر فرماتے ہیں کہ سلف الصالحین کا طریق افضل واسلم ہے۔مرزا قادیانی کے کفر بھی تمام تاویلات باطلہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔اب اس مولوی صاحب کا کیا حال ہے۔ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اور پہلے جو عرصہ دراز سے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان سب کی قضا ہے یا نہ؟ اور مرزا مذکور کو کافر کہنا فرض یا سنت یا ترک اولی۔مولوی صاحب مذکور کا استدلال صحیح ہے یا غلط؟

﴿ج﴾

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت چونکہ ان کی ذاتی تحریرات اور لٹریچر سے اور اس کے متبعین کی عظیم جماعت کی سند سے متواتر ثابت ہو چکا ہے اور ختم نبوت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے[1]۔آپ ﷺ کے بعد کسی

---

۱) قال اللہ تعالی: ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین آیت نمبر ۴۰، سورة الاحزاب۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ولا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریباً من ثلاثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ الحدیث۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ج ۱ ص ۵۰۹، قدیمی کتب خانہ، وفی شرح العقیدة الطحاویة: قولہ: "وانہ خاتم الانبیاء ...... قولہ: وکل دعوة نبوة بعدہ، فغی وھوی" لما ثبت انہ خاتم النبیین، علم ان من ادعی بعدہ النبوة فھو کاذب الخ (ص ۱۲۵/۱۱۷، دار ابن حزم بیروت۔

نئی نبوت (خواہ جس قسم کی بھی ہو) کا عطا ہونا بند ہو چکا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ اسی عقیدہ پر گزر چکا ہے اور ضروریات دین میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غیر ضروریات دین میں خواہ قطعیات کیوں نہ ہوں تاویل کرنے سے حکم کفر سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن ضروریات دین میں نہیں[1]..... (رسالہ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین مؤلفہ حضرت شاہ صاحب کشمیری نور اللہ) مولوی صاحب کو اس عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے[2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قادیانیوں سے تعلقات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مرزائیوں سے لین دین نشست و برخاست برادری کے تعلقات کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

نخلع و نترک من یفجرک کے تحت ان کے باطل اعتقادات و رسومات سے الگ تھلگ رہنا ضروری ہے ان سے برادری اور دوستانہ تعلقات رکھنا درست نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) (وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورة (کفر) در مختار کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشیدیه کوئٹه، وفیه ایضاً: اذا لم تکن الآیة او الخبر المتواتر قطعی الدلالة او ...... ففی کل من هذه الصور لا یکون الجحود کفراً الخ (شامی، کتاب الجهاد، باب المرتد ج ٦ ص ٣٤٤، رشیدیه کوئٹه، وهکذا فی البحر الرائق: وفی التار خانیة: لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢١٠، رشیدیه کوئٹه۔

۲) قال الله تعالی: انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب، آیت ۱۷، سورة النساء۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم: فإن العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله علیه۔ (من لحدیث الطویل، حدیث الإفك صحیح البخاری، کتاب المغازی، ج ۲ ص ٥٩٦، قدیمی وکما فی الشامیة: وما فیه خلاف یؤمن بالإستغفار الخ (کتاب الجهاد، باب المرتد ج ٦ ص ٣٧٧، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

۳) قال الله تعالی: یا ایهاالذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة، الآیت ۱ سورة الممتحنة۔ وفی احکام القرآن للجصاص: قال الله تعالی: (ولا ترکنوا الی الله ظلموا فتمسکم النار) والرکون الی الشیء هو السکون الیه بالانس والمحبة فاقتضی ذلك النهی عن مجانسة الظالمین ومؤانسته الخ (سورة هود ج ٤ ص ٣٧٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

مرزائی سے نکاح کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) کیا مرزائی (احمدی) فرقہ اسلام سے خارج ہے اور اگر ہے تو کن وجوہات کی بنا پر۔

(۲) کیا اہل سنت والجماعت کی لڑکی کا نکاح ایک مرزائی سے ہوسکتا ہے یا نہ اور کیا مرزائی لڑکی کا نکاح اہل سنت والجماعت کے لڑکے کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۳) اگر نکاح ہو چکا ہو تو کیا وہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

السائل: شریف احمد آزاد کشمیر ضلع میر پور

﴿ج﴾

۱- مرزائی (احمدی) کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ یہ غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی ہے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے بالتصریح ثابت ہے اور اس کا انکار کفر وارتداد ہے لہٰذا یہ لوگ مسلمان نہیں[۱]۔ (۲) مسلمان اہل سنت والجماعت لڑکی کا نکاح مرزائی سے بالکل ہرگز ہرگز جائز نہیں اور ایسے ہی مرزائی لڑکی کا نکاح مسلمان لڑکے کے ساتھ بھی جائز نہیں[۲]۔ (۳) اور جو نکاح ہو چکا ہو وہ صحیح نہیں فوراً ان دونوں ناکح ومنکوحہ کے درمیان جدائی کر دی جائے[۳]۔ فقط والسلام واللہ اعلم۔

---

۱) قال اللہ تعالی: ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ آیت ٤ سورۃ الاحزاب۔

وفی تفسیر ابن کثیر: وقد اخبر تعالی فی کتابہ رسولہ فی السنۃ المتواترۃ: انہ لا نبی بعدہ، لیعلموا ان کل من ادعی ھذا المقام بعدہ فھو کذاب، افاك، دجال ضال، مضل الخ (سورۃ الاحزاب آیت ٤٠، ج ٥ ص ١٨٨، قدیمی۔

وکذا فی الدر المختار: (وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ (کفر) کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ ج ٢ ص ٣٥٨، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) ولا یصلح (ان ینکح مرتد او مرتدۃ احداً من الناس مطلقاً، در مختار، کتاب النکاح، ج ٤ ص ٣٦٢، رشیدیہ کوئٹہ۔

وھکذا فی الھندیۃ: ولا یجوز نکاح المجوسیات …… ویدخل فی عبدۃ الاوثان …… وکل مذھب یکفر بہ معتقدہ الخ (کتاب النکاح، باب المحرمات بالشرك، ج ١ ص ٢٨١ علوم اسلامیہ چمن۔

وھکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ج ٣ ص ١٨١، رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ الخ (ھندیۃ، کتاب الناح، باب نکاح الکافر ج ١ ص ٣٣٩، علوم اسلامیہ چمن (ارتد احدھما) ای الزوجین (فسخ) …… عاجل بلا قضاء، (در مختار، کتاب النکاح، باب نکاح کافر ج ٤ ص ٣٦٢، رشیدیہ کوئٹہ۔

قادیانی کا جنازہ پڑھانے والے امام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) ہمارے شہر مری کی ایک مسجد کے پیش امام مولوی صدیق اکبر نے ایک ایسے متمول مقامی مرزائی کی نماز جنازہ کی امامت کی جو عرصہ قریباً پچاس سال سے اس شہر میں سکونت پذیر تھا اور شہر کا بچہ اور بوڑھا بخوبی اسے پہنچانتا تھا۔ شہر بھر کے عوام اور مقتدی مولوی صاحب کی امامت سے سخت متنفر اور حد درجہ مشتعل ہیں کیا ایسا شخص اہل سنت والجماعت کی مسجد کا امام باقی رہ سکتا ہے۔

(۲) مولوی صاحب مذکور نے گراں قدر رقم لے کر یہ خدمت انجام دی ہے۔ اس قسم کی اجرت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ایسا کرنے والا شریعت حقہ کے نزدیک کیسا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کذاب[۱] اور اس کے پیروکار یعنی اس کو اپنے دعاوی میں سچا سمجھنے والے کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں[۲]۔ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا بالکل درست نہیں ہے[۳] اور کسی امام مسجد کا یہ فعل بالکل قبیح ہے اور اگر وہ امام بھی ایسے ہی عقائد رکھتا ہے تو اسلام سے خارج ہوگا[۴]۔

(۲) ایسے شخص کی امامت صحیح نہیں[۵] جب تک کہ اس فعل سے اعلانیہ توبہ نہ کرے اور مرزائیوں کے کافر

---

۱) (قد تقدم تخریجه فی السوال السابق۔

۲) اذا رای منکرا معلوماً من الدین بالضرورة فلم ینکره ......واستحسنه کان کافراً، (مرقاة کتاب الآداب، ج ۹ ص ۳۲٤، دار الکتب العلمیة بیروت، ان الرضا بکفر غیره انما یکون کفراً اذا کان یستجیزه و یستحسنه (شرح فقد الاکبر، فصل فی الکفر صریحاً وکنایةً، ص ٤٨٤، دار البشائر الإسلامية بیروت۔
وهکذا فی البزازیة: کتاب الفاظ تکون اسلاماً ج ٦ ص ۳۲۲، علوم اسلامیه چمن۔

۳) اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب، ای ولا یغسل ولا یکفن، (شامیة، کتاب الصلوة، باب الجنائز، ج ۳ ص ۱۵۸، رشیدیه کوئٹه۔
وفی الهندیة: وشرطها اسلام المیت وطهارته، (کتاب الصلوة، باب الجنائز ج ۱ ص ۱٦۲، علوم اسلامیه چمن۔ وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، ج ۲ ص ۳۱٤، رشیدیه کوئٹه۔

٤) قد تقدم تخریجه فی اول السوال۔

۵) واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لا یهتم لامر دینه وبان فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، کتاب الصلوة، باب الإمامة ج ۲ ص ۳۵٦، رشیدیه کوئٹه۔
وفی العالمکیریة: وحاصله ان کان هویً لا یکفر به تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا الخ (کتاب الصلوة، باب الإمامة ج ۱ ص ۸٤، علوم اسلامیه چمن) وفی الشامیة: ایضاً، (وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورةً (کفر بها) ...... (فلا یصح الإقتداء به اصلاً، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

ہونے کا صحیح اقرار نہ کرے یوں بھی کسی کے لیے جائز نہیں کہ نماز جنازہ کی اجرت لیوے[۱] اور بدوں مقتدیوں کی رضامندی کے امامت کروائے جبکہ دین کی وجہ سے اس کی امامت کو ناپسند کرتے ہیں[۲]، فقط واللہ اعلم۔

کلمہ پڑھنے کا اعتبار نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مثلاً زید زندگی میں ختم نبوت کا منکر تھا اور غلام احمد کو نبی مانتا تھا اور چندہ بھی ربوہ میں بھیجتا رہتا تھا اور جب مرنے لگا تو وصیت بھی کی کہ مجھے ربوہ میں دفن کرنا اور دفن کے لیے زمین بھی قیمتاً ربوہ میں بطور دستور مرزائیوں کے لے رکھی تھی اور مرنے سے قبل زید کا رشتہ دار بکر آیا اور اس نے کہا کہ توبہ کرلو لیکن اس نے جواب دیا کہ مجھے درد ہے چھوڑو اور جب مر گیا تو اس کے لڑکوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ وہ کلمہ پڑھ رہا تھا اور ایک مولوی صاحب نے اس کا جنازہ پڑھا دیا کہ وہ مسلمان ہے کیونکہ کلمہ پڑھ رہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جنازہ پڑھنا جائز تھا یا نہ اور جائز نہ تھا تو مولوی صاحب کو کیا کرنا چاہیے اور اس کے لڑکوں کے سوا کوئی بھی شہادت نہیں دیتا کہ شہادت قبول ہو یا نہ آیا اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا عنداللہ۔

﴿ج﴾

ختم نبوت کا انکار کفر ہے جو شخص اس کفر کا آخر دم تک (العیاذ باللہ) اظہار کرتا رہے اسے کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ معاملہ تجہیز و تکفین و تدفین وغیرہ کیا جائے گا[۳]۔ اس کی جنازہ کی نماز پڑھنی مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہوگی[۴]۔ نفس کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھ لینے اور اس کے ثابت ہو جانے کے باوجود اس پر

---

۱) مع ان الذی افتی به المتاخرون انما هو التعلم والاذان والإمامة وصرح المصنف فی المنع ...... بتعلیل ذلك بالضرورة الخ (شامی، کتاب الوصایا، ج ۱۰ ص ۴۲۰، رشیدیه کوئٹه طبع جدید، وفیه ایضاً: کتاب الإجارة مطلب فی الاستیجار علی الطاعات، ج ۹ ص ۹۴، رشیدیه کوئٹه، وفی الهندیة: فی الاصل لا یجوز الاستیجار علی الطاعات ...... ومشائخ بلخ جوزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن ...... الخ (کتاب الإجارة، وطلب الاستیجار علی الطاعات ج ٤ ص ٤٤٨، علوم اسلامیه چمن۔

۲) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ثلاثة لا تجاوز صلوتهم آذانهم ...... وامام قوم وهم له کارهون، الحدیث (جامع الترمذی باب الصلوة، ج ۱ ص ۸۳، ایچ ایم سعید کراچی۔ وفی الشامیة:)ولو ام قوماً وهم له کارهون، انما الکراهة لفساد وفیه ...... کره) له ذالك ذالك تحریماً لحدیث الخ (کتاب الصلوٰة، بالإمامة، ج ۲ ص ۳۵٤، رشیدیه کوئٹه طبع جدید۔

۳) قال الله تعالی: ولکن رسول الله وخاتم النبیین الآیة، (وقد تقدم تخریجه فی السوال السابق وقبله)۔

٤) اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب، ای ولا یغسل ولا یکفن الخ (وقد تقدم تخریجه ایضاً فی السوال السابق)۔

مسلمان کے احکام جاری نہیں ہوں گے [۱]۔ مرزائی تو توحید کے بھی قائل ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مانتے ہیں اور اس کلمہ شریف کا مطلب تو اتنا ہی ہے۔ اس کے تو وہ مرزائی ہو کر بھی قائل تھے۔ مرزائی کا کفر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کاذب مدعی نبوت کی نبوت کے اقرار سے لازم آیا تھا اور اس کلمہ شریف کے پڑھنے سے اس مذکور کفر کی برأت لازم نہیں آتی لہٰذا اس کلمہ کو ایسے مبینہ کفر سے بیزاری کا قرینہ نہیں قرار دیا جائے گا البتہ اگر اس نے ختم نبوت کا اقرار اور مدعی نبوت کی نبوت سے انکار کا اظہار کیا ہو اور اس پر گواہ ہوں خواہ اس کے لڑکے ہی کیوں نہ ہوں تو اس صورت میں مسلمان ہوگا [۲] اور اس کا جنازہ پڑھنا درست ہوگا۔ مولوی صاحب مذکور نے یقیناً غلطی سے اس کا جنازہ پڑھا ہوگا اسے کافی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اور اس گزشتہ غلطی سے توبہ کرنی چاہیے۔ غلطی کا اقرار کرنے کی صورت میں توبہ کرکے اس کی امامت درست ہوگی [۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

''فرقہ شیعہ'' سے تعلقات کا حکم

﴿س﴾
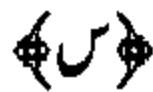
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ غنیۃ الطالبین میں مذہب شیعہ کے چند گروہ ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ خداوند کریم کی ذات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حلول کرلیا ہے۔ قرآن مجید بھی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نازل ہوتا تھا لیکن جبریل سے غلطی ہوگئی۔ نیز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کے قائل نہیں۔ اس گروہ کی میت کا جنازہ شرعاً پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

---

۱) الايمان) هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورةً (در مختار، كتاب الجهاد، باب المرتد ج ٦ ص ٣٤٢، رشيديه كوئته، وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، احكام المرتدين ج ٥ ص ٢٠٢ رشيديه كوئته۔ وقد مر تخريجه، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لايؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به" مشكوة المصابيح باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج ١ ص ٣٠، قديمي كتب خانه كراتشي)۔

۲) (والصلوة عليه فرض كفاية) قال القهستاني وسبب وجوبها الميت المسلم الخ (شامي ٩ كتاب الصلوة مطلب في الصلوة الجنازة ج ٣ ص ١٢٠، رشيديه كوئته، وكما في الهندية: الصلوة على الجنازة فرض كفاية ...... وشرطها اسلام الميت كتاب الجنائز فصل في الصلوة على الجنازة، ج ١ ص ١٦٢، علوم اسلاميه چمن، وهكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، ج ٢ ص ٣١٤، رشيديه كوئته۔

۳) قال الله تعالى: انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب، الآيت ١٧ سورة النساء۔ قال النبي صلى الله عليه وسلم: فإن العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه (الحديث الطويل) صحيح بخاري، كتاب المغازي، حديث الافك، ج ٢ ص ٥٨٦، قديمي كتب خانه، وقال ايضاً: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" مشكوة۔

(۲) دوسرا گروہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو سب وشتم دیتے ہیں۔اس سب الشیخین دینے والے گروہ کی میت کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تیسرا گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو سب وشتم نہیں دیتا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتا ہے اس گروہ کی میت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص مذہب سنی کا دوسرے مسلمان کو سب وشتم دیتا ہے۔کیا اس سنی کی میت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

(۵) ایک شخص مسلمان کلمہ گو ہے لیکن زانی بے حد ہے اور سود خور اور شرابی ہے اور صوم وصلوٰۃ کا پابند نہیں۔اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) یہ گروہ جن کے مذکورہ بالا عقائد ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں [۱]۔ان کی نماز جنازہ مسلمانوں کے لیے درست نہیں [۲]۔(۲تا۵) ان سب کی نماز جنازہ میں شرکت درست ہے [۳] البتہ اگر مقتداء اور پیشوا شخص تنبیہ کی خاطر شریک نہ ہوا تو یہ بھی جائز ہے۔بغیر جنازہ پڑھے ان لوگوں کو دفن کرنا جائز نہیں ہے [۱]۔واللہ اعلم۔

---

۱) نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها الخ (شامي، كتاب الجهاد، ج ٦ ص ٣٦٤ رشيديه كوئته طبع جديد، وهكذا في الهندية: ولو قذف عائشة رضي الله عنها الزنى كفر بالله ...... ويجب اكفار الروافض ...... بقولهم ان جبرئيل غلط في الوحي الخ كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٦٤، رشيديه كوئتهو وهكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين ج ٥ ص ٢٠٤، رشيديه كوئته۔

۲) وشرطها اسلام الميت وطهارته، فلا تصح على الكافر الخ (بحر الرائق، كتاب الجنائز، ج ٢ ص ٣١٤، رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: كتاب الجنائز، فصل خامس ج ١ ص ١٦٣، رشيديه كوئته، وكذا في الشامية: كتاب الصلوة باب الجنائز، ج ٢ ص ٣١٤، رشيديه كوئته۔

۳) واما الرافضي ساب الشخين بدون قذف السيدة عائشة ...... فليس كفر،)شامي كتاب الجهاد، باب الجنائز، ج ٢ ص ٢٠٧، رشيديه كوئته۔

وهكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة ج ١ ص ٦١١، رشيديه كوئته۔

"كل مسلم مات بعد الولادة يصلي عليه صغيراً كان او كبيراً ...... الا البغاة وقطاع الطريق ...... لقول النبي صلى الله عليه وسلم، صلوا على كل بر وفاجر الخ (بدائع الصنائع، كتاب الجنائز، فصل في صلوة الجنازة، رشيديه كوئته۔

وهكذا في العالمكيرية: كتاب الجنائز، ج ١ ص ١٦٣، رشيديه كوئته، وكذا في الشامية: كتاب الجنائز، مطلب في صلوة الجنازة، ج ٣ ص ١٢٥، رشيديه كوئته۔

''شیعہ ہوگیا ہوں'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اہل سنت والجماعت ہوں میں نے ایک شیعہ لڑکی سے شادی کرلی ہے اور شادی کرنے سے پہلے لڑکی کے والد نے مجھ سے قرآن شریف پر ہاتھ رکھوا کر کہلایا کہ میں شیعہ ہوگیا ہوں میں نے شادی کے لیے مجبوراً ایسا کہا۔ مگر دل میں شیعہ نہیں ہوا اب مجھے اس کے لیے کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

السائل حاجی احمد قریشی۔طرابلس۔لیبیا۔

﴿ج﴾

اس لفظ کے کہنے سے کہ میں شیعہ ہوگیا ہوں کفر لازم نہیں آتا۔خصوصاً جب کہ دل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی عقیدت واحترام موجود ہو[۲]۔صرف کسی مصلحت کے لیے (جیسا کہ سوال میں مرقوم ہے) شیعیت کا اظہار کرلے اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔سوائے اس کے کہ استغفار کرے اور حکمت عملی کے ساتھ بیوی کو بھی اہل سنت عقائد پر لے آوے۔فقط واللہ تعالیٰ عالم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳ رمضان ۱۳۹۴ھ

---

۱) اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ (الحدیث) صحیح مسلم، باب الجنائز، ج ۱ ص ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

وفی الشامیۃ: فالظاھر انہ امتنع زجرا لغیرہ عن مثل ھذا الفعل ...... ولا یلزم من ذلک عدم صلوۃ احد علیہ من الصحابۃ الخ

وھکذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ باب الجنائز ج ۳ ص ۱۲۷، رشیدیہ کوئٹہ جدید، ومثل ھذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب الشھید، ج ۲ ص ۳۵۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) ثم ان کانت نیۃ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم ...... وفی الینابیع قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ: لا یکون الکفر کفراً حتی یعقد علیہ القلب، (الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۴۵۸، ادارۃ القرآن والعلوم کراتشی۔

کلمہ طیبہ میں اضافہ کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کلمہ طیبہ شریف یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں زیادتی کرے۔ یعنی علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وغیرہ کلمات بڑھائے ایسا شخص مسلمان ہے یا کہ کافر ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمادیں۔

﴿ج﴾

ایسا شخص گمراہ اور بے دین ہے توبہ اور استغفار اس پر لازم ہے اور کافر نہیں(۱)۔ فقط والسلام واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۲-۳-۹۶

الجواب صحیح عبد اللطیف غفر لہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۲-۳-۹۶

شیعہ تبرائی کا ذبیحہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ذبیحہ اہل تشیع تبرائی کا جائز ہے یا نہ۔ شیعہ تبرائی مرد کا نکاح سنی عورت سے جائز ہے یا نہ۔ اہل سنت مولوی ان کا نکاح پڑھ سکتا ہے یا نہ۔ شیعہ تبرائی مسلم ہیں یا کافر۔ یا اہل کتاب شیعہ تبرائی اور سنی کا آپس میں نکاح ولیمہ دعوت خیرات صدقات کھانا پینا جائز ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو شیعہ امور دین میں سے کسی مسئلہ ضروریہ کا منکر ہو۔ مثلاً الوہیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو یا صحبت صدیق کا منکر ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو یا جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو۔

---

۱) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصی ہونا یا خلیفہ بلا فصل ہونا شیعوں کا افتراء ہے البتہ کفر نہیں فسق اور بدعت ہے کما فی الشامیة: "ان الرافضي اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر وان كان يفضل علياً عليهما فهو مبتدع" (در المختار، كتاب الجهاد مطلب بهم في حكم سب الشيخين ج ٦ ص ٣٦٣، رشیدیہ کوئٹہ۔

وفي الهندية: وان كا يفضل علياً ...... لا يكون كافراً الا انه مبتدع (هندية: كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٢ ص ٣٦٤، علوم اسلامیہ چمن۔

افک عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کرتا ہو وہ کافر ہے[1]۔ اس کا ذبیحہ حرام اور مسلمان لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے[2]۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے شیعہ گروہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی اولاد کا رشتہ شیعہ لوگوں میں کیا ہوا ہے۔ جس کی تمام برادری شیعہ ہے اور اس کا حقیقی بھائی بھی شیعہ ہے اور اس کا کھانا پینا بھی شیعہ لوگوں کے ساتھ ہے اور رسومات شیعہ لوگوں کے ادا کرتا ہے۔ مثلاً کڑاہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو مشہور ہے وہ پکاتا ہے اور ان کی مجالس میں اصحاب ثلاثہ کو جو سب کرتے ہیں۔ وہ ان کو حق پر سمجھتا ہے۔ اور ان کی مجلس میں شامل رہتا ہے اور پھر اس کی اولاد بھی یقیناً شیعہ ہے اور وہ ایسے شیعہ ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان عظیم بھی باندھتے ہیں اور اس اپنی اولاد کے لیے اہل سنت والجماعت کے آدمی سے رشتے لینا چاہتا ہے۔ کیا اس کی اولاد کو اہل سنت والجماعت کا آدمی شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رشتے دے سکتا ہے۔ یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شیعہ ایسا ہو کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہو مثلاً اس کا عقیدہ ہو کہ معاذ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی وہ صحیح ہے۔ وامثال ذلک۔ تو یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کما قال فی الدر المختار الکافر بسب الشیخین او بسب احدھما (الی ان قال) نعم

---

۱) نعم لا شك فی تكفير من قذف السيدة عائشة رضی الله عنها او انكر صحبة الصديق اذ اعتقد الالوهية فی علی اوان جبريل غلط فی الوحی الخ (رد المختار، كتاب الجهاد، مطلب فی حكم سب شيخين، ج ٦ ص ٣٦٤، رشيديه كوئته۔ وهكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، احكام المرتدين، ج ٤ ص ٢٠٤، رشيديه كوئته، وفی الهندية: ولو قذف عائشة رضی الله عنها كفر بالله ...... الخ (كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٦٤، علوم اسلامية چمن۔

۲) لا توكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد، (هندية، كتاب الذبائح، ج ٥ ص ٢٨٥، رشيديه كوئته، وكذا فی الشامی، كتاب الذبائح، ج ٩ ص ٤٩٧، رشيديه كوئته، لا يجوز نكاح المجوسيات ...... وكل مذهب يكفر به معتقده (هندية، كتاب النكاح، با محرمات بالشرك، ج ١ ص ٢٨١، رشيديه كوئته، كذا فی الشامی، كتاب النكاح، فصل محرمات، ج ٤ ص ١٣٢۔ ١٣٤۔

لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ ج ۳ ص ۳۲۰[1]۔

بنابریں صورت مسئولہ میں اگر واقعی یہ شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان عظیم باندھتا ہے تو اس شخص کے ساتھ مسلمانوں کا رشتہ ناطہ کرنا جائز نہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیعہ سے سنی لڑکی کے نکاح کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی آدمی سے کرایا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ جس سے نکاح کیا ہے وہ شیعہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتا ہے کلمہ پڑھتے وقت لا الہ الا اللہ علی ولی اللہ پڑھتا ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتا ہے اور وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی کیا اس صورت میں اس کا نکاح قائم رہے گا یا نہیں اگر نہیں رہے گا تو وہ فوراً کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ مسئلہ باصواب سے مطلع فرمائیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ بات صحیح ہے کہ شخص مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہے تو پھر شخص مذکور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور کافر ہے[3] اور اہل سنت والجماعت مسلمان لڑکی اس کے نکاح سے آزاد ہے۔ عدت گزرنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے میں مجاز ہوگی اور جب سے یہ لڑکی اس کے گھر سے علیحدہ ہو جائے تو تین حیض عدت گزار کر دوسری جگہ حسب منشاء خود مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) شامی، کتاب الجہاد، مطلب مہم فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، رشیدیہ کوئٹہ، طبع جدید۔
وفی الهندية: ولو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنى كفر بالله الخ (كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ٢٠٤، رشيديه كوئٹه)۔

۲) تقدم تخریجه فی السوال السابق۔ كذا فی البحر الرائق: وكل مذهب يكفر به معتقده فهو يحرم نكاحها الخ۔ (كتاب النكاح، فصل فی المحرمات، ج ٣ ص ١٨١، رشیدیه كوئٹه۔

۳) كما فی الشامية: نعم لا شك فی تكفير من قذف السيدة عائشة رضی الله عنها ...... او اعتقد الالوهية فی علی او ان جبريل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن، كتاب الجهاد، ج ٦ ص ٣٦٤، رشيديه كوئٹه۔ وكذا فی الهندية: والبحر الرائق، وقد تقدم تخريجه فی السوال السابق۔

٤) لا يجوز نكاح المجوسيات ...... وكل مذهب يكفر به معتقده۔ هندية، كتاب النكاح، باب المحرمات بالشرك، ج ١ ص ٢٨١، رشيديه كوئٹه۔ "ولا يصلح ان ينكح مرتد او مرتدة احداً من الناس مطلقاً الخ۔ (در مختار، كتاب النكاح، ج ٤ ص ٣٦٢، رشيديه كوئٹه، طبع جديد۔
وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات، ج ٣ ص ١٨١، رشيديه كوئٹه۔

روافض کی رسوم باطلہ

(س)

کیافرماتے ہیں علماء اہل سنت والجماعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایام محرم میں سینہ کوبی کرنا اور پیٹنا اور نوحہ وغیرہ رسومات کرنا شرعاً جائز ہیں یا نہ، بعض شیعہ رافضی کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں کی رو سے تمام امور جائز ہیں کیا یہ صحیح ہے۔ یا نہ مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے دیتے ہیں۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۳، سیرۃ حلبیہ ص ۹۷۷، سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۳۰۵، سر الشہادتین ص ۸۷، وغیرہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

سینہ کوبی اور پیٹنا اور نوحہ کرنا اور اہل تشیع کے دوسرے رسومات جو ایام محرم وغیرہ میں کرتے ہیں، یہ سب امور شرعاً بدعت سیئہ اور ناجائز ہیں (۱)؟ حدیث شریف میں وارد ہے **شر الامور محدثاتها و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة** (۲)۔ (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے برا کام وہ ہے جو دین میں نیا پیدا کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **قال قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث حدثا او اوای محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين** (۳)۔
ترجمہ: کہ جس شخص نے کسی بدعت کو ایجاد کیا یا موجد بدعت کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور واضح امر ہے کہ مذکورہ بالا افعال اور دوسرے رسومات جو شیعہ ایام محرم اور دیگر مخصوص دنوں میں کرتے ہیں یہ سب دین میں نئی پیدا کردہ باتیں ہیں؟ کیونکہ اگر یہ باتیں دین ومذہب سے ہوتیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کرتے اور فرماتے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غزوات میں کتنے صحابہ شہید

---

۱) كما فى مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، تعزیہ داری در عشرہ محرم یا غیر آن ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم تیار کردن دلدل وغیرہ ذلك ان ہمہ امور بدعت است نہ در قرن اول بود نہ در قرن ثانی الخ (كتاب الكراهية باب ما يحل استعماله او ما لا يحل ج ٤ ص ٣٤٤، طبع رشيديه كوئٹہ۔
كما فى الشامية: وتعقبه ابن العز بانه لم يصح عنه صلى الله عليه وسلم ويوم عاشوراء غير حرمه الخ (كتاب ، مطلب فى حديث التوسعه على العيال والاكتحال الخ ج ۲ ص ۲۱۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) مشكوة باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الاول، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۳) كما فى البخارى (كتاب الاعتصام باب آثم من اوى محدثاً ج ۲ ص ۱۰۸٦، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ہوئے۔ خصوصاً غزوۂ احد میں ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے۔ جن میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھی چچا تھے، لیکن آپ نے بھی شیعوں کی طرح سینہ کوبی وغیرہ رسومات کو نہ کیا، اور نہ دیگر صحابہ نے کسی رشتہ دار پر یہ رسومات کیں، حتی کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے بھی اور دیگر اہل بیت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے پر یہ رسومات نہ کیں، تو یقیناً یہ امور محدث ہیں۔ جن کے متعلق ذکر ہوا اور بہت سی وعیدیں وارد ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لیس منامن ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیة۔** رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ [۱] یعنی ہم مسلمانوں کی جماعت سے نہیں جو رخساروں کو مارے اور گریبانوں کو پھاڑے وغیرہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حدیثوں میں نوحہ کرنے اور گریبان پھاڑنے کو کفر فرمایا ہے۔ **عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ثلثة من الکفر باللہ شق الجیب والنیاحة والطعن فی النسب. رواہ ابن حبان [۲] والحاکم وفی روایة لابن حبان ثلث من عمل الجاھلیة لایز کھن اھل الاسلام الحدیث** ۔ اس روایت میں اور اس طرح کئی روایتوں میں ان کو رسومات جاہلیہ یعنی اسلام سے قبل کے رسومات فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے۔ **لیس منامن حلق ولا خرق ولا صلق** [۳]۔ یعنی ہم میں سے نہیں ہے جو عورت مصیبت کے وقت سر مونڈے اور کپڑے پھاڑے اور نوحہ کے وقت آواز کو اونچا کرے اور یہ تو فرمان ہے عین مصیبت کے وقت جبکہ انسان صدمہ سے بسا اوقات بے قابو ہو جاتا ہے لیکن جو چودہ سو سال تک یہ رسومات ادا کرتے رہیں، اور قصداً اور اختیار سے مصیبت بناتے اور مناتے رہیں ان کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی وعیدیں اور ناراضگی کتنی سخت ہوں گی، بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ان باتوں سے اموات کو تکلیف پہنچتی ہے کتب فقہ میں صراحۃً ان افعال شنیعہ سے منع وارد ہے۔ چنانچہ مجمع البرکات میں ہے۔ **ویکرہ تسوید الثیاب وتخریقھا للتعزیة واماتسوید الخدود والایدی وشق الجیوب وخدش الوجہ و نثر التراب علی الرؤس والضرب علی الصدر والفخذو ایقاد النار علی القبور فمن رسومات الجاھلیة والباطل وکذا فی مجموعة الفتاوی** ص ۲۸۰-۲۸۱۔ [۴] (ترجمہ) سیاہ کپڑے رنگنا، تعزیہ کے لیے

---

۱) کما فی البخاری، باب لیس منا من شق الجیوب الخ ج ۱ ص ۱۷۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ کما فی المسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود الخ، ج ۱ ص ۷۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وایضاً فی الترمذی، باب ما جاء فی النھی عن ضرب الخدود الخ ج ۱ ص ۱۹۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) ومثلہ فی المسلم، کتاب الایمان، باب ضرب الخدود، ج ۱ ص ۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کما فی المسلم: کتاب الایمان باب ضرب الخدود الخ، ج ۱ ص ۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٤) مجموعة الفتاوی۔

کپڑے پھاڑنا نیز رخساروں اور ہاتھوں کو سیاہ کرنا، گریبان پھاڑنا، چہرہ نوچنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ کوبی کرنا، رانوں پر ہاتھ مارنا پیٹنا، قبروں پر آگ جلانا یہ سب افعال زمانہ قبل از اسلام جاہلیت کے ہیں رسوم اور محض باطل ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی کتابوں پر ان افعال شنیعہ اور رسومات سیئہ کو تھوپنا محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے منع وعیدیں وتہدیدیں اور کتب فقہ سے منع ذکر کی گئی ہیں یہ ان رسومات کے متعلق جملہ کتب مذہب اہل سنت والجماعت کا حکم مذکورہ بالا ہے۔ کوئی بھی جواز کا قائل نہیں، بلکہ خود شیعوں کے مذہب اور کتابوں میں ان برے رسومات سے منع وارد ہے اور ان کے سمجھدار اور محقق مفتیوں نے ان رسومات کے بدعت ہونے اور عدم جواز کے فتوے دیے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں مفتی فقیر محمد تقی فرماتے ہیں، تعزیہ اور دلدل نکالنے اور امام باڑہ بنانے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں، جن کتابوں میں ایسی باتیں درج ہیں وہ یار لوگوں کی تصنیف ہیں اس لیے حوالے بیکار ہیں اور حق تو یہ ہے کہ سب باتیں بدعت میں داخل ہیں، اخبار اہل بیت لکھنو ۳ مارچ ۱۹۵۲ھ بحوالہ مطبوعہ اشتہاران امور کے بارے میں شیعہ مولوی حافظ مفتی حسن صاحب کا فتویٰ (سوال) کیا تعزیہ کے ساتھ یا ایام عاشورہ میں رونا پیٹنا اور سوگوار رہنا جائز ہے۔ ان ایام میں کالے کپڑے پہننے کا کیا حکم ہے۔ (جواب) قطعاً ناجائز ہے۔ ان باتوں کا اسلاف شیعہ کے قول وفعل سے اور روایات ائمہ میں کوئی ثبوت نہیں، رسالہ کربلا معلّٰی [1] ماہ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ ماتم اور نوحہ خوانی میں شیعہ مفتی وفقیہ شیخ ناصر حسین بجنوری کا فتویٰ جناب سبط رسول امام حسینؓ کے ماتم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم سینہ کوٹ کوٹ چھاتی لال کردیں، منہ نوچیں چہرے کو زخمی کریں، لوہے کی چیزوں سے بدن کو چھلنی کر ڈالیں، اور خون بہا کر محبت حسین کا ثبوت دیں۔ ایسی باتیں تو شریعت محمدیہ اور طریق میں سخت منع ہیں، ان سے تو خدا اور پنجتن نے روکا ہے۔ کتاب ماتم حسین صفحہ ۹۱، مطبوعہ نولکشور دہلی لہٰذا ان رسومات سیئات کے ممنوع ہونے کے ان واضح دلائل کے بعد (جو اہل سنت والجماعت وشیعوں کی کتابوں سے پیش کیے گئے) کسی اہل سنت والجماعت کو شیعوں سے دھوکہ ہونا اور ان رسومات میں شامل ہونا سخت ناجائز ہے اور گمراہی ہے۔ تمام اہل اسلام کو ان سے احتراز لازم ہے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو آئینی طریقے سے ان بدعات کو مٹانے اور سنت طریقے کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۷-۱-۱۳۸۴ھ

---

۱) رسالہ کربلا۔

نابالغہ سنی لڑکی کا شیعہ سے نکاح

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ مذہبی لحاظ سے اہل سنت والجماعت ہے۔ اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح کسی شیعہ سے کر دیتا ہے۔ ناکح کا سنی ہونا متعدد افراد سے ثابت ہے۔ کیا شرعی لحاظ سے یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

اگر شیعہ سبی ہے تو اگر یہ کسی ایسے عقیدہ کا قائل ہے جو صریح نص قرآنی کے خلاف ہو مثلاً الوہیت علی رضی اللہ عنہ قذف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کا قائل ہے یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہے۔ محض سب صحابہ سے کافر نہیں بنتا۔ اگر چہ مبتدع فاسق گمراہ مستحق تعزیر بلیغ ضرور بن جاتا ہے۔ کما قال فی ردالمحتار ص ۳۲۱ ج۳ علی ان الحکم علیه بالکفر مشکل لمافی الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع و تخطئتهم وسب احد من الصحابة وبغضه لایکون کفر الکن یضلل...... الخ...... وذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالهم ویکفرون الصحابة حکمهم عند جمهور الفقهاء واهل الحدیث حکم البغاة وذهب بعض اهل الحدیث الی انهم مرتدون قال ابن المنذر ولااعلم احدا وافق اهل الحدیث علی تکفیرهم. الخ [1]

وقال ایضاً ج۳ص ۳۲۱. نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالی عنها اوانکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی اوان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقران [2]۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص کوئی کفریہ عقیدہ رکھتا ہے تو نکاح باطل ہے ورنہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ [3]

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳/محرم ۱۳۸۹ھ

---

۱) کتاب الجهاد، مطلب مهم فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٣، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی البحر والرافضی ان فضل (کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۲) کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۲ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۳) غالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں، کما فی الشامیة وبهذا ظهر ان الروافض الخ (کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری الخ ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی الهندیة: ویجب اکفاء الروافض ...... وحکیم حکم المرتدین، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

لاعلمی میں لڑکی کا نکاح شیعہ سے کر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں ایک لڑکی کا رشتہ ایک شیعہ مذہب لڑکے سے کر دیا۔ جس کے عقائد حسب ذیل ہیں:

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سب بکنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ عشرہ محرم میں سینہ کوبی کو نجات اخروی کا سبب یقین رکھتا ہے۔ حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان پاک میں تہمت ناپاکی لگاتا ہے۔ حضور سرکار مدینہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک دختر پاک مانتا ہے دوسری بیٹیوں کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں نہیں مانتا تو کیا عندالشریعت لڑکی مذکورہ کا نکاح ایسے شخص سے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو بغیر طلاق کے لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مندرجہ بالا عقائد رکھنے والا شخص بوجہ انکار قرآن کریم خارج عن الاسلام ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں موجود ہے [۱]۔ لہٰذا اس کے ساتھ کسی مسلمان کا عقد نہیں ہو سکتا [۲]۔ صورت مسئولہ میں مائی نسیم کا نکاح نابالغی میں لاعلمی کی صورت میں جو اس کے باپ نے کرایا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں اس لیے اب بغیر طلاق لیے اس لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی اور اجازت کے ساتھ کسی دوسری جگہ کرایا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۳]۔

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم، ملتان ۴ فروری ۱۹۷۰ء

الجواب صحیح، محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۶ ذیقعدہ، ۱۳۸۹ھ

---

۱) غالی شیعہ کافر ہے۔ کما فی الشامیة: کتاب الجهاد، مطلب مهم فی حکم سب شیخین ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وایضاً فی الشامیة: ج ٤ ص ١٣٤، کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی الخ طبع رشیدیه کوئٹه۔

وکما فی البحر الرائق: وبانکار صحبة ابی بکر رضی الله عنه بخلاف غیره، وبانکاره امامة ابی بکر رضی الله عنه علی الاصح کانکاره خلافته عمر رضی الله عنه علی الاصح، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) نکاح غالی شیعه کے ساتھ۔ کما فی الشامیة: "وبهذا ظهر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی اوان جبرائیل غلط فی الوحی الخ" (کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السوادی اللاتی الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔ کما فی الهندیة:

"ویجب اکفار الروافض ...... ان جبرائیل غلط فی الوحی ...... واحکامهم احکام المرتدین کذا فی" کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین ج ٢ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳)

تبرائی شیعہ سے تعلقات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص شیعہ مذہب نے کہا ہے کہ دین کا بند حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندھا ہے تم باقی اصحاب کرام کا نام کیوں لیتے ہو تو ایک شخص خدا بخش ولد رکھا قوم چھینہ نے کہا کہ اہل سنت کے در کے بغیر کوئی اور در بھی ہے جو شخص اہل سنت کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان بھی نہیں ہے۔ تو اس پر بکھو خان شیعہ نے کہا کہ تم پھر ابوبکر اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کا نام کیوں لیتے ہو خدا بخش مذکور نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دونوں صحابہ کو اپنے ہمراہ ملا چکے ہیں تو یہ بات سنتے ہی فیض قوم منکسی شیعہ نے کہا کہ میں اصحابوں کی لڑکیوں کے ساتھ بدفعلی کرتا ہوں۔ العیاذ باللہ۔ اس پر خدا بخش نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں تمہیں تعزیر دکھاؤں گا تو فیض نے کہا کہ میرا آلہ تناسل توڑ لو اور جو تم نے کرنا ہے کرلو۔ تو ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) شیعہ تبرائی کا اہل سنت والجماعت کے جنازہ میں داخل ہونا جائز ہے یا نہ اگر داخل ہو جائے تو کوئی نقص ہے یا نہیں۔

غلام صدیق عفی عنہ، قصبہ نواں کوٹ تحصیل لیہ ضلع، مظفر گڑھ

﴿ج﴾

(۱) ایسا شخص جس نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی ہے واجب التعزیر ہے۔ مسلمان حاکم کے ذریعہ سزا دلائی جائے۔ حاکم وقت تحقیق کرے اگر معلوم ہو جاوے کہ اس شخص نے ایسے کلمات گستاخانہ زبان سے نکالے ہیں تو سخت سزا دے تاکہ دوسروں کے لیے بھی عبرت ہو۔ ۳۹ کوڑے تک سزا دینا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

---

۱) وجوب تعزیر: کما فی الشامیة: "کل من ارتکب منکراً او اذی مسلماً بغیر حق بقول او بفعل او اشارة یلزمه التعزیر" (کتاب الجهاد، مطلب فی الجرح المجرد، ج ٦ ص ١١٥، طبع رشیدیه کوئٹه۔

کما فی الهندیة: "الاصل فی وجوب التعزیر ان کل من ارتکب منکراً الخ (الباب السابع فی حد القذف والتعزیر، فصل فی التعزیر، ج ٢ ص ١٦٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وایضاً فی الهندیة: "ورکنه اقامة الإمام او نائبه الخ" (کتاب الحدود، الباب الاول فی تفسیره شرعاً رکنه وشروطه وحکمه، ج ٢ ص ١٤٣، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وایضاً فی الشامیة: "اکثر، تسعة وثلاثون سوطاً" کتاب الحدود، باب التعزیر، ص ٩٦، طبع رشیدیه کوئٹه۔

(۲) غالی شیعوں کو جنازے میں داخل نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ نماز جنازہ میں بجائے دعا کرنے کے بدعا کرتے ہیں ان کی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسلمان لڑکی سے شیعہ کا نکاح درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اندریں مسئلہ کہ اگر زوجین میں سے ایک سنی المذہب ہو اور دوسرا رافضی اور وہ مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے (۱) قرآن مجید تحریف شدہ ہے۔ (۲) نزول وحی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علی پر ہونا تھا۔ (۳) سب شیخین کو جائز سمجھنا۔ (۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قذف کو صحیح تصور کرنا۔ تو کیا اگر لڑکی کا باپ خود نکاح کردے تو کیا یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔

﴿ج﴾

جس آدمی کے مندرجہ بالا عقائد ہوں وہ باتفاق اہل سنت والجماعت وہ کافر ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ایسے آدمی سے مسلمان لڑکی کا عقد نکاح درست نہیں ہے اور اگر غلطی سے مسلمان لڑکی کا عقد نکاح اس سے کردیا گیا ہے۔ تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہ لڑکی طلاق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ عقد نکاح کرا سکتی ہے [1]۔

ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اہل شیعہ جو کہ تبرا کہتے ہیں اس سے رشتہ کرنا یعنی وہ لڑکی اپنی اہل سنت والجماعت کو دینا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے۔

---

۱) جیسا کہ رحیمیہ ج ۷ ص ٥٤، طبع دار الاشاعت کراچی، میں مذکور ہے۔

لما فی الشامیة: "وبهذا ظهر ان الروافض وان کان ممن یعتقد الالوهیة الخ" کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئته۔

کما فی الهندیة: "ویجب اکفار الروافض ...... واحکامهم احکام المرتدین" کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔

(۲) اہل شیعہ جو کہ تبرا کہتے ہیں ان کے ہاں کھانا پینا کیسا ہے۔

(۳) دوران گفتگو اگر کوئی مسلمان کہہ دے کہ میں انما المؤمنون اخوۃ کو نہیں مانتا اس کے لیے شرع میں کیا حکم ہے اور اس کو کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

(۲،۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب وشتم کرنے کو جو شخص جائز بلکہ موجب ثواب سمجھتے ہیں وہ اسلام سے خارج ہے[۱]۔ مسلمان کو ان سے کسی قسم کا رشتہ کرنا جائز نہیں[۲]۔ البتہ ان کی لڑکی کا نکاح مسلمان اہل سنت والجماعت کے ساتھ باوجود مسلمان نہ ہونے کے جائز ہے۔ یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے بشرطیکہ وہ لڑکی خود مسلمان سنی سے شیعہ تبرائی نہ بنی ہو بلکہ پیدائشی شیعہ ہو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کے حکم میں ہو کر حلال ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ گھر میں خصوصی تعلقات قائم کیے جائیں۔ البتہ ان سے ایسا اختلاط کرنا بھی درست نہیں جس سے مسلک میں فساد پڑنے کا اندیشہ ہو اور جو شیعہ سب وشتم کو جائز نہ سمجھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت نہ باندھے اور قطعاً اسلام کا انکار نہ کرے وہ مسلمان ہے ان سے رشتہ کرنا وغیرہ تعلقات جائز ہیں[۳] البتہ وہ سنی لڑکی کا کفو نہیں ہے۔ سنی لڑکی کا نکاح اس کے اولیاء کی مرضی سے ان کے ساتھ جائز ہے اور بلا مرضی اولیاء کے جائز نہیں[۴]۔

---

۱) کافر ہے، فی الشامیة: کتاب الجهاد، مطلب مهم فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔
وفی البحر الرائق: وبانکار صحبة ابی بکر رضی الله عنه الخ (کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه کوئته۔
وایضاً فی الهندیة: ویجب اکفار الروافض الخ، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ٢ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) شیعہ کے ساتھ میل جول: کما قاله تعالی: (ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار) سورة هود، الآیة ١١٣۔ وایضاً قاله تعالی: یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الخ (سورة الممتحنة، الآیة ١)

۳) ان کی لڑکی کا نکاح۔ کما فی الشامیة: "واعلم ان من اعتقد دیناً سماویاً، فهو من اهل الکتاب فتجوز مناکحتهم واکل ذبائحهم" کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطیء السراری اللاتی الخ، ج ٤ ص ١٣٣، رشیدیه کوئته۔وایضاً قاله تعالی: "والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" مائدة، الآیة ٥۔

٤) کفاءة، کما فی الشامیة: و تعتبر فی العرب والعجم، دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحة الخ (کتاب النکاح، باب الکفاءة، کما ج ٤ ص ٢٠١، طبع رشیدیه کوئته۔
وایضاً فی تنویر الابصار، (و) الکفاءة (هی حق الولی لا حقها) الخ (کتاب النکاح، باب الکفاءة ج ٤ ص ١٩٥، طبع رشیدیه کوئته۔

(۳) اگر عمداً اس نے قرآن کی آیت کا انکار کر دیا تو یہ کفر ہے[۱] اس سے توبہ کرنی لازم ہے۔ واللہ اعلم۔[۲]
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

شیعہ لڑکی سے نکاح

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:
(۱) کیا اذان کے بعد کلمہ طیبہ یا دعا پڑھنا جائز ہے۔
(۲) کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز کبھی قضا ہوئی ہے۔
(۳) کیا شیعہ عورت کے ساتھ سنی مرد کا نکاح جائز ہے۔
(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کھانے کے بعد صبح صادق ہونے پر غسل کیا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) جائز ہے۔ کما فی الدر المختار باب الاذان ص ۲۹۳ جلد ۱، ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول الله صلی الله علیه وسلم وفی رد المحتار ای بعد ان یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم لما رواه مسلم[۳]. وروی البخاری وغیره من قال حین یسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاما محمودن الذی وعدته حلت له شفاعتی یوم القیامة الخ[۴]

---

۱) آیت کا منکر، کما فی البزازیة: انکر آیة من القرآن او سخر بآیته منه کفر (الباب التاسع فیما یقال فی القرآن والاذکار والصلوة، ج ٦ ص ٣٤٢، طبع رشیدیه کوئته۔
کما فی الشامیة: "او نحو ذالك من الکفر الصریح المخالف للقرآن" کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔
۲) لزوم قوله: کما فی الشامیة: ولتاب تقبل توبته، (کاب الجاهد، مطلب فی حکم سب الشیخین ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔
وایضاً قاله تعالی: انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء، سورة النساء، آیت ١٧۔
قال الله تعالی: توبوا الی الله توبة نصوحا الخ، سورة التحریم آیت ٨۔
بحواله سوال نمبر ٥٩ جزء نمبر ٨۔
٣) کتاب الصلوة، باب الاذان مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد، ج ص ٨٣، طبع رشیدیه کوئته۔
٤) باب الدعاء عند النداء، کتاب الاذان ج ١ ص ٨٦، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز اور یوم الخندق میں چار نمازیں (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) قضاء ہوئی تھیں۔ کما فی المشکوۃ ص ٦٧ جاء فی حدیث لیلۃ التعریس و امر بلالا فاقام الصلوۃ فصلی بھم الصبح فلما قضی الصلوۃ قال من نسی الصلوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا"[۱]

وفی ردالمحتار تحت قولہ لانہ علیہ السلام اخرھا یوم الخندق، وذلک ان المشرکین شغلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ماشاء اللہ تعالیٰ فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء (رد المحتار باب قضاء الفوائت ج ۱، ص ۵۳۴)[۲]

(۳) شیعہ عورت اگر کسی مسئلہ ضروریہ کی انکاری ہو مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوھیت کی قائل ہو یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی کرنے کی قائلہ ہو یا تحریف قرآن کی قائلہ ہو یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کی انکاری ہو یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت (قذف) لگاتی ہو یا سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتی ہو تو یہ کافرہ ہے اور اس کے ساتھ سنی مرد کا نکاح جائز نہیں اور اگر اسلام کے کسی مسئلہ ضروریہ کی انکاری نہ ہو تو یہ مسلمہ شمار ہوگی اور اس کا نکاح مسلمان مرد سے جائز شمار ہوگا۔ اگرچہ ایسی شیعہ کے ساتھ بھی مناکحت نہ کی جائے کیوں کہ اس میں بھی متعدد شرعی قباحتیں موجود ہیں۔

کما قال ابن عابدین فی ردالمحتار (ص ۳۱۴ ج ۲ وبھذا ظھر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوھیۃ فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبۃ الصدیق اویقذف السیدۃ الصدیقۃ فھو کافر لمخالفتہ القواطع المعلومۃ من الدین بالضرورۃ بخلاف ما اذا کان یفضل علیا اویسب الصحابۃ فانہ مبتدع لا کافر الخ. واللہ اعلم![۳]

(۴) کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کتاب الصلوۃ، باب فیہ فصلان، ص ٦٧، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کتاب الصلوۃ، باب قضاء الفوائت، ج ۲ ص ٦٢٧، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) جس کے مندرجہ بالا عقائد ہوں، وہ بالاتفاق کافر ہے۔ کما فی الشامیۃ: نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا (کتاب الجھاد مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
کما فی البحر الرائق، ویقذف عائشۃ رضی اللہ عنھا من نسالہ فقط وبانکارہ صحبۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ الخ (کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

''صحابہ کو اچھا نہیں سمجھتا'' کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید پہلے اہل سنت والجماعت تھا کچھ عرصہ کے بعد کسی شخص نے اس سے صحابہ کرام کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ صحابہ کرام کو اچھا نہیں سمجھتا آپ لوگ جو زور لگا سکتے ہیں لگالیں۔ اس مجلس میں ایک اور شخص موجود تھا وہ کہتا ہے کہ آپ کی بات اچھی ہے اس پر ثابت رہنا۔ ان دونوں شخصوں کا میل جول شیعہ لوگوں سے ہے اور وہ دونوں شخص کلمہ بھی شیعوں کا پڑھتے ہیں۔ اور تعزیہ ماتم سینہ کوبی وغیرہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کا نکاح سنی المذہب عورتوں کے ساتھ ہے۔ کیا ایسے الفاظ کہنے والا عندالشرع مسلمان رہ سکتا ہے یا نہ؟ اوران کا نکاح سابقہ درست رہتا ہے یا فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے لوگ ان الفاظ سے توبہ کرلیں تو کیا ان کا نکاح سابقہ درست رہے گا یا دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہوگی۔

نوٹ: نیز یہ دونوں شخص نماز اہل سنت والجماعت کے مطابق پڑھتے ہیں دو مرد اور ایک عورت اس تمام واقعہ کے شاہد ہیں۔

﴿ج﴾

شرعاً دونوں شخص انتہائی فاسق اور قریب الکفر ہیں کہ ان کے ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن جب تک کوئی عقیدہ کفریہ ان عقائد کفریہ میں سے جو آج کل عام شیعوں کے ہیں مثلاً (تہمت صدیقہ رضی اللہ عنہما کا قائل ہونا یا صحبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کرنا یا تحریف قرآن کا قائل ہونا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہونا، یا الوھیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قائل ہونا وغیرہ) ان کے علاوہ اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھیں تو اس وقت ان کو کافر نہیں کہا جائے گا[1] اوران کے نکاح بھی باقی رہیں گے البتہ ان کو احتیاطاً تجدید نکاح کر لینی چاہیے، لیکن ان دونوں آدمیوں کو ان کلمات سے نیز دوسرے ان افعال کے ارتکاب سے جو کہ شیعوں کے ہیں اور ناجائز ہیں، توبہ کرنا لازم ہے[2]۔ اگر وہ تائب نہ ہوں تو برادری و عام اہل اسلام پر یہ فرض ہے کہ ان سے قطع تعلق کریں۔ ان کا حقہ پانی بند کریں تا آنکہ وہ تائب ہو جائیں۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**[3]

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح عبداللطیف عفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۷-۵-۱۳۸۴ھ

---

۱) كما في الشامية: وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية ...... بخلاف ما ذا كان يفضل علياً او يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري الاتي الخ ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئٹه۔
كما في البحر الرائق: والرافضي ان فضل علياً على غيره فهو مبتدع ...... وان انكر خلافة الصديق رضي الله عنه فهو كافر"، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئٹه۔
كما قاله تعالى: "ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار" سورة الهود، الآية ١١٣، وايضاً قاله تعالى: "يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى الخ" سورة الممتحنة، الآية: ١، باب المرء مع من احب، ج ٢ ص ٣٣٢، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔
كما في المشكوة: وعن ابى عمر قال ......من تشبه بقوم فهو منهم رواه احمد وابوداود، كتاب اللباس، الفصل الثانى، ص ٣٧٥، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

سنی کہلوانے والے شخص کا شیعوں جیسے افعال انجام دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے آپ کو سنی کہلاتا ہے مگر اس کے افعال و کردار شیعہ مذہب والوں کی طرح ہیں مثلاً (۱) وہ شخص شیعہ کی ہر مجلس میں شریک ہوتا ہے اور جو لوگ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو برحق نہیں مانتے بلکہ لوگوں کو مثالیں دے کر بہکاتے ہیں ان کو مذکورہ شخص اچھا سمجھتا ہے۔ (۲) شخص مذکور شیعہ کے ذاکروں کو منگا کر مجلس سنتا ہے اور جو لوگ شیعہ ذاکروں کو منگاتے ہیں ان کے ساتھ مل کر ان کو مالی و جسمانی امداد بہم پہنچاتا ہے (۳) ایک سنی شیعہ کے ذبیحہ کو عمداً حلال جان کر کھاتا ہے اور لوگوں کو اس کے کھانے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ (۴) شخص مذکور مڈل پاس ہے اگر کسی وقت نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو ہاتھ باندھ کر پڑھ لیتا ہے۔ لہٰذا اس شخص کے متعلق قرآن و حدیث کے حوالے سے فتویٰ دیا جائے کہ مذکور شخص شیعہ ہے یا سنی اور ایک خالص اہل سنت والجماعت کی لڑکی سے نکاح بحال رہ سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

شخص مسئول عنہ مذکورہ بالا افعال کے ارتکاب سے کافر نہیں بنتا ہے۔ گنہگار بڑا ہوتا ہے۔ جب تک کہ یہ شخص خود کفریہ عقائد و خیالات نہ رکھے دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا[1]۔ لہٰذا سنی لڑکی کے ساتھ اس کا نکاح بحال رہے گا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۹ شوال ۱۳۸۴ھ

سنیوں کے امام کی شیعوں کی مجالس میں شرکت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) کوئی امام مسجد جو کہ اہل سنت کی مسجد میں امامت کے عہدے پر فائز ہو اور اسے باقاعدہ تنخواہ ہر ماہ دی

---

۱) كما في الشامية: "بخلاف ما اذا كان يفضل علياً او يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر"، كتاب النكاح مطلب مهم في وطء السراى اللاتي الخ" ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئته۔

٢) كما في البحر الرائق: "والرافضي ان فضل علياً على غيره فهو مبتدع" الخ (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئته۔

جاتی ہو اگر وہ شیعہ حضرات کی مجالس میں شرکت کرے نوحہ خوانی، مرثیہ جات وغیرہ پڑھے اور اپنے عقائد سنی بتائے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

(۲) یہی امام مسجد جو باقاعدہ تنخواہ دار ہے مسجد کی دیکھ بھال سے بالکل انکار کرے اور یہ کہے کہ میں تو نماز پڑھانے کی تنخواہ لیتا ہوں دیکھ بھال کی نہیں۔ تو کیا اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) جو شخص مرثیہ پڑھنا یا سننا جائز جانے اور تعزیہ نکالنا اچھا جانے اور اس میں شریک ہو وہ سنی نہیں بدعی اوران کا شریک ہم خیال ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم[۱] ایسے شخص کی اقتداء سے احتراز لازم ہے[۲] (فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۳۰۳ ج ۳ جدید۔ بتغیر)

(۲) مسجد کی حفاظت اور دیکھ بھال تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ اگر امام کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ وہ امامت کے ساتھ مسجد کی دیکھ بھال بھی کرے گا تو پھر امام کا انکار درست نہیں[۳]۔ ویسے بہتر یہ ہے کہ مسجد کی نگرانی کے لیے مستقل آدمی رکھا جائے اور یہ کام امام کے سپرد نہ ہو تا کہ کام خوش اسلوبی سے نبھایا جا سکے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴۔ صفر ۱۳۹۰ھ

---

۱) قولہ: "وکرہ امامۃ العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع والاعمی وولد الزنا الخ" کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ۱ ص ۶۱۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کما فی الدر المختار: "وکرہ امامۃ العبد، ای ولو معتقاً ...... واعرابی، مثلہ ...... (وفاسق و اعمی، ونحوا الاعشی ...... او مبتدع ای صاحب بدعۃ الخ"، کتاب الصلوۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد، ج ۲ ص ۳۵۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کما فی المشکوۃ: "من تشبہ بقوم فھوم منھم" (کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص ۳۷۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کما فی المشکوۃ: وعن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت: امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف بہ ویطیب، رواہ ابوداد الخ"، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، الفصل الثانی، ص ۶۹، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

کما فی الشامیۃ: "لما اجرہ اخرجہ المنذری مرفوعاً، جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ...... وجمروھا فی الجمع واجعلوا علی ابوابھا المطاھر"، کتاب الصلوۃ، مطلب کلمۃ لا باس الخ، ج ۲ ص ۵۱۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کما قالہ تعالیٰ: "یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود"، سورۃ المائدۃ الآیۃ: ۱۔

کما فی الشامیۃ: "وینبغی للمسلمین ان لا یغدروا الخ"، کتاب الجھاد، مطلب لفظ ینبغی یستعمل فی المندوب وغیرہ عن المتقدمین، ج ۴ ص ۱۳۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

سبِّ صحابہ کرنے والے شیعوں کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ فرقہ شیعہ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن مجید کو کتاب آسمانی اور اپنا دین سمجھیں اور جزا کے قائل بھی ہوں تو کیا ان کو مسلمان صاحب اسلام سمجھا جائے گا۔

﴿ج﴾

اگر ایسا شیعہ ہو کہ توحید کے ساتھ دیگر ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ کا منکر ہو مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہو یا افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہو یا جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی اور خیانت کا قائل ہو وغیرذالک یا سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جائز کار خیر سمجھتا ہو ایسا شیعہ کافر ہے[1]۔ اگر اس قسم کا غالی شیعہ نہ ہو یعنی اسلام کے عقائد میں سے کسی عقیدہ کا منکر نہ ہو تو صرف تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو تو یہ مسلمان فاسق ہے کما قال فی ردالمحتار[2] ج ۲ ص ۴ ا ۳ وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهية فی علی اوان جبرائیل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فهو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة بخلاف ماذا کان یفضل علیا ویسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر[3]۔

قرآن مجید کے متعلق شیعوں کے عقائد

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین آن فرق اثنا عشریہ کہ نظریات واعتقادات شان علی حسب ذیل است۔

---

۱) کما فی الشامیة: "نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة الخ" کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
کما فی البحر الرائق: ویقذف عائشة رضی الله عنها الخ ، کتاب السیر ، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۲) الشامیة: کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۳) کما فی البحر، والرافضی ان فضل علیاً علی غیره فهو مبتدع الخ، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

الاولی: کہ موجود قرآن مجید کامل و مکمل نیست بلکہ ایں صحیفہ عثمانی است و کامل در نزد امام مھدی میباشد ووقتیکہ آن ظہور کند آن قرآن کامل را با خودمی آورد وایں صحیفہ عثمانی میسازد و بدریا بانداز د۔(۲) کہ بعد از وفاۃ حضور اکرم ﷺ تمام صحابہ مرتد شدند نعوذ باللہ من ذالک الاخمسۃ۔(۳) وچوں تمام ایشاں مرتد شدند لہذا سب کردن ایشان جائز است۔(۴) ایں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زنا کار بود اعاذنا اللہ من ھذا القول۔آیا ایں فرق در دائرہ اسلام داخل اند یا خارج اند۔اگر داخل اند آیا مذبوحہ آنہا حلال است یا حرام؟ واگر حرام است فرق در بین اینھا واہل کتاب چیست کہ مذبوحہ اہل کتاب حلال ونکاح بازنان ایشاں نیز صحیح است۔

﴿ج﴾

فرق شیعہ کہ او مختلف اند لہذا حکم کلیہ بہ تکفیر تمام فرق کردن مناسب نیست [۱] البتہ عقائد مذکورہ فی السوال موجب کفر اند ہر شخصے التزام ایں عقائد کند کافر گردد [۲]۔نکاح بازنان ایشان جائز نباشد وذبیحہ شان حرام [۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کما فی الشامیة: "بخلاف ما اذا کان یفضل علیاً ویسب الصحابة فإنه مبتدع لا کافر"، کتاب النکاح، مطلب مھم فی وطء السراری اللاتی، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئته۔

کما فی البحر: والرافضی ان فضل علیاً غیر فھو مبتدع، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة ج ١ ص ٦١١، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) کما فی الشامیة: نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها، کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔

کما فی البحر: "ویقذف عائشة" کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه کوئته۔

۳) کما فی الهندیه: ویجب اکفار الروافض......واحکامهم احکام المرتدین (کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ص ٢٦٤، ج ٢، طبع رشیدیه کوئته)

کما فی الدر المختار: وشرط کون الذابح مسلماً حلالا (کتاب الذبائح، ص ٢٩٦، ج ٦، ایچ ایچ سعید، کراچی)

کما فی الشامیه: وبهذا ظهر ان الروافض الخ (کتاب النکاح مطلب مھم فی السراوی للاتی، ص ١٣٤، ج ٤، طبع رشیدیه کوئته

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک سنی شیعہ جو کہ اصحاب ثلاثہ کو سب کرتا ہے۔ ان کو گالیاں دیتا ہے اور منافق کہتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والا اور شرک کرنے والا اور کان مایکون کا علم جاننے والا اور قرآن اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف انکار کرنے والا ہے۔ کیا وہ شخص اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کے مطابق مسلمان ہے یا کہ کافر اور مشرک اور ایک عورت جو عقائد اہل سنت والجماعت رکھنے والی ہے، اس کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے اور نکاح بھی ناواقفیت سے نابالغی کے وقت باندھا گیا ہو تو فسخ کس طرح ہوسکتا ہے۔

گل محمد چک نمبر ۳۰-R-۱۰ ضلع ملتان تحصیل خانیوال

﴿ج﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافق لوگوں نے تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ان کی صفائی اور براءت ظاہر فرمائی ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشتا ہے تو وہ نص قرآنی کے انکار کی وجہ سے کافر ہے (۱)۔ اس کا نکاح باقی نہیں رہتا۔ مگر تحقیق لازم ہے۔ اگر بالتحقیق معلوم ہو کہ شیعہ مذکور کے عقائد ایسے ہی ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

۱) کما قال تعالیٰ سبحانك هذا بهتان عظيم (سورة النور الآية ١٦)

كما فى الهندية ولو قذف عائشة رضى الله عنها بالزنا كفر بالله (كتاب السير باب احكام المرتدين ج ٢ ص ٢٦٤ طبع رشيديه كوئته)

وايضاً فى الشامية: "او يقذف السيدة صديقة فهو كافر" كتاب النكاح، مطلب مهم فى وطء السرارى اللاتى، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئته۔

۲) كما فى الهندية: ويجب اكفار الروافض ...... واحكامهم احكام المرتدين، كتاب السير، الباب التاسع فى احكام المرتدين، ج٢ ص ٢٦٤، طبع رشيديه كوئته۔

كما فى الشامية: وبهذا ظهر ان الروافض الخ (كتاب النكاح، مطلب، مهم فى وطء السرارى اللاتى الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئته۔

قذف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قائل کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید عقائد کے لحاظ سے ظاہراً مشرک ہے کہتا ہے کہ ائمہ کرام کو اور حضرت علی کو اور اولیاء کو اور انبیاء کو خدا نے مختار کردیا ہے کہ جو کچھ چاہیں عالم دنیا میں کرسکتے ہیں۔ اور قذف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہے۔ ناجائز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لب کشائی کرتا ہے۔ اب دریافت طلب اور یہ ہے کہ ایسا شخص شرعاً کافر ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو نام لے کر ظاہراً ظاہر کافر کہنا جائز ہے یا نہیں اگر یہ شخص کافر ہے تو اس کو کافر نہ کہنے والا بلکہ مسلمان سمجھنے والے کا کیا حکم ہے۔ ہم فقط از روئے مسئلہ دریافت کررہے ہیں، نہ کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہے اور نہ گفتگو صرف شرعی حکم کیا ہے۔

﴿ج﴾

عالم الغیب ہونا اور جمیع ما کان ومایکون کا علی التابید عالم ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ **وعنده مفاتح الغيب لايعلمها الاهو الاية**[1]۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات قادر و مختار مطلق ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برات نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔ ان کے متعلق افک کا قائل ہونا کفر ہے[2]۔ اگر بالیقین معلوم ہوجاوے کہ فلاں شخص حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل ہے تو اسے بالشخص کافر کہنا جائز ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایسی کوئی صورت اختیار نہ کی جاوے کہ جس سے ان لوگوں کو زیادہ موقع ان کفریات کا مل جاوے۔ **ولاتسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم**[3]۔ بلکہ ان کو سمجھانے کی کوشش کی جاوے یا حکمت اور تدبیر سے لوگوں کو اس کے کفریات سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ واللہ اعلم۔[4]

---

۱) كما قال تعالى: وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو" سورة الانعام، الآية: ۵۹۔

كما في الشرح فقه الاكبر: وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه الخ، ص ٤٢٢، طبع دار البشائر الإسلامية۔ كما في المسلم: قم يا حذيفة فاتنا بخبر القوم" باب غزوة الاحزاب، ج ٢ ص ١٠٧، طبع قديمي كتب خانه۔

كما في الولوالجية: "من تزوج امراة ...... لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهذا كفر"، كتاب النكاح، الفصل الرابع، ج ١ ص ٣٧٤، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

٢) كما قاله تعالى: سبحانك هذا بهتان عظيم، سورة النور، الآية ١٠٨۔

كما في الهنديه: ولوقذف عائشةؓ بالزنا كفر باالله الخ (كتاب السيرباب احكام المرتدين، ص ٢٦٤، ج ٢، طبع رشيده كوئٹه) واسيفاني الشاميه: اويقذف السيرة صديقه فهو كافر الخ (كتاب النكاح، مطلب مهم في ولوء السراري للاتي، ص ١٣٤، ج ٤، رشيده كوئٹه

٣) كما قال تعالى ولا تسبوا الذين الخ (سورة الانعام، الآية ١٠٨)

٤) كما قال تعالى: ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة الخ۔ سورة النحل، الآية ١٢٥۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر اوران کو سب وشتم اوران پر لعنت کرنے والا مسلمان ہے یا کافر اور سنی متعصب شیعہ کو مسلمان سمجھنے والا مسلمان ہے یا کافر۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

شیعہ اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو یعنی شیعہ غالی ہو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہو یا افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو یا جبریل علیہ السلام کے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو یا شیعہ تبرائی سبی ہو جو سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو ایسا شیعہ کافر ہے[1] اور اس کے ساتھ مسلمان لڑکی کا نکاح ناجائز ہے[2]۔ کما فی الشامیة نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها او انکر صحبة الصدیق رضی الله عنه او اعتقد الالوهیة فی علی رضی الله عنه او ان جبریل علیه السلام غلط فی الوحی او نحوذلک من الکفر الصریح المخالف للقران ولکن لوتاب تقبل توبته (شامی باب المرتد، ج۳ص۳۲۱)[3]

اور جو شیعہ قطعیات اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر نہ ہو۔ لیکن سب شیخین کرتا ہو یا فضیلت علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہو تو وہ مسلمان ہے۔ لیکن مبتدع اور ضال ہے کماقال فی الشامیة بخلاف ما اذا کان یفضل علیا ویسب الصحابة فانه مبتدع لاکافر[4] (شامی ج۲،ص۳۱۴) وایضاً فی الشامیة واما الرافضی ساب الشیخین بدون قذف السیدة عائشة رضی الله عنها والانکار لصحبة الصدیق ونحوذاک فلیس بکفر فضلا عن قبول التوبة بل هو ضلال و بدعة شامی، ج ۳ ص ۳۲۰).[5]

ایسے شیعہ کے ساتھ اگرچہ نکاح جائز ہے[6]۔ لیکن ان کے ساتھ بھی مناکحت نہ کی جائے کیونکہ اس میں

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان (سب صحابہ کرنے والے شیعوں کاحکم) جزء نمبر ٤، ص ٢٢٠۔

۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والا کاحکم) جزء نمبر۲ص۲۲۲۔

۳) کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔

٤) کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی الخ ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئته۔

٥) کتاب الجهاد، مطلب فی حکم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه کوئته۔

٦) تقدم تخریجه تحت عنوان (سنی کهلوانے والے شخص کے شیعوں جیسے افعال) جزء نمبر ٢ ص ٢١٩۔

متعدد شرعی قباحتیں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مسلک

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسائل کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ اہل سنت میں تمام ائمہ کرام امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ داخل ہیں۔ ان حضرات کا مسلک بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل تھے اور تنقید سے بالا تھے۔ اگر زید کا قول صحیح ہے تو کم از کم امام اعظم کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت پر ضرور تحریر فرمادیں (۲) زید کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کو جائز سمجھنے والے جدید اسلام پیش کرنا چاہتے ہیں کیا اس کی یہ بات ٹھیک ہے (۳) اب زید کے خلاف بکر کہتا ہے کہ صحابہ کرام کی فضیلت اپنی جگہ پر ٹھیک ہے میں مانتا ہوں لیکن ان میں اچھے برے ہر قسم کے موجود تھے۔ نعوذ باللہ بعض نے مال غنیمت چرالیا اور زنا جیسے سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اگر ان کو تنقید سے بالا سمجھا جائے تو شرک فی النبوۃ لازم آتا ہے (۴) بکر کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو تنقید سے بالا نہیں سمجھنا چاہیے آئمہ کرام کا بھی یہی مسلک تھا۔ خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ کا قول بڑے دھڑلے سے پیش کرتا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک بتاتا ہے امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی کا بنیادی مسلک یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالا نہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟ (۵) بکر یہ بھی کہتا ہے کہ امیر جماعت اسلامی مکمل طور پر کلی اسلام کے قائل کرنے کی کوشش کررہا ہے باقی جماعتوں نے تو بعض اجزاء کو لیا ہے اسلام کے بنیادی نظریات کی اصلاح وہی کررہا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے اور وہ سچ کہتا ہے (۶) انگریزی طرز کے بال سر پر رکھنے کا جواز اور قبضہ سے کم داڑھی کتروانے کا جواز عیسیٰ علیہ السلام کے رفع روحانی کا ثابت کرنا اور بسم اللہ پڑھ کر چلائی ہوئی بندوق کے شکار کو مذبوح کا حکم دینا وغیرہ کو فقہی اختلاف سمجھتا ہے مودودی صاحب کو فقیہ اور مجتہد مانتا ہے۔ ایھما علی الصواب۔

﴿ج﴾

(۱) لفظ تنقید کے اصل معنی تو پرکھنے کے ہیں کہ کھوٹے کو کھوٹا اور کھرے کو کھرا دلائل سے ثابت کرنا یہ پرکھ تو اللہ نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور تمام محدثین وائمہ مجتہدین کے نزدیک صاف متفقہ طریقہ پر یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کھرے ہی کھرے عادل ہیں۔ عدل میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ ان سے اپنی رضا ثابت فرمائی گئی ہے۔ وہ شخص کہ جس سے حق تعالیٰ کی رضا متعلق ہو اس کو کھرا نہ سمجھنا اور قابل تنقید قرار دینا رضا کے انکار کے مترادف ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو

نا قابلِ اعتبار قرار دیتا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ[1]...... السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم[2]. محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحمآء بینھم ترھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا[3] آخر تک سورہ فتح وغیرہ متعدد آیات۔ اور احادیث سے ثابت ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم[4]. الصحابۃ کلھم عدول ۔فرمایا ہے۔ان میں سے ہر ایک کو مقتداء عالم فرمایا ہے۔ یہ ان کی عدالت کا اثبات ہے اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[5]. الحدیث اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنھما[6]۔ ان دونوں حدیثوں میں خصوصیت سے خلفاء کی سنت اور پھر شیخین کی ذات کو مقتدا فرمایا ہے اور ان کی اقتدا کو علیکم اسم فعل بمعنی امر اور اقتدوا امر کے صیغے سے واجب فرمایا ہے۔عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا مابلغ مداحدھم ولا نصیفہ[7] (متفق علیہ) اس سے صاف ثابت ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی ایک صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم[8] اور اگر تنقید کے وہی معنی مراد ہیں جو آج کل عام طور سے دنیا لیتی ہے یعنی عیب لگانے کے تو اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا من

---

۱) سورۃ الفتح، الآیۃ ۸۔

۲) سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۰۔

۳) سورۃ الفتح، الآیۃ ۲۹۔

٤) مشکوۃ المصابیح، باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، الفصل الثالث، ص ٥٥٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٥) ابن ماجۃ، باب اتباع سنۃ خلفاء راشدین، ص ٥، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٦) کما فی المشکوۃ، باب جامع المناقب، الفصل الثانی، ص ٥٧٨، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
وایضاً فی الترمذی، ابواب المناقب، ج ٢ ص ٢٠٧، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٧) کما فی المسلم، باب تحریم سب الصحابۃ، ج ٢ ص ٢٠٧، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وایضاً فی البخاری ص ٥١٨ طبع قدیمی کتب خانہ۔

٨) کما فی المسلم، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، الخ، ص ٣٠٨، ج ٢، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی وایضاً فی المشکوۃ، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الاول، کراچی، ص ٥٥٣، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
وایضاً فی البخاری: باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ١ ص ٥١٥، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم[۱] یختی سے اس پر انکار ہے اور صاف ارشاد ہے کہ جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت رکھتا ہے۔ جو ان سے بغض رکھتا ہے (جو عیب لگانے کا عیب ہے) وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عیب دار سمجھنا ان میں عیب نکالنا حضور کو عیب دار سمجھنا ہے۔ اور اس کو غور سے دیکھ لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا اسلام سے خارج کرنے کے معنی رکھتا ہے بلکہ ترمذی کی حدیث میں آگے یہ لفظ بھی ہیں۔ و من اذاھم فقد اذانی و من اذانی فقد اذا اللہ و من اذا اللہ یو شک ان یاخذہ[۲]. لہٰذا عیب لگانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اذیت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اذیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت سے (اللہ کی اذیت اور اللہ کی اذیت سے دنیا و آخرت کا عذاب) قریب ہے کہ اس کو گرفت میں لے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ اصحابی امنۃ لامتی فاذا ذھب اصحابی اتاھم مایوعدون[۳]۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین تمام امت کا فرمائیں ان کو ایسا کہنا دیکھ لیجیے حدیث کے کس قدر خلاف ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات جن کی حقیقت تک عام لوگوں کی عقلیں نہیں پہنچتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ کما فی الطبرانی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھہ اور ابو علی کے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اذا ذکر اصحابی فامسکوا[۴]۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنقید بمعنی پرکھنا یا بمعنی عیب داری کا مستحق سمجھنا حدیث و قرآن و اجماع اہل سنت والجماعت سے حرام اور خلاف امت ہے۔ اور غور کیا جائے تو یہ بات تمام دین اسلام کی جڑیں اکھاڑنے والی ہے۔ قرآن و حدیث سب صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے واسطے سے امت کو پہنچا ہے ان کو عیب دار قرار دینا تمام دین کو مشکوک قرار دینا ہے، شک آیا اور

---

۱) کما فی الترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من بایع تحت الشجرۃ، ص ۲۲۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی المشکوۃ: (باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، الفصل الثانی، ص ٥٥٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کما فی الترمذی: ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من بایع تحت الشجرۃ، ج ۲ ص ۲۲۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی
کما فی المشکوۃ: (باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ، الفصل الثانی، ص ٥٥٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کما فی المسلم: (باب فی بیان ان بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۰۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٤) کما فی شرح فقہ الاکبر، ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الإسلامیۃ۔

ایمان ختم ہوا۔اس لیے یہ نظریہ مسلمانوں کے ایمان ختم کرنے کا نظریہ ہے۔ ذرا غور سے تو کام لے کر دیکھا جائے یہ کوئی سرسری بات نہیں ہے اس کے اندر بہت سے راز پنہاں ہیں اور اس طریق سے مسلمان کا سہارا اسلام بھی ختم کیا جارہا ہے۔امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں فرمایا۔ **واعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما اثنا الله سبحانه وتعالى عليهم ورسوله صلى الله عليه وسلم. وجوبا باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم**[1]۔جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ واجب یہ ہے کہ سب کو پاک صاف قرار دیں کہ سب کے لیے عدالت ثابت ہے اور ان پر طعن سے رکنا واجب ہے تو اب ان کی شان میں ایسے الفاظ کہنا رافضیوں کا سا وتیرا ہے جو بالکل گناہ عظیم ہے اور اہل سنت والجماعت سے خروج ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور سب ائمہ مجتہدین اہل سنت والجماعت اور سب کے نزدیک یہی عقیدہ ہے جو امام غزالی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔امام اعظم کی الفقہ الاکبر میں ارشاد ہے جس کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے متن پر قوس بنا کر۔ **ولانذكر الصحابة اى مجتمعين ومنفردين وفي نسخة ولانذكر احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الابخير. يعني وان صدر من بعضهم بعض ماضر في حمودة السراع ولذلك ذهب جمهور العلماء الى ان الصحابة رضي الله عنهم كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلي وكذا بعدها**[2]. آگے مذکورہ بالا احادیث ہیں شرح مواقف **حق الموقف السابع انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم**[3] **لان الله تعالىٰ عظمهم واثنا عليهم في غير موضع من كتابه السابقون الاولون الاية**[4] **وقوله يوم لايخزى الله النبي والذين امنوا معه. نورهم يسعى بين ايديهم الاية**[5]. **الى غير ذلك من الايات الدالة على عظم قدرهم وكرامتهم عندالله و رسوله والرسول قداحبهم واثنا عليهم في احاديث كثيرة**– بعد احادیث مذکورہ کے **ثم ان من تامل سيرتهم ووقف على ماثرهم وجدهم في الدين وبذل اموالهم وانفسهم في نصرة الله ورسوله لم يتخالجه شك في عظم شانهم وبراتهم ينسب اليه المبطلون من المطاعن و**

---

۱) احياء العلوم، كتاب قواعد العقائد، الركن الرابع، الاصل السابع، ج ۱ ص ۱٦٤، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) شرح فقه الاكبر، ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الإسلامي۔

۳) شرح مواقف حق الموقف السابع الخ۔

٤) سورة التوبة، الآية ۱۰۰۔

٥) سورة التحريم: الآية ۸۔

منعه ذلک ای تنقیته بحالهم عن الطعن فیهم فرای ذلک مجانبا للایمان. (نمبر۲) زید صحیح کہتا ہے[1] (نمبر۳) شرک فی النبوۃ غلط ہے۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و تعظیم فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیم و تکریم فرمائی اور ہم کو حکم دیا اور تمام اہل سنت والجماعت کا جس پر اجماع ہے اور جن کے متعلق خراب گمان کو ایمان کے خلاف قرار دیا گیا ہے ان کی تعظیم و تکریم کرنے سے ان کو نبی ماننا لازم نہیں آ سکتا اس کو شرک فی النبوۃ کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تکمیل ہے اور ان کی عظمت حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ہے ان کی ذات کی وجہ سے نہیں جس وقت حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ان سے محبت کرے گا میری محبت کی وجہ سے کرے گا جو بغض رکھے گا مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھے گا[2] یہ صحیح ہے کہ بعض صحابہ سے گناہ کا ارتکاب ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔ کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون[3] ان کو معصوم نہیں کہا جا رہا ہے بلکہ اگر گناہ کا صدور ہوا تو فوراً توبہ کر کے خیر ہونے کی سند حاصل کر لی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق بخاری کی حدیث کے اخیر میں ہے فقال له النبی صلی الله علیه وسلم خیرا و صلی علیه[4] ان کو خیر فرمایا اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے تو ان کی عجب شان ہے۔ لقد تاب توبة لو قسمت بین امته لو سعتهم مسلم (الکتب الستۃ حدیث ۱۶۹۵/ص ۹۷۸)[5]۔ ایسی بے مثال توبہ ہے۔ صحابہ بشر ہیں ان سے بھی معصیت کا صدور بعید نہیں ہے مگر حسب ارشاد توبہ بھی ان کی ایسی ہوئی ہے جیسے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی کہ پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہے۔ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ان حضرات سے گناہوں کا صدور اور توبہ کا ظہور کرا دیا۔ ورنہ محبت والے مومنوں کے لیے تو ہر گناہ موت ہوتا اور حاکموں کے

---

۱) کتاب کے سوال کا جزء نمبر ۲، کما قال تعالی: یریدون لیطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو کره الکفرون، سورة الصف، الآیة ۸۔

۲) سوال کے جزء نمبر ۳ میں کما فی المشکوة، فحن احبهم فبحبی احبهم الخ، باب مناقب ابی بکر رضی الله عنه، الفصل الثانی، ص ۵۵٤، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
وایضاً فی الترمذی: ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رای النبی صلی الله علیه وسلم، ج ۲ ص ۲۲۵، ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) کما فی المشکوة: باب الاستغفار، الفصل الثانی، ص ۲۰٤، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
ایضاً فی ابن ماجة، باب ذکر التوبة، ص ۳۲۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٤) کما فی الترمذی: ابواب الحدود، باب ما جاء فی درء الحد عن المعترف اذا رجع، ج ۱ ص ۲٦٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی البخاری، باب الرجم بالبلاط، ج ۲ ص ۲٦٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً فی البخاری، باب الرحیم بالبلاط، ج ۲ ص ۱۰۰۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۵) کما فی المسلم: (باب حد الزناء ج ۲ ص ٦٨، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

لیے حدود کے جاری کرنے میں تساہل ہوتا۔ (۴) امام مالک رحمہ اللہ کا قول مع حوالہ لکھ کر بھیجئے نیز امام اعظم رحمہ اللہ کا جبکہ ہم تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع والاتفاق نقل کر چکے ہیں امام اعظم رحمہ اللہ نے خود لا نذکر **الصحابة الا بخير** فقہ اکبر میں فرمایا[1]۔ (۵) جہاں تک معتبر علماء دین نے گہری نظر سے دیکھا ہے، وہ اسلام واسلامیات میں تحریف کر کر کے یورپ سے آنے والے بعض نظریات کو عین اسلام ثابت کر دیتے ہیں وہ حدود کے آج کل جاری کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کو ایک لیڈر قرار دیتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں کو ڈرامہ کہتے ہیں وہ اسلام کو مذہب نہیں ایک تحریک کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور یہ صریح تہمت ہے کہ چودہ سو سال کے مسلمانوں کی ہر جماعت نے اسلام کے صرف بعض افراد کو لیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک اسلام محفوظ کیسے آتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ بنیادی نظریات کی اصلاح سے تو صاف صاف یہ کہنا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں جو مسائل تھے ان کی اب اصلاح ہو رہی ہے۔ خیر القرون میں سب فاسد تھے۔ اس کو زید نیا اسلام کہہ رہا ہے جس کا بکر نے اقرار کر لیا۔ مگر یہ سب غلط مسئلے ہیں اور سب قرآن وحدیث کے خلاف ہیں اگر بکر ان کو نبی یا خدا ماننے لگے تو کوئی کیا کر سکتا ہے اس کو مجتہد کا مفہوم اور اس کے شرائط کا علم ہی نہیں ہاں مجتہد کے معنی قرآن وحدیث سے الگ ہو کر اپنی رائے رکھتا ہو تو صحیح ہو گا مگر ایسا مجتہد کب ہوتا ہے سب جانتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

کتبہ جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ
الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید آخرت کا وبال

﴿س﴾

مکرم ومعظم جناب مفتی صاحب...... السلام علیکم دام اقبالہ

بعد آداب کے گزارش ہے براہ شفقت ذیل کے استفتاء کا جواب شرعی حیثیت سے تحریر فرما کر مشکور فرمائیں نوازش ہوگی۔

ہمارے گاؤں میں ایک شخص سے دوران بحث میں یہ الفاظ منہ سے نکلے کہ آپ میرے سامنے عورتوں کی روایتیں کیوں نقل کرتے ہیں۔ جب کہ مخاطب نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

---

۱) كما في شرح فقه الاكبر ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الإسلامي۔
۲) اختلاف امت وصراط مستقیم، ص ۱۵۴، طبع مکتبہ لدھانویہ۔

پیش کی اور وہ آدمی ابھی تک اپنے الفاظ واپس نہیں لیتا۔ برائے کرم جواب سے نوازیں۔
نوٹ: وہ آدمی امام مسجد بھی ہے جس کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔ اسماعیل بقلم خود۔

﴿ج﴾

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جلیلۃ القدر فقیہہ تھیں آپ کی فقاہت اور مسائل میں مہارت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ ہے[1]۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے[2]۔ اس لیے ان کے بارے میں اس قسم کے خفیف الفاظ استعمال کرنا جن سے مقصد فقط ان کی ہتک (العیاذ باللہ) ہے[3]۔ اس بات سے توبہ کرنا لازم ہے[4]۔ کیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کر کے آخرت کو خراب کرتے ہیں[5]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۲ شوال ۱۳۷۴ھ

شیعہ سے ہدیہ لینے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل سنت والجماعت کا پڑوسی شیعہ ہے، جب وہ شیعہ

---

۱) كما في الترمذي، عن ابي موسى قال ما اشكل علينا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، حديث قط فسالنا عائشة رضى الله عنها الخ، ابواب المناقب، باب من فضل عائشة رضى الله عنها، ج ٢ ص ٢٢٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وايضاً: في حلية الاولياء، حدثنا الحسن ...... ما رايت احداً من الناس اعلم بالقرآن ولا فريضة ...... من عائشة رضى الله عنه الخ، ذكر النساء الصحابيات، عائشة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج ٢ ص ٥٣، طبع دار احياء التراث العربي، بيروت۔

۲)

۳) كما في الترمذي، عن عائشة رضى الله عنها ...... قال يا ام سلمة ...... لا تؤذيني في عائشة ...... الخ (ابواب المناقب، فضل عائشة، ج ٢ ص ٢٢٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وايضاً في البخاری: (ابواب المناقب، باب فضل عائشة، ج ١ ص ٥٣٢، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

٤) كما قاله تعالى: انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة الخ (سورة النساء: الآية ١٧۔
وايضاً قاله تعالى: توبوا الى الله توبة نصوحاء سورة التحريم، الآية ٨۔

٥) كما في الترمذی: ومن اذهم فقد اذاني ومن اذاني فقد اذى الله الخ (ابواب المناقب، ج ٢ ص ٢٢٥، طبع ايچ ايم سعيد كراچی)۔

کوئی اچھی چیز کھاتا ہے یعنی چاول گوشت وغیرہ تو اپنے پڑوسی اہل سنت والجماعت کو دیتا ہے۔کیا وہ اہل سنت والجماعت کا آدمی ان چیزوں کو استعمال کرے یا نہ کرے یا واپس کر دے یا لے کر تو کسی جانور کو ڈال دے کیسے کرے۔

﴿ج﴾

ایک دوسرے کے ہدایا وخیرات وغیرہ قبول کرنے سے چونکہ تعلقات آپس میں بڑھتے ہیں اور آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔حدیث میں آتا ہے۔**تهادوا تحابوا او كمال قال عليه السلام** [1] اور شیعہ ایک باطل فرقہ ہے۔عموماً آج کل کے شیعہ حد کفر کو پہنچے ہوئے ہیں ان سے تعلقات رکھنے میں مفاسد اغلب وکثیرہ ہیں۔اس لیے شیعوں کے ساتھ تعلقات رکھنا شرعاً جائز نہیں۔لہٰذا اہل سنت والجماعت اپنے پڑوسی شیعہ سے خیرات وہدیہ قبول نہ کرے علاوہ اس کے غیرت ایمانی کے بھی خلاف ہے اگرچہ فی نفسہ جائز ہے۔ان سے چاول گوشت وغیرہ ہدیہ وخیرات وغیرہ قبول نہ کرے ان سے لے کر جانوروں کو ڈالے ایسا نہ کرے [۲]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کفریہ عقائد نہ رکھنے والے شیعوں سے تعلقات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے گاؤں میں ایک اہل تشیع کا گھر ہے جن کی زبان سے ہم نے کبھی سب وشتم نہیں سنا اور نہ انہیں ماتم وغیرہ میں دیکھا ہے گو وہ چھپ چھاپ کر ایسے کرتے ہوں گے۔ لیکن ہم نے انہیں غالی شیعوں کی طرح نہیں پایا وہ ہمارے ساتھ لین دین کے معاملات رکھتے ہیں۔غم وخوشی،

---

۱) معارف الحديث، كتاب المعاملات والمعاشرت، باب المصافحة، ج ٦ ص ١١٧، طبع دار الإشاعت كراچی۔

۲) كما قاله تعالى: ولا تركنوا الى الذين ظلموا الخ (سورة الهود، الآية ١١٣)

وايضاً قاله تعالى: يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا الخ (سورة الممتحنة الآية ١)

كما في المسلم: المرء مع من احب الخ (باب المرء مع من احب، ج ٢ ص ٣٣٢، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

كما في المشكوة: عن ابن عمر قال ...... من تشبه بقوم فهو منهم الخ (كتاب اللباس، الفصل الثانی، ص ٣٧٥، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

كما في الهندية: فلا توكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد الخ، كتاب الذبائح، الباب الاول في ركنه وشرائطه الخ، ج ٥ ص ٢٨٥، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

بیاہ وشادی تقریبات، تعزیت، عیادت پرسی، جنازہ وغیرہ امور میں شرکت کرتے ہیں۔ کیا ہم بھی ان سے ان جملہ امور میں یا بعض امور میں انسانی ہمدردی یا اخلاق حسنہ کے تحت شمولیت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہمارے کسی عالم سے وہ نکاح وغیرہ کرانا چاہیں یا نابالغ کا جنازہ پڑھوانا چاہیں تو کیا حکم ہے۔ براہ کرم تفصیل سے جواب مرحمت فرمادیں کہ ہمیں کن کن امور میں ان سے قطع تعلق اور کن امور میں تعلق رکھنا چاہیے۔ سب وشتم سے یا بعض صحابہ کرام کی تحقیر سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں۔ براہ کرم جلد جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

شیعہ کا وہ فرقہ جو سب شیخین نہ کرے اور اصحاب کو برا نہ کہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قائل نہ ہو اور کوئی عقیدۂ کفریہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے اور اگر اہل سنت والجماعت بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھادیں تو کچھ حرج نہیں اور کوئی تعزیر اس پر نہیں [1] اور میل جول ان سے منع نہیں [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیعوں سے تعلقات رکھنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارا گوٹھ جس میں کچھ گھر اہل شیعہ ہیں اور کچھ اہل سنت ہیں۔ اب مقصد یہ ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے اپنے گوٹھ میں یہ تبلیغ کرتے ہیں۔ کالا کپڑا پہننا، یا مجلس عزا کرنا، پیٹنا رونا منع ہیں، اسی طرح تعزیہ نکالنا یا نذر و نیاز دینا اس کا کھانا پینا سب منع ہیں۔ یا شیعوں کی مجالس میں اٹھنا بیٹھنا منع ہے۔ تو اہل شیعہ اس کے برعکس لوگوں کو زوری بھڑکا کر لے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے ہم سب آپس میں قریبی رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چچا، ماموں، چچازاد بھائی ایسے اور لیکن اس مذہب کی خاطر ایک دوسرے سے بولنا چالنا بند ہے اور رشتہ داری کی لین دین یا کھانا پینا بند ہے۔ حتیٰ کہ شیعوں نے ہم پر مقدمہ بھی کیا۔ لیکن رب پاک

---

۱) كما في الشامية: بخلاف ما اذا كان يفضل علياً او يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر" كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري اللاتي، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئته۔

كما في البحر الرائق: والرافضي ان فضل علياً على غيره فهو مبتدع الخ، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئته۔

كما في الشامية: اما الرافضي ساب الشيخين ...... فليس بكفر" كتاب الجهاد، مطلب سب الشيخين، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشيديه كوئته۔

۲) تقدم تخريجه تحت عنوان (شيعه سے هديه لينے كى شرعى حيثيت) جز نمبر ٥ ص ٢٢٨۔

کی مہربانی سے ہمیں فتح ہوگئی مقصد یہ ہے کہ وہ اہل شیعہ ہیں اور ہم اہل سنت ہیں۔اس لیے ہم یہ مسئلے آپ سے حل کرانا چاہتے ہیں۔آپ ہمیں کیا فتویٰ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ اب شیعوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔آیا ان سے بولنا چالنا یا کھانا پینا یا لین دین بند کر دیں یا کہ نہ۔یا تو اس گوٹھ سے ہجرت کر کے دوسرے گوٹھ میں جا بسیں۔کیا اہل سنت والے اہل شیعہ والوں کو نکاح میں لڑکی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شیعہ ایسا ہو جو کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری ہو مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کا قائل ہو، یا تحریف قرآن کا قائل ہو، یا جبرئیل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی کرنے کا قائل ہو، یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکاری ہو یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت (قذف) لگاتا ہو یا سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو ایسا شیعہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی موالات اور دوستی رکھنا جائز نہیں۔**قال ابن عابدین فی ردالمحتار ج۲ ص ۳۱۴ وبھذا ظھر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي اوان جبريل غلط في الوحي او كان ينكر صحبة الصديق اويقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة۔**الخ۔[1]

اور اگر وہ شیعہ اسلام کے کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری نہ ہو تو وہ مسلمان ہے۔لیکن پھر بھی تفضیل علی رضی اللہ عنہ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے فاسق اور مبتدع ضرور ہے[2]۔ان کے موالات سے بھی حتی الامکان مذہبی امور میں بچنا ضروری ہے۔بوقت ضرورت سلام وکلام ان کے ساتھ جائز ہے لیکن آپس میں رشتہ وغیرہ کے بارے میں بہر حال ان سے اجتناب اچھا ہے۔**قال فی ردالمحتار ص ۳۱۴ ج۲ بخلاف ما اذا كان يفضل عليا او يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر۔الخ[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

---

۱) شامیة، کتاب النکاح، مطلب فی وطء السراری اللاتی، ج ۲ ص ۱۳٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
باقی تقدم تخریجه تحت عنوان قذف حضرت عائشة کے قائل کا حکم) جزء نمبر ۲ ص ۲۲۲۔
ان سے تعلقات، تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه سے هدیه لینے کی شرعی حیثیت) جزء نمبر ۵، ص ۲۲۸۔

۲) تفضیلی شیعه کافر نهیں فاسق هے، تقدم تخریجه تحت عنوان (کفریه عقائد نه رکھنے والے شیعوں سے تعلقات) جزء نمبر ۱، ص ۲۲۹۔

۳) شامیة، کتاب النکاح، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی الخ ج ٤ ص ۱۳٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
ان سے تعلقات، تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه سے هدیه لینے کی شرعی حیثیت) جزء نمبر ۵ ص ۲۲۸۔

الجواب صحیح۔لیکن مذہبی امور میں پختگی سے اپنے موقف پر قائم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے فساد سے احتراز کیا جاوے[۱]۔تبلیغ دین میں احسن طریق کو اختیار کیا جاوے[۲]۔واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

ایسا شخص سنی نہیں کہلا سکتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک اہل سنت والجماعت کے مزار کا سجادہ نشین شیعہ جو کہ قرآن پاک ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتا اس نے اپنے اہل شیعہ امام مسجد رکھے ہوئے ہیں۔جس کے ایک فرد نے مبینہ طور پر دیدہ دانستہ حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت بری طرح غلیظ الفاظ میں توہین کی ہے اور سجادہ نشین ان کا سرکردہ سرپرست ہے۔کیا اہل سنت والجماعت ایسے پیر کی بیعت کر سکتے ہیں اور جو پہلے بیعت کر چکے ہیں وہ اس بیعت پر قائم رہ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر کوئی ایسی صورت میں قائم رہے تو وہ اہل سنت میں شمار ہو سکتا ہے اور وہ سنی اپنے آپ کو کہلا سکتا ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔حدیث شریف میں آیا ہے۔**لاتسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مداحدهم ولا نصيفه**۔(رواہ البخاری فی المناقب)[۳] یعنی میرے صحابہ کو برا مت کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو وہ ان کے ایک سیر اور نصف سیر کی برابری نہیں کر سکتا۔اسی طرح متعدد آیات واحادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بیان کی گئی ہے[۴]۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں گستاخانہ کلمات کہنے ناجائز اور حرام ہیں ایسے لوگوں کی سرپرستی کرنے والے شیعہ سجادہ

---

۱) كما قاله تعالى: ولا تسبو الذين يدعون من دون الله الخ، سورة الانعام، الآية ۱۰۸۔

۲) كما قاله تعالى: ادع الى سبيل ربك بالحكمة الخ، سورة النحل، الآية ۱۲۵۔

۳) كما فى المسلم: باب تحريم سب الصحابة، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔
وايضاً فى البخارى، كتاب المناقب، باب فضل ابى بكر رضى الله عنه، ج ۱ ص ۵۱۸، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

۴) صحابه كے بارے ميں آيات واحاديث منقول هيں تحت عنوان (صحابه كرام كے بارے ميں ائمه اربعه كے مسلك) ص ۲۲۴۔

نشین کی بیعت ناجائز ہے۔ جو ایسے شیعہ سجادہ نشین سے بیعت ہوں، وہ اپنے بیعت اس سے توڑ دیں[1]۔ جو شخص اس پیر کے شیعیت کے عقائد سے واقفیت رکھتے ہوئے اس کی بیعت پر قائم رہے اور اسے اپنا پیشوا و مقتداء سمجھے ایسا شخص سنی نہیں کہلا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیر کے عقائد واعمال کیسے ہونے چاہئیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک پیر صاحب اپنے مریدوں کو مندرجہ ذیل تبلیغ کرتا ہے اور تحریراً بھی کہ اپنے پیر و مرشد کو مقامات عالیہ پر پہنچا ہوا اعتقاد کرو تا کہ تمہیں فیض زیادہ حاصل ہو۔ اگر شیخ و مرشد میں کوئی شرعی نقص و عیب دیکھو تو اس میں نہ سمجھو بلکہ اپنا سمجھو۔ اگر مرشد حکم دے عورت کے طلاق کرنے کا یا حکم دے شراب سے مصلیٰ بھرنے کا جیسے عموماً یہ شعر اس کی تائید میں پڑھا جاتا ہے ؎

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیرے مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو اطاعت کرنی ضروری اور لازمی ہے۔ پیر صاحب غیر محرم رشتہ دار مردوں سے اپنی عورتوں کا پردہ نہیں کراتا۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ تبلیغ بالا شرعاً درست ہے یا نہ؟ اور ایسے مرشد کی بیعت شرعاً جائز ہے یا نہ؟ اور جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

حقیقت میں کسی کو پیر و مرشد بنانے سے قبل اس کو خوب دیکھا جائے کہ اس میں شیخ بننے کی اہلیت ہے یا نہ؟ سب سے بڑی بات علوم دینیہ سے واقفیت اور اتباع سنت ہے۔ پھر جب عالم دین و متبع سنت و صاحب اخلاق فاضلہ بزرگ سے ارادت و عقیدت ہو تو یقیناً ان کو مقامات عالیہ پر فائز خیال کرنا ہوگا اور اسی صورت میں اس سے فیض کا استفادہ بھی ہو سکے گا۔ بغیر ارادت کے فیض کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ نادانی

---

۱) کمما فی شرح العقائد: والولی هو العارف بالله تعالی وصفاته الخ (باب کرامات الاولیاء، ص ۱۰۵، طبع دار الاشاعت العربية، قندهار وايضاً گوالمندی جوك کوئته۔

وایضاً فی الشامیة: فیشترط فیه کونه محفوظا کما یشتر فی النبی کونه معصوماً، المقدمة، مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل، ج ۱ ص ۱٤٠، طبع رشیدیه کوئته۔

وایضاً فی النبراس: حتی یخرج بالکبیرة واصرار الصغیرة الخ، ص ۲۹۵، طبع امدادیه ملتان۔

اور جہالت سے کسی بدعتی جاہل کو جو نہ سنت نبویؐ سے واقف ہو اور نہ اس پر عامل، مرشد بنا لیا تو اس کو بھی مقامات عالیہ پر خیال کر کے اس سے فیض حاصل کرنا چاہیے۔ جس کی زندگی مخالفت سنت اور بدعتوں میں گزرتی ہو تو وہ خود گمراہ ہے۔ اس سے تعلق رکھنا گمراہی ہے۔ اس کو مقامات عالیہ پر فائز سمجھنا جہالت ہے اور فیض کا حصول اس سے ناممکن ہے[1]۔ شیخ میں اگر کوئی شرعی عیب نظر آوے تو حتی الوسع اس کی صحیح تاویل کرنی چاہیے[2]۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو یہ سمجھا جاوے کہ معصوم تو کوئی نہیں ہے۔ شیخ میں بھی کوتاہی ہو سکتی ہے۔ اس کوتاہی کے باوجود اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کی بیعت کو نہ توڑ و اور اگر کوتاہی اس قسم کی ہے کہ باوجود کہنے سننے کے اس کی اصلاح ناممکن ہے اور اس کوتاہی کے باوجود اس سے متعلق رہنا مشکل ہو تو بیعت توڑ کر دوسرے شیخ کی تلاش کی جاوے۔ یہ غلط ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی غلطی کو اپنی غلطی سمجھا جاوے۔ اگر عورت اچھی ہے باہم زوجین میں کوئی منافرت نہیں ہے۔ تو پیر نہ تو اس کی طلاق کا حکم دے گا اور نہ اس کو طلاق دینی چاہیے[3] اور اگر کوئی پیر باوجود نہ ہونے کسی خاص وجہ کے طلاق کا حکم یا کسی دوسری معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق** یہ حکم شرعی ہے۔ ایسے پیر کی بیعت جائز نہیں ہے[4]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۶/۷/۱۳۷۲ھ

قوالی سننے والے پیر کا مرید بننے کے متعلق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پیر صاحب لوگوں کو مرید بناتے ہیں اور اکثر اوقات قوالی

---

۱) پیر کیسا ہونا چاہیے۔ تقدم تحریجہ تحت عنوان (ایسا شخص سنی نہیں کہلا سکتا) جزء نمبر ۷ ص ۲۳۰۔

۲) كما فی المشكوة: "عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ...... حسن الظن من حسن العبادة"، باب ما ينهی عنه من التهاجر الخ الفصل الثانی، ص ۴۲۹، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

۳) كما فی الشامية: فان المعصومية ليست الالانبياء الخ (كتاب الجهاد، مطلب اجمعوا علی كفر فرون، ج ٦ ص ۳۵۵، طبع رشيديه كوئٹه۔

٤) كمـا فی المشكوة: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ كتاب الامارة والقضاء، الفصل الثانی، ج ۱ ص ۳۲۱، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

وايضاً فی الشامية: لا طاعة لمخلوق الخ (كتاب الحظر والإباحة فصل فی البيع، ج ۹ ص ۶۷۲، طبع رشيديه كوئٹه۔

وايضـاً فی التفسير المظهری: فلا يجوز اطاعة فی الظلم والمعصية الخ (فی تفسير سورة البقرة، تحت آيت لاينال عهدی الخ، ج ۱ ص ۱۲٤، طبع بلوچستان، بك ڈپو مسجد روڈ كوئٹه۔

کراتے ہیں۔قوالوں کے پاس باجے ڈھولک ہوتے ہیں اور قوالی کے ساتھ خوب تالیاں بجاتے ہیں۔تو کیا ایسے پیر کا مرید بننا جائز ہے یا نہیں اور کیا ایسی قوالی سننا جائز ہے یا نہیں۔

سنیاسی احسان الحق نقش بندی قادری یزمان منڈی ضلع بہاولپور

﴿ج﴾

پیر مذکور خود راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اس کا مرید ہونا کس طرح جائز ہو سکتا ہے[1]۔

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ۷-۷-۱۴۰۰ھ

سنی امام نے تبرائی کا جنازہ پڑھایا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام نے (جو اہل تحریر کا دینی مقتدا بھی شمار ہوتا ہے) ایک شیعہ کا جنازہ پڑھایا ہے۔وہ شیعہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصاً اور صحابہ کو عموماً سب کیا کرتا تھا۔ ہر وقت ایسا نہیں کرتا تھا۔کبھی کبھی کسی مجلس میں بحث ہوتی تو اس کی زبان سے تبرا سنا گیا اور شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی ظالم تک کے الفاظ کہہ دیتا تھا۔اگر اس امام نے اسے مسلمان سمجھا اور اس کے جنازے کو جائز سمجھ کر پڑھایا تو کیا حکم ہے اور اگر محض کسی دباؤ یا دنیاوی غرض سے پڑھایا ہے تو کیا حکم ہے۔گویا یہ امام فاسق ہے یا نہیں اگر فاسق ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز۔مزید برآں توبہ کی کیا صورت ہے۔اعلانیہ توبہ ضروری ہے یا مخفی توبہ کافی ہے۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شیعہ کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری ہو مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو۔یا جبریل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی کرنے کا قائل ہو۔یا صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکاری ہو یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت (قذف) لگاتا ہو۔یا سب صحابہ کو جائز اور کار خیر سمجھتا ہو تو یہ کافر ہے اور اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں[2]۔

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (ایسا شخص سنی کہلانے کا مستحق نہیں) جزء نمبر ۷ ص ۲۳۰۔

۲) کما فی الشامیة: نعم لا شك فی تكفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها الخ (كتاب الجهاد، مطلب فی حكم سب الشیخین، ج ٦ ص ٣٦٤، طبع رشیدیه كوئته۔

كما فی البحر الرائق: ویقذف عائشة رضی الله عنها الخ، كتاب السیر باب احكام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٤، طبع رشیدیه كوئته۔

كما فی الهندیة ویجب اكفار الروافض ...... الخ، كتاب السیر باب التاسع فی احكام المرتدین، ج ٢ ص ٢٦٤، طبع رشیدیه كوئته۔

قال ابن عابدین فی ردالمحتار ج ۲ ص ۳۱۴ وبھذا ظھر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوھیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة. فھو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة [۱]۔ اور اگر اسلام کے کسی مسئلہ ضروریہ کا انکاری نہ ہو تو وہ مسلمان ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ قال فی ردالمحتار ۲-۳۱۴ بخلاف ما اذا کان یفضل علیا او یسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر [۲]۔ الخ۔

مسئولہ صورت میں اگر یہ شیعہ پہلی قسم کا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانا ناجائز تھا [۳] اور دوسری قسم کا تھا تو جائز [۴]۔ باقی یہ ایک خاص واقعہ ہے کہ مولوی صاحب نے جس شیعہ کا جنازہ پڑھا ہے وہ کس قسم کا تھا اور مولوی صاحب نے کس بنا پر جنازہ پڑھا۔ تحقیق سے پتہ چل سکتا ہے۔ لہٰذا سوال میں مختلف قسم کے شیعوں کے بارے میں علیحدہ حکم کا تعین تحقیق کے بعد ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۸ صفر ۱۳۹۱ھ

سنی امام کا شیعہ کا نکاح پڑھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اور مذہب شیعہ کے لوگوں کا جن لوگوں کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ وہ سب شیخین رضی اللہ عنہما کرتے ہیں۔

---

۱) کتاب النکاح، مطلب مھم فی وطء السراری اللاتی الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) کتاب النکاح، مطلب مھم فی وطء السراری اللاتی الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی البحر الرائق والرافضی ان فضل علیاً الخ (کتاب الصلوة، باب الامامة، ج ۱ ص ٦١١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی الشامیة: وشروطھا ستة (اسلام المیت وطھارته) فلا تصح علی الکافر الخ (کتاب الجنائز، فصل احق بصلاته، ج ۲ ص ۳۱٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
ومثله فی الھندیة: کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت، ج ۱ ص ۱٦۲-۱٦۳ طبع رشیدیه کوئٹه۔

٤) کما فی الھندیة: ومن قتل بحق بسلاح او غیره الخ، کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت، ج ۱ ص ۱٦۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔
کما فی الدر المختار: وھی فرض علی کل مسلم خلا، اربعة بغاة وقطاع الطریق الخ کتاب الصلوة، مطلب ھل یسقط فرض الکفایة بفعل الصبی، ج ۳ ص ۱۲۵، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وھکذا فی البدائع: کتاب الصلوة، فصل فی شرائط وجوبه، ج ۱ ص ۳۰۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

پورے شیعہ ہیں ان کا نکاح کرتے ہیں۔ان کے طریقہ پر پڑھتے ہیں۔مسئلہ یہ دریافت ہے کہ مولوی اہل سنت والجماعت شیعہ کا نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔اگر جائز ہے تو پورے طور پر وضاحت فرماویں۔اگر ناجائز ہے تو پڑھنے والے پر شریعت کوئی سزا دیتی ہے یا نہیں، ایسا مولوی سنیوں کو نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔کیا شیعہ سب کرنے والے کا جنازہ اہل سنت امام پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔شیعہ مذہب کے جنازہ کے اندر اہل سنت والجماعت لوگ مل سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ بعض ہمارے لوگ ان کے جنازہ کے اندر شریک ہو جاتے ہیں، نیز سنیوں کے جنازہ میں مثلاً امام اہل سنت ہو اور میت بھی سنی ہو۔تو اس میں شیعہ شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔بینوا و توجروا۔

السائل محمد عبداللہ متعلم مقام قریہ منڈی سید ضلع جھنگ

﴿ج﴾

جو سب صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں اسے حلال بلکہ ثواب سمجھتے ہیں۔ان کا جنازہ پڑھنا، ان سے نکاح کرنا وغیرہ اور پڑھنا شریک ہونا کسی سنی مسلمان کے لیے جائز نہیں[1]۔ایسے شخص کی امامت ناجائز ہے۔ایسے شخص کو امامت سے معزول کرنا ضروری ہے نیز ایسے شخص کو سنی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے[2]۔واللہ اعلم۔

اہل تشیع کی قربانی میں شرکت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) اہل تشیع مرد سے اہل سنت عورت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں یا اس کا عکس جائز ہے۔

(۲) کیا اہل سنت امام کے پیچھے اہل تشیع کھڑے ہو کر کسی میت کی نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں۔مفصل فرمائیں یا اس کا عکس جائز ہے۔

---

۱) ان کا جنازہ جائز نہیں، تقدم تخریجه تحت عنوان (سنی امام نے تبرائی کا جنازہ پڑھایا) جزء نمبر ۳ ص ۲۳۳، یعنی صفحه هذا غالی کے ساتھ نکاح: تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه لڑکی سے نکاح) جزء نمبر ۷، ص ۲۱۸۔

۲) كما في تنوير الابصار (ويكره) تنزيهاً (امامة عبد) ...... (وفاسق واعمى) الخ (كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵، طبع رشيديه كوئته۔

وايضاً في الشامية: كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج ۲ ص ۳۵۶، طبع رشيديه كوئته۔

(۳) اہل تشیع کو اہل سنت اپنے ساتھ قربانی میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں۔
(۴) اہل تشیع کی مسجد میں سنی حافظ شبینہ یا ختم قرآن وغیرہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔
(۵) کسی اہل تشیع کی میت پر جبکہ وہ سکرات الموت میں مبتلا ہو اس کی خلاصی کے لیے ہم سنی ختم قرآن پاک کر سکتے ہیں یا ویسے تعزیت کے لیے اہل تشیع کے گھر میں سنی ختم قرآن پاک کر سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

جو شیعہ اس قسم کا ہو کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو۔ یعنی شیعہ غالی ہو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہو یا افک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قائل ہو۔ یا قرآن میں تحریف کا قائل ہو وغیر ذلک۔ یا شیعہ تبرائی سبی ہو جو سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جائز کار خیر سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ کے ساتھ مسلمان لڑکی کا نہ نکاح جائز ہے [۱] نہ ان کی امامت اور قربانی میں شریک ہونا جائز ہے اور نہ اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے [۲] اور اگر اس قسم کا شیعہ نہیں تو اس کے ساتھ جو نکاح ہو جائے یا قربانی میں شریک ہو جائے وہ درست شمار ہوگا [۳]۔ مگر ایسے شیعہ کے ساتھ بھی مناکحت نہ کی جائے اور قربانی جنازہ وغیرہ میں شرکت سے احتراز کیا جاوے۔ کیونکہ اس میں بھی متعدد شرعی قباحتیں موجود ہیں [۴]۔

مودودی عقائد رکھنے والے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کا حکم

﴿س﴾

جناب محترم مفتی صاحب۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

عرض ہے کہ میں جمعیۃ علماء اسلام سے متعلق ہوں۔ ہمارے خاندان کے سب افراد دیوبندی صحیح العقیدہ ہیں۔ لیکن میرا بھانجا مسمی محمد رشید جو کہ اچھرہ لاہور میں علم دین حاصل کر رہا ہے جماعت اسلامی سے

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه لڑکی سے نکاح) جزء نمبر ۱ ص ۲۱۸۔
۲) تقدم تخریجه تحت عنوان (سنی امام نے تبرائی کا جنازه پڑھایا) جزء نمبر ۳ ص ۲۳٤۔
قربانی میں شریك کرنا، کما فی الهندیة: وان کان کل واحد منهم صبیاً ...... او کان نصرانیاً ونحو ذالك الخ (کتاب الاضحیة، الباب الثامن فی ما یتعلق الخ، ج ٥ ص ٣٠٤، طبع رشیدیه کوئته۔
وایضاً فی الشامیة: وان کان الشریك الستة الخ (کتاب الاضحیة، ج ٦ ص ٣٢٦، ایچ ایم سعید کراچی۔
۳) تقدم تخریجه تحت عنوان (سنی کهلوانے والے کے شیعوں جیسے افعال) جزء نمبر ۲، ص ۲۱۹۔
٤) تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه سے هدیه لینے کی شرعی حیثیت) جزء نمبر ٥ ص ۲۲۸۔

منسلک ہے۔اس کے والدین بھی جمعیۃ علماء اسلام سے منسلک ہیں۔وہ ہر وقت جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھتا ہے اور تشہیر کرتا رہتا ہے اس کے والدین مجھ سے رشتہ طلب کرتے ہیں۔اب آپ بتائیں کہ رشتہ قانون اسلام کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔مودودی صاحب کے متعلق اکابر دیو بند مثلاً مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی اور اسی طرح دیگر علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ مودودی ضال مضل ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کی ذوات پر اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں ناپاک حملے کیے ہیں۔اس طرح چند دیگر مسائل متفقہ علیہ بین الائمۃ میں اپنی منفردانہ رائے ذکر کر چکے ہیں۔جس کی تفصیل آپ ان سے متعلق رسائل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

پس مودودی صاحب کا ان مخصوص خیالات و مجتہدات میں پیروکار شخص ضال و فاسق شمار ہوگا [1]۔لہٰذا ایسے فاسق شخص کو رشتہ دینے سے اجتناب کرنا ضروری ہے [2]۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نکاح میں دین داری کا لحاظ رکھنا باقی امور سے مقدم ہے [3]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ،نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان،۱۵۔۵۔۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔۸۔۶۔۱۳۹۰ھ

مودودی صاحب کی کفریہ تحریریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا جس کی سزا میں انہیں بہشت سے باہر نکلنا پڑا اور یونس علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوا جس کی سزا میں انہیں مچھلی کے

---

۱) خیر الفتاوی، ج ۱ ص ٤٤٣، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
احسن الفتاوی، ج ۱ ص ۳۰۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
فتاوی حقانیہ، ج ۱ ص ٤٤٠، طبع جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان (ایسے شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں) جزء نمبر ٤، ص ۲۱٦۔

۳) کما فی البخاری، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ...... قال تنکح المراۃ لاربع لمالها الخ (کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، ج ۲ ص ۷٦۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

پیٹ میں قید بھگتنی پڑی اور موسیٰ علیہ السلام کے سر بھی قتل کا گناہ تھوپتا ہے۔ عصمت انبیاء کے بارے میں اسے سمجھایا گیا مگر وہ نہ مانا کہا کہ میرا عقیدہ یہی ہے جو میں رکھتا ہوں اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص اہل سنت والجماعت کے ساتھ قربانی میں اور نمازوں میں بغیر تائب ہونے کے شریک ہوسکتا ہے۔

مودودی کی تصنیف شدہ کتابوں کو اپنا موقف ہدایت سمجھتا ہے اور وہ عبارتیں جو کتب مذکورہ میں سراسر اسلام کے خلاف انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین سے بھری ہیں۔ اس شخص کے نزدیک حق ہیں۔ کتابچے اٹھا اٹھا کر عوام الناس جو کہ حنفی المسلک ہیں کو دکھاتا پھرتا ہے کہ تراویح آٹھ رکعتیں ہیں اس طرح اور باتوں میں عوام اور سادہ دلوں کو مشوش کرنے میں کوشش جاری رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی صحبت سے کیا لوگوں کو منع کرنا چاہیے؟

﴿ج﴾

انبیاء علیہم السلام کی عصمت طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزو ایمان ہے۔ ان کا باطنی مادہ معصیت سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے۔ انبیاء کرام سے اگر کوئی لغزش بطریق سہو ونسیان صادر ہوتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں۔ وہ محض صورت کے اعتبار سے معصیت ہوتی ہے حقیقت کے اعتبار سے طاعت ہوتی ہے۔ بلکہ این خطا از صد صواب اولیٰ تراست کا مصداق ہوتی ہے (۱)۔ جو شخص ان لغزشوں کو حقیقۃً گناہ کہنے پر مصر ہے۔ وہ مبتدع ہے (۲) قربانی وغیرہ میں شریک کیا جاسکتا ہے (۳)۔ عوام المسلمین کو ایسے شخص سے بے ضرورت میل جول سے منع کیا جاوے (۴)۔ الدین النصیحۃ (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی شرح فقه الاکبر: والانبیاء علیهم الصلوة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر الخ، ص ۱۶۹، طبع دار البشائر الإسلامی۔
کما فی شرح العقائد: وفی عصمتهم عن سائر الذنوب الخ (ص ۱۰۲، طبع دار الاشاعة العربیة کوئته۔

۲) کما فی البخاری، سباب المسلم فسق الخ (باب ماینهی عن السباب واللعن، ص ۸۹۳، ج ۲، طبع قدیمی کتب خانه کراچی(

۳) کما فی الهندیة: ویجب ان یعلم ...... عن سبعة اذا کانوا یریدون وجه الله الخ (کتاب الاضحیة، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا، ج ۵، ص ۳۰۴، طبع رشیدیه کوئته۔
کما فی البدائع لا تجزی عن سبعة والبقرة تجزی عن سبعة، کتاب الضحیة، الفصل اما محل اقامة الواجب، ج ۵ ص ۷۰، طبع رشیدیه کوئته۔

٤) تقدم تخریجه تحت عنوان (شیعه سے هدیه لینے کی شرعی حیثیت) جزء نمبر ۵ ص ۲۲۸۔

۵) کما فی المشکوة، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ج ۱ ص ٤۲۳، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
وایضاً فی المسلم: باب بیان الدین نصیحه، ج ۱ ص ۵٤، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

حقیقی اور کامل عصمت انبیاء کرام کو حاصل ہے کہ باوجود مادہ معصیت اور اسباب معصیت بوجہ اتم موجود ہونے کے پھر ان سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب کو دینی رہنما تسلیم کرنا

﴿س﴾

جناب حضرت مفتی صاحب! ہم عامی لوگ ہیں۔ علم دین سے کما حقہ ناواقف ہیں۔ خود اپنی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ جناب سے درخواست ہے کہ ہماری آخرت کی بھلائی کو سامنے رکھ کر کتاب وسنت کی روشنی میں واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ فرماویں کہ کیا جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی اس لائق ہیں کہ ان کو اپنا دینی رہنما چن لیا جائے۔ ان کے عقائد کو صحیح جان کر اپنا لیا جائے اور ان کی آواز پر لبیک کہا جاوے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب مودودی صاحب عالم نہیں ہیں، ان کو اپنا دینی مقتدا نہ بنایا جائے اور نہ ان کے ان مخصوص عقائد کو (جن میں وہ متفرد ہیں اور علماء نے مختلف رسائل میں ان کی نشان دہی کی ہے) صحیح سمجھا جائے...... متعدد اکابر علماء نے مودودی صاحب کو گمراہ کہا ہے۔ موصوف کے ان عقائد کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اس قسم کے رسائل دفتر ترجمان اسلام لاہور سے منگوالیں [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاکسار تحریک سے منسلک لوگوں کے ساتھ تعلقات کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) عنایت اللہ مشرقی اور اس کی جماعت خاکسار اہل حق کی نظر میں کس پایہ اور پوزیشن کے حامل ہیں۔ شرعی فتویٰ ان کے متعلق کیا ہے۔

(۲) خاکسار جماعت کا کوئی رکن ہماری مساجد ومدارس دینی اداروں میں بحیثیت مشیر، یا سرپرست یا رکن کام کر سکتا ہے یا نہیں؟ ہم میں سے جو ان کے حامی مؤید ہیں ان کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہوگا۔

(۳) دینی اداروں مساجد مدرسوں میں ان کی رقم لگانا اور ان سے معاونت قبول کرنا درست ہے یا نہیں۔

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (مودودی عقائد رکھنے والے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کا حکم) جزء نمبر ۱ ص ۲۳۵۔

(۴) خاکسار کے افراد کے ساتھ دوستانہ تعلقات نشست و برخاست خوشگوار ماحول پیدا کرنا کیسا ہے۔
(۵) کن مسائل میں یہ جماعت اہل حق کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

علامہ مشرقی کی کتاب مذکورہ اور اشارات وغیرہ میں بہت سے مسائل اسلامی شریعت کے قطعی اور واضح اصول کے خلاف ہیں۔ "مولوی کا غلط مذہب" کے کئی نمبر بھی علماء کرام کی توہینات کے حامل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے متذکرہ نظریات پر اعتقاد رکھتا ہے اسے دینی اداروں میں سرپرستی تو کیا کسی قسم کی مداخلت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ اس طرح دینی اداروں میں ان فاسد خیالات کی اشاعت کا شدید خطرہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے احتراز کرنا اور بچاؤ ہر مسلمان پر لازم ہے[1]۔

اسی طرح ان کی مالی معاونت قبول کرنے سے بھی لازماً غیر شعوری طور پر ان کا اثر اداروں پر پڑے گا۔ اس سے بھی بچنا لازم ہے۔ ان سے تعلقات ان کی اصلاح کی خاطر صرف وہ لوگ رکھ سکتے ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں ورنہ جو لوگ اس کے برعکس ان کے عقائد و نظریات سے ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی صورت میں اثر پذیر ہو سکتے ہیں ان کو احتراز لازم ہے[2]۔ مسائل مختلفہ اور عقائد فاسدہ ان کے کثیر ہیں۔ فتویٰ میں اس کی تفصیل پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے ان کی کتب کا مطالعہ کرنے سے بالوضوح ان مسائل پر عبور حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۳۰-۵-۱۳۸۸ھ

اللہ کی شان میں گستاخی کرنے کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کو مسلمانوں کے تمام ممالک اکٹھے پیدا کرنے چاہیے تھے۔ جب کفار مسلمانوں پر حملہ کرتے تو مسلمانوں کی بھاری طاقت ہوتی اور دشمنوں کو ختم کر دیتے پھر اسی شخص نے کہا کہ میں خدا سے پوچھتا ہوں کہ خدا کو مسلمانوں کے اس طرح ذلیل وخوار کرنے

---

۱) كفاية المفتى، ج ۱ ص ۳۰٦، ص ۳۰۸، ص ۳۱۳، طبع دار الاشاعت كراچى، محموديه، ص ۳۰۱، طبع جامعه فاروقيه كراچى۔
۲) ان کی مدد کما قال تعالى: ولا تعاونوا على الاثم والعدوان الخ (سورة المائدة ۲)
ايضاً قاله تعالى: ولا تركنوا الى الذين ظلموا الخ)(سورة هود الآية ۱۱۳۔

سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر اسی شخص نے کہا کہ خدا کو یوں نہیں یوں کرنا چاہیے تھا وہ کہتا ہے کہ اگر خدا میری مانتا تو خدا کو یوں کرنا چاہیے تھا۔ جیسا اس نے کیا ایسا خدا کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔

یعنی اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے کیا یعنی مسلمانوں کے ممالک کو ایک دوسرے سے دور دور رکھا اور کفار کی طاقت کو بڑھایا یعنی اس طرح خدا کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب اس شخص کو ان باتوں سے روکا گیا تو وہ غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ کیا بندہ کو خدا سے پوچھنے کا حق یا سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ تو وہ شخص بار بار اپنی بات پر ڈٹا رہا اور کہتا رہا کہ اگر خدا میری مانتا تو اس طرح کرتا۔ اگر خدا میری مانتا تو اس طرح نہیں اس طرح کرتا۔ اور خدا کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا شریعت محمدی میں اس شخص پر کیا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔ مع حوالہ کتب ثابت فرمائیں۔

اور جو لوگ اس کی تائید و تصویب کرتے ہیں اور عقلی دلائل سے اس کے مدعا کا اثبات کرتے ہیں مثلاً کوئی شخص اس کے اس فقرہ کو دہرائے کہ اگر خدا میری مانتا تو خدا کو یوں کرنا چاہیے تھا۔ اگر کا لفظ لگانے سے وہ گنہگار نہیں ہوتا ان کے متعلق شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس شخص کے یہ الفاظ (کہ میں خدا سے پوچھتا ہوں کہ خدا کو مسلمانوں کے اس طرح ذلیل و خوار کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے)۔ نہایت گستاخانہ اور بے ادبی کے ہیں۔ بلکہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون** [1]۔ یعنی خدا جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا۔ یہ الفاظ کہ کیا بندہ کو خدا سے پوچھنے کا حق یا سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کا عقیدہ بالکل قرآن کے خلاف اور گستاخانہ ہے۔ لہٰذا اس شخص کو خدا سے توبہ کرنی چاہیے اسی طرح خدا کسی کے مشوروں کا بھی محتاج نہیں کیونکہ وہ قادر ہے مالک ہے اور ہر چیز پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے لیے بہتر ہی کرتا ہے۔ اگرچہ بندہ اپنی نظر سے اس کو برا سمجھتا ہو۔ قرآن میں ہے **عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم** [2] کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور کسی چیز کو تم اچھا سمجھو اور اللہ کے نزدیک وہ چیز تمہارے لیے بری ہو۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو یہ شخص ذلت سمجھتا ہے وہ عزت کا سبب بن جائے۔ غرض یہ کہ اس کے تمام الفاظ خدا کی شان میں گستاخانہ ہیں اور اسلام سے خارج کرنے والے

---

۱) پارہ نمبر ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۲۳۔

۲) پارہ نمبر ۲ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۱۶۔

ہیں[1]۔ اس کو خدا سے توبہ کرنی چاہیے[2]۔ فقط واللہ اعلم۔

نوٹ: اس کی تائید کرنے والے بھی گنہگار ہیں۔ اگر کے کہنے سے وہ گستاخی سے نہیں بچ سکتا۔ بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو خدا کے فعل سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔ یہ کلمات کفریہ ہیں توبہ کرنا لازم ہے۔

توہین آمیز کلمات کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۶۲/۱/۲ کو کوہستان اخبار ملتان میں ص ۸ پر ایک خبر کی سرخی یوں درج ہے۔ خدا اور رسول، ولی جیل میں اس کے نیچے خبر درج ہے کہ بھریا موڑ یکم جنوری (نامہ نگار) معلوم ہوا ہے کہ سیریں گاؤں میں تین اشخاص نے خدا رسول اور ولی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پولیس نے تینوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اب عاشق حسین چشتی کہتا ہے کہ جو سرخی اس خبر کی بتائی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے سرخی میں لفظ بزعم خود، جعلی یا بناوٹی ضرور درج کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح کھلے طور پر خدا رسول اور ولی کی توہین ہے۔ مگر اخبار والے کہتے ہیں کہ کوئی توہین نہیں ہے اب ان دونوں میں سے کون سچا ہے۔

﴿ج﴾

یہ کلمات ایسے ہیں جن سے توہین نکلتی ہے ایسے کلمات کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسی

---

۱) وفي البحر الرائق: فيكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه (كتاب السير باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ٢٠٢، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ومثله في الهندية: (الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٥٨، طبع رشيديه كوئته۔

وهكذا في التاتار خانيه، ولو قال لله تعالى شريك، او ولد، او: زوجة، او: هو جاهل، او عاجز او نقص بذاته او صفاته، كفر: كتاب احكام المرتدين فصل فيمايقال في ذات الله وصفاته، ج ٥ ص ٣٦٣، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔

٢) قال الله تعالى في كلامه المجيد: انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليماً حكيماً) پاره نمبر ٤، سورة النساء، آيت نمبر ١٧۔

كما في الدر المختار: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح، كتاب الجهاد مطلب جملة من لا يقبل اذا ارتد، ج ٦ ص ٣٧٧، طبع رشيديه كوئته۔

جرأت حبط اعمال کا ذریعہ ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ استعمال کرنے والے کو اس پر نادم ہونا چاہیے[1] اور توبہ کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ اس کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ استعمال کرنے والے کی مراد یہی جعلی خدا اور رسول ہے۔ اس لیے اس تاویل کی وجہ سے اسے کافر نہیں کہا جاسکے گا۔ گویا یہ تاویل کفر سے بچنے کے لیے قابل قبول ہوگی[2]۔ والسلام۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

''زمین وآسمان خود پیدا ہوگئے'' کہنے والے کا حکم

﴿س﴾

جناب حضرت مولانا مفتی محمود صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم۔ خیریت مطلوب۔

صورت احوال یہ ہے کہ میں پہلے بھی آپ کی خدمت میں ایک خط بھیج چکا ہوں۔ یہ میرا دوسرا خط ہے اور آپ سے عرض ہے کہ اس کا جواب براہ مہربانی جلد از جلد تحریر فرمادیں۔ میں نے آپ کو لکھا تھا کہ:

(۱) ایک آدمی کہتا ہے کہ زمین وآسمان خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور یہ سارا مادی نظام ہے اس کا کوئی کارساز نہیں تو اسے کون سی عقلی دلیل کے ساتھ آدمی یہ سمجھائے کہ زمین وآسمان خود بخود پیدا نہیں ہوئے۔

(۲) بنیان المشید: کے شروع کے صفحات کے ایک حاشیہ میں یہ عبارت میں نے پڑھی ہے جس کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ ''موجود ہے، جو خداوند تعالیٰ کو مولود مانتا اور اس کے لیے صفات کمال کو ثابت کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت وکنہ کو نہ بیان کرسکتا ہوں، نہ سمجھ

---

۱) كما قال تعالى: انما التوبة على الله للذين يعملون السوء الخ (سورة النساء، الآية ۱۷)
كما في الشامية: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار الخ، كتاب الجهاد، مطلب جملته من لا يقتل اذا ارتد، ج ٦ ص ۳۷۷، طبع رشيديه كوئته۔
كما في شرح فقه الاكبر: فعليه ان يتوب من جميع الآثار صغيرهما وكبيرها الخ، ص ٤٤٤، طبع دار البشائر الإسلامي۔

۲) كما في البحر الرائق: اذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ...... تحسيناً للظن بالمسلم الخ (كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ۲۱۰، طبع رشيديه كوئته۔
كما في الدر المختار: اذا كان في المسئلة ...... فعلى المفتي الميل لما يمنعه الخ، كتاب الجهاد مطلب في استثناء قوم يونس، ج ٦ ص ۳٥٤، طبع رشيديه كوئته۔
ومثله في الهندية: (الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۸۳، طبع رشيديه كوئته۔
ومثله في جامع الفصولين: كتاب الوصية، الفصل الثامن والثلاثون في مسائل كلمات الكفرية، ج ۲ ص ۲۱٦، طبع اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن كراچی۔

سکتا ہوں، دنیا بھر کو قائل کرسکتا ہوں'' ۔کا اصل مطلب کیا ہے۔ جبکہ پیغمبر بھی ہدایت نہیں بخش سکتا اور نہ ایسی بات منوا سکتا ہے (الا ماشاء اللہ) بلکہ پیغمبر کا کام صرف پہنچانا ہے۔حضرت مجھے یہ بات ہر وقت کھٹکتی رہتی اور پریشان کیے رکھتی ہے کہ ہم لوگ جس طرح بدعتیوں، رافضیوں، مرزائیوں اور دیگر باطل مذاہب والوں کو لاجواب کر سکتے ہیں۔آخر دہریوں کو کیونکر ٹھوس دلائل سے لاجواب نہیں کر سکتے۔

﴿ج﴾

ملحد و بے دین لوگوں کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کا کام کرنے کے بجائے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور تبلیغی جماعت میں اپنی اصلاح نفس اور دینی سمجھ پیدا کرنے کے لیے صرف چار ماہ لگالیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل اور مشکلات حل فرمادیں گے[۱]۔اس میں شک نہیں کہ ملحدوں اور بے دینوں کو تبلیغ بھی نہایت ضروری ہے۔مگر یہ علماء کا کام ہے۔لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو علماء کے پاس بھیج دیں وہ ان کو دلائل عقلیہ سے قائل کریں گے اور بنیان المشید کے شروع کی عبارت کا حاشیہ بھی مقامی علماء سے حل فرمالیں[۲]۔

فقط واللہ اعلم۔

''میرا نبی بھی وہی خدا بھی وہی'' ہے کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے چک میں ایک شخص کو چند ناصحین والدین کی خدمت کی ترغیب وتحریص دلا رہے تھے کہ درمیان میں اس کے پیر کا ذکر بھی آ گیا کہ اس کی پرستش میں تو کبھی ناغہ نہیں کرتے اور والدین کے ساتھ یہ سلوک ہے۔تو اس نے جواب دیا میرا سب کچھ وہی ہے۔میرا باپ بھی وہی میرا پیر بھی وہی، میرا نبی بھی وہی، میرا خدا بھی وہی ہے۔ یہ تمام کفریہ کلمے اس نے علی الاعلان بروئے آ ومیان استعمال کیے۔اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ کیا تحذیر الناس ایسے شخص کے لیے عورت کے مطلقہ ہوجانے کا فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ براہ نوازش اس کا جواب عنایت فرمادیں۔

---

۱) کما قال تعالی: قد افلح من تزکی الخ، (سورۃ المومنون، آیت ۱)

۲) کما قالہ تعالی: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، سورۃ الانبیاء، آیت ۷۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ''یہ کلمات میرا نبی بھی وہی میرا خدا بھی وہی ہے''۔کفریہ کلمات ہیں۔توبہ کر لینی ضروری ہے[۱]۔احتیاطاً تجدید نکاح کر لیا جائے البتہ کفر کا حکم نہ دیا جاوے۔کفر کے حکم میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴ رجب ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۴۔۷۔۱۳۸۵ھ

اللہ الصمد کی نفی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر خداوند کریم کی بسراوقات (نہیں نبھدی) نہیں ہو سکتی اور وہ اس بات کی تشہیر علی الاعلان کرتا ہے۔اس کی یہ بات صمدیت خداوندی کے منافی تو نہیں؟ اور اس کے قائل کے متعلق شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی رو سے کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

اگر زید کا خیال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے۔(نعوذ باللہ من ذلک) تو یہ قطعاً غلط ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں۔یہ خیال اللہ الصمد کی نص قطعی کے خلاف ہے[۳]۔اگر زید کا مقصد یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر

---

۱) کما فی الشامیة: وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح الخ، کتاب الجهاد مطلب جمله من لا یقتل اذا ارتد، ج ٦ ص ۳۷۷، طبع رشیدیه کوئته۔
کما فی جامع الفصولین: ولو کانت ...... فیؤمر بالتوبة وتجدید النکاح الخ (کتاب الوصیة، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفریة، ج ۲ ص ۲۱٦، طبع اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی۔
ومثله فی الهندیة: الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ۲۸۳، طبع رشیدیه کوئته۔
۲) تقدم تخریجه تحت عنوان (توهین امیز کلمات کا حکم) جزء نمبر ۲، ص ۲۳۹۔
۳) کما قال تعالیٰ: الله الصمد الخ (سورة الاخلاص، الآية ۲)۔
کما فی روح المعانی عن ابن جبیر هو الکامل فی جمیع صفاته وافعاله الخ (الجزء الثلاثون من کتاب روح المعانی تفسیر سورة الاخلاص، ج ۳ ص ۷۰٤، طبع دار احیاء التراث العربیة بیروت۔
کما فی شرح العقائد: الذات الواجب ...... ولا یحتاج الی الشیء اصلاً، ص ۲۵، طبع دار الاشاعة العربیة قندهار کوئته۔

صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تسلیم کرنے سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا تو البتہ یہ درست ہے۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا لازم نہیں آتا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۳-۳-۱۳۹۱ھ

''میں بھی رب اور رحیم ہوسکتا ہوں'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے بکر کو توحید ورسالت میں بحث کے دوران یہ کہہ دیا کہ میں بھی رب اور رحیم وکریم ہوسکتا ہوں اور خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ میں بے مثل و بے مثال ہوں۔ جبکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں اور ہمارے بھی ہیں اور خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ میں ہی عالم الغیب ہوں اور ماں کے پیٹ کی بچی بچے کو میں جانتا ہوں۔ یہ تو ایکسرے والا ڈاکٹر بھی دیکھ سکتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیا ایسے شخص کا ایمان ونکاح باقی ہے یا نہیں؟ کیا وہ توبہ کرکے بیوی کے ساتھ رجوع کرسکتا ہے یا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال زید پر لازم ہے کہ وہ توبہ تائب ہوکر تجدید ایمان کرلے اور اس کے بعد تجدید نکاح بھی کرلے۔[2] فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۷-۶-۱۴۰۰ھ

---

۱) كما في شرح العقائد: هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى اى تصديق النبي بالقلب الخ، ص ۹۰، طبع دار الاشاعة العربية، كوئته اينڈ قندهار۔

كما في البحر الرائق: والايمان التصديق بجميع ما جاء به محمد صلى الله عليه وسلم الخ، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۲ طبع رشيديه كوئته۔

كما في الدر المختار: هو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به الخ، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ۲ ص ۳۴۲، طبع رشيديه كوئته۔

۲) كما في البزازية: ولو ارتد والعياذ بالله تحرم امراته ويجدد النكاح بعد اسلامه الخ (الثاني فيما يكون كفراً من المسلم وما لا يكون، نوع الاول المقدمة، ج ٦ ص ۳۲۱، طبع رشيديه كوئته۔

كما في الدر المختار: فلو ارتد مرارا وجدد الإسلام ...... وجدد النكاح ......تحل امراته الخ (كتاب النكاح، ج ٤ ص ۳٦۲، طبع رشيديه كوئته۔

توبہ لازم ہے تقدم تخریجہ تحت عنوان (میرا نبی بھی وھی خدا بھی وھی کھنے کا حکم) جزء نمبر ۱ ص ۲٤۰۔

''میں سور کا گھر دیکھ آیا ہوں'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید حج کو گیا وہاں فریضہ حج ادا کر کے جس وقت اپنے مکان پر پہنچا تو اس کے منجملہ سامان میں سے کچھ سامان یعنی ایک بوری گم ہوگئی تھی۔ اس کی تلاش کے دوران وہ وقتاً فوقتاً کبھی کسی پر کبھی کسی پر شبہ رکھتا رہا۔ بعد ازاں اس نے اپنے داماد پر بھی سامان چوری کرنے کا بہتان رکھا۔ جس وقت اپنے داماد پر سامان فرار کرنے کا بہتان رکھا تو اس کے داماد نے عرض کیا میں نے تمہارا سامان نہیں چرایا۔ اگر مجھ پر آپ کو یقین نہیں ہے تو آپ کی لڑکی کو طلاق دے کر چلا جاتا ہوں چنانچہ وہ چلا گیا۔ مگر زید دو تین روز بعد اپنے داماد کو منت کر کے گھر پر لے آیا۔ بعدہ اپنے حقیقی بھائی کے لڑکے پر سامان چرانے کا بہتان رکھا۔ زید کے بھتیجا نے از حد منت سماجت کی اور زید سے کہا چچا آپ خدا کا گھر دیکھ کر آئے ہیں مجھ پر کیوں بہتان رکھتے ہو۔ اس پر زید نے برجستہ ہو کر کہا کہ میں خدا کا گھر دیکھ کر نہیں آیا۔ العیاذ باللہ۔ میں سور کا گھر دیکھ کر آیا ہوں۔ لہٰذا معلوم کرنا ہے کہ اس قول بد پر زید شرعاً کس جرم کا مستحق ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔ از روئے شریعت جواب باصواب فرما کر مشکور فرماویں۔

(۲)...... زید کے بھائی سے زید کے بھتیجے نے کہا کہ ہم پر ظلم نہ کرو۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کا سامان ہم نے چرایا ہے تو قرآن پر فیصلہ کرلو۔ اس پر زید کے بھائی نے بلا ساختہ یہ لفظ ادا کیا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کے لیے بھی از روئے شریعت جواب باصواب فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

اگر کسی شخص نے واقعی یہ الفاظ ''میں سور کا گھر دیکھ کر آیا ہوں۔'' یا یہ الفاظ ''میں قرآن کو نہیں مانتا'' با ہوش و حواس اور دانستہ طور پر کہے ہوں تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے[1]۔ العیاذ باللہ۔ اس کو توبہ کرنا لازم ہے۔ نیز

---

۱) كما في شرح فقه الاكبر: من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه الخ (الفصل في القراءة والصلوة، ص ٤٥٧، طبع دار البشائر الإسلامي۔
كمـا في الشامية: والاستخفاف به، وبالمصحف والكعبة: (كتاب الجهاد، باب احكام المرتدين، ج ٦ ص ٣٤٣، طبع رشيديه كوئته۔
كمـا في البحر الرائق: ويكفر اذا انكر آيته من القرآن وا سخر بآية الخ (كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ٢٠٥، طبع رشيديه كوئته۔

اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے[۱]۔ کیونکہ عمداً کفر کا کلمہ بولنا اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو کفر ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں لکھا ہے۔قال فی البحر والحاصل ان من تکلم بکلمة الکفر هازلا او لا عبا کفر عندالکل ولا اعتبار باعتقاده کما صرح به قاضی خان فی فتاواه ومن تکلم مخطیا اومکرها لایکفر عندالکل ومن تکلم عامدا کفر عندالکل ومن تکلم بها اختیاراً جاهلا بانها کفر ففیه اختلاف. الخ[۲].

وفی الفتح ومن هزل بلفظ کفر ارتد و ان لم یعتقد للاستخفاف فهو ککفر العناد قال فی ردالمحتار[۳] ص ۳۱۰ ج۳ ای تکلم به باختیاره غیر قاصد معناه وهذا لاینافی مامر من ان الایمان هو التصدیق فقط او مع الاقرار لان التصدیق و ان کان موجودا حقیقة لکنه زائل حکما لان الشارع جعل بعض المعاصی امارة علی عدم وجوده کالهزل المذکور وکما لوسجد لصنم او وضع مصحفا فی قاذورة فانه یکفرو ان کان مصدقالان ذلک فی حکم التکذیب کما افاده فی شرح العقائد انتهی. رجل کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن علی الایمان یکون کافر اولا یکون عندالله مؤمنا کذافی قاضی خان فقط[۴] واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۹۔۳۔۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴۔۳۔۱۳۸۸ھ

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر'' کا حکم

﴿س﴾
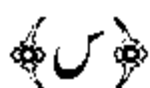
کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت مسئلہ کہ زید نے جو اپنے آپ کو عالم کہلاتا ہے مجلس عام میں حضور انور علیہ السلام کے معراج کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ آج ابتداء ہے کل خدا کو بشر بنا کر نیچے لاؤں گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر آسمان پر پہنچاؤں گا سامعین نے خوش ہو کر کہ شاباش آفرین کہی، کیا زید پر شرعاً اس قول کا جرم ہے یا نہ۔ اور سننے والوں کا بھی قصور ہے یا نہ۔

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان (میں بھی رب ورحیم ہو سکتا ہوں کہنے کا حکم) جزء ۳ ص ۲۴۱۔
۲) کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔
۳) باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۳۳۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔
٤) شامی کتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ۳٤۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں (۱)۔ بشریت آپ کے لیے وصف کمال ہے آپ کی بشریت سے انکار کرنا قرآن کریم کی صریح آیات واحادیث کے صحیح نصوص کو جھٹلانا ہے (۲)۔ نیز خداوند قدوس کو بشر کہنا کفر ہے۔ ایسے واعظ کی باتیں سننا جائز نہیں۔ سامعین اور واعظ سب گنہگار ہیں۔ سب کو توبہ کرنا لازم ہے (۳)۔ ایسی صورت میں زوال ایمان کا خطرہ ہے خداوند کریم مسلمانوں کو صحیح عقیدے پر قائم رکھے اوران کو ہدایت عطا فرمائے۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۸ رجب ۱۳۷۴ھ

''پیر مالک ومختار ہیں'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر کوئی شخص اپنے پیر کے متعلق یوں کہے کہ میرے پیر صاحب مالک ومختار ہیں۔ ان کی مرضی ہو تو مریں اور اگر ان کی مرضی ہو تو تا ابد زندہ رہیں ملک الموت کو حق نہیں پہنچتا کہ میرے پیر کی اجازت کے بغیر ان کی جان لے۔ تو فرمایا جاوے کہ:

(۱) ایسے شخص اور غالی انسان کے لیے شرع کا کیا فتویٰ ہے۔ (۲) کیا وہ مسلمان ہے۔ (۳) اور ایسے بدعقیدے والے کو جلسوں میں بلانا اس کی تقریر سننا تحریر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ (۴) ایسے عقیدہ والے کے ساتھ میل جول کیسا ہے۔ بینوا تو جراوا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ موت وحیات کا اختیار رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے (۴)۔ جب موت

---

۱) جواب (لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم) سورة آل عمران، آیت ۱٦٤)
(قل انما انا بشر مثلكم يوحى الي...... الخ سورة الكهف، آیت ۱۱۰، وهكذا في سورة حم السجدة، آیت ٦)
قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ...... الخ سورة ابراهيم آیت ۱۱۔
عن زيد بن ارقم فلما جلسنا اليه قال له حصين ...... ثم قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فينا خطيباً ...... ثم قال اما بعدا لا ايها الناس فإنما انا بشر يوشك ان ياتي رسول...... الخ صحيح المسلم، باب من فضائل علي ابن ابي طالب ...... الخ ج ۲ ص ۲۷۹، طبع قديمي كتب خانه كراچي، عن رافع بن خديج قال قدم نبي الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم ...... فقال انا بشر اذا امرتكم ...... فإنما انا بشر رواه مسلم/ مشكوة المصابيح، باب الاعتصا بالكتاب، ج ۱ ص ۲۷، طبع قديمي كتب خانه۔
۲) فيكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم ...... الخ) كتاب السير/ باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ۲۰۲، طبع رشيديه كوئته۔ وهكذا في العالمگيرية: يكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به ...... الخ منها ما يتعلق بالإيمان والإلام، ج ۲ ص ۲٥۸، طبع رشيديه كوئته۔
۳) (انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب) سورة النساء، الآية ۱۷۔
٤) (انا نحن نحي ونميت والينا المصير) سورة ق آیت ٤۳۔

کا وقت مقرر پہنچ جاتا ہے تو وہ ہرگز آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ کما قال تعالی فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون [۱]۔الآیۃ۔ کسی پیر فقیر کو یہ قدرت ہرگز حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کے مقرر کردہ اجل کو مقدم و مؤخر کر سکے [۲]۔ لہٰذا ایسا عقیدہ شرک فی التصرف ہے [۳]۔

ایسے شرکیہ عقائد رکھنے والے شخص کو جلسوں میں بلانا اس کی تحریر و تقریر پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے [۴] اور نہ ایسے شخص کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے جائز ہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم [۵]۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۳ محرم ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۵۔۱۔۱۳۸۷ھ

''پیر ہماری مشکل کشائی کرتا ہے'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں ولی یا پیر مشکل کشا ہے۔ ہماری مشکل کشائی کرتا ہے اور خدا مشکل کشا نہیں۔ بلکہ خدا تو رازق ہے۔ تو ایسے کہنے والا سچ کہتا ہے یا غلط۔ اگر غلط کہتا ہے تو وہ مشرک ہے یا نہ؟ کیا اس کو مشرک کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ اور شرک کے تفصیلی معنی تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

یہ عقیدہ محض شرک ہے خدا کو مشکل کشا نہ سمجھنا کفر ہے [۶]۔ والعیاذ باللہ۔ اس شخص کو تجدید ایمان کرنا ضروری ہے [۷]۔ واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر، کچہری روڈ ۲۵۔۲۔۱۳۷۸ھ

---

۱) سورة النحل: الآية ۱۲۔
۲) ولن يؤخر الله نفساً اذا جاء اجلها والله خبير بما تعملون، سورة المنافقون، آیت ۱۱۔
۳) قل هل من شركائكم من يبدؤ الخلق ثم يعيده، قل الله يبدو الخلق ثم يعيده فانى تؤفكون، سورة يونس آیت ۳٤)
٤) مشكوة المصابيح، فقلت يا اباذر ما هذه الوحدة، فقال سمعت رسول الله يقول الوحدة خير من جليس السوء، الخ باب حفظ اللسان، ص ٤١٤۔
٥) ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، سورة هود، آیت ۱۱۳، يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء، سورة الممتحنة: الآية ۱)
٦) وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يمسسك بخير ...... سورة الانعام، الآية ۱۷۔
يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثاً ويهب لمن يشاء الذكور ......سورة الشورى، الآية ٤٥۔
۷) وكذا في البزازية: ولو ارتدو العياذ بالله ...... ويجدد النكاح بعد اسلامه، الفصل الثاني فيما يكون كفراً الخ، ج ٦ ص ۳۲۱، طبع علوم الإسلامية، چمن بلوچستان۔

پیر کے متصرف الامور ہونے کا عقیدہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) کفار اور مشرکین کو زکوٰۃ اور خیرات دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مشرک کا ذبیحہ کھانا حلال ہے یا حرام۔

(۳) مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا کیسا ہے اور یہودی اور عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کافر مشرک کو دوست بنانا کیسا ہے۔

(۵) مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگانے سے خود فتویٰ لگانے والا کافر ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۶) مشرک کو گواہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس کی گواہی شریعت کی رو سے قبول ہوتی ہے یا نہیں۔

(۷) کسی پیر، ولی، فرشتہ، جن یا پیغمبر کو متصرف فی الامور مافوق الاسباب کا عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے۔

(۸) تعویذ کرنا کیسا ہے۔ تلبیس ابلیس والے نے اس کو شرک قرار دیا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) کفار اور مشرکین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ **کما فی الهدایه ص ۱۸۵ ولا یجوز ان یدفع الزکوٰة الی ذمی لقوله علیه السلام لمعاذ خذها من اغنیائهم ورد هافی فقرائهم** دیگر صدقات خیرات وغیرہ دینا جائز ہے۔ **ویدفع الیه ماسوا ذلک من الصدقة لقوله علیه السلام تصدقوا علی اهل الادیان کلها** (حوالہ بالا)[1]

(۲) مشرک کا ذبیحہ حرام ہے۔ **ولا توکل ذبیحة المجوسی والمرتد والوثنی وشرط کون الذابح مسلما** (درمختار)[2]

---

۱) ولا یجوز ان یدفع الزکوة الی ذمی لقوله علیه السلام لمعاذ خذها من اغنیائهم وردها فی فقرائهم، کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز ج ۱ ص ۲۲۲، طبع رحمانیه لاهور، ویدفع الیه ما سوی ذلك من الصدقة ...... الخ، کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لایجوز، ج ۱ ص ۲۲۲، طبع مکتبه رحمانیه لاهور، وهکذا فی در مختار ابن عابدین: ولا تدفع الی ذمی لحدیث معاذ وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج ...... الخ، ج ۳ ص ۳۵۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) الهدایة، کتاب الذبائح، ج ٤، ص ۲۸۵، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن بلوچستان، وهکذا فی در مختار: وشرط کون مسلماً حلالاً خارج الحرم ان کان صیداً، ج ۹ ص ٤۹۵، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

(۳) جائز نہیں۔ لقوله تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن۔ کتابیات (یعنی معتقدین کتب سماوی) کے ساتھ نکاح جائز ہے[۱]۔ ویجوز تزویج الکتابیات لقوله تعالیٰ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب[۲] (ص ۲۹۰۔ ج ۲) البتہ جو باوجود اس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں۔ جیسے آج کل بعض کی حالت ہوگئی ہے۔ تو اس کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا[۳]۔

(۴) جملہ امور موانست اور محبت میں کفار سے احتراز اولیٰ ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ ج ۲ ص ۲۵)[۴] ایک اور جگہ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سائل کے اس قسم کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اگر من جہت الدین است کفر است[۵] قال اللہ تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانه منھم[۶] واگر باعتبار دنیا است پس اگر اختیاری است محل مواخذہ است بلکہ ترک کردن اسباب آں باید کوشید۔ قال اللہ تعالیٰ لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (مجموعه فتاوی) ص ۱۳۴ ج ۳)[۷]

(۵) کسی کا نام لے کر کافر کہنا بڑا گناہ ہے۔ بشرطیکہ اس کا کفر قطعی نہ ہو۔ لیکن کافر کہنے والا حقیقتاً کافر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو حدیث کے ظاہری الفاظ سے شبہ ہوگیا ہے۔ حدیث یہ ہے: عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ایما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بھا احدھما (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۱۱)[۸]

یعنی جو کسی بھائی کو کافر کہتا ہے تو وہ ایک نہ ایک پر ضرور پڑتا ہے۔ لیکن حدیث سے ظاہری معنی مراد نہیں کہ اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی مراد میں بہت سے اقوال ہیں[۹]۔ مثلاً یہ کہ اس کا وبال

---

۱) (سورة البقرة، آيات نمبر ۲۲۱) وهكذا في الهداية: سنة اهل الكتاب غير ناكحي نسائهم ولا اكلي ذبائحهم الخ، ج ۲ ص ۳۳۰، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

۲) الهداية، كتاب النكاح، ج ۲ ص ۳۳۰، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔ وهكذا في در المختار، وحرم نكاح الوثنية بالإجماع، وكل مذهب يكفر به معتقده، ج ٤ ص ۱۳۲، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ج ٤ ص ۱۳۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته، وايضاً قال الله تعالى: والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب، سورة المائدة، آيت نمبر ٥، وهكذا في در المختار: لما في المستصفى من تقييد الحل بان لا يعتقدوا ان المسيح اله وان عزيراً اله ولا يتزوجوا نسائهم، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ص ۱۳۳، ج ٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳)

٤)

٥)

٦)

٧)

٨)

٩)

اور گناہ اس پر پڑتا ہے وغیرہ۔ چنانچہ نووی لکھتے ہیں۔ هذا الحديث مما عده بعض الفضلاء من المشكلات من حيث ان ظاهره غير مراد. وذالك ان مذهب اهل الحق انه لايكفر المسلم بالمعاصي والقتل والزنا الخ[۱]

(۶) مشرک کو گواہ بنانا جائز نہیں۔ لقوله تعالىٰ لن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا [۲] وكما في الهداية ص ۲۸۲ ج ۲ لاشهادة للكافر على المسلم[۳]

(۷) کسی ولی، پیر، فرشتہ وغیرہ کو بذات خود متصرف فی الامور مافوق الاسباب ماننا شرک فی التصرف ہے۔ جس کی تردید میں متعدد آیات اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون، جن، نحل، یونس اور سورہ سبا وغیرہ میں نازل فرمائی ہیں[۴]۔

(۸) جو تعویذات موافق شرع الفاظ پر مشتمل ہوں اور خلاف شرع کاموں کے لیے بھی نہ ہوں وہ جائز ہیں[۵] اور اگر شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں یا خلاف شرع کاموں کے لیے ہوں تو جائز نہیں۔ بلکہ بعض رسمی قسم کے تعویز گنڈے یا جھاڑ پھونک کو اگر صحیح جانے تو کفر و شرک کا خطرہ ہے۔ اعاذنا الله منه [۶]. والله اعلم

---

۱) شرح نووی علی صحیح المسلم ص ۵۷، ج ۱، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

۲) سورة النسآء، آیت نمبر ۱۴۱۔

۳) هداية ص ۱۷۰، ج ۳۰، طبع مکتبہ رحمانیہ لاهور) وهكذا في شامية ولاتقبل شهادة كافر على مسلم، ص ۲۱۷، ج ۸، طبع مکتبہ رشیدیہ جدید کوئٹہ) وكذا في شامية: خلا بنعقد بحضرة العبيد...... والكفار في نكاح المسلمين لانه لاولاية هؤلاء. ص، ۹۹، ج ۴، رشیدیہ کوئٹہ)۔

۴) قال الله تعالىٰ: (قل من بيده ملكوت كل شيء هو...... الخ۔ سورة المؤمنون آیات نمبر ۸۸) (قل انی لااملك لكم ضراولارشدا سورة الجن آیت نمبر ۲۱) (ويعبدون من دون الله مالا يملك...... الخ، سورة النحل آیت نمبر ۷۳) (قل لاأملك لنفسي ضرولولا نفعا الاماشاء الله سورة يونس آیت نمبر ۴۹) (فاليوم لايملك بعضكم لبعض نفعاً ولاضراً سورة سبا آیت نمبر ۴۲)۔ (ومنها أنه إنه ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر/ الشامية / كتاب الصوم / فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم/ مطلب في النذر الذى يقع للاموات من اكثر، ص ۴۹۱، ج ۴۰، طبع، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

۵) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الفزع كلمات اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه...... الخ سنن ابی داؤد/ باب كيف الرقى، ص ۱۸۷ ج ۲، طبع ۱، مکتبہ رحمانیہ لاهور)، (ولاباس بالمجازات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالىٰ...... الخ الشامية۔ كتاب الحظره الاباحة/ فصل في اللبس ص ۶۰۰، ج ۹۰۔، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۶) وانما تكره العوذ إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ماهو...... الخ۔ الشامية/ كتاب الحضرو الا باحه/ فصل في اللبس ص ۶۰۰، ج ۹، مكتبة الرشيديه كوئٹہ)

''ہاں ہمارا خدا وہی ہے'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کی بیوی اور بیوی کے خاندان والے مزار پرست ہیں۔ زید نے اپنی بیوی کو سمجھایا اور توبہ کرائی۔ اس کے بعد ایک دن ان کے درمیان کچھ اس قسم کی بات چلی تو زید نے طنزاً اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارا خدا تو دلالی فقیر ہے۔ یہ اس لیے کہا کہ اس کے خاندان والے مصیبت میں اس سے مانگتے ہیں۔ اس پر بیوی نے کہا کہ ہاں ہمارا خدا وہی ہے۔ اس قسم کا جواب دینا عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ اگرچہ دل میں ارادہ نہ ہو تو کیا ان لفظوں سے وہ بیوی مرتد ہوگئی ہے اور مرتد ہو کر طلاق بائنہ پڑگئی ہے یا نہ؟ مالا بدمنہ ص ۱۳۸ پر ہے۔ اگر گوید مرا برآسمان خداست و برزمین تو کافر شود اور ص ۱۴۳ پر ہے۔ اگر کسے گفت کہ تو علم غیب داری گفت بلے دارم کافر شود۔

﴿ج﴾

جو کلمات کفر آپ نے لکھے ہیں ان میں تاویل ممکن ہے۔ ان سے ان پر کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیے مالابدمنہ وغیرہ میں اس قسم کے الفاظ پر کفر کے حکم سے مقصود فقہاء کا زجر ہے۔ تکفیر مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ **وقد ذكروا ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد فى نفيه فالاولىٰ للمفتى والقاضى ان يعمل بالاحتمال النافى لان الخطا فى ابقاء الف كافر اهون من الخطا فى افناء مسلم واحد** (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص۱۹۹)[1] **وفى الدر المختار مع شرحه رد المحتار ج۳ ص ۳۱۶ مطبوعه مصر) (و) اعلم انه (لايفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان فى كفره خلاف ولو) كان ذالك (رواية ضعيفة) كما حرره فى البحر وعزاه فى الاشباه الىٰ الصغرى وفى الدرر وغيرها اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر و واحد يمنعه فعلىٰ المفتى الميل لما يمنعه ثم لونيته ذلك فمسلم**[2].

---

۱) شرح فقه اكبر، مطلب معرفة المكفرات لاجتنابها، ص ٤٤٥، طبع دار البشائر الإسلامية، بيروت، وكذا فى البحر الرائق، والذى تحرز انه لا يفتى بتكفير مسلم امكن حمل كلامه ...... الخ كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ٢١، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وكذا فى الشامية: كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٥٣، طبع رشيديه كوئته۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں توبہ کر کے احتیاطاً تجدید نکاح کر لے اور آئندہ اس قسم کے الفاظ سے قطعاً احتراز کرے نیز اگر غیر محتمل تاویل کلمہ بھی کہہ دیا تب بھی گو وہ کافر ہو جاوے گی مگر اس کو دوسرے مرد سے نکاح نہ کرنے دیا جاوے گا[1]۔ **فی الدر المختار ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجها به یفتی وایده فی ردالمحتار** ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ کوئٹہ) واللہ اعلم (۲)۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۰-۶-۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۴-۶-۱۳۸۸ھ

''ایسے رب کو میں نہیں مانتا'' کا حکم

﴿س﴾
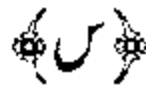
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے مندرجہ ذیل باتیں کی ہیں۔ جبکہ امام مسجد صرف قرآن مجید ناظر خواندہ ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دینی کتاب نہیں پڑھا ہوا۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۱) امام مسجد کا ایک لڑکا بعمر نو سال مجمع میں آیا۔ پہلے امام یہ کہہ رہا تھا کہ رب ہر میں بستا ہے، اب میرے لڑکے میں اللہ تعالیٰ آ گیا ہے، جو میرے لڑکے کو چومے گا، اس میں رب آ جائے گا۔

(۲) امام مسجد کا ایک جاہل پیر ہے۔ ایک بیمار پر اس کا پیر آیا تو اس نے کہا کہ پیر کے پاؤں میں جھک جاؤ، جس کا حکم آ گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک وہ بیمار پڑا رہا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے کہا، بیمار آدمی ہے اب تو سر اٹھائے۔ امام نے کہا، ابھی حکم سر اٹھانے کا نہیں آیا۔

(۳) بعض مقتدیوں نے کہا کہ تیرا عقیدہ خراب ہے اور اس پیر کو چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا پیر ہے اگر مجھے کہے کہ اس دیوار کو سجدہ کر تجھے رب مل جائے گا تو میں دیوار کو سجدہ کروں گا۔ اس پر مقتدیوں نے کہا اگر شریعت منع کرے تو کہا شریعت منع کرے تو کرے میں تو دیوار کو سجدہ کروں گا۔ اگر رب تعالیٰ ان کلمات سے پکڑتا ہے تو ایسے رب کو میں رب نہیں مانتا۔

---

۱) انما التوبة علی الله للذین .... الخ، سورة النساء، الآیة ۱۷۔
وهکذا فی البزازیة: ولو ارتدوا لعیاذ بالله ...... ویجدد النکاح بعد اسلامه ...... الخ الثانی فیما یکون کفراً، ج ٦ ص ٣٢١، طبع علوم اسلامیه چمن۔
۲) فی الشامیة: کتاب الجهاد، ج ٦ ص ٦٨٧، طبع رشیدیه کوئٹه۔

(۴) بھنگ گھوٹ کر اپنے پیر کو پلاتا ہے اور حقہ بھی بھر کر پلاتا ہے۔ اس پر مقتدیوں نے روکا تو کہا کہ تمہاری نظر نہیں۔ بھنگ حقیقت میں بھنگ نہیں ہے۔ تمہاری آنکھ معرفت والی نہیں ہے۔

(۵) مقتدیوں نے زور دیا کہ توبہ کر۔ اس نے توبہ کے لفظ منہ سے نہ نکالے صرف یہ کہا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ یہ بھی چند دفعہ کے اصرار کے بعد۔ پھر بچوں کو قرآن مجید کبھی پڑھاتا تھا کبھی نہ پڑھاتا تھا، تو لوگوں نے کہا کہ ہم دوسرا امام مقرر کرتے ہیں تو اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ مقتدی دوسرا امام لے آئے اور اسے کہا کہ مسجد چھوڑ دے۔ اس نے کہا میں اپنے پیر سے دریافت کروں گا۔ اگر اس نے کہا تو میں امامت چھوڑ دوں گا اگر وہ نہ کہے تو میں امامت نہیں چھوڑوں گا۔ اگر وہ کہے کہ امامت نہ چھوڑ و تو اس میں میرا فائدہ ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ چھوڑ دو اور میں امامت کروں تو میرا نقصان ہوگا۔

کیا ایسے عقیدے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

اگر واقعی مندرجہ بالا عقائد کا ثبوت ہو جاوے تو یہ شخص نعوذ باللہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے[1]۔ اسے توبہ کرنا لازم ہے[2] اللہ تعالیٰ ایسے عقائد کفریہ سے بچائے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے[3]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دین اور اہل دین کی توہین کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید و بکر کو آپس میں لین دین کے معاملہ میں تنازع کرتے ہوئے تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے کئی مرتبہ معززین حضرات کو جمع کر کے تنازع کے حالات واضح طور پر ظاہر کیے ہیں۔ حضرات نے حالات سماعت فرما کر مثلاً زید کو سچا مانا اور حکم دے دیا کہ زید کے مطالبات جائز ہیں۔

---

۱) وكذا في العالمگيرية: يكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به ...... الخ الباب التاسع في احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۵۸، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا في الشامية: وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها ...... فلا يصح الاقتداء به اصلاً، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) انما التوبة على الله للذى يعملون السوء، سورة النساء، الآية ۱۷۔

۳) في الشامية: وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورةً كفر بها ...... فلا يصح الاقتداء به اصلاً، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشيديه كوئته۔

لیکن بکر نے کسی کی کوئی بات نہ مانی۔ علیٰ ہذا القیاس پھر ایک مرتبہ زید و بکر کی برادری کا مجمع ہوا اور مجمع کے اندر یہ فیصلہ طے ہوا کہ ایک مولوی صاحب اور ایک زمیندار یہ دونوں جو فیصلہ کریں وہ فیصلہ زید و بکر تسلیم کریں گے۔ جب یہ صاحبان مذکور ایک مقام پر جمع ہوئے تو جناب مولوی صاحب نے فرمایا کہ **فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول الی آخر الایہ** ۔ یعنی جناب مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر فریقین کو شرعی فیصلہ قبول ہو تو میں شرعی فیصلہ کرنے کو تیار ہوں ورنہ تم جانو اس وقت فریقین نے جناب مولوی صاحب کے روبرو اقرار کیا کہ ہم شرعی فیصلہ قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن جب حضرت مولانا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ فریقین تحریر کر دیں کہ بغیر تحریر کے فیصلہ نہیں ہوتا۔ بکر نے جب یہ بات سنی تو تحریر سے انکار کر دیا اور کہا ہم شرعی فیصلے نہیں مانتے بلکہ یوں جواب دیا۔ میاں آج کل کون شرعی قانون کو مانتا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس کئی مرتبہ مختلف جگہ پر یہی جواب دیتا رہا۔ آیا ایسا مسلمان جو کہ کسی قانون شرعی کو رد کرے یا تسلیم نہ کرے مرتد ہو جاتا ہے یا نہ اگر مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا نکاح برقرار رہتا ہے یا نہ۔ اگر وہ شخص تائب ہو جائے تو نکاح جدید کی ضرورت ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شخص مذکور کے یہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لیکن فقہاء کا اصول ہے کہ کسی مسلمان شخص کے کسی کلام میں اگر متعدد توجیہیں کفر کی ہوں اور ایک توجیہ ایسی ہو جس سے کافر نہ بنتا ہو تو مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ایک توجیہ کو اختیار کرے بشرطیکہ اس قائل کی طرف سے ایسی کوئی تصریح موجود نہ ہو جو کفر کے معنی کو متعین کرے دوسرا اصول فقہاء کا یہ ہے کہ کسی ایسے کلام مسلم پر کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے [1] جس کو کفر کہنے میں اختلاف ہو اگرچہ بنا بر روایت ضعیفہ ہو۔ لہٰذا اس شخص کے ان جملوں کو ''کہ ہم شرعی فیصلے نہیں مانتے آج کل کون شرعی قانون مانتا ہے''۔ معاذ اللہ۔ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم شرعی فیصلہ پر عمل نہیں کرتے آج کل کون شرعی قانون پر عمل کرتا ہے۔ (معاذ اللہ) یعنی ماننے کا مطلب عمل کرنا لیا جائے اس لیے کہ شرعی قانون اور شرعی فیصلوں کے ماننے والے تو آج کل بہت موجود ہیں۔ ہاں شرعی قانون اور شرعی فیصلہ جات پر عمل کرنے والوں کی کمی ہے۔ یہ قرینہ

---

۱) والذی تحرز انه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه ...... الخ البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢١٠، طبع رشیدیه کوئته، ایضاً فی الشامیة: کتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٥٣، طبع رشیدیه کوئته، شرح فقه اکبر، وقد ذکر وان المسئلة المتعلقة اذا کان بها تسع وتسعون احتمالاً لکفر واحتمال واحد فی نفیه ...... الخ مطلب معرفة المکفرات لاجتناب، ص ٤٤٥، طبع دار البشائر، بیروت۔

بن جائے گا تو اگر ایسی توجیہ کی جائے۔تب اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے۔جیسا کہ بحوالہ عالمگیری درج ذیل کیا جاتا ہے اور اختلاف کی صورت میں کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا بنا بر اصول مذکور۔مگر احتیاط اسی میں ہے کہ فوراً توبہ تائب ہو جائے اور احتیاطاً تجدید نکاح بھی کر لیوے[1]۔ کما قال فی البحر الرائق ج۵ص ۱۳۴-۱۳۵ و فی الخلاصة و غیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد فی البزازیة الا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلاینفعه التاویل حینئذ. (وقال بعد اسطر) والذی تحرر ان لایفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه محمل حسن او کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة فعلی هذا فاکثر الفاظ[2] وقال فی العالمگیریة ۲۷۱-۲ رجل قال لخصمه اذهب معی الی الشرع اوقال بالفارسیة بامن بشرع رو وقال خصمه پیاده بیاتابروم بی جبر نه روم یکفر لانه عاندا للشرع واذا قال الرجل لغیره حکم الشرع فی هذه الحادثة کذا فقال ذلک الغیر من برسم کارمیکنم نه شرع یکفر عند بعض المشائخ رحمهم الله تعالی فتاوی عالمگیریة ۲۷۱-۲ وفی[3] خلاصة الفتاویٰ ج۲ص ۵۵۰+۵۵۱ رجل قال لأخر اذهب معی الی الشرع فقال الأخر تاپیاده نیاوری نروم لایکفر ولوقال اذهب معی الی القاضی فقال تاپیاده نیاوری نه روم لایکفر ولو قال من شریعت چه دانم او قال (بوس هست مرا شریعت چه کنم یکفر فقط والله تعالی اعلم)

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

''جو یزید کو کافر نہ کہے'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد نواز ولد گلہ نے مولوی فیض محمد سے پوچھا کہ یزید مسلمان ہے یا کافر تو انہوں نے کہا کہ علماء حق اس کو فاسق مسلمان کہتے ہیں تو محمد نواز نے کہا جو علماء یزید کو کافر نہیں کہتے میں ان

---

۱) وکذا فی البزازیة: ولو ارتد والعیاذ بالله ..... ویجدد النکاح بعد اسلامه، الثانی فیما یکون کفراً، ج ٦ ص ۳۲۱، طبع علوم اسلامیه چمن،

انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء، سورة النساء، الآیة ۱۷۔

۲) البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ۲۱۰، رشیدیه کوئته۔

۳) عالمگیریة: احکام المرتدین، ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء، ج ۲ ص ۲۷۱، طبع رشیدیه کوئته۔

سب کو کافر کہتا ہوں تو پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ وہ علماء اس کو از راہ شرع محمدی کافر نہیں کہتے بلکہ مسلمان فاسق کہتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ میں شرع محمدی کو نہیں مانتا۔ کیا یہ شخص ان الفاظ کے کہنے سے کافر ہوا کہ نہیں اور اس کے نکاح کا کیا حکم ہے اور اس سے تعلقات رکھنے چاہئیں یا نہیں؟

پوسٹ ماسٹر نوفی ڈاکخانہ ریتڑی تحصیل بھکر ضلع میانوالی

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ مولوی فیض محمد نے جو کچھ کہا یزید کے متعلق واقعتہً علماء اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے [۱]۔ محمد نواز کو اپنے کلمات سے توبہ کرنی ضروری ہے [۲] اور اس وقت تک بائیکاٹ کیا جا سکتا ہے جب تک وہ اپنے غلط عقیدہ سے توبہ نہ کرلے۔ خصوصاً یہ الفاظ کہ میں شرع محمدی کو نہیں مانتا سخت ہیں کفر کا احتمال [۳] ہے توبہ کر کے تجدید نکاح احتیاطاً کرے [۴]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ کیم رمضان ۱۳۹۴ھ

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو کافر کہنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص یا چند اشخاص مل کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ پر صراحتہً کفر کا فتویٰ لگا دیں اور با قاعدہ اشتہار چھاپ کر شہر میں تقسیم کرلیں۔ ایسا زبردست حملہ بزرگان دین پر کر کے خود مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

۱) وكذا في الشامية: حقيقة اللعن المشهورة، هي الطرد عن الرحمة، وهي ...... وان كان فاسقاً مشهوراً كيزيد على المعتمد، كتاب الطلاق، مطلب في حكم لعن العصياة، ج ٥ ص ٥٣، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في شرح الفقه الاكبر: وانما اختلوا في يزيد بن معاوية حتى ذكر في الخلاصة وغيره انه لا ينبغي اللعن عليه ...... الخ باب الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، ص ٢١٤، طبع دار البشائر (اسلامية بيروت)

۲) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء) سورة النساء، الآية ١٧۔
ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، سورة هود، الآية ١١٣۔

۳) رجل قال لخصمه اذهب معي الى الشرع او قال بالفارسية بامن بشرع روو قال ...... الخ هندية، ومنها ما يتعلق العلم والعلماء، ج ٢ ص ٢٧١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

٤) وكذا في البزازية: ولو ارتد والعياذ بالله ...... يجدد النكاح بعد اسلامه، ج ٦ ص ٣٢١، طبع علوم اسلاميه چمن۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں ۔مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کو جو لوگ کافر کہتے ہیں بتاویل کہتے ہیں اگر چہ وہ تاویل ان کی غلط ہے لہٰذا ان لوگوں کو کافر کہنا اور معاملہ کفار کا سا نہ کرنا چاہیے جیسا کہ روافض و خوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین وصحابہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو کافر کہتے ہیں ۔الخ ۔ویسے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قاسم العلوم والخیرات ہیں اللہ کے ولی ہیں ۔علوم نبویہ علی صاحبھا الف الف تحیۃ کو انگریز ظالم و جابر کے دور میں دارالعلوم دیو بند کی بنیا در کھ کر جاری وساری فرما چکے ہیں ۔چنانچہ آج ہند و پاک بلکہ سارے عالم میں اس چشمہ علوم سے فیض یافتہ حضرات علوم و معارف کی صحیح خدمت سرانجام دے رہے ہیں اس طرح مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی حکیم الامت ناشر سنت قامع بدعت ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ایسے بزرگان دین کی تکفیر کرنے والا پرلے درجہ کا فاسق و بدعتی ہے ضال و مضل ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ عبد اللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ،ملتان ،۲۱ ۔۷ ۔۱۳۸۷ھ

دیوبند علماء سے متعلق غلط بیانی

﴿س﴾

جو شخص دیو بندی علماء کو حق پر بتاتا ہے ۔لیکن خود اپنے آپ کو صحیح العقیدہ سنی ظاہر کرتا ہے تو ایسا شخص قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے ۔کیونکہ دونوں باتوں میں تضاد ہے ۔علماء دیو بند کی کتابوں میں صراحۃ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں تو جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور توہین کرنے والوں کو حق پر مانتا ہو وہ قطعاً سنی نہیں ہو سکتا ۔بلکہ ایسا شخص زیادہ خطرناک ہے ۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ مسئلہ مذکورہ صحیح ہے یا نہیں ؟ مدلل مفصل جواب دیں ۔

---

۱) ویخاف علیہ الکفر اذا شتم عالماً او فقیھاً ......الخ فتاوی العالمگیریۃ ،ومنھا ما یتعلق بالعلم والعلماء ، ج ۲ ص ۲۷۰ ، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ، وکذا ی شرح الفقہ الاکبر ، من ابغض عالماً من غیر سبب ظاھر خیف علیہ الکفر ...... الخ فصل فی العلم والعلماء ، ص ۴۷۰ ، طبع دار البشائر الإسلامیۃ بیروت ۔

وکذا فی البحر الرائق : ویخاف علیہ الکفر اذا شتم عالماً او فقیھاً ...... الخ کتاب السیر ، باب احکام المرتدین ، ج ۵ ص ۲۰۷ ، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۔

﴿ج﴾

بالکل غلط ہے۔مفتی موصوف نے اپنے ضمیر کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔اکابر دیوبند کی جملہ کتب میں صراحۃً گستاخیاں تو در کنار ایک عبارت بھی نہیں ملے گی جس سے سرکار دو جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی گستاخی نکلتی ہو[1]۔(دیدہ باید) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۷۔۹۔۱۳۹۶ھ

قاری طیب رحمہ اللہ سے متعلق غلط بیانی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ رسالہ ماہنامہ رضوان بریلویوں کا لاہور سے نکلتا ہے اس ماہ کا رسالہ بندہ نے خود دیکھا ہے۔جس میں لکھا تھا کہ آج تک دیوبندی عرس وختم شریف وغیرہ کو بدعت ورسم قرار دیتے ہیں۔حتیٰ کہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے رسالہ کلمہ طیب کے نام والا میں جو ص ۱۲ پر لکھا ہوا ہے کہ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسی ہیئت وترکیب پر حضور علیہ السلام کے زمانہ و صحابہ کے زمانہ میں اور احادیث کی کتابوں میں ثبوت نہیں ہے لہٰذا بدعت ہے۔تو کیا یہ حضرت قاری صاحب نے تحریر فرمایا ہوگا۔اور کیا رسالہ اس نام کلمہ طیب کا جاری ہے اگر ہے تو کیا مطلب ہوگا۔بندہ کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت کا رسالہ اس نام پر آیا ہے یا نہیں۔بریلوی بہت فساد کر رہے ہیں کہ اب دیوبندی کلمہ کو بدعت کہہ رہے ہیں۔لہٰذا آنجناب تشفی فرمادی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے اس رسالے کا مجھے علم نہیں ہے۔ویسے کلمہ طیبہ کی اس ہیئت کو بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے۔حالانکہ اسی ہیئت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے۔جیسا کہ بخاری شریف ج ا ص ۱۸۷ پر ہے۔عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذا الی الیمن فقال ادعھم الی شھادۃ ان لا الہ

---

۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ ...... قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ فقد بھتہ، الصحیح لمسلم، باب تحریم الغیبۃ، ص ۳۲۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

الا اللہ وانی رسول اللہ ۔الحدیث۔اسی طرح بخاری شریف ج ا ص ۸ پر ہے[1]۔عن واقد بن محمد قال سمعت ابی یحدث عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمد ارسول اللہ ویقیموا الصلاۃ الحدیث[2]۔

تو حضرت قاری صاحب اس کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔لہٰذا آپ مزید تشفی حضرت قاری محمد طیب صاحب سے ہی کرالیں اوران کواس رسالہ رضوان کی وہ کٹنگ بھی بھیج دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ،۲۲۔۷۔۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفااللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ،ملتان ۲۳۔۷۔۱۳۸۷ھ

علماء کی توہین کرنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عالم دین کو گالیاں دینے والا شخص گنہگار ہے یا کہ کافر؟

﴿ج﴾

علم دین کی اہانت اور علماء حق کو اس لیے گالیاں دینا کہ وہ حاملین علم دین ہیں ،کفر ہے[3]۔قال فی الریقة المحمودیة شرح الطریقة المحمدیة. قال فی الاشباہ الاستھزاء بالعلم والعلماء کفر[4]۔لیکن اگر عالم کو ذاتی دشمنی یا دیگر کاروباری اموروغیرہ کی وجہ سے برا بھلا کہا جائے تو یہ کفر نہیں گناہ

---

۱) جواب: صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، ج ۱ ص ۱۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فإن تابوا واقاموا الصلوۃ ...... الخ، ج ۱ ص ۸ ، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وھکذا فی الصحیح لمسلم حدثنی ابی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ وتقیم الصلاۃ ...... الخ کتاب الإیمان، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) وکذا فی العالمگیریة ویخاف علیہ الکفر اذا شتم عالما أوفقیھا من غیر سب...... الخ ، ومنھا مایتلعق بالعلم واعلماء ص ۲۷۰، ج ۲، طبع، مکتبہ علوم الاسمیة چمن، بلوچستان)۔

٤) کتاب الاشباہ والنظائر / کتاب السیر ص ۱۸۹، طبع، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۴۔۱۱۔۱۳۹۸ھ

شریعت کی توہین کرنے والے کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ ہمارے ہاں مسجد میں ایک مولوی صاحب نماز کے مسائل وغیرہ فرمارہے تھے اور بچوں کو نماز باجماعت وضو کے طریقے بتلارہے تھے اور بچوں کو کھڑا کر کے ان کو رکوع وسجدہ کرنے کا طریقہ بتلارہے تھے۔ اسی دوران وعظ میں موجود ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مسجد میں عورتیں تو آ نہیں سکتیں اور وہ عام طور پر اپنی نمازوں میں بڑی غلطیاں کرتی ہیں۔لہٰذا میں تم کو ان کے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلادوں۔تم گھر میں جا کر ان کو یہ طریقہ بتلادینا۔مولوی صاحب نے کہا میں تم کو مثال کے طور پر ایک لڑکے کو کپڑا اوڑھا کر دکھاتا ہوں اس نے ایک لڑکے کو کھڑا کر کے اس کے سر پر ایک چادر اوڑھا کر دکھائی اور اسے نماز پڑھتے وقت چہرہ وغیرہ پر بھی کپڑا رکھنے کا طریقہ بتلایا کہ عورتوں کو نماز پڑھتے وقت اس طرح کپڑا یعنی دوپٹہ اوڑھنا چاہیے۔اس موقعہ کو دیکھ کر چند ایک لڑکوں اور آدمیوں نے اس سے پوچھا کہ اتنی دیر کہاں لگائی۔ اس نے جواب دیا کہ مسجد میں ایک ڈرامہ ہو رہا تھا اس کا تماشہ دیکھ کر آیا ہوں کہ مسجد میں ایک لڑکے کو دوپٹہ اوڑھا کر عورت بنا کر دکھایا جارہا ہے۔اس بات کی خبر مولوی صاحب اور دیگر اشخاص کو لگ گئی تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس شخص نے شریعت کی توہین کی ہے اور اس پر کفر کا فتویٰ عائد ہوتا ہے اور اس کا نکاح اس کی عورت سے ٹوٹ گیا ہے اور پھر اس شخص نے بھی اپنی غلطی کو محسوس کر کے اقبال کیا کہ واقعی میری زبان سے ایسے الفاظ نکل گئے ہیں کہ جن سے شریعت کی توہین ہوا اور میں اپنی غلطی کی خدا سے معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔لہٰذا مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں۔بینوا توجروا۔

• آیا واقعہ مذکورہ سے اس شخص پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کیا اس کی عورت اس کے نکاح میں رہ گئی ہے یا کہ نہیں؟

---

۱) وهكذا في شرح الفقه الاكبر: قلت: الظاهر انه يكفر لانه اذا ابغض العالم من غير سبب دنيوى او اخروى ...... الخ فصل في العلم والعلماء ص ۲۷۰، طبع دار البشائر الاسلامية، بيروت۔

وهكذا في جامع الترمذى عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، سباب المسلم فسوق وقتاله كفر ...... الخ با ما جاء في الشتم، ج ۲ ص ۱۸، طبع ايج ايم سعيد كمبنى كراچى۔

اوراگراس کا نکاح ٹوٹ گیا تو اب ان کا نکاح بعد عدت کیا جائے، یا کہ اسی وقت ہوسکتا ہے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾
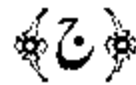
صورۃ مسئولہ میں اگر اس شخص کی ان الفاظ سے شریعت کی توہین مقصود تھی تو واقعی اس پر کفر کا فتویٰ عائد ہوتا ہے[1] جس سے اسے توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا لازم ہوگا۔ لیکن اگر نیت شریعت کی توہین کرنے کی نہیں تھی تو کفر کا فتویٰ اس پر عائد نہیں ہوگا[2] اور تجدید نکاح کرنا لازم نہ ہوگا البتہ ایسے الفاظ استعمال کرنا جن میں شریعت[3] کی توہین نکلتی ہو درست و جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ھذا

''علماء اور شریعت کو جوتے لگاؤں گا'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی غلام محمد کو جب سب علماء کرام اور توہین احکام شرائع اور سنت نبوی سے منع کیا گیا جس کو اس نے مشغلہ بنایا ہوا ہے کہ شریعت مطہرہ اس کردار کی سخت مذمت کرتی ہے تو مسمی مذکور نے مزید براں اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میں علماء اور شریعت دونوں کو جوتیاں لگاؤں گا۔ میرا کیا کر سکتے ہیں۔ اس کی توجہ احکام قرآن کی طرف مبذول کی گئی تو کہا کہ میں قرآن کو بھی ذکر سمجھتا ہوں (العیاذ باللہ) نیز مسمی مذکور مائل بتشیع بھی ہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ شریعت مصطفوی میں ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

---

۱) والاستهزاء بشيء من الشرائع كفر، الشامية، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، ج ۸ ص ۲۱۵، طبع رشيديه كوئته، وهكذا في شرح الفقه الاكبر، من اهان الشريعة اوالمسائل التي لا بد منها، كفر ...... الخ فصل في العلم والعلماء، ص ۴۷۳، دار البشائر الإسلامية بيروت۔

۲) وكذا في الهندية: ثم ان كانت فيه القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم ...... وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا في المحيط، ومنها ما يتعلق بالحلال والحرام ...... الخ، ج ۲ ص ۲۸۳، طبع علوم الإسلامية چمن بلوچستان، وهكذا في الشامية: وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح، كتاب الجهاد، مطلب: الإسلام يكون بالفعل كالصلوة بجماعة، ج ٦ ص ۳۵۳، طبع مكتبه رشيده كوئته۔

۳) خاصم فقيهاً في امرو بين الفقيه له وجها شرعياً فقال خصمه ...... اى دانشمندك اولعوى اى علو بلك لا يكفر لو لم يقصد الاستخفاف بالدين الفصل الثامن والثلاثون كتاب جامع الفصولين، ج ۲ ص ۲۲٦، طبع اسلامي كتب خانه كراچي۔

﴿ج﴾

تحقیق کی جاوے اگر واقعی اس شخص نے اس قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو سوال میں درج ہیں تو اس کو سمجھایا جاوے کہ یہ بہت سخت الفاظ ہیں (۱) فوراً توبہ کرے اور استغفار کرے اور اللہ سے معافی مانگے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

معجزات کا انکار

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا عقیدہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) کہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو میں نہیں مانتا یہ قصے کہانیاں جیسے غلط بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً شق القمر کا معجزہ ایک گپ ہے۔

(۲) ملائکہ جنات شیطان کوئی مخلوق نہیں ہے ہر ایک آدمی کی نیکی اور برائی ایک قوت بہیمیہ ہے جو کہ کام کرتی ہے۔ اسی کو مفسرین نے جن ملائکہ شیطان تصور کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی مخلوق نہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں۔

(۳) اہل کتاب مثلاً یہودی نصرانی اچھے کام کرتے رہیں تو وہ جنتی ہیں دین محمدی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔

(۴) اگر انسان گناہگار بخشا جائے گا تو شیطان بھی بخشا جائے گا۔ شیطان انسان سے زیادہ گناہ گار نہیں۔

(۵) کسی امام کی تقلید کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) صاحب مذکور سے جو پوچھا گیا تو مسلمان ہو کر ایسی باتیں کرتا ہے تو اس نے تین بار کہہ دیا کہ میں کافر ہوں۔

---

۱) قل اباللہ وآیاته ورسوله كنتم تستهزؤن، سورة التوبة آيت نمبر ۶۵۔
وكذا في الترمذي عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر ...... الخ باب ما جاء في الشتم، ج ۲ ص ۱۹، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وقال في الاشباه والنظائر، الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر، ص ۱۸۹، طبع قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
وكذا في الشامية: والاستهزاء بشيء من الشرائع كفر، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، ج ۸، ص ۲۰۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة، ثم يتوبون من قريب، سورة النساء، الآية ۱۷۔

﴿ج﴾

مذکورہ خیالات سارے کے سارے کفریہ ہیں۔ ان کا معتقد کافر ہے[۱]۔ معجزات کا ثبوت تواتر سے ہے۔ خصوصاً شق القمر کا معجزہ تو کلام پاک کے اندر موجود ہے[۲]۔ ملائکہ شیطان اور جنات کا انکار کرکے صرف قوی کے ساتھ اس کی تاویل کرنا سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ یہودیوں اور نصرانیوں کو باوجود کافر و مشرک ہونے کے محض دیگر کچھ اچھے اور نیک کام کرنے سے جنتی ماننا[۳] قرآن پاک کی اس آیت **ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء**۔[۴] الآیۃ۔ سے متصادم ہے اور اس کا انکار ہے۔

اسی طرح شیطان کے بخشے جانے کا قول کرنا نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ لہٰذا ایسا شخص کافر ملحد اور زندیق ہے[۵]۔ فوراً ان اقوال و عقائد سے توبہ کرنی ضروری[۶] ہے۔ **قال فی العقائد النسفیۃ والملائکۃ عباداللہ تعالی عاملون بامرہ ولا یوصفون بذکورۃ ولا انوثۃ وفیھا ایضا والنصوص من الکتاب والسنۃ تحمل علی ظواھر ھا والعدول عنھا الی معان یدعنھا اھل الباطن وھم الملاحدۃ الحاد** [۷]۔ لیکن اگر یہ شخص ان عقائد و خیالات کا انکار کرتا ہے۔ یا اقرار کرنے کے بعد ان عقائد سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر مسلمان شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲ جمادی الاولی ۸۵ھ

---

۱) وکذا فی الشامیۃ: وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بھا، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ۲ ص ۳۵۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ، وکذا فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ: فمن انکر شیئاً مما جاء بہ الرسول کان من الکافرین، حکم من انکر ...... الخ ص ۲۴۱۔

۲) اقتربت الساعۃ وانشق القمر سورۃ القمر آیت نمبر ۱، وکذا فی شرح الفقہ الاکبر، والایاۃ، ای خوارق العادات المسملۃ بالمعجزات للانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام، ص ۲۳۵، طبع دار البشائر الإسلامیۃ بیروت، وھکذا فی الصحیح البخاری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال انشق القمر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ سولم ...... الخ باب قول اللہ تعالی یعرفون کما یعرفون ...... الخ ج ۱ ص ۵۱۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ...... سورۃ البقرۃ، الآیۃ ۲۵۸، شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو ......الخ سورۃ ال عمران، الآیۃ ۱۸، وھکذا فی شرح الفقہ الاکبر، یجب ان یقول آمنت باللہ وملائکتہ ......الخ ص ۵۳، طبع دار البشائر الإسلامیۃ بیروت، قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا ...... الخ سورۃ الجن، الآیۃ نمبر ۱۰۲، واذا صرفنا الیك نفرا من الجن یتسمعون القرآن ......الخ سورۃ الاحقاف، الآیۃ نمبر ۲۹۔

٤) سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ٤٨، نمبر ١١٦۔

٥) لاملئن جھنم منك وممن تبعك منھم اجمعین، سورۃ ص، الآیۃ ٨٥۔

٦) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب، سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ١٧۔

٧) شرح عقائد، ص ١٠٣، دار الإشاعۃ العربیۃ کوئٹہ۔

تلاوت کرنے والے کو ''مت بھونکو'' کہنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا تلاوت قرآن مجید زور زور سے کر رہا ہے۔ پاس ہی ایک بیمار عورت پڑی ہے۔ جس کو زور زور سے تلاوت کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ ''مت بھونکو'' ان الفاظ سے عورت کے ایمان پر اور نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

محمد عبداللہ پٹھان معرفت مولوی عبدالحکیم صاحب مدرس مدرسہ جامع العلوم شالی بھکر ضلع میانوالی

﴿ج﴾

عورت مذکورہ کے یہ کلمات اگر قرآن پاک کے بارے میں نہیں ہیں بلکہ صرف اس کے زور زور کے ساتھ پڑھنے کو روک رہی تھی تب تو خیر ہے[۱]۔ ورنہ توبہ واستغفار لازم ہے[۲] اور کچھ خیرات بھی کرے۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان

''قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں'' کہنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص نماز پنجگانہ نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ قرآن میں نماز کا حکم پڑھنا نہیں۔ بلکہ دل میں قائم کرنا ہے۔ اس لیے صرف صبح کی نماز پڑھتا ہے اور باجماعت بھی نہیں پڑھتا۔

اور اس حدیث کا انکار کرتا ہے جو جماعت کے تارکوں کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ اور ڈاڑھی کا مذاق اڑاتا ہے اور اس کو نکما کام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ امام جو نماز میں سورتیں پڑھتا ہے اس میں لوگوں کے مارنے کی دعا ہے اور مساجد میں فساد کراتا ہے اور زمینداروں کو کہتا ہے کہ تم نے جو امام رکھا ہے اس سے میں خوش نہیں اس لیے تم دوزخ میں جاؤ گے۔ ایسے شخص سے ہم کیا برتاؤ کریں اور اس کے رشتہ دار مرزائی بھی ہیں۔

مولوی غلام محمد چک نمبر ۱۲۴ ازدوگڑھا موڑ تحصیل میلسی

---

۱) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء، سورة النساء، الأية نمبر ۱۷۔

۲) عن معاذ بن جبل ...... والصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار، جامع الترمذی، كتاب الإيمان، باب ماجاء فی حرمة الصلوة، ج ۲ ص ۸۹، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهكذا فی مشكوة المصابيح، كتاب الإيماء، ص ١٤، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

﴿ج﴾

اگر یہ باتیں صحیح ہیں جو سوال میں درج ہیں۔ مثلاً پنج گانہ کا انکار کرنا[1] اور ڈاڑھی کا مذاق اڑانا[2] اور اس کو نکما کام بتلانا وغیرہ وغیرہ باتیں جو ذکر کی گئی ہیں تو ایسا شخص بے دین ہے ایسے شخص سے تمام مسلمانوں کو بائیکاٹ[3] کرنا لازم ہے[4] تا کہ وہ توبہ تائب ہو کر صحیح عقائد اور صحیح مسلک اختیار کرے۔

فقط واللہ اعلم محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۹ رمضان ۱۴۰۲ھ

''جنت کا ٹھیکیدار ہوں'' کہنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ تعلیم القرآن میں ایک مدرس صاحب نے مہتمم مدرسہ ہذا سے چند کتابیں منگوانی چاہیں۔ جن میں دستور المبتدی کتاب الصرف معروف مشہور بھی تھی۔ مہتمم نے غصہ ہو کر یہ لفظ مکرر کہہ دیا۔ کہ دستور المبتدی پر میں استنجا کرتا ہوں اور یہ لفظ بھی مکرر کہہ دیا کہ میں جنت کا ٹھیکیدار ہوں۔ تمام طالب علموں کے روبرو یہ الفاظ کہہ دیے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان الفاظ کے کہنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) او قال نماز میکنم چیزی برسرنمی آید او قال ...... فهذا كله كفر كذا في خزانة المفتين، منها ما يتعلق بالصلاة والصوم ...... الخ كتاب فتاوى العالمگيرية، ص ٢٦٨، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔

وهكذا في القاضي خان، اجل قال لغيره نماز كن فقال اى مرد نما ذكر دن سخت ...... الخ باب ما يكون كفراً الخ، ج ٣ ص ٥٨، دار البشائر الإسلامية بيروت۔

٢) ولو قال ابن چه رسم است مبلت بست كردن ودستار يزيد كلو آوردن العادة تقصير الشارب، فإن قال ذلك على سبيل الطعن في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد كفر كذا في المحيط، منها ما يتعلق بالانبياء عليهم الصلاة والسلام، العالمگيرية، ج ٢ ص ٢٦٥، طبع رشيديه كوئته، وكذا في الشامية: وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بهاء كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ٢ ص ٣٥٨، طبع رشيديه كوئته۔

وهكذا في شرح الفقه الاكبر، من اهان الشريعة او المسائل التي ...... الخ فصل في العلم والعلماء، ص ٤٧٣، بيروت۔ وهكذا في شرح عقيدة الطحاية فمن انكر شيئاً مما جاء به الرسول كان ...... الخ حكم من انكر ...... الخ ص ٣٤١، بيروت۔

٣) وكذا في الشامية: لما في النهر عن البزازية لو لم يرالسنة حقاً كفر لانه استخفاف ...... فإذا انكر ذلك ولم يرها شيئاً ثابتاً ومعتبراً في الدين يكون قد استخف بها واستهانها وذلك كفر، مطلب: في سنن الصلاة، ج ٢ ص ٢٠٧، طبع رشيديه كوئته۔

٤) ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، سورة هود، الآية نمبر ١١٣۔

﴿ج﴾

ایسے الفاظ کہنے ہرگز جائز نہیں ہیں ۔توبہ کرنی ضروری ہے۔ دستور المبتدی کوئی دینی کتاب نہیں ہے۔علم نحو ہے لیکن چونکہ دینی علوم کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لیے ایسی کتاب کے متعلق ایسے گندے الفاظ کہنے جائز نہیں ہیں ۔ باقی یہ کہنا کہ میں جنت کا ٹھیکہ دار ہوں بھی سراسر غلط ہے ۔ جنت کی ٹھیکہ داری کا دعویٰ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے لہٰذا ان الفاظ کا کہنے والا مرتکب گناہ ہے فوراً توبہ اور استغفار کرلے[1]۔فقط واللہ اعلم

''حدیث ڈھکوسلہ ہے'' کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ کوئی آدمی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے اور یہ الفاظ کہے کہ یہ حدیث نبویہ ڈھکوسلہ ہے جب کہ کوئی آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک صحیح طور پر بیان کررہا ہو اور پھر امام بھی بنا ہوا ہو اور کوئی یہ کہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یوں ہے۔ بالمقابل میں ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو صاف طور پر انکار حدیث کی طرف مشعر ہوں اور توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے اور وہ حدیث شریف یہ ہے:عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان یسجدلہ قال فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق من نسجدلک قال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجدلہ قال قلت لاقال فلا تفعلوا لوکنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من الحق ۔ابوداؤد، ج۱ص۲۹۱۔

سائل محمد اقبال ولد عبدالرحمٰن موضع علی پور تحصیل لودھراں ضلع ملتان

---

۱) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء ...... الخ۔ سورۃ النساء، الآیۃ ۱۷۔

﴿ج﴾

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھکوسلہ کہنا جبکہ وہ حدیث باعتبار سند کے مقبول ہو، شدید گناہ ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے (۱) ایسے شخص کو جلد از جلد توبہ کرنا لازم ہے۔ خطرہ ہے کہ اس کے سابق اعمال اور ایمان زائل نہ ہو جاویں (۲)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲ محرم الحرام ۷۵ ہجری

داڑھی کی تحقیر کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص ہے وہ ڈاڑھی رکھوانا بے ایمانی سمجھتا ہے اور رکھوانے والے کو ہندو سمجھتا ہے اور کٹوانے والے کو مسلمان سمجھتا ہے اور عقیدہ بریلوی کا پسند کرتا ہے اور شرعی پردے کا انکار اور اسے کفر سمجھتا ہے۔ کیا اس آدمی کو مسلمان کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ اور اس کا دینی عورت کے ساتھ نکاح ہے یا نہ؟ اور اس کی عورت جو بیاہ کی گئی ہے۔ وہ موحدہ ہے اور عقیدہ اچھا رکھتی ہے اور عالمہ بھی ہے اور خاوند جاہل اور اس مرد کا مرشد شیعہ ہے اس کا نکاح ہے یا نہیں اور مسلمان ہے یا نہیں؟

سائل مولوی محمد رمضان

﴿ج﴾

شخص مذکور کے متعلق جملہ شکایات مندرجہ بالا کی باقاعدہ شرعی تحقیق کی جاوے اور کسی عالم دین کے سامنے اس کے اقرار سے یا اس کے خلاف باقاعدہ شرعی شہادت سے دینی مسائل کا استخفاف اور اہانت ثابت ہو جاوے تو وہ اسلام سے خارج ہے (۳)۔ ڈاڑھی کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کرنا درحقیقت دین کے ساتھ تمسخر

---

۱) ولو رد حديثاً قال بعض مشائخنا يكفر ومن المتاخرين من قال هذا اذا كان متواتراً خلاصة الفتاوى، جنس الثالث فيما يقال في الانبياء ...... الخ، ج ٤ ص ٣٨٦، طبع رشيديه كوئته۔

۲) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء...... الخ، سورة النساء، الآية ١٧۔

۳) وكذا في الشامية، والكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة، وقال قبل هذا من هزل بلفظ كفر ارتد وان لم يعقد للاستخفاف، وقال ابن عابدين المراد بالتكذيب عدم التصديق الذي مراى عدم الاذعان والقبول لما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة، باب المرتد، ج ٧ ص ٣٤٣، ج ٦ ص ٣٤٤، طبع رشيديه كوئته۔

کرنا ہے، جوکفر ہے [۱]۔ اس صورت میں اس کی عورت سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ خوب غور کرلیا جاوے کہ یہ تحقیق شرعی محض افواہ پر قابلِ اعتبار نہیں اور نہ اس پر کوئی حکم مرتب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۲]

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ۲۴ ذی الحجہ ۷۵ھ

داڑھی کی شرعی حد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مرد مسلمان کا ڈاڑھی منڈوانا، کتروانا اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے یا نہیں اور جو مسلمان ایسے عمل کرتا ہے وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہے یا نہیں اور مطابق مذہب حنفی کے ڈاڑھی رکھنے کی حد شرع کتنی ہے۔

﴿ج﴾

حدیث صحیح میں ڈاڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹانے کا ذکر ہے [۳]۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے۔ **عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الحديث** [۴] (مشکوۃ) اس سے قطع کرنا ڈاڑھی کا حرام ہونا ثابت ہوا اور فقہاء نے حلق لحیہ اور مادون قبضہ کو کتروانا حرام لکھا ہے۔ **کما فی الدر المختار** ص ۲۸۸ ج ۵ **کتاب الحظر والاباحة ولذا یحرج علی الرجل قطع اللحية الخ. والسنة فيها القبضة الخ** [۵]۔ پس معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کو قبضہ سے کم کتروانا اور قطع کرنا یا منڈوانا حرام ہے اور قطع کرنے یا منڈوانے

---

۱) وهكذا فى الشامية، واذا استهزأ بشيء من الشرائع كفر، كتاب الشهادات باب القبول وعدمه، ج ۸ ص ۲۱۵، طبع رشيديه كوئته۔ وهكذا فى العالمگيرة، والاستهزاء باحكام الشرع كفر كذا فى المحيط، ج ۲ ص ۲۸۱، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ فلا ينقص عدداً عاجل الشامية، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج ٤ ص ۳٦۲، طبع مكتبه رشيديه، كوئته۔

۳) عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبى ﷺ قال خالفوا المشركين وافروا اللحى واحفو الشوارب ...... الخ، الصحيح البخارى، باب تقليد الاظفار، ج ۲ ص ۸۷۵، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

٤) وكذا فى الصحيح المسلم، عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر من الفطرة قص الشارب ...... الخ باب خصال الفطرة، ص ۱۲۹، طبع قديمى كتب خانه كراچى، وعن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب ...... الخ، مشكوة المصابيح، باب الترجل، ج ۲ ص ۳۸۰، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

٦) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته ...... الخ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحضر والإباحة، ج ۹ ص ٦۷۲، رشيديه كوئته۔ وكذا فى الشامية: واما الاخذ منها وهى دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه احد الخ، ج ۳ ص ٤٥٦، طبع رشيديه كوئته۔

والاشخص فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔فقط واللہ اعلم۔

’’تمام تفاسیر پر تھک مارتا ہوں‘‘ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بنام مولوی بشیر احمد صاحب نے تقریر فرمائی تھی اور ایک دوسرے شخص غلام سرور نے دوران تقریر میں پوچھا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو دعا پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو القا کیا کہ ’’ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین‘‘ کس جگہ پڑھی اور کیوں پڑھی۔اس پر اس نے جواب دیا کہ آسمان پر پڑھی تھی اور جو علماء فرماتے ہیں کہ زمین پر آدم علیہ السلام نے پڑھی، یہ غلط ہے۔تو غلام سرور سائل نے پوچھا کہ جو آپ نے بتلایا ہے، یہ کسی تفسیر کی بات ہے یا خود اپنی طرف سے اختراع کیا ہے۔تو اس نے یعنی بشیر احمد صاحب نے جواب دیا کہ میں تھک مارتا ہوں جمیع تفسیروں پر۔تو بعض لوگوں نے توبہ توبہ کرنی شروع کردی اور بعض لوگوں نے اس سے تعاون کیا کہ اس نے بالکل صحیح جواب دیا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لفظ کے کہنے سے بشیر احمد مذکور کافر ہوگیا یا نہیں۔اور بشیر احمد کا اور دوسرے تعاون کرنے والے لوگوں کا نکاح باقی ہے یا اعادہ نکاح ضروری ہے۔جو حکم شرعی ہو، تحریر فرمائیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔واضح رہے کہ الفاظ مذکور فی السوال اگر فی الواقع اس واعظ نے کہے ہوں تو شخص مذکور پر اندیشہ کفر ہے۔تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے کیونکہ یہ کلمات کفریہ ہیں[1]۔اس میں علم دین اور شریعت غراء کا استہزاء ہے اور استہزاء اور استخفاف علم دین اور کتب دین کا کفر ہے[2]۔ کما قال فی البحر الرائق صفحہ ۱۳۲ جلد ۵ (فی الفاظ الکفر) و بالاستھزاء بالاذکار. وفیہ ص ۱۲۵ جلد ۵

---

۱) وکذا فی الھندیۃ: ثم ان کانت فیہ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم ...... وبتجدید النکاح بینہ وبین امرأتہ کذا فی المحیط، ومنھا ما یتعلق بالحلال والحرام ......الخ، ج ۲ ص ۲۸۳، طبع علوم الإسلامیۃ، بلوچستان۔

وکذا فی الشامیۃ: وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح، کتاب الجھاد، مطلب الإسلام یکون بالفعل کالصلوۃ بجماعۃ، ص ۳۵۳، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) والاستھزاء بشیء من الشرائع کفر، الشامیۃ کتاب الشھادات، باب القبول وعدمہ، ج ۸ ص ۲۱۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وایضاً فی الاشباہ والنظائر، الاستھزاء بالعلم والعلماء کفر، کتاب السیر، ص ۱۸۹، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

والحاصل ان من تکلم بکلمة الکفر هازلاً اولا عبا کفر عندالکل والاومن تکلم بها اختیارا جاهلا بانها کفر ففیه اختلاف – وفیه ایضاً ص ۲۳ ا جلد ۵ (فی الفاظ الکفر) وبقوله الشریعة کلها تلبیس اوحیل ان قال فی کل الشرائع لافیما یرجع الی المماملات مماتصح فیه الحیل الشریعة وقیل یکفر فی الاول مطلقاً [۱]۔ بہرحال کسی مسلمان کی تکفیر میں جلدی نہ کی جائے۔حقیقت حال سے پوری واقفیت کے بعد حکم صادر کیا جائے [۲]۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم،محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

''اگر جبریل امین بھی کہہ دیں'' کا حکم

﴿س﴾

زید جو کہ عالم دین ہے،اس نے اپنے گھریلو متنازعہ امور میں تعلیق بالمحال کے طور پر یہ کہا کہ میں اپنی والدہ محترمہ مرحومہ کے اس فیصلہ کو جوان امور سے متعلق اپنی حیات میں فرما گئی ہیں،اب کسی ثانی مجلس کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔خواہ مجھے کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کہے،حتیٰ کہ اگر جبریل امین بھی کہہ دیں۔

فرمائیں کیا ایسے الفاظ کا تکلم کرنے والا کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔خصوصاً اس وقت جب کہ متکلم خود اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ میرا یہ کہنا کوئی حضرت جبریل علیہ السلام سے استخفاف یا توہین کے لیے نہیں بلکہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں کوئی بات کفریہ نہیں ہے،خصوصاً اس وقت جب کہ متکلم اپنے منشاء اور مراد کی خود صراحت کر رہا ہے کہ میری مراد نہ استخفاف ہے اور نہ توہین ہے،اور یہ الفاظ کہ ''خود اگر جبریل امین بھی کہیں......'' ذومعانی کثیرہ ہیں۔ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ سفارش یا تعلیق بالمحال کی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام امین کا آنا،سفارش فرمانا خود محال ہے اور تعلیق بالمحال خود مستلزم محال ہے،لہٰذا متکلم کافر نہیں ہوا۔

---

۱) البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۰۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) وکذا فی شرح الفقه الاکبر، وقد ذکروا ان المسالة المتعلقة بالکفر اذا کان ...... الخ ص ٤٤٥، طبع بیروت۔

والذی تحرزانه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل ...... الخ البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

ومثله فی ابن عابدین، ج ٦ ص ۳۵۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

اب متکلم مذکور کو خواہ مخواہ استخفاف اور توہین کا مرتکب قرار دے کر کافر کہنا، فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغآء الفتنة (۱) کا مصداق بنتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الراقم الاحقر محمد انور خادم دارالافتاء دارالعلوم فیض محمدی لائل پور۔ الجواب صحیح عبدالحمید غفرلہ جامعہ مدنیہ لاہور ۹۱-۹-۱۴۔ المجیب مصیب: اس لیے کہ فقہ اکبر میں منقول ہے "وعن الذخیرة ان فی المسئله اذا کان وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر حسنا للظن بالمسلم (۲)۔ لہٰذا متکلم مذکور کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

خلیل احمد خطیب جامع مسجد لائل پور۔

الجواب صحیح: کیونکہ جبریل امین کی تشریف آوری بغیر نبی کے بتلائے صحیح معلوم ہونی ممکن نہیں اور فی الوقت کوئی نبی نہیں نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لیے یہ تعلیق بالمحال ہی ہوگی اور قائل کی نیت معتبر ہوگی۔ حامد میاں (۲۳ رجب ۹۱ھ)

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷ شعبان ۹۱ھ

بلاوجہ کفر کا فتویٰ

﴿س﴾

ہمارے چک ۱۰۰۱ ایم این تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ میں ایک بزرگ کی خانقاہ ہے جس پر ایک شخص بطور مجاور بیٹھا ہوا ہے۔ مورخہ ۶۳-۹-۱ کو گیارہویں شریف کا ختم خانقاہ پر ہوا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، میں بھی وہاں گیا، جب کھانا تیار ہوا تو مجاور مذکور نے تمام آدمیوں کو کہا کہ پہلے نماز پڑھ لو بعد میں کھانا کھاؤ۔ لیکن چونکہ میرے کپڑے پاک نہیں تھے اس وجہ سے میں نے نماز پڑھنے سے معذوری ظاہر کی اور میں وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں واپس آیا تو اس مجاور نے مجھے کہا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس وجہ سے تم کو کھانا نہیں ملے

---

۱) سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۷۔

۲) شرح فقه الاکبر میں یہ حوالہ تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔ اور یہ عبارت جامع الفصولین میں ج ۲ ص ۲۱۶، الفصل الثانی، طبع اسلامی کتب خانہ۔

وفی الشامیة: اذا کان فی المسالة وجوه توجب الکفر وواحد یمنعه فعلی المفتی المیل لما یمنعه الخ، ج ٦ ص ٦٥٤، مطلب فی حکم من شتم دین مسلم، طبع رشیدیه کوئٹه، وفی البزازیة: اذا کان فی المسئلة وجوه توجبه ووجه واحد یمنعه لمیل العالم الی ما یمنع من الکفر الخ الباب الثانی فی ما یکون کفراً من المسلم وما لا یکون، ج ٦ ص ۳۲۱، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

گا۔ میں نے کہا میں کھانا کھانے کے لیے نہیں آیا۔ شام کو چک مذکور کے مولوی نظام الدین اور دیگر مردمانِ چک نے مسجد میں طلب کیا اور اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے وہاں پر بھی اصلیت بیان کی۔ میرے برخلاف چند آدمیوں نے گواہی دی، جس پر مولوی صاحب مذکور نے کہا کہ تم کافر ہوگئے اس لیے تمہارا نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس لیے توبہ کرو اور دوبارہ نکاح کرو۔ میں نے ان کے کہنے کے ساتھ توبہ کی اور مولوی صاحب نے چند آدمیوں کو میری بیوی سے اجازت لینے کو بھیجا اور اجازت دینے پر میرا دوبارہ نکاح کیا گیا۔ اب شرع محمدی کا اس صورت میں کیا جواب ہے۔

﴿ج﴾

جب مہردین نے نماز سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ میرے کپڑے خراب ہیں اس لیے میں نماز نہیں پڑھتا تو اگرچہ یہ معذوری غلط ہے اور صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی شخص سے چادر لے کر بھی، باندھ کر نماز پڑھی جا سکتی تھی۔ پھر بھی یہ شخص کافر نہیں ہے [1]۔ اب جب کہ اس کو تائب کرا دیا گیا ہے اور نکاح بھی دوبارہ پڑھ لیا تو اب اس کا معاملہ ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب اسے زیادہ پریشان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

واللہ اعلم، محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل سنت کے عقائد

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کتاب وسنت پر ایمان رکھتا ہے۔ (۱) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر تسلیم نہیں کرتا (۲) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں جانتا مگر جتنا علم رب العزت نے عطا کیا ہے وہ تمام مخلوق سے زیادہ اور سب رسولوں سے کئی گنا زیادہ تسلیم کرتا ہے۔ (۳) اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بھی پڑھتا ہے۔ بایں طور کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مبارک پر تو اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس درود وسلام پہنچایا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا تین سوالوں کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: ایسے عقائد رکھنے والے لوگوں کے متعلق کتاب وسنت کا کیا ارشاد ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ اور سلام وکلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) فترك الطاعات بالكلية وارتكاب السيئات باسرها لا يخرج المؤمن عن الإيمان عند اهل السنة والجماعة، شرح فقه اكبر، ص ٤٦٥، فصل في القراءة والصلوة، طبع دار البشائر الإسلامية، بيروت وايضاً فيه وبمجرد تركها (الصلوة) لا يكفر، شرح فقه اكبر، ص ٤٦٩، وفي مشكوة المصابيح، عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التائب من الذنب كمن لا ذنب له، باب الاستغفار، ص ٢٠٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

﴿ج﴾

یہ تمام عقائد مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں۔ قال تعالیٰ لایعلم الغیب الا اللہ. الایۃ[1]. ماکنت لدیھم اذیلقون اقلامھم [2]. الایۃ. وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام [3] وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام [4]. (مشکوٰۃ شریف) عالم غیب[5] وحاضر وناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں[6]۔ مذکورہ عقائد رکھنے والا صحیح سنی مسلمان ہے۔ اس کے ساتھ باقاعدہ مسلمان بھائی کی حیثیت سے برتاؤ رکھنا چاہیے اسے تکلیف دینا اور بے جا ستانا جائز نہیں ہے[7]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) سورۃ النمل الآیۃ ٦٥۔

۲) سورۃ آل عمران الآیۃ ٤٤۔

۳) مشکوۃ المصابیح، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ، ص ٨٦، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٤) مشکوۃ المصابیح، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ٨٦، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٥) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ، سورۃ النمل الآیۃ ٦٥، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو، سورۃ الانعام الآیۃ ٥٩، قم یا حذیفۃ فاتنا بخبر القوم، مسلم شریف ج ٢ ص ١٠٧، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وکذا فی شرح الفقہ الاکبر، وبالجملۃ: فالعلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ ولا سبیل للعباد الیہ الا بإعلام منہ ...... الخ، ص ٤٢٢، طبع بیروت۔

وکذا فی الفتاوی الولواجیۃ، من تزوج ابنتہ بمحضر من السکاری وھم عرفوا لنکاح ...... ان ھذا کفر محض ...... یعلم الغیب ھذا کفر ، کتاب النکاح، الفصل الرابع، ج ١ ص ٣٧٤، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ومثلہ فی الفتاوی العالمگیریۃ، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ٢ ص ٢٦٦، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

٦) وما کنا غائبین، سورۃ الاعراف، الآیۃ ٧۔

ان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون ...... الخ، مشکوۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، ص ٤٣٧، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٧) والذین یؤذون المؤمنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً ...... الخ سورۃ الاحزاب الآیۃ ٥٨۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال ...... لا تؤذوا المسلمین ...... رواہ الترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب ما ینھی عنہ من التھاجر ص ٤٢٩، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

بریلوی کی اقتدا میں نماز

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ آپ ﷺ افضل البشر ہیں یا نور ہیں۔ ان صورتوں میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے جو آدمی یہ اعتقاد رکھتا ہو یا دوسرے لفظوں میں بریلوی عقائد والا ہو۔ اس کی اقتداء نماز میں کی جائے۔ اگر اقتداء کی جائے تو کیا وہ نماز ادا ہوگی یا اعادہ لازم ہوگا۔

﴿ج﴾

آپ ﷺ افضل البشر ہیں [1] آپ ﷺ نور ہدایت ہیں۔ اقتداء سب کی جائز ہے البتہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے جانا نہیں چاہیے [2]۔ امام متبع سنت ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کبھی اقتداء مبتدع کی ہوجاوے تو نماز جائز ہے [3]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۶۔ ذی قعدہ ۷۶ھ

صحیح عقائد

﴿س﴾

ایک مسلمان کا عقیدہ جبکہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی ذات وصفات میں واحد لاشریک ہے اور اس کا

---

۱) والمعتقد المعتمد ان افضل الخلق نبینا حبیب الحق ...... الخ، شرح الفقه الاکبر تفضیل بعض الانبیاء علی بعضهم، ص ۳۳۰، طبع بیروت، اجمعت الامة علی ان الانبیاء افضل الخلیقة ...... الخ ابن عابدین، کتاب الصلوة، مطلب فی عدد الانبیاء والرسل الخ، ج ۲ ص ۲۹۵، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) ویکره ...... امامة عبد ...... ومبتدع ...... الخ ابن عابدین، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۵، رشیدیه کوئته۔

وکره امامة العبد والاعرابی ...... والمبتدع ...... الخ، البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۱۰، طبع رشیدیه کوئته۔

۳) والصلاة خلف کل بر وفاجر من المؤمنین جائزة وفی شرحه: لقوله علیه السلام: صلوا خلف کل بر فاجر، شرح الفقه الاکبر، ص ۲۲۷، طبع بیروت، وفی النهر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع قال فضل الجماعة ...... الخ حاشیة ابن عابدین کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۲۵۸، طبع رشیدیه کوئته۔

وکذا فی الهندیة: تجوز الصلاة خلف صاحب هوی وبدعة ...... الخ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره، ج ۱ ص ۸۴، طبع علوم الإسلامیة چمن بلوچستان۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق وسید الرسل وامام الانبیاء، وخاتم النبیین تمام مخلوقات سے برتر واعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم تمام مخلوقات سے زائد عطا فرمایا ہے۔ عالم الغیب ذاتاً و صفةً اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ اس میں کسی مخلوق کو اس کا شریک نہیں جانتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مثل اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر نہیں مانتا البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ مثل زندگی عنصری دنیاوی کے مانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارادے سے جس جگہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوں اور جس بات پر مطلع ہوں اس کو مانتا ہے۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کفر مانتا ہے۔ اور ذرہ برابر توہین کرنے والے کو کافر جانتا ہے۔ ایسے شخص کا نکاح اسی عقیدہ والی عورت سے منعقد ہو جاتا ہے یا نہ اور بعد نکاح بغیر طلاق کے اس عقیدہ کی بناء پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ بندہ خدا بخش۔

﴿ج﴾

یہ عقائد صحیح ہیں، ان عقائد والا مسلمان ہے، نکاح اس کا ان عقائد کی بناء پر کیونکر فسخ ہو سکتا ہے (۱)۔ نکاح اس کا قائم ہے۔ **کما ھو ظاھر من کتب الشرع۔**

بندہ محمد عبدالکریم عفا اللہ عنہ، ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۸ ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں''

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر کے درمیان ایک بحث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت محدود ہے یا غیر محدود۔ زید رحمت کے لامحدود ہونے پر **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین** پیش کرتا ہے۔ بکر محدود ثابت کرنے کے لیے **محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار**۔ ودیگر آیات مبارکہ بھی پیش کرتا ہے۔ لہٰذا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب لکھیں تاکہ فریقین کو واضح ہو جائے۔ تنقیح۔ رحمت محدود اور غیر محدود کی تعریف کریں کہ دو فریقین متخاصمین کی مراد اور ما بہ النزاع کیا ہے؟ بعد التنقیح

---

۱) ھو تصدیق محمد صلی الله علیه وسلم فی جمیع ما جاء به عن الله تعالی مما علم مجیئه ضرورة ...... الخ، حاشیة ابن عابدین، کتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٤٢، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: والایمان التصدیق بجمیع ما جاء به محمد صلی الله علیه وسلم عن الله ...... الخ، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٢، طبع رشیدیه کوئٹه۔

مستفتی سے محدود کے معنی یہ معلوم ہوئے کہ حضور کی ذات اقدس کا رحمت ہونا فقط اہل اسلام کے لیے ہو اور غیر محدود کے معنی یہ بتلائے گئے کہ آپ کا رحمت ہونا اہل اسلام سے خاص نہ ہو۔ بلکہ کفار و مشرکوں کے لیے بھی آپ رحمت ہیں اور یہی فریقین کے درمیان مابہ النزاع ہے۔

﴿ج﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہے۔ اہل اسلام کو تو فیض رحمت پہنچتا رہتا ہے جو کہ ظاہر و باہر ہے۔ کفار و مشرکین بھی آپ کے لطف اور فیض کرم سے محروم نہیں۔ ان کو یہ رحمت حاصل ہوتی ہے کہ تحت سے سخت عذاب یعنی مسخ، زمین میں دھنسایا جانا، پتھروں کی بارش کا ہونا۔ اس امت سے اجتماعی طور پر اٹھا دیے گئے۔ بطور عبرت کے ایک آدھ واقعہ خسف و مسخ کا قادح نہیں لہذا آپ اللہ کی ایسی رحمت ہیں جو صرف اہل اسلام ہی کو نہیں بلکہ تمام جن وانس و ملائکہ تک درجہ بدرجہ حسب استعداد و قابلیت پہنچ رہی ہے [۱]۔

یاد رہے ایسے مسائل میں اختلاف اور بحث و مباحثہ کرنا اچھا نہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ایسے مباحث امت کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہیں۔ علماء کی خدمت میں جا کر اختلاف ختم کرنا چاہیے [۲]۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا

یارسول اللہ کا نعرہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بکر کہتا ہے کہ بہت علماء نعرہ رسالت تقریروں میں لگواتے ہیں۔ لہذا نعرہ یارسول اللہ ہونا چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روضہ اقدس پر

---

۱) قال من آمن بالله واليوم الآخر كتب له الرحمة في الدنيا والآخرة، ومن لم يؤمن بالله ورسوله عوفي مما اصاب الامم من الخسف والقذف، تفسير ابن كثير، ج ۳ ص ۲۷۲، طبع بيروت۔

وعن ابن عباس رضي الله عنهما (وما ارسلناك الا رحمة للعالمين) قال: من تبعه كان له رحمة في الدنيا والآخرة ومن لم يتبعه عوفي مما كان يبتلي به سائر الامم من الخسف والمسخ والقذف۔

۲) عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الله يرضى لكم ثلاثاً ويسخط لكم ثلاثاً ...... قيل وقال، وكثرة السوال ...... الخ، تفسير ابن كثير، ج ۳ ص ۲۷۲ طبع بيروت۔

وينبغي ان لا يسئل الإنسان عما لا حاجة اليه ...... حاشية ابن عابدين، مسائل شتى كتاب الخنثى، ج ۱۰ ص ۵۲۰، طبع رشيديه جديد كوئته۔

سنتے ہیں، اسی طرح دور سے خواہ پاکستان کے باشندے یا کہیں بھی ہو ہر وقت ہر آن سنتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ نعرۂ رسالت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ سمع وبصر اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا دور سے ہر آن ہر وقت کوئی ولی ہو یا نبی ہو نہیں سنتے۔ البتہ معجزہ گاہے گاہے ممکن ہے۔

﴿ج﴾

فتاویٰ دار العلوم امداد المفتین ج ۳ ص ۱۱۷ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر موجود ہیں۔ یا ضرور میری آواز کو سن لیں گے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ ایک نوع شرک ہے [۱] اور اگر محض تخیل کے طور پر شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کرتا ہے تو جائز ہے۔ جیسے اہل معانی وبلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت ہے [۲] جو قرآن کریم میں بکثرت موجود ہے [۳]۔ الی قولہ۔ محض یا رسول اللہ، یا رسول اللہ، یا رسول اللہ کو وظیفہ بنالے اور عبادت سمجھ کر اس لفظ کو رٹتا رہے، یہ بدعت ہے۔ اور بے معنی بھی ہے [۴]۔ بخلاف یا اللہ کے کہ نفس ذکر اسم ذات عبادت ہے۔ جس صیغہ اور جس صورت سے بھی ہو [۵]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

---

۱) وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد والهام بطريق ...... ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا ...... وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده ان النبى عليه الصلاة ...... (قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله) سورة النمل الآية ٦٥، شرح الفقه الاكبر ص ٤٢٢، طبع بيروت۔

وكذا فى شرح الفقه الاكبر: ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم ...... الخ ص ٤٢٢، طبع بيروت۔

وفى البزازية: عن هذا قال علماؤنا من قال ارواح المشائخ حاضرة يكفر، الثانى فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع علوم الإسلامية، چمن بلوچستان۔

۲) بالله يا ظبيات القاع قلن لنا اليلا منكن ام ليلاً من البشر۔

وكذا قال جامى، زماك اے لاله سيراب برخيز، جونر گرس خواب چند از خواب برخيز۔

۳) (يا ايها المزمل ...... سورة المزمل الآية ١، يا ايها النبى جاهد الكفار، سورة الآية ٨٣، يا ايها المدثر، سورة المدثر الآية ١۔

٤) فينبغى او يجب التباعد عن هذه العبادة (الموهم لمعنى الشرك) شامى كتاب الجهاد، مطلب فى معنى درويش، درويشان ج ٦ ص ٣٩٦، طبع رشيديه كوئته۔

٥) وفى التاتار خانيه معزياً للمنتقى عن ابى يوسف عن ابى حنيفة لا ينبغى لاحد ان يدعوا الله الا به وفى الشامى (به) اى بذاته وصفاته واسمائه، حاشية ابن عابدين، كتاب الحضر والإباحة، فصل فى البيع، ج ٩ ص ٦٥٣، طبع رشيديه كوئته۔

معراج میں اپنی آنکھوں سے دیدار الٰہی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ کہ معراج کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا اپنی آنکھوں سے دیدار کیا یا نہیں۔ فکان قاب قوسین او ادنی کی آیت کس چیز کی قربت اور دیدار ظاہر کرتی ہے۔

﴿ج﴾

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نیز ائمہ اربعہ وعلماء اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے [1]۔ فکان قاب قوسین او ادنی [2] کی آیت میں روایت ودرایت کی رو سے حضرت جبریل علیہ السلام کے قرب ودیدار کی نشان دہی کی جاتی ہے البتہ بعض روایات ضعیفہ کی بنا پر مفسرین نے اختلاف کو نقل کیا ہے اور اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب ودیدار کو بتلایا ہے [3]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر اور مختار کل سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے حق میں کہ:

(۱) زید نبی علیہ السلام کو حاضر وناظر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کا وجود مبارک نور ہے بشر نہیں ہیں۔ بکر کہتا

---

۱) وفی صحیح مسلم عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل رایت ربك؟ فقال: "نور انی اراه" وفی روایة: "رایت نوراً" سورة النجم، الآیة ۱۳ تفسیر ابن کثیرین ج ٦ ص ٢٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، قال رئ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه، ج ٦ ص ٢٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ تفسیر ابن کثیر طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) فکان قاب قوسین او ادنی، سورة النجم الآیة ۹۔

۳) قال عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی هذه الآیة: (فکان قاب قوسین او ادنی) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رایت جبریل له سته مائة جناح، تفسیر ابن کثیر، ج ٦ ص ٢٢، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ہے کہ حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں......اور حضور ﷺ افضل البشر ہیں نور نہیں ہیں۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور ﷺ مختار کل ہیں اور کل علم غیب جانتے ہیں اور خدا کے پکڑے ہوئے کو چھڑوا سکتے ہیں لیکن خدا ان کے پکڑے ہوئے کو نہیں چھڑا سکتا بکر کہتا ہے کہ آپ ﷺ نہ مختار کل ہیں نہ کل علم غیب جانتے ہیں لیکن جو وحی سے بتلایا گیا فقط وہی ہے اور حضور ﷺ خدا کے مغضوب علیہ کو نہیں چھڑا سکتے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ اولیاء کی قبروں سے امداد حاصل کر سکتے ہیں اور ان کی گیارہویں دینی ضروری ہے کیونکہ ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر علاقہ میں کسی نہ کسی نبی ﷺ بزرگ کو مقرر کیا ہے وہ دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ امداد کے کوئی لائق نہیں اور گیارھویں شرک ہے کیونکہ تقرب غیر اللہ پایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا کام کسی کے سپرد نہیں کیا۔

(نوٹ) زید جو کہ مذکورہ بالا عقیدہ رکھتا ہے عندالشرع مشرک ہے یا مسلمان مع الدلائل تحریر فرماویں اور عقیدہ زید کا حق ہے یا بکر کا ہر ایک کی بات کو دلیل سے رد کریں۔

﴿ج﴾

یہ سب یعنی انبیاء واولیاء یا کسی مخلوق کو حاضر ناظر سمجھنا (۱) نیز انبیاء کو بشر نہ یقین کرنا (۲) یا انبیاء کو مختار کل یا خدا کے پکڑے ہوئے العیاذ باللہ خدا کی مرضی کے بغیر چھڑا سکنا یہ سب شرک وکفر کی باتیں ہیں (۳) اولیاء سے

---

۱) وعن هذا قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة يكفر، الثاني ما يتعلق بالله، البزازية، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

وكذا في شرح الفقه الاكبر، ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الاما اعلمهم ...... الخ ص ٤٢٢، طبع بيروت۔

۲) ومن قال لا ادرى ان النبي ﷺ كان انسياً او جنياً يكفر كذا في الفصول العمادية، فتاوى العالمگيرية، ومنها ما يتعلق بالانبياء ...... الخ، ج ٢ ص ٢٦٣، طبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

(قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى ...... الخ، سورة الكهف، الآية ١١٠، سورة حم السجدة، الآية ٦۔

(انت انتم الا بشر مثلنا ...... سورة ابراهيم، الآية ١٠۔

(قالت لهم رسلهم ان نحن ...... سورة ابراهيم۔

۳) (قل من بيده ملكوت كل شيء وهو يجير ...... سورة المؤمنون، الآية ٨٨۔

(قل انى لا املك لكم ضراً ولا رشداً ......سورة الجن، الآية ٢١)۔

(قل لا املك لنفسى ضراً ولا نفعاً ...... سورة يونس) بقيه صفحه ٢٦٧۔

ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى ...... الخ حاشية ابن عابدين كتاب الصوم، مطلب في النذور، ج ٣ ص ٤٩١، طبع رشيديه كوئته۔

مستقل امداد جائز[1] سمجھنا گیارہویں کو غیر اللہ کی نذر مان کر کرنا یہ بھی شرک ہیں[2] البتہ اولیاء کی قبور سے فیض کا حصول ہوتا ہے[2]۔ جو صاحبان خواص کو محسوس ہوتا ہے۔ یہ عوام کا کام نہیں۔ تکوینی نظام کے لیے اقطاب، ابدال ، اوتار وغیرہ اہل لوگوں کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہی اہل سنت والجماعت وصوفیہ حقہ کا مذہب ہے[3]۔ واللہ اعلم۔
بالصواب، محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو خدا کے علم کے مساوی سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا ہے۔ **واللہ لاادری مایفعل بی و لابکم** یہ حدیث ہے۔ عمر کہتا ہے یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ جو اس کو حدیث کہے وہ جھوٹا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں عمر کہتا ہے یہ غلط ہے۔ جب تک کسی کتاب کا حوالہ نہ ہو ہم اس کے قائل کو جھوٹا و کذاب جانتے ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ فتوی پر ہے۔

﴿ج﴾

(۱) پارہ ۲۶ کی ابتداء سورہ احقاف میں یہ قرآن کی آیت ہے۔ **وما ادری مایفعل بی ولابکم**[5]۔

---

۱) فلا تدعوا مع اللہ احداً ، سورۃالجن، ایاك نعبد وایاك نستعین، سورۃ فاتحۃ، الأیۃ ٤۔

۲) واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ...... فھو بالاجماع باطل وحرام، حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الصوم مطلب فی النذر الذی ...... الخ، ج ۳ ص ٤۹۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ، لانہ عبادۃ حاشیہ ابن عابدین کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی ...... الخ، ج ۳ ص ٤۹۱، طبع رشیدیہ جدیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی البحر الرائق: واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد ...... فھذا النذر باطل بالإجماع لوجوہ، کتاب الصوم فصل فی النذر، ج ۲ ص ۵۲۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) ونفع الزائرین بحسب معارفھم واسرارھم ...... الخ کتاب الصلاۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ج ۳ ص ۱۷۸، حاشیہ ابن عابدین طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) وقال ابن عابدین فی وسائل الباب الباب الثانی فی ما ورد فیھم من الاثار النبویۃ الدالۃ علی وجودھم وفضلھم ...... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا اھل الشام فان فیھم الابدال رواہ الطبرانی وغیرہ، ج ۲،۱ ص ۲۲۹، طبع سہیل اکیڈمی لاھور۔

۵) (وما ادری ما یفعل بی ولا بکم، سورۃ الاحقاف، الأیۃ ۹)۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق امت کو بتائی ہیں اس لیے یہ تو صحیح نہیں کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا کوئی علم نہیں [۱]۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کچھ باتیں آپ کو نہ بتائے۔ راز میں مخفی رکھنا چاہے تو پھر ان باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا [۲]۔ ایسی باتوں میں نزاع نہ کیا جاوے [۳]۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مخلوقات میں سب سے وسیع ہے [۴] اور اللہ تعالیٰ اور آپ کے علم کو مساوی اور برابر قرار دینا شرک ہے [۵]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۳۰ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ

حضور ﷺ خدا کے جسم کا نوری مظہر ہیں

﴿س﴾
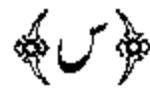
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی جو کہ اپنے آپ کو عالم حقانی ہونے کا دعویٰ کر کے چند بھولے بھالے مسلمانوں کو دو ماہ یا کم و بیش عرصہ نماز پڑھائے۔ مگر بعد میں کسی غیر شرعی کام کرنے پر جب اس سے دریافت کیا جائے تو وہ مندرجہ ذیل عقائد کا اظہار لسانی کرے۔ تو وہ سیدھے سادھے مسلمان فوراً اپنی نماز علیحدہ علیحدہ ادا کریں۔ اور پھر اس کی اقتداء نہ کریں۔ کیا ان کی لاعلمی میں ادا شدہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ براہ کرم ان سوالوں کا جواب دیں۔

(۱) زید کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے جسم کا نوری مظہر ہیں۔

(۲) حضرت محمد مصطفیٰ نبی آخر زمان ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

---

۱) ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك، سورة يوسف، الآية ۱۰۲)۔

۲) وان الرسل يعرفون بعض الغيب، قال الله تعالى، عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً، سورة الجن، الآية ۲٦، حاشيه ابن عابدين، كتاب النكاح، مطلب فى عطف الخاص على العام، ج ٤ ص ۱۰۲، طبع رشيديه كوئته۔

۳) (وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا الله) سورة الانعام، الآية ٥٩۔

٤) عن ابى هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان الله يرضى لكم ثلاثاً ويسخط لكم ثلاثاً ...... قيل وقال، وكثر السوال ...... الخ تفسير ابن كثير، ج ۱ ص ٥۱٦، بيروت، وينبغى ان لا يسئل الانسان عما لا حاجة اليه ...... الخ، حاشيه ابن عابدين، كتاب الخنثى مسائل شتى، ج ۱، ص ٥۲۰، طبع رشيديه كوئته۔

٥) عن عائشة رضى الله عنها ...... ثم يقول ان اتقاكم واعلمكم بالله انا، صحيح البخارى، باب قول النبى ﷺ اذا اعلمكم بالله ...... الخ ص ۷، طبع قديمى كتب خانه، (ليس كمثله شيء، سورة الشورى، الآية ۱۱، (من شبه الله بشيء من خلقه فقد كفر)، شرح الفقه الاكبر، ص ٦٤، طبع بيروت۔

(۳) آقائے نامدار ﷺ اور اولیاء کرام کو عالم الغیب جانتا ہے۔

(۴) قبروں کو پکا بنانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا ثواب جانتا ہے۔

(۵) نبی آخر الزماں ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا، تیجا کرنا، دسواں، چالیسواں کرنا مستحب یا سنت جانتا ہے اور مندرجہ بالا مسائل خواہ عقیدہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں خواہ بدعت سے تو ایسے آدمی کو کیا مانا جائے۔ مفصل طور پر فتویٰ دے دیں۔ جبکہ وہ مندرجہ بالا مسائل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم کی طرف منسوب کرتا ہے۔

﴿ج﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے[۱] اور عالم الغیب ہونے کا اعتقاد کفر ہے۔ کلام پاک میں ہے۔ **وهو الله فى السموات وفى الارض يعلم سركم وجهركم ويعلم ماتكسبون** ۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے تمام جگہ کوئی حاضر و ناظر نہیں۔ اسی طرح علم غیب باری تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ غیر کا دخل نہیں ہے۔ انبیاء عظام و اولیاء کرام کو عالم بجمیع الاشیاء سمجھنا اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ اس سے توبہ کرے۔ **لايعلم الغيب الا هو. قل لايعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله**[۲]...... پختہ قبریں بنانا[۳]، تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنا تمام امور بدعت ہیں[۴]۔

الحاصل اس شخص کے پیچھے جو نمازیں پڑھ لی ہیں ان کا اعادہ کرنا واجب ہے[۵]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲-۷-۱۳۹۱ھ

---

۱) (وهو الله فى السموات والارض يعلم سركم وجهركم ويعلم ما تكسبون)، سورة الانعام، الآية ٣۔
تزوج بلا شهود وقال خداى ورسول خدا وفرشتگان را گواه كردم يكفر ...... الخ بزازيه، ج ٦ ص ٣٢٥، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا فى البزازية: وقال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرةٌ يكفر، ج ٦ ص ٢٣٦، طبع رشيديه كوئته۔ وايضاً ف مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، ج ٤ ص ٣٣١، طبع رشيديه كوئته۔

٢) وكذا فى المسلم: عن جابر رضى الله عنه، قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر ...... الخ فصل فى نهى عن تجصيص القبور، ج ١ ص ٣١٢، طبع قديمى كتب خانه، (لا تجصص للنهى عنه) هو ما رواه محمد بن الحسن فى الآثار انه نهى عن تربيع القبور وتجصيصها، الشامية، كتاب الصلاة، مطلب فى دفن الميت، ج ٣ ص ١٦٩، طبع رشيديه كوئته۔

٤) ومنها وضع الحدود ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة ، ومنها التزام العبادات المعينة فى اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعين فى الشريعة، كتاب الاعتصام، ج ١ ص ٢٣، طبع دار الفكر بيروت۔

٥) وشروط صحة الإمامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الإسلام وهو شرط عام، حاشية طحطاوى باب الإمامة، ص ٢٨٧، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اہل سنت کے عقائد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱) ایک شخص کلمہ گو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے اپنے ذات کے نور سے ہیں۔ کیا وہ مسلمان ہے یا مشرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ شرک ہے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو۔ جو صحابہ کرام وائمہ اور اولیاء کرام کا عقیدہ ہو۔

(۲) درود تاج، درود لکھی، درود اکبر اس ترتیب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں یا نہ؟ یا کس نے ان کو رواج دیا ہے۔

سائل: محمد قاسم مشہدی

﴿ج﴾

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنا جائز ہے (۱)۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ آپ اور تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جنس بشر سے ہیں۔ اگر چہ افضل البشر ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا شرکیہ عقیدہ ہے۔ یہی قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت ہے اور یہی تمام امت کا عقیدہ چلا آتا ہے (۲)۔

(۲) اس ترتیب پر اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین سے ثابت نہیں۔ لیکن بوجہ درود ہونے کے جائز ہے۔ جب تک اس میں شرعاً کوئی ناجائز کلمہ موجود نہ ہو۔ میں نے تفصیل نہیں پڑھی اور نہ میرا معمول ہے۔ اس لیے تفصیلات کا علم نہیں (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۵ ذی الحجہ ۷۵ھ

---

۱) (قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم) سورة الابراهيم، الآية ١١، (ان انتم لا بشر مثلنا) سورة ابراهيم، الآية ١٠، (قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى) سورة الكهف، الآية ١١٠، سورة حم السجدة، الآية، ٦، (من قال لا ادرى ان النبى صلى الله عليه وسلم كان انسياً او جنياً يكفر الخ فتاوى العالمگيرية، ومنا ما يتعلق بالانبياء، ج ٢ ص ٢٦٣، طبع علوم الإسلامية، چمن بلوچستان۔

۲) والمعتقد المعتمد افضل الخلق نبينا حبيب الحق وقد ادعى بعضهم الاجماع على ذلك ...... الخ، شرح الفقه الاكبر، تفضيل بعض الانبياء ...... ص ٣٣٠، طبع بيروت، وكذا فى الشامية: اجمعت الامة على ...... الخ كتاب الصلاة، ج ٢ ص ٢٩٥، طبع رشيديه كوئته۔

۳) ولا شك ان اتباع الادعية المأثورة اولى وارجى للقبول، تكملة فتح الملهم، مسئلة التوسل، ج ٥ ص ٦٢٢، طبع دار العلوم كراچى۔

من کل الوجوہ عالم الغیب اور علم کلی کا عقیدہ

﴿س﴾

(۱) کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم من کل الوجوہ عالم الغیب وحاضر ناظر ہیں۔
(۲) کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم کلی حاصل ہے۔

﴿ج﴾

(۱) نہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے[۱]۔(۲) نہیں

قرآن کریم میں تحریف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا اعتقاد یہ ہو کہ جو واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن شریف میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلی نور ہوئی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ یہ تجلی نور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تھی۔ یعنی تجلی نور رب العزت سے اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ تجلی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معتقد ہے۔

﴿ج﴾

ایسا قول کرنا آیت کتاب اللہ کی مخالفت کرنا ہے یہ قرآن شریف کی تحریف ہے۔ قرآن میں ہے۔ **فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خرموسی صعقا فلما افاق قال سبحنک**[۲]۔ الایۃ۔ لہٰذا اس سے توبہ کرنا لازم ہے[۳] اگر توبہ نہ کرے تو مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے[۴]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم شہر ملتان

---

۱) (قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ، سورۃ النمل الآیۃ ٦٥، (وھو اللہ فی السموات وفی الارض یعلم سرکم و جھرکم ویعلم ما تکسبون، سورۃ الانعام، الآیۃ ٣۔

٢) سورۃ الاعراف، الآیۃ ١٤٣۔

٣) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء، سورۃ النساء، الآیۃ ١٧۔

٤) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا ...... سورۃ ھود، الآیۃ ١١٣۔

کیا حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب تقویۃ الایمان میں مندرجہ عقائد درست ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری مسجد میں دوگروہ ہیں ایک کہتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلحاظ اخوۃ اسلامی کے بھائی کہنا چاہیے اور دلیل پکڑتا ہے تقویۃ الایمان سے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اس حدیث شریف یعنی فقال اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم کے ماتحت فرماتے ہیں۔
(ف) یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اولیاء وانبیاء اور امام زادہ وپیرو شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی اور وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ کہ خدا کی سی (انتہیٰ) اب اس عبارت پر دوسرے محشی لکھتے ہیں اس عبارت کو بعض ناواقف اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں اور بے ادبی کے الفاظ کہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ بھی کوئی بے ادبی کا لفظ نہیں خود حدیث میں ہے جیسے خود مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب تقویۃ الایمان میں مسند احمد سے بحوالہ کتاب مشکوٰۃ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم۔ یعنی عبادت اللہ ہی کی کرو ہاں اپنے بھائی کا یعنی میرا اکرام کرو یعنی ادب کرو پس خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو بھائی کہا۔
(۲) قرآن میں ہے انما المؤمنون اخوۃ سب مؤمنین بھائی ہیں۔
(۳) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انما انا اخوک میں تو آپ کا بھائی ہوں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا انت اخی فی دین اللہ و کتابہ۔ بے شک دین اللہ وکتاب اللہ میں آپ میرے بھائی ہیں۔
(۴) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وددت لو انا قد راینا اخواننا۔ ''مجھے تو بہت پسند ہے کہ کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا'' اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد آنے والے تھے اور حدیث شریف مکمل طور پر مشکوٰۃ شریف ص ۴۰ پر ہے۔
(۵) قرآن کریم نے نبیوں کو اپنی اپنی امت کا بھائی کہا ہے۔ فرمان ہے: والی عاد اخاھم ھودا. والی ثمود اخاھم صالحا. والی مدین اخاھم شعیبا. واخوان لوط.
(۶) اسی طرح اگلے پیغمبروں کو بھی آپ نے بھائی کہا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنا بھائی فرمایا ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی فرمایا ہے۔ انتھی۔ حاشیہ تقویۃ الایمان ص ۴۴ مطبوعہ کراچی۔ اور تقویۃ الایمان کے بارے میں حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب امداد المفتین حصہ پنجم ص ۱۶۲ میں فرماتے ہیں سوال حضرت مولانا اسماعیل شہید کی تصنیف تقویۃ الایمان کے بارے کیا رائے ہے اور جو لوگ کفر کا فتویٰ دیتے ہیں وہ کس بناء پر عام طور پر اس کتاب کے متعلق جو اختلاف پیدا ہو چکا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدۃً بھائی کہنا چاہیے یا نہ اور کتاب تقویۃ الایمان کے بارے کیا عقیدہ رکھنا چاہیے تا کہ دوسرا گروہ سکوت اختیار کرے۔

فقط عبد المالک متعلم مدرسہ نعمانیہ فیصل آباد

﴿ج﴾

تقویۃ الایمان کے جملہ مسائل بالکل ٹھیک ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اخوت اسلامی میں پوری امت مسلمہ کے بڑے بھائی ہیں اس میں ان کی کسی قسم کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ امت کے لیے باعث سعادت ہے [1]۔

عبد الرحمٰن نائب مفتی الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۱۶-۴-۱۳۷۶ھ

کیا تقویۃ الایمان کو درست ماننے والا کافر ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ نے ایک کتاب تقویۃ الایمان کے نام سے تصنیف کی۔ زید نے چند اشخاص کے روبرو کہا کہ اس کتاب کو درست ماننے والا اور پڑھنے والا کافر ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ شاہ اسماعیل شہید کو مومن کہنے والا بھی کافر ہے کیا یہ جناب حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

---

۱) انما المؤمنون اخوة ...... سورة الحجرات، الآية ۱۰)۔

(عن عمر رضي الله عنه انه استاذن النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فقال: "اي اخي اشركنا في دعائك ولا تنسنا، جامع الترمذي، احاديث شتى من ابواب الدعوات، ج ۲ ص ۱۹۶، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی۔

(وددت انا قد راينا اخواننا) قالوا: او لسنا اخوانك يارسول؟ قال: "انتم اصحابي واخواننا الذين لم ياتوا بعد، الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب استيعاب اطالة الغرة، ج ۱ ص ۱۲۷، طبع قديمی كتب خانه كراچی، ومثله في سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء، ج ۱ ص ۳۵، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

کے مذہب میں درست ہے اگر درست نہیں ہے تو کہنے والا یعنی زید کافر ہے یا نہیں اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں۔
مولوی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حالت میں رہے۔ آخر فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پس جس کا ظاہر حال ایسا ہو وہ ولی اللہ اور شہید ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان اولیآء ہ الا المتقون [1]۔ اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔ جو اس کے رکھنے کو برا کہتا ہے وہ فاسق اور بدعتی ہے اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی نہ سمجھے تو اس کا قصور فہم ہے کتاب اور مؤلف کتاب کی کیا تقصیر بڑے بڑے عالم اہل حق ان کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی گمراہ نے اس کو برا کہا وہ خود ضال اور مضل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۱) [2]۔ باقی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کو جو لوگ کافر کہتے ہیں بتاویل کہتے ہیں اگرچہ وہ تاویل ان کی غلط ہے ان لوگوں کو کافر کہنا اور معاملہ کفار کا کرنا نہ چاہیے جب کہ روافض و خوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین وصحابہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر کہتے ہیں۔ پس جب بسبب تاویل باطل کے ان کے کفر سے بھی ائمہ نے تحاشی کی تو مولوی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو بہ طریق اولی کافر نہ کہنا چاہیے۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۰) [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ

---

۱) آیت کا حوالہ ان اولیاء ہ الا المتقون، سورۃ الانفال، الآیۃ ۳۴۔
۲) شاہ اسماعیل شہید کے مختصر حالات، فتاوی رشیدیہ، ص ۸۵، طبع ادارہ اسلامیات، لاہور۔
۳) مولانا اسماعیل شہید کو کافر کہنا، فتاوی رشیدیہ، ص ٦٣، طبع ادارہ اسلامیات۔
عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: قال قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل قال لاخیہ کافراً فقد باء بہا احدھما" متفق علیہ، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ بغیر ...... الخ، ج ۲ ص ۹۰۱، قدیمی کتب خانہ، وکذا فی التعلیق شرح المشکوۃ المصابیح، وقال ابن بطال یعنی باء باثم دمیہ لاخیہ بالکفر ای رجع وذر ذلک علیہ ...... الخ، ج ۵ ص ۱۷۳، کتاب الادب، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وھکذا فی العالمیگیریۃ: والمختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان کان ...... الخ، ج ۲ ص ۲۷۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

کفریہ الفاظ والی نظم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل نظم کے بارے میں۔

ایں و آں کی رہنمائی کیجیے ۔۔۔ یا محمدؐ مقتدائی کیجیے
اسوہ تیرا ہمارا رہنما ۔۔۔ ہاں عمل سے رہنمائی کیجیے
کشتی امید ہے سنت تیری ۔۔۔ ڈوبتوں کی نا خدائی کیجیے
جان ودل سے اہل دل حاضر ہیں آج ۔۔۔ دلستانی دلربائی کیجیے
اپنی امت کی شفاعت کے لیے ۔۔۔ مہربانی انتہائی کیجیے
اتباع حق ہے تیرا اتباع ۔۔۔ اب خدائی پر خدائی کیجیے
بعد حق سب سے بڑے ہیں آپ ہی ۔۔۔ بجتی ہے جو بھی بڑائی کیجیے
ہوں غلام ابن غلام ابن غلام ۔۔۔ مجھ سے کیوں بے اعتنائی کیجیے
پھر مدینہ میں مجھے بلوایئے ۔۔۔ پاس درد نارسائی کیجیے
عشق صادق ہو رہا ہے یا نبی ۔۔۔ عشق کی مشکل کشائی کیجیے
اپنے قدموں میں جگہ دے کے مجھے ۔۔۔ بندۂ در سے بھلائی کیجیے

المستفتی اسلام الدین بمقام ملتان کبوتر منڈی گلی پاڑہ والی

﴿ج﴾

اس نظم میں جہاں جہاں پہ ایسے جملے لکھے گئے ہیں مثلاً یا محمدؐ، یا مشکل کشائی، یا ڈوبتوں کی نا خدائی وغیرہ وغیرہ ان سب کا تعلق عقیدہ سے ہے۔ اگر کہنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ نعوذ باللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں، میری یہ آواز سنتے ہیں، یا بعقیدۂ علم غیب فریادرسی کے تو صریح شرک ہے [1] اور اگر محض محبت یا بایں خیال کہ حق تعالیٰ

---

۱) وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد ...... وايهام بطريق ...... ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة لم يعلموا ...... وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير ...... (قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله) سورة النمل الآية ٦٥، شرح الفقه الاكبر ص ٤٢٢، طبع بيروت، وفي البزازية وعن هذا قال علماء نا من قال ارواح المشائخ حاضرة يكفر، الثاني فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع علوم الإسلامية چمن، بلوچستان۔
ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فإن فعلت فإنك اذا من الظلمين، سورة يونس، الآية ١٠٦، استفتاء سوال گفتن يارسول الله ويا ولى جائز است يا نه؟ ......) وگفتن يارسول ويا ولى الله كه عادت هنديان است كه در نشست وبرخاست ميگويند نزد فقهاء حنفيان ناجائز است مجموعة الفتاوى، كتاب الكراهية، ج ٤ ص ٣٣، طبع رشيديه كوئٹه۔

آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے تو جائز ہے۔ چونکہ اس نظم کا لکھنے والا معلوم شخص ہے۔ اس لیے بالکل صحیح عقیدے سے یہ نظم لکھی ہے۔ اس لیے کوئی نکیر نہیں اور نہ وہ گنہگار ہے[1]۔

(نوٹ) اب خدائی پر خدائی کیجیے۔ پہلے لفظ خدائی سے دنیا مراد ہے اور دوسرے لفظ خدائی سے حکم رانی مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم رانی ساری دنیا پر مسلم ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۳۔۲۔۱۳۷۹ھ

’’خدائی کا اظہار نہ فرماتے‘‘ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ فرماتے تو لوح، قلم، عرش، کرسی، زمین، آسمان حتیٰ کہ اپنی خدائی کا بھی اظہار نہ فرماتے۔ از روئے قرآن وحدیث صحیح رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ زید کا ایسا کہنا قرآن وسنت کی رو سے درست ہے جیسا کہ موضوعات کبیر ملا علی قاری صفحہ ۱۰۱ پر ہے: **لولاک لما خلقت الافلاک قال الصغانی انه موضوع کذافی الخلاصة لکن معنًا صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما موفوعا اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ماخلقت الدنیا**[2]۔

(ترجمہ) **لولاک لما خلقت الافلاک** کی حدیث کے متعلق صغانی فرماتے ہیں کہ موضوع (من گھڑت) ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن مطلب اس حدیث کا صحیح اور درست ہے یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ جل مجدہ آسمانوں کو بلکہ تمام عالم کو پیدا نہ فرماتے کیونکہ دیلمی نے ابن عباس سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نہ ہوتے تو نہ جنت وجہنم ہوتی اور نہ دنیا ساری پیدا کی جاتی۔

---

۱) یا اللہ یا ظبیات القاع قلن لنا الیلا منکن ام لیلاً من البشر۔

وقال جامی: ذخاك اے لا له سیراب برخیز، چونر گس خواب چند از خواب برخیز۔

۲) موضوعات کبری، الملا علی قاری، حدیث نمبر ۷۵٤ نمبر ٤٥٥، غوثیہ مردان۔

اس طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوۃ صفحہ۲ جلد۲ پر فرماتے ہیں: بدانکہ اول مخلوقات و وواسطہ سرور کائنات وواسطہ خلق عالم وآدم نور محمدست صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ماخلق اللہ نوری وسائر مکونات علوی وسفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح و اثبات اشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت و دوزخ وملک وفلک وانس وجن وآسمان وزمین وبحار وجبال و اشجار وسائر مخلوقات ودر کیفیت صور این کثرت ازاں مصدت وبروز وظہور مخلوقات ازاں جوہر عبادات وتغیرات غریب آوردہ اند۔

نیز اس کتاب کے صفحہ۴ جلد۳ پر ایک روایت کا مضمون نقل فرماتے ہیں: وہ یہ کہ پس ندا آمد کہ وی آخر پیغمبران از ذریعت وزمین را ترا بہ طفیل اوآفریدہ ام۔

ولد کی تفسیر نائب کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب جو کہ اپنے درس قرآن میں فرق باطلہ کی عموماً اور شرک وبدعت کی خصوصاً تردید کرتا رہتا ہے۔ ایک موقع پر مولوی صاحب مذکور نے اپنے درس میں ایک نعت خوان کے مندرجہ ذیل جملوں کی تردید فرمائی جو کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر کہے گئے تھے۔ وہ یہ ہیں: نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا، نہ عرش ہوتا، نہ کرسی ہوتی، نہ لوح محفوظ ہوتی اور نہ خدا کی خدائی ہوتی، اگر محمد رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے۔ ان مولوی صاحب نے مذکورہ جملوں کی خوب تردید کی اور کہا کہ یہ الفاظ کہنا شرعاً ناجائز ہیں بلکہ اس طرح اہل رفض درجہ غلو میں لولاک لماخلقت الافلاک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہتے ہیں اور اس طرح یہود عزیز علیہ السلام اور نصرانی مسیح علیہ السلام کے حق میں کہتے ہیں۔ اور بریلوی حضرات غلو میں پہنچ کر لولاک لما خلقت الافلاک جیسے الفاظ کہتے ہیں مولوی صاحب نے کہا کہ یہ سب کے سب جملے شرعاً ناجائز ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں اور یہ سب موضوعات میں سے ہیں ان کی کوئی سند نہیں۔ ایک آدمی نے مولوی صاحب سے سوال کیا کہ یہودی اور عیسائی تو عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے جبکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ تم نے ہم کو اس بات میں یہودیوں اور نصرانیوں سے تشبیہ دی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہودی اور عیسائی اگرچہ انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن خدا کی طرف سے ساتھ ساتھ نائب اور متصرف فی الوجود سمجھتے تھے۔ جیسا کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ سے ثابت ہوتا ہے اور بخاری شریف وقالوا اتخذ اللہ ولدا کے تحت بیٹا نائباً ومتصرفاً لکھا ہے۔ اس آدمی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بخاری کو میں آگ لگاتا ہوں۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مولوی صاحب کی تقریر بالا شرعاً کیا درست ہے اور ولد کا معنی (نائباً متصرفاً) مفسرین سے ثابت ہے اور کیا محلے داروں کو درس سننا چاہیے یا نہیں اور جس نے انکار کرتے ہوئے بخاری کے جلانے کو کہا، اس پر شرعاً کیا سزا ہے۔

﴿ج﴾

مولوی صاحب مذکور کی بات بالکل درست ہے۔ نعت خوان کی بات بالکل غیر صحیح ہے [۱]۔ ولد کی تفسیر نائباً متصرفاً کے ساتھ ثابت ہے [۲]۔ محلّہ والوں کو اس کا درس سننا چاہیے۔ توحید و سنت کی اشاعت اس زمانہ میں از حد ضروری ہے لیکن یہ ضرور خیال رہے کہ اشاعت حق میں حکمت اور موعظۂ حسنہ سے کام لے۔ شدت اور سختی سے پرہیز کرے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے [۳]۔ بخاری کے متعلق بے ادبی کے الفاظ کہنے والے کو توبہ لازم ہے [۴]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

شق قمر کے معجزے کی جگہ

﴿س﴾

گزارش ہے کہ چاند دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقام پر دکھایا تھا اور چاند کا ایک ٹکڑا کس مقام پر اترا تھا۔ اس کے بارے میں وضاحت فرما دیں۔

﴿ج﴾

ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف فرما تھے، کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی، آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو، ناگاہ چاند پھٹ گیا، دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا

---

۱) عن ابن عباس رضی الله عنهما اتانی جبریل فقال یا محمد لو لاك ما خلقت الجنة ولو لاك ما خلقت النار ...... الخ حدیث نمبر ۷۵۵، موضوعات الکبری، طبع، غوثیه مردان، حدیث لو لاك لما خلقت الافلاك، حدیث نمبر ۷۵٤، الموضوعات الکبری، طبع غوثیه مردان، یه احادیث موضوع هیں۔

۲) ان الواقع قولنا عزیر ابان الله ای اوضح احکامه وبین دینه او نحو ذلك بعد ان اخبر الله سبحانه، تفسیر روح المعانی، سورة التوبة، الآیة ۳۰ بیروت۔

۳) ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة، سورة النحل، الآیة ۱۲۵۔

٤) انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء، سورة النساء، الآیة ۱۷۔

پھر دونوں ٹکڑے مل گئے (1)۔ واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۰-۲-۱۳۹۷ھ

کیا محفلِ میلاد میں قیام کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قیام مروجہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعظیماً ہمارے ملک میں اس کو عام لوگ ضروری جانتے ہیں اور بعض علماء بھی اس قیام مروجہ کے نہ کرنے والوں اور منع کرنے والوں کو بے ادب سمجھتے ہیں۔ بعض لعن طعن کرتے ہیں کیونکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور بعض یہ اعتقاد نہیں رکھتے مگر بوقت ذکر ولادت نبی ﷺ قیام مستحب اور مستحسن کہتے ہیں اور بعض اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ کیا یہ قیام مولود جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہو تو بزرگوں نے کس لیے کیا جیسے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ۔ مولانا کرامت علی جونپوری علامہ برزنجی، احمد رضا خان بریلوی وغیرہم اور آں حضرت کے بعض رسائل میں بھی جواز قیام پر استدلال ثابت ہے۔ نیز حدیث بنی قریظہ میں جو **قوموا الی سیدکم**، اس کا جواب کیا ہے...... اور اگر یہ قیام مولود جائز ہو تو مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳ میں وارد احادیث یعنی **عن انس رضی اللہ عنہ قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ ﷺ و کانوا اذا رأوہ لم یقوموا لمایعلمون من کراھیتہ لذلک رواہ الترمذی. وفی حدیث ابی امامۃ لاتقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضھا بعضاً رواہ ابوداؤد عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار. رواہ الترمذی** وغیرہ احادیث کا کیا جواب ہے؟

---

۱) عن انس رضی اللہ عنہ انہ حدثھم ان اھل مکۃ سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر، الصحیح البخاری، باب سوال المشرکین ان یریھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... الخ، ص ۵۱۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وکذا فی تفسیر ابن کثیر، عن ابیہ قال (انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصار فرقتین فرقۃ علی ھذا الجبل وفرقۃ علی ھذا الجبل فقالوا ..... الخ سورۃ القمر، الآیۃ ۱، ج ٦ ص ٤٥، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وکذا فی تفسیر روح المعانی، من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ علی الجبل وفرقۃ دونہ ..... الخ سورۃ القمر، الآیۃ ج ۲۷ ص ۱۰۵، طبع دار احیاء بیروت۔

اور تمام فتاویٰ کی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قیام مولود کیا خود محفل مولود ہی بدعت ہے مگر پھر بھی ہم اپنے اطمینان کے لیے حضرت والا کی جانب سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ایک درخواست ہے کہ اس قیام کرنے والے اور رواج دینے والے کو امام مسجد متعین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قیام مروجہ شرعاً ناجائز ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اس قسم کی مجالس میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس قسم کی مجالس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ بہت بعد کی ایجاد ہے (۱)۔ لہٰذا جو شخص اپنے قیام کو رواج دیتا ہے وہ باوجود سمجھانے کے بدعات سے باز نہیں آتا تو اس کو امام مقرر نہ کیا جائے اور اس کی امامت مکروہ ہے (۲)۔ اس کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۲ پر ہے (۳): مجلس مروجہ موجود کہ جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت مکروہہ ہے۔ اگرچہ نفس ذکر ولادت فخر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جائز ہے۔ مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی، کلا قاعدہ فقہ کا ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہو جاتا ہے (۴) پس اس ہیئت مجموعہ مجلس مولود میں بکثرت وزائد از حد ضرورت چراغ جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (۵) الآیہ۔ حکم ناطق قرآن شریف کا ہے۔ علیٰ ہٰذا امر دان

---

۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد، مشکوۃ المصابیح، کتاب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، قدیمی کتب خانه ، وفی فیض الباری: واعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیه وسلم بدعة لا اصل له فی الشرع واحدثه ملك الاربل کما فی تاریخ ابن خلکان، وھکذا علی ھامشه لبدر عالم المیرٹھی، کتاب الصلوۃ، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۳۱۹، مکتبه عثمانیه کوئٹه۔
ومثل ھذا فی الفتاوی الحدیثیة، مطلب فی ان القیام فی اثناء مولده الشریف بدعة، ص ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ مطلب فی ان القیام فی اثناء مولده الشریف بدعة، صفحه نمبر ۱۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

۲) (ویکره) تنزیھاً امامة عبد ...... وفاسق واعمی ...... وان) انکر بعض ما علم من الدین ضرورةً (کفر بھا) فلا یصح الاقتداء به اصلاً) در مختار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الھندیة: قال المرغینانی: تجوز الصلوۃ ...... وحاصله ان کان ھوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلوۃ خلفه مع الکراھة والا فلا، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، ج ۱ ص ۸۴، رشیدیه کوئٹه۔
ومثله فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۷ تا ۶۱۰، رشیدیه کوئٹه۔

۳) فتاوی رشیدیه، مجلس میلاد کا حکم، صفحه نمبر ۱۱۶، طبع اداره اسلامیه لاھور۔

۴) اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام، (در مختار، کتاب الطھارۃ، مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۱۷۶، ایچ ایم سعید کراتشی۔

۵) سورۃ بنی اسرائیل، پارہ نمبر ۱۵، آیت نمبر ۲۷۔

خوش الحان کا نظم اشعار پڑھنا موجب ھیجان فتنہ کا ہے اور کراہیت سے خالی نہیں اور قیام، بالخصوص اسی ذکر اور اس محفل میں ہونا بدعت ہے۔ پس حضور ایسی محفل کا بسبب ان امور بدعیہ و کے مکروہ تحریمہ اور بدعت ہوگا۔ الخ۔

نیز مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ اس قیام کے بارہ میں مدلل ارشاد فرماتے ہیں، مجموعۃ الفتاویٰ صفحہ ۴۲۲ [1]۔ قیام جو بوقت بیان ولادت نبویہ علی صاحبہا افضل الصلواۃ والتحیۃ کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصل معتد بہ شرعاً نہیں ہے اور یہ گمان کہ یہ قیام تعظیم نبوی ہے، فاسد ہے۔ اس وجہ سے کہ تین حال سے خالی نہیں یا یہ کہ یہ قیام واسطے تعظیم نام پاک محمدی کے ہے یا واسطے تعظیم ہیئت ولادت وتصور وقائع ولادت کے ہے یا واسطے تعظیم ذات محمدی کے جسداً و روحاً یا روحاً فقط ہے شق اول باطل ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ نام پاک کی تعظیم قیام یا انحناء وغیرہ کے ساتھ کہیں نہیں وارد ہے بلکہ بدعت ہے۔ نام کی تعظیم یہی ہے کہ وقت نام لینے یا سننے کے درود بھیجا جاوے۔ وثانیاً اس وجہ سے اگر نام لینے کی تعظیم قیام سے ہو، لازم ہے کہ تمام بیان کھڑے ہوکر کیا جائے اور جب آپ کا نام لیا جائے، اس وقت قیام کیا جائے۔ ولا قائل بہ اور شق دوم بھی باطل ہے۔ اس وجہ سے کہ مجرد تصور ہیئت کی تعظیم اس ادا سے نہیں وارد ہے۔ باقی رہی شق ثالث وہ موقوف اس امر پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت بیان ولادت میں جسداً او روحاً تشریف لاتے ہوں اور یہ امر شرع میں ثابت نہیں ہے۔ **ومن ادعی فعلیہ البیان بالادلۃ الشرعیۃ لابما قیل اویقال** اور اگر بالفرض والتقدیر آپ کا تشریف لانا ثابت بھی ہو تو یہ ثابت ہونا محال ہے کہ بوقت بیان ولادت فقط تشریف لاتے ہیں۔ نہ ابتداء بیان ولادت سے بلکہ بہ تقدیر ثابت ہونے تشریف لانے کے ظاہر یہ ہے کہ ابتدائی مجلس سے تشریف لاتے ہوں گے۔ پس لازم ہے کہ از ابتداء تا انتہا قیام کیا جائے۔ **ولا یقول بہ احد**۔ الخ۔

اور بزرگوں کے عمل کے بارے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۱۱) [2] اور حجت قول وفعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول وفعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ سے ہوتی ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ جب ان کے سامنے میر سلطان نظام الدین قدس سرہ کا فعل بطور حجت کوئی لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے تو فرماتے کہ فعل مشائخ حجت نباشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا جناب حاجی صاحب رحمہ اللہ (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ مزید تفصیل "فتاویٰ رشیدیہ" "مجموعۃ الفتاویٰ" اور "راہ سنت" میں ملاحظہ فرمائیں [3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم فقط محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) مجموعة الفتاوى، كتاب المتفرقات، صفحه نمبر ۲۵۸، جلد سوم، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي۔
۲) فتاوى رشيديه، كتاب البدعات، مجلس ميلاد صفحه نمبر ۱۱۵، طبع اداره اسلاميات لاهور۔
۳) فتاوى رشيديه كوئته۔ بحواله بالا۔
مجموعة الفتاوى، بحواله كتاب الحظر والإباحة، جلد دوم صفحه نمبر ۲۸۲، ايچ ايم سعيد كراتشي، راه راست ص ۱۶۰، مكتبه صفدريه گوجرانواله۔

کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جلسہ سیرت النبی مسمی مولود شریف مروجہ میں کچھ بیان کے بعد خاص کھڑے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بآواز بلند درود پڑھتے ہیں اور قیام کرنے سے قبل تقریر کے بعد یوں بھی کہتے ہیں کہ جلوہ گر ہویا سید المرسلین۔ جلوہ گر ہوا امام المرسلین۔

ان الفاظ میں اگر حاضر وناظر کا امکان ہے مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ ہم ان الفاظ سے حاضر ہونا مقصود نہیں لیتے اور ان الفاظ کے بعد بیٹھنے والے سامعین کو ان الفاظ سے قیام کی طرف اشارہ وحکم کرتے ہیں کہ اٹھو تعظیم احمد کے لیے۔ پھر سب کھڑے ہوجاتے ہیں اور درود شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ ان تینوں الفاظ کے کہنے کے بعد بھی وہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محفل میں حاضر ہونے کے قائل نہیں تو اس قسم کی میلاد شریف میں ہمارے اکابرین اور علماء سلف کی کیا رائے ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے۔

بحث ومباحثہ کے بعد علاقہ کے لوگ وعلماء کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کو حاضر وناظر نہیں سمجھتے مگر اس قسم کے قیام سے ہمارے درود میں خشوع وخضوع ہوتا ہے۔ اس لیے صرف ہماری خوشی کے لیے اس کو قائم رکھنا چاہیے۔ ہمارے اعتقاد میں درود میں کوئی کیفیت نہیں جس طرح چاہے پڑھ سکتے ہیں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرما کر جلدی جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ذکر ولادت باسعادت کے وقت قیام کرنا بدعت اور ناروا ہے [1]۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد او کما قال [2]۔ یعنی جو شخص دین میں کوئی

---

۱) اعلم ان القیام عند ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعة لا اصل لہ فی الشرع …… الخ۔
فیض الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج ۲ ص ۳۱۹، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ۔
وھکذا فی الفتاوی الحدیثیة، مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعة، ص ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ مطلب فی ان القیام فی اثناء مولدہ الشریف بدعة، صفحہ نمبر ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت (وقد تقدم)۔

۲) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

نئی بات نکالے وہ مردود ہے قیام میلاد مروج کا ثبوت چونکہ قرون مشہود لہا بالخیر میں نہیں ملتا ہے۔ لہٰذا اس کو اچھا سمجھ کر کرنا دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة وفی روایة و کل ضلالة فی النار [1]...... فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۲، ۱۲۳ [2] پر ایک فتویٰ ہے۔ جس پر ہندوستان کے اکابر علماء کے دستخط ہیں وہ ملاحظہ ہو۔ "مجلس مروجہ مولود کہ جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت و مکروہ ہے۔ اگرچہ نفس ذکر ولادت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی کہ قاعدہ فقہ کا ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس ہیئت مجموعہ مجلس مولود میں بکثرت وزائد از حد ضرورت چراغ جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ الآیہ۔ حکم ناطق قرآن شریف کا ہے۔ علیٰ ھذا امردان خوش الحان کا نظم اشعار پڑھنا موجب ہیجان فتنہ کا ہے اور کراہیت سے خالی نہیں اور قیام بالخصوص اسی ذکر اور اسی محفل میں ہونا بدعت ہے۔ پس حضور ایسی محفل کا بسبب اُن امور بدعت و مکروہ تحریمہ کے مکروہ تحریمہ اور بدعت ہوگا۔ الخ۔

باقی کسی کیفیت یا خضوع و خشوع پیدا کرنے کی خاطر کسی بدعت و ناروا کام کو جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جس سے دین میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہو [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۰۔۱۰۔۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۲۳۔۱۰۔۱۳۸۷ھ

مجلس کے اختتام پر قیام کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ کے لوگ تقریب عید میلاد پر مجلس منعقد کر کے ایک خاص موقع پر اکثر لوگ قیام کرتے ہیں۔ اس سبب سے کہ سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں اور ہر وقت حاضر ناظر ہیں اور سٹیج و پلنگ وغیرہ بھی رکھتے ہیں اس پر آنحضور تشریف رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۰۔۱۰۔۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۳۔۱۔۱۳۸۷ھ

---

۱) سنن نسائی، کتاب العیدین، باب کیف الخطبة، ج ۱ ص ۲۳۴، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۲) فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، مجلس میلاد، صفحہ نمبر ۱۱۶، ۱۱۷، ادارہ اسلامیات لاھور۔
۳) ومبتدع، ای صاحب بدعة، وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبھة ...... الخ، ای: وان کانت فاسدة الخ (شامی، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة اقسام، ج ۱ ص ۵۱۰، ایچ ایم سعید کراتشی۔

﴿ج﴾

یہ عقیدہ باطل عقیدہ ہے اس باطل عقیدہ کے تحت قیام کرنا بھی ناجائز ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں [۱] لیکن حاضر وناظر نہیں [۲]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، شہر ۱۵۔۱۳۔۱۳۷۸ھ

میلاد میں قیام کو لازمی سمجھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور حاضر وناظر ہر مجلس و ہر مکان میں ہیں اور علم کلی آپ کو ہے میلاد وغیرہ میں جو اصحاب قیام کرنا لازمی سمجھ کر اور حاضر وموجود سمجھ کر کرتے ہیں کیا شرعاً ثبوت ملتا ہے خیر القرون میں بھی قیام کرتے تھے اگر ایسے اعتقاد والا صاحب امامت کرے تو نماز کا اعادہ کریں یا کہ ہوگئی۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

غیر اللہ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک ہے [۳]۔ ایسے عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے [۴] اس پر قائم

---

۱) کما فی شرح عقیدة الطحاوية: لقد صدق عبد الله بن مسعود رضی الله عنه فی وصفهم حيث قال ان الله تعالى نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی الله علیه وسلم خير قلوب العباد فاصطفاه للنفسه ...... الخ ص ٤٦٥، طبع دار ابن حزم بيروت۔

۲) كما قاله تعالى: "وما كنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم"، آل عمران، ٤٤۔
كما فی مجموعته الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، اعتقاد اینکه که کسے غیر حق سبحانه وتعالى حاضر وناظر عالم خفی وجلی در هر وقت وهر آن است اعتقاد شرك است، ج ٤ ص ٣٢١، طبع امجد اکیڈمی۔

۳) كما قاله تعالى: "وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو"، سورة الانعام، الآية ٥٩۔
كما فی شرح فقه الاكبر وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه الخ، ص ٤٢٢، طبع دار البشائر الإسلامية۔ كما فی الواجبية، ومن تزوج امراة ...... لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم يعلم الغيب وهذا كفر، كتاب النكاح، الفصل الرابع، ج ١ ص ٢٨٣، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

٤) كما فی جامع الفصولين ولو كانت ...... يؤمر بالتوبة وتجديد النكاح، كتاب الوصية، الفصل الثامن والثلاثون الخ، ج ٢ ص ٢١٦، طبع اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی۔
ومثله فی الهندية: الباب التاسع فی احكام المرتدين، ج ٢ ص ٢٨٣، طبع رشیدیه کوئٹه۔
كما قاله تعالى: "انما التوبة على الله للذين يعملون السوء" الخ سورة النساء، الآية ١٧۔

رہنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے [۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے لیے کھڑے ہونے سے منع فرمایا تھا جب آپ کا انتقال ہوا اس کے بعد بھی وہی حکم باقی ہے [۲]۔ خیر القرون میں کہیں قیام معروف منقول و معمول نہیں۔ لہٰذا قیام مذکور بغیر اس عقیدہ باطلہ کے بھی نہ کرنا چاہیے، کرنے والا مبتدع ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے واللہ اعلم۔

حررہ مفتی محمود عفا اللہ عنہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود سن سکتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت والجماعت مندرجہ ذیل مسائل میں۔ قرآن مجید اور احادیث کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

(۱) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود شریف سن سکتے ہیں یا نہیں۔

(۲) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پہنچتا ہے یا نہیں۔

(۳) یا محمدؐ، یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود درود شریف سن سکتے ہیں یا اللہ کریم ہمارا پڑھا ہوا درود حضور ﷺ کو سناتے ہیں۔

(۵) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں یا نہیں۔

(۶) کیا نبی کریم ﷺ ہماری امداد فرما سکتے ہیں یا نہیں۔

(۷) کیا کامل پیر و مرشد کی بیعت کرنی چاہیے یا نہیں۔

---

۱) کما فی تنویر الابصار (ویکرہ) تنزیهاً (امامة عبد) ...... (وفاسق واعمی، ونحوہ ...... ومبتدع، ای صاحب بدعة الخ (کتاب الصلوة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵ تا ۳۵۶، طبع رشیدیه کراچی۔
ومثله فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۷، ۶۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما فی المشکوة المصابیح، عن انس رضی الله عنه قال لم یکن شخص احب الیهم ...... وکانوا اذا رواہ لم یقوموا لما یعلمون من کراهیة، (باب القایمة، الفصل الثانی، ج ۱ ص ۴۰۳، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

﴿ ج ﴾

(۱) ہر وقت ہر بات کا دور سے اور قریب سے سننا فقط اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا خاصہ ہے (۱)۔ کسی اور کے لیے اس کا ماننا اسلامی عقیدہ نہیں البتہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی کو سنائے تو اس وقت سن سکتا ہے (۲)۔

(۲) درود شریف تمام مسلمانوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پہنچایا جاتا ہے اس خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص فرشتے مامور ہیں وہی لے کر پہنچاتے ہیں (۳)۔

(۳) یا رسول اللہ کہنا اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں ان سے خطاب کر رہا ہوں تو یہ عقیدہ کفر ہے (۴) اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تب بھی بوجہ ایہام معنی فاسد کے اس سے احتراز کرنا چاہیے (۵)۔

---

۱) قال تعالی: ان الله سميع بصير، سورة مجادلة، الآية ١۔

۲) قال الله تعالی: ان الله يسمع من يشاء، وما انت بمسمع من فی القبور، سورة فاطر، پاره نمبر ۲۲، الآية ۲۲۔

وفی شرح العقائد: والمحدث للعالم هو الله تعالى ...... العليم السميع البصير الخ، صفحه نمبر ۳۰، دار الاشاعت کراچی۔۲

جیسا کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جیش والوں کو سنایا۔ عن ابن عمر رضى الله عنهما بعث جيشاً وامر عليهم رجلاً يدعى سارية فبينما عمر يخطب فجعل يصيح يا سارى الجبل فقدم رسول من الجيش فقال يا امير المؤمنين لقينا عدونا فهز مونا فإذا بصائح يصيح يا رسارية الجبل فاسندنا ظهورنا الى الجبل فهزمهم الله تعالى الحديث، مشكوة، باب الكرامات، ج۲ ص ٥٤٦، قديمی کتب خانه کراچی۔

۳) عن ابن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتى السلام، الحديث۔

مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة باب الصلوة على النبی صلى الله عليه وسلم، ج ١ ص ٨٦، قديمی کتب خانه کراچی۔

٤) قال الله تعالى: قل لا يعلم من فی السموات والارض الغيب الا الله، الآية نمبر ١٥، سورة النمل۔

وفي شرح الفقه الاكبر: وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ولا سبيل للعباد ...... الخ، ص ٤٢٢، طبع بيروت۔

هكذا فی الهندية، ج ٦ ص ٣٢٦۔

٥) كما فی تفسير ابن كثير: عن الاقرع بن حابس رضى الله عنه انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم من وراء الحجرات فقال: يا محمد وفی رواية: يارسول ...... سورة الحجرات، تفسير ابن كثير، ج ٥ ص ٦٤٧، قديمی کتب خانه کراچی۔

وفی الشامية: فينبغی او يجب التباعد عن هذه العبادة (الموهم نص الشرك، كتاب الجهاد، مطلب فی معنى درويش، ج ٦ ص ٣٩٦، رشيديه کوئٹه۔

(۴) اس کا جواب معلوم ہوگیا۔

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں حدیث معتبر سے ثابت ہے علامہ سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں اس قسم کی احادیث بہت نقل کی ہیں۔ لیکن یہ حیات عنصری حیات سے کچھ مختلف ہے جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں تفصیل بہت طویل ہے[۱]۔

(۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض وبرکات سے تمام امت مستفید ہوتی ہے آخرت میں بھی آپ ہی کی شفاعت سے امت کی مشکلات حل ہوں گی اس صورت سے تو یقیناً امداد پہنچتی ہے لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن کے تحت ہے[۲]۔

(۷) بیعت کسی کامل ولی اللہ کی ضرور کرنی چاہیے تزکیہ قلب جویز کیھم سے ثابت ہے۔ بغیر اس طریقہ مشائخ کے نہیں ہوسکتا لیکن خلاف شریعت راہ چلنے والے پیر کی بیعت جائز نہیں۔ اس کے لیے غور کر کے متبع سنت وشریعت پیر کی بیعت ہونا چاہیے[۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، شہر، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ

---

۱) على ان نبى الله صلى الله عليه وسلم حى فى قبره كما ان الانبياء عليهم السلام، احياء فى قبورهم، بذل المجهود، كتاب الصلوة، ج ۲ ص ۱۱۷، قاسميه ملتان۔

وفى الحاوى للفتاوى: فاقول حياة النبى صلى الله عليه وسلم فى قبره هو سائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة فى ذلك الخ، انباء الاذكيا بحياة الانبياء، ج ۲ ص ۱۳۹، دار الكتب علمية بيروت۔

۲) قال الله تعالى: وما ارسلنك الا رحمة للعالمين، الآية نمبر ۱۰۷، سورة الانبياء، وقال ايضاً: من ذالذى يشفع عنده الا بإذنه، البقرة نمبر ۲۵۵۔

وفى تفسير ابن كثير تحت هذه الآية: وهذا من عظمته وكبريائه عزوجل، انه لا يتجاسر احد على احد على ان يشفع لاحد عنده الا بإذنه له فى الشفاعة، كما فى حديث الشفاعة: اتى تحت العرش فاخر لله ساجداً، فيدعنى ما شاء الله ان يدعنى، ثم يقال: ارفع راسك، وقل تسمع واشفع تشفع، قال: فيحد لى حداً فادخلهم الجنة، سورة البقرة، الآية نمبر ۲۵۵، ج ۱ ص ۶۱۳، قديمى كتب خانه۔

كذا فى شرح العقائد: ص ۸۷، دار الإشاعت العربية كوئته۔

۳) قال الله تعالى: ربنا وابعث فيهم رسولاً ...... ويزكيهم، الآية نمبر ۱۲۹، سورة البقرة۔

كذا فى روح المعانى، سورة الممتحنة: ج ۲۸ ص ۳۸۰، دار احياء التراث العربى، بيروت۔

کیا عذاب صرف روح کو ہوتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عذاب یا ثواب صرف روح کو ہوتا ہے یا روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی قبریں نہیں ان کو عذاب یا ثواب کہاں ہوتا ہے۔ جو لوگ آگ میں جل جاتے ہیں یا سمندر میں ڈوب جاتے ہیں یا انہیں درندے کھا جاتے ہیں ان کو عذاب یا ثواب کہاں ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

وعذاب القبر للكافرين و بعض عصاة المومنين ثابت بالدلائل السمعية ص ٧٦ [1] شرح عقائد و على حاشيته ويكون الروح متصلا بالجسد و كذا اذا صار ترابا يكون روحه بترابه والروح والتراب تيالم.

اور ص ۷۷ پر ہے [2]۔ والجواب انه يجوز ان يخلق الله تعالى فى جميع الاجزاء او فى بعضها نوعا من الحيوة الى ان حتى الغريق فى الماء والماكول فى بطون الحيوانات والمصلوب فى الهواء يعذب وان لم نطلع عليه.

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ احادیث اور آیات سے ثابت ہے قال الله تعالى النار يعرضون عليها غدوا و عشيا و يوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب [3]. قال النبى صلى الله عليه وسلم استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه [4]. بہر حال عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا حق ہے۔ لیکن اس کی کیفیات اور تفصیلات کا علم دنیا میں ہونا ممکن نہیں ہے [5]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۱۴-۲-۱۳۹۷ھ

---

۱) شرح عقائد، صفحہ نمبر ۷٦، مکتبہ دار الإشاعت العربية، کوئٹہ۔ قندھار افغانستان۔

۲) صفحہ نمبر ۷۷، بحوالہ بالا۔

۳) سورۃ مؤمن، پارہ نمبر ۲٤، آیت نمبر ٤٦۔

٤) سنن دار قطنی، باب نجاسة البول، ج ۱ ص ۱۳٦، طبع دار الكتب العلمية، الترغيب والترهيب، ص ۸٤، طبع المكتبة الحرمين الشريفين، كوئٹہ۔

٥) كما فى شرح العقيدة الطحاوية: وقد تواترت الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ثبوت عذاب القبر ونعيمه لمن كان لذالك اهلاً ...... فيجب اعتقاد ثبوت ذالك والإيمان به، ولا نتكلم فى كيفيته ...... الخ، الإيمان بعذاب القبر ونعيمه، ص ۳۸۹، دار ابن حزم، بيروت۔

کیا حضور ﷺ قبر میں سنتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مبارک میں حیات ہیں۔ اس طرح کہ جسم مبارک میں روح موجود ہے اور جو آدمی وہاں جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے وہ سنتے ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مبارک میں اس طرح حیات ہیں کہ جسم مبارک میں روح موجود نہیں اور کوئی وہاں جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو جناب نبی کریم ﷺ نہ سنتے ہیں، اور نہ ہی جواب مرحمت فرماتے ہیں اور جسم مبارک میں روح مبارک ماننے والے کا عقیدہ غلط ہے۔ جناب کی روح مبارک آسمان پر ہے۔ تو ان دونوں میں سے کس کا عقیدہ درست ہے؟

﴿ج﴾

پہلے شخص کی بات صحیح ہے [1]۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۹۔۳۔۱۳۹۸ھ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کیا نبی علیہ السلام روضہ اطہر میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یا ہر جگہ سے سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ کیا امام اعظم کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو اس آدمی کے لیے کیا حکم ہے جو امام صاحب کی تقلید کرتے ہوئے یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ اور اگر امام صاحب کا یہ عقیدہ نہیں تو اس آدمی کے لیے کیا حکم جو امام صاحب کی تقلید کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے۔

---

۱) قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق ...... فاکثروا علی من الصلوة فیه فإن صلوتکم معروضة علی: فقال رجل یارسول الله کیف تعرض صلاتنا علیك وقد ارمت یعنی بلیت فقال: انا الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" الحدیث، مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الصلوة، باب فی ثواب الصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم، ج ۲ ص۳۹۸، طبع امدادیه ملتان۔
وفی بذل المجهود: علی ان نبی الله صلی الله علیه وسلم حي فی قبره کما ان الانبیاء علیهم السلام احیاۃ في قبورهم، کتاب الصلوة، ج ۲ ص ۱۱۷، مکتبه قاسمیه ملتان۔
کذا فی الحاوی فی الفتاوی: فاقول حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فی قبره هو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً ...... الخ۔
مبحث النبوات انباء الاذکیاء بحیاة الانبیاء، ج ۲ ص ۱۳۹، طبع دار الکتب العربیة بیروت۔

﴿ج﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں حی (زندہ) ہیں اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہر جگہ سے نہیں سنتے۔ بلکہ دور دراز سے صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۸ شعبان ۱۳۹۵ھ

روضہ اقدس پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر یعنی مواجہ شریف پہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) حضور ﷺ حیات ہیں اور حضور ﷺ کی حیات اس دنیاوی حیات سے کامل اکمل ہے یا نہیں۔

(۳) حضور والا کا نام ''نور'' بھی ہے یا نہیں۔ (یعنی صفاتی نام)

(نوٹ) ایسے شخص کے پیچھے جو تینوں مسائل میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) احادیث میں ثابت ہے کہ ہر مسلمان کی قبر پر سلام کرتے وقت بصیغہ خطاب سلام کیا جاوے۔ **السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیة** پھر قبر شریف پر صیغہ خطاب سے سلام کرنے سے کیا مانع ہے (۲) جبکہ متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ قبر شریف کے پاس صلوۃ وسلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں **اخرج البیهقی فی شعب الایمان من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته** (الحدیث) (۳)

---

۱) عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ان للہ ملائكة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام، (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم، ج ۱ ص ۸٦، قدیمی کتب خانه۔ وقد مر تخریجه فی السوال السابق۔

۲) مشکوۃ المصابیح، باب زیارۃ القبول، ج ۱ ص ۱۵٤، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۳) مشکوۃ المصابیح، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ، ج ۱ ص ۸۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

(۲) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں اخرج ابو داؤد عن اوس بن اوس الثقفی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل ایامکم یوم الجمعۃ فاکثروا علی الصلوۃ فیہ فان صلوتکم تعرض علی قالوا یا رسول اللہ و کیف تعرض علیک صلوتنا وقد ارمت (یعنی بلیت) فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء الحدیث الی غیر ذلک من الاحادیث الصحیحۃ الواردۃ فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام[1]۔

لیکن یہ حیات حیات عنصری سے کچھ مختلف ہے۔ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں علامہ سیوطی نے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(۳) قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق فرمایا گیا ہے[2]۔ نیز آپ نے اپنی دعاؤں میں بھی اللھم اجعلنی نوراً فرمایا ہے اس لیے یہ اطلاق جائز ہے[3] لیکن اس سے باتفاق علماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ ہدایت ہیں چونکہ نبی کریم کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شان نبوت و ہدایت میں درجہ کمال حاصل ہو اس لیے اپنی دعاؤں میں اسی کمال کو طلب فرمایا ہے اور اس معنی پر قرآن اور توریت کو بنص قرآنی نور فرمایا گیا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے مجرد ہو کر فقط نور ہی نور ہو گا۔ بلا تاویل اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے[4]۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

۱) ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب تفریع ابواب الجمعۃ، ج ۱ ص ۱۵۸، طبع رحمانیہ اردو بازار لاھور۔

۲) قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین، سورۃ المائدۃ، الآیۃ ۱۵، وکذا فی روح المعانی عظیم وھو نور الانوار والنبی ...... (قدجاءکم) بغیر عاطف فعلق بہ اولا وصف الرسول ...... الخ، سورۃ المائدۃ، الآیۃ ۱۶، ج ۶ ص ۳۶۷، طبع دار احیاء التراث العربیۃ، بیروت۔

وکذا فی تفسیر قرطبی: (قد جاء کم من اللہ نور) الخ، ای ضیاء، قبل الإسلام، وقیل: محمد علیہ السلام، عن الزجاج، سورۃ المائدۃ، ج ٦ ص ۱۱۸، طبع بیروت۔

۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال بت عند میمونۃ فقام ...... واجعل لی نوراً ...... الخ، الصحیح البخاری، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، ج ۲ ص ۹۳۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٤) ویکرہ امامۃ ...... ومبتدع، ای: صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ...... الخ حاشیہ ابن عابدین، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ۲ ص ۳۵٦، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی البحر الرائق، کرہ امامۃ العبد والاعرابی والفاسق والمبتدع والاعمی ...... الخ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ج ۱ ص ٦۰۷ تا ٦۱۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

کیا سماع موتی کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد میں چند آدمیوں نے نماز باجماعت پڑھنی چھوڑ دی اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ امام مسجد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے۔ صاحب قبر اس کو اس کی آواز سے پہچانتا ہے اور اس کو سلام کا جواب دیتا ہے۔ (محصلہ الجامع الصغیر جلد دوم ص ۱۵۱) تو اس پر انہوں نے کہا کہ ایسے عقیدہ والا مشرک اور منکر قرآن ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ جبکہ ارشاد ربانی ہے۔ **انک لاتسمع الموتی** ۔ کیا ان کا یہ کہنا کہ ایسے عقیدہ والا مشرک اور منکر قرآن ہے اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ صحیح ہے یا نہیں؟ اور ان کا مسجد میں نماز باجماعت نہ پڑھنا اور دوسروں کو روکنا کیسا ہے؟

﴿ج﴾

مسئلہ سماع موتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے مختلف فیہا چلا آرہا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کا انکار کرتی ہیں [1]۔ اور آیت **انک لاتسمع الموتی** سے استدلال کرتی ہیں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل ہیں اور حدیث قلیب سے استدلال کرتے ہیں۔ مفسرین اور محدثین کے مابین بھی یہ مسئلہ موضع قیل وقال رہا ہے [2]۔

لہٰذا اس مسئلہ میں بحث وتمحیص صرف عالمانہ انداز تک محدود رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے باہمی نزاع اور جنگ وجدال بغض وحسد ہر دو فریقین میں نہیں ہونا چاہیے۔ نہ تو سماع موتی کا قول کوئی شرک یا بدعت وغیرہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار کوئی باعث طعن وتشنیع بن سکتا ہے۔ بہرحال یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ترجیح میں

---

۱) فإنك لا تسمع الموتى، سورة الروم، الآية ٥٢۔

۲) عن ابن عمر رضى الله عنهما: قال وقف النبى ﷺ على قليب بدر فقال هل وجدتم ما وعد ربكم حقاً ثم قال انهم الآن يسمعون ...... الخ صحيح البخارى، ج ٢ ص ٥٦٧، طبع قديمى كراچى۔

وكذا فى روح المعانى، بعد ما ذكر ادلة الجانبين ...... والحق ان الموتى يسمعون فى الجملة وهذا على احد وجهين ...... الخ سورة الروم، الآية ٥٣، ج ٢١ ص ٧٤ تا ٨٠، طبع دار احياء التراث بيروت۔

وكذا فى تفسير المظهرى: فإنك لا تسمع الموتى فقال والذى نفسى بيده ما انتم باسمع منهم ولكنهم لا يطيقون ان يجيبوا ...... الخ سورة الروم، ج ٧ ص ٢٤٢، طبع بلوچستان بكڈپو كوئٹہ۔

اختلاف ہے بعض علماء عدم سماع کو راجح قرار دیتے ہیں اور بعض سماع کو۔ ہمارے ہاں قول ثانی راجح ہے۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو مشرک کافر یا بدعتی نہیں کہتا۔ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ جو عدم سماع کو راجح سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں صورت مسئول عنہا میں میری تحقیق عدم سماع ہے۔ حدیث مذکور اور باقی ایسی احادیث دالہ علی السماع کا جواب شافی دیا کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس تحقیق کے قائلین سماع کو کافر اور مشرک اور گمراہ کہنا سخت ترین گستاخی اور بے دینی ہے۔ یہی فیصلہ ہماری جماعت کا ہے۔ لاشیٔ، غلام اللہ ۷-۶-۲۲

بس صورت مسئولہ میں مولوی صاحب کے بارے میں یہ قول کرنا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور کافر ہے۔ سخت ترین گناہ ہے اور قائلین پر کفر کا خطرہ ہے۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ فوراً توبہ تائب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور اس غلطی پر ندامت کا اعلان کر دیں (۱)۔ مولوی صاحب کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ کوئی شبہ نہ کیا جاوے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ

کیا ''یا رسول اللہ'' کہنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد بعد نماز یا اور کسی وقت پڑھتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وسلم علیک وعلی آلک واصحابک یا رسول اللہ تو ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اصحابک نہ پڑھنا چاہیے۔ یعنی صحابیوں پر درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ اب ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ کہنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ جائز ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت حسین احمد صاحب مدنی

---

۱) (انما التوبة على الله للذين يعملون السوء ...... سورة النساء، الآية ۱۷۔

۲) وكذا في قوله رحمه الله تعالى (والصلوة خلف كل بر وفاجر) اى صالح (من المؤمنين جائزة ...... الخ، شرح الفقه الاكبر الخ ص ۲۲۷، طبع دار البشائر الإسلامية بيروت۔

وفي النهر عن المحيط صلى خلف فاسق او مبتدع قال فضل الجماعة ...... الخ حاشيه ابن عابدين، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۲ ص ۳۵۸، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا في الهندية: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة ...... الخ، الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره، ج ۱ ص ۷۴، طبع علوم اسلاميه چمن۔

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے الشہاب الثاقب ص ۶۴، ۶۵ میں لکھا ہے۔ مسئلہ ندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں اور یہ حضرات تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ یا رسول اللہ علیہ السلام اگر بلا لحاظ معنی ایسی طرح نکلا ہے جیسے لوگ بوقت مصیبت وتکلیف ماں باپ کو پکارتے ہیں۔ تو بلا شک جائز ہے۔ علی ہذا القیاس اگر بلحاظ درود شریف کے ضمن میں کہا جائے گا تو بھی جائز ہوگا علی ھذا القیاس اگر کسی سے غلبہ محبت و شدت عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے۔ اگر بلحاظ عقیدہ کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے فضل وکرم سے ہماری ندا کو پہنچا دے گا اگرچہ ہر وقت پہنچا دینا ضروری نہ ہوگا۔ تو اس امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں اور صحابیوں کو درود شریف میں شامل کرنا کوئی منع نہیں۔ بلکہ کئی صوفیوں کی کتابوں میں وآلہ واصحابہ موجود ہے۔ اور فقہاء نے شروع کے درود میں لکھا ہے **الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔ فتاوی عالمگیری۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد افضل مخلوق و علی الہ و صحبہ القائلین بالحقوق۔ مراقی الفلاح۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علی الہ وصحبہ الذین جاوا۔ الخ۔ در مختار** ۔ بہر حال اس طرح پڑھنا ممنوع نہیں۔ ہاں شیعہ صاحبان کا مولوی ہوگا جو اس طرح درود شریف کو پڑھنا منع کرتا ہے۔ اب استفسار ہے کہ اس طرح پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی اس طرح پڑھنے سے منع کرے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے جو شرعاً حکم ہو تحریر فرمادیں۔

﴿ج﴾

اصل یہ ہے کہ یا رسول اللہ کہنا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر موجود ہیں یا ضرور میری آواز کو سنیں گے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ ایک نوع شرک ہے [1] اور صلوٰۃ وسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر بدون کسی آمیزش

---

۱) وبالجملة، فالعلم بالغيب امر تفرده به سبحانه ولا سبيل للعباد اليه الا بإعلام منه والهام بطريق المعجزة ...... وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده ان النبى صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: (قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله، سورة النمل، الآية ٦٥، شرح فقه اكبر، ص ٤٢٢، طبع بيروت۔ (ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله تعالى احياناً، ص ٤٢٢، شرح فقه اكبر، طبع بيروت۔
قال ارواح المشائخ حاضرة يعلم يكفر ...... الخ، بزازية، الثانى فيما يتعلق بالله، ج ٦ ص ٣٢٦، طبع رشيديه كوئٹه۔ فينبغى او يجب التباعد عن هذه العبارة (الموهم لمعنى الشرك)، الشامية، مطلب فى معنى درويش دويشان، ج ٦ ص ٣٩٦ طبع رشيديه كوئٹه۔
انه نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم من وراء الحجرات فقال يا محمد وفى رواية يا رسول ...... الخ، سورة الحجرات، الآية ٤ تفسير ابن كثير، ج ٥ ص ٦٤٧، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

بدعات کے ہے تو اس کے افضل ہونے میں اور موجب ثواب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

اور اذان سے پہلے جو صلوٰۃ وسلام ہے یہ بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

الجواب الصحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

کیا یا رسول اللہ نہ کہنے سے نکاح ختم ہو گیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ دوسرے نے اسے منع کیا کہ یا رسول اللہ نہیں کہنا چاہیے اس پر یا رسول اللہ کہنے والے نے شور بپا کر دیا کہ تیرا نکاح ختم ہو گیا۔ تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا جو شخص یا رسول اللہ نہ کہے اس کا نکاح از روئے فقہ حنفی ختم ہو جاتا ہے۔ مدلل تحریر فرما کر مشکور فرماویں۔

نوٹ: جو شخص یا رسول اللہ کہتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہے اور جو شخص اسے منع کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خاصۂ خداوندی ہے۔ اس لیے یا رسول اللہ کہنا خلاف شرع ہے۔

﴿ج﴾

شرح فقہ اکبر میں ہے۔ **ثم اعلم ان الانبیاء علیهم السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الاما اعلم الله تعالی احیانا وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیه السلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله کذا فی المسایرة ص ۱۸۵** (۲)۔

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے (۳) اور جو عقیدہ نہیں تو کفر نہیں (۴)۔ البتہ اگر اس کلمہ کو درود

---

۱) والزیادة فی الاذان مکروهة، بحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ٤٥٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، مشکوة المصابیح، باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانه۔

۲) شرح الفقه الاکبر، ص ٤٢٢، طبع بیروت۔

۳) وبالجملة فالعلم بالغیب امر تفرد به سبحانه ...... وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاده ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب۔ قال ارواح المشائخ: حاضرة یعلم یکفر، بزازیة، الثانی فی ما یتعلق بالله، ج ٦ ص ۳۲٦، طبع رشیدیه کوئٹه۔

٤) شاعرانه طورع بالله یا ظبیات القاع قلن لنا، الیلا منکن ام لیلاً من البشر، وقال جامی، زخاك ای لاله سیراب برخیز: چونه گس خواب چند از خواب برخیز، تفسیر ابن کثیر۔

شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ پر پیش کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود شریف مومن بندہ کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ اور ایک صنف ملائکہ کی اسی خدمت پر مامور ہے۔

اس بیان سے آپ کے سوال کا جواب واضح ہوا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص نے کئی بار روبرو گواہان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے اور معراج شریف اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سخت سست الفاظ کہے۔ ایسے شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ نیز ایسے اشخاص جو اس رویہ میں امدادی اور حمایتی ہوں ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

سائل حاجی نبی بخش کوٹ ٹھنا

﴿ج﴾

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا بد بخت اپنی آخرت اور دنیا کو تباہ کر دیتا ہے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے(۲)۔ لیکن جب تک وہ کلمات جو اس شخص نے کہے ہیں، سامنے نہ ہوں کہنے والے پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ کیا معلوم کہ وہ کلمات کیسے ہیں۔ کیا واقعی وہ کلمات توہینی ہیں۔ یا آپ نے اس کو توہینی سمجھا ہے۔ اس لیے بغیر کلمات معلوم کیے اس شخص پر میں کوئی حکم نہیں لگاتا۔ اگر آپ نے وہ کلمات ارسال کر دیے تو کوئی حکم لکھا جا سکتا ہے(۳)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۵ صفر

---

۱) تفسیر ابن کثیر / فقال یا محمد یارسول الله، الخ ص ۲٦٥، ج ٤، بیروت

۲) وفی خلاصة الفتاوی۔ "من شتم النبی صلی الله علیهوسلم واهانه او عابه فی امور دینه اوفی شخصه اوفی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشاتم من امته اوغیرها...... سواء کان الشتم او الاهانة صادر عنه عمدا اوسهوًا وغفلة او جدا اوهذلاً فقد کفر" (الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الجنس الثالث، ص ۳۸٦، ج ٤، طبع مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

۳) وفی البحر الرائق: وفی خلاصة الفتاوی وغیرها: اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم، کتاب السیر، احکام المرتدین، ج ٥ ص ۲۱۰، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ومثله فی التاتار خانیه: ج ٥ ص ٤٥٨، فصل فی اجراء کلمة الکفر۔ ومثله فی الفتاوی العالمگیریة، ج ۲ ص ۲۸۳، کتاب السیر قبل الباب العاشر فی البغاة، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

خدااوررسول کے نام والے اشتہار کوجلانے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں میں اہل سنت والجماعت کی اکثریت ہے لیکن صرف تین گھر شیعوں کے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک شیعہ لڑکے نے مسجد میں کھڑے ہوکر اہل سنت والجماعت کو گالیاں دیں اور سنیوں کا ایک اشتہار جلا دیا۔ جس میں خدااوررسول۔ احمد، محمد قسم کے نام موجود تھے۔ وہ صحابہ کرام کی کھلم کھلا توہین کرتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ جو ان مقدس ناموں کو جلاتا ہے۔ اور صحابہ کرام کی توہین کرتا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کسی ایسے اشتہار کو جلا دینا جس میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لکھے ہوں علی الاطلاق کفر نہیں ہے۔ ہاں اگر مقصد ہی اس جلانے سے خدااوررسول ﷺ کے مبارک ناموں کی توہین ہوتو یہ کفر ہے [(۱)]۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب وشتم کو جائز اور حلال سمجھنا کفر ہے [(۲)]۔ محض سب کرنا بدون حلال سمجھنے کے کفر نہیں ہے [(۳)]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۷، ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۷۔۴۔۱۳۸۷ھ

---

۱) كما في البحر الرائق: فيكفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه ...... او نسبه الى الجهل او العجز او النقص، كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ۵ ص ۲۰۲، طبع مكتبه رشيديه۔
وهكذا في الفتاوى العالمگيرية: كتاب السير، مطلب موجبات الكفر انواع منها ما يتعلق بالإيمان، والاسلام، ج ۲ ص ۲۵۸، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وايضاً في خلاصة الفتاوى، من شتم النبي صلى الله عليه وسلم واهانه او عابه في امور دينه او في شخصه او في وصف من اوصاف ذاته ...... فقد كفر، كما مر، ج ٤ ص ۳۸٦، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) وفي شرح الفقه الاكبر، نعم لو استحل السب او اللعن فهو كافر، لا محالة، ج ص ۲۱۱، طبع دار البشائر الإسلامية۔

۳) وفي الجامع الترمذي: "عن ابن عمر رضي الله عنهما: اذا رايتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"، باب في من سب اصحاب النبي ﷺ، ج ۲ ص ۲۲۵، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔
وفي رد المحتار: اتفق الائمة على تضليل اهل البدع اجمع وتخطئتهم، وسب احد من الصحابة و بغضه لا يكون كفراً، مطلب مهم في حكم سب الشيخين، ج ٦ ص ۳٦۳، مكتبه رشيديه كوئته۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور تھے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک آدمی نے اپنا عقیدہ یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور تھے لیکن دنیا میں بشریت کا لباس پہن کر مبعوث کیے گئے۔ کیا یہ آدمی جو کہ عالم فاضل ہے۔ کس جماعت میں داخل ہوگا۔ بریلوی یا دیوبندی میں یا کسی میں بھی نہیں ہے اور یہ عقیدہ مذکور غلط ہے یا درست ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر ناظر تو نہیں ہیں۔ لیکن جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔
یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط قبر میں ہر مومن اپنے نور ایمان کی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لے گا۔ ان سوالوں کے جواب مختصر درکار ہیں اور یہ بھی تحریر فرمایں کہ ایسے عقائد والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

یہ عقیدہ محض رکھنا غلط ہے۔ یاد رکھو جو حقیقت میں بشر نہیں ہوتے وہ کبھی کھاتے پیتے نہیں نکاح بھی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تھے تو انہوں نے جب کھانا کھانے کو کہا تو فرشتوں نے نہیں کھایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں تو دوبارہ کہنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ فرشتے کبھی نہیں کھاتے۔ **قال اللہ تعالیٰ فلما رأی ایدیھم لاتصل الیہ** ۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے تھے۔ نکاح وغیرہ کرتے تھے۔ اس عقیدہ کی تردید روح المعانی میں جو کہ سب سے مشہور تفسیر ہے۔ واضح الفاظ میں مرقوم ہے [1]۔ نیز قرآن شریف میں کئی مقامات پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں بشر تھے آیت کریمہ ہے۔ **ھل کنت الا بشرا رسولا** یا **قل انما انا بشر** یا **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا** وغیرہ وغیرہ [2] اور یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں

---

۱) سورۃ فرقان، ج ۱۸، ص ۵۸۰، طبع دار حیاء التراث العربی۔
۲) ھل کنت الا بشراً، سورۃ بنی اسرائیل، الآیۃ ۹۳۔
قل انما انا بشر مثلکم، الکھف، الآیۃ ۱۱۰۔ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً، الآیۃ ۹۔
لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم، سورۃ آل عمران، الآیۃ ۱۶۴، عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃ، بباب حجرتہ، فخرج الیھم فقال انما انا بشر...... البخاری، ج ۲ ص ۱۰۶۳، باب موعظۃ الإمام للخصوم، طبع قدیمی کتب خانہ۔

چاہیں جاسکتے ہیں۔تب تو حاضر ناظر ہوئے۔یہ عقیدہ بھی غلط ہے (۱)۔قبر میں ہر مومن نبی کریم علیہ السلام کو دیکھ کر ضرور پہچان لے گا (۲) ورنہ مومن نہ رہے گا۔مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے والا بریلوی ہے،اس کے پیچھے نماز ٹھیک نہیں (۳)۔جب تک وہ اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے (۴)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان،شہر ۱۹۔۱۱۔۱۳۷۸ھ

سیاہ وسفید کے مختار

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اولیاء کرام کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کو تصرف کا اختیار ہے اور سیاہ وسفید کے مختار بنا دیے جاتے ہیں۔ما کان و ما یکون اور لوح محفوظ کا علم دیے جاتے ہیں۔مشرق و مغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کرتے ہیں۔بہرصورت یعنی زندگی اور موت کے بعد دور و نزدیک سے ان سے مدد مانگنے والے کی مدد کرتے ہیں ان کو دور و نزدیک سے پکارنا جائز ہے (۵) اور کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں (۶) اور ہمارے حال سے باخبر ہیں۔آپ کو بھی بطریق اولی دور و

---

۱) اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر وناظر وعالم خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است اعتقاد شرك است" مجوعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، ج ٤ ص ٣٢١، طبع امجد اکیدمی۔

۲) (ما کنت تقول فی هذا الرجل) قیل یصور صورته علیه الصلاة والسلام فیشار الیه، مرقاة، ج ۱ ص ٣٤، باب اثبات عذاب القبر، رشیدیه کوئٹه۔

۳) وفی الدر المختار والشامی: "ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق واعمی الا ان یکون اعلم القوم ومبتدع لا یکفر بها وان کفر بها فلا یصح الاقتداء به اصلاً، ج ۲ ص ٥٦۔٣٥٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔ وکذا فی تبیین الحقائق: وحاصله انه ان کان هوی لا یکفر به صاحبه ویجوز مع الکراهة والا فلا ......، کتاب الصلوة، ج ۱ ص ٣٤٤۔٣٤٥، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت۔

٤) التائب عن الذنب کمن لا ذنب له، مشکوة باب الاستغفار، ص ٢٠٦، قدیمی کتب خانه۔

٥) قال تعالی: "قل من بیده ملکوت کل شیء وهو یجیر ولا یجار علیه ان کنتم تعلمون، المؤمنون، الآیة ٨٨۔ویعبدون من دون الله ما لا یملك لهم رزقاً من السموات والارض شیئاً ولا یستطیعون، الآیة ٧٣۔ وفی الدر المختار ومنها: انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالی واعتقاده ذلك کفر" مطلب فی النذر، ج ٣ ص ٤٩١، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

٦) تقدم تخریجه تحت عنوان نبی جهاں چاهے جا سکتا هے۔ ص ٣٨٨۔

نزدیک سے مدد کے لیے پکارنا جائز ہے اور علم غیب جانتے ہیں (۱) اور کہتا ہے کہ ظاہری اور باطنی نعمتیں بانٹنے اور اور بادشاہوں کو بادشاہ اور امیروں کو امیر کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بڑا دخل ہے۔ یا علی مشکل کشا۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی المدد پکارتا رہتا ہے (۲)۔ کیا ایسے شخص کو خالص سنی حنفی مسلمان جان کر اسے امام بنانا اور اس کو رشتہ دینا اور اس سے دوستی کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مندرجہ بالا عقائد میں سے اکثر محض باطل اور قرآن وسنت کی صریح تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ایسے عقائد رکھنے والے کو حبط اعمال کا عظیم خطرہ ہے۔ ان سے اجتناب لازم ہے (۳)۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے اور اس کے ساتھ دوستی محض اس کی اصلاح کی خاطر درست ہے (۴)۔ بعد از اصلاح عقائد دوستی اور رشتہ وغیرہ تعلقات رکھنے چاہئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۴۔۴۔۱۳۸۸ھ

---

۱) قال الله تعالى: عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضى من رسول فانه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصداً، الجن ۲۶،۲۷۔ وقال الله تعالى: (وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء، آل عمران،۱۷۹

قال العلامة الآلوسي: فالله سبحانه وتعالى عالم كل غيب وحده، فلا يطلع على ذالك المختص علمه به تعالى اطلاعاً كاملاً احداً من خلقه، ليكون اليق بالتفرد وابعد من توهم مساواة علم خلقه بعلمه سبحانه واذا يطلع جل وعلا اذا طلع من يشاء على بعضه مما تقتضيه الحكمة التي هي مدار سائر افعاله عزوجل ...... اى لكن الرسول المرتضى يظهره، جل وعلى عليه بعض الغيوب ......، روح المعاني، الجن ۲۶،۲۷،۲۹،۹۶، دار احياء التراث العربي، ولا اعلم الغيب، اى ولا اقول لكم اني ذاك من علم الله عزوجل، ولااطلع منه الا على ما اطلعني عليه" تفسير ابن كثير، الانعام، ۱۸۱/۲،۵، مكتبه دار البخارى۔

۲) وفي الدر المختار: ومنها انه ان ظن الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر، مطلب في النذر، ج۳ ص ۴۹۱، طبع رشيديه كوئته۔

۳) (والاحق بالإمامة) (الا علم باحكام الصلاة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهر، شامي مطلب في تكرار الجماعة، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وهكذا في الهندية: الفصل الثاني في بيان من هو احق باب الإمامة، ج ۱ ص ۸۳، طبع رشيديه كوئته۔

۴) لا يتخذ المؤمنون الكفرين اولياء من دون المؤمنين ...... الا ان تتقوامنهم تقة، آل عمران، الآية ۲۸، اگر دل سے ان کے عقیدے کو برا سمجھے مگر معاملات اور تعلقات میں ان سے خوش اسلوبی سے پیش آئے یہ بالاجماع جائز بلکہ ایک درجہ میں مستحسن ہے۔ معارف القرآن، ج ۱ص ۵۹۵، مولانا ادریس کاندہلویؒ۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔ دونوں کا وجود اپنی اپنی جگہ پر ہے دوسری شکل یہ بتائی جاتی ہے کہ جتنی بھی کائنات موجود ہے۔ خالق کا وجود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بن و بر شکل جہان آیا ہر صورت میں عیاں آیا۔ لاموجود الا اللہ تیسری شکل یہ ہے کہ مخلوق کا وجود سرے سے ہی نہیں۔ کیا یہ تمام شکلیں درست ہیں یا ان میں سے کون سی شکل درست ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پہلی شکل صحیح ہے [۱] اور اس کا سمجھنا سہل ہے۔ دوسری دو شکلوں کا اگر ظاہر مطلب لیا جائے تو غلط ہے اور اگر اس کی کوئی صوفیانہ یا فلسفیانہ تاویل مراد لی جائے تو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اور ان کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی کوئی صحیح تاویل مجھ ناقص کم فہم کا کام ہے۔ بہرحال آپ پہلی شکل کے مطابق ہی عقیدہ رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ محرم ۸۶ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خانگڑھ شہر میں بر سر بازار عشاء کے لگ بھگ وقت میں ایک منافق شیعہ نے اپنے جسم کے دبر سے پڈ آواز دار مارا حاضرین جو موجود تھے تمخول کے طور پر اس آواز کو یوں کہا گستاخ کلمات سے نعوذ باللہ یہ پڈ ارواح معاویہ کے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو طیش آیا۔ انہوں نے تھانہ پولیس میں جا کر مقدمہ درج کرا دیا ایک سال کے لگ بھگ ہو چکا ہے مقدمہ چل رہا ہے فرد جرم بھی عدالت سے ملزم پر عائد ہو چکا ہے۔ ملزم ملازم پٹوار ہے۔ ملازمت سے معطل ہے مگر اب ملزم پشیمان ہے وہ مسلمانوں کو ہر تحریر تو بہ نامہ و معافی نامہ تحریر کر دینے پر تیار ہے مسلمانان خانگڑھ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے تذکرہ کیا جو کہ اتفاقیہ خانگڑھ ایک عرض پر تشریف لائے، انہوں نے منع فرمایا کہ اس کا فیصلہ عدالت کرے گی،

---

۱) هو الله الخالق، الحشر، الآية ٢٤، خلق الخلق سليماً من الكفر والإيمان، شرح فقه الاكبر ص ١٤٤، طبع دار البشائر الإسلامية۔

مسلمانوں کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔ چنانچہ مسلمانان خانگڑھ مولانا صاحب کے فرمان پر قائم ہیں مگر عدالتیں اور وکلاء فریقین کے مدعیان کو دو تین دفعہ راضی نامہ کے لیے کہہ چکے ہیں اور مجبور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہے کہ ہماری بات نہ ماننے پر عدالت ملزم کو خفیہ سزا دے یا صفائی لے کر اسے بری کردے تو مزید شرارت اور بدنامی کا باعث رہے گا۔ بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ ملزم سے تحریری معافی نامہ وتوبہ نامہ لکھا کر اپنے قبضہ میں رکھا جائے تو ہمیشہ کے لیے رعب رہے گا آئندہ کوئی شیعہ ایسی بدکلامی نہ کرسکے۔ عدالت میں صرف راضی نامہ دے کر مثل مقدمہ داخل رجسٹر کرائی جاوے۔ دوسرا یہ بھی خیال آتا ہے کہ عدالت تاریخ دیتے دیتے فیصلہ نہ سنائے جس سے مسلمان تنگ ہوکر پیروی سے کوتاہی کردیں اور جب عدالت کا منشاء صلح نامہ پر ہے تو مسلمانوں کا کس طرح حوصلہ بلند رہے اور کیسے یقین کریں کہ عدالت مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کرے گی۔ لہٰذا از روئے شریعت کیا جواب ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں مسلمانانِ علاقہ خان گڑھ (جہاں اس شیعہ نالائق نے گستاخی کی ہے) اکٹھے ہوکر جو لوگ سمجھ دار اور تعلیم یافتہ اور سنجیدہ خیال ہیں مشورہ کریں اور ایک نیک ودیانتدار لیکن سمجھدار اور تجربہ کار آدمی کو اس مشورہ میں بڑا بنادیں۔ پھر ہر پہلو پر غور کریں اور سوچیں اگر صلح کرلینے میں فائدہ دیکھیں تو اس سے معافی نامہ لے کر معاف کردیں [1]۔ تاکہ اہل اسلام کا رعب قائم رہے اور آئندہ کے لیے شیعہ لوگوں کو گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہوسکے اور اگر باہمی مشورہ سے مقدمہ جاری رکھنا مفید ہو تو مقدمہ بھی جاری رکھ سکتے ہیں [2]۔ بہرحال شریعت مقدسہ میں دونوں باتوں کی اجازت ہے۔ فقط والسلام۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فدوی کا ایک اہل تشیع کے ساتھ رشتہ ہے۔ میری بھتیجی اس کے گھر میں ہے اور وہ خود اہل تشیع کے ساتھ پورا ملا ہوا ہے اور خاص کر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں

---

۱) وتصلحوا بين الناس، سورة البقرة، الآية ۲۲۴۔

۲) قال تعالى: ادع الى سبيل ربك بالحكمة ...... والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن، سورة النحل، الآية ۱۲۵۔

بہت گستاخی کرتا ہے اور پردے کا بالکل انکار کرتا ہے۔ شرعی ڈاڑھی کا بھی منکر ہے۔ آیا اس شخص کے ساتھ تعلقات رکھنا شریعت مطہرہ کی رو سے کیسے ہیں۔ بالتفصیل تحریر فرمادیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں یہ شخص فاسق ہے (۱)۔ اسے سمجھایا بجھایا جائے کہ وہ اس شیعہ دوستی اور مذکورہ بالا برے کردار وعمل سے باز آجائے اگر یہ شخص سمجھانے کے باوجود بھی اس شیعہ دوستی اور مذکورہ بالا برے اعمال سے باز نہیں آتا تو اس سے برادری اور عامۃ المسلمین قطع تعلق کریں (۲) تا آنکہ وہ تائب ہوجائے (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۵ محرم ۸۴ھ

صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام دریں مسئلہ کہ ایک شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا ہے۔ خاص کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ کہتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ دونوں حضرات ملعون ہیں۔ آیا شریعت مطہرہ کی رو سے یہ شخص کافر ہے یا فاسق۔ اور اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز دوسرے عام مسلمان اس سے کیا برتاؤ کریں جبکہ یہ اس عقیدے کا پرچار بھی کرتا ہے۔ مفصل بیان فرمادیں۔

---

۱) اتفق الائمة على تضليل اهل البدع اجمع وتخطئتهم وسب احد من الصحابة وبغضه لا يكون كفراً، در مختار، ج ٤ ص ٣٣٥، مطلب مهم في حكم سب الشيخين، وفي شرح العقائد: فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية كفر كقذف عائشه رضي الله عنه والا فبدعة وفسق، ص ١١٦، وفي الجامع الترمذي: عن ابن عمر رضي الله عنهما اذا رايتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على ......، بابٌ في من سب اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ج ٢ ص ٢٢٥، طبع ايچ ايم سعيد۔

۲) قال الله تعالى: (ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار) والركون الى الشيء هو السكون اليه بالانس والمحبة فاقتضى ذلك النهي عن مجانسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى (فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين، احكام القرآن للجصاص، سورة هود، ج ٤ ص ٣٧٩۔

۳) عن عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه، التائب من الذنب كمن لا ذنب له، مشكوة المصابيح، باب الاستغفار، ص ٢٠٤، طبع قديمي كتب خانه۔

﴿ج﴾

یہ کفر نہیں بلکہ فسق ہے [۱] قریب بہ کفر اور مسلمان عورت کا نکاح اس سے بنا بر عدم کفاءت ناجائز ہے [۲] اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس سے بالکل بائیکاٹ کریں [۳] اور متعصب قسم کا شیعہ بھی علی الاعلان اس قسم کے الفاظ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی کہے تو قانون کے تحت اسے گرفتار کرایا جاسکتا ہے اور ایسے آدمی کو ہرگز ایسے الفاظ منہ سے نکالنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

حضرت مغیرہ کی شان میں گستاخی

﴿س﴾

جمیع اہل السنۃ والجماعۃ کا تواتر سے ثابت اجماعی عقیدہ ہے کہ **الصحابة کلهم عدول لانذکر احدا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الابخیر۔**

ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھا کہ:

(۱) ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اس عبارت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مفاد پرست اور شریعت مقدسہ پر اپنی غرض اور مفاد کو ترجیح دینے والا کہا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں انہوں نے اور بھی لکھا۔

(۲) اس دور کے تغیرات میں سے ایک اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ اس پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور ایک نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ وغیرہ

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان "حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی فی صفحه هذا۔

۲) فلیس فاسق کفؤا لصالحة، شامی باب الکفاءة، ج ۳ ص ۸۹، ایچ ایم سعید۔

۳) قال الله تعالی: (ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار) والرکون الی الشیء هو السکون الیه بالانس والمحبة فاقتضی ذلك النهی عن مجانسة الظالمین ومؤانستهم والانصات الیهم وهو مثل قوله تعالی: (فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین)، احکام القرآن للجصاص، سورة هود، ج ٤ ص ۳۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے الجفاء نار فیہ سبائی کے لیے جو کارروائی کی اس کے متعلق لکھا ہے کہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام چلنے لگا۔ ہر اردو دان پڑھنے والا اس عبارت کو سمجھ گیا کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے جاہلیت کے دور کے قبائلی نظام کا سا کام کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ثالث خلفاء راشدین کی شان میں لکھا کہ اس پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا۔ کسی کی غلطی وہی شخص پکڑ سکتا ہے جو اس سے بڑا ہو۔ اس عبارت میں اس لکھنے والے صاحب نے حضرت عثمان سے اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تغلیط وتنقیص کی۔ احقر کی رائے میں ان صاحب کا ان چاروں صحابہ کی شان میں ایسا لکھنا یقیناً (یقین نمبر ۱) اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے اور اس لکھنے کی وجہ سے یہ لکھنے والا اگر اپنے اس لکھنے سے رجوع اور توبہ شائع نہ کرے۔ تو یقیناً (یقین نمبر ۲) اہل سنۃ والجماعت سے خارج ہو گیا۔

احقر پورا ایک سال کا وقت خرچ کر کے اور کتابیں منگوا کر کے اپنے آٹھ رفقاء سے کتابیں مطالعہ کرا کر اس نتیجہ پر پہنچا۔ آپ کے نزدیک احقر کی یہ رائے شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم الله الله في اصحابي لاتتخذوهم من بعدي غرضا من احبهم فبحبي احبهم و من ابغضهم فببغضي ابغضهم [1]۔ شخص مذکور کی عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جذبہ محبت تو موجود نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس بغض کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا شخص مذکور کسی طرح بھی اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ نقطہ نظر شرعاً بالکل درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۹۔۸۔۱۳۸۸ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے والے کا حکم

اس مسئلہ میں دین کے علمبردار کیا فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصلی کیا مقام ہے اور ان پر لعنت بھیجنے والا اسلام کے پیش نظر کیسا ہے۔ حقائق کو مدنظر رکھا جائے اور مدلل اقوال پیش کیے جائیں۔

---

۱) جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء في فضل من بايع تحت الشجرة، ص ۲۲۵، ایچ ایم سعید کراچی۔
وایضاً في المشكوة، باب مناقب ابي بكر رضي الله عنه، الفصل الثاني، ص ٥٥٤، طبع قديمي كتب خانه۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام لکھنے کا تو یہ موقع نہیں۔ البتہ اختصاراً اتنا عرض ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں (۱) اور تمام انسانوں میں اور تمام زمین پر بسنے والوں میں صحابہ کا جو مرتبہ ہے وہ کسی کو نصیب نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ مہاجر ہوں یا انصار تمام مسلمانوں سے بہتر، افضل، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور پیغمبر خدا کے محبوب ہیں۔ تمام جنوں اور انسانوں سے افضل و برتر ہیں (۲)۔ کسی صحابی پر لعنت بھیجنے والا یا کسی صحابی کی توہین کرنے والا شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے (۳)۔

صورت مسئولہ میں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ فوراً توبہ تائب ہو جائے (۴) اور آئندہ کے لیے کسی صحابی کی شان میں کسی قسم کا توہین آمیز کلمہ ہرگز استعمال نہ کرے۔ ورنہ سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ واللہ

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۷۔۵۔۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

---

۱) وکان (معاویہ رضی اللہ عنہ) من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھدبہ" جامع الترمذی، مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ، ج ۲ ص ۲۲۴، طبع ایچ سعید کراچی، وایضاً فیہ "فقال عمیر: لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ اھدہ، ج ۲ ص ۲۲۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) لقد رضی اللہ عن المؤمنین، الفتح الآیۃ ۸، السابقون الاولون من المھاجرین والانصار، سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۰، محمد رسول اللہ والذین معہ، الفتح ۴۹، وفی الصحیح البخاری: ولا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ، ج ۱ ص ۵۱۸، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی، وھکذا فی صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۱۰، قدیمی کتب خانہ۔
وفی شرح عقیدۃ الطحاویۃ: لقد صدق عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فی وصفھم، حیث قال ان اللہ تعالی نظر فی قلوب فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلوب العباد، فاصطفاہ لنفسہ وابتعثہ برسالۃ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ۔ (ص ۴۶۵، دار ابن رجب بیروت)۔

۳) ففی شرح العقائد سب الصحابۃ، وطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ رضی اللہ عنھا والا فبدعۃ وفسق ...... ص ۱۱۶، طبع دار الاشاعۃ والعربیۃ، کوئٹہ۔
وفی رد المحتار، اتفق الائمۃ علی تضلیل اھل البدع اجمع وتخطئتھم وسب احد من الصحابۃ وبغضہ لایکون کفراً لکن ، باب المرتد، ج ۴ ص ۳۳۷، طبع ایچ ایم سعید۔

۴) انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء، سورۃ النساء، الآیۃ ۱۷۔

توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتکب کی معافی کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بازار میں علی الاعلان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب کیا اور یہ بھی کہا کہ اسی طرح کرتا رہوں گا۔ اس پر ایک سنی نے تھانہ میں رپورٹ درج کرائی پولیس نے اس پر مقدمہ درج کر کے عدالت میں مقدمہ بھیج دیا جواب چل رہا ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معافی دے کر صلح کر لی جائے۔ کیا اس سنی شخص کو جو مدعی ہے حق حاصل ہے کہ وہ اس کو معافی دے کر صلح کر لے اور مقدمہ چھوڑ دے یا اس قسم کی صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ج﴾

جو لوگ اس واقعہ کے اندر مبتلا ہیں وہ حالات کا جائزہ لیں۔ اگر صلح کرنے میں فائدہ نظر آجائے (۱) مثلاً توبہ تائب ہو جاوے اور صدق دل سے وعدہ کرے کہ میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ تو صلح کر لی جاوے مگر شرط یہ ہے کہ حکومت کے جو ذمہ دار افسر ہیں ان کا دخل اس صلح میں ضرور ہو تاکہ آئندہ کو اگر وہ شرارت کرے تو حکومت کے ان ذمہ داروں کے ذریعہ تنبیہ کی جا سکے اور سزا دی جا سکے اگر اس مصالحت کا مقصد دفع الوقتی اور دھوکہ دینا ہے تو صلح کرنا مفید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

خلفاء کو غاصب کہنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی پہلے اہل سنت والجماعت میں تھا اب وہ شیعہ مذہب اختیار کر چکا ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا ہے اور غاصب شمار کرتا ہے۔ خصوصاً اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ ناحق اور غاصب کہتا ہے اور سخت الفاظ میں گالیاں بھی ابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ عنہم کو دیتا ہے اور اعلانیہ طور پر کہتا رہتا ہے کہ یہ خلیفہ غاصب تھے۔ لہٰذا ایسے شخص سے السلام علیکم کرنا یا رد سلام شرعاً کیسا ہے برادری ورشتہ ناتا کرنا ایسے شخص کے ساتھ شرعاً اہل السنت والجماعت کو جائز ہے یا نہیں۔ دلائل واضحہ سے بیان فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

---

۱) وتصلحوا بين الناس، سورة البقرة، الآية ۲۲۴۔
ادع الى سبيل ربك بالحكمة ......سورة النحل، ۱۲۵۔

﴿ج﴾

ایسا شخص مبتدع اور فاسق ہے (۱) جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو علی الخصوص خلفاء ثلاثہ کو گالی بکتا ہے۔اس کے ساتھ رشتہ ناتا جائز نہیں (۲) تاوقتیکہ صحیح طور سے تائب (۳) نہ ہو اسی طرح السلام علیکم اور ردسلام بھی اس سے ختم کر دیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم، کچہری روڈ، ملتان شہر

کافر و مرتد قرار دینا جہالت ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ ذاکر نے تقریر کے درمیان واقعہ باغ فدک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باغ فدک کا انکار کیا تھا۔اگر میں موجود ہوتا تو ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی ڈاڑھی پکڑ لیتا۔(العیاذ باللہ) شیعہ مولوی کی اس بات کوسن کر ایک سنی صحیح العقیدہ شخص نے تردیداً جواب میں کہا کہ اگر واقعی حقیقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق غصب کیا اور دینے سے انکار کیا تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ قیامت کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑے تجھے اور مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسی باتیں کریں۔پھر یہی شخص مذکور سنی العقیدہ کو جب لوگوں نے احساس دلایا کہ آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں۔تو جواب میں اس شخص نے کہا کہ جوش تردید میں نادانستہ طور پر سہواً مجھ سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔میں استغفار کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزۃ و بارگاہ صدیق رضی اللہ عنہ سے معافی کا خواستگار ہوں۔بعدازیں ایک مولوی صاحب سنی العقیدہ آئے اور انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہی شخص مذکور سنی العقیدہ جس نے معافی چاہی ہے اور استغفار بھی کیا ہے وہ کافر و مرتد ہے اور خرسیاہ پر اس کا منہ کالا کر کے برسرعام پھرایا جائے۔اب اس مندرجہ بالا استفتاء میں مندرجہ ذیل امور جواب طلب ہیں کہ

(۱) کیا ذاکر نے جو ہذیان بکا ہے اس کے جواب میں تردیداً سنی العقیدہ شخص نے جو الفاظ کہے ہیں۔ان

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان، صحابه کی توثیق، ص ۲۹۱۔

۲) تقدم تخریجه تحت عنوان، صحابه کی توهین جز نمبر ۲، ص ۲۹۱۔

۳) عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له، مشکوة المصابیح، باب الاستغفار، ص ۲۰۳، طبع قدیمی کتب خانه۔

سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے یا نہیں۔

(۲) اگر توہین کا پہلو نکلتا ہے تو اس کے لیے توبہ واستغفار اور لوگوں کے سامنے ندامت ومعافی از باری تعالیٰ کا اظہار کافی ہے یا نہیں؟ اور دوسرے مولوی صاحب نے جو کفر وارتداد وغیرہ کا فتویٰ دیا ہے وہ لاگو ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر توہین کا پہلو شرعاً نہیں نکلتا تو دوسرے مولوی نے جو کفر وارتداد کا حکم دیا ہے اور ایک مسلمان کو کافر قرار دیا ہے۔ تو اس مولوی صاحب کے لیے کیا حکم ہے۔ جب کہ شرع شریف میں تصریح ہے کہ ایک صحیح مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

محمد عبدالواحد ساکن لودھراں شہر ضلع ملتان

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں زید کو کافر اور مرتد قرار دینا جہالت و نادانی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ایسا مفتی و مولوی صاحب خود اس تکفیر کی زد میں نہ آ جائے [۱]۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ نیز زید کا اعلانیہ توبہ و استغفار کرنا کافی ہے [۲]۔ مزید چہرہ سیاہ کرنا وغیرہ ہرگز ہرگز جائز نہیں [۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جس شخص نے زید کے ارتداد کا فتویٰ دیا ہے وہ افتاء کے منصب کے قابل نہیں جاہل ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس فتویٰ سے رجوع کرے اور اعلانیہ توبہ تائب ہو جائے۔

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

---

۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھاء ای رجع باثم تلك المقالة احدھما مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان، ج ۹ ص ۵۵، دار الکتب علمیة بیروت۔

وھکذا فی فتح الملھم شرح صحیح مسلم، کتاب الإیمان، ج ۲ ص ۳۵، دار العلوم کراچی۔

وھکذا فی البحر الرائق: باب احکام المرتدین، ج ۵ ص ۲۰۷، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) قال اللہ تعالی: الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا، سورۃ البقرۃ، الآیۃ ۱۶۰۔

۳) کما فی کنز الدقائق: حاشیۃ نمبر ۸، فقال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ تعزیرہ التشھیر، ولا یضرب ولا یسود وجھہ، کتاب الاقالۃ فی البیع والشراء، صفحہ ۲۹۷، طبع بلوچستان، بك ڈپو مسجد روڈ کوئٹہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) جو شخص شیعوں کی بارگاہوں میں ان کے سٹیجوں پر تقریریں کرے اور ان کے ساتھ لین دین رکھے از روئے شرع ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔

(۲) ایک شخص نے برسر منبر یہ جملے کہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ایک زلف پر قربان ہوں اور ہزاروں صدیق علی المرتضی پر قربان جائیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ لین دین اور کلام کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ مفصل جواب سے سرفراز فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) اگر شیعوں کے مذہب اور معتقدات کو اچھا سمجھتے ہوئے ان کی مجالس میں شرکت کرے اور ان کے سٹیجوں پر تقریریں کرے، ان کے ساتھ دوستانہ لین دین رکھے تو یہ شخص بھی شیعہ ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم بھی ان کے جیسا ہوگا۔ اور اگر معتقدات کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے ویسے ہی شرکت کر کے ان کے سٹیج پر تقریر کرے اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھے تو یہ شخص عاصی گناہ گار بنتا ہے۔ **کما فی الحدیث المرأ مع من احب[۱]. من تشبه بقوم فهو منهم[۲]. من كثر سواد قوم فهو منهم او كمال قال.**

(۲) ان کلمات سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بہت بڑی فضیلت اور بڑی فوقیت معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ٹپکتی ہے۔ ایسا شخص فاسق و مبتدع ہے ایسے شخص کو سمجھایا جائے[۳] اور توبہ تائب ہونے پر آمادہ کیا جائے[۴] ورنہ

---

۱) باب المرء مع من احب، ج ۲ ص ۳۳۲، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔ الصحيح للمسلم۔

۲) كتاب اللباس، الفصل الثانی، ص ۳۷۵، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔ مشكوة المصابيح۔

۳) كما فی شرح فقه الاكبر سب الصحابة والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر،...... والا فبدعة وفسق، ص ۲۱۳ تا ۲۱٤، طبع دار البشائر الإسلامية۔

وايضاً فی الشامية، كتاب النكاح، مطلب مهم فی وطیء السراری الخ، ج ٤ ص ۱۳٤، طبع رشيديه كوئته۔ وفی البحر، كتاب الصلوة، باب الإمام، ج ۱ ص ٦۱۱، طبع رشيديه كوئته۔

٤) كما قاله تعالى: انما التوبة على الله للذين الخ، سورة النساء، الآية ۱۷۔

كما فی الشامية: ما فيه خلاف ...... يؤمر بالاستغفار والتوبة الخ، كتاب الجهاد، مطلب جمله من لا يقتل الخ ج ٦ ص ۳۷۷، رشيديه۔

اس سے دوستانہ تعلقات قطع کر لیے جائیں (۱)۔ باتفاق جمیع اہل السنت والجماعت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کوتمام انسانوں پر سوائے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے فضیلت حاصل ہے (۲)۔ قال فی العقائد النسفية ص۱۰۷ مطبوعه كتبخانه مجيديه و افضل البشر بعد نبينا عليه الصلاة والسلام ابوبكر الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورين ثم على المرتضى رضى الله عنهم و فی شرح العقائد النسفيه للتفتازانی فسبهم (ای الصحابة) والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضى الله عنها والا فبدعة وفسق شرح عقائد ص۱۱۶ مطبوعه كتبخانه مجيديه (۳). فقط والله تعالىٰ اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۸۔۴۔۱۳۸۵ھ

امام حسین رضی اللہ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا عقیدہ

﴿س﴾
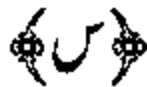
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد اگر لوگوں کو اس طرح کی ہدایت کرے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر و حضرت عثمان ذوالنورین و حضرت علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہم ان سارے اصحاب سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند ہے۔ بلکہ یہ بھی ساتھ کہے کہ یہ سارے اصحاب حضور پاک کے حضرت امام حسین کے غلام تھے۔

کیونکہ حضرت امام حسین نے لکھ کر دیا تھا کہ آپ ہمارے غلام ہیں اور اصحاب رسول نے سند سمجھ کر اپنے پاس لکھا ہوا خط قبر تک موجود رکھا۔ کیا ایسے عقائد رکھنے والے امام مسجد کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہی امام مسجد ایک مطلقہ عورت کی عدت طلاق ختم ہونے سے پہلے دوسرے خاوند ہونے والے کے گھر بٹھا دیوے اور وہ کئی دن تک عورت مرد اکٹھے کھاتے پیتے رہیں اور بعد عدت ختم ہونے کے وہ شخص مطلقہ عورت سے نکاح نہ کرے اور گھر سے نکال دیوے تو ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ مولوی صاحب خود جانتے ہیں کہ جب تک عدت ختم نہ ہو تو دوسرے شخص کے ساتھ مطلقہ عورت

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان "صحابه کی توہین" جز نمبر ٦، ص ٢٩٢۔
۲) كما فی شرح فقه الاكبر، وافضل الناس بعد ...... ابوبكر وفی شرحه والحاصل ان افضل الناس ابوبكر الصديق رضى الله عنه الخ، ص ١٨٢، طبع دار البشائر الإسلامية۔
۳) شرح العقائد ص ١١٤، طبع دار الاشاعة العربية كوئته۔

نہیں رہ سکتی اور پھر یہی مولوی صاحب حکم دیتے ہیں بلکہ خود لے کر اس شخص کے گھر مطلقہ عورت کو رکھنے پر مجبور کر کے کچھ عرصہ تک اس کے گھر میں رہائش کراتے ہیں۔ اس قسم کے مولوی صاحب کے متعلق علماء دین کیا حکم فرماتے ہیں۔

﴿ج﴾

مندرجہ بالا عقیدہ محض غلط عقیدہ ہے۔ اہل سنت حضرات کا متفقہ اور مسلمہ عقیدہ یہ ہے کہ حضرات شیخین بلکہ خلفاء راشدین تمام اشخاص سے افضل ہیں (۱)۔ اس طرح کی ضعیف اور موضوع روایات سے استدلال کرنا علم کی نہیں بلکہ جہالت کی دلیل ہے۔ ایسے شخص کو امام نہ رکھا جاوے (۲) بلکہ فوراً معزول کر کے کسی معتمد صحیح العقیدہ عالم کو امام مقرر کیا جاوے (۳)۔ ساتھ ہی عدت والی عورت کو کسی اجنبی شخص کے گھر بٹھانا بھی سخت گناہ ہے۔ لیکن تحقیق ضروری ہے کہ کیا واقعی امام مذکور نے یہ حرکت کی ہے یا ایسے خیالات کی اشاعت کی ہے یا نہیں (۴)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۷-۱-۸۸ھ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ زید شیعہ غیر تبرائی منکر صحبت صدیق رضی اللہ عنہ نہیں ہے۔ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کا قائل نہیں ہے۔ نہیں کہتا وہ کہ ان علیا کان الٰھا نزل من السماء اور نہیں کہتا وہ کہ النبوة کانت لعلي و جبرئیل اخطاء اور نہیں کہتا وہ کہ ان علیا افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیه

---

۱) تقدم تخریجه عنوان، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا) جز نمبر ۸، ص ۲۹۷۔

۲) کما فی تنویر الابصار (ویکرہ) تنزیهاً امامة عبد، ...... او فاسق واعمی، ونحوہ ...... (ومبتدع) ای صاحب بدعة، کتاب الصلوة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵، ۳۵۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔

ومثله فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۷ تا ۶۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی الدر المختار: الا ان یکون اعلم القوم الخ، کتاب الصلوة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵ تا ۳۵۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔

کما فی الهندیة: الاولی بالإمامة اعلمهم باحکام الصلوة هکذا فی المضمرات الخ، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، ج ۱ ص ۸۳، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

٤) کما فی الدر المختار: ولا تخرج معتدة رجعی وبائن الخ، کتاب الطلاق، مطلب فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۷، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وسلم ہاں یہ ضرور کہتا ہے کہ ان علیا افضل من الشیخین رضی اللہ عنہما اور مخالف علی کو برا بھلا نہیں کہتا اس نے اپنے عقیدہ و مذہب کے مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ کو نیاز حضرت عباس ابن حسین رضی اللہ عنہما از قسم حلوا پکایا۔ نیاز پر فاتحہ دلائی گئی۔ اس فاتحہ میں اکثر آدمی معتبر اہل سنت والجماعت حنفی کے اور کچھ بچے اہل سنت والجماعت حنفی کے اور کچھ شیعہ آدمی بھی تھے۔ بعد از فاتحہ کوئی تبرا وغیرہ نہیں کیا گیا۔ نیز فرض کرو کہ اس نیاز میں ایک حنفی نے ایک روپیہ چندہ کا ثواب سمجھ کر دیا نہ برائے امداد کچھ دن بعد اس نیاز کا تذکرہ چل نکلا۔ علماء سے نہیں نیم خواندہ مولویوں سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آیا جو حنفی سنی المذہب نے اس نیاز میں چندہ دیا ہو اور اسے ثواب سمجھ کر کھایا ہو تو کیا ان سنیوں کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہ؟ تو نیم خواندہ مولویوں نے جنہیں فقہ و حدیث و قرآن کا پورا یا کم علم بھی نہیں ہے۔ تو انہوں نے بیک جنبش لب فتویٰ صادر فرمایا کہ نکاح فسخ ہو گیا۔ اور کھانے والے سب کافر۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو شیعہ ہو گا وہ تبرائی و غالی ہو گا۔ غیر تبرائی و غیر غالی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہم ضرور ہی مانتے ہیں کہ ہر شیعہ تبرائی و غالی ہو گا۔ مگر وہ ہمارے سامنے غیر تبرائی غیر غالی ہونے کا حلفیہ بیان دیتا ہے۔ دلوں کا بھیدی اللہ ہے۔ مگر شیعہ ہے برا ضرور۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن حنفیوں نے شیعہ کے ہاں وہ نیاز کھائی اور چندہ دیا کیا ان کا نکاح جاتا رہا فسخ ہو گیا؟ اگر نکاح فسخ نہیں ہوا تو کیا جن حنفیوں نے نیاز کھائی یا چندہ دیا ہے گنہگار ہوئے یا نہ؟ کیا توبہ کر لیں۔ درمختار ج ۲ ص ۳۱۴ میں ہے **وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في عليؓ او ان جبرئيل غلط في الوحي او كان ينكر صحبة الصديقؓ او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر** انتهىٰ اور مولانا الحاج الحافظ عبدالحئی صاحب لکھنوی نور اللہ مرقدہ۔ اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۳۹ تا ۲۴۰ مطبع یوسفی لکھنو کتاب الحظر والاباحۃ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ہر چند کہ ایک جماعت فقہاء نے مطلقاً شیعہ کو بوجہ سب شیخین رضی اللہ عنہما کے کافر لکھ دیا ہے اور بر بنائے کفران کے ساتھ مناکحت کے حرام ہونے کا اور عدم صحت ذبیحہ روافض کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر امر منقح اور مفتیٰ بہ اور مرجح یہ ہے کہ جو منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، مناکحت ان کے ساتھ درست نہیں، شرکت ان کے ساتھ مثل شرکت اہل اسلام جائز نہیں اور جو ایسے نہ ہوں کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں، ذبیحہ ان کے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہیں، مناکحت بھی ان کی درست ہے۔ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اپنی کتاب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول صفحہ ۱۰۱ الناشر مکتبہ دارالاشاعت کراچی فتویٰ نمبر ۱۷۰ کے جواب میں لکھتے ہیں اگر در حقیقت عمر غیر تبرائی و غیر غالی است نکاح سنیہ باو جائز و صحیح خواہد شد۔ اگر چہ بہتر نیست کہ سنیہ را بنکاح شیعہ دادہ شود اگر عمر شیعہ غالی است کہ قائل افک عائشہ و منکر صحبت صدیق ست ایں چنیں شیعہ را علماء باتفاق کافر گفتہ اند۔ نکاح سنیہ باو صحیح نخواہد شد۔ لیکن بہر حال احتراز و اجتناب ازیں فرقہ ضالہ لازم است۔

وہرگز عقد مناکحت بایشان نکردہ شود الخ۔ جب اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر تبرائی وغیر غالی شیعہ کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ اگر چہ بہتر نہیں پرہیز چاہیے۔ تو کیا وجہ ہے کہ محض نیاز کھانے سے اور چندہ دینے سے نکاح فسخ ہو جاوے۔ اور لطف یہ کہ کفر کا فتویٰ بھی بحوالہ کتب معتبرہ حدیث وفقہ مرفوع ومتصل باسناد صحیحہ ثابت کرے اور عبارت عربی میں اور وضاحت مفصل اردو میں تحریر کریں۔ نام کتب اور مطبع صفحہ مع نام مصنف تحریر کریں۔ جواب مختصر مگر جامع ہو۔

سائل محمد عبدالرحیم عزیز......ملتان۔

﴿ج﴾

جس قسم کے شیعہ کا سوال میں ذکر ہے وہ حد کفر میں داخل نہیں ہے۔ اس بارے میں اس کا قول بھی کافی ہے حکم کفر سے بچنا ہی ضروری ہوتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ہر شیعہ غالی ہے اس لیے کافر ہے صحیح نہیں باوجود یہ کہ وہ خود اپنے عقائد کو ظاہر کر کے غیر غالی ہونے کا اقرار کرتا ہے[1]۔ باقی رہا نیازات غیر اللہ میں کچھ دینا تو اس میں تفصیل ہے اگر مقصد یہ ہو کہ اس میت کو ہمارے حالات کا ہر وقت علم ہوتا ہے اور وہ ہمارے حاجت روا اور ہماری مشکلات کو حل کرتے ہیں اور اولاد دیتے ہیں تو بتقرب الی غیر اللہ کفر ہے[2]۔ ردالمحتار ص ۱۳۹ ج ۲ میں ہے **منها ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر** [3] نیز اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔ درمختار ص ۱۳۹ ج ۲ میں ہے۔ **اعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الا نام**

---

۱) غالی شیعہ کافر ہے۔ کما فی الشامیة: وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية ...... فهو كافر، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئٹه۔
وايضاً في البحر الرائق: وان انكر خلافة الصديق فهو كافر الخ، كتاب الصلوات، بالإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئٹه۔
غالی نہ ہو تو کافر نہیں، کما فی الشامية، بخلاف ما اذا كان يفضل علياً او يسب الصحابة رضي الله عنهم، بانه مبتدع الخ، كتاب النكاح، مطلب مه في وطء السراري الخ، ج ٤ ص ١٣٤، طبع رشيديه كوئٹه۔ ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوت، باب الإمامة، ج ١ ص ٦١١، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) تقدم تخریجه تحت عنوان (قبروں پہ پیروں سے مطلب حاصل کرنا) جزء نمبر ۷، ص ۱۷۰۔

۳) شامي كتاب الصوم، مطلب في النذر الخ، ج ٢ ص ٤٩١، طبع رشيديه كوئٹه۔

وقد ابتلی الناس بذلک ولاسیما فی هذه الاعصار [۱]۔شامی نے ایک قول میں درمختار کے تحت مسئلہ کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔باب الصوم ج ۲ شامی قبل باب الاعتکاف اس مضمون پر فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم رحمہ اللہ ص ۹۹ جلد ثانی دیکھ لیں [۲] اور اگر غیر اللہ کے تقرب کی نیت نہ ہو بلکہ محض صدقہ للہ ہو اور ثواب اسی بزرگ کو پہنچانا مقصود ہو اس بزرگ کو متصرف، عالم الغیب، مالک نفع وضرر نہیں سمجھتا تو کفر نہیں اور نہ اس چیز کا کھانا حرام ہے [۳]۔اس تفصیل کے بعد اس آدمی چندہ دینے والے کا حکم معلوم کرلیا جاوے۔اور اگر معاملہ مشتبہ ہو کہ وہ کون سی قسم سے ہے تو بھی شک سے کفر نہیں لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۲ صفر

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت کا عقیدہ

﴿س﴾

مولوی کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی شان سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی شان زیادہ ہے۔اس کے متعلق حدیث یا قرآن مجید سے اس کا حوالہ دیں کہ مسئلہ ٹھیک ہے یا غلط اور کسی کتاب کا حوالہ نہ دیں۔

﴿ج﴾

اجماع امت مسلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تمام صحابہ، تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ اور آج تک کے علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نمبر آتا ہے۔جس طرح ان حضرات کی خلافت کی ترتیب ہے، اسی طرح ان کی فضیلت کی ترتیب ہے۔اجماع حدیث واحد سے زیادہ قطعی دلیل ہے۔اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی حدیث کی ضرورت نہیں رہتی۔اگر زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو کتب اہل السنۃ کا

---

۱) شامی، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الخ، ج ۳ ص ۴۹۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) عبد الحی لکھنوی ج ۲ ص ۱۹۳، مجموعۃ الفتاوی سعید۔

۳) …… جائز ہے۔ تقدم تخریجہ تحت عنوان (قبروں پر پیروں سے مکلب حاصل کرنا) جزء ۸، ص ۱۷۰

مطالعہ فرمائیں[۱]۔فقط واللہ اعلم۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل البشر ہیں

(س)
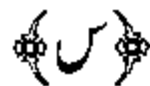
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید اور بکر دونوں سنی حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔مگر زید تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور برتر اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا امام اور پیشوا اور مذہبی اور اخلاقی اور روحانی مرشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانتا ہے۔اپنے دعویٰ کی دلیل میں چند آیات، متعدد احادیث، کتب عقائد کی عبارات اور بزرگان دین کے اقوال پیش کرتا ہے۔لیکن بکر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور برتر اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا امام اور مرشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مانتا ہے۔اپنے دعویٰ کی دلیل میں آیت تطہیر آیت مباھلہ. **انما ولیکم اللہ** ۔الایہ۔اور آیت **ھل اتی** وغیرہ اور حدیث غدیر **من کنت مولاہ** ۔اور **انا مدینۃ العلم وعلی بابھا** اور حدیث **لحمک لحمی دمک دمی** وغیرہ پیش کرتا ہے۔

واقعہ خیبر اور جنگ بدر، احد، حنین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ تو جنگ سے بھاگ گئے تھے۔نیز کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا اور مسجد میں شہید ہوئے اور تاجدار مدینہ پر سوار ہوکر بت توڑے تھے۔اس کے برخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تو حضور علیہ السلام سوار ہوئے تھے۔لہٰذا علی رضی اللہ عنہ افضل ہوں گے۔نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ خاندان نبوت کے فرد ہیں۔اصحاب ثلاثہ نہیں۔نیز یہ کہتا ہے کہ

---

۱) سب سے افضل صحابی، كما قاله تعالى: ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا، سورة التوبة، الآية ٤٠۔ كما في شرح فقه الاكبر: افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر رضى الله عنه ثم عمر بن الخطاب رضى الله عنه ثم عثمان بن عفان رضى الله عنه، ومثله في شرح العقائد النسفي، ص ١٠٧، طبع دار البشائر الإسلامي۔
ومثله في شرح العقائد النسفي، ص ١٠٧، طبع دار الاشاعت العربية كوئته، قندهار۔
كما في المسلم: عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه ادعى لى ابابكر اباك واخاك حتى اكتب كتاباً فإني اخاف ...... ويابى الله والمؤمنون الا ابابكر، ج ٢ ص ٢٧٣، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔
ومثله في البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما قال كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم فنخير ابابكر ثم عمر ثم عثمان الخ، مناقب ابى بكر رضى الله عنه، ج ١ ص ٥١٦، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔ وايضاً تقدم تخريجه تحت عنوان (حضرت ابوبكر رضى الله عنه پر حضرت حسين رضى الله عنه كو فضيلت دينا) جز نمبر ٨، ٩ ص ٢٩٦ تا ٢٩٧۔

حضرات اصحاب ثلاثہ محض اجماعی پریذیڈنٹ یعنی سیاسی راہنما تھے۔ وہ بیعت بھی محض سیاسی قسم کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک سیاسی لیڈر سمجھ کر ان سے بیعت کی۔ وہ بیعت مذہبی وروحانی قسم کی نہ تھی جس سے اصحاب ثلاثہ کو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا جاوے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اہل سنت والجماعت کے نزدیک افضل البشر بعد از انبیاء کرام علیہم السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب مطلق اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے امام اور مسلمانوں کے دینی ومذہبی اور اخلاقی وروحانی مرشد اور پیشوا تھے یا محض سیاسی لیڈر۔

(۳) زید کا عقیدہ صحیح ہے یا بکر کا۔ ان دونوں میں سے کس پر توبہ لازم ہے؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ افضل البشر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد باتفاق جمیع اہل سنت والجماعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ویسے فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی متعدد اور بے شمار ہیں۔ صرف سیاسی لیڈر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نہ تھے بلکہ صحیح طور پر خلیفہ راشد نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دینی، مذہبی اور سیاسی پیشوا تھے۔ متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جیسے ابھی روایات لکھی جاتی ہیں لہٰذا جب ساری امت کا آپ کی ہی افضلیت پر اجماع ہے تو ہم کون ہیں اور ہمارا علم کیا ہے کہ ہم دلائل میں غور کر کے ساری امت کے اجماع کے خلاف سوچیں[1]۔ فقہ اکبر میں ہے۔ وافضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین[2]

دیکھیے مسلم شریف کی روایت ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضه ادعی لی ابابکر

---

۱) اهل السنة والجماعة کے یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل صحابی هے، تقدم تخریجه تحت عنوان (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینا) جزء نمبر ۹،۸ ص ۲۹۶ تا ۲۹۷۔

۲) شرح فقه الاکبر، ص ۱۸۲، دارالبشائر الإسلامی۔

اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا ولا ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر رواہ مسلم[1]. (مشکوۃ شریف ص ۵۵۵)[2]

دیکھیے حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔

وعن محمد بن الحنفیة قال قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر و خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال مانا الا رجل من المسلمین رواہ البخاری[3]۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۵)[4]

دیکھیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل فرمارہے ہیں۔

وعن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانعدل بابی بکر احداثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانفاضل بینهم رواہ البخاری[5]. وفی روایة لابی داؤد قال کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنهم ۔ (مشکوۃ ص ۵۵۵)[6]

دیکھیے قرآن پاک میں آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمارہے ہیں۔

لاتحزن ان اللہ معنا. الآیۃ[7]۔

---

۱) کما فی المسلم، ج ۲ ص ۲۷۳، مناقب ابی بکر، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) بخاری، باب فضائل ابی بکر، ج ۱ ص ۵۱٦، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

٤) مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث، ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

۵) بخاری (باب فضل أبی بکر، ص ۵۱٦، ج ۱، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

٦) مشکوۃ المصابیح، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ج ۱ ص ۵۵۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۷) سورة التوبة، الآیة نمبر ٤٠۔

تفصیل کے لیے معارف القرآن کاندھلوی، ج ۳ ص ٤۳۹ اور معارف الحدیث نعمانی، ج ۸ ص ۲۲۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

بتایئے ایسی شان کس کی ہے۔خود قرآن پاک میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔وغیر تلک الدلائل وفی ماذکرنا کفایة لمن القی السمع وهو شهيد فقط والله تعالى اعلم حرره عبداللطيف غفرله. مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۲ ربیع الثانی ۸۶ھ

(۳) اکبر کو توبہ کرنا لازم ہے۔اس عقیدہ پر رہ کر وہ سنی کہلانے کا مستحق نہیں (۱)۔
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۶-۴-۱۳۸۶ھ

کیا پانچواں مسلک ممکن ہے

دلائل حصر مذاہب اہل سنت والجماعت چہ میباشند آیا مذہب خامس باطل است، چرا۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔بـايد دانست كه اصحاب مذاهب اهل سنت و الجماعت فقهيه چه ابـو حنيفه وچه شافعي وچه مالک وچه احمد وچه غير ايشايان تدوين مذاهب واستخراج مسـائل خـلاف شرع نه سـاختنداد له اربعه مستند هريک هستندو سبب اختلاف فيما بين شـان وقـوع اختـلاف درفهم معاني آيات و احاديث است. نه آنكه احدى تعصب راه داده باشديا آنكه قياس را بر شرع مقدم كرده باشد. حاشا وكلا جمله ائمه هداة از تقديم قياس مبـرا هستـنـد. ونسبـت كننده اين امر بطرف يكى از ايشان كاذب و مفتريست و آنچه كه بـعضـے متعصبين حنفيه را اصحاب الرائي مي نويسند قول ايشان از پايه اعتبار ساقط است لهـذا فـي الحقيقت مذهب هر امام از ائمه اهل سنت خواه امام اوزاعى باشد خواه ابن ابى ليـلى خواه حسن بصرى يا ديگر امام صحيح و درست است و مذاهب اهل سنت درچهار حـصر نيستند لاكن چونكه سواى مذاهب اربعه ديگر مذهب منضبط نيست ونه كتب آن مذهب ميسر مى شوند كه بوقت ضرورت بآن رجوع كرده شود. ونه علماء مقلدين ديگر مـذاهـب غيـر مـذاهـب اربعه در عالم قدر معتدبه موجود هستند كه بوقت اشكال بايشان رجوع كرده شود (۲). ازيـن وجـه عـلماء متاخرين برين اجماع كرده اند كه تقليد مذهب

---

۱) تـوبه لازم هے تقدم تخريجه تحت عنوان (حضرت ابوبكر رضى الله عنه پر حضرت حسين رضى الله عنه كو فضيلت دينا) جزء نمبر ٤ ص ٢٩٦۔

۲) فـان اهـل السـنة قـد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق فى فروع المسائل سـوى الـمـذاهـب الاربـعةفـقـد انـعـقـد الاجماع المركب على بطلان قول من يخالف كلهم تفسير مظهرى، ج ٢ ص ٦٤، طبع بلوچستان بكڈپو كوئٹه۔

دیگر غیر از مذاهب اربعه درست نیست. وتقلید یکی ازیں مذاهب اربعه واجب است. پس وجه حصر مذاهب درچهار مذکور ایں هرگز نیست که معاذ الله مذاهب دیگر باطل هستند وتقلید آن ازیں وجه جائز نیست بلکه تقلید آن از ایں وجه جائز نیست که تقلید آن مذاهب کما حقه هرگز نمی توان کرد. چراکه کتب و علماء آن مذاهب در عالم موجود نیستند ونه مذاهب ایشایان آنطور مدون شده اند چنانچه مذاهب اربعه [۱]. وهم ازیں وجه علماء متاخرین فرموده اندکه در مملکتے که کتب و علماء مقلدین مذهبے ازیں مذاهب اربعه هم اگر یافته می شود. که بوقت ضرورت بطرف ایشان رجوع کرده شود. تقلید آن مذهب هم برائے عامی و عالم غیر مجتهد دران بلاد جائز نیست. چنانچه نوشته اند که در مملکت پاکستان و هندوستان و بلاد ماوراء النهر که کتب و علماء مذهب شافعی وحنبلی ومالکی میسر نمی شود صرف مذهب حنفی است. درانجا تقلید مذهبے دیگر از حنفیت جائز نیست. چراکه تقلید آن نمی تواند کرد[۲].

علامه ابن همام رحمه الله در آخر تحریر آورده اند ص ۵۵۲. (تکمله) نقل الامام اجماع المقلدين على منع العوام من تقليد اعيان الصحابة بل من بعدهم الذين سيروا ووضعوا و دونوا و على هذا ماذكر بعض المتاخرين منع تقليد غير الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقليد مائلهم و تخصيص عمومها ولم يدر مثله في غير هم الان لا نقراض ابتداعهم وهو صحيح.

علامه عبدالحی لکهنوی در مجموعة الفتاویٰ ج۲ ص ۲۶۱ از شرح جمع الجوامع للعلامة المحلي الشافعي آورده است يجب على العامي وغيره فمن لم يبلغ درجة الاجتهاد التزم مذهب معين من مذاهب المجتهدين يعتقده ارجح من غيره او مساويا له وان كان في نفس الامر مرجوحا على المختار انتهى.

ودر ج۲ ص ۲۶۴ از انصاف في بيان سبب اختلاف مے آرند. اعلم ان الناس كانوا في المأة الاولى والثانية غير مجتمعين على التقليد بمذهب معين و بعد المأتين ظهر فيهم مذهب و قل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب في ذلك

---

۱) هكذا في حاشية الطحاوي على الدر المختار، ج ٤ ص ١٥٣، كتاب الذبائح وكذا في مرماة المصابيح، ج ١ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته.

الزمان فان قيل كيف يكون شيئ واحد واجبًا في زمان وغير واجب في زمان مع ان الشرع واحد قلت الواجب الاصلي هو تقليد من يعرف الاحكام الفرعية عن ادلتها التفصيلية اجمع على ذالك اهل الحق فاذا كان للواجب طرق متعددة وجب تحصيل طريق من الطرق من غير تعيين واذا كان طريق واحد تعين ذلك الطريق بخصوصه كما كان السلف لايكتبون الحديث ثم صار في يومنا هذا كتابة الحديث واجبة لان رواية الحديث لاسبيل لها الا معرفة هذه الكتب وكان السلف لايشتغلون بالنحو والصرف واللغة لان لسانهم كانت عربية ثم صار في يومنا هذا معرفتها واجبة فاذا كان انسان جاهل في بلاد الهند وماوراء النهر وليس هناك شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه بخلاف ما اذا كان في الحرمين لانه ميسر هناك معرفة جميع المذاهب انتهى ...... اميد كه ازيں قدر تشفي حاصل خواهد شد. فقط والله تعالى اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ ذیقعدہ ۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۸۵/۱۱/۱۹

تقلید سے رجوع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حنفی مسلک چھوڑ کر مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا ہے بعض لوگ اس پر نقطہ چینی کرتے ہیں کہ تو مسلک حنفی چھوڑنے سے بے دین ہو چکا ہے۔ کیا وہ واقعی بے دین ہے کیا مسلک اہل حدیث اختیار کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہے نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ اہلحدیث سے حنفی لڑکی کا نکاح جائز ہے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب باصواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ مسلک حنفی کے چھوڑنے سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ بے دین ہوتا ہے البتہ تقلید سے رجوع کرنا باطل ہے اور ایک گناہ عظیم سرزد ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ اس نے ایک ایسے مذہب کو جو اس کے نزدیک حق تھا خفیف سمجھ کر کسی غرض کے لیے چھوڑ دیا بہرحال صورت مسئولہ میں

اگر چہ یہ شخص بے دین تو نہیں بنا اور اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح بھی جائز ہے[1] لیکن اس کا تقلید سے رجوع کرنا باطل ہے اور اس میں ایک گناہ عظیم کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ مسلک حنفی پر قائم رہے۔

درمختار میں ہے وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقا وهو المختار فی المذهب[2] ج ا ص ۵۵. الخ وفی ردالمحتار وقال الجوزجانی فی رجل ترک مذهب ابی حنیفة لنکاح امراة من اهل الحدیث فقال اخاف علیه ان یذهب ایمانه وقت النزع لانه استخف بمذهبه الذی هو حق عنده وترکه لاجل جیفة منتنة انتهی شامی کتاب التعزیر ج ۳ ص ۲۰۸ ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۹۔۳۔۱۳۸۹ھ

فرقہ ناجیہ

﴿س﴾

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے ان میں ایک بہشتی ہوگا باقی جہنمی اگر صحیح ہے تو کیا ایک فرقہ کل کا کل جس میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی بہشتی ہوگا یا ہر ایک فرقہ سے نیک اعمال والے علیحدہ کر لیے جائیں گے باقی جو بچیں گے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

﴿ج﴾

فرقہ ناجیہ کے تمام لوگ اولاً یا آخراً جنت میں جائیں گے یعنی اعمال بد کی وجہ سے جو لوگ سزا پالیں گے وہ بھی آخر کار جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[3]

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ ۲۴۔۶۔۱۳۹۱ھ

---

۱) شامیة المقدمة مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه، ج ۱ ص ۱۷۶، طبع رشیدیه کوئته۔
شامیة مطلب فیما اذا ارتحل الی غیر مذهبه، کتاب الحدود، ج۶ ص ۱۲۸، طبع رشیدیه کوئته۔
وایضاً فی فتاوی التاتار خانیه، من ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر الخ، کتاب الحدود، باب التعزیر، ج ۵ ص ۱٤٤، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة۔

۲) کما فی الشامیة واعلم ان من اعتقد دیناً سماویاً فهو من اهل الکتاب فتجوز مناکحتهم الخ، کتاب الزکاة، مطلب مهم وطء السراری الخ، ج ٤ ص ۱۳۳، طبع رشیدیه کوئته۔

۳) باب افتراق هذه الامة بجامع الترمذی، ج ۲ ص ۹۳۔ مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة الفصل الثانی، ص ۳۰۔
عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة۔
عن ابی ذر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتانی جبرائیل فبشرنی انه من مات لا یشرك بالله شیئًا دخل الجنة قلت وان زنی وان سرق قال نعم۔

کیا فاسق وفاجر سید قابل احترام ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سید مبتدع فاسق مجاہر وغیر مجاہر بحیثیت سید ہونے کے مستحق محبت وتوقیر بوجہ احبوا اھل بیتی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۳. الخ واذکرکم اللہ فی اھل بیتی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶۸ الخ کے ہے یا نہیں؟

(۱) اگر مستحق محبت توقیر کے ہے تو حدیث من وقر صاحب بدعۃ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱ الخ اور حدیث الحب للہ والبغض فی اللہ اور مذکورہ بالا حدیثوں یعنی احبوا اھل بیتی۔ الخ واذکرکم فی اھل بیتی میں کیا تطبیق ہے۔

(۲) اگر سید فاسق مجاہر وغیر مجاہر مستحق محبت وتوقیر نہیں تو فقہاء کرام کے عدم حلیت صدقہ کے قول کی کیا تاویل ہے کہ مطلقاً سید بلا تفصیل فاسق مجاہر وغیر مجاہر کے لیے صدقات وزکوٰۃ بمطابق نحن اھل بیت لاتحل لنا الصدقۃ بوجہ توقیر سید حرام ہے۔ جیسا کہ صاحب بدائع نے لکھا ہے۔ والمعنی ماأشار الیہ انھا من غسالۃ الناس فیتمکن فیھا الخبث فصان اللہ تعالیٰ بنی ھاشم عن ذالک تشریفالھم واکراما وتعظیما لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. ج ۲ ص ۴۹۔ نیز حدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول من اشفع من امتی اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش والانصار ثم من امن بی واتبعنی من اھل الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم و اول من اشفع لہ ابو الفضل رواہ طبرانی اوردہ السیوطی فی البدور السافرۃ۔ یہ حدیث بوجہ تقدیم شفاعت اہل بیت بر بنا محبت نسبی کے مقتضی ہے۔ بوجہ شفاعتی لاہل الکبائر (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۶) کے ہر سید کی توقیر کی جاوے اور اس کے ساتھ محبت رکھی جاوے۔

نیز حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سید کی تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ سید شیعہ بھی ہوتا تھا جیسا کہ ارواح ثلثہ کے حصہ امیر الروایات محشی بحشیہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۴، ۵۵ حکایت ۳۹ کے تحت درج ہے۔ تو اس حدیث کے تحت طبرانی شریف اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کا کیا محمل ہوگا۔ بعض فضلاء نے مذکورہ بالا حدیث میں یوں تطبیق بیاں فرمائی ہے کہ توقیر ومحبت اہل بیت کی بنیاد شرافت نسبی قرار دی جائے اور کہا جاوے معصیت سے خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ مذکورہ حقوق بالکلیہ ختم نہیں ہوجاتے۔ گو اس کے کیف وکم میں فرق آجانا ضروری ہے۔ بلکہ سید کے مجاہر فاسق ومبتدع کی صورت میں مہذب طریقہ سے اس کے معاصی پر نکیر اور ان سے تبری ضروری ہے تاکہ دینی ضرر سے محفوظ رہے اور تبلیغ

حق کا فریضہ ادا ہو۔ الغرض عاصی ہونے کی حیثیت سے اس سے بغض فی اللہ ہو اور ایمان جو کہ رأس الاعمال ہے اور شرافت نسبی کی حیثیت سے دل میں محبت اور حسب ضرورت اکرام واحترام ہو اور لزوم تعظیم صاحب بدعت کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر ومحبت مبتدع کی بوجہ بدعت کے نہیں بلکہ بوجہ سیادت کے ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایت مذکورہ بالا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بطور تحشیہ تحریر فرمایا ہے کہ اقول توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی کسی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے۔ اس پر تمام نصوص جمع ہو جاتی ہیں۔ احادیث میں افتخار بالانساب کی جو نہی وارد ہے اس کا محمل ورود مفاخرہ علی وجہ التکبر واحتقار مسلم واتکال علی النسب و ترک النفس وھواھا ہے۔ کیونکہ محض انتساب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب نجات وتفوق علی الصلحاء والاتقیاء سمجھنا قلت عقل وضعف رائے کی دلیل ہے۔ لقولہ تعالی ان اکرمکم عنداللہ اتقکم. وقولہ تعالی لنوح علیہ السلام فی ابنہ کنعان انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح و قولہ علیہ السلام سلمان منا اھل البیت بلکہ اہل بیت رسول کو بوجہ نسب الی النبی ﷺ کے لازم والزم ہے کہ اکتساب خصال حمیدہ کریں اور افعال سیئ سے اجتناب کریں۔ کیونکہ الحسنۃ وھی من اھل بیت النبوۃ احسن والسیئۃ وھی من اھل بیت النبوۃ اسوأ ۔ آخر تقویٰ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر اتقاء عن التکالیف مشکل ہے۔ ہاں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نسب نبوی علیہ السلام کا کوئی اعتبار نہیں۔ اذ شرف النسب مما اعتبر جاھلیۃ واسلاماً واما جاھلیۃ فاظھر ان یبرھن علیہ واما اسلاما فیدل علیہ اعتبار الکفاءۃ فی النسب فی باب النکاح علی الوجہ المفصل فی کتب الفقہ اور ہم کو یہ حق ہرگز نہیں کہ ہم آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق محبت وتوقیر کو بالکلیہ ختم کرتے ہوئے توہین وتذلیل پر اتر آئیں۔ اور ہٹیس وشین کو پہنچتا سلام کرتے پھریں۔ شریف بلاد خراساں کا واقعہ جو کہ فاسق ظاہر نفسق تھا۔ جب سکر کی حالت میں اس نے شیخ وقت مولیٰ اسود کو سرد وگرم کیا، ج ۶ ص ۱۴۶۔ یا اسود اطوا فرد المشافر یا کافر ابن کافر انا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذل ورثت تجل اھان وانت تعان تو لوگوں نے ان کے مارنے کا قصد کیا تو شیخ نے فرمایا: لاتفعلوا یہ مغلظات جو اس نے میرے حق میں کہے ہیں بوجہ ان کے جد امجد کے قابل برداشت ہیں۔ ھذا متحمل عنہ بجدہ ومعفو عنہ وان خرج عن حدہ نقل عن روح المعانی ھی بتغیر وزیادۃ کیا یہ تطبیق صحیح ہے۔ جو جواب صحیح ہو، مفصل ومدلل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

فقیر محمد فقیر اللہ

﴿ج﴾

سیّد شریف النسب کی شرافت نسبی اور نسبت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ایک بہت بڑی سعادت اور

منقبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے۔ لما روی الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم و عدنی ربی فی اهل بیتی من اقرمنهم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبهم [۱] ولما اخرج الطبرانی فی الکبیر و رجاله ثقات عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لفاطمة ان الله عزوجل غیر معذبک ولاولدک [۲]. ولماروی احمد والحاکم فی صحیحه و البیهقی من ابی سعید قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول علی المنبر ما بال رجال یقولون ان رحم رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتنفع قومی یوم القیامة بلی والله ان رحمی موصونة فی الدنیا والآخرة وانی ایها الناس فرط [۳] لکم علی الحوض [۴]۔ لیکن یہ شرافت نسبی اس وقت آخرت میں نافع اور دنیا میں مستحق تکریم زائد و تعظیم فائق ہے۔ جبکہ اس کے مقتضیات کے مطابق سید عمل کرتا ہو اور اس کے موجبات کا لحاظ کر کے شریعت کا متبع ہو اور اوپر کی جملہ روایات کا محمل وہ سید ہے جو صالح ہو، متبع سنت ہو، یا کم از کم اتباع کا عزم صادق رکھتا ہو، اگرچہ عملاً قاصر ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر سید مبتدع یا رافضی ہو اور شرافت نسبی کا لحاظ کیے بغیر جبراً و اعلانیۃً احکام خداوندی سے بغاوت کرتا ہے تو اس کے لیے صرف شرافت نسبی کافی نہیں۔ لماروی مسلم فی صحیحه عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من بطابه عمله لم یسرع به نسبه۔

---

۱) المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مناقب اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج ۳ ص ۳٦٠، قديمى كتب خانه كراچى۔

۲) ومثله فى المعجم الكبير للطبرانى، عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فاطمة حسنت فرجها فحرمها الله ذريتها على النار مناقب فاطمة رضى الله عنها، ج ٤٢ ص ٤٠٧، مطبعة الامة بغداد۔

۳) كتاب معرفة الصحابة ذكر فضائل القريش، ج ٥ ص ٥٠، قديمى كتب خانه كراچى۔

٤) ان اكرمكم عند الله اتقاكم، پاره حم سورة الحجرات، الآية ١٣، (٢) ومن يفعل ذلك فليس من الله فى شىء الا ان تتقوا منهم تقة، پاره نمبر ٣ تلك الرسل، سورة آل عمران، الآية نمبر ٢٨، (٣) قال البخارىؒ قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الناس اكرم؟ قال اكرمهم عند الله اتقاهم، تفسير ابن كثير، ج ٥ ص ٦٦٣، قديمى كتب خانه كراچى، حديث نمبر ٧١١٠، قال مسلم عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لاينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم (تفسير ابن كثير ص ٦٦٣ ج ٥٠ قديمى) قال الطبرانى...... انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المسلمون اخوة لافضل لاحد على احد الا بالتقوى (تفسير ابن كثير ص ٦٦٣ ج ٥٠ قديمى)

قال الامام احمد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان انسابكم هذه ليست بمسبة على احد ليس لاحد على احد فضل الا بدين و تقوى (تفسير ابن كثير ص ٦٦٤ ج ٥٠ قديمى)

هذه الاحاديث، كلهم موجودين فى رسائل ابن عابدين، رساله نمبر ١ الظاهر فى نفع نسب الطاهر) ص ٥ جزء ١، طبع سهيل اكيڈمى)

گویا کہ اس نے شرافت نسبی کو خود ختم کر دیا اور انہ لیس من اھلک کا مصداق بنا[۱]۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ نے مجموعہ رسائل کے ص ۸٦٧ پر لکھا ہے۔ فکیف یظن احد من ذوی النسب انتھک حرمات اللہ ولم یراع ماعلیہ وجب ان یبقی لہ حرمۃ ومقام عندہ علیہ الصلوۃ والسلام أیزعم الغبی انہ اعظم حرمۃ من اللہ عندنبیہ، کلا واللہ بل قلبہ مغمور فی لجج الغفلۃ وساہ فمن اعتقد ذالک یخشی علیہ سوء الخاتمۃ والعیاذ باللہ۔ الخ[۲]۔

باقی حرمتِ صدقات میں حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی عظمت کو برقرار رکھنا مقصد تھا۔ اس لیے آپ کے متعلقین کے لیے بھی آپ کی وجہ سے اخذ صدقات حرام کر دیا گیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ نحن اھل البیت لا تحل لنا الصدقہ[۳]، یہاں یہ امر زیر غور ہے کہ بنو ہاشم میں صرف آل علی رضی اللہ عنہ وآل جعفر رضی اللہ عنہ وآل عقیل رضی اللہ عنہ وآل عباس رضی اللہ عنہ وآل حارث ہی پر صدقات حرام کر دیے گئے۔ باوجود یہ کہ بنی ہاشم اور بھی بہت ہیں۔ لیکن ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے آپ کی قربت سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حتی کہ ابولہب کی وہ اولاد جو بعد میں مسلمان ہوئی۔ ان پر صدقات حرام نہیں کیے گئے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ردالمحتار ج ۲ ص ۲۷ میں لکھا ہے۔ وبہ علم ان اطلاق بنی ھاشم ممالا ینبغی اذلا تحرم علیھم کلھم بل علی بعضھم (الی ان قال) اقول قال فی النافع بعد ذکر بنی ھاشم الامن ابطل النص قرابتہ یعنی بہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قربۃ بینی و بین ابی لھب فانہ آثر علینا الافجرین وھذا صریح فی انقطاع نسبتہ عن ھاشم و بہ ظھران فی اقتصار المصنف علی بنی ھاشم کفایۃ فان من اسلم من اولاد ابی لھب غیر داخل لعدم قرابتہ وھذا حسن جدا[۴]۔ الخ۔ معلوم ہوا کہ کفر نے نسبی قرابت کو منقطع کر دیا۔ نیز موالی بنی ہاشم پر عدم جواز زکوٰۃ بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منتسبین خصوصی کے لیے تھی۔ گویا جن کے زکوٰۃ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی متاثر ہو سکتی تھی اگر چہ وہ آپ کے نسب سے نہ ہوں، ان کے لیے لینا حرام کر دیا گیا اور فرمادیا کہ موالی القوم

---

۱) مسلم، کتاب الذکر والدعاء الخ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج ۲ ص ۳٤٥، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) وایضاً فی ابی داؤد: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... "من ابطا بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ" الظاھر فی نفع نسب الطاھر، ج ۱ ص ۷ تا ۸، سھیل اکیڈمی۔

۳) مجموع رسائل ابن عابدین، رسالہ الظاھر، فی نفع نسب الطاھر ص ۷ تا ۸، ج ۱، سھیل اکیڈمی۔

٤) کتاب الزکاۃ، باب المصرف مطلب فی الحوائج الاصلیۃ، ج ۳ ص ۳٥۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

من انفسهم [۱]۔ اور یہ حکم کہ موالی القوم من انفسهم صرف حرمت اخذ صدقات کے لیے ہے۔ باقی امور میں یہ حکم نافذ نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں اس حدیث کے بعد ذکر ہے۔ ای فی حرمة الصدقة لا جماعنا ان موالی القوم لیس منهم فی جمیع الاحکام الاتری انه لیس بکفولهم [۲]۔ الخ۔ معلوم ہوا کہ نسبی قریب جو مخالفین ہوں کابی لهب و اولاده مستحق کرامت بحرمت اخذ الصدقات نہیں اور باعد بھی جب خصوصی گھریلو متعلقین ہوں کالموالی تو زکوۃ لینی ان کو منع کردی گئی باقی کفاءت کی بات ہے تو اس کے متعلق جان لیں کہ اس میں سادات کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جملہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔ قریش بعضهم اکفاء لبعض [۳]۔ فتح القدیر ص ۴۲۱ میں ہے: ففی الحدیث دلیل علی انه لایعتبر التفاضل فی مابین قریش. الخ. [۴]

کفاءت نسبی کا اعتبار عرفی شرافت سے متعلق ہے۔ حتی کہ اگر کوئی عالم باعمل عرفاً معظم ہو وہ سید لڑکی کا کفو ہے [۵]۔ علامہ شامی ﷫ نے لکھا ہے۔ و کیف یصح لاحد ان یقول ان مثل ابی حنیفة او حسن بصری ﷫ وغیرهما ممن لیس بعربی انه لایکون کفوا لبنت قرشی جاهل او لبنت عربی بوال علی عقبیه [۶]۔ الخ۔ نیز واضح ہو کہ شیعہ اگرچہ سید ہو سنیہ عورت کا کفو نہیں ہے۔ اگرچہ غیر سید ہو۔ کما ہو مصرح فی الفتاوی الفقهیہ)

بہر حال شرافت نسبی کامل احترام کا سبب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام اور سنت نبوی کا باغی نہ ہو۔ شیعہ جو اس وقت پاکستان میں ہیں وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کے قائل ہیں۔ صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام خاکم بدہن کے متعلق سب وشتم نہ صرف کرتے ہیں بلکہ اسے موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ ایسے بے ہودہ لوگوں کا جو نصوص قطعیہ کے منکر ہیں اور بیت رسالت پر ہاتھ ڈالتے ہیں ان کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنے گا۔ (والعیاذ باللہ)

---

۱) الصحیح الترمذی، کتاب الزکاة، باب فی کراهیة الصدقة للنبی صلی الله علیه وسلم الخ، ج ۱ ص ۱٤۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، ج ۲ ص ۱٤۹، طبع مکتب رشیدیه کوئته۔

۳) باب الاولیاء والاکفاء، ج ۳ ص ۱۸۸، مکتبه رشیدیه کوئته۔

٤) وایضاً فیه باب الاولیاء والاکفاء، ج ۳ ص ۱۹۰، رشیدیه کوئته۔

۵) وذکر خیر عن مجموع الفتاوی، العالم یکون کفواً للعلویة لأن شرف الحسب أقوی من شرف النسب"، رد المحتار، کتاب النکاح، ج ۳ ص ۲۰٦، رشیدیه کوئته۔

٦) کتاب النکاح باب الکفائة، ج ٤ ص ۲۰۷، رشیدیه کوئته۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے واقعہ کا تو پہلے کوئی صحیح ثبوت نہیں، ایک تاریخی قسم کا واقعہ ہے۔ اس سے استدلال نہیں ہوسکتا اور بشرط ثبوت نہ معلوم انہوں نے کس داعیہ کے تحت ایسا کیا۔ ان کے واقعہ کا صحیح محمل تلاش کیا جاوے تا کہ ان کی ذات اقدس پر اعتراض نہ آئے۔ لیکن اس سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیامت میں جب امتی پیش کیے جائیں گے تو ایک جماعت کو دوزخ کی طرف ہانکتے ہوئے لایا جائے گا۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماویں گے۔ اصحابی، اصحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا۔ انک لاتدری مااحدثوا بعدک۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماویں گے فسحقاً سحقاً[1] والتفصیل فی النووی ج ۱ ص ۱۲۶۔ غور فرماویں یہ ہیں تو حضور علیہ السلام کے امتی لیکن تبدل دین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے برأت کا اظہار فرمارہے ہیں۔ اس لیے شیعہ سید جو نصوص قطعیہ کا منکر اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توہین کنندہ ہو، اس کا کوئی احترام نہیں۔ وکذالک المبتدع فی اللعین۔ البتہ فحش گوئی اور گالی بکنا تو کسی کافر کے لیے بھی جائز نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن فاحشا[2] ولا متفحشا رواہ البخاری، اس لیے فحش گوئی کی اجازت نہیں ہوگی۔ بلکہ لازم ہے کہ نرمی کے ساتھ انہیں سمجھا کر صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کی جائے تا کہ اہل بیت عذاب اخروی سے بچ جاویں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ۴ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

کیا عصر کے وقت پانی پینا ناجائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو مشہور ہے کہ عصر کے بعد یا بوقت غروب پانی پینا ناجائز ہے اور باعث بے برکتی ہے۔ کیا اس کا کوئی شرعاً ثبوت ہے۔ یا فقط رسم ہی پر مبنی ہے۔ کیا یہ عقیدہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس کی کوئی اصل نہیں ایسا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے[3]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۵-۳-۱۳۸۱ھ

---

۱) الصحیح المسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة الخ، ج ۱ ص ۱۲۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۲) عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما الی آخره کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی الله علیه وسلم، ج ۱ ص ۵۰۳، مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۳) اغلاط العوام (کھانے پینے کی اغلاط، ص ۱۹۰) زمزم پبلشرز۔

کیا لفظ ''اللہ'' کا ترجمہ ''خدا'' سے درست ہے

﴿س﴾

محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ ترجمہ میں علماء کرام نے لفظ خدا استعمال کر دیا ہے۔ حالانکہ کلام اللہ میں بارہا اسماء حسنٰی کا دعویٰ موجود ہے۔ جب کہ کہیں بھی خدا کا لفظ موجود نہیں ہے۔ تو پھر یہ سراسر جھوٹ کیوں تراشا گیا۔ علماء سے جب بھی دریں بارہ رجوع کیا جاتا ہے تو وہ بجائے کسی تسلی بخش جواب کے گول مول کر دیتے ہیں اور سائل کو تشویش ہے کہ اس لفظ کا اجرا کہاں سے ہوا ہے اور کب تک جائز رہے گا۔ اگر اس کی شرعاً اجازت ہے تو مجھے اطمینان فرمایا جاوے۔ وگرنہ میرے اس استغاثہ کی پوری حمایت آنجناب کا حق ہے۔ اگر جناب مفتی صاحب بھی دیگر مولویوں کی طرح خاموش رہ گئے تو سائل کو بی بی سی لندن سے معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ ملتان ریڈیو اسٹیشن والوں کو ترجمہ صحیح بیان کرنے کے لیے بھی نوٹس دیا ہے لیکن ابھی تک کوئی عمل نہیں ہوا۔ ترجمہ میں پھر وہی اللہ کا ترجمہ و معنی خدا ہو رہا ہے۔

پھر کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

سائل اس قسم کا دعویٰ اور زعم رکھتا ہے کہ **قلوب المومنین بیت اللہ** کہ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور میرا دل لفظ خدا کو دشمن رکھتا ہے۔

﴿ج﴾

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لفظ اللہ مستقل لفظ ہے خدا اس کا لفظی ترجمہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ فارسی، اردو، پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی وغیرہ زبانوں میں عام طور پر ذات اقدس پر لفظ خدا استعمال ہوتا ہے اور یہ لفظ ذات اقدس پر اتنی واضح دلالت کرتا ہے جیسے کہ لفظ اللہ اس لیے عام مفسرین نے اللہ کا ترجمہ خدا سے کر دیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں خدا لفظ مالک کا ترجمہ ہے[1]۔ مثلاً کتخدا (گھر کا مالک) لفظ مالک صفاتی ناموں میں سے ہے۔ اسماء حسنٰی میں سے ہے۔ اگرچہ یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں ہے اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اسماء حسنٰی میں سے ہونے کی وجہ سے قرآن کریم اور احادیث میں ذات باری پر اس کا اطلاق عام ہوا

---

۱) غیاث اللغات، ص ۲۵۹، ھکذا فیروز اللغات اردو جدید ص ۳۱۲۔

ہے اور لفظ خدا اس کا ترجمہ ہے۔ اس لیے نہ تو لفظ خدا سے دشمنی کرنی چاہیے اور نہ اس کے اطلاق کو ناجائز کہنا چاہیے اور نہ مفسرین کی تغلیط کرنی چاہیے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا لفظ اللہ کا ٹھیٹ ترجمہ نہیں۔ بلکہ عام فہم لفظ ہے۔ جسے اللہ کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جناب کی تشفی ہوگئی ہوگی۔ ایسی باتوں میں نزاع نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۴۔۱۔۱۳۹۱ھ

کیا اہل خانہ کے عقائد پر محنت کیے بغیر محض اپنے توکل کے عقیدہ کی بنا پر بغیر انتظام کیے تبلیغ پر جانا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میں نے اپنے بیٹے اکرام الحق کی ۱۸، ۱۹ سال کی عمر تک پرورش تعلیم و تربیت کی۔ ناظرہ قرآن مجید، اسلامیات کی تعلیم خود دی اور دلوائی، شادی کرادی۔ میٹرک کے بعد سہ سالہ اوورسیر کی ٹریننگ دلائی۔ تعلیم پر کافی سے زیادہ خرچہ کیا۔ اب وہ آٹھ نو سال سے واپڈا میں اوورسیر بھرتی ہے۔ خوش قسمتی سے اکرام الحق میاں کا تعلق تبلیغی جماعت رائے ونڈ سے ہوگیا۔ آمدنی کا اکثر حصہ ادھر خرچ کرنے لگے۔ چنانچہ ایک سال برائے تبلیغ مشرقی پاکستان جانے کا اظہار کیا۔ میں نے کہا واقعی نیک ارادہ ہے مگر میرے اوپر کافی قرض ہے جو کہ تمہاری ہی تعلیم پر خرچ ہوا تھا اور آج تک ادا نہیں کر سکا۔ موت سر پر ہے ٹائم مقرر نہیں کب آجائے اور قرض ناقابل معافی چیز ہے لہٰذا مجھے پہلے رقم بھیج کر قرض ادا کرلو۔ پھر ضرور چلے جانا۔ مگر بیٹے نے پرواہ نہ کی اور چار ماہ بلا تنخواہ رخصت حاصل کر کے مشرقی پاکستان چلا گیا۔ میں نے بمشکل کافی عرصہ بعد قرض ادا کردیا۔ میرے تین چھوٹے بچے اوورسیر کی دوران ملازمت میں ہی پڑھ رہے تھے۔ جن میں ابھی دو نہم کلاس میں پڑھتے ہیں۔ چونکہ میں نے اپنی آمدنی کا معقول حصہ موصوف کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر کے اس کو باعزت اور برسر روزگار بنا کر آرام لیا تھا۔ لہٰذا میرا دعویٰ ہے کہ اب اوورسیر بیٹے کا فرض تھا کہ والدین کی مالی امداد کے ساتھ ساتھ برادران خورد کے تعلیمی اخراجات میں بھی پوری امداد کرتا۔ جبکہ میں عرصہ دو سال سے ریٹائرڈ ایس وی ٹیچر ہوں۔ مگر آج تک دفتری تغافل سے پنشن کا اجراء نہ ہوا۔ مگر موصوف نے سوائے چند ماہ ابتداء ملازمت کے میری کوئی امداد نہیں کی۔ بلکہ وہ تمام آمدنی اپنے ایک بچہ اور بیوی اور تبلیغ پر خرچ کرتا ہے چنانچہ اب پھر وہ بیوی بچے کو میرے ہاں چھوڑ کر جماعت کے ہمراہ غالباً چھ ماہ کے لیے عرب ممالک کو چلا گیا ہے۔ میرے خیال میں

---

۱) بحوالہ فتاوی بینات، عنوان لفظ خدا کا استعمال کتاب العقائد) ج ۱ ص ۷۵، مکتبہ بینات، کراچی۔

موصوف والدین اور برادران خورد کا غاصب ہے۔ اور اندریں حالات خداتعالیٰ کا سخت مجرم ہے۔ جب کہ والد نے مذکورہ جدوجہد سے موصوف کو اس سیٹ پر لا بٹھایا۔ بچپن سے بلوغت تک تعلیم وتربیت اور پرورش کی۔ اب جبکہ میری آمدنی ختم، بوڑھاپا سر پر مگر بعض حالات کی بنا پر اخراجات خانگی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ تو موصوف پرسان حال ہی نہیں۔ ازروئے شریعت، آیات قرآنی احادیث نبوی کے ثبوت سے فیصلہ اور فتویٰ تحریر فرمایا جائے کہ ایسی تبلیغ اور والدین کے غصب حقوق کے دل سوز رویہ کا شریعت اور انصاف کیا فیصلہ دیتے ہیں۔ کیونکہ میں موصوف کی سخت احسان فراموشی اور بے وفائی سے بہت دکھی اور آزردہ دل ہوں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

والدین کی اطاعت شرعاً لازم ہے[1]۔ قرآن وحدیث میں اس کی سخت تاکید ہے۔ والدین کی نافرمانی سخت گناہ ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں کا نفقہ خاوند پر فرض ہے[2]۔ اس شخص پر لازم ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کرے اور جن افراد کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لیے نفقہ کا انتظام کرے[3] اور انتظام کرنے کے بعد

---

۱) پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل، الآیۃ ۲۳، وقضی ربك ان لا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا، وهكذا پاره نمبر ۲٦ سورة الاحقاف، الآية ۱۵، ووصينا الإنسان بوالديه احساناً، وهكذا پاره نمبر ۲٦، سورة الاحقاف، الآية ۱۵، ووصينا الإنسان بوالديه احساناً، وهكذا عن ابي هريرة رضي الله عنه قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله من احق بحسن صحابتي قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من احق قال ابوك، كتاب الادب باب وصينا الاحسان بوالديه، ج ۲ ص ۸۸۳، رواه البخاري قديمي۔

وهكذا ايضاً عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم اجاهد قال لك ابوان قال نعم قال ففيهما فجاهد، كتاب الأدب، باب لا يجاهد الا بإذن الوابوين، ج ۲ ص ۸۸۳، قديمي۔

۲) حدثنا ابوهريرة رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم افضل الصدقة ما ترك غنى واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول تقول المرأة اما ان تطعمني واما ان تطلقني ويقول العبد اطعمني واستعملني ويقول الابن اطعمني الى من تدعني، رواه البخاري، كتاب النفقات، بابو وجوب النفقة على الاهل والعيال، ج ۲ ص ۸۰٦، قديمي كتب خانه كراچي۔

۳) في رد المحتار: (وله الخروج) اى ان لم يخف على والديه الضيعة بأن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه۔ وفي الخانية: ولو اراد الخروج الى الحج وكره ذلك قالوا: ان استغنى الأب عن خدمته فلا بأس والا لا يسعه الخروج فان احتاج الى النفقة ولا يقدر ان يخلف لهما النفقة الكاملة او امكنه الا ان الغالب على الطريق الخوف فلا يخرج ولو الغالب السلامة يخرج وفي بعض الروايات لايخرج الى الجهاد الا باذنهما ولو اذن احدهما فقط لا ينبغي له الخروج لان مراعاة حقهما فرض عين والجهاد فرض الكفاية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ج ۹ ص ٦۷۲، مكتبه رشيديه كوئته۔

وہ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھے۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ملازمت بھی جاری رکھے تاکہ گھر کے اخراجات کا انتظام ہو سکے اور وقتاً فوقتاً قریبی مضافات میں تبلیغ بھی کر لے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بجالائے۔ ایسی تبلیغ جس میں کسی کی حق تلفی ہو کسی کام نہیں۔ حقوق العباد ادا کرنا یہ بھی تبلیغ ہے۔ دین نام ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ہر شعبہ کے لیے احکامات اور حدود مقرر کیے ہیں۔ ان حدود اور احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام نجات اور باعث فلاح ہے۔ اور ان سے ہٹ کر جو کام کیا جائے وہ بے دینی اور گمراہی ہے۔ تبلیغی جماعت اس وقت جس نہج پر کام کر رہی ہے وہ بہت اہم اور مفید ہے۔ تبلیغی جماعت حقوق العباد کی حق تلفی کا حکم نہیں دیتی۔ اگر کوئی شخص اپنی جہالت سے حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ وہ حقوق العباد میں ہرگز کمی نہ کرے۔ والدین اور بیوی بچوں کا خیال رکھے۔ **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔** الحدیث[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

یہ قصور بعض افراد کا ہے کہ حقوق العباد سے بے توجہی اختیار کرتے ہیں لیکن تبلیغی جماعت کی بدنامی کا سبب بن جاتا ہے۔ حالانکہ جماعت کا قصور نہیں ہے۔

والجواب الصحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۳ ربیع الاول ۹۴ھ

ایک شرکیہ شعر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چند دن ہوئے یہاں ایک عرس ہوا اس میں ایک نعت خواں نے یہ شعر کہا ع

حوائج دین دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

کیا صاحب مزار کے بارے میں ایسا کہنا درست ہے؟

---

۱) فی الصحیح لمسلم کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق بالرعیۃ والنھی عن ادخال المشقۃ علیھم، ج ۲ ص ۱۲۲، مکتبہ قدیمی، کراچی۔

﴿ج﴾

صاحب مزار کے بارے میں اس قسم کی مبالغہ آمیزی کرنا جو بظاہر حدود شرعیہ سے تجاوز ہے درست نہیں۔ بدلیل لاتطروفی الحدیث. بتاویل ایسے کلمات کا مطلب اگر چہ درست بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عام محفلوں میں اس قسم کے اشعار کہنا درست نہیں احتراز لازم ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۹۵ء

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ

اسلامی عقائد سے ناواقف شخص کا نکاح

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک لڑکا بیس سال کا اور لڑکی دس سال عمر کی دونوں کا عقد نکاح شرعی طور پر طے پایا مگر نکاح کے وقت لڑکے کو شرعی طور پر کلمہ طیبہ سے بھی غیر واقف پایا نیز نماز سے بھی۔ اب مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ نکاح کیسا ہوا۔ ہوا یا کہ نہ؟ اگر نہیں ہوا تو دوبارہ ہوسکتا ہے۔ جب لڑکا ان چیزوں سے واقف ہوجائے یا کہ یہی نکاح کافی سمجھا جائے گا۔ جواب باصواب سے مستفید فرمائیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ شخص دین اسلام کے امور ضروریہ کو مانتا ہے۔ یعنی اگر اس سے پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو وہ اس کو مانتا ہے کہ واقعی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح عقائد کی ہر بات کو استفسار کرنے پر صحیح بتلائے تو وہ شخص مسلمان ہے[2]۔ اس کا نکاح صحیح ہے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ جہالت کی وجہ سے آج کل بہت

---

۱) لما فی رد المحتار، فینبغی او یجب التباعد عن هذه العبارة، کتاب الجهاد، مطلب درویش درویشان، ج ٦ ص ٣٩٦، مکتبه رشیدیه جدید، کوئٹه۔

۲) فی جامع الفصولین: ان یقول ما امرنی به الله قبلته وما نهانی عنه انتهیت عنه فإذاً اعتقد ذلك بقلبه واقر بلسانه کان ایمانه صحیحاً ومومناً بالکل، کتاب الوصیة فصل ثامن وثلاثون فی مسائل الکلمات الکفریة، ج ٢ ص ٢١٥، اسلامی کتب خانه۔

وهکذا فی الدر المختار: وهو تصدیق محمد صلی الله علیه وسلم فی جمیع ما جاء به عن الله تعالی مما علم مجیئه ضرورةً وهل هو فقط او هو مع الاقرار؟ قولان: واکثر الحنفیة علی الثانی والمحققون علی الاول والإقرار شرط لاجراء الاحکام الدنیویة بعد الاتفاق علی انه یعتقد متی طولب به اتی به فإن طولب به فلم یقر فهو کفر عناد، کتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ٣٤٢، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی بحر الرائق: کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ٥ ص ٢٠٢، رشیدیه کوئٹه۔

سے مسلمان اسلامی عقائد سے کما حقہ واقف نہیں۔لیکن اسلامی عقائد سے وہ منکر بھی نہیں۔اس لیے اس شخص کو بھی مسلمان سمجھا جائے گا اور اس کا نکاح صحیح ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

کسی کا مسلمان یا مرتد ہونا کس عمر میں معتبر ہے

﴿س﴾

(۱) شیخ بشیر احمد عرصہ زائد از تیس سال سے مشرف باسلام ہوکر پاکستان میں مقیم ہے۔

(۲) شیخ بشیر احمد ہمیشہ اپنے رشتہ داران کو تلقین اسلام کرتا رہا۔ بالآخر وہ بزرگوں اور اپنے بھتیجوں چھبیلداس و گوپالداس کو تقسیم ہند کے وقت مسلمان کرنے میں کامیاب ہوگیا اور وہ مجمع عام میں مشرف باسلام ہوئے اور کچھ وقت تک پابند صوم وصلوٰۃ رہے۔چھبیلداس و گوپالداس بوقت اسلام تقریباً پندرہ چودہ سال کی عمر کے تھے۔

(۳) بوقت انخلاء شہر کے دوسرے ہندو مرتدین کے بہکانے پر یہ دونوں صاحبان بھی اسلام سے مرتد ہوکر ہندوستان (دارالحرب) میں چلے گئے اور وہ مستقلاً وہاں سکونت پذیر ہوگئے۔

(۴) شیخ بشیر احمد اکیلا ہی اس خاندان کا فرد ہے جو بحالت اسلام پاکستان میں مقیم ہے۔

(۵) شیخ بشیر احمد مرتدوں کی جائیداد پر قابض ومتصرف ہے۔ بیان فرمایا جاوے کہ لڑکا کس عمر میں شرعاً مکلف ہوتا ہے کہ چھبیلداس و گوپالداس کا اسلام شرعاً معتبر تھا۔ نیز اس وقت ان کا ارتداد بھی معتبر تھا اگر نہیں تو کس عمر میں ان کا ارتداد معتبر ہو چکا ہے نیز کیا شیخ بشیر احمد ان کی جائیداد کا صحیح جانشین اور وارث ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

لڑکا جب ہوشیار عاقل ہو تو باوجود نابالغ ہونے کے بھی اس کا اسلام معتبر ہے البتہ نابالغی میں ارتداد[1] معتبر نہیں اگر بالغ ہونے کے بعد بھی وہ ارتداد پر قائم رہیں تو اب وہ مرتد سمجھے جائیں گے۔بلوغ کے لیے احتلام

---

۱) فی سنن ابن ماجة: عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستقیظ وعن الصغیر حتی یکبر الخ، کتاب الصلوة باب طلاق المعتوه والصغیر والنائم، ص ۱۴۸، ایچ ایم سعید۔

وهکذا فی الدر المختار: فلاتصح ردة مجنون ومعتوه وموسوس وصبی لا یعقل، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب ما یشك انه ردة لا یحکم بها، ج ۶ ص ۳۴۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج ۲ ص ۲۵۳، مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

وغیرہ کے عدم ثبوت کی صورت میں پندرہ سال عمر آخری ہے اور یہی مفتی بہ ہے۔ اگر حکومت ان کے سلب حقوق ملکیت یا شہریت کا فیصلہ دے دے تو شیخ بشیر احمد ہی ان کی جائیداد کا وارث ہے۔ اور حکومت کے اس فیصلہ کے بعد وہ اموات کے حکم میں ہوں گے۔ حکم باللسان سے وہ میت متصور ہوتے ہیں[1]۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ

کسی عالم دین کو بے دین وکافر کہنے کی شرعی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے ہاں دورہ قرآن مجید پڑھ کر سند قرآن کی لی ہے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی کے ہاں دورہ حدیث پڑھ کر حدیث کی سند لی ہے۔ زید ساری ساری رات قرآن مجید پڑھتا ہے جانوروں کے چرواہوں کے پاس جا کر ان کو کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی اور نماز کا سبق دیتا ہے۔ حتیٰ کہ سنت کا پورا پورا پابند ہے اور عالم باعمل اور موحد ہے۔ عمرو ایک جاہل آدمی ہے نماز میں عمرو نے قرآن غلط پڑھا، زید نے اسے روک دیا اسی ناراضگی کی رو سے عمرو نے زید کو بے دین اور کافر کہا ہے۔ اب عمرو کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔ بکر مرزائیوں اور مشرکوں اور شیعوں کو کافر نہیں کہتا۔ بکر کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔

﴿ج﴾

عمرو ان کلمات کے کہنے سے فاسق ہو گیا، **لقوله علیه السلام سباب المومن فسوق**[2]. بکر کا عقیدہ اگر یہ ہے کہ مرزائی حق بجانب ہیں تو وہ چونکہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اس لیے دائرہ اسلام سے خارج

---

۱) وان لحق بدار الحرب مرتد او حكم الحاكم بلحاقه عتق مدبروه وامهات اولاده وحلت ديونه المؤجلة ونقل ما اكتسبه فی حالة الإسلام الی ورثته المسلمين باتفاق علمائنا الثلاثة، كتاب السير باب تاسع فی احكام المرتدين، ج ۲ ص ۲۵٤، الهندية علوم اسلاميه چمن۔
وهكذا فی الدر المختار مع رد المحتار: (ورث كسب اسلامه وارثه المسلم) اشار الی ان المعتبر وجود الوارث عند الموت او القتل او الحكم باللحاق، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ۳۷۷۔۳۷۸، رشيديه كوئته، رد المحتار، لأنه باللحاق صار من اهل الحرب وهم اموات فی حق احكام الإسلام فصار كالموت الا انه لا يستقر لحاقه الا بالقضاء لاحتمال العود واذا تقرر موته تثبت الأحكام المتعلقة، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج ٦ ص ۳۷۹، رشيديه كوئته۔

۲) فی صحيح البخاری عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق ...... كتاب الادب، باب ما ينهی عن السباب واللعن، ج ۲ ص ۸۹۳، قديمی كتب خانه كراچی۔

ہیں[1]۔ البتہ اگر لاعلمی کی بنا پر کہتا ہے تو گنہگار ہے۔ یعنی وہ مرزائیوں کے عقائد مخصوصہ مثلاً انکار ختم نبوت سے واقف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

• عرش کو بطور کشف دیکھنے، جاگتے میں حضور ﷺ کو دیکھنے، عالم برزخ میں اولیاء کے ساتھ اجتماع وغیرہ دعووں کی شرعی حیثیت

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمدلله الذى انزل القران ولم يجعل له عوجا و اظهر الملة الحنيفة البيضاء هدى و نورا و ارسل رسلاً هدى للناس وبينات من الهدى. اما بعد فنسئلكم ايها العلماء الكرام ورثة الانبياء عليهم الصلوة والسلام عن عدة اشياء.

(۱) الاول فى حكم رجل ادعى كشف المحسوسات بعين البصيرة بغير البصر فى الارض والسموات والعرش المعلى اهذا الدعوى حق ام باطل فان كان باطلاً فما حكم هذا الرجل فى الشريعة.

(۲) الثانى انه اذا ادعى روية النبى صلى الله عليه وسلم فى اليقضان بغير نوم والتكلم معه بالمشافهة فيه والاستفتاء منه فى بعض الاحكام و ترجيح بعض الاقوال على بعض اهذه الرؤية صادقة وثابتة فى الشريعة ام كاذبة وغير ثابتة فيه وكذا التكلم الذى ادعاه يمكن ام لاوثابت فى الشرع ام لا ان لم يكن ثابتا فما حكم القائل وكذا الاستفتاء الكذائية والعمل بهاله ولغيره صحيح ام فاسد فان كان فاسدا فماذا حكمه.

(۳) الثالث انه يدعى انى اجتمع مع الاولياء الاموات فى البرزخ بالروح يتكلمون معى وانا معهم وكذامع احيائهم بالروح لابالجسد و اسئلهم مسئلة روحانية عن امور واقعة وماسيقع من الكائنات يقضانا بغير نوم كيف هذا.

(۴) الرابع ان هذا الرجل ادعى ان لى معاجاً فى ابواب السموات والعرش العظيم بالروح المدبر للجسد ولا بالبدن والروح المدبر والجسد ههنا فى بيتى يبقيان وهو صاعد

---

۱) فى مرقاة: اذا رأى منكراً معلوماً من الدين بالضرورة فلم ينكره ولم يكره، ورخص به واستحسنه كان كافراً، كتاب الاداب، باب الأمر بالمعروف، ج ۹ ص ۳۲۴، دار الكتب علميه بيروت۔
هكذا فى فتاوى خانيه ومن رضى بكفر الغير بصير كافراً، كتاب السير، باب ما يكون كفراً، ج ۳ ص ۵۷۲، علوم اسلاميه چمن۔

في السماء فانظروا فيه حق النظر.

(۵) الخامس انه قد افتى بعض العلماء بصحة هذه الدعاوى كلها و حقيتها وهو على هذا فما ذا حكم هؤلاء المفتين يجوز الصلوة خلفهم والفتوىٰ عنهم في الاحكام الشرعية ام لايجوز. بينوا تو جروا بسند من الكتاب والسنة مع رقم الصفحة بكذا نمبر ۲۲ مثلاً

﴿ج﴾

بسم الله الرحمن الرحيم. هذه الامور المذكورة في السوال الخارقة للعادة يجوزان تصدر عن رجل مؤمن متق صالح متبع للشريعة الاسلامية والسنة السنية مجانبا عن البدعات والمنكرات والهوى النفسانية غير مقرون بدعوى النبوة كرامة من الله تعالىٰ للعبد اتباعاً لنبيه افضل الرسل محمد صلى الله عليه وسلم و تكون معجزة لنبينا صلى الله عليه وسلم لان صدور هذه الخوارق من العبدببركة اتباعه النبي صلى الله عليه وسلم فتكون معجزة له صلى الله عليه وسلم لامحالة. والدليل على ذلک كله ماقال ابن عابدين الشامي في رسائله ص ۲۹۳. (الفصل الاول) في كرامة الاولياء وتعريف الولي. قال المحقق التفتازاني في شرح المقاصد الولي العارف بالله تعالي وصفاته المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي المعرض عن انهماک في اللذات والشهوات وكرامته ظهور امر خارق للعادة من قبله غيرمقرون بدعوى النبوة وبهذا يمتاز عن المعجزة. الخ. (الى ان قال) و (ذهب) بعضهم الي امتناع كونها من جنس ماوقع معجزة لنبي كانفلاق البحر وانقلاب العصى واحياء الموتي قالوا و بهذه الجهات يمتاز عن المعجزات وقال الامام هذه الطرق ليست سديدة والرضى عندنا تجويز جملة خوارق العادات في معرض الكرامات وانما تمتاز من المعجزات بخلوها عن دعوى النبوة حتي لوادعى الولي النبوة صارعدوالله تعالىٰ لا يستحق الكرامة بل اللعنة والاهانة. الخ [1].

وقال في شرح الفقه الاكبر لملا على القاري ص ۹۶ ثم ظاهر كلام الامام الاعظمؒ في هذا المقام موافق لماعليه جمهور علماء الاسلام من ان كل ماجازان يكون معجزة لنبي جاز ان يكون كرامة لولي لافارق بينهما الاتعدى خلافا للقشيري ومن تبعه كابن السبكي

---

۱) مجموعة رسائل ابن عابدين، رساله سل الحسام الهندى لنصرة مولانا خالد النقشبندى، ص ۲۹۳ تا ۲۹۴، طبع سهيل اكيڈمى۔

حيث قالاالانحو ولددون والد و قلب جماد بهيمة فلايكون كرامة هذا والكتاب ينطق بظهور الكرامة من مريم ومن صاحب سليمانؑ واما ماقيل من ان الاول ارهاص لنبوة عيسىؑ او معجزة لزكريا. والثانى معجزة لسليمانؑ فمدفوع بانا لاندعى الاجواز الخارق لبعض الصالحين غيرمقرون بدعوى النبوة ولايضرنا تسميته ارهاصا اومعجزة لنبى هو من امته سابقا اولا حقا. الخ[1]

فهذه الامور المذكورة كلها تجوزان تصدر عن النبى معجزة له صلى الله عليه وسلم فلهذا تجوز ان تصدر عن الولى العارف بالله وصفاته كرامة له بناء على مانقلنا من الروايات هذا هو الجواب الاجمالي عن الاسئلة المذكورة كلها وبعد ذلک اقول مفصلا على ترتيب الاسئلة.

(١) قال ابن عابدين الشامي في سل الحسام الهندى (رسائل ابن عابدين ص ٣١٢) (وسئل) في الفتاوى الحديثية عمن قال ان المؤمن يعلم الغيب هل يكفرام يستفصل لجواز العلم بجزئيات من الغيب (فاجاب) بقوله لايطلق القول بكفره لاحتمال كلامه ومن تكلم بما يحتمل الكفر وغيره وجب استفصاله كما فى الروضة وغيرها (الى ان قال) ومتى استفصل فقال اردت بقولى المؤمن يعلم الغيب ان بعض الاولياء قديعلمه الله ببعض المغيبات قبل منه ذلک لانه جائز عقلا و واقع نقلا اذهو من جملة الكرامات الخارجة عن الحصر على ممرالاعصار فبعضهم يعلمه بخطاب وبعضهم يعلمه بكشف حجاب وبعضهم يكشف له عن اللوح المحفوظ حتى يراه. الخ[2].

(٢) قال ابن عابدين ايضاً فى سل الحسام الهندى (رسائل ابن عابدين ص ٣٠٠) وقد سئل هل تمكن رؤية النبى صلى الله عليه وسلم فى اليقظة فاجاب بقوله انكر ذلک جماعة وجوزه اخرون وهوالحق فقد اخبربذلک من لايتهم من الصالحين. الخ.[3]

---

١) شرح فقه الأكبر والآيات للأنبياء والكرامات حق، ص ٢٣٧ تا ٢٣٨، طبع دار البشائر الإسلامية۔

٢) مجموعة رسائل ابن عابدين، رساله سل الحسام الهندى لنصرة مولانا خالد النقشبندى، ص ٣١٢، سهيل اكيڈمى۔

٣) مجموعة رسائل ابن عابدين، رساله سل الحسام الهندى لنصرة مولانا خالد النقشبندى، ص ٣٠٠، سهيل اكيڈمى۔

فهذا ايضاً ممكن وواقع واما الاستفتاء وجوابه فليس ذلك بحجة على الغير كما هو بين.

(۳) هذا ايضاً ممكن و واقع لما قال ابن عابدين في رسائله ص ۳۰۰ بعد مدح الصوفية و بيان انهم خير الخلق حتى انهم وهم بيقظتهم يشاهدون الملائكة و ارواح الانبياء و يسمعون منهم اصواتا ويقتبسون منهم فوائد. الخ.[1]

(۴) هذا ايضاً ممكن و واقع لمامر. (۵) يعلم مماقررت حكم المفتين المذكورين بادنى تامل.

فهذه الامور في نفسها ممكنة الصدور من الولي واما ان هذا الرجل المذكور في السوال هل تصدر عنه هذه الامور فلانحكم به فانتم اعلم منابحال هذا الرجل ان كان عارفا بالله وصفاته اعني ولي الله فلايبعدان تصدرعنه وان كان غير ذلك يكون كاذبا في دعواه صدور هذه الامور الخارقة للعادة عنه. والله تعالى اعلم و علمه اتم واحكم حرره عبداللطيف غفرله معين مفتي مدرسه قاسم العلوم ملتان ۱۳ ربيع الاول ۸۷ھ.

هذه الامور في نفسها جائزة ولكن في هذا الوقت الذي شاع فيه البدع وتغلب ارباب البدع على الناس يأخذون منهم الاموال ويخادعونهم و هولاء الدجالون الضالون المبتدعون الذين كسوارداء الاسلام و مادخلت بشاشة الايمان في قلوبهم يظهرون انفسهم اولياء كاملين و يتفوهون بالكرامات لايجوزان ينطبق حال الاسلاف الكرام المتبعين للسنة النبوية على هؤلاء الدجا جلة لعنهم الله فالحذر الحذر.

محمود عفا اللہ عنہ المفتی بمدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴-۴-۱۳۸۷

کیا محمد بن عبدالوہاب نجدی، حنفی دیوبندی تھے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) کیا محمد بن عبدالوہاب نجدی کو علمائے دیوبند پیشوا اور امام تسلیم کرتے ہیں۔

---

۱) مجموعة رسائل ابن عابدين، رساله سل الحسام الهندي لنصرة مولانا خالد النقشبندي، ص ۳۰۰، سهيل اكيڈمى۔

(۲) جو شخص محمد بن عبدالوہاب کو پیشوا اور امام اور مصلح تسلیم کرے وہ مسلکاً دیوبندی ہے یا وہابی۔

(۳) محمد عبدالوہاب اور اس کے متبعین سے جو کام سرزد ہوئے۔ علمائے دیوبند وہ کام شرعاً جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔

(۴) مسلمانوں کی قبروں کی اہانت کو علمائے دیوبند جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔

(۵) قبروں اور قبوں (روضوں) کا گرانا آپ جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔

(۶) زید کہتا ہے جو لوگ روضے بناتے تھے وہ سود خور تھے۔ اب وہ ان مسلمانوں کو کہتا ہے جو روضے بناتے ہیں کہ تم لوگ روضے تو بناتے ہو لیکن سود کیوں نہیں کھاتے۔ زید کا یہ قول دیوبندی مسلک کے مطابق ہے یا نہیں۔

المستفتی ایم اللہ بخش محمد بخش سوداگران وان سوت والہ نزد اسٹیشن جمن شاہ تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

(۱) محمد بن عبدالوہاب حنبلی مذہب کے تھے۔ بہت سے مسائل میں حنفی مذہب سے ان کو اختلاف ہے۔ نیز بہت سے اعتقادی مسائل بھی ان کے اہل السنّت والجماعت سے مختلف ہیں۔ مثلاً حیات انبیاء علیہم السلام و جواز توسل وغیرہ اور دیوبندی خالصۃً حنفی المذہب اہل سنت والجماعۃ کے متبع ہیں تو وہ کس طرح ان کو اپنا امام یا پیشوا تسلیم کر سکتے ہیں۔

(۲) محمد بن عبدالوہاب کو اپنا امام اور پیشوا و مقتدا مسائل فروع میں یا اعتقادیات میں تسلیم کرنے والا دیوبندی نہیں ہو سکتا۔ دیوبندیت کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اہل السنّت والجماعۃ اور خالص حنفی مسلک ہے۔ جسے دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء نے ایک خاص طرز کے ساتھ محدثانہ انداز سے منقح کر کے پیش کیا ہے۔

(۳) بعض کام ان کے صحیح ہوں گے، بعض غیر صحیح

(۴) العیاذ باللہ قبور مسلمین کی تعظیم اور ان کا احترام از حد ضروری ہے۔ احادیث میں اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ زیارت قبور مسنون ہے۔ البتہ ان کو حاجت روا، مشکل کشا خیال کرنا یا ان کی قبروں سے ایسا معاملہ کرنا، جو شرعاً جائز نہ ہو۔ مثلاً طواف، تقبیل یا سجدہ، وغیرہ تو اس کو دیوبندی علماء کیا جملہ ائمہ دین منع فرماتے ہیں[۱]۔

---

۱) فی صحیح المسلم عن جابر رضی اللہ عنہ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه، کتاب الجنائز فصل فی النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها، ج ۱ ص ۳۱۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، مثله فی مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز باب دفن المیت، ص ۱۴۸، قدیمی کتب خانہ کراچی۔ فی مشکوۃ المصابیح، عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولاتصلوا الیها۔

وکذا فی البنایه: وکره ابوحنیفة ان یبنی علی القبر اویوطأ علیه أو یجلس علیه، أو ینام علیه، أو یقضی علیه حاجة الإنسان، من بول او غائط، أو یعلم بعلامة، أو یصلی الیه، أو یصلی بین القبور، باب الجنائز، فصل فی الدفن، ج ۳ ص ۳۴۱، رشیدیه کوئٹه۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(۵) قبوں کا گرانا اور محو کرنا اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک کہ ان کی ہڈی قبر میں موجود ہو، جب اتنا زمانہ گزر جاوے کہ اس کی ہڈی بھی گل کر راکھ ہوجائے۔ اس وقت جائز ہے[1]۔ شامی وغیرہ فقہاء نے اس کو تحریر کیا ہے۔ باقی قبر پر قبہ بنانے سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ نهى النبي صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبر [2] (رواہ مسلم) البتہ اگر گرانے میں عامۃ المسلمین کے دلوں سے قبور مسلمین کی عظمت ختم ہوجانے کا خطرہ ہو تو اجازت نہیں دی جائے گی۔ ورنہ فی نفسہ جائز ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) وهكذا في الهندية: كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز وفيه سبعة فصول، الفصل ٢ السادس في القبر والدفن الخ، ج ١ ص ٦٦ ذ، رشديه كوئته لما في البزازية: لا يمسح القبر، ولا يقبله، ولا يمسه، فإن كل ذلك من عادة النصارى، قال وما ذكروه صحيح، قال الزعفراني: لا يستلم القبر بيده ولا يقبله، قال: وعلى هذا مضت السنة، وما يفعله العوام الان من البدع المنكرة شرعاً، باب الجنائز فصل في الدفن، ج ٣ ص ٢٦١ تا ٢٦٢، دار الكتب العلمية، بيروت۔

وهكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقرأة القرآن، ج ٥ ص ٣٥١، مكتبه علوم الإسلامية چمن۔

۱) كما في رد المحتار: قال في الفتح ولا يحفر لدفن آخر الا ان بلي الأول فلم يبق له عظم الا أن لا يوجد، فتضم عظام الأول ويجعل بينها حاجز من تراب ...... قال الزيلعي ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبر وزرعه و البناء عليه ...... قلت ...... فالاولى اناطة الجواز الكبيرة، اذا لم يمكن ان يعد لكل ميت قبر لا يدفن فيه غيره له ...... وان صار الأول تراباً لا سيما في الأمصار الكبيرة الجامعة، كتاب الميت، مطلب في دفن الميت، ص ١٦٣ تا ١٦٤، ج٢، رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز الخ الفصل السادس في القبر دفن ج ١ ص ١٦٧، رشيديه كوئته۔

وهكذا في حاشية الطحطاوى: كتاب الصلوة باب احكام الجنائز، فصل في حملها دفنها، ج ١ ص ٦١٢، دار الكتب العلمية۔

وهكذا في بحر الرائق: كتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلاته، ج ٢ ص ٣٤٢، رشيديه كوئته۔

كما في المسلم: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... ان يبنى عليه (كتاب الجنائز، ج ١ ص ٣١٢، قديمى كتب خانه كراچى۔

وهكذا في البزازية: كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز: الفصل السادس في القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٦، رشيديه كوئته۔

كما في رد المحتار: وينبغي ان لايسأل الإنسان عما لا حاجة اليه"، كتاب الخنثى، مسائل شتى، ج ١٠ ص ٥٢٠، رشيديه كوئته۔

(۲

(۶) زید کا یہ قول بہت زیادہ تشدید پر مبنی ہے۔ اگر چہ قبہ بنانا جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسی چیزوں سے تشبیہ دینا خلاف ادب ہے اور اس طرح قوم کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۱۳۷۲ھ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفرِ کوفہ کی غرض

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے اندر سفر کر کے گئے تو آپ کا کیا ارادہ تھا۔ آیا لڑائی کرنے کا ارادہ تھا یا کوئی اور مقصد تھا پھر آپ کو مدینہ شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منع کرتے تھے تو آپ نے ان کے مشورہ کو کیوں مسترد کیا اسی طریقہ سے مکہ معظمہ کے اندر بھی آپ کو سفر کرنے سے منع کرتے رہے لیکن آپ نے کسی کی نہیں سنی۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ بعد اس کے سفر کر کے کوفہ میں پہنچے کوفہ میں جا کر آپ کو مسلمانوں سے لڑائی کرنے کا موقع ملا۔ زید کہتا ہے کہ جس وقت آپ کوفہ میں پہنچے تو اولوالعزم عالم اور صحابہ تھے۔ سب نے مل کر فتویٰ دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دینا چاہیے تاکہ دنیا کے اندر سے فتنہ ختم ہو جائے۔ تو آپ مکمل جواب دیں کہ آپ کو فتنہ کیوں کہا گیا۔ آیا یہ انہوں نے صحیح کہا یا غلط۔ اور یہ فتویٰ انہوں نے دیا ہے یا کہ نہیں۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مقاتلہ کا کیوں موقع ملا۔ اس کے اندر کیا بات تھی۔ لہٰذا زید یہاں پر کچھ عربی فارسی سے تعلق رکھتا ہے اور لوگوں کو وعظ بھی کرتا ہے۔ تو یہ سب مسائل اس نے ہی بیان کر کے شبہ ڈال دیا ہے اور زید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان غلطیوں پر معتوب کرتا ہے کہ آپ کیوں گئے اور مسلمانوں کے ساتھ کیوں لڑے جبکہ مسلمان سے مقاتلہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر آپ نے صبر کیوں نہ کیا۔ آیا یہ سب مسائل زید کے صحیح ہیں یا غلط؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے اور اس کے وعظ و تقریر کو سننا چاہیے یا کہ نہیں؟ جماعت مسلمانان چک نمبر ۴۳ سرگودھا۔

﴿ج﴾

ایسے مسائل جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس میں اختلافات اور تنازعات کا ذکر ہو، بہت زیادہ پیچیدہ ہیں۔ ہر ایک شخص کو جب تک باقاعدہ محقق عالم نہ ہو، اس میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ اکثر لوگ اس میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ کچھ اہل بیت کی توہین پر اتر آتے ہیں اور کچھ باقی صحابہ کرام کی توہین کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں سے محفوظ رکھے۔ مذہب حق اس کے بین بین ہے۔ وہ یہ کہ اگر چہ یزید [1]

---

۱) كما في البداية: بايع ابن عمر وابن عباس رضي الله عنهم (قصة الحسين ابي على الخ، ج ۵ ص ۶۵۶، دار الفكر بيروت۔

فاسق تھا لیکن بعض صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے اس کی بیعت کی[1]۔ نعوذ باللہ اس لیے نہیں کہ وہ کمزور تھے۔ یا حق کو چھپاتے تھے بلکہ ان کے نزدیک اجتہادی مسئلہ تھا کہ فاسق کو جب امیر بنایا جاوے تو اس کی امارت شرعاً صحیح امارت ہے اور اس کی بیعت لازم ہے[2]۔ اس سے خلاف کرنا صحیح نہیں۔ ان کا اجتہاد یہ تھا ان کے پاس بھی دلائل تھے اور کتاب وسنت سے وہ اس مسئلہ کو ثابت کرتے تھے اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ فاسق کی بیعت جائز نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے انکار کر کے قربانی دی۔ اور قاعدہ شرعی ہے کہ ہر مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے[3]۔ نیز اجتہاد میں اگر خطا بھی ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ثواب ملتا ہے[4] اس لیے کسی فریق سے بھی اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا۔ بلکہ دونوں کو ثواب ملے گا۔ باقی

---

۱) وكذا في رد المحتار: حقيقة اللعن المشهورة هي الطرد عن الرحمة وهي لا تكون الا لكافر ولذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وان كان فاسقاً مشهوراً كيزيد على المعتمد"، كتاب الطلاق، مطلب من حكم لعن العصاة، ج ٥ ص ٥٣، رشيديه كوئته۔

۲) لما في رد المحتار: وعند الحنفية ليست العدالة شرطاً للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة، كتاب الصلوة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، ج ٢ ص ٣٣٤، رشيديه كوئته۔

۳) كما في رد المحتار: "مخالفة الامير حرام"، كتاب الجهاد، مطلب مخالفة الامير حرام، ج ٦ ص ١٢٣٢، رشيديه كوئته۔

كما في المسلم: عن ابن عباس رضي الله عنهما: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى من اميره شيئاً يكرهه فليصبر، كتاب الأمارة، باب حكم من فرق امر المسلمين وهو مستجمعون، ج ٢ ص ١٢٨، قديمي كتب خانه كراچي۔

٤) كما في شرح فقه الأكبر: وقول علي: ...... ان المجتهد يجب عليه اتباع اجتهاده"، ج ١ ص ١٩٦، دار البشائر الإسلامية۔

كما في البخاري: عن عمرو بن العاص رضي الله عنه انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله اجران وإذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجرٌ، كتاب الاعتصام، باب اجر الحاكم اذا اجتهد فأصاب واخطأ، ج ٢ ص ١٠٩٢، قديمي كتب خانه كراچي۔

مر كما في شرح فقه الأكبر: (ولا نذكر الصحابة) أي مجتمعين ومنفردين، وفي نسخة، ولا نذكر احداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الا بخيرولا نذكر الصحابة، ج ١ ص ٢٠٩، دار البشائر الإسلامية۔

كما في رد المحتار: حقيقة اللعن المشهورة هي الطرد عن الرحمة وهي لا تكون الا لكافر واذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وان كان فاسقاً مشهورا كيزيد على المعتمد"، كتاب الطلاق، مطلب في حكم اللعن العصاة، ج ٥ ص ٥٣، رشيديه كوئته۔

كما في شرح مسائره لابن ابي شريف، وظاهر قول الشافعي وابي حنيفة۔

یزید بہرحال فاسق تھا، اس لیے کم ازکم اکابر صحابہ وتابعین کی دونوں طرف سے عظمت ملحوظ رہے[۱]۔ واللہ اعلم۔
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۱۷ صفر ۱۳۷۵ھ

کیا یزید کے دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یزید کو جو برا بھلا کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کو دوزخی ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا اس بارے میں کوئی احادیث ملتی ہیں کہ یزید دوزخی اور اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ کوئی اس قسم کی حدیث ہے کہ جس کی رو سے یزید کو جنتی کہتے ہیں۔ جیسے کہ جنگ قسطنطنیہ میں شرکت کے متعلق حدیث شریف ہے کہ جو اس جہاد میں شریک ہوں گے وہ جنتی ہیں۔ اس کے متعلق کیا سمجھا جاوے۔ نیز عہد یزید میں کتنے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور کتنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت یزید سے ثابت ہے اور کیا یزید کی کمان میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جہاد میں شرکت کی؟

﴿ج﴾

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کسی مسلمان کو کافر[۲] کہنا مناسب نہیں، یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا[۳] جائز نہیں کہ وہ

---

۱) تالیفات رشیدیہ، کتاب الایمان والکفر، انه لا یکفر احد منهم ای لا یحکم بکفر احد من المخالفین فیما لیس من الأصول المعلومة من الدین ضرورة وهذا هو المنقول عن جمهور المتکلمین والفقهاء۔ ص ۶۳، ادارۂ اسلامیات۔
بحواله مجموعة الفتاوی ......ایچ ایم سعید کتاب العقائد، ج ص ٦١۔
کما فی شرح فقه الأکبر: ولا یخفی أن ایمان یزید محقق ولا یثبت کفره بدلیل ظنی فضلاً عن دلیل قطعی فلا یجوز لعنه بخصوصه، ولا نکفر مسلماً بذنب، ج ص ٢١٨، دار البشائر الإسلامیة۔
کما فی شرح فقه الأکبر: وعلی الجملة ففی لعن الأشخاص خطر فلیجتنب ولا خطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلاً عن غیره، انتهی، (ولا نکفر مسلماً بذنب الخ، ج ص ٢١٦، دار البشائر الإسلامیة، وایضاً فی شرح سائره لابن ابی شریف بحوالة مجموعة الفتاوی کتاب العقائد ص ٦١ ایچ ایم سعید)
۲) تألیفات رشیدیه کتاب الإیمان والکفر، ص ٦٤، اداره اسلامیات۔
۳) فی کلام الله: انما التوبة علی الله للذین یعلمون السوء بجهالة الخ، پاره نمبر ٤ سورة النساء، الآیة نمبر ١٧، تاج کمپنی۔

عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۸۔ ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے۔ کیونکہ اگر لعنت جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ (ص ۳۹) انتہیٰ

یہ مسئلہ نہ تو دین کے اصول سے ہے نہ فروع سے اور نہ ہی آخرت میں کوئی حساب کتاب باز پرس اس کے متعلق ہے انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ دین کے اہم مسائل جن پر اخروی نجات موقوف ہے ان سے قطعی طور پر بے خبر ہونے کے باوجود ان کا علم حاصل کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی۔ لیکن جو مسئلہ نہ دین کے اصول میں سے ہے نہ فروع میں سے اس پر قیمتی وقت کو ضائع کیا جا رہا ہے۔ اگر زیادہ شوق ہو تو کتاب خلافت معاویہ ویزید پر مختلف رسائل میں جو تبصرے شائع ہوئے تھے۔ ان کو احسن الفتاویٰ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ مراجعت فرماویں۔ احسن الفتاویٰ ص ۸۷ تا ص ۲۰۲۔ واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۲ رجب ۱۳۹۲ھ

چالیسویں میں پیر صاحب کا ناچ گانے کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پیر کا والد بقضاء رحلت کر گیا۔ خلف الرشید نے مرحوم کا چہلم بڑی دھوم سے کروایا۔ ناچ کرنے والے منگائے گئے اور باجے وغیرہ سے مجلس کو خوب سجایا گیا۔ خلف الرشید کا یہ تذکرہ ایک مکان کے اندر دو آدمیوں کے سامنے ہوا تو عمر نے ان ناشائستہ حرکات کو منکر کہہ دیا اور یہ کہ ان موجودہ گدی نشینوں سے تو یزید بہتر تھا۔ چونکہ یہاں پر تو بدعات ہو رہی ہیں اور یزید کے ہاتھ پر کافی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اور یزید کے پیچھے عیدین و جمعہ کی نمازیں ادا کرتے رہے۔ کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے بحکم حضور علیہ السلام قسطنطنیہ کا فاتح جنتی ہے۔ یزید ہی نکلا۔ نیز امام حسین رضی اللہ عنہ پر جو مظالم میدان کربلا میں ڈھائے گئے۔ وہ بہت ہی بڑا ظلم تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق یزید نے علانیہ کہا تھا۔ لعن اللہ ابن مرجانۃ ما امرتہ ای لقتل حسین رضی اللہ عنہ و لا اشرتہ۔ یعنی قتل حسین عبداللہ بن زیاد کا فعل تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ تو ان دو آدمیوں میں سے ایک بولا استغفر اللہ ان موجودہ گدی نشینوں میں تو نیک آدمی بھی ہیں۔ یزید ان سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے حالانکہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ تو عمر نے کہا کہ جن پیروں کا تذکرہ خیر میں آپ کے سامنے کبھی کبھی کرتا رہتا ہوں وہ میری ہرگز مراد نہیں ہیں بلکہ مذکورہ صفات والے۔ اب عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے علانیہ کہہ دیا ہے کہ عمر مرتد عن الاسلام ہو گیا ہے اور اس کا نکاح بھی فسخ ہو گیا ہے۔ کیا ارتداد کا فتویٰ صحیح ہے اور اس کا نکاح بھی فسخ ہو گیا ہے۔

اگر ارتداد کا فتویٰ صحیح نہیں تو ارتداد کا فتویٰ دینے والا کس نوع کا مجرم ہے۔ برائے مہربانی مسئلہ کے ہر پہلو کو مفصل بحث کے ساتھ تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں عمر مرتد نہیں ہوا اس کا نکاح بدستور باقی ہے۔ عمر کے ارتداد کا فتویٰ دینا جہالت ہے۔ جس شخص نے یہ فتویٰ دیا ہے اس پر لازم ہے کہ توبہ تائب ہو جائے [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۱۲۔۴۔۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

یزید کے بارے میں بحث کی ضرورت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ یزید قاتل امام حسین رضی اللہ عنہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا مظالم کربلا اس کے حکم سے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اور وہ ان واقعات پر خوش ہوا یا نہیں۔ کیا یزید لائق و مستحق لعنت ہے یا نہیں۔ اور اہل سنت والجماعت میں سے کس نے جواز لعن اور کس کس نے عدم جواز کا قول کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

محترم المقام سلمکم اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ وقت ان مسائل میں پڑنے کا نہیں۔ اسلام کے خلاف اس وقت جو فتنے کھڑے کیے جا رہے ہیں۔ ان کے حل سوچنے اور مقابلہ کرنے کا وقت ہے۔ فی الشامیۃ ج ۱۰ ص ۵۲۴۔ **وینبغی ان لا یسئل الانسان عما لا حاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبرئیل و علی ای صورۃ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم.** [2] **الخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، خادم دار الافتاء مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۱۵۔۱۸۔۱۳۸۸ھ

یزید کو خلیفۃ المسلمین کہنا

﴿س﴾

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مندرجہ ذیل عبارات وحوالجات کے متعلق کیا یہ عبارات وحوالجات صحیح

---

۱) فی کلام اللہ: انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ الخ، پارہ نمبر ٤ سورۃ النساء، الآیۃ نمبر ١٧، تاج کمپنی۔

۲) رد المحتار، کتاب الخنثی، مطلب مسائل شتی، ج ١٠ ص ٥٢٠، رشیدیہ کوئٹہ۔

ہیں یانہیں۔ (۲) اگر صحیح ہیں تو کیا واقعی اس شہر (قسطنطنیہ) پر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کی خلافت میں جہاد کیا ہے یا کسی اور نے کسی اور کی خلافت میں شہر مذکور پر جہاد کیا ہے (۳) اگر واقعی یزید نے اس شہر پر جہاد کیا ہے اور حدیث مندرجہ ذیل بھی اسی جیش کے حق میں ہے تو کیا یزید بھی اس مغفرۃ میں شامل ہے یانہیں۔ (۴) اور کیا یزید کو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کہنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ (۵) اور کیا امام غزالی کا مندرجہ ذیل فتویٰ یزید کے بارہ میں صحیح ہے یانہیں؟ (۶) حضرت ابوایوب (انصاری رضی اللہ عنہ) کی وفات بھی اس جہاد کے وقت ہوئی ہے یانہیں؟ یعنی اس لڑائی کے وقت یا قبل و بعد (۷) اور کیا حضرت موصوف کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی ہے یانہیں۔ عبارات وحوالجات یہ ہیں) (۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۴۱۰ اصح المطابع (۲) علامہ القسطلانی نے لکھا ہے۔ فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر و منقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر حاشیہ صحیح البخاری جلد اول ص ۴۱۰۔ (۳) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ کان المسلمون یاتوا الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ و کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ ابن معاویۃ یزید. البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۵۱۔

(۴) علامہ طبریؒ۔ وتوفی ابوایوب انصاریؓ عام غزا یزید بن معاویۃ القسطنطنیۃ فی خلافتہ وصلی علیہ. البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۵۹۔

(۶) حجۃ الاسلام امام غزالی نے ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ ویزید صح اسلامہ و ماصح قتل الحسین ولا رضاہ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب۔

(۷) علامہ ابن تیمیہ نے مطاعن یزید کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ فان الرجل ملک من ملوک المسلمین و خلیفۃ من خلفاء الملوک منہاج السنۃ ص ۲۴۷. بینوا توجروا۔

المستفتی عبدالمجید مدرسہ نورالہدیٰ ضلع نواب شاہ سندھ پوسٹ آفس پکا گھانگھڑا

﴿ج﴾

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جیش کے متعلق پیش گوئی فرمائی کما فی صحیح البخاری ص ۴۱۰[1] اس کے قائد یزید بن معاویہؓ تھے۔ قسطلانی کا حوالہ اور دیگر حوالہ جات بالکل صحیح ہیں۔ شراح حدیث کا

---

۱) حدثنا ام حرام انھا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یارسول اللہ انا فیھم قال انت فیھم قالت ثمہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یا رسول اللہ قال لا، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ۱ ص ۴۱۰، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت یزید بن معاویہ کو حاصل ہے[۱] یا نہیں قال القسطلانی کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة کابن عمرو ابن عباس و ابن الزبیر وابی ایوب الانصاری و توفی بها ابو ایوب سنة اثنین و خمسین من الھجرة [۲]۔ علامہ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری میں مہلب سے نقل کیا ہے۔قال المھلب فی ھذا الحدیث منقبة لمعاویه رضی اللہ عنہ لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر [۳]:۔اس کے بعد انہوں نے ابن التین وابن المنیر کے اقوال اس کے خلاف نقل کیے ہیں[۴]۔الکوکب الدری تقریر ترمذی کے حاشیہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول یہ نقل کیا ہے۔وکان یزید امیر ذلک الجیش بالاتفاق [۵]. حضرت امام شاہ ولی اللہ الدھلوی رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرمایا ہے اور یہی توجیہ بہت پسندیدہ ہے۔کہ روایات بھی درست ہیں۔یزید کی قیادت بھی اس جیش میں درست ہے[۶]۔اس جیش کا مغفور لھم ہونا بھی درست کمافی البخاری۔یزید کا اس فضیلت کے تحت آنا بھی درست ہے۔لیکن یہ مغفرت صرف ان گناہوں کے لیے ہی تو ہوگی جو اس جیش کی قیادت سے پہلے کے ہوں اور اس کے بعد کے گناہ جو اس کی امارت کے زمانہ میں اس سے سرزد ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ بدنام ہے ان کی مغفرت کا تو حدیث میں ذکر نہیں ہے۔مغفرت

---

۱) عمدة القاری: قال صلی الله علیه وسلم فی حق ھذالجیش، مغفور لھم قلت قیل: لا یلزم من دخوله فی ذلك العموم، ان لا یخرج بدلیل خاص، اذلا یختلف اھل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لھم،مشروطة بأن یکون من اھل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منھم، کتاب الجھاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ۱۰ ص ۲٤٤، دار الفکر بیروت۔

۲) کتاب الجھاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ۱ ص ٤۱۰، حاشیة نمبر ۲ البخاری قدیمی کتب خانه، وایضاً فی عمدة القاری، کتاب الجھاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۱، دارالفکر بیروت۔

۳) فتح الباری، کتاب الجھاد والسیر باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۱۰۲، دار الفکر بیروت۔

٤) فتح الباری، کتاب الجھاد والسیر باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۱، دارالفکر بیروت، وایضاً فی حاشیة البخاری، ج ۱ ص ٤۱۰۔

٥) الکوکب الدری شرح ترمذی، ابواب فضائل جھاد، حدیث ثج البحر، ج ۱ ص ٤۲۷، حاشیه نمبر ۳، مکتبه ایچ ایم سعید کمپنی۔

٦) فتح الباری فإنه کان امیر ذلك الجیش بالاتفاق، کتاب الجھاد والسیر، باب ما قیل فی قتال الروم، ج ٦ ص ۲۰۲، دار الفکر بیروت۔

گناہ کے صدور سے تو پہلے نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی بہر حال یزید کے بارہ میں اہل تشیع کے بہت زیادہ پراپیگنڈے نے یزید کے کسی اچھے کام کو بھی پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور حقیقت پر بہت سا پردہ پڑ چکا ہے البتہ ان کا اہل بیت کے ساتھ رویہ قابل ملامت ضرور ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۳۔ ۷۔ ۸۷ھ

یزید کی بیعت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام و زین العابدین و محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کر لی تھی یا نہیں اور یہ حضرات یزید کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کرتے تھے یا نہیں اور اس طرح یزید کی خلافت منعقد ہو گئی یا نہیں۔

(۲) کیا یزید زانی، فاسق، فاجر، شرابی تھا۔

(۳) محمد بن حنفیہ کا مقولہ جو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۳ میں بایں الفاظ منقول ہے۔ **وقد حضرته (یزید) و اقمت عنده فرایته مواظبا علی الصلوٰۃ متحریا یسال عن الفقه لازما للسنة"** قابل قبول ہے یا نہیں۔

(۴) حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں تصریح فرماتے ہیں کہ استخلاف ہو جانے کے بعد فاسق کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اسی طرح ابو زہرہ مصری حیات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (مترجم رئیس احمد جعفری ص ۲۴۶) میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام شافعی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں بلکہ ہم بھی یہ دیکھتے ہیں کہ اگر لوگ خلیفہ متغلب کی اطاعت کرنے لگیں اور اس سے راضی ہوں تو وہ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) اس کی خلافت بھی جائز قرار دیتے تھے اس معاملہ میں ان کا مسلک وہی تھا جو ان کے شیخ امام شافعی رحمہ اللہ کا تھا۔ اور امامت مفضول کے بارے میں وہ جس مسلک پر قائم تھے وہ امام مالک کا مسلک تھا چنانچہ ایک ایسے رسالہ میں وہ لکھتے ہیں، امام وقت اور خلیفہ قائم خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکو کار اور پرہیز گار اس کی اطاعت واجب ہے۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا

---

۱) البداية والنهاية: قال فاوفده الى يزيد بن معاوية فوضع رأسه بين يديه وعنده ابوبردة الأسلمي، ج ٤١ ص ٦، فجعل يزيد ينكت بالقضيب على فيه ويقول (الطويل) يفلتن عاماً من رجال اعزة، علينا وهم كانوا اعق واظلم: (فصل في قتل الحسين رضى الله عنه، ج ٥ ص ٧٠٥ تا ٧٠٦، دار الفكر بيروت۔

بزورشمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارہ میں تنازعت کرے۔ جس نے اس کے پیچھے نماز پڑھ کر دہرائی وہ بدعتی ہے۔ (بحوالہ مناقب ص ۱۷۶ لابن الجوزی) کیا اس لحاظ سے یزید کو امیر المومنین کہہ سکتے ہیں۔

(۵) کیا روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس سے راضی ہوا۔

(۶) وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۴۶۵ میں ایک استفتاء کے جواب میں امام غزالی کا یہ جواب منقول ہے۔ **ویزید صح اسلامه و ماصح قتل الحسین ولا امره به ولا رضاه ومهما لایصح ذلک منه لایجوز ان یطعن ذلک به فان اسائة الظن بالمسلم حرام. ومن زعم ان یزید امر لقتل الحسین اورضی به فینبغی ان یعلم به غایة الحماقة. واما الترحم علیه فهو جائز بل مستحب بل هو داخل فی قولنا فی الصلوة اللهم اغفر للمؤمنین والمومنات فانه کان مومنا. والله اعلم کتبه الغزالی.**

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید پر لعنت کو حرام لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ **واما الترحم علیه فهو جائز بل نحن نترحم علیه فی جملة المسلمین والمؤمنین عموماً فی الصلوٰة** ۔البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۱۷۳ کیا ہر دو عبارات کی رو سے یزید پر لعنت کرنا حرام اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے یا نہیں۔

(۷) قاضی ابوبکر بن عربی شاگرد امام غزالی رحمہ اللہ نے کتاب العواصم ص ۲۳۲ میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے۔ **وهذا یدل علی عظیم منزلته (یزید) عنده حتی یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة والتابعین – فاین هذا من ذکر المورخین له فی الخمر وانواع الفجور الایستحیون.** اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور کیا یہ صحیح ہے۔

(۸) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے، **لما بلغه (ای الحسین) فعل بابن عمه مسلم بن عقیل ترک طلب الامر** ج ۲ ص ۲۴۸ اس عبارت کا کیا مطلب ہے۔

رسالہ لابن الحسین لابن تیمیہ ص ۳۰، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۵۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۲۵۔ اصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۱۷۔ تاریخ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۴۔ وغیرھا میں لکھا ہے کہ صلح کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے تین شرائط پیش کیں آخری شرط یہ تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ **فاضع یدی فی یده** ۔طبری میں یہ لفظ زیادہ ہے۔ **فیحکم فی مارای** ۔اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

(۹) حضرات متقدمین کی مذکورہ بالا تصریحات اور ایسی ہی دیگر عبارات کی بنا پر اگر کسی شخص کی یہ تحقیق ہو

کہ بیعت صحابہ وتابعین نے کر لی تھی اور وہ اس کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یزید قتل سے بری ہے اور وہ فاسق و فاجر بھی نہیں تھا اور اس کے لیے رحمت کی دعا کرنا جائز ہے تو کیا ایسا شخص جماعت اہل سنت میں داخل ہے یا نہیں کیا وہ من شذ شذ فی النار کا مستحق ہے کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ کیا اگر ایسا شخص نماز پڑھ رہا ہو اور کچھ لوگ جماعت چھوڑ کر چلے جائیں اور اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں تو وہ لوگ افتراق بین المسلمین کے موجب ہیں یا نہیں۔ کیا بعض اکابر متاخرین سے یزید کے بارے میں جو فسق کی تصریح منقول ہے اس سے اختلاف کرنا اہل سنت والجماعت سے خروج کا موجب ہے۔ جبکہ یہ مسئلہ فروعی ہے اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخی واقعات کی تحقیق میں اکابر سے اختلاف جائز ہے یا نہیں جبکہ تائید میں بھی اکابر کے اقوال سے استناد کیا ہو۔ بینوا توجروا۔

سلطان احمد جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ

﴿ج﴾

جن کتابوں کی عبارات سوال میں نقل کی گئی ہیں وہ کتابیں اکثر ہمارے پاس نہیں ہیں لہٰذا آپ کسی اور صاحب کی طرف رجوع فرماویں۔

عبدالرحمٰن، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ۲۴۔۵۔ ھ

یزید کے بارے میں اہل دیوبند کا موقف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل استفسارات کے جواب میں جو بدقسمتی سے ہمارے علاقے میں کچھ عرصہ سے موجب نزاع اور باعث انتشار واختلاف بین المسلمین بنے ہوئے ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص یہ کہتا ہو کہ میں تو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ برا کہتا ہوں اور نہ اچھا۔ نہ اسے لعنت کا مستحق سمجھتا ہوں نہ قابل تعریف جانتا ہوں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص شرعاً کس سزا کا مستوجب ہے اور کیا وہ امامت کرا سکتا ہے یا نہ؟

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت یزید یا امیر المومنین یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو یہ کلمات کہنے والا شرع کی رو سے کس جرم کا مرتکب ہوا اور کیا اس کی اقتداء میں نماز درست ہوگی۔

(۳) اگر کوئی شخص امیر شام حضرت معاویہ اموی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتا ہو ان کو برحق سمجھتا ہو اور دوسروں کو ان پر نکتہ چینی کرنے اور اعتراض کرنے سے روکتا ہو۔ ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے۔ اس کا

خیال درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ نیز وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی برحق مانتا ہے اور ان کی محبت کو بھی جزو ایمان جانتا ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص یزید بن معاویہ کو ظالم اور فاسق و فاجر مانتا اور اسے مستحق لعنت سمجھتا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی برسر ناحق سمجھتا ہو۔ بلکہ ان کو ظالم اور جابر جانتا ہو۔ کیونکہ بعض روایات کی رو سے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے جبراً بیعت خلافت لی تھی اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا حق پر ہے یا نہ۔ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالیٰ۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں یزید مؤمن تھا۔ بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدۂ قلب پر موقوف ہے[1]۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۸)[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے یزید کے بارے میں فرمایا تھا۔ **کان امیراً من الامراء له حسنات وسیئات لانحبه ولانسبه**[3] او کماقال۔ یعنی یزید امیروں میں سے ایک امیر تھا۔ اس کے نیک اعمال بھی ہیں۔ اور برے بھی۔ نہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں اور نہ اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ اس میں سکوت احوط ہے۔ آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) یہ شخص کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے۔ اور امامت بھی کرا سکتا ہے[۳]۔

(۲) یہ شخص بھی امامت کرا سکتا ہے[۴]۔

---

۱) فی شرح فقه الاکبر، ولا یخفی ان ایمان یزید محقق ولا یثبت کفره بدلیل ظنی فضلاً عن دلیل قطعی فلا یجوز لعنه بخصوصه، ص ۲۱۸، دار البشائر الإسلامیة۔

۲) کتاب الإیمان والکفر، ص ۶۳، طبع ادارۂ اسلامیات لاهور۔

۳) فی رد المحتار: وشروط الإمامة للرجال الاصحاء ستة أشیاء: الإسلام والبلوغ والعقل والذکورة والقراءة ...... الخ (مطلب: شروط الإمامة الکبری، ج ۲ ص ۳۳۷، رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی حاشیة الطحطاوی، ص ۲۸۷۔

٤) کما فی البدایة والنهایة: بایع ابن عمرو وابن عباس الخ (قصة الحسین بن علی وسبب خروجه من مکة، ج ۵ ص ٦٥٦، امامت کرنا اسی سوال کا جزء نمبر ۱ کا دوسرا جز میں جواب گزر گیا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے [۱] اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تسلیم خلافت کے بعد بالاتفاق برحق امیر المومنین تھے [۲]۔ رضی اللہ عنہ تعالیٰ وعنہم۔ لہٰذا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے۔

(۴) یزید فاسق تھا۔ اور صحیح ہے کہ اس پر لعنت کرنی جائز نہیں ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کرنا درست نہیں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ لا یذکر الصحابة الا بخیر [۳]۔ لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے جو ان باتوں کی تشہیر کرتا ہو نماز پڑھنی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۲۲-۷-۹۷ھ

---

۱) حضرت علی رضی اللہ علیہ برحق تھے، فی شرح الفقه الأکبر: ومما یدل علی صحة اجتهاده وخطأ معاوية رضی الله عنه ...... ص ۱۹۳، دار البشائر الإسلامية۔
هكذا فی شرح العقيدة الطحاوی، ص ۳۹٦۔

۲) فی رد المحتار: حقيقة اللعن المشهورة هی الطرد عن الرحمة وهی لاتكون الا لكافر ولذا لم تجز علی معين لم يعلم موته علی الكفر بدليل وان كان فاسقاً مشهورا كيزيد علی المعتمد، كتاب الطلاق مطلب فی حكم لعن العصاة، ج ٥ ص ٥٣، رشيديه كوئته۔
كما فی شرح فقه اكبر، ولا نذكر الصحابة ...... الا بخير ص ۲۰۹، طبع دار البشائر الإسلامية۔

۳) کان یزید امیر ذلک الجیش بالاتفاق، الکوکب الدری ابواب فضائل الجہاد، حدیث شجّ البحر، ج ۱ ص ۴۲۹، حاشیہ نمبر ۱۳ ایچ ایم سعید کمپنی۔

کتاب الطھارت

احکام استنجا

بوقت استنجا سلام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشاب کے بعد مٹی کے ڈھیلہ کے ساتھ خشک کیا جاتا ہے اس حالت میں یا بیت الخلاء کے بعد استنجاء کرنے سے پہلے السلام علیکم یا وعلیکم السلام جواب دینا جائز ہے یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

استنجاء خشک کرتے وقت سلام اور جواب دونوں جائز ہیں عوام میں غلط مشہور ہو چکا ہے کہ ایسے وقت سلام و جواب سلام کو بہت معیوب سمجھتے ہیں شرعاً اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل موجود نہیں درمختار میں ان سب مواضع کو تفصیل سے شمار کیا ہے جن میں سلام مکروہ ہے سلامک[1] **مکروہ علی من ستسمع الیٰ قولہ فہذا اختتام والزیادۃ تنفع باب مفسدات الصلوۃ** ج ۱ ص ۴۵۶، لیکن ان میں یہ حالت بیان نہیں کی گئی اور بھی کوئی دلیل حدیث یا فقہ کی اس کے عدم جواز کی معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کے جواز کی تائید میں حدیث موجود ہے کہ حائضہ[2] عورتیں بھی سلام کیا کرتی تھیں اور جواب دیتی تھیں باوجودیکہ تقاطر نجس بھی ان کو ہوتا تھا تو یہاں پر بھی بغیر تقاطر نجس اور کوئی وجہ تو ہے نہیں اور یہ تقاطر مانع سلام نہیں کما فی الحائضہ لہٰذا جائز ہے۔ اور عین بول[3]

---

۱) کذا فی الدر المختار: سلامك مكروه على من متسمع ومن بعد ما أبدی الخ: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۴۵۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وهكذا فی الهندية: يكره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذا عند مذاكرة العلم الخ، كتاب الكراهية، الباب السابع فی السلام الخ، ج ۵ ص ۳۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) وكذا فی حديث الترمذی: ورخصوا للجنب والحائض فی التسبيح والتهليل، ابواب الطهارة، باب ما جاء فی الجنب والحائض انهما لا يقرء ان القرآن، ج ۱ ص ۳۵، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

۳) وايضاً فی حديث الترمذی: عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رجلاً سلم علی النبی صلی الله عليه وسلم وهو يبول فلم يرد عليه النبی صلی الله عليه وسلم، ابواب الآداب، باب ما جاء فی كراهية التسليم علی من يبول، ج ۲ ص ۱۰۱، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

کے وقت چونکہ کشف[1] عورت ہوتا ہے اس لیے جائز نہیں حدیث میں بھی منع کر دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک آدمی کو نماز کی نیت باندھنے کے بعد یاد آتا ہے کہ میں نے چھوٹا استنجاء نہیں کیا وہ یہ جان کر کہ استنجاء مٹی سے سکھانے کے بعد طہارت کرنا مستحب ہے نیت نہیں توڑتا اور نماز پوری کر لیتا ہے۔ آیا اس کی نماز ہو گی یا کہ نہیں۔

﴿ج﴾

نماز صحیح ہو گی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ **والغسل بالماء بعده ای الحجر ...... سنة مطلقا به یفتی** (در مختار[2]) **ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل و یلیه فی الفضل علی الاقتصار علی الماء ویلیه الاقتصار علی الحجر و تحصل السنة بالکل وان تفاوت الفضل** (ردالمحتار[3] **فصل فی الاستنجاء** ص ۲۴۸ ج ۱) **واللہ تعالیٰ اعلم.**

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ

---

۱) وکذا فی الدر المختار: سلامك مکروه ...... ومکشوف عورة ومن هو فی حال التغوط الخ کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، ج ۲ ص ۴۵۱، طبع مکتبه رشیدیه (جدید) کوئٹه۔
وکذا فی البحر الرائق: ولا یرد السلام، ولا یجیب المؤذن الخ، کتاب الطهارة، باب الإنجاس، ج ۱ ص ۴۲۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الهندیة: ولا یشمت عاطسا ولا یرد السلام، ولا یجیب المؤذن کتاب الطهارة وفیه الخ، الباب السابع فی النجاسة الخ، الفصل الثالث فی الاستنجاء، ج ۱ ص ۵۰، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔
۲) کتاب الطهارة، مطلب اذا دخل المستنجی فی ماء قلیل، ج ۱ ص ۶۰۲ تا ۶۰۳، طبع مکتبه رشدیه جدید کوئٹه۔
۳) کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء، مطلب اذا دخل المستنجی فی ماء قلیل، ج ۱ ص ۶۰۴، طبع مکتبه رشیدیه جدید کوئٹه۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الطهارة الباب السابع فی النجاسة الخ، الفصل الثالث فی الاستنجاء، ج ۱ ص ۴۸، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

احکام وضوو غسل

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ باندھا ہوا دانت بوقت وضو یا غسل نکالنا ضروری ہے یا نہیں۔ خصوصاً ایک آدمی نے ایک نکلے ہوئے دانت کی جگہ دندان ساز سے ایسے طریقہ سے دانت بنوایا کہ کسی صورت میں باندھا ہوا دانت نہیں نکلتا گویا کہ قدرتی دانتوں جیسا ہوگیا۔ اگر اس کو توڑ کر یا کسی صورت میں نکال دیں تو دوبارہ نہیں جڑتا کیا اب وضو اور غسل میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

﴿ج﴾

دانت کو نکالنے کی ضرورت نہیں وضو اور غسل صحیح ہے[1]۔ (فتاوی دارالعلوم جدید ص۱۴۳ ج۱)[2]

کان کے سوراخ میں پانی پہنچانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ میرے کان میں صغر سنی میں ایک سوراخ قصداً کیا گیا تھا اور اس میں تنکا بھی ابھی تک تھا اور غسل کرتے وقت میں نے کان کو نہیں ہلایا ہے۔ اور میرا یقین ہے کہ کان کے سوراخ کو پانی نہیں پہنچا ہوگا اور مجھے ابھی یہ پتہ چلا ہے کہ اس سوراخ کے سوکھا رہنے سے غسل نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کے معلوم ہونے سے مجھے یہ پریشانی لاحق ہوئی ہے کہ میری گزشتہ نمازوں کا کیا حکم ہوگا برائے مہربانی اس مسئلہ کی تشریح فرمادیں۔

﴿ج﴾

اگر تنکا کان کے سوراخ میں اس طرح محکم ہوگیا تھا کہ اس کے نکالنے میں تکلیف ہوتی تھی بغیر حرج کافی

---

۱) وکذا فی رد المحتار (ولا یمنع) الطهارة، (ونیم) أی خرء ذباب وبرغوت لم یصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه، به (یفتی) کتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۳۱٦، طبع مکتبه رشدیه (جدید) کوئته۔
وایضاً فی رد المختار: فالأظهر التعلیل بالضرورة، کتاب الصلوة مطلب فی ابحاث الغسل، ج ۱ ص ۳۱٦، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

۲) (کتاب الطهارة ،الباب الثانی فی الغسل، فصل الاول فرائض الغسل ، ص ۱٤۳، ج ۱، طبع مکتبه امدادیه، ملتان)

اس کا نکالنا متعسر تھا۔ تب تو اس کا غسل ہو گیا ہے نمازیں سب درست ہیں لأن الحرج مدفوع اور اگر تنکے نکالنے میں کوئی تکلیف نہ تھی لیکن تغافل برتا گیا تب اگر گمان غالب ہو کہ پانی پہنچتا ہوگا اور تنکا مانع نہ ہوتا ہوگا تب بھی غسل ہو گیا ہے اور نمازیں درست ہیں اور اگر تنکا بڑا سخت ہو پانی پہنچنے سے مانع بنتا ہو۔ اور یقین ہو کہ پانی نہ پہنچا ہوگا تب غسل نہیں ہوا ہے۔ اور سب نمازوں کی قضاء کرنی ضروری ہے بشرطیکہ تنکے کے نکالنے میں تعذر اور تعسر نہ ہو۔ کما قال فی الکبیری ص ۴۶ تحت قول المنیة امرأة اغتسلت هل تتكلف فی ایصال الماء الی ثقب القرط أم لاقال تتكلف فيه كما تتكلف فی تحريك الخاتم ان كان ضيقا والمعتبر فيه غلبة الظن بالوصول ان غلب على ظنها ان الماء لايدخل الابتكلف تتكلف و ان غلب انه وصله لاتتكلف سواء كان القرط فيه ام لاوان انضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان امر عليه الماء يدخله وان غفل لا فلابد من امراره ولاتتكلف بغير الامرار من ادخال عود و نحوه فان الحرج مدفوع وانما وضع المسئلة فی المرأة باعتبار الغالب والا فلافرق بين الرجل وكذا فی قوله (امرأة اغتسلت وقد كان) الشان (بقی فی اظفارها عجين قد جف لم يجز غسلها) وكذا الوضوء الخ

(وفيها أيضا ص ۴۸ ولوبقی شئ من بدنه لم يصبه الماء لم يخرج من الجنابة و ان قل أی ولو كان الشئ قليلا بقدر رأس الابرة لوجوب استيعاب جميع البدن وفی شرح المنية ص ۴۸ (واذا كان برجله شقاق فجعل فيه الشحم او المرهم ان كان لايضره ايصال الماء لايجوز غسله و وضوءه و ان كان يضره يجوز اذا امر الماء على ظاهر ذلك[1]. فقط والله اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۱۸ ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

حالت جنابت میں بچے کو دودھ پلانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک آدمی اپنی گھر والی کے ساتھ جماع کرتا ہے اور دوران

---

۱) الحلبی الكبير: شرائط الصلوة فرائض الغسل، ص ٤٨ تا ٥٠، طبع سعیدی کتب خانہ کوئٹہ، بلوچستان۔ وایضاً فی رد المحتار: كتاب الطهارة، واركان الوضوء الخ، ج ١ ص ٣١٧، طبع مکتبہ رشیدیہ (جدید) کوئٹہ۔ وایضاً فی الهندية: كتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الأول فی فرائضه، ج ١ ص ١٤، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

جماع بچہ اس کا روتا ہے یا ایک بار جماع کر لیا دوسری بار کرنے کا ارادہ ہے اب بچہ نے رونا شروع کر دیا تو کیا اس حالت میں یعنی حالت جماع میں یا جنابت میں دودھ پلانا بچے کو جائز ہے یا نہ یا تیمم کر کے پلا دے۔

(۲) حالت جماع میں اپنی گھر والی کی شرمگاہ کو دیکھنا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

(۱) دودھ پلانا بغیر غسل و وضو اور تیمم کے جائز ہے[1]۔ (۲) جائز ہے لیکن نہ دیکھنا اولیٰ ہے قال فی الدر المختار ص ۲۵۴ ج۵ وینظر الرجل من الرجل سوی مابین سرته الی ماتحت رکبته ومن عرسه و امته الحلال الی فرجها بشهوة وغیرها و الاولی ترکه الخ[2]. فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان ۱۷ صفر ۱۳۹۹ھ

ناپاکی کی حالت میں نماز اندیشہ کفر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

---

۱) كما فی مرقاة المفاتیح، ان المؤمن لا ینجس) ای لا یصیر عینه نجساً ...... وفی شرح السنة فیه جواز مصافحة الجنب و مخالطته وهو قول عامة العلماء. واتفقوا علی طهارة عرق الجنب والحائض (لا ینجس) ای حقیقة لا حکماً أو ظاهراً أو باطناً کتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب، ج ۲ ص ۱٤۱، طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان۔

وكذا فی العالمگیریة: قد نقل الشیخ سراج الدین الهندی الإجماع علی انه لا یجب الوضوء علی المحدث والغسل علی الجنب والحائض والنفساء قبل وجوب الصلاة ...... ولا بأس للجنب أن ینام ویعاود أهله قبل أن یتوضأ وان توضأ فحسن، وان اراد أن یأکل أو یشرب فینبغی ان یتمضمض ویغسل یدیه کذا فی السراج الوهاج، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل وهی ثلاثة، ج ۱ ص ۱٦، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹه۔

۲) کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر واللمس، ج ۹ ص ٦٠٢ تا ٦٠٥، طبع مکتبه رشیدیه (جدید) کوئٹه۔

وایضاً فی العالمگیریة: اما النظر الی زوجته ومملوکته فهو حلال من قرنها الی قدمها عن شهوة وغیر شهوة وهذا ظاهر الا ان الاولی ان لا ینظر کل واحد منهما الی عورت صاحبه کذا فی الذخیرة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن فیما یحل للرجل، ج ٥ ص ٣٢٧، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وكذا فی البحر الرائق: وینظر الرجل الی فرج امته وزوجته، یعنی عن شهوة وغیر شهوة ...... الا ان الأولی ان لا ینظر کل منهما الی عورة صاحبه، کتاب الکراهیة، فصل فی النظر واللمس، ج ٨ ص ٣٥٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۱۔ایک عورت اپنے علم کے مطابق یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھ پر غسل واجب نہیں ہوا بغیر غسل کے نماز پڑھ لے اور بعد میں مسئلہ دریافت کرنے پر پتہ چلے کہ اس حالت میں غسل فرض ہو جاتا ہے۔

۲۔ایک عورت کو پتہ ہے کہ مجھ پر غسل فرض ہے اور وہ بغیر غسل نماز پڑھ لے۔

۳۔بغیر وضو نماز پڑھ لے۔

﴿ج﴾

۱۔ اس نماز کی قضا کرے جو جنابت کی حالت میں پڑھ چکی ہے[۱]۔

(۲،۳) بغیر طہارت کے جان بوجھ کر نماز ادا کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ کفر تک کا خطرہ ہے فوراً ہی توبہ کرلے اور اس نماز کی قضاء کرے اور کیے پر پشیمان اور نادم ہو جائے[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۲۵ رجب ۱۳۸۴ھ

ناخن پالش پر وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ آج کل نئی روشنی کا ایجاد شدہ ایک لیس دار گاڑھے قسم کا سرخ ضاد مروج ہے جس کو عورتیں عام طور پر ناخن پر استعمال کرتی ہیں اور اس کا نام ناخن پالش ہے۔ یہ ناخن پر رنگ نہیں کرتا بلکہ لیپ ہو جاتا ہے اور لیپ ہونے کی وجہ سے خود اس کا رنگ دیکھا جاتا ہے اور ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ گاڑھے پن کے پانی کو بوقت وضو اور طہارت سے مانع ہوتا ہے ناخن تک پانی سرایت نہیں کرتا یہ ناخن پالش ہر شہر میں عام فروخت اور استعمال ہوتی ہے امید ہے کہ آپ جناب اس سے اچھی طرح واقف ہوں گے لہٰذا فرما دیں کہ اس کے استعمال اور طہارت، جب وغیرہ میں کیا حکم ہے بینوا جزاکم اللہ جزاءً خیرا

---

۱) کما فی رد المحتار: والقضاء فعل الواجب بعد وقته، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ج ۲ ص ۶۳۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ وکذا فی الهندیة: ولو صلی الظهر علی ظن انه متوضیء ...... ثم تبین انه صلی الظهر من غیر وضوء یعید الظهر خاصة، کتاب الصلوٰة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت، ج ۱ ص ۱۲۲، طبع بلوچستان، بک ڈپو کوئٹہ۔

۲) وکذا فی رد المحتار: قلت وبه ظهر ان تعمد الصلاة بلا طهر غیر مکفر الخ، کتاب الطهارة، ج ۱ ص ۸۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی،

وکذا فی شرح الفقه الأکبر، ثم الصلاة بغیر طهارة معصیة، فلا ینبغی أن یقال بکفره الا اذا استحلها، مطلب فی ابراء الألفاظ المکفرة التی جمع العلامة بدر الرشید من ائمة الأحناف، فصل فی القراءة والصلاة، ص ۴۶۸، طبع دار البشائر الإسلامیة۔

﴿ج﴾

ناخن پالس کے نیچے اگر پانی نہیں جاتا تو وضو اور غسل جنابت دونوں صحیح نہیں نمازیں لوٹانی ہوں گی[۱]۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر، ۱۳ شعبان ۱۳۸۲ھ

وضو میں شک کا حکم

﴿س﴾

حضرت مفتی صاحب مندرجہ ذیل امور کا حل ارشاد فرما کر ممنون فرمائیں۔

ا۔ میں وضو کرتا ہوں اور مجھے کسی نہ کسی جگہ کے خشک رہنے یا ہوا نکلنے کا یا قطرہ آنے کا وہم ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ نماز اور ذکر میں مختلف دنیاوی خیالات اکثر گھیر لیتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف قسم کے شکوک اور شبہات آتے رہتے ہیں اور بعض تو ایسے آتے ہیں جو بالکل ہی قابل ذکر نہیں ایسی باتوں کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔

﴿ج﴾

ا۔ اپنی طرف سے کوشش کر کے صحیح وضو کریں اور پھر اوہام وخیالات آتے رہیں ان کی بالکل پرواہ نہ کریں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ جب تک کہ وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو[۲]۔

۲۔ اپنی ہمت کے مطابق نماز اور ذکر میں خدا تعالیٰ کا دھیان دل میں رکھیں نماز کے جو آداب ہیں ان کا خیال رکھیں کوشش کے باوجود جو خیالات آتے رہیں ان کی پرواہ نہ کریں[۳]۔

---

۱) وكذا في در المختار مع رد المحتار: (بخلاف نحو عجين) اى كعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد (جوهرة) لكن في (النهر) ...... واستظهر المنع لأن فيه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء، كتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل، ج ١ ص ٣١٧، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئته۔

وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: (زوال ما يمنع وصول الماء الى الجسد) لجرمه الحائل (كشمع وشحم) كتاب الطهارة، فصل في احكام الوضوء، ص ٦٢، طبع دار الكتب العلمية بيروت، لبنان۔

٢،٣) ومن شك في الحدث فهو على وضوء (خلاصة الفتاوى كتاب الطهارة فصل في الوضوء، ج ١ ص ١٨، طبع رشيديه كوئته۔ كذا وايقن بالطهارة وشك في الحدث او بالعكس أخذ باليقين (در مختار كتاب الطهارة الباب في النواقض الوضوء، ج ١ ص ٣١٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: كتاب الطهارة فصل في نواقض الوضوء، ج ١ ص ١٣، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔ وهكذا في الأشباه والنظائر: كتاب الطهارة فصل في نواقض الوضوء، ج ١ ص ٦٠، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو غلط خیالات آتے ہیں ان سے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنی طرف سے خواہ مخواہ خیال لانے کی کوشش نہ کریں [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۲ رمضان ۱۳۹۳ھ

نماز میں ہوا خارج ہونے کا شبہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ اگر نماز میں ہوا خارج ہونے کا شبہ ہو اور پھر اسی حالت میں نماز ادا کی تو کیا نماز ہو جائے گی یا نہ۔

۲۔ اگر نماز باجماعت میں پہلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا جہاں سے باہر آنا ممکن نہیں تو کیا وہ تیمم کر کے شامل نماز ہو سکتا ہے۔ یا خاموش کھڑا رہے یا صفوں کو چیر کر نکل جائے۔

﴿ج﴾

۱۔ محض شک وشبہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا: **ففي الدر شک بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین** اور عالمگیری میں ہے **و من شک في الحدث فهو علی وضوئه** نیز اس صورت میں نماز ہو گئی ہے [2]۔

۲۔ صفوں کو چیر کر نکل جاوے۔ فتاوی دارالعلوم ص ۴۰۲ ج ۳ [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان، ۱۴ صفر ۱۳۹۷ھ
الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ

---

۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه سلم ان الله عزوجل تجازو عن امتی عما حدثت به انفسها ما لم تعمل أو تتکلم به، مسلم شریف، باب تجاوز الله عن حدیث النفس، ج ۱ ص ۴۸، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔ وکذا فی المشکوة، عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ان الله تجاوز عن امتی ما وسوست به صدرها ما لم تعمل به او تتکلم" باب فی الوسوسة ج ۱ ص ۱۸، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔ وفی کفایة المفتی غیر اختیاری خیالات سے نماز فاسد نهین هوتی حتی الامکان ان کو دفع کرنا چاهیے، ج ۳ ص ۴۴۵، طبع سکندر علی تاجران کراچی۔ یه حواله جزئیه نمبر ۲،۳ دونوں کا هے۔

۲) در مختار کتاب الطهارة مطلب فی التواقض الوضوء، ج ۱ ص ۳۱۰، باب مکتبه رشیدیه کوئته، طبع جدید۔

۳) فی الهندیة: کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۳، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔ ومن سبقه الحدث فی الصلوة انصرف کتاب الصلوة باب الحدث فی الصلوة، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع بلوچستان بکڈپو۔ وهکذا فی الکنز: کتاب الصلوة، باب الحدث فی الصلوة، ص ۳۵، طبع بلوچستان بك ڈپو۔ دار العلوم دیوبند، ج ۳ ص ۳۱۳، فصل رابع صفت اقتداء اور امام ومقتدی کا مقام، طبع مکتبه حقانیه ملتان۔

معذور کی طہارت کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس معذور کے بارے میں جس کے پیٹ میں ہر وقت ریح رہتی ہے اور وضو کرتے ہی ریح خارج ہونے کی نوبت آ جاتی ہے۔اور پوری نماز اس وضو سے نہیں پڑھ سکتا ہے یعنی جب وضو کرتا ہے تو ایک یا دو رکعت پڑھنے پر ریح خارج ہو جاتی ہے یا گھر میں وضو کر کے جب مسجد کو جاتا ہے تو مسجد میں پہنچنے سے پہلے اس کی ریح خارج ہو کر وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کے بارے میں احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرماویں بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

آپ جیسے شخص کو معذور کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے وقت میں ایک دفعہ وضو ضرور کرے اور پھر اگر اس کو وہ حدث پیش ہو جس کی وجہ سے وہ معذور ہو تب بھی وہ اسی وضو سے نماز فرض سنتیں نوافل پڑھتا رہے اور اس کا وضو شرعاً اس پورے وقت کے اندر اس عذر کی بناء پر ٹوٹا ہوا شمار نہیں ہوتا ہاں جب اس نماز کا وقت نکل جائے تو اس کا وضو ٹوٹا ہوا شمار ہوتا ہے۔

اب دوسری نماز پڑھنے کے لیے نیا وضو کرے گا لیکن اس قسم کے معذور بننے اور پھر معذور رہنے کے لیے کچھ شرائط ہیں معذور بننے کی شرط تو یہ ہے کہ اس کو یہ عارضہ پیش ہو گیا ہو اور اس پر نماز کا کوئی کامل وقت ایسا گزر گیا ہو جس میں اس کو اس عارضہ حدث سے اتنی فرصت بھی نہ ملی ہو کہ جس میں وہ جلدی جلدی وضو کر کے جلدی جلدی نماز ادا کر سکے تو ایسا شخص معذور بن جاتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت نماز میں وہ صرف ایک وضو کرے اور پھر اس سے اسی وقت کے اندر جتنی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے اور اس عارضہ حدث کے پیش آنے سے وقت کے اندر اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اور معذور رہنے یعنی دوام عذر کی شرط یہ ہے کہ اس کے بعد ہر وقت نماز میں کم از کم پورے وقت ایک دفعہ اس عارضہ حدث کا اس کو پیش آنا ضروری ہے اگر پورا وقت نماز گزر جائے اور اس کو یہ عارضہ پیش نہ آ جائے۔ تب وہ معذور نہ رہے گا اور اس کا عذر ختم شمار ہوگا اور اس عارضہ سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔اب آپ خود اپنی حالت اس سے معلوم کر سکتے ہیں ویسے وضو کے معاملہ میں اس مشقت اٹھانے کا آپ کو بڑا اجر ملے گا حتیٰ الامکان اس عذر کے ازالہ کی کوشش فرمایا کریں۔

قال في الكنز (ص ۱۳ مطبوعه كوئٹه) وتتوضا المستحاضة ومن به سلس البول أو

استطلاق البطن او انفلات ریح اور عاف دائم او جرح لا یرقالوقت کل فرض ویصلون به فرضا ونفلا و یبطل بخروجه فقط و هذا اذا لم یمض علیهم وقت فرض الا وذلک الحدث یو جدفیه .[1] فقط والله تعالی اعلم.

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۱ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ

معذور کی طہارت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بندہ کو ریح بار بار خارج ہونے اور تبخیر کا مرض ہے جس کی وجہ سے بندہ شرعی طور پر معذور ہے میں جب وضوء کرتا ہوں تو وضو کے وقت ہوا خارج ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی تو بغیر خارج ہوئے وضو ہو جاتا ہے اور اکثر دفعہ ہوا وضو کرتے وقت نکلنے کی جگہ آ جاتی ہے کیا معذور آدمی باوجود پوری کوشش کے وضو کے دوران میں ہوا نکلتے ہوئے صرف ایک دفعہ وضو کر لے جبکہ وضو کے دوران ہوا نکلتی رہے کیا ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے۔

﴿ج﴾

اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی وقت نماز کا پورا آپ پر ایسا گزر جائے جس میں آپ جلدی جلدی وضو کر کے فرض نماز بھی اس حدث (بے وضوئی) کے پیش ہوئے بغیر ادا نہ کر سکیں تو شرعاً آپ معذور بن گئے ہیں اس کے بعد ہر وقت نماز میں ایک دفعہ ضرور وضو کر لیا کریں اور پورے وقت میں اسی ایک وضو سے جتنی نمازیں پڑھیں پڑھ سکتے ہیں ریاح کے خارج ہونے سے آپ کا وضو بوجہ عذر کے ٹوٹا ہوا شمار نہ ہوگا لیکن اگر کوئی وقت آپ پر

---

۱) وصاحب عذر من به سلسل بول لا یمکنه امساکه او استطلاق البطن او انفلات ریح ...... ان استوعب عذره تمام الوقت صلاة مفروضة بأن لا یوجد فی جمیع وقتها زمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث ولو حکماً لأن الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة ...... وحکمه الوضوء ...... لکل فرض ...... ثم یصلی به فیه فرضاً ونفلاً ...... فإذا خرج الوقت بطل، در مختار کتاب الطهارة، فصل احکام المعذر ، ج ۱ ص ۵۵۳، طبع رشیده کوئٹه۔

وهکذا فی الهدایة: کتاب الطهارة فصل المستحاضة، ج ۱ ص ٦٥، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔
وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الطهارة، باب الحیض، ج ۱ ص ۳۷۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وهکذا فی الهندیة: کتاب الطهارة، فصل فی الأحکام المعذور، ج ۱ ص ٤۰، طبع بلوچستان، بکڈپو کوئٹه۔

بعد میں ایسا گزر جائے کہ پورے وقت نماز میں ایک دفعہ بھی یہ عذر پیش نہ آئے تو آپ کا عذر ختم ہو گیا ہے اور ریاح کے خارج ہونے سے وضوٹوٹ جائے گا عذر کے بقاء کے لیے ضروری ہے کہ وقت نماز میں کم از کم ایک دفعہ یہ عارضہ پیش آتا رہے[۱]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۹ محرم ۱۳۸۷ھ

بواسیر کی مستقل رساوٹ پر وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو بادی بواسیر ہے جس کی وجہ سے ہر وقت رساوٹ رہتا ہے جس کا روکنا ناممکن ہے اس صورت میں ادائیگی نماز کی کیا صورت ہوگی کہ استنجا کرنے کے بعد پھر ناپاک ہوجاتا ہے۔ اور اِدھر اُدھر رساوٹ لگ جاتی ہے اور کپڑا بھی روپیہ سے زیادہ پلید ہوجاتا ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

ابتداء میں صاحب عذر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام وقت نماز میں اس کو اتنا وقت نہ ملے کہ وضو کر کے نماز بلا ہونے اس عذر کے پڑھ سکے پس اگر ایک بار بھی ایسا وقت آچکا ہے کہ اس کو اتنا موقع نہیں ملا کہ تمام وقت نماز میں بدون اس عذر کے وجود نماز پوری کر سکا ہو تو وہ معذور ہوگا۔ اس کو ایک وضو سے تمام وقت نماز میں نماز فرض سنن ونفل پڑھنا درست ہے اور جب وقت نکل گیا وضو اس کا باقی نہ رہا پھر وہ شخص اس وقت تک معذور رہے گا کہ تمام وقت نماز میں ایک بار ہی اس کو عذر مذکور واقع ہوجاوے بہر حال وقت نکلنے سے معذور کا وضوٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے وقت کے لیے پھر تازہ وضو کرنا چاہیے و حکم الوضو لکل فرض فاذا خرج الوقت بطل (درمختار)

کپڑے دھونے میں یہ تفصیل ہے اگر یہ اندیشہ ہے کہ اگر کپڑے کو دھویا جاوے گا تو نماز سے پہلے ناپاک

---

۱) حوالہ جات کیلیے مندرجہ بالا حوالات دیکھیں۔

لم یجز ولو شك فالأصل الطهارة وفی الشامی قوله لا لو تغیر، أی تغیر، أی لا یتنجس لوتغیر، کتاب الطهارة، باب المیاه، ج ص ٣٦٨، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

وایضاً وکذا یجوز براکد کثیر کذالك ای فیه نجس لم یر أثره ولو فی موضع وقوع المرئیة، کتاب الطهارة، باب المیاه، ج ١ ص ٣٧٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

ہو جائے گا تو نہ دھونا درست ہے اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے تک درہم سے زیادہ ناپاک نہ ہوگا تو دھونا چاہیے اور یہی حکم استنجا کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳ محرم ۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ، نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان، ۱۴ محرم ۱۳۹۸ھ

کس پانی سے وضو جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک بڑا سا گڑھا جو کہ دہ دردہ سے بھی زائد ہے اگر اس کو نہری پانی سے بھر لیا جاتا ہے وہاں سے وقت بوقت پانی استعمال میں لاتے ہیں اور وہاں سے غسل اور کپڑے بھی صاف کیے جاتے ہیں اور جانوروں کو بھی وہاں سے پانی پلایا اور نہلایا جاتا ہے اور گڑھے کے اردگرد جو زمین پڑی ہے وہاں اس جگہ کے تمام باشندگان بول و براز بھی کرتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے وہ سب ماحول (اردگرد) کا پانی بھی بمع بول و براز جمع ہوتا ہے کیا وہ پانی استعمال میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں پانی پاک ہے اس سے وضوء، غسل، کپڑے دھونا سب جائز ہے جب تک کہ اس گندگی بول و براز کا اثر ذائقہ، بو اور رنگ میں نمایاں نہ ہو۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر۔ ۴ محرم

حقہ کے پانی سے وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص وضو کر رہا تھا ابھی ایک پاؤں کا دھونا باقی تھا کہ پانی ختم ہو گیا دوسرا پانی موجود نہیں ہے البتہ حقہ کا پانی بقدر کفایت موجود ہے کیا یہ شخص حقہ کے پانی سے وضو پورا کر لے یا تیمم کرے اگر جواب عدم جواز میں ہے تو کس دلیل سے اگر جائز ہے تو کیونکر فقہ حنفی کی روشنی میں بادلائل اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں و عندالناس مشکور ہوں۔

﴿ج﴾ (۱)

اگر حقہ پاک ہے تو اس کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے تمبا کو کے دھویں کی وجہ سے اگر بو یا ذائقہ میں فرق آ جائے تو اس سے پانی نجس نہیں ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ بدبودار چیز کے استعمال کرنے والے کو مسجد میں جانے سے منع کیا گیا ہے (۲) لیکن بہرحال اگر اور پانی موجود نہ ہو صرف حقہ کا پانی موجود ہو تو ایسی صورت میں تیمم جائز نہیں لا ای لا ینجس لو تغیر لطول مکث فلو علم نتنہ بنجاسۃ لم یجز الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار باب المیاہ قبل مطلب ان التوضؤ من الحوض افضل (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۸ صفر ۱۳۸۹ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۰ صفر ۱۳۸۹ھ

نواقضِ وضو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ: ا۔ زخم کے منہ پر خون تھا کسی کے مٹی ڈالنے سے خون جذب ہو گیا اور پھر نہ بہا اور کپڑے کی پٹی باندھی گئی اور اس میں جذب ہو گیا اور پھر نہ بہا بلکہ رک گیا۔ اب وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں جب کہ ظاہر ہے اگر مٹی نہ ڈالتا، کپڑا نہ باندھتا تو بہہ پڑتا۔

۲۔ غالباً جب کسی معاملہ میں دونوں جانبیں برابر ہوں شک میں شمار ہوگا۔ اور غالباً ایسی صورت میں احتیاط پر عمل نہ کرنا واجب نہ ہوگا بعض کہتے ہیں کہ شک پر عمل کرنا بڑا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے خصوصاً ایک شکی عادت والے

---

۱) کـذا فـی رد الـمـحتار: لا ای لا ینتجس لو تغیر لطول المکث فلو علم نفسہ بنجاسۃ، کتاب الطھارۃ، باب المیاہ، ج ۱ ص ۳۸۰، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
کـذا فـی الـبـحـر الرائق: وتجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیء طاھر فغیر احد اوصافہ، کتاب الطھارۃ ج ۱ ص ۱۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
وایـضـاً فـی الـبـحـر الرائق: یجوز الوضوء بماء انتن بالمکث ...... قید بقولہ بالمکث لأنہ لو علم انہ أنتن للنجاسۃ لا یجوز بہ الوضوء، کتاب الطھارۃ، ج ۱ ص ۱۳۶، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وقـال فـی الـمـشـکوۃ: وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أکل ھذہ الشـجـرۃ الـمـنـتـنـۃ فلا یقربن مسجدنا فإن الملائکۃ تتأذی مما یتأذی منہ الإنس، (متفق علیہ)، باب المساجد، ج ۱ ص ۶۸، طبع مکتبہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

۳) وکـذا فـی الـدر الـمـخـتـار: (وقدرۃ ماء کان لطھرہ) کتاب الطھارۃ، مطلب فاقد الطھورین، ج ۱ ص ۴۷۷، طبع مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

کے لیے لہٰذا شک کی صحیح تعریف یا وہ نوعیت کیا ہے جو مذموم ہے جسے بلا تأمل ترک کر دیا جائے۔

۳۔ گمان غالب غالباً مبتلی بہ کا معتبر ہے یعنی ہر معاملہ میں اس کا غلبہ ظن شرعاً مسلم ہے۔ خواہ وہ متعدد شک و وہم ہی ہو اور خواہ اس کے فیصلہ میں غلطی ہی ہو جائے اور کسی مسئلہ شرعیہ کی رو سے اس فیصلہ میں غلطی ہو جاوے گی تو نماز وضو روزہ طہارت سب صحیح ہے۔

﴿ج﴾

۱۔ اگر خون مقدار میں کم تھا کہ اگر مٹی نہ ڈالتے تو نہ بہتا تو مٹی ڈالنے سے جذب ہو گیا اور خشک ہو گیا اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر مقدار میں زیادہ تھا کہ مٹی نہ ڈالے یا پٹی نہ باندھے تو بہہ پڑتا تو وضو ٹوٹ گیا کذا فی الفتاوی الشامیہ (۱۰۳ ج ۱ من فتح القدیر)(۱)

۲۔ شک کا معنی ایک تو وہی ہے جو آپ نے ذکر فرمایا کہ کسی معاملہ میں تردد و تذبذب ہو جہاں کہ دونوں احتمال برابر ہوں اور دوسرا معنی عرف میں شک بمعنی وہم و وسوسہ کے مستعمل ہوتا ہے۔ یہ عموماً مرض سے یا ابتلائے شیطان سے پیش آتا ہے۔ یہ مذموم ہے اس سے بچنے کی ضرور تدبیر کرنی چاہے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایسے خیالات و اوہام کے در پے نہ ہو جتنا زیادہ کھود کرے گا وہم میں اضافہ ہوگا کام کرتا چلا جائے اور استغفار پڑھتا جائے(۲)۔

۳۔ گمان غالب جہاں معتبر ہوتا ہے وہ مبتلی بہ کا ہی معتبر ہوتا ہے لیکن شکی اور متعدد وہم وسواس کا گمان غالب اس کے رجحانات کے تحت آجاتا ہے لہٰذا ایسے آدمی کو حتی الامکان وساوس اور شبہات کے مواضع سے احتراز کرنا اور استغفار وغیرہ سے علاج کرنا ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم

ابوالسعید عبداللہ عفی عنہ، مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۲ محرم ۱۳۸۲ھ

---

۱) وكذا في الدر المختار: وينقضه خروج نجس منه ...... الى ما يطهر ...... ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفي غيرهما عين السيلان ولو بالقوة لما قالو، لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض والا لا، كتاب الطهارة، مطلب في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۲۸۴، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً في الهندية: كتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۱، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في الحلبي الكبير: مسائل عديدة ...... دم ...... ان سال عن رأس الجرح نقض الوضوء۔

وان لم يسل عن رأس الجرح لا ينقضه، فصل في نواقض الوضوء، ص ۳۱، طبع مكتبه سعيدى كتب خانه۔

۲،۳) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اس سے پناہ مانگنے کے لیے دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (اعوذ بكلمات الله التامة من غضب الله)۔

پانی کے استنجے سے قطرات کا آنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو ایک بیماری ہے کہ جب یہ استنجا کرتا ہے بعد میں اس کا پیشاب تھوڑا تھوڑا ضرور نکلتا ہے چاہے وہ جتنی دفعہ بھی استنجا کرے پیشاب ضرور نکلے گا اب وہ کیا نماز اس حالت میں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ وہ جب بھی استنجا کرے گا پیشاب ضرور آئے گا نماز اس حالت میں جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر نجاست اپنے مخرج تک محدود ہے اور ادھر ادھر مائل نہ ہوتی ہو تو صرف ڈھیلے کو استعمال کریں اور پانی کو ترک کر دیں ڈھیلا استعمال کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

استنجے کے کچھ دیر بعد قطرات کا آنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد پیشاب کرتا ہے تو جب پیشاب کو خشک کیا جاتا ہے تو تقریباً آدھ گھنٹہ یا بیس منٹ بلکہ کبھی کبھی گھنٹہ تک یہ پیشاب آلہ تناسل سے خشک ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی رطوبت نکل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ آدمی راس ذکر میں کپاس رکھے تاکہ رطوبت اس میں جذب ہو باہر نہ آئے۔ تو کیا اس کپاس میں رطوبت جذب ہونے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس صورت میں جس وقت قطرہ کرسف سے تجاوز کر کے باہر آ جاوے اس وقت وضو ٹوٹے گا صرف

---

۱) ثم الاستنجاء بالاحجار انما يجوز اذا اقتصر النجاسة على موضع الحدث، الهندية، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ج ۱ ص ۴۸، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في الحلبي الكبير، آداب الوضوء، ص ۲۹، مكتبه سعيدى كتب خانه كانسى روڈ كوئته۔

کرسف میں قطرہ جذب ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ کپاس حشفہ میں غائب ہو باہر سے نظر نہ آوے[1]۔ **لو حشا احليله بقطنة وابتل الطرف الظاهر هذا لو كانت القطنة عالية او محاذية لرأس الاحليل و ان متسفلة عنه لا ينقض** (الدر المختار مع شرحه رد المحتار ص ۱۰۹ ج ۱)۔ **فقط والله تعالىٰ اعلم.**

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۷ صفر ۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفراللہ، نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۸ صفر ۱۳۹۸ھ

کنویں کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں ایک کتا گر کر مر گیا ہے اور پتہ لگنے پر دو تین گھنٹے کے بعد نکال دیا گیا اب اس کنویں کو پاک کرنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

کتا جب کنویں میں گر کر مر جائے تو کنویں کے سارے پانی کو نکالا جائے **قال فی العالمگیریه ۱۹ ج ۱ و ان مات فيها شاة او كلب او آدمي انتفخ او تفسخ ينزح جميع مافيها صغر الحيوان أو كبر هكذا في الهداية**[2] اگر کنواں چشمہ کا سا ہو سارا پانی نہ نکالا جا سکتا ہو تو عادل آدمی جن کو پانی کے معاملات میں مہارت ہو اندازہ لگالیں اور اسی اندازے کے مطابق پانی نکالا جائے **كما قال في**

---

۱) لما في الحلبي الكبير: وان احتشى الرجل ...... ولا ينتقض وضوءه ما لم يظهر البول على ظاهر القطنة ...... الى ان ...... ان نفذ البلل الى خارجه، اى خارج الحشو انتقض الوضوء، فصل في نواقض الوضوء، ص ۱۳۶، مكتبه سعيدى كتب خانه كوئته۔

هكذا في الهندية: كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۱۰، مكتبه رشيديه كوئته، لما في الدر المختار: كما ينقض لو حشا احليله بقطنة وابتل الطرف الظاهر ...... كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۳۰۶، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) لما في العالمگيرية، كتاب الطهارة الفصل الثالث في المياه، ج ۱ ص ۱۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

ينزح ماء البير كله بموت ما عادل الشاة في الجثة كالآدمي والكلب، بحر الرائق، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في الحلبي الكبير: فصل البير، ص ۱۵۷، مكتبه سعيدى كتب خانه كوئته۔

الدرالمختار مع شرحه الشامی ص۱۵۷ ج ۱ [۱] (وان تعذر) نزح كلها لكونها معينا (فيقدر مافيها) وقت ابتداء النزح قاله الحلبي ويوخذ ذالک بقول رجلين عدلين لهما مهارة بالماء) به يفتى والله تعالى اعلم [۲]

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معاون مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ

پرانے کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ گاؤں کے درمیان ایک کنواں ہے جس کے اندر پانی کی گہرائی تقریباً تیس پینتیس فٹ ہے اور کنوئیں کی چوڑائی آٹھ فٹ ہے۔ کنواں کو تقریباً سات سال ہو گئے ہیں بیکار ہے اس عرصہ میں اس میں دو کتے ایک بلی کئی مرغیاں گری ہیں اور اب اسی کے اندر گل سڑ گئی ہیں اس کے اندر گوبر اور فضلات پھینکا جاتا رہا ہے اب گاؤں کے لوگ اس کو صاف کرنا چاہتے ہیں اس سے کئی ہزار ڈول نکالے جا چکے ہیں مگر وہ کتے وغیرہ جو اشیاء تھیں وہ اندر ہی ہیں جو کئی سال سے گرے ہوئے ہیں اور تقریباً چار ماہ بلی گری کو ہو گئے ہیں۔ آیا وہ پاک ہو گیا ہے یا نہیں فتویٰ صادر فرما دیں۔

﴿ج﴾

ایسے کنویں کے پاک ہونے کی صورت فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ اس کنویں کو اتنے عرصہ تک چھوڑ دیا جائے کہ اس کتے کی ہڈیاں وگوشت پوست گل کر مٹی اور گارا ہو جائیں اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ چھ مہینے تک اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد کل پانی اس کا نکال دیا جائے اور کل پانی نکالنا دشوار ہو بوجہ چشمہ دار ہونے کے تو دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا [۳]۔ كما في الدر المختار ينزح كل

---

۱) ان كانت البئر معينة لا يمكن نزحها ...... وقد اختلف الروايات فيها الى انه يؤتى برجلين لهما بصارة بامر الماء، حلبي كبير، ص ۱۵۸۔البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۶، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في العالمگيرية: كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الحياة، ج ۱ ص ۱۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كتاب الطهارة، فصل في البير، ج ۱ ص ۱۷۵۔

۳) كتاب الطهارة، فصل في البير، ج ص ۱۵۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
الدر المختار: وقيل يفتى بمائتين الى ثلثمائة وهذا ايسر وذالك احوط، كتاب الطهارة، فصل في البير، ج ۱ ص ۴۱۳، مكتبه رشيديه كوئته۔ لما في البحر الرائق: ان الفتوى على انه ينزح ثلثمائة، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۶ و طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

مائها بعد اخراجه الا اذا تعذر كخشبة أو خرقة منجسة فنزح الماء الىٰ حد لايملأ نصف الدلو يطهر الكل تبعا. وفي الشامي واشار بقوله منجسة الىٰ انه لابد من اخراج عين النجاسة كلحم مية و خنزير قلت فلو تعذر أيضا ففي القهستاني عن الجواهر لو وقع عصفور فيها فعجزو اعن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترک مدة يعلم أنه استحال و صار حمئة وقيل مدة ستة أشهر [۱] (شامی ج-۱،ص۱۵۶) جبکہ علت طہارت استحالہ ہے یعنی مٹی گارا ہو جانا اس جانور کا تو ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کے لیے بقدر چھوٹے اور بڑے ہونے کے علت مختلف ہوگی تو اگر پانی اور مٹی نکلوادی جائے تو پانی پاک ہو جاتا ہے اس صورت مسئولہ میں اگر باوجود تلاش کے ہڈیاں وغیرہ کوئی چیز نہ ملے اور یہ یقین ہو جائے کہ تمام چیزیں مٹی بن کر ضائع ہوگئیں تو کئی ہزار ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوگیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۲]

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

ناپاک کنویں کے قریب نلکے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواں ناپاک ہوگیا ہے اس کے تقریباً پانچ گز یعنی دس ذراع (ہاتھ) قریب نلکا ہے از روئے شرع اس نلکے کا کیا حکم اس کا پانی قابل استعمال ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر اس نجس کنویں کے پانی کا اثر نلکے کے پانی میں ظاہر ہوگیا ہے یعنی اس نجس کنویں کے پانی کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ، بو، ذائقہ میں سے کوئی صفت بدلی جاتی ہے یا دونوں یا تینوں اوصاف بدلے ہوئے ہیں اس بدلی ہوئی صفت کا نلکے کے پانی میں بھی ظہور ہوگیا ہے یعنی نلکے کے پانی کا رنگ، بو، ذائقہ اس کنویں کے پانی کی وجہ سے بدل گیا ہے تو نلکے کا پانی بھی نجس ہے اور اگر نلکے کے پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں یعنی نلکے کے پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہیں بدلا تو اس کا پانی پاک ہے در المختار مع شرحہ رد المختار ص۱۶۲ ج۱ میں

---

۱) لو وقع فيها عصفور فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فيترك مدة يعلم انه استحال وصار حماة وقيل مدة ستة اشهر انتهى وهذا ايضاً يفيد انه لا بد من اخراج، عين النجس فإذا تعذر فيترك الى ان ستحيل كتاب الطهارة، فصل في البئر، ص ج ۱ ص ۴۳۶، طبع سهيل اكيدمى لاهور۔

۲) كتاب الطهارة، فصل فى البئر، ج ۱ ص ۴۰۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ہے البعد بین البئر و البالوعة بقدر مالایظهر للنجس اثر الخ. شامی میں ہے (قوله البعد الخ) اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول النجاسة البالوعة الی البیر ففی روایة خمسة اذرع وفی روایة سبعة اذرع وقال الحلوانی المعتبر الطعم او اللون او الریح فان لم یتغیر جاز و الا لاولو کان عشرة اذرع وفی الخلاصة و الخانیة والتعویل علیه و صححه فی المحیط بحر و الحاصل أنه یختلف بحسب رخاوة الأرض و صلابتها و من قدره اعتبر حال أرضه انتهى[1]. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۲ صفر ۷۴ھ

ناپاک کنویں سے پانی نکالنے والے لوٹے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک کنویں میں ایک کتا پندرہ سولہ پہر (تقریباً چار دن) مرا رہا بعد میں اسے نکالا گیا ہے اور کنویں کو پاک کرنے کے لیے نئے لوٹے باندھے گئے ہیں اب کنواں شرعی طور پر پاک کیا گیا ہے اب وہ لوٹے بھی پاک ہو گئے یا کوئی دوسرا طریقہ ان کی پاکی کا ہے یہاں بعض کہتے ہیں کہ جب تک ان کو آگ میں نہ پکایا جائے وہ لوٹے پاک نہیں ہوں گے از روئے شرع بمعہ دلائل کے اس کا حل فرما دیں عین نوازش ہوگی بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں جب کنویں کو شرعی طور پر پاک کیا گیا ہے تو وہ لوٹے بھی پاک ہو گئے جیسے کہ مسائل بیر میں فقہاء لکھتے ہیں کہ کنویں کے پاک ہونے سے رسی ڈول دیواریں وغیرہ سب پاک ہو جاتے

---

۱) لما فی السعایة لما فی الهندیة بیر الماً اذا کانت بقرب البئر النجسة فهی طاهرة ما لم یتغیر طعمه أو لونه أو ریحه کذا فی الظهیریة ولا یقدر هذابالذرعان حتی اذا کان بینهما عشرة أذرع وکان یوجد فی البئر أثر البالوعة فماء البئر نجس وان کان بینها ذراع واحد ولا یوجد أثر البالوعة فماء البئر طاهر کذا فی المحیط، وهو الصحیح، کتاب الطهارة، الباب الثالث فی المیاه، ج ۱ ص ۲۰۰، طبع علوم اسلامیه چمن۔

لما فی خلاصة الفتاوی وادنی ما ینبغی أن یکون بین بیر الماء البالوعة سبعة أذرع والتعویل علی نفوذ الرائحة أن تغیر لونه أو طعمه أو ریحه نجسة والا فلا، کتاب الطهارة، فصل الثالث فی الآبار، ج ۱ ص ۱۲، طبع رشیدیه کوئته۔

لما فی الدر المختار: کتاب الطهارة، فصل فی البئر، ج ۱ ص ۴۲۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

ہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۷ رجب ۱۳۸۱ھ

جاری کنویں میں ناپاکی گرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں کے اندر ایک جوتا جس پر قلیل نجاست بھی لگی ہوئی تھی گر گیا کافی تلاش کے بعد بھی جوتا نہ مل سکا کنویں کا پانی دس بارہ فٹ گہرا ہے۔ اس کے تمام پانی کو نکالنا محال ہے کیونکہ جاری پانی ہے اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر واقعی کنویں کا پانی جاری ہے تو اس صورت میں کنویں کا پانی پاک ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

ناپاکی نکالے بغیر کنواں پاک نہیں ہوگا

﴿س﴾

ا۔ ایک کنواں جو تقریباً گیارہ بارہ مہینے متواتر ویران پڑا رہا ہو اور اس میں کئی مینڈکیں مر کر نیچے بیٹھ گئی ہوں اور ایک مرغی کا پاؤ بھر کا بچہ بھی تقریباً چھ سات ماہ سے مر کر نیچے بیٹھ گیا ہو آیا وہ کنواں کس طرح پاک ہو سکتا ہے

---

۱) وفی الدر المختار، یطهر الکل تبعاً وفی الشامی: یطهر الماء من الدلو والرشاء والبکرة وید المستقی تبعاً لأن نجاسة هذه الأشیاء بنجاسة البئر فتطهر بطهارتها للحرج، کتاب الطهارة، فصل فی البئر، ج ۱ ص ۴۹،۱۰، طبع رشیدیه کوئته۔

وفی الهندیة: ثم بطهارة البئر یطهر الدلو والرشاء والبکرة ونواحی البئر والید هکذا فی المحیط السرخسی، الفصل الثالث فی ماء الآبار، ج ۱ ص ۲۰، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

۲) وفی الدر المختار: ویجوز بجار وقعت فیه نجاسة والجاری هو ما یعد جاریاً عرفاً وقیل ما یذهب بتبنة کتاب الطهارة، باب المیاه، ج ۱ ص ۳۷۰، طبع رشیدیه کوئته۔

کما فی الهدایة: لا یتکرر استعماله وقیل ما یذهب بتبنة کتاب الطهارة، باب الماء الذی یجوز به الوضوء و ما لا یجوز به، ج ۱ ص ۳۶، طبع رحمانیه لاهور۔

۲۔ایک معتبر آدمی کا چشم دید ذکر ہے کہ تقریباً پانچ چھ سال کا ایک لڑکا ایک مرغی کی ٹانگیں مشغلہ کے طور پر باندھ کر اس کو الٹا کر اسکے ساتھ کنویں میں اترا اس آدمی نے اپنے ہاتھ سے اسے اتارا اس وقت مرغی بہت سہمی ہوئی تھی نہ پتہ یہ لڑکا کافی دیر اس حرکت میں لگا رہا اس کنویں سے ۳۶۰ ڈول نکال دیے گئے ہیں۔

﴿ج﴾

ا۔مینڈک پانی میں مر جانے سے پانی ناپاک نہیں[1] ہوتا اور مرغی کا بچہ اگر مٹی اور کیچڑ میں مل کر مٹی بن گیا ہو اور اس کی اپنی حقیقت بالکل ختم ہو گئی ہو پھر جو ڈول اس سے نکالے گئے ہیں انہی سے کنواں پاک سمجھا جائے گا۔اگر کل پانی کا نکالنا مشکل ہو اور اگر مرغی کے بچہ کی حقیقت باقی ہے وہ مٹی کی ذات میں تبدیل نہیں ہوا تو جب تک وہ کنویں کے اندر رہے گا کنواں نجس رہے گا کبھی پاک نہیں ہو سکتا اس کو نکال کر ڈول نکالے جائیں تو پاک ہو جاوے گا البتہ اگر کنویں میں تلاش کرنے کے باوجود وہ نہ مل سکا تو اس صورت میں بھی کنواں پاک ہوگا[2]۔

۲۔مرغی حلال ہے مرغی میں کوئی حرمت نہیں آئی۔ فقط واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ

---

۱) لما في الدر المختار: ويجوز رفع الحدث بما ذكر وان مات فيه غير دموى ...... ومائى مولد كسمك وسرطان وضفدع ...... فلو تفتت فيه نحو ضفدع جاز الوضوء به، كتاب الطهارة، باب المياه، ج ۱ ص ۲٦٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

كذا في العالمگيرية: كتاب الطهارة، فصل فيما يقدر في البئر، ج ۱ ص ۱٥، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) لما في رد المحتار: لا بد من اخراج عين النجاسة كلحم ميتة وخنزير قلت فلو تعذر ايضاً وفي القهستاني عن الجوهرة لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة ومدة بستة أشهر، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ٤٠٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وايضاً في السعاية: كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ٤٠٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وايضاً في السعاية: كتاب الطهارة فصل في البئر، ج ۱ ص ٤٢٦، طبع سهيل اكيڈمى لاهور۔

۳) لما في رد المحتار: فينزح ادنى ما ورد به الشرع و ذالك عشرون احتياطاً، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ٤١١، طبع رشيديه كوئٹه۔

وكذا في الهداية: ينزح من ساعته عشرون دلواً والعصفورة ونحوها تعادل الفارة في الجثة كتاب الطهارة باب الماء الذى يجوز به الوضوء ومالا يجوز به، ج ۱ ص ٤١٠، طبع رحمانيه لاهور۔

کنویں میں گٹر کا پانی مل جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے استنجا خانوں کا پانی اچانک کنویں میں چلا گیا اور طہارت خانوں کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بسا اوقات لوگ پاخانہ وغیرہ بھی کرتے رہتے ہیں کیا اس چاہ کا سارا پانی نکالا جائے گا یا امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ۳۶۰ ڈول نکال لینے کفایت کر سکتے ہیں بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

کنویں کا پانی نجس ہوگیا ہے اگر ممکن ہو سکے تو سارا پانی نکال دیا جائے اور اگر سارا پانی نکال لینا ممکن نہ ہو تو دو سو سے تین سو ڈول تک نکال لینے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ بشرطیکہ پانی کے اندر نجاست کے آثار و اوصاف وذائقہ، بو، رنگ ظاہر نہ ہوں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۴ رجب ۱۳۸۵ھ

شبہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا

﴿س﴾

ہمارے ہاں ایک کنویں میں ایک پرانا جوتا گر پڑا ہے اس کا موہوم سا امکان بھی موجود ہے کہ شاید جوتے کے ساتھ تھوڑا سا گوبر بھی لگا ہوا ہوگا جوتا گرنے کے کچھ دیر بعد اسے کنویں سے نکال لیا گیا ہے کنویں میں پانی کی کثرت کا یہ حال ہے کہ تقریباً اٹھارہ فٹ پانی کی گہرائی ہوگی مذکورہ بالا صورت میں کنویں کا پانی پاک ہوگا یا نہیں؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پاک کرنے کی صورت آپ کیا متعین فرماتے ہیں۔

﴿ج﴾

فی العالمگیریہ ص ۱۹ ج ا وبعر الإبل والغنم اذا وقع فی البیر لایفسد مالم یکثره هکذا فی فتاوی قاضیخان وعن ابی حنیفة ان الکثیر مااستکثره الناظر والقلیل مااستقله[2] الخ ان

---

۱) لما فی الدرالمختار: اذا وقعت نجاسة فی البئر ...... ینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع ...... وان تعذر نزح کلها لکونها معیناً فبقدر ما فیها ...... وقیل یفتی بمائتین الی ثلث مائة وهذا أیسر وذالك أحوط، کتاب الطهارة، فصل فی البئر، ج ۱ ص ۳۱٤، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی الهندیة: کتاب الطهارة، فصل ماء الآبار، ج ۱ ص ۱۹، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) وایضاً فی الشامی: تحت قوله وبعرتی ابل وغنم، ای لا ینزح بهما وهذا استحسان قال فی الفیض: ولا ینجس الا اذا کان کثیراً، ج ۱ ص ٤۲۲، مطلب مهم فی تعریف الاستحسان مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وایضاً فی الهندیة: الفصل الثانی فی الماء الجاری، ج ۱ ص ۱۹، طبع علوم اسلامیه چمن۔

جزئیات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں گوبر کے موہوم احتمال وقوع سے کنواں ناپاک نہیں ہوا۔ احتیاطاً بیس تیس ڈول نکال لیں تو بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ عفا اللہ عنہ

کتے گرے ہوئے کنویں کی دوبارہ کھدائی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک غیر آباد چاہ جس میں پانی موجود تھا ایک کتا گر گیا کسی نے نہیں نکالا پھر اسی چاہ میں بہت سی ریت پڑ گئی کیونکہ تھل کا علاقہ ہے اور وہ کنواں ریت سے بھر گیا اب اس کو ایک شخص نے آباد کیا ہے اس کی کھدائی کرا کر ریت وغیرہ کو بالکل نکالا گیا ہے اس کنویں سے کتے کا کوئی نام ونشان نہیں ملا کتے کو گرے ہوئے تقریباً دو سال ہو گئے ہیں کیا اب وہ کنواں پاک ہو گیا ہے یا نہ اگر نہیں ہوا تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے واضح طور پر بیان فرماویں۔

﴿ج﴾

کوئی بھی نجاست اگر کنویں میں گر کر اس کی حقیقت بدل کر کیچڑ ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے اس لیے کنواں پاک ہے اس کے پانی کو استعمال کیا جاوے **الحمار او الخنزير وقع فى المملحة او بئر البالوعة اذا صار طينا يطهر خلافا لابى يوسف** (عالمگیری) **ولاقذر وقع فى بير فصار حماة لانقلاب العلمين به يفتى** [1]۔ فقط واللہ اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ

کنواں پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک مرغی زندہ چار پانچ دن سے کنویں میں گر گئی اور باوجود تلاش کرنے کے نہیں ملی کیونکہ کنواں بہت پرانا ہے اور اس میں غار ہے اور وہ غار گہری اور دور تک چلی جاتی ہے

---

۱) عالمگیری فصل اول فی تطهير انجاس، ص ۳۵، ج ۱، مكتبه بلوچستان بکڈپو کوئٹه۔
كذا فى رد المحتار: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة، وقيل مدة ستة أشهر، كتاب الطهارة، فصل فى البئر، ج ۱ ص ۴۰۷ تا ۴۰۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وهكذا فى البحر الرائق: كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۳، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کیونکہ کنواں ایک پرانا کنواں ہے پہلے کھودا گیا تھا یعنی جو پہلے کنواں تھا وہ گرنے لگا تو اس میں دوسرا کنواں کھودا گیا اب دوسرا کنواں بھی ایک جگہ سے گر گیا ہے اور وہاں سے غار ہوگئی ہے اب دونوں کنوؤں کا پانی ایک جگہ ہو جاتا ہے تو اس لیے یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ یہ کنواں کس طرح سے پاک کیا جاوے۔

﴿ج﴾

اگر مرغی گرتی ہوئی دیکھی گئی ہے اور اس کے نکالنے کی بھی کوئی صورت نہیں تو جب تک مرغی کے اعضاء یعنی گوشت پوست پٹھے مٹی میں مل کر مٹی کا جز نہ بن جائیں اس وقت تک پانی کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے ہوشیار تجربہ کار لوگوں سے اس مدت کا اندازہ لگوایا جاوے جس میں مرغی کے اجزاء گل کر مٹی بن سکتے ہوں اس وقت تک کنواں کو ہرگز استعمال نہ کیا جاوے اس کے بعد بھی کل پانی نکال کر نئے پانی کو استعمال کر سکتے ہیں اگر پانی نہ نکل سکے تو جتنا پانی کنویں میں اس وقت موجود ہو اس کا اندازہ کر کے نکالا جاوے اور بس۔ واللہ اعلم (۱)

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

ناپاک پانی سے پکا ہوا کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں صورت کہ شادی مبارکبادی پر طعام پکایا گیا بعد پکانے کے کھانے سے پہلے پتہ چلا کہ کنویں میں ایک کتا پھولا پھٹا ہوا موجود ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ یہی کتا اس شادی والے کا پالتو ہے اور شادی شروع ہونے سے پہلے دو رات سے گم تھا اور وہ لوگ دوسری بستیوں میں اسے تلاش کر رہے تھے گویا یقین ہے کہ یہ کتا جس رات سے گم تھا اسی رات سے کنویں میں گرا ہوا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طعام پختہ جو کہ چار دیگ گوشت اور تقریباً چھ من آٹا پر مشتمل ہے کا استعمال کرنا مسلمان حنفیہ کے لیے جائز ہے یا نہ۔ اگر جائز نہیں تو اس بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ ایک نیم مولوی صاحب نے ان کو استعمال کرنے کا فتوی دیا اس شرط پر کہ شریعت کسی کا نقصان برداشت نہیں کرتی اور حسب فتوی ان لوگوں نے استعمال بھی کر لیا ہے اور مولوی صاحب نے فتوی اس بے باکی سے دیا ہے کہ جو شخص اس کو حرام کہے وہ میرے نزدیک کافر ہے لہٰذا طعام استعمال کر لیا جائے اور جاہل طبقہ نے کفر سے ڈرتے ہوئے کھانے سے دریغ نہ کیا۔ کیا شرع محمدی میں اس کھانے کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو غلط مسئلہ بتانے والے کو کیا سزا ملنی چاہیے جبکہ اس نے یہ کہا کہ میرے فتوی کے خلاف کرنے والا کافر ہے۔

---

۱) حوالہ جات کے لیے حوالہ جات مذکورہ بالا ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں حکم تو یہی تھا کہ اس طعام کو مردار جانوروں کی طرح کتوں وغیرہ کو[1] ڈالتے لیکن جبکہ اس طعام کو کھا چکے ہیں تو بنا بر قول ضعیف کے جرم کو خفیف قرار دیتے ہوئے غفلت و جہالت کی وجہ سے گناہ کھانے والوں کا معاف قرار دیا جائے گا۔ لیکن آئندہ کو احتیاط لازم ہے اور اس صورت میں مولوی صاحب کا یہ حکم کہ میرے فتویٰ (حلت طعام) کے خلاف کہنے اور کرنے والا[2] کافر ہے نہایت سخت حکم ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔ نیز غلط و ناجائز ہے اس سے رجوع کرنا لازم ہے اور آئندہ کے لیے اس پر لازم ہے کہ امور شرعیہ میں بغیر تحقیق کے فتویٰ نہ دے اور بہتر یہ ہے کہ اپنی تحقیق کے بجائے قریب والے دینی مدرسوں سے مسئلے معلوم کرے اور پھر عوام الناس میں اس کی اشاعت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔

بچے کا کنویں میں پیشاب کر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً دس بارہ سال ہے نے کنویں میں پیشاب کر دیا ہے اس کنویں سے کتنا پانی نکالنا ضروری ہے جس سے کنواں پاک ہو جائے۔

---

۱) كذا في الدر المختار: وما عجن به فيطعم للكلاب، فصل في البئر، ج ۱ ص ۱٦٠، مكتبه رشيديه كوئته۔
كذا في رد المختار: وقالا من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله قيل وبه يفتي، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ج ۱ ص ٤٢٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وهكذا في البحر الرائق: وما قاله أبو حنيفةؒ احتياطاً في أمر العبادة، وما قالاه عمل باليقين ورفق الناس وفي تصحيح الشيخ قاسم رحمه الله وفي العتابي المختار قولهما، كتاب الطهارة ج ص ۲۲۰، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها احدهما باب من اكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال بخاري، ج ۲ ص ۹۰۱، طبع قديمي كتب خانه آرام باغ كراچي۔
وهكذا في فتح الملهم: شرح الصحيح المسلم، كتاب الإيمان، باب قول الرجل لأخيه المسلم يا كافر، ج ۲ ص ۳٥٠، طبع مكتبه دار العلوم كراچي۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب احكام المرتدين، ج ٥ ص ۲۰۷، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

لڑکے کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اور ہر نجاست غلیظہ کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں کا سارا پانی نکال لیا جائے تب کنواں پاک ہوجائے گا۔ اگر کنواں چشمہ دار ہے اس کا سارا پانی نہیں نکالا جاسکتا تب اس کنویں کے اندر موجود پانی کا اندازہ کرلیا جائے اس طریقہ سے کہ کنویں کا سارا پانی ناپ لیا جائے اس کے بعد جلدی جلدی بیس چالیس ڈول نکالے جائیں اور پھر ناپ لیا جائے جتنا پانی ان چالیس ڈول سے کم ہوا ہو حساب کے ساتھ کنویں کے ساتھ پانی کا اندازہ لگالیا جائے اسی مقدار کا پانی نکال لیا جائے۔ تب کنواں پاک ہوجائے گا۔ یا چند سمجھدار آدمی کنویں کے موجود پانی کا اندازہ لگالیں اور اسی مقدار کا پانی نکال لیا جائے تب پاک ہوجائے گا[۱]۔

کما قال فی عالمگیریه (ص ۱۹ ج ۱ مطبوعه مکتبه ماجدیه کوئٹه) اذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت و کان نزح مافیها من الماء طهارة لها باجماع السلف کذا فی الهدایة وفیها ایضا ص ۴۶ ج ۱ کل ما یخرج من بدن الانسان مما یوجب خروجه الوضوء او الغسل فهو مغلظ کالغائط والبول والمنی و المذی والودی والقیح والصدید والقئی اذا ملأ الفم کذا فی البحر الرائق وکذا دم الحیض و النفاس والاستحاضة هکذا فی السراج الوهاج وکذلک بول الصغیر و الصغیرة اکلا اولا کذا فی الاختیار شرح المختار و فیها ایضا ص ۱۹ ج ۱، [۲] والاصح ان یوخذ بقول رجلین لهما بصارة فی امر الماء فای مقدار قالا انه فی البئر ینزح ذلک القدر وهو اشبه بالفقه کذا فی الکافی و شرح المبسوط لإمام السرخسی والتبیین. [۳]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

---

۱) لما قال فی الهندیة: کل ما یخرج من بدن الانسان مما یوجب الوضوء أو الغسل فهو مغلظ ...... کالبول والغائط، کتاب الطهارة، فصل فی الأعیان النجسة، ج ۱ ص ۴۶، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

۲) هندیة: کتاب الطهارة، فصل الثالث ماء الآبار، ج ۱ ص ۱۹، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔
هدایة کتاب الطهارة، فصل فی البئر، ج ۱ ص ۴۰، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔

۳) الاختیار فی تعلیل المختار فصل فی کیفیة تطهیر الماء اذا وقعت فیه نجاسة، ج ۱ ص ۲۵، طبع مکتبه حقانیه پشاور۔

کنویں میں تین چڑیوں کا گر کر گم ہو جانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں تین چڑیاں گر کر گم ہوگئی ہیں باوجود تلاش کرنے کے ان کا نام و نشان نہیں ملتا تو شریعت مطہرہ میں کنویں کو کس طرح پاک کیا جاوے بینوا توجروا۔

(ج)

اگر چڑیا کنویں میں مرنے کے بعد لاپتہ ہوگئی ہے تو عندالشریعت کنویں کو چڑیا کے گل کر گارا ہونے تک معطل رکھا جائے شریعت مطہرہ کی رو سے اس کی مقدار شش ماہ بھی ہے بعد میعاد مذکورہ کے کنواں پاک کرنے سے پاک ہوگا ہکذا فی فتاوی عزیزی جلد اول در جواہر گفتہ مکعب کور کسے افتادوئے یابند اگر پاک است پاک نہ واگر پلید است و بعد نزح تمامی آب اورا نیابند مضرنہ وعصفورا افتادو اخراج او متعذر است تا درمیان ریت پاک نشود مطابق ان ست کہ چاہ را معطل سازند تا دانند کہ گل شدہ باشد و بعضے بعد تقدیر شش ماہ گردانند۔

فقط حررہ شیخ نصیر الدین بینائی، جھنڈیر کوٹلی، جھنڈیر متصل شجاع آباد

الجواب صحیح ہے لیکن یہ اس وقت کہ یہ محقق ہو کہ چڑیاں کنویں [1] میں گر چکی ہیں اور نکلی نہیں تو واضح بات ہے کہ اس صورت میں میت نجس موجود ہوتے ہوئے پانی قطعاً پاک نہیں ہوسکتا البتہ جب اتنا عرصہ گزر جائے کہ ان چڑیوں کا گوشت و پوست مٹی بن جاوے اور حقیقت میں انقلاب آجائے پھر موجود پانی نکال دیا جائے اور کنویں کو استعمال کریں۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۸ محرم ۱۳۷۷ھ

مرغے کا کنویں میں گر کر سڑ جانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں دو مرغ مر گئے ہیں ایک کو نکال لیا اور دوسرا گل سڑ کر پانی کے ساتھ مل گیا بروئے شرع اس کنویں کے پاک کرنے کا طریق تحریر فرمائیں۔

---

۱) کذا فی رد المحتار: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل: مدة ستة أشهر، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ص ۴۰۷ تا ۴۰۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وهكذا في البحر الرائق: كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۱۳، طبع رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

اگر مرغ کا گوشت پوست واقعی گل کر مٹی بن چکا ہے اگر چہ ہڈی نہ بھی گلی ہو تو اس کا پانی اگر ممکن ہو تو مکمل صاف کریں ورنہ صرف دو سو سے تین سو ڈول تک نکال کر پانی کو استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ پانی میں بدبو کا اثر ظاہر نہ ہو۔ ورنہ اس وقت تک نکالنا ہوگا کہ بدبو کا اثر بالکل زائل ہو جائے[1]۔ واللہ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر۔ ۱۳۷۷ھ

تیمّم کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چلتی گاڑی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے اور اگر گاڑی میں پانی نہ مل سکے اور اسٹیشن پر پہنچنے تک نماز کے قضا ہونے کا خوف ہو تو آیا تیمم کرنا جائز ہے یا نہ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ گاڑی میں کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا ضروری ہے[1] ہاں اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر کے گاڑی میں نماز نہ پڑھ سکے اور اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی صورت میں بوجہ عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست[2] ہوگا۔ اگر پانی ایک میل دور ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے[3] اور اگر میل سے کم فاصلے پر پانی ہو اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر اس کا اعادہ کرے[4]۔

---

۱) حوالہ جات کے لیے مندرجہ بالا سوال کے حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

۲) كذا في رد المحتار: (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمية ...... (ومنها القيام) ...... كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة، ج ۲ ص ۱۵۸ تا ۱۶۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: (ومنها القيام) وهو فرض في صلاة الوتر، كتاب الصلوة باب الرابع في صفة الصلاة، ج ۱ ص ۶۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وهكذا في رد المحتار: من تعذر عليه القيام لمرض حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر به يفتي ...... أو حكمي بأن خاف زيادته ...... أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألماً شديداً ...... صلى قاعداً، كتاب الصلاة، باب الصلوة المريض، ج ۲ ص ۶۸۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في البحر الرائق: (كتاب الصلوة، باب الصلوة المريض ص ۱۹۸، ج ۲، طبع مكتبه رشيديه، كوئته

هكذا في رد المحتار: من عجز عن استعمال الماء لبعده ...... ميلاً ......تيمم لهذه الأعذار كلها، كتاب الصلوة، باب التيمم، ج ۱ ص ۲۴۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

كذا في رد المحتار: قال الحلبي فالأحوط أن يتيمم في الوقت ثم يتوضأ ويعيد، كتاب الطهارة، باب التيمم، ص ۸۳، سعيدی كتب خانه كوئته۔

مسجد اور گھر کی دیوار پر تیمّم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسجد کی دیوار پر اور گھر کی دیوار کے ساتھ تیمّم جائز ہے یا نہیں؟ یہاں بعض کہتے ہیں خاص ان دیواروں کے ساتھ تیمّم جائز نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

تیمّم ہر طاہر چیز سے جائز ہے جو کہ جنس زمین سے ہو، چاہے مسجد کی دیوار طاہر جنس ارض سے ہو یا گھر کی یا اس کے علاوہ ہو بلا تخصیص عالمگیری ص ۲۷ ج ۱ (ومنها[1] الصعيد الطيب) يتيمم بطاهر من جنس الارض كذا في التبيين الى ان قيل فيه فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسبخة والمنعقدة من الارض دون الماء والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت والفيروزج والبلخش والدمود والزبرجد كذا في البحر الرائق بالياقوت والمرجان كذا في التبيين وبالاجر المشوى وهو الصحيح كذا في البحر الرائق وهو ظاهر الرواية كذا في التبيين الخ.
لیکن چونکہ تیمّم نجاست حکمی کے زوال کا سبب بنتی ہے، اس لیے مسجد کے آداب کے خلاف ہے اور مکروہ ہے[2]۔
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ

موزوں پر مسح کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی ہر کپڑے کے جرابوں پر مسح کر کے نماز پڑھتا ہے کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں نیز وہ کہتا ہے کہ حدیث شریف میں جراب کا لفظ ہے۔

---

۱) وهكذا في حلبي كبير: وحينئذ فالاحتياط ان يصلي بالتيمم في الوقت ثم يتوضا و يعيد (كتاب الطهارت فصل في هتيم ص ۴۱۳، سعيدي كتب خانه، كوئٹه۔

۲) كذا في الهندية: كتاب الطهارة، فصل الباب الرابع في التيمم، ج ۱ ص ۲۶، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
وهكذا في الهداية: ويجوز التيمم عند ابي حنيفة ومحمد بكل ما كان من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ، كتاب الطهارة، باب التيمم، ص ۵۰، ج ۱، طبع رحمانيه لاهور۔ هكذا في الحلبي الكبير كتاب الطهارة باب التيمم، ص ۷۶، طبع سعيدي كتب خانه كوئٹه۔ وهكذا في البزازية: ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، ج ۱ ص ۶۵، طبع علوم اسلاميه چمن۔

﴿ج﴾

جوازِ مسح علی الجوربین کے لیے شرطیں ہیں تین شرطیں تو وہ ہیں کہ جو خفین کے مسح میں بھی شرط ہیں ایک شرط جوربین کے مسح میں زائد ہے قال فی الدر المختار شرط مسحه ثلثة امور الاول کونه ساترا للقدم مع الکعب والثانی کونه مشغولا بالرجل والثالث کونه مما یمکن متابعة المشی المعتاد فیه فرسخافا کثر الخ الی ان قال او جوربیه الثخینین بحیث یمشی فرسخا و یثبت علی الساق بنفسه ولایری ماتحته و یشف الخ.....(در مختار علی الشامی [1] ص ۱۹۱ ج ۱) پس اگر یہ چاروں شرطیں جوربین میں پائی جاویں تو مسح درست ہوگا یعنی وہ قدم کو مع ٹخنوں کے ساتر ہوں دوسرے یہ کہ قدم کو مشغول ہوں یعنی قدم کو ڈھانپ کر کچھ حصہ ان کا نہ بچے تیسری یہ کہ ان میں چلنے کی عادت بھی ہو چوتھی یہ کہ ایسے گاڑھے ہوں کہ کوئی چیز ان میں سرایت نہ کر سکے اور چونکہ یہ سب امور جراب مروجہ میں مفقود ہیں لہٰذا مسح ان پر جائز نہیں۔ کما قال الشامی وانهم خصوه [2] لعدم ثانی الشرط فیه غالبا۔ اور اس کا یہ کہنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کپڑے کے اونی یا سوتی مروجہ جراب پر مسح ثابت ہے۔ اصلے نہ دارد اور افتراء اور ناواقفی ہے کتب حدیث میں تو اس قدر ہے انه علیه [3] السلام مسح علی خفیه الحدیث ملخصا دوسری حدیث میں ہے ان النبی صلی الله علیه وسلم مسح علی الجوربین [4] غرض خف اور جراب پر مسح ثابت ہے اور جراب سے مراد وہ موزے ہیں جو شرائط مذکورہ بالا کو جامع ہوں مطلق جرابیں مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۸ صفر ۱۳۹۵ھ

جراب پر مسح

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

---

۱) کذا فی الدرالمختار: کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ج ۱ ص ۴۸۸، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) وهکذا فی الدر المختار: کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ج ۱ ص ۴۹۹، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کذا فی الترمذی، کتاب الطهارة مسح علی الخفین، ج ۱ ص ۲۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۴) کذا فی أبوداؤد: کتاب الطهارة، مسح علی الجوربین، ص ۳۳، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔

۱۔ جراب پر مسح جائز ہے یا نہیں۔
۲۔ کسی نے سفر کی نیت کی اور نماز کا وقت گھر پر ہو گیا لیکن کسی وجہ سے ادا نہ کی اب گھر سے کتنی دور نکلنے پر سفرانہ نماز ادا کرے۔

﴿ج﴾

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا ہے اگر جرابیں سوتی یا اونی ہوں تو ان پر مسح کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ایسے گاڑھے ہوں کہ ساق پر بلا گرہ وغیرہ کے ثابت اور قائم رہیں اور تین میل کا سفر تنہا ان میں ہو سکے۔ یا وہ جرابیں مجلد و منعل ہوں۔ منعل وہ ہیں کہ نیچے چمڑا لگا ہوا اور مجلد وہ ہیں کہ اس کے تمام پر چمڑا چڑھایا گیا ہو در مختار میں ہے۔(**علی ظاهر**[1] **خفيه او جرموقيه او جوربيه) ولو من غزل او شعر الثخينين بحيث يمشى فرسخا و يثبت على الساق بنفسه ولا يرى ماتحته ولا يشف الخ والمنعلين والمجلدين.** اس عبارت کا حاصل وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

۲۔ اگر اپنی بستی کی آبادی سے[2] باہر نکل گیا ہے تو پھر قصر کرے گا قصر اس وقت جائز ہوگا جبکہ اڑتالیس[3] میل دور اپنے گھر سے جانے کا ارادہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ نائب مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

---

۱) كذا في رد المحتار: كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ج ۱ ص ۴۹۶، طبع رشيديه كوئته۔
كذا في البحر الرائق: قوله والجورب المجلد المنعل والثخينين، أى يجوز المسح على الجورب اذا كان مجلداً أو منعلاً أو ثخيناً ...... والثخين أن يقوم على الساق من غير شد ولا يسقط ولا يشف وفي التبيين ولا يرى ما تحته، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ج ۱ ص ۱۸۲، طبعه مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كذا في رد المحتار: من خرج من عمارة موضع اقامته من جانب خروجه وان لم يجاوز من الجانب الآخر، كتاب الصلاة، باب المسافر، ج ۲ ص ۷۲۲، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
كذا في الهندية: ثم المعتبر المجاوزة من الجانب الذى خرج منه حتى لو جاوز عمران المصر قصر، كتاب الصلوة، باب المسافر، ج ۱ ص ۱۴۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الصلوة المسافر، ج ۳ ص ۲۲۶، مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) كذا في الهداية: السفر الذى يتغير به الأحكام أن يقصد، مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔
هكذا في الهندية: واقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام كذا في التبيين، كتاب الصلوة باب الصلوة المسافر، ج ۱ ص ۱۳۱، طبع علوم اسلاميه چمن۔
هكذا في البحر الرائق: من جاوز بيوت مصره مريداً سيرا وسطاً ثلاثة ايام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباع، كتاب الصلوة، باب الصلوة المسافر، ج ۲ ص ۲۲۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

حیض ونفاس کے احکام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو آٹھ دن خون آتا ہے پھر اس کے بعد آٹھ نو دن طہر رہتا ہے پھر خون۔ اسی حال میں مبتلا ہے اب اس کو ایام ماہواری تصور کریں گے یا طہر متخلل یا مستحاضہ۔ اب وہ عورت نماز، روزہ، تلاوت قرآن پاک اور مسجد میں آنے جانے کے لیے کیا کرے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب یہ عورت اس حالت مذکورہ میں مبتلا ہوتی ہے کہ[1] آٹھ نو دن خون آتا ہے اور آٹھ نو دن پاک رہتی ہے اس حالت سے پہلے متصل جتنے دن یہ عورت صحیح طور پر مکمل طہر یعنی پندرہ دن یا اس سے زیادہ پاک رہی ہے اور اس طہر کامل سے متصل جتنے دن اس عورت کو حیض آیا ہے تو اس حالت کے متصل طہر کامل اور طہر کامل سے قبل حیض کے دنوں کے مطابق یہ عورت حیض وطہر گزارے گی۔ طہر کامل کے بعد خون آٹھ نو دن آنا یہاں سے پہلے حیض کے دن شمار ہوں گے یہ عورت حائضہ شمار ہوگی اور ان دنوں میں نماز، روزہ، تلاوت قرآن پاک اور مسجد میں آنا جانا نہیں کرے گی اور ایام حیض کے بعد وہ پھر طاہرہ شمار ہوگی اور یہ مذکورہ احکام وغیرہ کرے گی اور آخری طہر کامل جتنے دن تھے اتنے دن طاہرہ شمار ہوگی اور پھر طہر کے دنوں کے بعد وہ ایام حیض پورے کرے گی اور حائضہ عورت کے احکام ہوں گے اور پھر ایام حیض شمار کرنے کے بعد پھر طہر کے دن پورے کرے گی۔ اسی طرح یہ عورت طہر اور حیض پورے کرے گی جب تک یہ مرض ختم نہ ہو جائے یا صحیح حالت پر حیض و طہر نہ آجائیں۔ اور یا اس کو بالکل خون آنا اور حیض آنا بند ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

---

۱) کذا فی الهندية: وفی المعتادة معروفتها فی الحيض حيض والطهر طهر هكذا فی السراج الوهاج، فصل فی الحيض، ج ۱ ص ۳۷، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا فی تاتار خانيه: أما اذا زاد على العشرة أو لم يزد لكن انتقض الطهر بعد ذلك عن خمسة عشر ففی المبتدأة العشرة حيض وفی المعتادة ايامها المعتادة حيض، كتاب الطهارة، فصل فی الحيض، ج ۱ ص ۳۵۲، مكتبه اداره القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی۔

هكذا فی حاشية الطحطاوی: باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص ۱٤۱، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

هكذا فی رد المختار: يمنع صلوة وصوماً ويمنع حل دخول المسجد وحل الطواف وقربان ما تحت ازار وقرأة قرآن، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۳۲، مكتبه رشيديه كوئته۔

حالت حیض میں بچوں کو پڑھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ا۔عورت بحالت حیض ونفاس کتب فقہ وحدیث وتفسیر جو اردو میں ہوں ان کا مطالعہ کر سکتی ہے یا نہ

۲۔اس حالت میں اگر بچیوں کو سبق پڑھانا چاہے تو کیا جائز ہے کتاب کو ہاتھ لگا سکتی ہے یا کوئی اور صورت اس میں ہو۔

﴿ج﴾

ا۔مطالعہ کر سکتی ہے[1]۔

۲۔اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہاتھ نہ [2] لگائے لیکن بوجہ ضرورت کے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے، حائضہ جنبی اور محدث تینوں قرآن وغیرہ میں برابر ہیں فرق فقط قراءت میں ہے وفی الخلاصة یکرہ مس کتب الأحادیث والفقه للمحدث عندهما وعند ابی حنیفه رحمه الله الاصح انه لایکره (ثم قال بعده) والمستحب ان لایاخذ کتب الشریعة بکم أیضا بل یجدد الوضوء کلما احدث الخ بحر الرائق ص ۲۰۲۔ والله اعلم

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۷۵ھ

حیض اور استحاضہ کا تعین

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو ۳۸ دن حیض کا خون آتے ہوئے ہو گئے ہیں جس کی عادت سات دن سات رات کی تھی اب ۳۸ دن حیض کا خون جاری ہو رہا ہے اس ۲۰ یوم کسی وقت معمولی خون آیا اور کسی وقت خون تیز آیا اور اب ۱۸ یوم برابر خون دن رات جاری ہے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔اس عورت کو نماز کے بابت کیا حکم ہے:

---

۱) وایضاً فی حاشیة الطحطاوی: باب الحیض، ج ۱ ص ۶۳، طبع رحمانیه لاهور۔

۲) ایضاً فی الهدایة (کتاب الطهارت باب الحیض) ص ۶۸، ج ۱، طبع رحمانیه، لاهور

۲۔ نماز کب سے ادا کرے اس کے لیے کیا حکم ہے۔
۳۔ نماز ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔
۴۔ یہ خون حیض ہے یا استحاضہ۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس کی موافق عادت قدیمہ سات روز حیض اور باقی ایام کو استحاضہ سمجھنا چاہیے اور ایام استحاضہ میں نماز پڑھنا ضروری ہے[1] اب اگر خون ایسا جاری ہے کہ اگر وہ کپڑے کو دھولے تو خیال[2] ہے کہ نماز سے فارغ ہو جانے سے پہلے پھر نجس ہو جائے گا تو دھونے کی ضرورت نہیں اور اس طرح ایک وضوء سے ایک وقت میں تمام فرض وسنت نفل پڑھ سکتی ہے دوسرے[3] وقت کے لیے کپڑے کا دھونا اور دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے حالت استحاضہ میں مرد کے ساتھ صحبت وغیرہ کرنا درست ہے حاصل یہ کہ ہر مہینہ میں ایام عادت حیض اور باقی استحاضہ شمار ہوگا جس میں نماز، روزہ، صحبت وغیرہ جائز ہیں **في عالمگيريه فان لم يجاوز العشرة فالطهر و الدم كلاهما حيض سواء كانت معتادة اوغير معتادة وان جاوز العشرة ففي المبتدئة حيضها عشرة ايام وفي المعتادة معروفتها في الحيض حيض وفي الطهر طهر وفي الدر المختار مع شرحه رد المحتار و اكثره عشرة بعشرة ليال والناقص والزائد استحاضة الاعند نصب عادة الدم الخ. فقط والله تعالىٰ اعلم.**

حررہ محمد انور شاہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۹ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ

---

۱) كذا في رد المحتار: ولا بأس لحائض وجنب بقرأة أدعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۳۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وايضاً في الهندية: كتاب الطهارة، فصل في أحكام الحيض، ج ۱ ص ۳۸، طبع رشيديه كوئٹه۔
وايضاً في حاشية الطحطاوي: باب الحيض، ص ۱۴۳، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔
۲) البحر الرائق باب الحيض، ج ۱ ص ۳۵۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وهكذا في الهندية: ومس ما فيه ذكر الله تعالى سوى القرآن قد اطلقه عامة المشائخ هكذا في النهاية، كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۹، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في رد المختار: ولا بأس لحائض ......بقرأة أدعية ومسها ...... كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۳۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
۳) كذا في الهداية: ولو زاد الدم على عشرة أيام وبهاعادة معروفة دونها ردت الى أيام عادتها والذى زاد استحاضة، باب الحيض، ج ۱ ص ۶۵، مكتبه رحمانيه لاهور۔ وايضاً في مراقي الفلاح: باب الحيض، ص ۱۴۱، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔ وايضاً في التاتار خانيه: كتاب الطهارة، باب احكام الحيض، ج ۱ ص ۲۵۲، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

حیض کی عادت بدل جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو ابتداء مہینہ میں سات دن حیض آتا تھا اور باقی مہینہ طہر ہوتا تھا یہ عادت تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی اس کے بعد اس کی یہ عادت ختم ہوگئی اور اس کا کبھی مہینہ میں دو تین دن خون بند ہوجاتا تھا اور کبھی نہیں ہوتا تھا اور کسی وقت اس کا پورا ایک مہینہ خون جاری ہوتا تھا اور کسی وقت دو تین مہینے مسلسل خون جاری رہتا تھا یہ حالت تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی اس کے بعد ایک سال تک خون بالکل بند تھا لیکن سال کے آخر میں صرف دس دن خون جاری ہوکر بند ہوگیا اس کے بعد پھر چھ سال تک خون بالکل بند تھا چھ سال کے بعد پھر چار مہینے مسلسل خون جاری رہا اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ کبھی خون تین دن آتا ہے اور ایک دن نہیں آتا گویا مختلف حالات ہیں اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اس کا طہر کتنے دن شمار کیا جائے گا اور حیض کتنے دن ہوگا اور اس کے وضو کرنے کے لیے کون سا وقت اور کیا صورت ہوگی اور کون سے دنوں میں وہ نماز پڑھے گی اور کون سے دنوں میں نہیں پڑھے گی نیز ایسی عورت کے ساتھ صحبت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب ایک سال خون بند رہنے کے بعد سال کے آخر میں دس دن خون جاری ہوکر بند ہوگیا تو اب یہ عورت معتادہ بن گئی۔ **کما فی الدر المختار** [1] **مع شرحه ردالمحتار ص ۲۲۰ ج ۱** [2] **وهی (ان العادة) تثبت و تنتقل بمرة به يفتی وفی الشامية (قوله وهی تثبت و تنتقل بمرة)**

---

۱) كذا فی الدر المختار: ودم استحاضة حكمه كرعاف دائم ...... يمنع صوماً وصلاةً ...... وجماعاً، كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۴۴، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وايضاً فی الهندية: كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۹، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا فی رد المحتار: وان سال على ثوبه فوق الدرهم جاز له أن لايغسل ان كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها والا يتنجس قبل فراغه فلا يجوز ترك مثله، كتاب الطهارة، فصل احكام المعذور ص ۵۵۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔وايضاً فی البحر الرائق: ج ۱ ص ۳۷۴، باب الحيض، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كذا فی رد المحتار: صاحب العذر ...... او استحاضة ...... وحكمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لكل فرض ثم يصلی به فيه فرضاً ونفلاً فدخل الواجب بالأولى فإذا خرج الوقت بطل، كتاب الطهارة باب الحيض، ج ۱ ص ۵۵۳، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وهكذا فی البحر الرائق: كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ۱ ص ۴۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً فی الهندية: كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۴۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ كذا فی الهندية، كتاب الطهارة، فصل احكام الحيض، ج ۱ ص ۳۷، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وايضاً فی رد المحتار: واكثره عشر بعشره ...... كتاب الصلوة، باب الحيض، ج ۱ ص ۵۲۲، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اشار الی ان مارأته ثانیا بعد الطهر التام یصیر عادة لها و هذا مثال الانتقال بمرة الخ اب جب چھ سال کے بعد پھر چار مہینے مسلسل خون جاری ہوا ہو اور چار مہینے کے بعد بھی وقفے وقفے کے بعد خون جاری رہتا ہے لیکن یہ وقفہ پندرہ دن سے کم ہے تو یہ عورت معتادہ مستمرۃ الدم ہے اس کے لیے حکم یہ ہے کہ سال کے آخر میں مہینے کے جن دس دنوں میں خون جاری ہوا تھا وہ دس دن حیض اور اس کے بعد دو مہینے طہر پھر وہی دس دن حیض اور اس کے بعد دو مہینے طہر شمار ہوگا۔

(کما فی الدر المختار ص۲۰۸ ج۱ واقل [1] الطهر) خمسة عشر یوما ولیا لیها اجماعا (ولا حد لاکثره) وان استغرق العمر (الاعند) الاحتیاج الی (نصب عادة لها اذا استمر) بها (الدم) فیحد لأجل العدة بشهرین به یفتی. وعم کلامه المبتدأة والمعتادة ومن نسیت عادتها وتسمی المحیرة والمضلة الخ قال فی الشامیة (قوله یفتی) مقابله اقوال ففی النهایة عن المحیط مبتدأة رات عشرة دما وسنة طهرا ثم استمربها الدم قال ابو عصمة حیضها وطهر هامارات حتی ان عدتها تنقضی اذا طلقت بثلاث سنین و ثلاثین یوما وقال الامام المیدانی بتسعة عشر شهرا الاثلاث ساعات لجواز وقوع الطلاق فی حالة الحیض فتحتاج لثلاثة اطهار کل طهر ستة أشهر الاساعة وکل حیضه عشرة ایام (الی قوله) والحاکم الشهید قدره بشهرین والفتوی علیه لانه ایسراه قلت وفی العنایة ان قول المیدانی علیه الاکثر و فی التاتار خانیة هوالمختار ثم لا یخفی ان هذا الخلاف انما هو فی المعتادة لامطلقا بل فی صورة ماذا کان طهر هاستة اشهر فاکثر ولا فی المبتدأة التی استمربها الدم واحتیج الی نصب عادة لهافانه لاخلاف فیها کما یأتی خلافا لما یفیده کلام الشارح وأیضا فی الشامیة تحت (قوله وعم کلامه المبتدأة الخ) وان وقع فی المعتادة فطهر ها و حیضها مااعتادت فی جمیع الأحکام الخ وایضا فی الشامیة تحت (قوله وتعتدلطلاق بسبعة اشهر علی المفتی به) أی علی القول السابق المفتی به من انه یقدر

---

۱) وکذا فی الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الحیض، ج ۱ ص ۵۲۴، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: واقل الطهر خمسة عشر یوماً بإجماع الصحابة رضی الله عنهم ...... ولا حد لأکثره، الا عند نصب العادة فی زمن الاستمرار لأنه قد یمتد الی سنة والی سنتین ...... اذا بلغت برؤیة عشرة مثلاً ما سنه طهراً ثم استمر بها فقال ابوعصمة والقاضی ...... حیضها ما رأت وطهرها ما رأت، کتاب الطهارة، باب الحیض، ج ۱ ص ۳۶۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

طهرها للعلة بشهرين فتنقضي بسبعة اشهر لاحتياجها الى ثلاثة اطهار بستة اشهر وثلاث حيضات بشهر و كتب الشارح في هامش الخزائن مانصه قوله وعليه الفتوى كذا في النهاية والعناية والكفاية وفتح القدير واختاره في البحر و جزم به في النهر[1] الخ. والله اعلم.

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۸ صفر ۱۳۸۹ھ

---

١) كذا في الدر المختار: كتاب الطهارة، باب الحيض، ج ٢ ص ٥٤٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في الهندية: انتقال العادة يكون بمرة، كتاب الطهارة فصل في أحكام الحيض، ج ١ ص ٣٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

كتاب المساجد

احکامِ مساجد

آدابِ مسجد

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کے سامنے بینڈ باجا مسجد کی اور شعائر اسلام کی توہین ہے یا نہیں نیز مسجد کے دروازے سے تین گز کے فاصلے پر عین اسی وقت جب نماز باجماعت ہو رہی ہو مسلمانوں کے ایک گروہ کا کھلے عام نماز پڑھنے کے بجائے عصرانہ میں مشغول رہنا نماز کی توہین ہے یا نہیں۔ مخفی مبادکہ یہاں ایک مسجد کے سامنے ایک ذمہ دار افسر نے عین نماز مغرب کے وقت ریڈ کراس کی بلڈنگ کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب منعقد کی نیز اکثر مدعوین کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف رہے اور بینڈ باجا بجتا رہا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مسجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ [1] امر منکر ہے۔ واجب الانسداد ہے [2]۔ جزو اول کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔ اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے۔ **وما كان صلاتهم عندالبيت الامكاء وتصدية** [3]. **الأية (انفال) في روح المعاني مكاء اى صفيرا و تصدية اى تصفيقا وهو ضرب اليدباليد بحيث يسمع له صوت يروى انهم كانوا اذا اراد النبي صلى الله عليه وسلم ان يصلي يخلطون عليه بالصفير و التصفيق الى قوله والماثور عن ابن عباس وجمع من السلف ماذكرنا. الخ. ملخصاً** [4] اور ظاہر ہے کہ سیٹی بجانا اور

---

۱) لما في الهداية: ان الملاهي كلها حرام حتى التغني ضرب القضيب وكذا قول ابي حنيفة كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، ج ٤ ص ٤٥٦، مكتبه رحمانيه لاهور۔
هكذا في الدر المختار: كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ج ٩ ص ٦٥١، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في الهندية: باب ١٧ في الغناء واللهو، ج ٦ ص ٦٥١، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) من رأى منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، مسلم شريف كون النهي عن المنكر، ج ١ ص ٥١، مكتبه قديمي كتب خانه كراچي۔

۳) آیت مبارکہ، سورة الانفال، ۳۵۔

٤) روح المعاني، ج ٩ ص ٢٦٧، مكتبه بيروت لبنان۔
هكذا في تفسير ابن كثير: ج ٩ ص ٤٠٦، الرياض۔

تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہ اھون اورادون ہے۔ جب اخف اوراہون پر نکیر کی گئی تو اثقل واشد پر تو بدرجہ اولی نکیر ہوگی۔ اگر چہ اس میں بجز تلہی وتلعب کے اور کوئی غرض ونیت فاسد معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو۔ لاطلاق النصوص وللزوم التخلط وللتشویش علی المصلین فی فعلها عندالمساجد اور بعلت تلهی مطلقا اور بعلت تخلیه و تلبیس خصوصاً مسلمانوں کو اس سے روکا جائے گا گو اس میں اور کوئی غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی۔ یعنی اہانت واستخفاف اسلام وایذاء اہل اسلام تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بھی بڑھ جائے گی۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۹۹ مختصراً) بہر حال مسلمانوں کو ایسے کاموں سے احتراز کرنا لازمی ہے اور دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے کاموں سے ان لوگوں کو روکیں۔ لما فی الحدیث. من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه الحدیث[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، خادم دارالافتاء مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۰/۵/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۰/۵/۱۳۸۸ھ

مسجد کو گھر بنالینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کشمیر کا مہاجر کسی مسجد میں آرہا ہے عابد ہے رات دن نوافل میں مشغول رہتا ہے ویسے بے علم ہے۔ اس نے مسجد کو اپنی رہائش بنالیا مسجد میں کھانا کھاتا مسجد میں سوتا ہے اور مسجد کے جماعتی نظام میں مخل ہوتا ہے کیا ایسا شخص۔

(۱) مسجد میں رہائش اختیار کر سکتا ہے۔

(۲) رات کو عشاء کے بعد جو لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں تو وہ نوافل میں مشغول ہوتا ہے اس لیے اسے ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے مگر بعد میں وہ اپنے معمول پر مسجد میں ہی سوتا ہے تو کیا رات کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کو مسجد سے باہر کیا جا سکتا ہے یا نہیں تا کہ مسجد کے آداب اور احترام کے خلاف اسے استعمال نہ کرے۔

(۳) اگر ایسے شخص کو ایسی حرکات سے روکنا ضروری ہو مگر مسجد کے ذمہ دار نمازی چشم پوشی وتساہل کریں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے۔

---

۱) قد مر فی هذه الصفحة۔

(۴) دو دفعہ امام مسجد کی بے عزتی کر چکا ہے۔ جذبہ کے وقت کسی بڑے چھوٹے کو نہیں دیکھتا، جو جی میں آئے کہہ گزرتا ہے۔

﴿ج﴾

اگرچہ مسافر الوطن کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔ کما قال صاحب الدر المختار واکل و نوم الالمعتکف و غریب [1]. نیز اصحاب صفہ کا مسجد میں سونا ثابت ہے، بعض دیگر صحابہ سے بھی اس کا ثبوت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر باوجود علم و مشاہدہ کے کوئی انکار نہیں [2]۔ اس لیے جائز ہے۔ لیکن بسبب آخری وجہ کے کہ وہ امام مسجد کی بے عزتی کرتا ہے یا دوسرے نمازیوں کو خلاف تہذیب الفاظ سے مخاطب کرتا ہے جوان کے لیے موجب اذیت ہے، اس کو مسجد سے نکال کر روک دیا جائے۔ کما قال صاحب الدر المختار ویمنع (اکل ثوم) منه (من المسجد) وکذا کل موذ ولو بلسانه. قال الشامی قال الامام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری. قلت علة النهی اذی الملئكة واذی المسلمین ولایختص بمسجده علیه الصلوة والسلام بل الکل سواء (الی ان قال) والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانه وبه افتی ابن عمر رضی الله عنهما، [3] ج ۱ ص ۴۸۹. والله اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۱ جمادی الاولی ۷۴ھ

---

۱) الدر المختار مع رد المحتار: ج ۱ ص ۴۸۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

لما فی الهندية: ویکره النوم والأكل فيه لغیر المعتكف ......ولا بأس للغريب ...... أن ينام فی المسجد فی الصحیح من المذهب، کتاب الکراهية، باب نمبر ۵ آداب مسجد، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

لما فی بحر الرائق: اذا كان غریباً فلا بأس أن ینام فیه كذا فی فتح القدير والاكل والشرب كالنوم، كتاب الصلوة، باب الاعتكاف، ج ۲ ص ۳۵۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

هكذا فی الأشباه والنظائر: فصل أحكام المسجد، ص ۳۶۰، مکتبہ ادارۃ القرآن کراچی۔

۲) لما فی البخاری: وقال ابو قلابة عن انس بن مالك رضی الله عنه قدم رهط من عكل على نبی صلی الله علیه وسلم وكانو فی الصفة وقال عبد الرحمن بن بكر رضی الله عنه كان اصحاب الصفة الفقراء ...... اخبرنی عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أنه كان ینام فی المسجد وهو شاب اعزب لا اهل له فی المسجد، باب النوم لرجال فی المسجد، ج۱ ص ۶۳، مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۳) لما فی عمدة القاری والحق بالحدیث، كل من اذی الناس بلسانه فی المسجد، كتاب الأذان، باب ماجاء فی النوم، مکتبہ دار الفکر، بیروت لبنان۔

مسجد کی دیوار سے متصل بیت الخلا کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ مسجد کی حدود سے باہر ہے لیکن مسجد کی دیوار کے متصل ہے کیا اس جگہ بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا کہ نہیں اور اتنی جگہ بھی زیادہ فراخ نہیں جو کہ دوسری جگہ یا ہٹ کر بنا لیا جائے دیوار مغرب کی طرف ہے۔

﴿ج﴾

مسجد کی حدود کے باہر کی دیوار سے متصل بیت الخلاء بنانا جائز ہے۔ اس میں مسجد کی کوئی بے حرمتی نہیں [1]۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم، ملتان ۔۳/۱۲/۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح بشرطیکہ بیت الخلاء کی بدبو مسجد میں پہنچ کر نمازیوں کے لیے تکلیف دہ نہ بنے [2]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۳/۱۲/۱۳۸۷ھ

مسجد میں سونا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں سو سکتا ہے۔ مثلاً مسافر یا غیر مسافر مریض یا تندرست یا معتکف وغیرہ ہو۔

---

۱) لما فی البحر الرائق: وكره الوطء فوق المسجد وكذا البول والتغوط لان سطح المسجد له حكم المسجد، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، ج۲ ص ۶۰، مكتبه رشيديه سركى روڈ كوئته۔

۲) لما فی الحلبی: يجب ان تصان عن ادخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والنكرات فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم متفق عليه، أحكام المسجد، ص ۶۱۰، مكتبه سعيدى كتب خانه كانسى روڈ كوئته۔

لما فی الدر المختار: للحديث الصحيح فی النهی عن قربان اكل الثوم ...... قلت علة النهی أذى الملائكة وأذى المسلمين ...... ويلحق لما نص عليه فی الحديث كل ماله رائحه كريهه مأكولاً أو غيره، كتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

لما فی أبوداؤد: عن عائشة رضی الله عنها قالت أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ينظف ويطيب، باب اتخاذ المساجد، ج ۱ ص ۷۸، مكتبه رحمانيه لاهور۔

﴿ج﴾

وفی الدرالمختار و اکل و نوم الالمعتکف وغریب . وفی ردالمحتار (قوله واکل و نوم) واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر مانوی او یصلی ثم یفعل مایشاء [1] ص ۴۸۹ ج ۱ . اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی کو سخت ضرورت ہو تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کے اعتکاف کی نیت کرے اور پھر اس میں داخل ہو اور تھوڑا وقت عبادت و ذکر میں صرف کرے پھر وہاں سو رہے اور فجر کو اٹھ کر نماز پڑھے اور مسجد سے باہر آ جائے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۳ رجب ۱۴۰۰ھ

مسجد کے چراغوں میں مٹی کے تیل کا استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مساجد میں جو مٹی کا تیل استعمال ہوتا ہے۔ لیمپ اور گیس جلائے جاتے ہیں جائز ہیں یا نہیں اگر اس کے بجائے سرسوں کے تیل کا چراغ جلایا جائے تو بہتر ہے یا نہیں۔

زید کہتا ہے کہ مسجد میں مٹی کے تیل کا چراغ جلانا جائز نہیں۔ اس کے بجائے سرسوں کے تیل کا چراغ ہو تو جائز اور بہتر ہے۔ لیکن عمر کہتا ہے کہ سرسوں کے تیل سے صفائی صحیح نہیں رہتی البتہ مٹی کے تیل کا چراغ یا لیمپ جلایا جائے تو اس سے مسجد کی صفائی رہتی ہے۔ لہٰذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بہتر ہے۔ تو ان دونوں میں کس کی بات درست ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) لما فی الدر المختار: کتاب الصلوۃ مطلب فی احکام المسجد، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) لما فی الهندية: ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف واذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى أو يصلي ثم يفعل ما شاء كذا في السراجية، كتاب الكراهية، باب نمبر ۵ ج ۵ ص ۳۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

زید کا کہنا درست ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۴/۱۱/۹۶ھ

مسجد کی دکان حجام کو کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی دکان حجام کو کرایہ پر دینا جس میں وہ بیٹھ کر لوگوں کی داڑھیاں مونڈے گا۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور دوسری دکانوں کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

جائز ہے لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔ درمختار ص ۲۷۷ ج ۵ میں ہے: **(وجاز اجارة بيت بسواد الكوفة) لا بغيرها على الاصح ليتخذبيت نار او كنيسة او البيت. الخ. وقال شامي تحت هذا القول لان الاجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الاجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه و انما المعصية بفعل المستاجر و هو مختار فينقطع نسبته عنه.[2] الخ.**

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد میں عرس منانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں مروجہ عرس منانا شرعاً درست ہے یا نہیں۔

---

۱) لما في مسلم شريف: من اكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا ...... باب المساجد، ج ۱ ص ۲۰۹، مكتبه قديمي كتب خانه كراچي۔
لما في الدر المختار: للحديث الصحيح في النهي ...... ويلحق به ما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره، كتاب الصلوة مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) لما في الدر المختار: كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ج ۵ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔
لما في الهندية: واذا استاجر الذمي من المسلم دار يسكنها فلا بأس بذلك وان شرب فيها الخمر او عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذالك بأس لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك انما آجرها للسكنى كذا في المحيط، الفصل الرابع في فساد الإجارة، ج ۴ ص ۴۵۰، مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

مروجہ عرس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ محض ایک رسم ہے۔ اس لیے اس کا ترک کرنا لازم ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۰ھ

مسافر علماء کے لیے مسجد میں رہائش

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بیرونی اور مسافر علماء کے لیے مسجد کے اندر یا چھت پر سونا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسافر اور معتکف کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں رسومات ادا کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں سٹیج یا رسومات محرم میں سے کوئی رسم کرنا یا مسجد میں ان کی رسمی چیزوں کو رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہ۔ مسجد میں ان رسموں کے ادا کرنے میں مسجد کی حرمت رہتی ہے یا نہ۔

السائل: حافظ محمد رفیع محلہ پیر پٹھان کچہری روڈ ملتان

---

۱) ولا يجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرساً، التفسير المظهري، ج ۲ ص ۶۵، بلوچستان بکڈپو۔ وفي در مختار: واعلم ان النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالإجماع باطل وحرام، ج ۳ ص ۴۹۱، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في الهندية: الباب السادس عشر في زيارة القبور، ج ۵ ص ۳۵۱، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في البحر الرائق: ج ۲ ص ۵۲۰۔۵۲۱، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) الدر المختار: واكل ونوم الا المعتكف وغريب ...... كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في الهندية: كتاب الكراهية، باب نمبر ۵ ج ۲ ص ۵۲۵، آداب مسجد، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الإعتكاف، ج ۲ ص ۵۳۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی جگہ ہوتی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ کوئی چیز جائز نہیں لقولہ تعالیٰ ﴿وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا﴾ [1] لہٰذا مسجد میں ایسی رسمیں ناجائز اور مسجد کی حرمت کے خلاف ہیں [2]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ اصغر علی غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان۔۲۶ صفر ۱۳۷۷ھ
الجواب صحیح عبداللہ غفرلہ مفتی مدرسہ خیر المدارس
الجواب صحیح مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔۲۷ صفر ۱۳۷۷ھ

مسجد کی چھت پر جماعت کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مسجد کی چھت پر نماز با جماعت ادا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) اگر اس صف کو اور پیچھے کریں تو امام بالکل مقدم ہوسکتا ہے اور امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو سکتے ہیں۔مذکورہ صورت میں شرع کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

(۱) مسجد کی چھت پر بلاضرورت (یعنی تنگی مسجد) نماز پڑھنا مکروہ ہے [3]۔البتہ اگر لوگ زیادہ ہوں نیچے نہ سما سکتے ہوں تو نیچے کی جگہ پُر کرنے کے بعد چھت پر نماز پڑھنا درست وصحیح ہے۔لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ

---

۱) وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً، سورة الجن، الآية ۱۸، ابن ماجة عن واثلة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم ...... وخصوماتكم ورفع اصواتكم وايضاً عن عمرو بن شعيب ...... قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البيع ...... وعن تناشد الأشعار في المساجد، باب ما يكره في المساجد، ص ۵۵، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچي۔

۲) لما في الدر المختار: ويحرم فيه السوال ...... وانشاد ضالة، أو شعر الا مافيه ذكر ورفع صوت بذكر، وفي الشامي: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان بشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارى، كتاب الصلوة، مطلب في انشاد الشعر، ج ۲ ص ۵۲۳ تا ۵۲۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) لما في الدر المختار: ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهية الصعود على سطح المسجد أو يلزمه كراهية الصلوة ايضاً فوقه، ج ۱ ص ۶۵۶، ولو صل على رفوف المسجد ان وجد في صحنه مكاناً كره كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة، كتاب الصلوة باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۵۶، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچي۔

یہ ضرورت متحقق نہیں۔ اس وجہ سے چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عالمگیریہ ج ۵ ص ۳۵۶ باب آداب المسجد میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ. لهذا اذا اشتدالحر يكره ان يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب (۱)۔

(۲) پہلی صف میں جگہ چھوڑ کر پچھلی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس صورت میں خصوصاً امام کے پیچھے خالی جگہ بغیر ضرورت شدیدہ کے چھوڑنا اور بھی قبیح ہے اور کراہت بڑھے گی اور یہ دوسرا مکروہ پہلے ایک مکروہ فعل کے اختیار کرنے سے (یعنی چھت پر نماز پڑھنا بلاضرورت مذکورہ کے) پیدا ہوگیا، لہٰذا امام ومقتدیوں کو شرعاً لازم ہے کہ چھت پر نماز پڑھنا ترک کردیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے محراب کے آگے امام کا سونا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماءدین دریں مسئلہ کہ امام مسجد محراب کے آگے والی جگہ پر چارپائی پر سوسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

(ج)

چارپائی ڈال کر سوسکتا ہے۔ بلکہ عندالضرورت مسجد میں بھی سونا جائز ہے (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) يكره للمقتدى أن يقوم خلف الصف وحده الا اذا لم يجد في الصف فرجة، فصل في كراهية الصلوة، ص ۳۶۲، سعيدى كتب خانه كراچى۔
لما في الدر المختار: وأما كراهة الوطء بالأقدام فوق المسجد فإنه مختص بما اذا كان لغير عذر واذا كان عذر فلا كراهة في الصلوة فوقه ايضاً كتاب الصلوة، ص ٦٥٦، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) ولو صلى على زفوف المسجد ان وجد في صحنه مكاناً كره كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة، ج ۱ ص ٦٥٦، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
لما في المسلم: عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذى يليه فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر باب تسوية الصفوف، ج ۱ ص ۱۸۲، مكتبه قديمى كتب خانه كراچى۔ ولما قال ابن عابدين: وعليه فلو وقف في الصف الثانى داخلها قبل استكمال الصف الأول من خارجها يكون مكروهاً، رد المحتار كتاب الصلوة، مطلب في جواز لايثار بالقرب، ج ۱۰ ص ٥٦٩، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

۳) لما في الدر المختار: وأكل ونوم لا للمعتكف وغريب، وفي رد المحتار: قوله أكل ونوم، واذا اراد ذلك ينبغي أن ينوى الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالى بقدر مانوى أو يصلى ثم يفعل ما شاء، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد، ج ۱۰ ص ٤٨٩، مكتبه رشيديه كوئته قديمى۔
لما في الهندية: ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، كتاب الكراهية، باب نمبر ۱۰۵، ادب مسجد، ج ٥ ص ۳۲۱، مكتبه رشيديه كوئته۔
لما في السنن ابن ماجة: عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا اعتكف طرح له فراشه أو يوضع له سريره وراء اسطوانة التوبة، ابواب ما جاء في الصيام، باب في المعتكف يلزم مكانا في المسجد، ص ۱۲۷، قديمى كتب خانه كراچى۔

مسجد میں بجلی کا استعمال

﴿س﴾

(۱) بخدمت جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم! کے بعد واضح ہو کہ آج کل گرمی کا موسم ہے اور ہماری مسجد میں اندر بھی بجلی لگی ہوئی ہے اور باہر برآمدے میں بھی بجلی لگی ہوئی ہے اور صحن میں بھی بجلی لگی ہوئی ہے اور جس جگہ وضوء کی نالی ہے وہاں بھی بجلی کا زیرو کا بلب لگا ہوا ہے۔ مگر کچھ لوگ جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ اندر کی بجلی اور برآمدے کی بجلی یا صحن کی بجلی مت جلاؤ۔ صرف جو زیرو والا بلب نالی پر لگا ہوا ہے وہ ہی جلاؤ۔ باقی بلب جلانے سے فضول خرچی ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نالی پر بلب جلنے سے معمولی روشنی صحن کو ہوتی ہے۔ باقی تمام مسجد میں اندھیرا رہتا ہے۔ آپ یہ لکھیں کہ مسجد میں اندر والی بتی جلانی چاہیے یا کہ نہیں؟

(۲) ہماری مسجد میں ایک صاحب ہیں، جس وقت سجدہ میں جاتے ہیں تو ان کا سجدہ جو صف نماز پڑھنے کی ہے اس سے ایک بالشت آگے نکل جاتا ہے اور باقی تمام لوگوں کا سجدہ اسی صف پر پورا ہو جاتا ہے اور ان کا قد بھی پانچ فٹ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہے تو سجدہ کی لمبائی کتنی ہونی چاہیے۔

﴿ج﴾

(۱) عام طور پر مساجد کے اندر روشنی کے لیے بجلی جلانے کا جو متعارف طریقہ ہے وہ جائز ہے اور فضول خرچی میں داخل نہیں۔ اور متعارف یہی ہے کہ زیرو کا بلب نہیں جلایا جاتا بلکہ زیادہ روشنی دینے والے بلب روشن کیے جاتے ہیں[۱]۔

(۲) سجدہ میں ران اور پنڈلی کو کشادہ رکھا جائے یہ سجدہ کا سنت طریقہ ہے[۲]۔ زاویہ قائمہ بنانا یا صف سے آگے نکلنا ضروری نہیں اور یہ طریقہ بھی جب ہے کہ جماعت میں نہ ہو تنہا ہو۔ یا امام ہو یا جماعت میں ہو لیکن مقتدیوں کو ایذا نہ ہو۔ ورنہ ایسا فعل نہ کرے جس سے دوسرے مقتدیوں کو ایذا ہو[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين ويجوز الى ثلث الليل أو نصفه اذا احتيج اليه للصلوة فيه كذا في السراج، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل الا في موضع جرت العادة فيه بذلك۔

الهندية: كتاب الوقف، باب نمبر ۱۱ في المسجد، ج ۲ ص ۴۵۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) الهداية: وسجد ...... ويبدى ضبعيه ...... ويجا في بطنه عن فخذيه لأنه عليه السلام كان اذا سجد جافى حتى أن بهيمة لو ارادت أن تمر بين يديه لمرت، باب صفة الصلوة، ج ۱ ص ۱۰۹، مكتبه رحمانيه لاهور۔ هكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة ج ۱ ص ۵۵۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) الهداية: قيل اذا كان في صف لا يجافي كيلا يؤذي جاره، باب صفة الصلوة، ج ۱ ص ۱۰۹، مكتبه رحمانيه لاهور۔ هكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۵۵۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

امام کا مسجد کی جگہ کو راستہ کے طور پر استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کے متصل مسجد کی چند دکانیں ہیں۔ جن کے اوپر ایک کمرہ اور اس کے سامنے صحن ہے۔ اور وہاں جانے کا راستہ مسجد کے اوپر کو ہے۔ جس جگہ پر نماز پڑھی جاتی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس حالت میں کیا مسجد کا امام اپنے بال بچے رکھ سکتا ہے۔ اور ہم بستری کر کے نماز پڑھنے والی جگہ سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ غسل خانہ نیچے ہے جب نہانے کی حاجت ہوتی ہے۔ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنے والی جگہ کے اوپر کو آجا سکتا ہے۔ کیا بیت الخلاء بنا سکتا ہے۔

﴿ج﴾

ایسی جگہ کو بال بچوں کی رہائش کے لیے استعمال کرنا نامناسب ہے (۱)۔ اسی طرح مسجد کی چھت کو راستہ کے طور پر استعمال کرنا نادرست ہے۔ لہٰذا امام موصوف کے لیے کسی کرایہ کے مکان کا انتظام کر لیا جائے تاکہ امام صاحب کو بھی تکلیف نہ ہو اور مسجد کے آداب بھی ملحوظ رہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا روشن دان بند کر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد کی دیوار کے ساتھ ایک آدمی کا گھر ہے۔ مسجد کی دیوار میں ہوا کے لیے روشن دان لگے ہوئے تھے اس شخص نے اپنی دیوار مسجد کی دیوار سے متصل کر کے اتنی اونچی کر دی کہ مسجد کے روشن دان بند ہو گئے۔ نیز اپنے مکان میں مسجد کی دیوار کے ساتھ اوپر چڑھنے کے لیے ایک زینہ ایسا بنایا ہے کہ اس زینہ کی ایک جانب کی دیوار میں کچھ وہی مسجد کی دیوار ہے۔ جس کو زینہ چڑھنے کے ساتھ ساتھ بلند

---

۱) الدر المختار: واما لو تمت المسجدیه ثم أراد البناء منع هكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف احكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) قال فى البحر الرائق: وكذا يكره أن يتخذ طريقاً، كتاب الوقف فصل فى أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا فى رد المحتار: مطلب فى جعل شيء من المسجد طريقاً ج ٦ ص ٥٧٩، مكتبه رشيديه كوئته۔ الأشباه والنظائر: ولا يجوز اتخاذ طريق فيه للمرور فيه الا لعذر، احكام المسجد، ص ٣٦٠، مكتبه ادارة القرآن كراچى۔

کرویا گیا ہے۔ تو گویا زینہ کی دو حفاظتی دیواروں میں ایک مسجد کی دیوار بھی داخل ہے اور اینٹوں سے اس شخص نے اس دیوار کو اونچا کیا ہے۔ اب آیا اس شخص کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے اس تصرف کو ناجائز سمجھ کر دیوار گرائی جاوے یا کیا صورت ہو وہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ دیوار پردہ کے لیے ڈالی گئی ہے۔ تا کہ مسجد کے نمازیوں اور گھر کی عورتوں میں حائل ہو جاوے۔

﴿ج﴾

اپنی دیوار مملوکہ میں ایسا تصرف کرنا جس سے جار (ہمسایہ) کو ضرر فاحش لاحق ہو۔ مختلف فیہ مسئلہ ہے بعض فقہاء نے منع فرمایا ہے اور بعض نے اجازت دی ہے۔ دونوں قول مفتی بہ اور معتمد ہیں۔ قول بالا جازۃ ظاہر الروایۃ ہے۔ اور قول بالمنع استحسان ہے۔ درمختار ص ۴۰۱ جلد ۴ میں ہے۔ **(ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان ضرر) بجاره ضرراً (بیناً) فیمنع من ذلک وعلیه الفتوی بزازیه. واختاره فی العمادیة وافتی به قاری الهدایة حتی یمنع الجار من فتح الطاقة وهذا جواب المشائخ استحسانا و جواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا و به افتی طائفة کالامام ظهیر الدین و ابن الشحنه و والده و رجحه فی الفتح و فی قسمة المجتبی وظاهر به یفتی واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة الخ...... (وقال الشامی تحت هذه العبارة مسائل شتی ج۴ من کتاب القضاء ص ۴۰۲) والحاصل انهما قولان معتمدان یترجح احدهما بما ذکرنا والاخر بکونه اصل المذهب**[1]۔

پس صورت مسئولہ میں مسجد کے روشن دان بند ہونے کی وجہ سے روشنی اور ہوا کی بندش سے نمازیوں کو تکلیف ضرور لاحق ہوگی۔ اس لیے ہمسایہ کو ایسا فعل ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس وقت اس کو روک دیا جاتا تو اچھا ہوتا لیکن بعد بن جانے کے اب ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور اس کو گرانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا تصرف اپنے مملوک حصہ میں ہے۔ لیکن مسجد کی دیوار پر جو دیوار زائد بنائی ہے اور اس کو زینے کی حفاظتی دیوار کی حیثیت سے ہمسایہ استعمال کر رہا ہے یہ دراصل مسجد کی دیوار سے نفع حاصل کر رہا ہے۔

---

۱) فی الدر المختار: کتاب القضاء، ج ٤ ص ٤٠١، قدیمی رشیدیه، ج ٨ ص ١٧١، رشیدیه جدید، سرکی روڈ کوئٹه۔

لما فی البحر الرائق: وقیل بل فیه خلاف فعندهما الاصل الإباحة لأنه یصرف فی ملکه وهو یقتضی الاطلاق ..... والحاصل أن الذی علیه غالب المشائخ من المتأخرین والاستحسان فی أجناس هذه المسائل، وافتی طائفة بجواب القیاس المروی، واختار فی العمادیة: المنع اذا کان الضرر بینا فظاهر الروایة خلافه باب التحکیم، مسائل شتی، ج ٧ ص ٤١-٥٦، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

اور بہت ممکن ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد مسجد کی اس دیوار پر جس پر اس کا قبضہ ظاہرہ بوجہ استعمال کے ہے۔ ملکیت کا دعویٰ کرلیا جاوے گا نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اب بھی اور عرصہ گزرنے کے بعد ہمسایہ قطعاً اس دیوار کے گرانے پر راضی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے لیے مانع رہے گا۔ اس لیے ہمسایہ کو اس استعمال سے روک دیا جاوے۔ ورنہ وقف کو نقصان پہنچے گا۔ نیز غالب یہ ہے کہ سیڑھیوں کے تختے مسجد کی دیوار کے اندر رکھے گئے ہوں گے۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ اس کا گرادینا ضروری ہے۔ **ولایوضع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافه آه قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره. فانه لا یحل ولودفع الاجرة. الخ. شامی ج۳ کتاب الوقف ص ۶۰۴ ج۳.**[1] واللہ اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

مسجد کو گزرگاہ سے بچانے کے لیے دروازہ بند کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چھوٹی سی مسجد میں دو دروازے داخل ہونے کے لیے تھے۔ ایک دروازہ بازار کی طرف تھا اور دوسرا دروازہ شارع عام (گلی) میں ہے۔ بازار کی طرف والے دروازہ سے لوگ مسجد میں جب داخل ہوتے تھے تو مسجد کے احترام میں خلل واقع ہوتا تھا۔ جس کی وجہ استنجاء خانہ غسل خانہ اور وضو کرنے کی جگہ والے دروازہ کے قریب ہیں۔ لوگ حالت جنابت میں مسجد کا صحن عبور کر کے غسل خانہ یا استنجاء خانہ کی طرف جاتے تھے۔ قصابوں (سری پائے والے) کی دکانیں قریب تر ہونے کی وجہ سے اکثر اوقات کتے بھی ایک دروازہ سے گزر کر دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ بازار کے دکانداروں اور ان کے بچے ننگے پیر سارا دن پانی لینے کے لیے مسجد میں آمد و رفت رکھتے اور مسجد کی سخت بے حرمتی کے مرتکب ہوتے تھے۔ بعض قریبی ہمسائے جو شیعہ ہیں اور پیشہ کے لحاظ سے کنجر ہیں وہ اس مسجد کو مسجد بھی نہ سمجھتے تھے اور بنیت فساد روزانہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتے رہتے تھے۔ اندریں حالات مسجد کا بیرونی دروازہ جو بازار کی طرف ہے۔ ۱۹۵۸ء سے تقریباً چودہ سال سے بند کر دیا گیا ہے اور اس میں میں خود دکان کرتا رہا ہوں۔ گلی کے دروازہ سے تمام نمازیوں کی چودہ سال سے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ آمد و رفت جاری ہے۔ دشمنوں کے اشارہ پر دس بارہ

---

۱) لما فی رد المحتار: ولا یوضع علی جدار المسجد وان کان من أوقافه...... کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٩، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

روز سے دو تین آدمیوں نے بازار کا دروازہ دوبارہ کھولنے کی تحریک شروع کردی ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ از روئے شرع محمدی فتویٰ دیا جائے کہ چودہ سال سے جو دروازہ بند ہو چکا ہے اور آج تک کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی اور دکان کی صورت میں اگر کچھ کرایہ کی آمدنی ہوتی ہے تو وہ بھی مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے کام آتی ہے۔ مسجد کی ضروریات از خود پوری کرتا رہتا ہوں اور کسی سے چندہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔ لہٰذا شریعت شریف کے مطابق فتویٰ دیا جاوے۔

﴿ج﴾

مسجد کی حرمت اور طہارت کا خیال کرتے ہوئے اس دروازہ کا بند کرنا ہی اولیٰ ہے۔ جبکہ اس پر چودہ سال تک عمل ہوا اور کسی کو اس کے بند ہونے سے تکلیف کا سامنا نہیں ہوا [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) عن معاذ بن جبل رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جنبوا مساجدكم مجانينكم وصبيانكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم وبيعكم وشرائكم واقامة حدودكم وخصومتكم وجمروها يوم جمعكم واجعلوا مطاهركم على ابوابها، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث، ۱۷۲۹/۱، باب البيع والقضاء في المسجد وما يجنب المساجد، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث، وفي شرحه ولذا قالوا: ينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد، شرح الأشباه النظائر، القول في أحكام المسجد، ۳/۱۸۵، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

في الكبير مسجد اراد اهله أن يجعلوا الرحبة أو المسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له باباً وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك فإن اختلفوا نظر اليهم أكثر وافضل فلهم ذلك كذا في المضمرات" الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ۲ ص ٤٥٦، طبع رشيديه كوئته۔

وسئل ابو القاسم عن أهل المسجد اراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجداً أو نجد له سوال له بابا او يحولوا بابه من موضعه فأبى البعض ذلك فإذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم على ذلك فليس للأقل منعهم عنه"۔

المحيط البرهاني: كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد وهو أنواع، ج ۷ ص ۱۲۹، طبع غفاريه كوئته۔

مسجد سے ملحقہ دکانوں کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ:

(۱) مسجد میں جوتوں کے رکھنے کی جگہ اور مسجد کے ملحقہ دکان مسجد کا حکم رکھتے ہیں تو کیا عزت واحترام مسجد جیسا کیا جائے گا؟

(۲) ایک شخص نے دکان پر شفعہ کیا ہوا ہے جو کہ ایک ذاتی مسئلہ ہے اور یہی شخص ایک مسجد کا متولی ہے۔ مسجد کی دکان کی آڑ میں جو کہ ایک وکیل کو دے رکھی ہے۔ دوسرے ایک شخص نے مسجد کی دکان متولی سے لے رکھی ہے۔ اس بیچارے نے سامان دکان میں مہیا کر کے دکان چلانے کی کوشش کی لیکن اسے روک دیا گیا کہ ہم نے دکان مسجد کی اس لیے دے رکھی ہے کہ شفعہ ہمارے حق میں ہو جائے۔ تو کیا متولی ایسا فعل کرنے کے باوجود متولی بننے کا حق رکھتا ہے؟

﴿ج﴾

جوتوں کی جگہ اور دکان وقف ہیں اور جوتوں کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا اور دکان میں خرید وفروخت کرنا درست ہے۔ تمام احکام میں بحکم مسجد نہیں[۱]۔ البتہ شرط واقف کے خلاف کرنا درست نہیں[۲]۔ دکان اگر کرایہ پر دی ہے تو شرائط اجارہ کے مطابق معاملہ کرنا لازم ہے اور اجارہ کے شروط کے خلاف کرنا متولی کے لیے جائز نہیں[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) ولو اراد أن يقف ارضه على المسجد وما يحتاج اليه ...... وما فيه مصلحة المسجد على أن يلقيم أن يتصرف فى ذلك على ما يرى" الهندية كتاب الوقف، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد وتصرف القيم، ج ٢ ص ٤٥٩ـ٤٦٠، رشيديه كوئته۔ قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سريراً آجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس اذا كان لصلاح المسجد ...... الخ، كتاب الوقف، فصل فى احكام المسجد، البحر الرائق، ج ٥ ص ٤١٨، رشيديه كوئته۔

۲) قولهم: شرط الواقف كنص الشارع، أى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، در مختار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب فى قولهم: شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، طبع رشيديه جديد كوئته۔ "على انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" رد المحتار، مطلب غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً، ج ٦ ص ٦٨٣، رشيديه كوئته

۳) قوله: يراعى شرط الواقف فى اجارته) أى وغيرها لما سيأتى فى الفروع من أن شرط الواقف كنص الشارع كما سيأتى بيانه، در مختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف فى اجارته، ج ٦ ص ٦١٢، رشيديه جديد كوئته۔ فإن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر أكثر من سنة ...... فليس للقيم أن يخالف شرطه ويؤاجرها أكثر من سنة" هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ٢ ص ٤١٩، رشيديه كوئته۔

مسجد کے حصہ کوراستہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مذکورہ نقشہ میں مسجد کے مغرب کی جانب سے راستہ ہے۔ جو وہاں سے آکر مسجد کے شمال سے ہوتا ہوا مشرق کے راستہ سے آکر ملتا ہے اور مسجد کے جنوب والا حصہ جو پہلے مسجد تھا، اب فارغ پڑا ہوا ہے۔ اب اہالیان مسجد کا خیال ہے کہ وہ راستہ جو مغرب کی طرف سے ہے وہ مسجد کو دیا جائے اور اس کے عوض مسجد سے وہ ٹکڑا جو جنوب مسجد میں ہے۔ فارغ پڑا ہوا ہے۔ جو پہلے مسجد کا حصہ تھا وہ راستہ کو دیا جائے۔ تو از روئے شرع کیا ایسا کرنا جائز ہے کہ مسجد کا ٹکڑا راستہ بنا دیا جائے یا نا جائز۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد کے ٹکڑے کو راستہ بنانا جائز نہیں۔ اگر چہ فارغ پڑا ہو۔ **في عالمگيرية قيم المسجد لاتجوز له ان يبني حوانيت في حدالمسجد او في فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذالايجوز و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد**[۱]۔ نیز امداد الفتاوی جلد دوم ص ۵۹۸ میں راستہ کو صراحۃً ممنوع قرار دیا ہے[۲]۔ واللہ اعلم۔

امام صاحب کا مسجد کے صحن کوراستہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مثلاً زید ایک جامع مسجد کا عالم باعمل امام وخطیب ہونے کے علاوہ دینی مدرسہ کا مدرس بھی ہے اور اس کا مکان حجرہ مدرسہ کے متصل ہے کیا یہ شخص حجرہ کے صحن سے راستہ لے سکتا ہے یعنی دروازہ اس جانب سے رکھ سکتا ہے۔ یا نہ یہ راستہ اس کو مسجد اور حجرہ کے قریب پڑتا ہے گویا اپنی آسائش وآرام کے لیے موقوفہ زمین سے راستہ لینا چاہتا ہے۔ نہ کہ بغرض قبض۔ **الــوقف لايملك** واضح ہو کہ زید متولی وقف نہیں ہے اور مہتمم مدرسہ بھی واقف نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) هندية: كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم، ج ۲ ص ٤٦٣، رشيديه كوئته۔

۲) كما جاز جعل الطريق مسجداً لا عكسه، تنوير الأبصار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ٦ ص ٥٨٠، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مکان امام مسجد کا ذاتی اور مملوکہ ہے اور ذاتی اور مملوکہ مکان میں راستہ وقف سے لینا جائز نہیں ہے اور اگر مکان ذاتی نہ ہو بلکہ موقوفہ ہو تو پھر واضح کر کے دوبارہ دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محراب کو درمیان میں رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ اس کی زمین تکونی ہے جس کا نقشہ نیچے درج ہے۔ اس کی خوبصورتی اور باہر کے صحن کے مطابق محراب رکھا گیا۔ لیکن دائیں طرف ۶ فٹ زمین زیادہ ہے۔ یعنی پانچ آدمی تقریباً صف میں زیادہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کیا فرض، سنت یا مستحب کا ترک تو اس محراب سے نہیں ہوتا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اندرونی محراب کو بیرونی صحن کے مطابق شرعاً نہیں رکھا جاتا بلکہ محراب کو مسجد کے کمرہ کے عین وسط میں رکھنا مسنون ہے۔ اس طور پر کہ امام جب محراب میں کھڑا ہو تو اس کے دونوں جانب دائیں بائیں نمازی برابر کھڑے ہوں کیونکہ امام کا نمازیوں کے عین وسط میں آگے کھڑا ہونا سنت ہے۔ اور محراب چونکہ امام کے کھڑے ہونے کے لیے متعین کیا جاتا ہے لہٰذا کمرہ مسجد میں ایسی جگہ پر محراب رکھنا صحیح ہے کہ اس کے دونوں جانب برابر برابر مقتدی کھڑے ہو سکیں کسی طرف کمی بیشی نہ ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر داہنی جانب کے یہ چھ فٹ بھی کمرہ مسجد میں داخل ہوں تو محراب کو اس جگہ سے کچھ ہٹا کر عین وسط میں تعمیر کیا جائے۔

---

۱) لما فی الهداية: واذا صح الوقف لم يجز بيعه، ولا تمليكه، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۹، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

ولما في الدر المختار وشرحه: فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، وقال العلامة الشامي: (قوله ولا يملك) أي لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي، لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه ...... الخ، كتاب الوقف، ج ۶ ص ۵۳۹، رشيديه كوئته۔

ومثله فى البدائع: فصل اما حكم الوقف الجائز وما يتصل به، ج ۶ ص ۲۰۰، طبع رشيديه كوئته۔

كما [1] قال في الشامي ج ا ص ۴۲۰ (قوله و يقف وسطا) قال في المعراج وفي مبسوط بكر السنة ان يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان ولوقام في احد جانبي الصف يكره ولو كان المسجد الصيفي بجنب الشتوى وامتلأ المسجد يقوم الامام في جانب الحائط ليستوى القوم من جانبيه والاصح ماروى عن ابي حنيفةؒ انه قال اكره ان يقوم بين الساريتين او في زاوية او في ناحية المسجد او الى سارية لانه خلاف عمل الامة قال عليه الصلوة والسلام توسطوا الامام و سدوا الخلل ومتى استوى جانباه يقوم عن يمين الامام. الخ.

وفيه ايضا بعد اسطر (تنبيه) يفهم من قوله او الى سارية كراهة قيام الامام في غير المحراب ويؤيده قوله قبله السنة ان يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع اخر السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف الاترى ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهي قد عينت لمقام الامام اه والظاهر ان هذا في الامام الراتب لجماعة كثيرة لئلايلزم عدم قيامه في الوسط ولولم يلزم ذلك لايكره تامل ج ا ص ۴۲۰. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بیت الخلا جانے میں مسجد کی بے حرمتی نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ مسجد کی حدود سے باہر کی ہے لیکن مسجد کی دیوار کے متصل ہے کیا اس جگہ بیت الخلاء بنانا جائز ہے تا کہ نہیں اور اتنی جگہ بھی زیادہ فراخ نہیں کہ دوسری جگہ یا ہٹ کر بنالیا جائے۔ دیوار مغرب کی طرف ہے۔

---

١) رشيديه قديم كوئته، مطلب، في هل الإساءة دون الكراهة والفحش منها، رشيديه جديد، ج ٢ ص ٣٣١، ولما في الهندية: وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة هكذا في التبيين، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم، ج ١ ص ٨٩۔ وهكذا في المحيط البرهاني، الفصل السابع عشر، في بيان قيام الإمام والمأموم، ج ١ ص ٤٨٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد کی حدود کے باہر کی دیوار سے متصل بیت الخلاء بنانا جائز ہے۔اس میں مسجد کی کوئی بے حرمتی نہیں۔ فقط اللہ اعلم (۱)۔

مسجد سے متصل مکان والے بیت الخلا کس طرح بنائیں

﴿س﴾

ایک مکان تعمیر ہو رہا ہے ایک مسجد کے قریب اور مسجد کی دیوار سے مکان کی دیوار آ کر ملتی ہے۔ویسے مسجد کی دیوار الگ ہے اور مکان کی دیوار الگ۔صرف مس ہو رہا ہے مذکورہ بالا مکان میں مالک مکان غسل خانہ اور فلش سسٹم لگانا چاہتا ہے۔عندالشرع اس میں کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

اگر غسل خانہ کے پانی سے مسجد کی نجاست کا خطرہ نہ ہو اور مسجد میں اس کے پانی پڑنے کا خطرہ نہ ہو بلکہ مسجد کی دیوار سے علیحدہ اپنی دیوار کے ساتھ غسل خانہ وغیرہ بنا رہا ہے تو یہ شرعاً جائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۹/۶/۱۳۹۱ھ

---

۱) لما في البحر الرائق: وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط لأن سطح المسجد له حكم المسجد ......الخ، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۲ ص ۶۰، طبع رشيديه كوئته۔
ولما في أبي داؤد: خبيب بن سليمان عن أبيه سليمان بن سمرة عن أبيه سمرة قال انه كتب الى بنيه أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نصنعها في دورنا، ونصلح صنعتها ونطهرها، باب اتخاذ المساجد في الدور، ج ۱ ص ۷۸، طبع رحمانيه لاهور۔
وهكذا في الشامي: مطلب في أحكام المسجد، ج ۲ ص ۵۱۶، رشيديه كوئته۔

۲) لما في الدر المختار وشرحه: (ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه الا اذا كان الضرر) بجاره ضرراً (بيناً) فيمنع من ذلك وعليه الفتوى، وقال العلامة ابن عابدين: والحاصل ان القياس في جنس هذه المسائل ان من تصرف في خالص ملكه لا يمنع منه ولو اضر بغيره لكن ترك القياس في محل يضر لغيره ضرراً بيناً، وقيل بالمنع، وبه أخذه كثير من مشائخنا وعليه الفتوى، كتاب القضاء، مسائل شتى، ج ۸ ص ۱۷۱۔۱۷۲، رشيديه جديد، ولما في البحر الرائق: ولو اتخذ في ملكه بئراً أو بالوعة تنز الى حائط جاره فطلب منه تحويله لم يجبر عليه ولا يضمن عليه الا اذا انهدم من التر ...... وذكر العلامة ابن الشحنة ان في حفظه ان المنقول عن المتنا الخمسة ابي حنيفة وابي يوسف، محمد وزفر والحسن رحمهم الله انه لا يمنع من التصرف في ملكه وان اضر بجاره ...... الخ، كتاب القاضي الى القاضي، باب التحكيم، ج ۷ ص ۵۶، طبع رشيديه كوئته۔

مسجد میں اسپرے کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں زہریلے جراثیم مچھر وغیرہ ختم کرنے کے لیے سپرے کرانا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

مسجد میں ایسے سپرے کرانا جس سے مسجد بدبودار ہو جائے جائز نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ **من اكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتاذى مما يتاذى منه الانس.** (بخاری و مسلم) کہ جو شخص بدبودار درخت (یعنی پیاز) کھائے۔ وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اس لیے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذا پہنچتی ہے جن سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے اس حدیث میں اگر چہ صراحتہ تو فقط کھانے کی چیز کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ آخیر میں اس کی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جن سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فقط کھانے کی چیزوں میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ تمام استعمال کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے اور اسی وجہ سے مسجد میں مٹی کا تیل جلانے کو بھی منع کیا گیا ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۰/۵/۱۴۰۰ھ

---

۱) لما في صحيح المسلم: سئل عن أنس رضى الله عنه عن الثوم فقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكل من هذه الشجرة فلا يقربنا ولا يصل معنا، (باب نهى عن أكل الثوم أو بصلاً أو كراثاً ...... الخ، ج ۱ ص ۲۰۹، طبع قديمى كتب خانه كراچى)۔

ولما في الشامي: (وأكل نحو ثوم) أى: كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان اكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي اذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده عليه السلام ..... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد، ج ۲ ص ۵۲۵-۵۲۶، رشيديه جديد۔

ولما في حلبي كبير: وههنا أبحاث، الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن ادخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: "من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنوآدم، متفق عليه، فصل في أحكام المسجد، ۶۱۰، سعيدى كتب خانه كوئته۔

مسجد کی چھت کو گوبر ملا پلستر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کی چھت کے بالائی حصہ پر مٹی میں گوبر ملا کر پلستر کر دیا جائے اور یہ پلستر چھت کی مضبوطی کے لیے کیا جائے۔ جبکہ چھت کے پانی کا نکاس بھی مسجد میں نہ ہو تو کیا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

وفي الشامية (ج ا ص ۴۸۶) في الفتاوى الهندية يكره ان يطين المسجد بطين قدبل بماء نجس بخلاف السرقين اذا جعل فيه الطين لان في ذلك ضرورة وهو تحصيل غرض لايحصل الابه. كذا في السراجية [1]۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ مٹی میں گوبر ملا کر اس سے مسجد کی لپائی درست ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۸/۵/۱۱ھ

مسجد میں بدبودار تیل کا استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں روشنی کے لیے یا طلبہ کے مطالعہ کے لیے بوجہ نہ ہونے اور جگہ کے یا گراں قیمتی ہونے مٹی کے تیل کے اور بہت جلنے کے مباح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

۱) رشيديه قديم كوئٹه۔

۲) ولما في الهندية: ويكره أن يطين المسجد بطين قد بل بماء نجس بخلاف السرقين اذا جعل فيه الطين لأن في ذلك ضرورة وهو تحصيل غرض لا يحصل الا به كذا في السراجية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ٥ ص ٣١٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

ولما في البحر الرائق: وقالوا اذا نزح الماء النجس من البئر كره له أن يبل به الطين فيطين به المسجد على قول من اعتبر نجاسة العين، كتاب الصلوة باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ٢ ص ٦١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا بوجہ بد بو کے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر نمازی اس کی بد بو سے تکلیف نہ محسوس کریں تو جائز ہوگا۔ **من اكل من هذه الشجرة الخبيثة (اى البصل او الثوم) فلايقرب مسجدنا.** او **كما قال عليه الصلوة والسلام**[1] درمختار ج ۲ ص ۴۸۹ پر ہے۔ **ويلحق بمانص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولا او غيره فيدخل تحت النهي استعمال الدهن المنتن المستعمل في الهند ايضا والله اعلم**[2]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد میں دھواں والا چراغ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہے یا نہیں، خاص کر جبکہ دھواں براہ راست مسجد کی دیوار کو سیاہ کرے نیز بدانتظامی کی وجہ سے دیوار بھی تیل سے خراب ہو جائے تو کیا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہوگا یا نہ۔

﴿ج﴾

مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں تعلیمِ قرآن کا حکم

﴿س﴾

جناب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے قریب کی مسجد میں بچے اور بچیاں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے

---

۱) مشكاة المصابيح، ج ۱ ص ٦٨، قديمى كتب خانه، باب المساجد ومواضع الصلوة۔

۲) رد المحتار: مطلب في الغرس في المسجد، ج ۱ ص ٤٨٩، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد، كوئٹه، ج ۲ ص ٨٢٦۔

ولما في حلبي كبير، وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن ادخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام، ص ٦١٠، فصل في أحكام المسجد، سعيد كتب خانه كوئٹه۔

ولـما في شرح الأشباه والنظائر ويكره دخوله لمن أكل ذا ريح كريهة" القول في أحكام المسجد ج ۳ ص ١٨٩، مكتبه ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچى۔

۳) حواله سؤال بالا۔

ہیں جو کہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بچے ہیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مسجد میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی جگہ بنائی جاسکے تقریباً ساٹھ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کسی بچے کی عمر چھ سال سے کم نہیں ہے۔ سب بچے نماز پڑھتے ہیں۔ استاذ کوئی اجرت نہیں لیتا بروئے حدیث کیا حکم ہے، کہ بچے مسجد میں تعلیم حاصل کریں یا کہ تعلیم بند کردی جاوے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جب کہ بچے سمجھدار اور نمازی ہیں اور معلم بغیر اجرت کے تعلیم دیتا ہے تو جائز ہے[۱] مسجد میں تعلیم دینا لیکن احتیاط ضروری ہے کہ شور وشغب نہ ہو، اور بچوں کے پیر صاف ستھرے ہوں؟ مسجد میں کیچڑ یا نجاست کی آلودگی نہ ہو[۲] اور اگر مسجد کے قریب مدرسہ کی بنیاد ڈالی جاسکے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں مدرسہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) ایک عبادت گاہ ومسجد شریف ہو اس میں عام مدرسہ بنانا کیسا ہے؟

(۲) اس مدرسے میں بالغ اور نابالغ لڑکے پڑھائی کرتے ہیں ان کو یہ سمجھ نہیں ہوتی کہ مسجد کا احترام کیسے

---

۱) لما فی الهندية: وأما المعلم الذی يعلّم الصبيان بأجر اذا جلس فی المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر اوغيره لا يكره، فصل فيما يكره فی الصلوة وفيما لا يكره، ج ۱ ص ۱۱۰، رشيديه كوئٹه۔
وتكره الصناعة فيه من خياطة وكتابة بأجر وتعليم صبيان بأجر لا بغيره الا لحفظ المسجد فی رواية، وفی الفتح: معلم الصبيان كالكاتب ان باجر لا يجوز وحسبة لا بأس به، انتهى" الأشباه وشرحه القول فی أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۷۸، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

۲) والوضوء فيما أعد لذلك: وقال العلامة ابن عابدين: لأن ماء ه مستقذر طبعاً فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع، رد محتار وشرحه، ج ۲ ص ۵۲۵، مطلب فی رفع الصوت بالذكر، طبع رشيديه كوئٹه جديد، ورفع الصوت بالذكر الا للمتفقه، (وفی شرحه) والتقدير ويمنع من رفع الصوت بالذكر فی المسجد وهو صادق بالمنع للتحريم، والمنع للكراهة، الأشباه وشرحه، ج ۳ ص ۱۹۱، والقول فی أحكام المسجد، ادارة القرآن كراچی۔
وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث وفی شرحه، ولذا قالوا ينبغی لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد، الأشباه وشرحه: والقول فی أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۸۵، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

ہوتا ہے۔اس لیے جس وقت پڑھائی کے لیے بڑا آدمی موجود ہوتا ہے۔اس وقت وہ لڑکے تو سکون سے رہتے ہیں۔ جب پڑھانے والا کسی کام کے لیے مسجد سے باہر جاتا ہے تو اس وقت لڑکے مسجد کے اندر بھاگنا اور لڑنا جھگڑنا اور ایک دوسرے کو گالیاں دینا اور ننگے پاؤں مسجد سے باہر بھاگ جانا اور پھر اسی ننگے پاؤں گندگی والے اور پلید مٹی والے واپس مسجد شریف کے اندر آ جانا اور مسجد کی تاروں یعنی بجلی کی تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا۔اور بجلی کی تاروں کے گٹکے نکال دینا۔اور اس مسجد میں چوبیس گھنٹے رات دن کی رہائش رکھنا اور کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا۔وہ اس مسجد میں کرتے ہیں۔اور مسجد کی دیوار پر مدرسے کے نام کا بورڈ لگانا اور مسجد میں چارپائیاں بچھانا۔ یعنی مسجد کو اس طریقے سے استعمال کرنا جیسے اپنا رہائشی گھر کا مکان ہوتا ہے۔ استنجاء خانہ میں لڑکوں کا پائخانہ کر دینا۔اور اس طریقے سے اس طرح مسجد کی عمارت کو کمزور کر دینا۔ان لڑکوں کا ہی کام ہے۔

(۳) یہ وضاحت سے درج فرماویں کہ مسجد کے احترام کے لیے کون کون سے حقوق ہوتے ہیں تاکہ اس پر عمل کیا جاوے۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر یہ واقعات صحیح ہیں جو سوال میں مذکور ہیں یعنی بچے ناسمجھ مسجد کو خراب کر دیتے ہیں۔ کودنا، اچھلنا، گندگی اور غلاظت پھیلانا، اور مسجد میں کھانا، پینا، سونا، اٹھنا، بیٹھنا، چارپائیں ڈالنا، تو پھر اس طریقے سے مسجد کو مدرسہ بنانا ناجائز ہے۔کوئی اور عمارت مدرسہ کے لیے تیار کی جائے یا کرایہ پر لی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ عربیہ، قاسم العلوم، ملتان شہر

---

۱) وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جنبوا مساجدكم مجانينكم وصبيانكم ورفع أصواتكم، وسل سيوفكم، وبيعكم، وشرائكم، واقامة حدودكم، وخصومتكم، وجمروها يوم جمعكم، واجعلوا مطاهركم على ابوابها، مصنف ابن عبد الرزاق، رقم الحديث ج ۱ ص ۱۷۲۹، باب البيع والقضاء في المسجد وما يجنب المساجد۔ دار الكتب العلمية، بيروت۔

ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره، وقال العلامة الرافعي رحمة الله عليه تحت هذاالقول: اى حيث لم يبالوا بمراعاة حق المسجد من مسح نخامة اوتفل في المسجد، الااذا كانوا مميزين ويعظمون المساجد بتعلم من وليهم فلا كراهة في دخولهم ۱هـ، درالمختار مع تقرير رافعيؒ: كتاب الصلوٰة، مطلب في احكام المسجد ص ۲/۵۱۸، رشيديه جديد كوئٹه،

ومنها حرمة ادخال الصبيان والمجانين حيث غلب تنجيسهم والافيكره، وفي شرحه: ومنها حرمة البصاق فيه أقول المراد من الحرمة هنا كراهة التحريم لما في البدائع، ويكره التوضي في المسجد لأنه مستقذرٌ طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، شرح الأشباه، القول في أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۸۶، مكتبه ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد میں قرآن کی تعلیم دینا کیسا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مساجد میں تعلیم قرآن پاک دینا جائز نہیں ہے۔ برائے کرم قران وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیا جائے۔

﴿ج﴾

حدیث شریف میں وارد ہے۔ جنبوا صبیانکم مساجد کم [1]۔ بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو۔ کیونکہ ان سے مسجد میں نجاست وغلاظت آنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اگر کہیں اور جگہ درس قرآن کا انتظام ہو سکے تو دوسری جگہ کر دیا جائے ورنہ شدت مجبوری سے گنجائش ہے کہ مسجد میں تعلیم دی جائے اور اس کی طہارت اور نظافت کا خاص خیال رکھا جائے [2]۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ

مسجد میں اسکول کی کتابوں کا مطالعہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) سرکاری سکول کے چند بالغ طلبہ جو کبھی کبھار نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ خانہ خدا میں یعنی مسجد میں سکول کی کتابوں کا خفی اور بالجبر مطالعہ کرتے ہیں مسجد میں ان کا یہ مطالعہ جائز ہے یا نہ؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طلبہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ جبکہ وہ گھر میں مطالعہ کے لیے مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مسجد میں مطالعہ کرنے پر مجبور ہیں۔

---

۱) مصنف ابن عبد الرزاق: باب البیع والقضاء فی المسجد وما یجنب المساجد: حدیث رقم ۱۷۲۹، ج۱ دار الکتب العلمیة بیروت۔

۲) واما المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر أو غیرہ لا یکرہ، هندیہ کتاب الصلوة، فصل فیما یکرہ فی الصلوة وما لایکرہ، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

أما الکاتب ومعلم الصبیان فإن کان باجرة یکرہ وان کان حسبة فقیل لا یکرہ والوجه ما قاله ابن الهمام أنه یکرہ التعلیم ان لم یکن ضرورةً لأن نفس التعلیم ومراجعة الأطفال لا یخلو عما یکرہ فی المسجد ...... الخ، ص ۶۱۱، حلبی کبیر۔

ولو لم یکن فیه توهم تلویث واهانة علا ما أشار الیه قوله علیه السلام، فان المساجد لم تبن لهذا فما کان فیه نوع عبادة ولیس فیه اهانة وتلویث لا یکرہ والا کرہ، حلبی کبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص ۶۱۱، طبع سعیدی کتب خانه کوئٹه۔

(۲) ایک اور شخص ہے جو ایک سرکاری سکول میں مدرس ہے۔ وہ بھی گھر میں مطالعہ کے لیے مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے سکول کی کتابوں کا مسجد ہی میں خاموشی سے مطالعہ کرتا ہے، جبکہ وہ اسی مسجد میں نماز پنجگانہ کا نمازی بھی ہے اور متشرع بھی۔ کیا ان کے لیے مسجد میں مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۲،۱) اگر مسجد کے تمام آداب کا خیال کرے۔ بہت زور سے نہ پڑھے ہوا و غیرہ مسجد میں خارج نہ کرے نمازیوں کو تکلیف نہ دے تو درست ہوگا۔ اگر چہ خلاف اولیٰ ہے[1]۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے قبل وضو کرے اور اعتکاف کی نیت کر کے کم از کم دو رکعت نفل پڑھے اور کچھ تسبیح و تہلیل کر کے مطالعہ شروع کرے اگر مذکورہ بالا تمام امور کا اہتمام سے خیال رکھے تو بلا کراہت جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۶/۴/۲۰ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۳۹۶/۴/۲۵ھ

مسجد کے برآمدہ میں قرآنی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک دکان، مسجد کا ایک حجرہ، استنجا خانہ، غسل خانہ اور برآمدہ

---

۱) ویکرہ ...... رفع صوت بذکر قال العلامة ابن عابدین تحته وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش ذکرهم علی نائم أو مصل أو قاری،شامی، کتاب الصلوة، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ج ۲ ص ٥٢٤، رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الأشباه والنظائر: ج ۳ ص ۱۹۱، القول فی أحکام المسجد، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

۲) ولا بأس للمحدث أن یدخل المسجد فی أصح القولین ویکره النوم والأکل لغیر المعتکف واذا اراد أن یفعل ذلك ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیدخل فیه، ویذکر الله تعالی بقدر مانوی أو یصلی ثم یفعل ما شاء کذا فی السراجیة، (هندیة) کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج ٥ ص ۳۲۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

والتعلیم أن کان یحمله باجرة وان کان بغیر اجرة أو یعمله لنفسه لا یکره اذا لم یضر بالمسجد، الجوهرة النیرة، باب الاعتکاف، ج ۱ ص ۱۷۷، قدیمی کتب خانه کراچی۔

ولا بأس بالجلوس فی المسجد لغیر الصلوة لکن لو تلف به شیء یضمن کذا فی الخلاصة : هندیه، کتاب الصلوة فصل فی ما یکره فی الصلوة وما لا یکره، ج ۱ ص ۱۱۰، رشیدیه کوئٹه۔

ٹونٹیوں کے اوپر ایک درسگاہ قرآنی کی خاطر برآمدہ بنانے کا خیال ہے، تاکہ بجائے مسجد شریف کے قرآنی تعلیم وہاں دی جائے اس کا راستہ بھی مسجد سے باہر ہوگا کیا اس برآمدہ میں قرآن کریم کی تعلیم دینا شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں۔ (نقشہ یہ ہوگا):

<table>
<tr><td colspan="4">برآمدہ برائے درسگاہ قرآنی تعلیم</td></tr>
<tr><td>استنجاء خانہ</td><td>غسلخانہ</td><td>برآمدہ برائے ٹونٹیاں</td><td>دکان
حجرہ مسجد</td></tr>
<tr><td colspan="4">مسجد</td></tr>
</table>

﴿ج﴾

مندرجہ بالا نقشہ میں جو برآمدہ درسگاہ قرآنی بنانے کا خیال ہے وہ درست وصحیح ہے۔ اور بلاشبہ اس میں تعلیم قرآن دینا شرعاً جائز ہے مکان کے اوپر کے حصے کا حکم شرعاً نیچے حصے سے علیحدہ ہے۔ لہٰذا نیچے استنجاخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہوں اور اوپر قرآنی تعلیم کی درسگاہ ہو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۸۴/۳/۱۹ھ

چھوٹے بچوں کا مسجد میں پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں درس قرآن پاک اس صورت میں کہ اس کے متبادل جگہ بھی مل سکتی ہو۔ کہ چھوٹے بچے اکثر مسجد میں بول وبراز میں مبتلا رہتے ہیں اور مسجد کو بار بار پاک کرنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے مدرسہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور اس وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے ہر نماز میں شور وغیرہ ہوتا ہے۔

---

۱) ولو أراد أن يقف ارضه على المسجد وعمارة المسجد وما يحتاج اليه من الدهن ...... فما فضل من ذلك يصرف الى عمارة المسجد ودهنه وحصيره ومافيه مصلحة المسجد على أن للقيم أن يتصرف في ذلك على ما يرى ...... فيجوز ذلك كذا في الظهيرية "الهندية" كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، تصرف القيم ...... الخ، ج ۲ ص ۴۵۹، طبع رشيديه كوئته۔

واذا كتب اسم الله على كاغذ ووضع تحت طنفسة يجلسون عليها فقد قيل يكره وقيل لا يكره وقال ألا ترى أنه لو وضع في البيت لا باس بالنوم على سطحه كذا ههنا كذا في المحيط، الهندية: كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج ۵ ص ۳۲۲، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

وفی العالمگیریہ ج۵ ص ۳۵۶ والرابع عشران ینزھه عن النجاسات والصبیان والمجانین [1]. الخ. روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جب بچوں کی پڑھائی کے لیے متبادل جگہ کا انتظام ہوسکتا ہے تو ایسے چھوٹے بچے (جن سے مسجد کے ناپاک ہونے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے) مسجد کے اندر نہ پڑھیں بلکہ مسجد سے باہر ان کی پڑھائی کا انتظام کرنا لازم ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ، نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔ ۱۴۰۰/۸/۳۰ھ

کیا کسی مسجد کو "مسجدِ ضرار" کہنا درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چھوٹی سی آبادی جس میں کچھ خانہ بدوش لوگ موجود رہتے ہیں اس میں ایک مسجد اور اس میں ایک امام مقرر ہے۔ چند آدمی کسی ذاتی رنجش کی بناء پر اس امام پر ناراض ہو گئے اور اس لیے انہوں نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور ایک نئی مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ نئی مسجد اس چھوٹی سی خانہ بدوش لوگوں کی بستی میں تیار کرا دی۔ اب اس دوسری مسجد میں امامت کرنا اور نماز پڑھنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے۔ از روئے شرع شریف اس کو مسجد ضرار کہنا یا اس پر ضرار کے احکام کا صدور ہوتا ہے یا کہ نہیں۔ جبکہ علت اس کی فقط ذاتی غیر شرعی رنجش ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر کسی مصلحت شرعیہ سے یہ مسجد بنائی گئی ہے۔ تب تو کچھ حرج ہی نہیں اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے لیکن نماز پڑھنا اس میں اگر خلوص سے ہو درست ہے ورنہ مکروہ اور ناجائز کسی حال

---

۱) هندية: ج ۵ ص ۳۲۱، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) وعن عائشة رضي الله عنها قالت أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المسجد في الدور وان ينظف ويطيب، ابوداؤد باب اتخاذ المساجد في الدور، ج ۱ ص ۷۸۔

ومنها حرمة ادخال الصبيان والمجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره، ومنها تحريم البول فيه ولو في اناء ...... الخ، شرح الأشباه والنظائر، ج ۳ ص ۱۸۶، والقول في أحكام المسجد، طبع ادارة القرآن و العلوم الإسلامية كراچی۔

ومثله في الشامي: كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد، ج ۲ ص ۵۱۸، طبع رشيديه كوئٹه۔

میں نہیں (۱)۔ مسجد ضرار اس وقت ہوتی جبکہ اس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی سی ہوتی۔ جیسے منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت خالص نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں ہے۔ جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی۔ محض صورت مسجد ضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی (۲)۔ سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اس کی مکذب نہ ہو۔ اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اس میں القاء کناسہ کو جائز کہا جاوے۔ لان الشی اذا ثبت ثبت بلوازمه اور اس کا کوئی قائل نہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی مسجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں۔ البتہ خود یہ قاعدہ متقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب اور تفریق مذموم ہو تو اس فعل میں عاصی ہوگا۔ لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے باقی اس نیت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أهـل مـحـلة قسـمـوا وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم امام عليحدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يـكـون لـكـل طـائـفة مـؤذن قـال ركـن الصباغى كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسـجـدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعة أما للتذكير والتدريس فلا لأنه ما بنى له وان جـاز فيـه كـذا فى القنية" الهندية، كتاب الكراهية الباب الخامس فى آداب المسجد والقبلة، ج ٥ ص ٣٢٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وجـعـل الـمسجدين واحدا وعكسه لصلوة لا لدرس" تنوير الأبصار وشرحه كتاب الصلوة مطلب فى من يده سبقت الى مباح، ج ٢ ص ٥٢٨، طبع رشيديه كوئته۔

٢) قـولـه تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) الآية روى عن جماعة من السلف انهم كانوا اثنى عشـر رجلاً مـن الاوس والـخـزرج قـد سـمـوا استأذنوا النبى صلى الله عليه وسلم فى بناء مسجد لليلة الشـاتية والـمـطـر والـحـر ولم يكن ذلك قصدهم وانما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وان يتخربوا فيـصـلـى حزب فى مسجد وحزب فى مسجد أخر لتختلف الكلمة وتبطل الألفة والحال الجامعة ...... الخ تفسير أحكام القرآن للجصاص، ج ٤ ص ٣٦٧، طبع دار الأحياء التراث العربى، بيروت۔

قوله تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين) لأنهم كانوا يصلون فى مسجد قبا فبنوا مسجد الضرار ليصلى فيه بعضهم فيؤدى ذلك الى الاختلاف وافتراق الكلمة وكان يصلى بهم مجمع بن حارثة ...... الخ، تفسير مظهرى، ج ٤ ص ٢٩٦، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

بعينه يهى جواب امداد الفتاوى، ج ٢ ص ٦٧١، ميں هے احكام مسجد مكتبه دارالعلوم كراچى۔

مدرسہ کے قریب مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ بستی بہاولپور گھلواں کی حدود سے باہر متصل ایک مدرسہ عزیز العلوم عرصہ دو سال سے جاری کیا گیا ہے جس میں دو علمائے کرام فارغ التحصیل درس دینی فرماتے ہیں۔ مساجد قریبہ مذکورہ سے کم از کم دوسو کرم سے کچھ زائد فاصلے پر ہیں۔ جس میں طلبہ کرام کا ہر وقت جانا دشوار ہے۔ لہٰذا مدرسہ میں ادائیگی نماز کے لیے ایک جگہ مقرر کردی گئی ہے جہاں پنجوقتہ اذان اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں صبح سویرے ترجمۃ القرآن بھی ہوتا ہے جس میں قرب و جوار کے افراد صبح کی نماز میں آ کر شامل ہوتے ہیں۔ اب مقام معینہ پر ایک مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ ضروریات مذکورہ کے مدنظر مسجد مذکورہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ کیا یہ مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے؟

﴿ج﴾

مصلحت اور ضرورت مذکورہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنانی جائز ہے[1]۔ یہ مسجد اس مسجد ضرار کے حکم میں جو قرآن میں مذکور ہے قطعاً داخل نہیں وہاں تو سرے سے مسجدیت کا قصد ہی نہیں تھا۔ بلکہ محض تفریق و مرکز نفاق ہی کا بنانا پیش نظر تھا[2] اور جب مساجد دوسری مسجدوں کے قریب بنائی جاتی ہیں۔ ان میں بانی کا مقصد مسجد بنانا ہی ہوتا ہے۔ اور اس مقام کو نماز کے لیے مخصوص کرنا ہی مطمح نظر ہوتا ہے۔ البتہ اگر کسی مسجد کی تعمیر میں نیت مسجدیت کے ساتھ ساتھ بانی کے دل میں فخر و مباہات یا تفریق بین المسلمین کا جذبہ یا بلاضرورت تعمیر مسجد کا

---

۱) اهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم امام عليحده ومؤذنهم واحد لاباس به: والاولى ان يكون لكل طائفة موذن قال ركن الصباغي كما يجوز لاهل المحلة ان يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم ان يجعلها المسجدين واحدا لاقامة الجامعة اما للتذكير والتدريس فلا لانه مابنى اله وان جاز فيه كذا في القنية۔ هندية كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد واقبلة الخ ، ص ۵/۳۲۰، مكتبه رشيديه كوئته۔ وفي الشامي، حواله سوال بالا: ص ۲/۵۲۸، رشيدية جديد كوئته

۲) قوله تعالٰى (والذين اتخذوا مسجدا اضرارًا) الآية، روى عن جماعة كانوا اثنى عشر رجلا من الاوس والخزرج قدسموا استاذ نوا النبي صلى الله عليه وسلم في بناء مسجد لليلة الشاتية والمطر والحر ولم يكن ذلك قصدهم وانما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وان يتخربوا فيصلى حزب في مسجد و حزب في مسجد آخر لتختلف الكلمة وتبطل الالفة والحال الجامعة...... الخ و تفسير احكام القرآن ملجصاص: ص ۴/۳۶۷، طبع، دار الاحياء التراث، بيروت، وهكذا في تفسير المظهرى، ص ۴/۲۹۶، طبع بلوچستان بك ڈپو كوئته

داعیہ موجود ہوتو وہ بانی خود گنہگار ہوگا[1]۔ اس میں مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی اثر نہیں ہوگا[1]۔ مسجد تو مسجد ہو جائے گی اور نماز بھی اس میں بلا شبہ جائز ہوگی اور صورت مسئولہ میں تو بظاہر نیت بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی مضائقہ تعمیر مسجد میں نہیں واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

تنازع کی وجہ سے دوسری مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد شریف عرصہ دراز سے قریہ المسمی آباد میں موجود ہے۔ اور اہالیان قریہ حتی الوسع پانچ وقت جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تو اس مابین اچانک ایک معمولی تنازع ایک فرد خاص کے ذریعہ سے پیدا ہوا تو اس فرد مذکور نے ایک مختصر فرقہ رفیق کر کے مسجد شریف قدیم کے قرب میں ایک جدید مسجد تیار کی حالانکہ تنازعہ والا سلسلہ جلد ختم ہوا۔ اس کے بعد بحالت خوشی تعمیر مسجد جدید شروع ہوئی تو اہل قریہ میں اچانک تفرق پیدا ہوا۔

چنانچہ اس شخص کے ارادہ مذکور سے اب تک تفریق قریہ میں موجود ہے۔ اب سوال یہ پیش خدمت ہے کہ مسجد جدید مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے تو قابل انہدام ہے یا قابل احترام ہے۔ بینوا بالدلیل وتوجروا من الجلیل۔

﴿ج﴾

اگر بغرض اضرار بنائی گئی ہو۔ **ملحق بالمسجد الضرار فی بعض الاحکام** ہوجاوے گی۔ مثلاً اس حکم میں کہ بغرض مذکور مسجد بنانا ممنوع ومکروہ ہوگا۔ نہ یہ کہ مسلمان کی بنا کردہ مسجد کو منہدم کر دیا جاوے۔ اور اس کی جگہ نجاست وغیرہ ڈالی جائے۔ **کما فعل بالمسجد الضرار** [2]۔ اور چونکہ عام مسلمانوں کے ساتھ بدظنی بھی حرام ہے۔ **لقولہ تعالی ان بعض الظن اثم** [3]۔ لہذا کسی مسلمان کی بنا کردہ مسجد کو ہم یہ نہ کہیں

---

۱) اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بناوے نیت اس کی مسجد بنانے ہی کی ہوتی ہے، اس لیے اس کے سب احکام مثل صحت صلوۃ و وجوب احترام وغیرہا مسجد کے ہوں گے، الخ امداد الفتاوی، احکام مسجد ص ۲/۶۵۵، طبع مکتبہ دارالسلام کراچی

۲) ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اسمیں القاء کناسہ کو جائز رکھا جاوے ...... الخ، امداد الفتاوی، احکام مسجد، ج ۲ ص ۶۷۱، طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی۔
وانہ یجب ھدمہ لأن اللہ تعالی نھی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القیام فی ھذا المسجد المبنی علی الضرار الخ أحکام القرآن للجصاص، سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۷، ج ٤ ص ۳٦۷، دار احیاء التراث، بیروت۔

۳) سورۃ الحجرات، الآیۃ ۱۲۔

گے کہ اس نے بغرض اضرار بنائی ہے۔ کیونکہ اس کی نیت کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے اور انــمــا الاعــمــال بــالــنيات و انما لامرى مانوى الحديث [1]۔ وارد ہے۔ ہاں عموماً یہ کہا جاوے گا کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ بغرض اضرار مسجد بنائے۔ کما حکم به عمر رضي الله عنه قال عطاء لمافتح الله على عمر بن الخطاب الامصار امر المسلمين ان يبنوا المساجد و ان لايبنوا في موضع واحد مسجدين يضار احدهما الأخر [2] (تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۶۶ مطبوعہ مصر) لہٰذا خصوصاً کسی مسلمان کی مسجد پر تو یہ حکم نہ کیا جاوے گا کہ یہ مسجد ضرار ہے۔ البتہ عموماً یہ حکم مسلمانوں کو بتلایا جاوے گا کہ بغرض اضرار مسجد نہ بناؤ کہ اس صورت میں ثواب کی جگہ گنہگار اور مستحق وعید ہو گے [3]۔ کذا فی فتاویٰ دار العلوم [4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۹ صفر ۱۳۹۰ھ

غلط لوگوں کی وجہ سے دوسری مسجد تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قصبہ کئی برسوں سے آباد ہے۔ وہاں کے کل مسلمان باہم شیر و شکر کی طرح ابتداء ہی سے ملے جلے رہتے تھے۔ ان میں کسی قسم کا جنگ وجدال اور تخالف نہ تھا۔ مگر اس قصبہ میں کچھ لوگ اس قسم کے رہتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو مسلم اور اہل رسول کہتے ہیں۔ اسی لقب سے فائدہ اٹھا کر

---

١) بخاري جلد اول، ص ٢، باب كيف بدء الوحي الى رسول الله ﷺ قديمي كتب خانه كراچي۔

٢) تفسير خازن، ج ٢ ص ٢٨٢، مكتبه اعزازيه مردان، ومثله في روح المعاني، ج ١١ ص ٣١، طبع دار احياء التراث بيروت۔

٣) واهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم امام عليحدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن قال ركن الصباغي كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعة أما للتذكير أوللتدريس فلا لأنه ما بني له وان جاز فيه كذا في القنية، الهندية كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ٥ ص ٣٢٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ويستفاد من الآية أيضاً على ما قيل النهي عن الصلوة في مساجد بنيت مباهاةً أورياء وسمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله تعالى، والحق بذلك كل مسجد بني بمال غير طيب" روح المعاني، سورة التوبة الأية ١٠٧، ج ١١ ص ٣١، طبع دار الأحياء التراث بيروت۔

هكذا في معارف القرآن لمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى، جلد نمبر ٤، ص ٤٦٤، تحت عنوان المسئلة، طبع ادارة المعارف كراچي۔

٤) فتاوى دار العلوم المعروف به امداد المفتين، ج ٢ ص ٨٠٩، دار الاشاعت كراچي۔

سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنی طرف یوں مائل کرتے ہیں کہ ہم اہل رسول ہیں۔ ہم سید ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور کرتے ہیں وہی دین، مذہب، ایمان اور اسلام اور صحیح طریقہ ہے۔ اور خود سید صاحبان یہ کرتے ہیں کہ ڈھول بجانے والے کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ گانے بجانے قوالی وغیرہ کو جائز سمجھتے ہیں اور خود عملی طور پر ان میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ اور قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں۔ شریعت سے ناواقف سیدھے سادھے مسلمان یہ دیکھ کر کہتے ہیں کہ اہل رسول جب یہ کام کرتے ہیں تو سب جائز ہیں۔ مگر ان کی اس قسم کی حرکات سے شہر کے سمجھ دار لوگ ناراض ہیں۔ لیکن شہر کی جو مسجد ہے وہ ان سید صاحبان کے قبضے میں ہے۔ وہ اس مسجد میں درس قرآن اور درس حدیث کی اجازت کسی صحیح سمجھانے والے کو نہیں دیتے اور کوئی کسی طریقہ سے درس قرآن اور درس حدیث دے دے تو یہ سید صاحبان کہتے ہیں یہ وہابی ہے۔ ان کی بات مت سنو۔ اس طریقہ سے لوگوں کو قرآن وحدیث سننے سے منع کرتے ہیں لہٰذا لوگ مشتعل ہو گئے جھگڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نااتفاقی ہو گئی اور کچھ لوگوں کو مسجد میں آنے سے روکا گیا تو وہ مجبور ہو گئے اور انہوں نے دوسری مسجد بنالی۔ چند سالوں تک حالات پر سکون رہے۔ پھر جن لوگوں نے سید صاحبان سے اتفاق کیا تھا ان میں بھی انہی وجوہات کی بنا پر اختلاف ہو گیا اور جھگڑا فساد ہو گیا۔ حتیٰ کہ عدالتوں تک اس جھگڑے کو لے جایا گیا۔ اب جو لوگ سید صاحبان کے ساتھ تھے ان کی اکثریت ان کے مخالف ہو گئی اور یہ کہا کہ اس مسجد میں ایک صحیح عالم دین کو رکھا جائے جو قرآن وحدیث ہم لوگوں کو سمجھائے مگر سید کہتے ہیں کہ یہ مسجد ہماری ہے۔ ہم اس مسجد میں ایسے عالم کو نہیں چھوڑتے جو ہماری بات کو نہ مانے۔ اب جو لوگ ان کے مخالف ہو گئے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر روز کے جھگڑے فساد سے بچنے کے لیے ایک تیسری مسجد بنالی جائے کیونکہ شہر بھی کافی بڑھ گیا ہے اور اس مسجد میں ہر روز جھگڑا فساد ہو رہا ہے۔ اب جب سید صاحبان نے یہ دیکھا کہ ہماری وجہ سے تیسری مسجد بن رہی ہے تو ان لوگوں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ اصل مسجد ہماری ہے۔ کیونکہ قدیم ہے۔ اب جو مسجد بن جائے تو یہ مسجد ضرار ہے اس میں نماز ناجائز ہے۔ لہٰذا قابل دریافت مندرجہ ذیل باتیں ہیں کہ از روئے شریعت شریف:

(۱) ان سید صاحبان کے ساتھ کیا کیا جائے۔

(۲) تیسری مسجد بنائی جائے یا نہ۔

(۳) مسجد ضرار کی تعریف کیا ہے۔

(۴) اور اس نئی مسجد میں نماز ہوگی یا نہ اور یہ مسجد بنانے والے گنہ گار ہوں گے یا نہ؟ بینوا بالبرھان توجروا عندالرحمٰن۔

﴿ج﴾

تیسری مسجد بنانے والے گنہ گار نہیں ہوں گے اور وہ مسجد ضرار نہیں ہوگی۔ بن جانے کے بعد اس کے تمام احکام مسجد کے ہوں گے اس میں بلا کراہت جماعت درست ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ضرار کی تعریف

﴿س﴾

مسجد ضرار کی تعریف فرمادیں۔ کیا ایسی مسجد مسلمانوں کی ہوسکتی ہے چاہے وہ کسی مقصد کے تحت بنائی جائے اور کیا وہ مسجد ضرار کہلائی جاسکتی ہے۔

﴿ج﴾

اگر کسی مصلحت شرعیہ سے مسجد بنائی گئی ہو تب تو کچھ حرج نہیں اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہو تو بنانا مکروہ ہے (۲) لیکن یہ مسجد ضرار کسی حال میں نہیں کیونکہ مسجد ضرار اس وقت ہوتی جبکہ اس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی ہوتی جیسے منافقین نے بنائی تھی (۳) اور جب نیت خالص نہ ہو بلکہ نفسانی غرض سے مسجد تعمیر کی جائے وہ مسجد ضرار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمٰن نائب مفتی قاسم العلوم

---

۱) واذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم امام على حدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن كما يجوز لأهل المحلة أن يجعل المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً، لاقامة الجماعات...... الخ، بحر الرائق كتاب الصلوٰة باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها، ج ٢، ص ٦٢، طبع رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد وقبلة، ج ٥ ص ٣٢٠، طبع رشيديه كوئته۔ وهكذا في الشامي: كتاب الصلوة، مطلب في من سبقت يده الى مباح، ج ٢ ص ٥٢٨، رشيديه جديد كوئته۔

٢) وايضاً في امداد الفتاوىٰ، أحكام مسجد، ج ٢ ص ٦٦٩، طبع مكتبه دار العلوم كراچى۔

٣) قوله تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) الآية روى عن جماعة من السلف انهم كانوا اثنى عشر رجلاً ...... ولم يكن ذلك قصدهم وانما كان مرادهم التفريق بين المؤمنين وان يتحزبوا فيصلي حزب في مسجد وحزب في مسجد آخر لتختلف الكلمة وتبطل الالفة والحال الجامعة، أحكام القرآن للجصاص، ج ٤ ص ٣٦٧، سورة التوبة، الآية ١٠٧، طبع دار احياء التراث، بيروت۔

وهكذا في تفسير المظهرى: ج ٤ ص ٢٩٦، طبع بلوچستان بكڈپو۔

وأهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ...... الخ بحر الرائق كتاب الصلوة، فصل ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ٢ ص ٦٢، طبع رشيديه كوئته، وكذا في امداد الفتاوى، أحكام المسجد، ج ٢ ص ٦٦٩، مكتبه دار العلوم كراچى۔

امام صاحب کا مسجد سے نکلنے کے بعد دوسری مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مسئلہ ذیل میں کہ ایک مولوی صاحب جو عرصہ سے جامع مسجد ملازمین ریلوے روڈ شورکوٹ جنکشن کے امام تھے۔ آخر کسی وجہ سے ان میں اور مقتدیوں میں اختلاف پیدا ہوا اور وہاں سے نکال دیے گئے۔ انہوں نے اس مسجد سے تقریباً فرلانگ یا کچھ زائد فاصلہ پر ریلوے حدود سے باہر منڈی میں ایک مدرسہ عربیہ اور مسجد بنائی جس میں پانچ وقت نماز باجماعت اور جمعہ باقاعدہ ہوتا ہے۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن شریف بھی بالالتزام ہوتا ہے۔ اور ملحقہ مدرسہ میں اس وقت ۲۷ بچے قرآنی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب مسجد ملازمین ریلوے میں جو نئے امام آئے ہیں وہ علی الاعلان لوگوں میں کہتے ہیں کہ اس مولوی صاحب مذکور کی بنائی ہوئی مسجد مسجد ضرار ہے۔ مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکتا ہے اور اس نئی مسجد کو گوردوارہ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ نئی مسجد پہلی مسجد کے مقابلہ میں بنائی گئی ہے۔ اس لیے یہ مسجد مسجد ضرار ہے اب اس حقیقت کے پیش نظر دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) مذکورہ نئی مسجد مسجد ضرار ہے؟ (۲) کیا اسے گرا دیا جائے اور مدرسہ کو بھی؟ (۳) اگر یہ مسجد ضرار نہیں تو اس کو مسجد ضرار یا گوردوارہ کہنے والے کا کیا حکم ہے؟ اور قائل امامت کے قابل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن شرائط سے۔

سائلین انجمن مسجد شورکوٹ روڈ

﴿ج﴾

(۱) مسجد مذکور کسی صورت میں بھی مسجد ضرار نہیں ہے۔ مسجد ضرار وہ ہوتی ہے جس کی بنا مسجد کی نیت سے نہ ہو۔ بلکہ محض صورت مسجد کی ہو کسی دوسرے مقصد کے لیے بنائی گئی ہو اور مسجد کے نام سے اس دوسرے مقصد کو پورا کرنا مقصود ہو جیسا کہ منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے پڑھانے کی ہو تو وہ مسجد ضرار قطعاً نہیں ہو سکتی۔ گو خود بنانے والے کی نیت خالص نہ بھی ہو۔ بصورت نیت خالص نہ ہونے کے بنانے والے کو گو ثواب موعود حاصل نہ ہوگا لیکن مسجد مسجد ہوگی۔ اور اس میں نماز جائز ہوگی [1]۔

---

۱) حوالہ سوال بالا۔

(۲) اور اس مسجد کا گرانا قطعاً جائز نہیں [1]۔

(۳) اس کو ضرار کہنے والا مسجد کی توہین کرتا ہے۔ اس کو توبہ لازم ہے۔ ورنہ اس کو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ ۱۶؍ رجب ۱۳۷۶ھ

مسجد کے مسئلہ پر غلط صلح کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ پہلے زمانے میں ورائیگی کلی میں دو مسجدیں تھیں۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان دو مسجدوں میں سے قدیم کونسی مسجد ہے۔ ایک مسجد جمال خان نامی شخص کی زمین پر تھی اور دوسری مسجد شیرین شیخ کی زمین پر واقع تھی۔ اور ہم سب نے اتفاق سے شیرین شیخ کی مسجد کو چھوڑا اور دوسری مسجد جو جمال کی تھی سب کلی والے چلے گئے۔ ابھی ہم اس مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے۔ پھر سارے کلی والوں کے ساتھ جمال خان کی لڑائی اور جھگڑا ہوا۔ جمال نے اس لڑائی میں برامت نامی جو ہماری پارٹی کا تھا اس کا ناک کاٹ دیا۔ جمال خان مولوی صاحب کے پاس آیا۔ اس کے پاس قرآن لایا کہ تم لوگ ہماری مسجد سے بند ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ جمال خان وغیرہ کے دو گھر تھے اور ہمارے ۳۵ گھر تھے۔ اس وجہ سے وہ ڈر رہا تھا۔ اس کے بعد ہم پھر واپس شیرین شیخ کی مسجد روانہ ہوئے اور وہاں نماز پڑھتے رہے۔ اس مسجد میں ہم لوگوں نے تین سال گزارے یہ مسجد چونکہ چھوٹی تھی اور پھر ہم لوگوں نے چندہ سے شیرین شیخ کی زمین پر دوسری مسجد تیار کی۔ پھر شیرین شیخ اس مسجد کی حفاظت کرتے رہے۔ شیرین شیخ اسی اثناء میں وفات پا گئے۔ پھر ہماری پارٹی کے لوگوں سے اختلافات

---

۱) "أما لو تمت المسجد ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكن من ذلك"، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔ وكذا في فتاوى دار العلوم المعروف به امداد المفتين، ج ٢ ص ٨٠٦، ٨٠٨، مكتبه دار الإشاعت كراچى۔

قوله تعالى: (ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها) التفسير والبيان، لا ظلم ولا اعتداء على الحرمات أشد من منع العبادة في المساجد العامة، والسعي في تخريبها وهدمها أو تعطيل وظائفها وشعائر الدين فيها لما في ذلك من انتهاك حرمة الدين المؤدي الى نسيان الخالق، تفسير منير، سورة البقر، الآية ١١٤، ج ١ ص ٢٨٠، مكتبه غفاريه كوئته۔

قوله تعالى: (وسعى في خرابها)، اى هدمها وتعطيلها، تفسير روح المعاني، سورة البقرة، الآية ١١٤، ج ١ ص ٤٩٥، دار احياء التراث بيروت۔

وهكذا في امداد الفتاوى، أحكام المسجد، ج ٢ ص ٦٦٩، مكتبه دار العلوم كراچى۔

پیدا ہو گئے۔ کہ ہم اس ملا کو امام تسلیم نہیں کرتے اور دعویٰ تولیت کا کیا اور شیر خان شیخ جو شیرین کا بھائی تھا، نے کہا کہ اس مسجد کی حفاظت میں کروں گا۔ ملا کو نکالنا اور دوسرے ملا کو امام ٹھہرانا یہ میرا کام ہے۔ اور میں نے یہ دعویٰ کیا کہ امامت کا حقدار میں ہوں۔ کیونکہ اس امام کی وجہ سے آج یہ ہمارا نواں پیڑی ہے۔ (یعنی نویں پشت) کہ ہمارے آباؤ اجداد اس مسجد اور اس کلی کی امامت کرتے رہے۔ میں اور شیر خان شیخ ایک صلاح پر ہیں اور جن لوگوں نے ہم پر دعویٰ کیا ہے کہ اس کی حفاظت وتولیت ہم لوگوں کا حق ہے۔ ان کے نام گل جمعدار، فضل احمد، خدائیداد انہوں نے مجھ پر دعویٰ کیا اور یہ مسجد ان کی زمینوں پر نہیں۔ بلکہ شیرین کی زمین پر ہے۔ پھر ہم لوگوں کا دعویٰ شریعت میں پیش ہوا۔ ہمارے حکم مولوی عبدالحق صاحب مولوی خیر الدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب اور مولوی عبدالکریم تھے۔ انہوں نے ہمارے مابین صلح کرائی اور ہم اس صلح پر وہاں بھی راضی نہ تھے اور ان کی صلح یہ ہوئی کہ یہ جدید مسجد ضرار ہے۔ اور ان مولوی صاحبان نے یہ اشارہ کیا کہ یہ مسجد ضرار ہے۔ اور ان کو اردگرد اطراف میں ان مولوی صاحبان نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ اس مسجد اور دھرم سال کا کوئی فرق نہیں۔ اب یہ مہربانی فرما کر بتائیں کہ میں اس مسجد کی امامت کا حق دار ہوں یا نہیں؟ اور شیریں خان شیخ اس مسجد کے تولیت میں ہیں جو کہ اس کی زمین پر ہے اور شیر خان شیخ جو کوئی خیرات وغیرہ دے تو وہ کسی کو ہبہ نہیں کرتے، اب آپ ارشاد فرمائیں کہ گل جمعدار، خدائیداد، فضل محمد اس مسجد کے تولیت کے حق دار ہیں یا نہیں؟ اور جو مولوی صاحبان نے صلح کی ہے، وہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں اور اس جدید مسجد کے اب ۵۵ تا ۶۰ سال برتے ہیں۔ یہ جدید مسجد اگلے سال کے روزوں سے ابھی تک اس میں نماز پڑھنا بند کر دیا گیا ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ ہر وہ صلح شرعاً ناجائز اور غیر معتبر ہے جو کسی حرام معین کو حلال قرار دے۔ یا کسی حلال معین کو حرام قرار دے چونکہ مسجد میں نماز پڑھنا مسجد کی آبادی ہے۔ مسجد کو غیر آباد رکھنا ناجائز ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها. الآیة [1]. لہٰذا ایسی صلح

---

۱) سورة البقرة، الآية ١١٤۔

قوله تعالى: (ومن اظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه) وكنى بذكر اسم الله تعالى عما يوقع في المساجد من الصلوات والتقربات الى الله تعالى بالأفعال القلبية، والقالبية المأذون بفعلها فيها" تفسير روح المعاني، ج ١ ص ٤٩٥، دار احياء التراث، بيروت۔

ان تدمير المساجدا والصد عنها جرم عظيم، لا يرتكبه الا من فقد الإيمان ...... الخ، التفسير المنير، ج ١ ص ٢٨١، مكتبه غفاريه كوئته۔

جس کی بنا پر جدید مسجد کو گزشتہ سال کے رمضان شریف سے بند رکھا گیا ہے اور نماز پڑھنے سے ہمیشہ کے لیے وہاں سے روکا گیا ہے۔ ایسی صلح شرعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ لہٰذا ایسی صلح توڑ دی جائے۔ کما فی الحدیث کل صلح جائز فیما بین المسلمین الاصلحا احل حراما و حرم حلالا. رواہ ابو داؤد من حدیث ابی ہریرۃ ونقلہ فی الہدایۃ ج۳ص ۲۲۹ کتاب الصلح)[1]

باقی اس کو مسجد ضرار کہہ کر اس میں نماز پڑھنے سے روکنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ آج کل بالفرض اگر کوئی مسجد ناجائز غرض کے لیے بھی بنائی جائے۔ تب بھی چونکہ اس کو مسلمان بناتے ہیں لہٰذا ضرور بالضرور نماز پڑھنی ہی اس میں مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا مسجد ضرار کے حکم میں نہ ہوگی[2]۔ جس کو منافق چار ناجائز اغرض (ضرار، کفرا، تفریقا بین المومنین وار صادا لمن حارب اللہ و رسولہ) کے لیے تعمیر کر چکے تھے۔ لہٰذا اگر ثواب نہ ہونے میں مشابہ بالضرار ہو تب بھی اس کے احکام سارے کے سارے مسجد ہی کے ہوں گے۔ از قسم نماز پڑھنے کا جواز، ممنوعیت دخول حائضہ ونفساء اور جنب وغیرہ وغیرہ۔

کما قال فی تفسیر الاکلیل علی مدارک التنزیل بعد ما حقق و اطال ج۴ص ۲۸۵ سورہ توبہ و نہی الصلوۃ فی مسجد الضرار مخصوص بہ فلایتعدی الی ملحقاتہ۔

نیز فتاویٰ دارالعلوم ۴ص ۱۱۶ پر کافی تفصیل سے اس مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے دیکھ لیں۔

اس مسجد کی تولیت اس کے بانی کو اور اس کے بعد اس کے ورثاء کو ہوگی دوسرے اہل محلہ کو تولیت نہ ملے گی۔ امام رکھنے کا اختیار بھی اس کے بانی کو اور اس کے وارثوں کو ملتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ایسے شخص کو امام بنائیں جو امامت کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور اس میں اس کے فرائض کی ادائیگی کی پوری صلاحیت موجود ہو۔

کما قال فی البحر الرائق ج۵ص ۲۴۹، ۲۷۰ تنازع اہل المحلۃ والبانی فی عمارتہ او نصب المؤذن اوالامام فالاصح ان البانی او لی بہ الا ان یرید القوم ماھو اصلح منہ و قیل البانی بالمؤذن اولی و ان کان فاسقا بخلاف الامام والبانی احق بالامامۃ والاذان وولدہ من

---

۱) رواہ ابو داؤد، باب الصلح، ج ۲ ص ۱۵۰، حدیث نمبر ۳۵۹۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
ہدایۃ، جلد نمبر ۳ ص ۲۵۰، کتاب الصلح۔

۲) واھل المحلۃ قسموا المسجد وضربوا فیہ حائطاً ...... الخ، بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، فصل فی ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا، ج ۲ ص ۶۲، رشیدیہ کوئٹہ۔

وھکذا فی الہندیۃ: کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ، ج ۵ ص ۳۲۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

بعده و عشيرته اولى بذلك من غيرهم وفي المجرد عن ابى حنيفة رضى الله عنه ان البانى اولى بجميع مصالح المسجد و نصب الامام والمؤذن اذا تاهل للامامة اه. (۱)

ہاں اگر مسجد کو ضرار نہیں کہا گیا اور نہ ہمیشہ کے لیے اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دے کر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ بلکہ عارضی طور پر رفع فساد اور دفع فتنہ کی غرض سے مصلحت کی بنا پر بند کر دیا ہے تب جائز ہے اور صلح درست ہے۔ جب فساد اور فتنہ ختم ہو جائے تب نماز پڑھنی اس میں شروع کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مالک کی اجازت سے قائم مسجد کو مسجد ضرار کہنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مسلمان کی قطعی ملکیت زمین ہے۔ ہندو نے اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اس مقبوضہ زمین پر دھرمسال بنالیا۔ چونکہ اس وقت حکومت انگریزوں کی تھی۔ تیس چالیس سال تک دھرم سال رہا۔ تبدیل پاکستان میں ہندو لوگ ہندوستان چلے گئے اور مہاجرین حضرات آ گئے چونکہ مہاجرین حضرات کی طبیعت نرمی کی جانب مائل تھی اور پشتون لوگوں کی طبیعت سختی کی جانب مائل ہے اس وجہ سے مہاجرین لوگوں نے باجازت مالک مسلمان قدیم اور بامشورہ علماء کرام اور بارضامندی باسیاں صاحبان وغیرہ کے اور دیگر مسلمانان شہر بھی رضامند تھے، مہاجرین حضرات نے اس جگہ مسجد بنالی اور امام قائم کیا اور نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ مسجد جدید تقریباً ۱۷ یا ۱۸ سال تک مسجد رہی۔ اس مسجد جدید پر کہ جس میں کوئی مانع شرع شریف نہیں ہے۔ تعصب کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مسجد ضرار کا حکم کیا ہے اور اکثر علماء کرام مسجد شرعی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے اس مسجد جدید کے واقعہ پر عوام اور مابین علماء کرام میں بہت سخت کش مکش شروع ہے اور بحث مباحثہ شروع ہے۔ اس لیے آپ صاحبان مہربانی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں اور اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح مسئلہ تحریر فرماویں کہ یہ مسجد شرعی ہے یا مسجد ضرار۔

---

۱) البحر الرائق، ج ٥ ص ٢٤٩، طبع ماجدية كتب خانه۔
البحر الرائق، ج ٥ ص ٤١٨، طبع رشيديه كوئته۔
رجل بنى مسجداً فى سكة فاحتاج الى العمارة فنازعه أهل السكة فى العمارة كان البانى بالعمارة أولى من أهل السكة ولا يكون لأهل السكة منازعة فى ذلك وكذا لو نازعه اهل السكة فى نصب الإمام والمؤذن كان ذلك اليه الا اذا عين هو لذلك رجلاً وعين اهل السكة رجلاً آخرا صلح ممن عينه البانى فحينئذ لا يكون البانى أولى، خانيه كتاب الوقف باب الرجل يجعل داره مسجداً أو حانوتاً أو سقاية أو مقبرةً، ج ٣ ص ٢٩٧، رشيديه كوئته۔
هكذا فى البزازية كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٩، رشيديه كوئته۔

(نوٹ) اس مسجد جدید کا مالک قطعی قدیم تا حال زندہ ہے اور مسجد ہونے پر قائم ثابت ہے، لیکن کمزور ہے۔

﴿ج﴾

سائل کا بیان اگر صحیح ہے تو اس تحریر کے ماتحت جواب یہ ہے کہ یہ مسجد ٹھیک ہے اور ضرار کا حکم لگانا اس پر درست نہیں ہے [1] اور اگر واقعات اس کے خلاف ہیں تو حکم بدل جائے گا۔ نیز کچھ مسجد ضرار کہنے والوں کے وجوہ اور دلائل بھی تحریر کیے جائیں تا کہ حقیقت حال واضح ہو وجوہ اور دلائل خود انہی سے لکھوا کر ارسال کیے جائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بلا وجہ کسی مسجد کو مسجد ضرار کہنا

﴿س﴾

الاسفتاء فی المسجد المبنی علی اختلاف اهل المسجد القديم.

بنى اهل القرية بالاتفاق فى ارض واحد منهم باذنه مسجداً وكلهم يصلون فيه ويعلم امام فيه ومضت على تلك الكيفية سنوات. ثم وقع بينهم تضارب فذهب المضروب و قبيلته فبنوا مسجداً الى جنب المسجد القديم اضرارا له و تفريقا بين اهله على ظن ان الاول للضارب لان الارض موقوفة من جانبه وذهب الامام القديم مع الفريق الذاهب ومضى نحو ثلثين سنة وهم يسعون فى تعليل اهل المسجد القديم وهذه حالهم الى ان وضع النزاع بين هذا الفريق الذاهب فى ولاية المبنى الجديد وامامته فحكموا محكما ليحكم بينهم حكم الشريعة الغراء فهل هذا المبنى الجديد يكون مسجداً ترتب عليه احكام المسجد من الولاية والامامة وان ليس الامام ان يخرج من له احدثينا من غير جنحة مع ماز زبرت من حالترام ام لايكون كناسته حقيقة مصورة بصورة المسجد كما نطقت اية الترتيل به اعنى والذين اتخذوا مسجدا ضرارًا. الاية. اويكون لاحقًا بمنطوق الاية الذى هو الضرار كما قيل كل مسجد يبنى مباهاة اورياء اوسمعة فان اصله ينتهى الى المسجد الذى بنى ضرارًا.... وعن عطاء لمافتح الله الامصار على يدعمر رضى الله تعالىٰ

---

1) كما تقدم تخريجه۔

عنه امر المسلمين ان يبنوا المساجد وان لايتخذوا في المدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه هذا مافي الكشاف ونقله صاحب الكنز وفي تفسير المدارك واحترم و نقله ملا احمدی في تفسير الاحمدی ونسبه اليهما وكذا ذكره في الخازن ثم بزع في الاحمدی فقال فالعجب من المشائخ المتعصبة في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم واستعلاء لشانهم واقتداءً بابائهم ولم يتأملوا مافي هذه الاية. والقصة من شناعة حالهم وسوء فعالهم وهذه القصة... ايعمل بماذكره هؤلاء الاعلام في تفسيره. الاية. وجعلوه مدلول النص ولم يذكروا خلافاً فيه لاصراحة ولااشارة ام ليجعل مدلوله على ماذكروه ورأينا ظهريا بينوا توجروا اجرا جزيلاً.

﴿ج﴾

بسم الله الرحمن الرحيم. اقول مستعيناً بالله تعالى متبقالما حققه حكيم الامة مولانا اشرف على التهانوى رحمه الله تعالى ان المسجد الجديد حكمه كحكم المسجد ولوبنى مباهاة ورياء تجوز الصلوة والاعتكاف فيه ولايجوز دخول الجنب والحائض والنفساء فيه ويحرم القاء الكناسة فيه وهدمه وان كان غيرمقبول عندالله تعالى وغير مثاب بانيه بل آثمًا عاصيًا فانه لاتلازم بين كونه مسجدا وكونه مقبولًا مثابًا عليه.

قال العلامة التهانوى في بيان القرآن تحت هذه الاية. پ ۱۱ ص ۱۴۳. مسئلہ: اس قصہ سے جوبعض علماء نے مستنبط کیا ہے کہ جومسجد تفاخرو ریا کے لیے بنائی جاوے وہ مسجد نہیں۔ مجھ کواس میں کلام ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ میں تو درحقیقت مسجد بنانے کی نیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد بنانا موجب تقرب نہ تھا۔ بخلاف مقیس کے کہ وہ مسجد بنانے کوموجب تقرب سمجھتا ہے گواس میں نیت فاسد ہو۔ تو فسادنیت کوفساد عقیدہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور مجتہد مذہب سے یہ جزئیہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا۔ اس لیے کلام ظاہری میں وہ مسجد ہے۔ گوعنداللہ مقبول ہو یا نہ ہو مسجدیت اور مقبولیت میں تلازم نہیں نہ ایک جانب سے نہ دونوں جانب سے واللہ اعلم (۱)۔

وقال ایضا فی امداد الفتاوی ج۲ص۵۸۰۔ جس مسجد کا ذکر قرآن میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی۔ سوجس

---

۱) بیان القرآن سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۷، پارہ نمبر ۱۱، ج ۱ ص ۱۴۳، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی۔

مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اس کی مکذب نہ ہو اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جاسکتا ہے[1]۔ الخ۔ والفقهاء ايضا لم يشترطوا في صحة شرائط الوقف ان لايكون رياء ومباهاة بل اشترطوا ان يكون قربة ذاته حتى يصح وقف المسجد من الذمي. فقط والله تعالىٰ اعلم[2].

مسئلة المسجد الجديد. ثم بعد ذلک ظفرت بالاكليل على مدارک التنزيل للشيخ عبدالحقّ وانه قال تحت قول النسفي (وقيل كل مسجد بنى مباهاة اورياء اوسمعة او لغرض سوى ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لا حق بمسجد الضرار)[3] ج۴ص ۲۸۴-۲۸۵. قال صاحب الكشاف و عن عطاء لمافتح الله الامصار على عمر رضي الله تعالى عنه الى ان قال وقد ذكر علماء الاصول آن الصلوة في الارض المغصوبة منهية لغير ها اعنى شغل ملک الغير لانها صلاة ولكن لما لم يتصل المكان بالصلاة اتصال الوقت بها. او بالصوم لم يكن الصلوة في المكان المغصوب مكروها كالصلاة في الاوقات المكروهة والفاسدة كالصوم في يوم النحراه التفسيرات الاحمديه.

---

۱) امداد الفتاوی، ج ۲ ص ۲۷۱، طبع مکتبه دار العلوم کراچی۔

۲) ومثله في البحر الرائق: ويصح وقف المرتدة لانها لا تقتل وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم" كتاب الوقف ج ۵ ص ۳۱۶، رشيديه كوئته۔
كذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه، الخ، ج ۲ ص ۳۵۲-۳۵۳، رشيديه كوئته۔

۳) قوله تعالى: (والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً) ويستفاد من الآية أيضاً على ما قيل النهي عن الصلوة في مساجد بنيت مباهاةً أو رياءً وسمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله تعالى والحق بذلك كل مسجد بنى بمال غير طيب وروي عن شقيق ما يويد ذلك وروى عن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضي الله عنه أمر المسلمين أن ينوا المساجد وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه، روح المعاني، سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج ۱۱ ص ۳۱، دار احياء التراث بيروت۔
یہ دوسری مسجد جدید تمام احکام میں مسجد ہی ہے اس میں نماز پڑھنا بلا تأمل جائز ہے، اور جس طرح دوسری مساجد واجب التعظیم ہیں، اسی طرح اس کی بھی حرمت وعظمت رکھنا ضروری ہے۔ دوسری مسجدوں میں اور اس میں کوئی فرق احکام میں نہیں، امداد المفتین، کتاب الوقف احکام المساجد، ص ۸۰۷، طبع دار الاشاعت کراچی۔
وهكذا تفسير النسفي (مدارك التنزيل) ج ۱ ص ۷۰۹، مكتبه رحمانيه لاهور۔

قال العلامة الشيخ الاجل مولانا احمد المعروف بملاجيون صاحب التفسيرات الاحمديه في المنية المقصود من الكلام تتميم مسئلة المساجد المذكورة بما يناسبها والتنبيه ان قبح المكان بمثل هذه الوجوه لايفسد الصلاة ولايكرهها وان كان موجبا للاثم ونهى الصلاة في مسجد الضرار مخصوص به فلايتعدى الى ملحقاته اه. فقط والله تعالىٰ اعلم.

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کیا ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانا جائز ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک چاہ پر قدیمی مسجد ہے اور مالک اس چاہ کے چار اشخاص ہیں اور ان کے مکان رہائشی اپنی اپنی زمین میں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ گاؤں یا شہر کی صورت میں نہیں کہ ایک دوسرے کے مکانات متصل ہوں۔ یا قریب قریب ہوں۔ چنانچہ ایک فریق کے مسجد سے ۳۰ یا ۴۰ کرم دور اور مسجد کی جنوبی اور مشرقی جانب ہیں۔ اور دوسرے فریق کے مکانات بیس یا تیس کرم کے فاصلہ پر مسجد کی مشرقی طرف ہیں۔ اور تیسرے فریق کے مسجد سے چالیس یا پچاس کرم اور مشرقی وشمالی سمت ہیں۔ اور چوتھے فریق کے مکانات مسجد سے شمال مغربی کونہ کی طرف ہیں۔ اور فاصلہ بیس یا تین کرم کا ہے اور یہ چار فریق آپس میں خویش و رشتے دار ایک قوم کے ہیں۔ باہمی ان کے گو عرصہ سے جھگڑے دنیاوی آرہے ہیں۔ لیکن چار سال سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی دو پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ جو کہ فریق اول اور فریق دوم کی ایک پارٹی ہے۔ ان میں آپس میں اتفاق ہے۔ اور فریق سوم اور چہارم کی دوسری پارٹی ہے۔ اور یہ باہم متفق ہیں۔ اور پہلی پارٹی والوں نے دوسری پارٹی والوں کے امام کے پیچھے عرصہ چار سال سے نماز پڑھنا چھوڑی ہوئی ہے۔ اور جو رمضان اب گزرا ہے اس سے پہلے رمضان مبارک میں پہلی پارٹی والوں نے اسی مسجد میں دوسری جماعت شروع کر دی تھی۔ سارے رمضان میں دو جماعتیں ہوتی رہیں متفق نہ ہوئے۔ پھر اس رمضان شریف کے ختم ہونے پر دوسری پارٹی والوں میں سے ایک شخص نے بوجہ خطرہ کے قریب اپنے مکان کے اپنی زمین میں جائے نماز مقرر کر لی۔ وہاں پر نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ جس کو ایک سال چار ماہ ہو گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس نے خطرہ شر کے باعث اپنی زمین میں جائے نماز بنائی ہے۔ اب اس کا ارادہ ہے کہ دوسری جگہ اپنے مکانوں کے قریب ایک مسجد بنوائے اور اس کو راستہ دے کر وقف کر دے اور اس مسجد جو نئی بنائی جائے گی اور اس مسجد پرانی کے درمیان تقریباً بیس کرم کا فاصلہ ہے۔ کیا اس کو دوسری مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اور کیا اس نئی مسجد کو مسجد ضرار تو نہ کہا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر مسجد کے نمازیوں میں کسی وجہ سے اختلاف ہے تو بہتر یہی ہے کہ آپس میں صلح کی کوشش کی جائے اور ایک ہی مسجد میں سب نمازیں پڑھیں۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو آپس میں شر و فساد سے بچنے کے لیے دوسری مسجد قریب میں بنالینا درست ہے[۱]۔ نیز اس صورت میں بھی اگر اس مسجد سے کافی دور کوئی مناسب جگہ ہو کہ وہاں نمازیوں کے لیے اکٹھا ہونا بھی آسان ہو تو وہاں بنالی جاوے تاکہ ظاہری تقابل بھی نہ ہو۔ البتہ اگر بلا وجہ شرعی پہلی مسجد کی جماعت کو کم کرے یا محض فخر و مباہات کے لیے دوسری مسجد بنائے تو بنانے والوں کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا کیونکہ یہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگا[۲]۔ تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ملک فتح کیے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے محلوں میں مسجدیں بناؤ مگر ایسی دو مسجدیں نہ بناؤ جن میں ایک سے دوسری کو ضرر پہنچے۔ **وتفصیلہ فی اٰداب المسجد من الکشاف**[۳]**۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۹ رمحرم ۱۳۹۱ھ

---

۱) واهل المحلة قسموا المسجد وضربوا حائطاً ولكل منهم امام عليحدة ومؤذنهم واحد لا بأس به والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن قال ركن الصباغي كما يجوز لاهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحداً لإقامة الجماعة، الهندية، كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، ج ٥ ص ٣٢٠، رشيديه كوئته۔

ومثله في بحر الرائق: ج ٦ ص ٦٢، كتاب الصلوة، باب في ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) یعنی انتفاء فساد غرض میں اس کے مشابہ ہے نہ کہ انتفائے مسجدیت میں بھی کیونکہ منافقین نے تو نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی تلبیس وتدسیس کے لیے اس کا نام مسجد رکھا تھا اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بنائے نیت اس کی بنانے ہی کی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے سب احکام مثل صحت صلوۃ ووجوب احترام وغیرہما مسجد کے ہونگے۔ امداد الفتاوی، احکام المسجد، ج ۲ ص ٦٥٥، طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

ويستفاد من الآية أيضاً على ما قيل النهي عن الصلوة في مساجد بنيت مباهاة او رياءً أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله تعالى والحق بذلك كل مسجد بني بمال غير طيب ...... وروى عن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضي الله عنه امر المسلمن أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين، يضار أحدهما بصاحبه، روح المعاني، سورة التوبة، تحت قوله تعالى، (الذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفراً) الآية نمبر ١٠٧، ج ١١ ص ٣١، دار احياء التراث بيروت۔

۳) تفسير كشاف، ج ٢ ص ٣١٠، طبع دار الكتاب العربي، بيروت۔

رفع اختلافات کے لیے دوسری مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دیہات ہے جو کہ آبادی کے لحاظ سے بڑے دیہاتوں میں شمار ہوتا ہے اور اس میں بہت قبائل مختلف آباد ہیں جن میں دو قبیلوں کی اکثریت ہے جن میں ایک احمد زئی قبیلہ دوسرا محمد زئی ہے باقی قبیلے اقلیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور اس دیہات میں آباء واجداد سے لے کر آج تک ایک مسجد ہے اور اس میں امام بھی دو ہیں۔ ایک احمد زئی کی طرف سے اور دوسرا محمد زئی کی طرف سے متعین ہیں اور ان دونوں اماموں کا آپس میں مسائل پر کچھ اختلاف ہے جیسے دعا بعد الجنازۃ اور بھی کئی مسائل ہیں اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قبیلوں میں سخت اختلاف ہو گیا ہے اور کچھ ویسے ان دونوں قبیلوں میں ذاتیات کی بنا پر اختلاف ہے اور خاص کر مسجد کے صحن کے فراخ کرنے میں بھی اختلاف ہے یعنی ایک گلی کو مسجد کی حدود میں داخل کرنے میں بھی اختلاف ہے ایک داخل کرنے میں کوشاں ہے تو دوسرا داخل نہیں کرنے دیتا۔ اور باقی جو قبیلے اقلیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں وہ مغلوب ہیں حق کی آواز بلند کرنے سے قاصر ہیں اور اس اختلاف میں مجبوراً پھنسے ہوئے ہیں اور اقلیت والے قبیلوں کے گھر دیہات کی ایک جانب میں واقع ہیں اور وہاں کسی وقت اذان سنائی دیتی ہے اور کسی وقت سنائی نہیں دیتی اکثر اوقات اذان سنائی نہیں دیتی اور باقی بھی بہت تکالیف ہیں مسجد کو آنے جانے کی اب یہی اقلیت والے قبیلے متفق ہو کر ایک علیحدہ مسجد کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ہم ان دو قبیلوں کے اختلاف سے بچ جائیں اور تکالیف وغیرہ دور ہو جائیں اور ہم زندگی راحت کے ساتھ گزاریں نہ کہ اس وجہ سے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم ان کی ضد کی وجہ سے بنائیں یا ہمارے الگ ہو جانے کے ساتھ مسجد کی آبادی پر اثر پڑے گا بلکہ یہ صرف اپنی آزادی وراحت چاہتے ہیں کیا اس مسجد کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اقلیت قبیلے والوں کے لیے اپنے محلّہ میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے اور کار خیر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حکام کے نام ایک حکم جاری فرمایا کہ محلّہ میں مسجدیں بناؤ مگر ایسی مسجدیں نہ بناؤ جن سے پہلی مسجدوں کی جماعت توڑنا مقصود ہو۔ تفصیله في اداب المساجد من الکشاف [1]۔

---

۱) حوالہ سوال بالا۔

بہر حال بہ ضرورت مذکورہ مسجد بنانا جائز ہے۔ کما یجوز لاھل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین [۱]۔ الخ (بحر الرائق ج۵ ص۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہم وجوہات کی بنا پر دوسری مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے گاؤں موضع پوٹہ واقع تحصیل وضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی آبادی تقریباً سات سو گھر پر مشتمل ہے اور تمام گاؤں کی صرف ایک مسجد ہے اور وہ شہر کے مغربی کنارے پر ہے اب مشرقی کنارے والے مندرجہ ذیل حقائق کے پیش نظر اپنی دوسری مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) جامع مسجد ہم سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ (۲) بوجہ دوری پانچوں وقت مسجد جانے سے قاصر ہیں۔ (۳) محلے کے بوڑھے تو بالکل نہیں پہنچ سکتے۔ (۴) شروع ہی سے ہمارا خیال دوسری مسجد تعمیر کرنے کا تھا لیکن استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام رکا ہوا تھا اور اب خدا کے فضل وکرم سے ہم اس اہم فریضہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہو گئے ہیں۔

اب از روئے شریعت کیا محلے والے دوسری مسجد محض اللہ کا گھر بنانے کی نیت سے تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا اس نئی مسجد کا جمع شدہ چندہ جامع مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر اس دوسری مسجد کی تعمیر سے پہلی مسجد کے غیر آباد ہونے کا خطرہ نہیں اور محض اس نیت سے دوسری مسجد تعمیر کرتے ہیں کہ جو لوگ اس مسجد میں نہیں پہنچ سکتے وہ اس ثانی مسجد میں نماز با جماعت ادا کر سکیں تو دوسری مسجد تعمیر کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں جائز ہے [۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) البحر الرائق، کتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة وما یکرہ فیہا، ج ۲ ص ۶۲، رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) وجعل المسجدین واحداً وعکسه لصلاة، در مختار، کتاب الصلوة، فی احکام المسجد، مطلب فی من سبقت یدہ الی مباح، ج ۲ ص ۵۲۸، رشیدیہ جدید، کوئٹہ۔
وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب ما یفسد وما یکرہ فیہا، ج ۲ ص ۶۲، رشیدیہ کوئٹہ۔
وهکذا فی الهندیة: کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشیدیہ کوئٹہ۔

امام سے ناراضگی کی بناپر دوسری مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مسمی سلطان ولد بہادر خان نے ہمارے مولوی صاحب امام مسجد چک مذکور سے (جن کو ہم نے بشرح فی فصل ربیع وخریف......اور ایک روپیہ فی مربع عیدالفطر پر تقرر ہوا ہے) خشک روٹیاں خریدی تھیں۔ جن کی کچھ رقم اس نے ادا کر دی اور کچھ اس کے ذمہ واجب الاداء تھی۔ عندالطلب متعدد بار خلاف ورزی کرتا رہا۔ مولوی صاحب اس سے مطالبہ کرتے رہے بربنائے مطالبہ...... اس نے نماز باجماعت سے گریز اور علیحدگی شروع کر دی۔ ترک جماعت کا سبب اہل چک نے دریافت کیا جس پر اس نے یہ جواب دیا کہ مجھے قبیلہ سمندر وغیرہ سے عناد ہے۔ جس صف میں وہ کھڑے ہوں میں اس میں شرکت کرنا پسند نہیں کرتا۔ جس پر چک والوں نے کہا عداوت تمہاری برادری سے ہے مولوی صاحب کا اس میں کیا قصور جس پر تو نے ترک جماعت شروع کر دی۔ اگر ان میں شرعی نقص وعیب ہے تو واضح کر دو تا کہ ہم بھی اور امام رکھ لیں۔ جس پر اس نے یہ بیان کیا کہ مولوی صاحب کی میرے ذمہ رقم واجب الاداء ہے۔ اس وجہ سے تارک جماعت ہوں۔ علاوہ ازیں مولوی صاحب من کل الوجوہ بے عیب ہیں اور ان میں کوئی شرعی نقص نہیں۔ میں آئندہ نماز باجماعت ادا کروں گا۔ چنانچہ اس امام کے پیچھے نماز شروع کر دی۔ پھر امسال تقریباً ۲۸ رمضان شریف پر اس سے اہل چک نے رقم مذکور اور غلہ مقررہ اور فصل کا مطالبہ کیا۔ خصوصاً نمبردار غلام محمد، حاجی احمد وغیرہ نے تو اس نے پھر جماعت سے پورا پورا گریز اختیار کر لیا۔ اعلانیہ تارک جماعت ہو گیا اور کہنے لگا کہ امام اور رکھوں گا۔ جس پر تبادلہ امام سے اہل چک والوں نے صاف طور پر جواب دیا کہ مولوی صاحب عالم دین ہیں، ہماری خوش قسمتی سے مل گئے ہیں۔ کسی قیمت پر انہیں جانے نہ دیں گے۔ ازاں بعد پنچائت بن کر چک والے اس کے والد کے پاس گئے اور کہا کہ رقم اور غلہ مقررہ امام صاحب کو دے دو۔ اس نے کہا نہ دیتے ہیں نہ دیں گے۔ کوئی ہماری برادری نہیں ہے چلے جاؤ۔ ازاں بعد سلطان نے ایک نئی مسجد کی بنیاد ڈالی متصل پرائمری سکول، جو چک سے تقریباً ساڑھے چھ ایکڑ دور ہے۔ جس سکول میں نابالغ لڑکوں کے سوا کوئی نہیں آتا جاتا۔ بنا بر فساد دل میں ٹھان لی اور اینٹیں وغیرہ ڈلوالیں جس میں اس کی اصلی غرض تفریق بین المسلمین ہے۔ کیونکہ ہمارے کل چک کا رقبہ ۲۵ مربع سے زائد نہیں۔ چک بہت چھوٹا گھر بہت تھوڑے ہیں۔ جس کی سابقہ مسجد زیر تعمیر ہے۔ غسل خانے اور جائے وضوء قابل تعمیر ہیں۔ مولوی صاحب نے عیدالاضحیٰ میں فرمایا کہ اس مسجد کی بناء علی الفساد اور تفریق بین المسلمین ہے جو کہ ناجائز ہے۔ کیونکہ سابقہ مسجد کی آبادی نہیں ہو سکتی اور یہ شخص تمام چک سے اور اہل مسجد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہے۔ یہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔ ہرگز تعمیر نہ کی جاوے اور سلطان اس میں امام بھی علیحدہ کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ظاہری پوزیشن یہ ہے۔ نمازی روزے دار ہے۔ مگر اذا

حدث کذب و اذا وعد اخلف کا پورا مصداق ہے۔ کسی کو اس پر اعتماد نہیں ہے اور اب اس نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ مولوی صاحب کو فطرانہ اور چرم قربانی نہ دینا۔ حالانکہ ہم نے فطرانہ اور چرم ہائے قربانی مولوی صاحب سے مقرر نہیں کی ہوئی چونکہ عالم دین کی خدمت ہم سے مطلق نہیں ہو سکتی ہے چک چھوٹا ہے۔ امام مسجد کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی ہم سے امام کی پوری پوری خدمت ہو سکتی ہے۔ اب اس نئی مسجد کی بناء کیسی ہے۔ مولوی صاحب فطرانہ اور چرم ہائے قربانی لے سکتے ہیں کہ نہیں۔ (۲) شمال کی جانب پیشاب وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ (۳) مصلیٰ امام پر نماز پڑھنا یا گالی گلوچ دینا یا امام کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھنا (۴) بلاعذر شرعی جماعت سے نماز نہ پڑھنا (۵) جمعہ بستیوں میں عندالمذہب الحنفی جائز ہے یا ناجائز (۶) بعد از نماز جنازہ قبل از دفن میت دعاء پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

(۱) یہ مسجد اگر نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے لیکن نماز پڑھنا اگر خلوص سے ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مسجد مسجد ضرار کی حالت میں نہیں۔ مسجد ضرار وہ ہے جس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہو۔ محض صورت مسجد کی ہو جیسے منافقین نے بنائی تھی[۱] اور قرآن میں جس کا ذکر ہوا ہے اور جب کہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت صاف نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حکام کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر محلہ میں ایک مسجد بناؤ۔ مگر ایسی مسجد نہ بناؤ جن سے پہلے والی مسجد کی جماعت کو تھوڑا کرنا مقصود ہو۔ و تفصیلہ فی اداب المساجد من تفسیر الکشاف[۲]۔

امام مسجد جب مسکین ہو تو اس کو صدقۃ الفطر دینا جائز ہے[۳] نیز چرم ہائے قربانی بھی لے سکتا ہے اگر چہ غنی ہو[۴]۔

---

۱) قولہ تعالی: (الذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً) روی عن جماعۃ من السلف انھم کانوا اثنی عشر رجلاً ...... ولم یکن ذلک قصدھم وانما کان مرادھم التفریق بین المؤمنین وأن یتحذبوا...... الخ، سورۃ التوبۃ، الآیۃ ۱۰۷، أحکام القرآن للجصاص، ج ٤ ص ۳٦۷، طبع دار احیاء التراث العربی۔
وھکذا فی تفسیر المظھری: ج ٤ ص ۲۹٦، طبع بلوچستان بکڈپو۔

۲) ھکذا فی روح المعانی، ج ۱۱ ص ۳۱، کما مر تخریجہ، تفسیر کشاف، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الکتاب العربی بیروت۔

۳) ای مصرف الزکاۃ والعشر ...... (ھو فقیر من لہ ادنی شیء ومسکین من لا شیء لہ) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت ھذا القول وھو مصرف أیضاً لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر ...... الخ، در مختار وشرحہ، کتاب الزکاۃ باب المصرف، ج ۳ ص ۳۳۳، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
ھکذا فی الھندیۃ: کتاب الزکاۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر، ج ۱ ص ۱۹٤، رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) ویتصدق بجلدھا أو یعمل ۰ ہ نحو غربال وجراب) تنویر الابصار، کتاب الأضحیۃ، ج ۹ ص ۵٤۳، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔

(۲) شمال کی طرف منہ کرکے پیشاب کرنا جائز ہے۔ اگرچہ عوام اس کو اچھا نہیں سمجھتے جواز کی دلیل یہ مشہور حدیث ہے۔ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے فرمائی تھی۔ لاتستقبلوا القبلة ولاتستدبروها بل شرقوا او غربوا۔ (ترجمہ) پیشاب کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ بلکہ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف منہ کیا کرو (جبکہ مدینہ منورہ کے قبلہ کا رخ جنوب کو تھا)۔ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں محض عوام کا خیال ہے[۱]۔ (۳) مصلّی امام پر نماز پڑھنا جائز ہے اور حقارت سے دیکھنا گناہ ہے[۲]۔ (۴) بلاعذر ترک جماعت کرنا سخت گناہ ہے[۳]۔ (۵) بستی میں جمعہ جائز نہیں تمام کتب احناف اس سے بھرپور ہیں[۴]۔ (۶) دفن سے پہلے دعا کا ثبوت بالکل نہیں[۵] اخیر دو مسئلوں میں شک ہو تو مکرر پوچھیے لیکن سوالات زیادہ نہ ہوں۔

عبدالرحمن نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔۲۲/۳/

---

۱) سنن ابی داؤد، باب کراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ج ۱ ص ۱۳، رحمانیه لاهور۔
ومثله في جامع الترمذي باب النهي عن استقبال القبلة لغائط أو بول، ج ۱ ص ۸، ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) وفي النصاب ومن ابغض عالماً بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر، خلاصة الفتاوى، كتاب الفاظ الكفر الجنس الثامن في استحقاق العلم والعلماء، ج ٤ ص ٣٨٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في الروض الأزهر شرح فقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء، ص ٤٧٠، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

۳) والأحكام تدل على الوجوب من ان تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وقيل هذا القول والخراسانيون على انه يأثم اذا اعتاد الترك كما في القنيه، رد المحتار تحت قوله در مختار والجماعة سنة مؤكدة للرجال، ج ۲ ص ٣٤١، رشيديه جديد كوئته۔

٤) ويشترط لصحتها سبعة اشياء الاول المصر: تنوير الابصار مع شرحه، كتاب الصلوة باب الجمعة، ص ٣/٦، رشيديه، جديد، كوئته
ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الجمعة، ج ۲ ص ٢٤٥، رشيديه كوئته۔

٥) لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه دعا مرة لأن اكثرها دعاء، البزازية، كتاب الصلوة نوع، ج ٤ ص ٨٠، رشيديه كوئته۔
ومثله في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، نوع منه، ج ۱ ص ٢٢٥، رشيديه كوئته۔

قبیلوں کے اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد کا قیام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک دیہات ہے جس کی آبادی تقریباً آٹھ سو افراد پر مشتمل ہے۔ اور اپنے ساتھ والے دیہاتوں سے بڑا ہے۔ اور اس میں مختلف قبیلے آباد ہیں جن میں سے دو قبیلے آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں اور باقی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی کوئی ایک گھر ہے یا دو گھر اور جو دو قبیلے اکثریت رکھتے ہیں ایک کا نام کہاوڑ اور دوسرے کا دھول ہے۔ اور اس دیہات میں آباء واجداد سے لے کر اب تک ایک مسجد ہے۔ اور اس مسجد میں پہلے تو ایک امام تھا۔ لیکن بعد میں دو قبیلوں میں اختلافات پیدا ہونے کی وجہ سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر دیے۔ قبیلوں کے درمیان اختلاف کے ساتھ ساتھ دونوں اماموں کے درمیان بعض مسائل پر سخت اختلاف ہے۔ مثلاً دعا بعد الجنازہ وغیرہ۔ اور ان دونوں قبیلوں میں مسجد کے صحن کو وسیع کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قوم کہتی ہے کہ مسجد کی اگلی گلی صحن میں شامل کر لی جائے اور دوسری قوم اس کی مخالفت کرتی ہے اور اس قومی جھگڑے میں ایک آدمی محمد معشوق صلح کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس لوگ اس کی کوشش کو مطلب پرستی پر محمول کرتے ہیں۔ اور اس کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ اب یہ آدمی جھگڑے کو ختم کرنے کی خاطر علیحدہ اپنی ایک مسجد بنانا چاہتا ہے۔ یہ مسجد ایک ایسی جگہ پر بنا رہے ہیں۔ جہاں چند قبیلے آباد ہیں۔ جو کہ چھوٹے ہیں۔ اور پہلی مسجد سے دور ہے اور اس دوسری مسجد سے پہلی مسجد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ تو کیا ان وجوہات کی بناء پر دوسری مسجد بنانی جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

صحت مسجد کا مدار ضرورت وحاجت ونیک نیتی پر ہے۔ جو مسجد بنائی جائے اللہ کے واسطے اور نیک نیتی سے بنائی جائے اور اخلاص اور نیک نیتی سے ایک مسجد کے قریب ہی دوسری مسجد بنائی جاوے تو شرعاً جائز اور بانی مستحق اجر ہے[1]۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حکام کے نام ایک حکم جاری فرمایا کہ ہر محلّہ

---

۱) ...... انه سمع عثمان بن عفان رضي الله عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم انكم اكثرتم واني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من بنى مسجداً قال بكير حسبت انه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة، رواه البخاري، كتاب الصلوة، باب من بنى مسجداً، ج ۱ ص ٦٤، قديمي كتب خانه كراچي۔

میں مسجدیں بناؤ۔ مگر ایسی مسجدیں نہ بناؤ جن سے پہلی مسجدوں کی جماعت توڑنا مقصود ہو۔ تفصیله فی آداب المساجد من الكشاف[1]۔

پس صورت مسئولہ میں مذکورہ وجوہات کی بناء پر جبکہ پہلی مسجد کا اضرار اور تقلیل جماعت مقصود نہیں، مسجد تعمیر کرنا درست اور جائز ہے اور اس میں چندہ دینا موجب خیر و برکت ہے۔ كما يجوز لاهل المحلة ان يجعلوا المسجد الواحد مسجدين[2]. ج ۵ ص ۲۷۰. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ثانی کی تخریب پر صلح کا معاہدہ

﴿س﴾
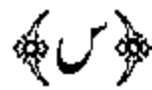
کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) کسی گاؤں میں ایک مسجد موجود ہے۔ اور دوسری مسجد بہ نیت ثواب بنانا جائز ہے کہ نہیں۔

(۲) کیا ہر صلح شرع میں معتبر ہے یا کہ کوئی صلح ناجائز قرار دی جا سکتی ہے۔

(۳) بعض علماء کرام نے مسجد ثانی کی تعطیل و تخریب پر صلح کی ہے۔

خلاصہ: یعنی دوسری مسجد جو کہ نئی تعمیر کی گئی ہے اور اس کی تعمیر کو تقریباً ۵۰ سال ہو گئے۔ پہلی مسجد ۱۰۰ (سو) سال کی قدیم ہے۔ اور بانی مسجد ثانی وفات پا چکے ہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (۱) دوسری مسجد کی اگر ضرورت ہو یا لوگوں کی سہولت مد نظر ہو اور مقصد تفریق بین المومنین فتنہ فساد کا نہ ہو[3]۔ محض اللہ کی رضامندی کے لیے بہ نیت ثواب بناتا ہے تو جائز ہے۔

---

۱) تفسير كشاف، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الكتاب العربی، بيروت، هكذا فی روح المعانی، ج ۱۱ ص ۳۱، دار احياء التراث العربی، بيروت۔

۲) بحر الرائق: ج ۵ ص ۴۱۹، كتاب الصلوة، فصل فی أحكام المسجد، رشيديه كوئته۔
وهكذا فی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة، ج ۵ ص ۳۲۰، رشيديه كوئته۔

۳) ...... وانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من بنی مسجداً قال بكير حسبت انه قال يبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة، رواه البخاری كما مر تخريجه فی السوال السابق۔

(۲) ہر صلح شرع میں معتبر نہیں ہے۔ بعض جائز اور معتبر ہیں۔ اور بعض ناجائز اور کالعدم ہیں[1]۔ صورت مسئولہ میں مسجد ثانی کی تخریب وتعطیل کی نوعیت اور اس کے وجوہ نہیں لکھے گئے ہیں۔ اس لیے بغیر تفصیلی آگاہی کے اس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ وجوہ تعطیل اور اس کی نوعیت اگر لکھی جائے تب فتوی دیا جاسکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دور ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

ماقولکم ایھا العلماء الربانیون فی المسئلة الاتیة۔ کسی بستی میں اکثر نے اتفاق کر کے یوں اقرار کیا کہ پرانی مسجد میں نمازیوں کو آمدورفت میں انتہائی تکلیف ہوتی ہے نیز یہ پرانی مسجد بستی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس لیے بستی کے درمیان میں تبدیل مسجد پر اکثر کی خوشی ورضا کے بعد بستی کے درمیان جدید مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ شدہ شدہ تیاری پر بعض لوگ منکر ہوگئے۔ اور بعض باقی جدید مسجد کے فیصلہ پر قائم رہ گئے۔ الغرض کچھ لوگ قدیم پر قائم ہیں۔ اس ناچاکی کی حالت سے عوام پر بہت برا اثر پڑا۔ اس لیے اطراف کی کئی بستیوں کے علماء وسردار وسربراہان نے اتفاق کی صورت یوں فیصلہ کیا۔ کہ جدید والے بھی اپنے لیے جدید کو ترک کردیں۔ اور قدیم والے بھی اقرار کر کے فراموش کردیں اور یہی مناسب ہے۔ اس لیے وہ بھی ترک کردیویں لہٰذا موضع ثالث میں احسن صورت سبھی نے متفق ہوکر آمین کر کے مناجات کی۔ پھر بعد کو قدیم والے بعد مناجات کے کہتے ہیں کہ ہم اس فیصلہ کو نہیں تسلیم کرتے، اس میں دو مرتبہ تمام علماء وعوام نے نفاق کا سدباب کرنے کے لیے موضع ثالث مقرر کیا مگر عدم تسلیم قرار پایا۔ مخفی نہ رہے کہ قدیم والوں نے مسجد جدید کو پائخانہ و پیشاب سے ملوث کیا اور گرایا۔ بینوا توجروا۔

---

۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين زاد احمد الا صلحاً حرم حلالاً أو حل حراماً زاد سليمن بن داؤد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمون على شروطهم، رواه أبوداؤد، باب فی الصلح، ج ۲ ص ۱۵۰، حديث نمبر ۳۵۹٤، رحمانيه لاهور۔

هداية، ج ۳ ص ۲۵۰، رحمانيه كتب خانه لاهور۔

﴿ج﴾

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے[1] لہٰذا سرداران و گردونواح کے علماء کا یہ فیصلہ کہ قدیم والے قدیم کو چھوڑ دیں اور جدید والے مسجد جدید کو چھوڑ دیں۔ اور تیسری جگہ جو موزوں ہو تیسری مسجد تعمیر کر کے اس پر دونوں فریق اتفاق کر لیں یہ فیصلہ غلط ہے[2]۔ اب صحیح فیصلہ یہ ہے کہ قدیم مسجد بھی قائم رکھی جائے اور جدید مسجد بھی مکمل کی جائے اور شہری مسجد جس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو آہستہ آہستہ فنڈ جمع کر کے تیار کی جاوے[3]۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی دو حصوں میں تقسیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جو کہ مشترکہ رقم سے تیار ہو چکی تھی بعدہ اس کی عمارت گر چکی ہے اور از سر نو تعمیر کی ضرورت ہوئی جس کی بنا پر دونوں فریق نے کچھ رقم جمع کر کے اینٹیں خریدنے کے لیے کچھ رقم دے دی ہے اور بقایا رقم ادا کرنی ہے۔ لیکن دونوں فریقوں میں اختلاف ہو چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو نصف نصف کر دیا جائے آیا یہ مسجد دو حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اور جو اینٹیں قابل خرید ہیں ان کی بھی تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اور اگر تقسیم نہیں ہو سکتی تو ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں ہو سکتیں۔

---

۱) "ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه" الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

ولو خرب ماحول المسجد واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام (الثانى) ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) تنوير الأبصار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب فيما خرب المسجد أو غيره، ج ۶ ص ۵۵۰، رشيديه جديد كوئته۔

هكذا فى البناية: كتاب الوقف، ج ۷ ص ۴۵۷، دار الكتب العلمية بيروت۔

۲) كما تقدم تخريجه فى السوال السابق۔

۳) اهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً، كما مر تخريجه غيز مرة۔

وروى عن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضار أحدهما بصاحبه، روح المعانى، سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج ۱۱ ص ۳۱، طبع دار أحياء التراث، بيروت۔

(۴) اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا کہ نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت حاضر و ناظر جانتا ہو۔ مختار کل سمجھتا ہو۔ عالم الغیب، مشکل کشا، اور مصیبت میں یا غیر مصیبت میں پکارتا ہے۔

(۵) اگر مسجد کے بالکل متصل کچھ جگہ خالی پڑی ہو تو اس جگہ دوسری مسجد بن سکتی ہے یا کہ نہیں جس وقت کہ دونوں مسجدوں کی درمیانی دیوار متصل بنتی ہو۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر کسی صحیح العقیدہ امام پر اتفاق نہ ہو سکے تو چونکہ ان مذکورہ عقیدوں والے امام کے پیچھے اگر واقعی اس کے مذکورہ عقیدے ہوں کسی طرح نماز جائز نہیں۔ کیونکہ شرکیہ عقیدے ہیں۔ عالم الغیب ہونا یا حاضر و ناظر یا مختار کل ہونا یہ ایسی صفات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے ساتھ خاص ہیں کوئی نبی و فرشتہ یا ولی ان صفات میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے ساتھ شریک نہیں [1]۔ اس لیے یا تو اہل مسجد اس مسجد کو باتفاق ایک فریق کے حوالے کر دیں اور یہ جمع شدہ رقم اور اس سے خریدی ہوئی اینٹیں بھی اس مسجد کے لیے اسی فریق کو دے دیں [2] اور جس فریق کو اتفاق سے مسجد حوالے کریں۔ یہ فریق دوسرے فریق کے لیے دوسری جگہ دوسری مسجد بنوالے۔ بہتر یہ ہے کہ اس پرانی مسجد کے کچھ فاصلہ پر ہو اور اگر دوسری جگہ اتفاق نہ ہو سکے تو مجبوری کی صورت میں اس مسجد کی ساتھ والی جگہ پر چاہے دیوار متصل بھی بنے دوسری مسجد بنالیں اور اگر اس طرح بھی دونوں فریق میں کسی طرح اتفاق نہ ہو سکے تو بوجہ مجبوری و ضرورت کے اور جھگڑے کے ختم نہ ہونے کی وجہ سے اس پرانی مسجد اور اس کے چندے و خرید شدہ سامان اینٹیں وغیرہ کو تقسیم کر لیں۔ تو ہر فریق اپنی مسجد میں الگ الگ جماعت کر سکتے ہیں ایک مسجد میں دو جماعتیں ہونا یہ جائز نہیں [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) قال اللہ تعالی: (قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب الا اللہ) سورۃ النمل، الآیۃ ٦٥۔
وبالجملۃ العلم بالغیب أمر تفرد بہ سبحانہ وتعالی ولا سبیل الیہ للعباد، شرح فقہ الأکبر ص ٤٢٢، طبع دار البشائر۔
ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق واعمی الا أن یکون أعلم القوم ومبتدع لا یکفر بہا وان کفر بہا فلا یصح الاقتداء بہ اصلاً، درمختار وشامی، ج ١ ص ٥٥٦-٥٦٢، ایچ ایم سعید کراچی کتاب الصلوۃ۔
وحاصلہ ان کان ھوی لایکفربہ صاحبہ تجوزا الصلوۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھکذا فی تبیین (الخلا منہ) ھندیہ: کتاب الصلوۃ، الباب الثالث فی بیان مایصلح اماماً لغیرہ، ص ٨٤، ج ١، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) اھل المحلۃ قسموا المسجد وضربوا فیہ حائطاً ...... الخ، کما مر تخریجہ۔

۳) ویکرہ تکرار الجماعۃ بأذان واقامۃ فی مسجد محلۃ، وقال العلامۃ ابن عابدین تحتہ، ومقتضی ھذا الاستدلال کراھۃ التکرار فی مسجد المحلۃ ولو بدون أذان ویؤیدہ ما فی الظھیریۃ، الدر المختار مع شرحہ کتاب الصلوۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد، ج ٢ ص ٣٤٢-٣٤٣، رشیدیہ جدید کوئٹہ۔
ومنھا حکم تکرارھا الجماعۃ فی مسجد واحد ففی المجمع لا نکررھا فی مسجد محلۃ بأذان ثانٍ وفی المجتبی ویکرہ تکرارھا فی مسجد بأذان واقامۃ ...... الخ البحر الرائق کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ١ ص ٤٣٦، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

کیا مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں۔اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں نے ایک بستی آباد کی۔مسجد بھی تعمیر کی۔جس پر تقریباً ۵۴ ہزار روپے لگے۔مگر کچھ عرصہ بعد مسلمان وہاں سے کوچ کر کے کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔اور مسجد والی سابقہ جگہ پر صرف غیر مسلم ہندو وغیرہ آباد ہیں۔اور قدرے قبرستان بھی بنتا جارہا ہے۔اور گردونواح میں مسلم آبادی بھی نہیں۔اس کے بعد ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم کسی وقت مسجد کی توہین کریں۔کیونکہ موجودہ وقت میں وہ غیر آباد اور ویران پڑی ہوئی ہے۔اور ۵۴ ہزار کی لاگت ہے۔اس لیے ڈر ہے کہ غیر مسلم آبادی اس کا سامان نکال کر لے جائے اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد کی تعمیر کی تھی اب اس چیز کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسجد کو منتقل کر دیں۔ یعنی وہ سامان جو وہاں اس کی عمارت کی تعمیر میں آچکا ہے۔وہ لا کے جونئی بستی انہوں نے تعمیر کی وہاں سابقہ مسجد کے سامان سے دوسری مسجد بنائیں۔کیا وہ سابقہ مسجد کا سامان لا کر جدید مسجد بنا سکتے ہیں۔اول الذکر صورت حال کو مدنظر رکھ کر قرآن وحدیث وآثار فقہ سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

فی ردالمحتار و فی جامع الفتاویٰ لهم تحويل المسجد الى مكان اخر ان تركوه بحيث لايصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه فى مسجد اخراه (الى قوله) لكن علمت ان المفتى به قول ابى يوسفؒ انه لايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر كما مرعن الحاوى. (الى ان قال) قلت لكن الفرق غير ظاهر فليتامل. والذى ينبغى متابعة المشائخ المذكورين فى جواز النقل بلافرق بين مسجد او حوض كما افتى به الامام ابوشجاع والامام الحلوانى وكفى بهما قدوة ولاسيما فى زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل ياخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلك اوقافه يا كلها النظار او غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الى النقل اليه وقد وقعت حادثة سئلت عنها فى امير ارادان ينقل بعض احجار مسجد خراب فى سفح قاسيون بدمشق ليبلط بها صحن الجامع الاموى فافتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالى ثم بلغنى ان بعض المتغلبين اخذ تلك الاحجار لنفسه فندمت على افتيت به. ثم رأيت الأن فى الذخيرة قال وفى فتاوى النسفى سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية رحلوا و

تداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلونه الی دور هم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم. وحکی انه وقع مثله فی زمن سیدنا الامام الاجل فی رباط فی بعض الطرق خرب ولاینتفع المارة به وله اوقاف عامرة فسئل هل یجوز نقلها الی رباط اٰخر ینتفع الناس به قال نعم لان الواقف غرضه انتفاع المارة ویحصل ذلک بالثانی اھ (ردالمحتار ج۳ص۴۰۷،۴۰۸)(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے (۲) مگر بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں (۳)۔

پس مسئولہ صورت میں گو اس مسجد کو منتقل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہو اور اس کی تضییع اور بے حرمتی کا یقین ہو تو ایسی ضرورت شدیدہ میں منتقل کرنے کی گنجائش ہے۔ مسئلہ بہت اہم ہے۔ لہٰذا اور معتمد علیہ صاحب نظر علماء سے مشورہ اور استصواب کرایا جاوے۔ ممکن ہے کہ حفاظت کی کوئی صورت نکل آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

پانی آجانے کی وجہ سے مسجد کی دوسری جگہ منتقلی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ رودکوہی نے رخ ایک مسجد کی طرف کر کے اس کو گرادیا ہے

---

۱) شامی، رشیدیہ قدیم کوئٹہ، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ، رشیدیہ جدید، ج ٦ ص ۵۵۱-۵۵۲۔

۲) (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی) أبداً الی قیام الساعة، (وبه یفتی) (وعاد الی المالک) أی ملک البانی أو ورثته (عند محمد) تنویر الأبصار مع شرحه، کتاب الوقف، مطلب فیما خرب المسجد أو غیره، ج ٦ ص ۵۵۰، رشیدیه جدید کوئٹہ۔

وبه علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول أبی یوسف فی تأبید المسجد" البحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ج ۵، ص ۴۲۳، رشیدیه قدیم۔

ثم نقل الناطفی عن کتاب الصلوة مسجد بأوائله وعطلت الصلوة فیه لم یجز للآخر أن یهدمه، ولا یجبر به منزلاً ولا یبیعه، قال الناطفی هذا عند قول أبی یوسف رحمه الله تعالی، "البنایة شرح الهدایة" کتاب الوقف فصل ج ۷ ص ۴۵۷، دارا لکتب العلمیة بیروت۔

۳) الضرورات تبیح المحظورات، وشرح المجله لرستم باز، المادة، ۲۱، ص ۲۹، مکتبه حاجی محمد رفیق نعمت الله تاجران کتب بازار اراگ، قندهار افغانستان۔

صرف چار دیواروں میں سے ایک دیوار کے نشان و بنیادرہ گئے۔ اب سابقہ جگہ سے مسجد کو اہل قریہ دوسری جگہ تیار کرنے پر آمادہ ہیں کیونکہ پہلی جگہ رودکوہی سے مسجد کا بچانا مشکل ہے اگر بہت زور بھی لگایا جاوے رودکوہی بند کیا جاوے تب بھی اطمینان نہیں کیونکہ بہت بارش کے وقت رودکوہی کے آنے کا خطرہ ہے۔ اب قابل دریافت دوامر ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کا سامان دوسری جگہ منتقل کر کے دوسری مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ امر ثانی یہ کہ مسجد اولی کی جگہ بوجہ عذر بالا مذکورہ کے منتقل ہوسکتا ہے اور حکم واحترام مسجد میں نہ رہے گا یا ابدالآباد رہے گا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد کی زمین ابدالآباد مسجد ہی رہے گی اس کا احترام ضروری ہوگا اس مقام پر مسجد کی علامات اگر ہو سکے، رکھی جاویں [1]۔ البتہ اس کا سامان دوسری جگہ مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں۔ علامہ شامی اور دوسرے علماء محققین نے انقاض مسجد میں جواز نقل کو مختار قرار دیا ہے۔ کمافی ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۷۔ واللہ اعلم [2]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ

تنگی کی وجہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو بہت پرانی ہے اور مکانوں کے اندر ہے۔ وہاں ہوا وغیرہ نہیں لگتی اور بہت تنگی ہے۔ اب مسجد والوں نے اس کا حل یہ سوچا ہے کہ اس مسجد کو اس جگہ سے ختم کر کے کسی اور جگہ بنائیں اور وہاں جگہ بہت تنگ ہے۔ کیا اسے توڑ کر کسی اور جگہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ زمین ایک ہی آدمی کی ہے۔ مسجد والی بھی اور دوسری بھی۔

---

۱) كما تقدم تخريجه في السؤال السابق۔

۲) جزم به في الاسعاف حيث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود الملك الى الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه الى بعض المساجد ...... وبه علم ان المفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد، والمراد بالآت المسجد نحو القنديل والحصير ...... شامي كتاب الوقف مطلب فيما خرب المسجد أو غيره، ج ٣ ص ٤٠٧، رشيديه قديم كوئته۔ ومثله في البحر الرائق: كما تقدم تخريجه في السؤال السابق۔ وكذا في الهندية: كتاب الوقف والباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جائے۔ وہ تا قیام قیامت مسجد ہی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ جگہ بھی مسجد ہی ہے۔ تمام احکام مسجد کے اس کو حاصل ہیں۔ اس لیے اس کو توڑ کر غیر آباد کرنا جائز نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے پردگی کی وجہ سے مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری بستی جو کہ بیس خاندانوں پر آباد ہے اس آبادی میں مسجد بنائی گئی ہے۔ جو کہ ۱۹۴۷ء میں ترک وطن ہندوؤں کے زمانے میں ایک چھوٹے سے چبوترہ کی شکل تھی لیکن بعد میں وہ مسجد بنادی گئی۔ لہٰذا وہ آبادی کے اندر ہے چاروں طرف گھر ہی گھر ہیں جگہ مسجد کے ساتھ کافی ہے جس میں مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے وسیع کیا جاسکتا ہے لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ مسجد کو باہر کھلی جگہ بنایا جائے تا کہ باہر کے لوگ اور تبلیغی جماعتیں جو آتی ہیں ان سے گھروں کی بے پردگی نہ ہو اور اس مسجد کو بند کر کے رکھ دیا جائے۔ اس میں صحیح رہنمائی شریعت مطہرہ کے تحت فرمائیں تا کہ انسانیت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ اس میں کچھ آبادی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس مسجد کو پھر دوبارہ تعمیر کر کے وسیع کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ج﴾

اس مسجد کو بند کرنا اور غیر آباد کرنا جائز نہیں (۲) اس کو وسیع کرنا جائز ہے چاردیواری ایسی بنائی جائے کہ جس سے مسجد کی حفاظت اور احترام ملحوظ رہے اور ملحقہ گھروں کا پردہ بھی محفوظ رہ جائے بہرحال اگر جگہ میں گنجائش

---

۱) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، لا يبيعه ولا يورث عنه" الهداية، ج ٢ كتاب الوقف، ص ٦٢٢، طبع، مكتبه رحمانيه لاهور۔

(لوخرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني)، ابداً الى قيام الساعة، (وبه يفتى) تنوير الأبصار مع شرحه، كتاب الوقف، مطلب في ما خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه، جديد كوئته۔

ثم نقل الناطفي عن كتاب الصلوة بأوائله وعطلت الصلوة فيه لم يجز للآخر أن يهدمه ولا يجبر به منزلاً ولا يبعه، قال الناطفي هذا عند قول أبي يوسف رحمه الله البناية، كتاب الوقف، ج ٧ ص ٤٥٧، دار الكتب العلمية بيروت۔

۲) كما تقدم تخريجه في السؤال السابق۔

ہے تو اسی کو وسیع کردیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

ویران جگہ کی وجہ سے مسجد کو ختم کرنا

﴿س﴾
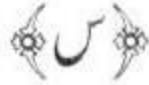
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج سے قبل ایک جنگل سرکار میں تقریباً پچاس سال ہم قیام پذیر رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد نہر آئی پھر ہم نے سرکاری ٹینڈر سکیم پر لے کر اس جگہ کو آباد کیا۔ اور اس جگہ پر بندہ نے مسجد تعمیر کرائی۔ اور درس قرآن مجید، باقاعدہ باجماعت نماز ادا ہوا کرتی تھی۔ اور جلسے اجلاس وغیرہ بھی ہوا کرتے تھے۔ اور مسجد پکی دو چھت والی ہے۔ باقاعدہ مسجد کے صحن میں ایک حجرہ اور ایک نلکہ بھی تھا۔ ۱۹۶۵ء میں سرکار نے ایک انگورا گوٹ فارم بنا دیا۔ انہوں نے ہمیں بے دخلی کے نوٹس دے دیے بندہ نے لاہور ایسوسی بورڈ تک کوشش کی۔ لیکن ہمیں کوئی حق نہ ملا۔ مکان وغیرہ سب گرا کر اور وہ چھوڑ کر تقریباً دو مربہ کے فاصلہ پر اب قیام پذیر ہیں۔ اس وقت مسجد ویراں ہے محکمہ والے کہتے ہیں کہ مسجد کو گرا کر اس کا سامان لے جاؤ۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے آگاہ کریں کہ قانون شریعت میں ایسی مسجد کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔ مسجد کو شہید کر کے اس کا سامان کسی اور مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں، اگر قانون شریعت میں یہ اجازت ہو کہ مسجد کی چاردیواری حجرہ وغیرہ پر لگ سکتا ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا بھی نہ ہو کہ پہلا ثواب بھی چلا جائے اگر نہیں اجازت تو محکمہ والے جانیں چاہے اس کو شہید کریں یا نہ کریں۔ لیکن اس وقت بالکل ویران ہے۔

---

۱) فرع اراد أهل المحلة نقض المسجد وبناء ه احكم من الأول ان البانى من أهل المحلة لهم ذلك والا لا، بزازية، قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وفى طوطارى عن الهندية: ومسجد مبنى أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ...... وأما أهلها فلهم أن يهدموه، ويجدد بناءه، ويفرشوا الحصير، ويعلقوا القناديل لكن منْ مالهم لا من مال المسجد الا بأمر القاضى، در المختار مع شرحه كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٨، رشيديه جديد كوئته۔

هكذا فى البزازية: كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، رشيديه كوئته۔

وكذا فى البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد، ٥ ص ٤٢٠، رشيديه كوئته۔

أرض وقف على مسجد والأرض بجنب ذلك المسجد وأرادو أن يزيدوا فى المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعون الأمر الى القاضى ليأذن بهم ...... الخ، هندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٦، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

فی ردالمحتار وفی جامع الفتاوی لهم تحویل المسجد الی مکان اٰخر ان ترکوه بحیث لا یصلی فیه ولهم بیع مسجد عتیق لم یعرف بانیه وصرف ثمنه فی مسجد اٰخر (الی قوله) لکن علمت ان المفتی به قول ابی یوسف انه لایجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اٰخر کما مرعن الحاوی[۱] (شامی ج۳ص ۴۰۶)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح عدم جواز نقل ہے۔ پس آپ اس مسجد کی حفاظت کا خیال رکھیں دو مربہ کے فاصلہ سے آپ وقتاً فوقتاً اس کی حفاظت اور صفائی کا انتظام کر سکتے ہیں۔ نیز انگورا گوٹ فارم کے ملازمین بھی اس مسجد کو آباد کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھروں کی حفاظت کریں نہ یہ کہ ان کے گرانے کے احکامات صادر کریں[۲]۔ الحاصل اس مسجد کا گرانا اور اس کے سامنے دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے تھلے کو دوسری جگہ منتقل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو کچھ رقبہ حکومت کی طرف سے الاٹ ہوا جس میں عارضی طور پر ایک کچا تھلہ برائے نماز بنایا تھا ارادہ یہ تھا کہ جب زمین کی الاٹ مستقل ہوگی تو یہاں سے اس کو اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنا دے گا۔ تو اب زمین مستقل الاٹ ہو چکی ہے کیا اس سے پہلے تھلے کو جس پر چھت بھی ہے اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ مسجد بنا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

محمد حسین چک نمبر ۶۰۴ تحصیل لودھراں ضلع ملتان

---

۱) کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٨، رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی البحر الرائق وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی، وفی المجتبی: وأکثر المشائخ علی قول أبی یوسف کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وفیه أیضاً: وبه علم أن الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد، وعلی قول أبی یوسف فی تابید المسجد، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما قال الله تعالی: وتعاونوا علی البر والتقوی، المائدة۔
هکذا فی أحکام القرآن، ان الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر واجبان فی الأمور الواجبة فعلاً أو ترکاً علی القادر علیها، ج ٢ ص ٥٧۔

﴿ج﴾

ابتداء میں چونکہ زمین کی الاٹ مستقل طور پر نہیں ہوئی ہے لہٰذا اس زمین کا وقف شرع کی رو سے ٹھیک نہیں تھا(۱) اور مسجد بھی عارضی بنائی گئی تھی اس لیے اس مسجد کو اٹھا کر دوسری جگہ بنانا جائز ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ قصبہ اتگ پور میں آباد ہیں جو کہ دریا چناب کے کنارے پر واقع تھا اور دریائے چناب کے فلڈ وڈھابردی کی وجہ سے بالکل ختم ہو گیا۔ شہر مذکور دیگر موضع ڈیرہ بیبت میں گورنمنٹ عالیہ کی منظوری کے ساتھ بنایا گیا۔ جس میں اس موجودہ وقت میں دوسو گھر آباد ہو چکے ہیں۔ ہر ماہ کے بعد افسر مال صاحب کے دورہ پر شہر میں پلاٹ کی منظوری مل جاتی ہے۔ تو چند لوگ ہمارے بھائی تقریباً چالیس گھر اس شہر میں نہیں آئے جو کہ نزدیک موضع بلکانہ میں ایک بستی بنا کر آباد ہو چکے ہیں اب التماس یہ ہے کہ ہمارے سابق شہر اتگ پور میں جامع مسجد تھی۔ جس کا ملبہ ڈھابردی کے وقت اکھاڑ لیا گیا تھا۔ جو کہ چوکٹ

---

۱) کما فی فتاوی التاتارخانية: وأما القبض والتسليم فشرط لصيرورته مسجداً عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعند أبي يوسفؒ ليس بشرط ...... وعندهما لا يصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد، ج ۵ ص ۸۳۹، مكتبه ادارة القرآن، كراتشي۔

هكذا في البحر الرائق: أما لو وقف ضيعة غيره على جهات فبلغ الغير فأجازه جاز بشرط الحكم والتسليم، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۱٤، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كما فى العالمكيرية: وأما ان وقت الأمر باليوم أو شهر أو السنة ففى هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، ج ۲ ص ۴۵۵، مكتبه رشيديه، كوئٹه۔

هكذا فى فتاوى قاضى خان، رجل له ساحة لابناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة قالوا ان أمرهم بالصلوة أبداً وأمرهم ...... وأن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات يكون ميراثاً عنه لأنه لابد من التأبيد والتوقيت ينا فى التأبيد، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۰، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وفيه أيضاً مسجد اتخذ لصلوة الجنازة أو لصلوة العيد هل يكون له حكم المسجد ...... واما اتخذ لصلاة الجنازة لا يكون مسجد مطلقاً، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۱، رشيديه كوئٹه۔

کواڑ، دریاں، سائبان، خیمہ وغیرہ بھی تھا۔ یہ سامان بستی میں آباد ہونے والے لوگوں نے ایک جگہ رکھ لیا تھا شہر منظور شدہ میں جامع مسجد تیار کرنے کے بعد ہم نے اپنی بستی میں آباد ہونے والے بھائیوں سے مطالبہ سامان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسجد میں استعمال کرتے ہیں۔ مسجد انہوں نے بھی تیار کرلی ہے۔ اب آپ جناب فیصلہ صادر فرماویں کہ یہ سامان سائبان وغیرہ سابق جامع مسجد کا تھا۔ اس شہر والی جامع مسجد میں جو کہ منظور شدہ شہر میں ہے کا حق ہے یا کہ بستی والی مسجد کا حق ہے۔ ہم سب بھائیوں نے اکٹھے ہو کر التماس کیا ہے تاکہ فتویٰ کی وجہ سے سائبان وغیرہ کا فیصلہ کیا جائے۔

المستفتی محمد بشیر سائیکل ورکس مقام انگپور ضلع مظفر گڑھ۔

﴿ج﴾

اگر یہ سامان سابقہ مسجد کا مال وقف سے خرید کیا ہے تو دونوں مسجدوں میں اس سامان کا استعمال جائز ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو مسجد سابقہ مسجد سے قریب پڑتی ہے اس کا حق مقدم ہے۔ فی الدر المختار (۱) ج ۳ ص ۴۰۷ **ومثله فی الخلاف المذکور حشیش المسجد و حصیره مع الاستغناء عنهما الی قوله فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب مسجد او رباط اوبئر انتهی.** ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں صرف کرنا اگرچہ اختلافی ہے (۲) لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ ۴۰۷ کے آدھ میں ثابت کردیا ہے کہ آجکل بالکل جائز ہے جب کہ پہلی مسجد خراب ہوجائے اور لوگ اس سے متفرق ہوجائیں یعنی اس میں نماز نہ پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ۳۵۹، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
وفیه أیضاً ونقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس عنه هل للقاضی أن یصرف أوقافه الی مسجد أو حوض آخر، فقال نعم:
کتاب الوقف مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ۳۵۹، مکتبه سعید کراچی۔
وهکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤۲۲، مکتبه رشیدیه کوئته۔

۲) ولا سیما فی زماننا فإن المسجد أو غیره من رباط أو حوض اذا لم ینقل یأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ۳٦٠، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
هکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤۲۳۔

ضرورت کی بنا پر مسجد کی منتقلی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زمین میں شرعی اصول کے مطابق مسجد تعمیر کرلی ہے اور سالہا سال سے اس میں نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ اب یہ شخص کسی ضرورت کی بنا پر اس مسجد کو موجودہ جگہ سے ہٹا کر زمین کے کسی اور حصہ میں تعمیر کرنا چاہتا ہے کیا شرعاً اس شخص کے لیے اس کی اجازت ہے کہ وہ مسجد کو گرا کر اس زمین کو اپنی ضرورت میں لائے اور مسجد اور جگہ تعمیر کردے۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوچکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ قال فی [1] **شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجد اعند الامام والثانی ابداً الى قيام الساعة وبه يفتى. وفی الشامية وقوله ولو خرب ماحوله. الخ. ای ولو مع بقائه عامراً وكذالو خرب وليس له مايعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر.** پس صورت مسئولہ میں اس جگہ کو گرانا اور اس کی زمین کو اپنی ضرورت میں لانا جائز نہیں۔ اگرچہ دوسری جگہ مسجد تعمیر بھی کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

۱) وفی الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثانی) أبداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) كتاب الوقف، مطلب فی لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وفی الشامية: تحت قول الدر المختار: (قوله ولو خرب ماحوله) أی ولو مع بقائه عامراً ...... قوله عند الإمام والثانی) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوی القدسی، وأكثر المشائخ عليه، كتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، ايچ ايم سعيد كراچی۔

وفی البحر الرائق: وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً الى قيام الساعة ...... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف فصل فی أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا فی العالمكيرية: أما على قول أبی يوسف...... وان خرب واستغنى عنه أهله لا يعود الى ملك البانی، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وقف شدہ زمین قیامت تک مسجد کے لیے ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد مصلیٰ جس میں گاہے گاہے جماعت ہوتی رہی۔ اراضی انتقال کی وجہ سے مسجد مذکور میان لائن قلعہ بندی ہے اب زید کا خیال ہے کہ مسجد مذکور کو توڑ کر دوسری جگہ مسجد بنائی جاوے کیونکہ یہ چھوٹی مسجد ہے اس کے درمیان قلعہ بندی لائن بھی آ چکی ہے۔ کیا شرعاً جائز ہے کہ مسجد مذکور کو منہدم کر کے دوسری جگہ ایک بڑی مسجد بنائی جاوے۔ مستند کتب فقہ کا حوالہ دے کر اجر کے مستحق ہوں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جو جگہ ایک دفعہ شرعاً مسجد بن گئی ہے یعنی مالک اس کو مسجد کے لیے وقف کر چکا ہے اور اس میں جماعت کے ساتھ بھی نماز گاہے گاہے ہوتی رہی ہے۔ اب اس جگہ کو دوسرے کام کے لیے استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ جگہ شرعاً تا یوم قیامت [۱] مسجد ہوگی۔ خواہ دوسری جگہ بڑی مسجد بنائیں یا نہ بنائیں بہرحال اس کا تبادلہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ **کما قال فی العالمگیریة** ج ۲ ص ۴۴۴ **ولو کان [۲] مسجد فی محلة ضاق علی اهله ولایسعهم ان یزید وافیه فسالهم بعض الجیران ان یجعلوا ذلک المسجد له لید خله فی داره ویعطیهم مکانه عوضا ماهو خیرله فیه اهل المحلة قال محمد رحمه الله تعالیٰ لا یسعهم ذلک کذا فی الذخیرة**.. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، ج ۲ ص ۴۵۷، مکتبه رشیدیه کوئته۔

۲) کما فی الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی) أبداً الی قیام الساعة (وبه یفتی)، کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره ج ٤ ص ۳۵۸، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔

وفی البحر الرائق: وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة لا یعود میراثاً ...... وهو الفتوی، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مکتبه رشیدیه کوئته۔

اور اگر (۱) وہ جگہ مالک نے وقف کر کے مسجد نہیں بنائی بلکہ بغیر وقف کیے ایک جگہ ایسی بنائی جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض گھروں میں عورتیں بھی جگہ مختص کر لیتی ہیں تو یہ مسجد کا حکم نہیں رکھتی اس کو منتقل کرنا جائز ہے۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی جگہ دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک مسجد کو گرا کر اس سے متصل ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اب سابقہ مسجد والی جگہ پر امام مسجد کا مکان یا درس گاہ یا مسجد کی دوکانیں تعمیر ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ (۲) اس زمین پر امام مسجد کے لیے مکان یا درسگاہ وغیرہ تعمیر کرنی جائز ہیں بلکہ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ اس پرانی مسجد کو نئی مسجد کے صحن میں شامل کر دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر زمین پرانی مسجد کی سمجھی جاتی ہے اس کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں۔ قال (۳) فی

---

۱) وفی الفتاوی قاضی خان: رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوماً ...... وان أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات أو خاناً أو سقايه أو مقبرة، ج ۳ ص ۲۹۰، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
هكذا فی العالمكيرية: من بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه أما الافراز فلانه لا يخلص لله تعالى الا به، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ٤٥٤، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفيه أيضاً: رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوماً ......وأما أن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففی هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ج ۲ ص ٤٥٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) وفی العالمكيرية: قيم المسجد لايجوز له أن يبنی حوانيت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد، كتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقت علی المسجد وتصرف القيم وغيره فی مال الوقف عليه، ج ۲ ص ٤٦٢، مكتبه بلوچستان بكڈپو
هكذا فی البحر الرائق: وفی المجتبى لا يجوز لقيم المسجد أن يبنی حوانيت فی حد المسجد أو فنائه، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) كتاب الوقف مطلب فيما لوخرب المسجد اوغيره، ج ٤، ص ۳٥٨، مكتبه ايچ ايم سعيد، كراچی

شرح التنویر، ج۳ ص۴۰۴ (ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام والثانی (ای ابی یوسف) ابدا الی قیام الساعة (وبه یفتی) وفی الشامیة (قوله ولو خرب ماحوله) ای ولو مع بقائه عامرا و کذا لو خرب ولیس له مایعمربه وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اٰخر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں ایک مسجد ہے دو منزلہ اور مسجد کے ساتھ متصل ایک طرف مسجد کی زمین ہے جس میں طہارت خانہ پانی وغیرہ کا بندوبست ہے اور یہ جگہ حکم مسجد سے خارج ہے۔ تو کیا اس وضو والی جگہ کے اوپر ہم ایک دینی مدرسہ تعلیم القرآن مقامی بچوں کے لیے قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہے اس پر مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں [1]۔ شرط الواقف کنص الشارع. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کا وقف مکان کو مدرسہ بنانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ: (۱) ایک مسجد شریف ہے اور اس کے احاطہ کے اندر پشت کی

---

۱) کتاب الوقف مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ٤ ص ٤٣٣، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔ هکذا فی الشامیة: مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحکم به حکم بلا دلیل، وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم لا دلیل علیه، کتاب الوقف، ج ٦ ص ٧٦٠، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی العالمکیریة: ویجوز تغیر الوقف عن هیئته فلا یجعل له دار بستاناً، کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات، ج ٢ ص ٤٩٠، رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی تنویر الأبصار مع الدر المختار: فإذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یعاد ولا یرهن، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، مکتبه سعید کراچی۔

هکذا فی الشامیةلا وکذلك لیس للقیم الاستبدال الا أن ینص له علیه، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج، ج ٤ ص ٣٨٥، مکتبه ایچ ایم سعید۔

جانب ایک مکان اور کچھ زمین اس غرض سے وقف ہے کہ ہر امام مسجد جو بھی وقتاً فوقتاً خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس مکان میں سکونت پذیر رہے اور ایک دینی مدرسہ جاری رہے۔تو کیا کسی امام مسجد کو از روئے شریعت حق پہنچتا ہے کہ وہ مکان کی اپنی مرضی سے شکل وصورت تبدیل کر کے اسے اپنی ذاتی ملکیت بنائے۔

(۲) یہ کہ ایسی حالت میں تبدیلی مکان پر جو روپیہ وہ صرف کرے وہ شرعاً مسجد شریف سے وصول کرنے کا مجاز ہے۔ جبکہ مسجد شریف کی کسی قسم کی آمدنی بھی نہیں ہے۔

(۳) کیا اس مکان پر قابض رہنے کی صورت میں قبضہ مخالفانہ جائز ہے۔ یا کسی شرعی یا غیر شرعی حیلے و جواز کی بنا پر یہ اس کی ذاتی ملکیت ہوسکتی ہے۔

(۴) یہ کہ اہل محلّہ اور واقف کاران حال پر کیا شرعی حکم عائد ہوتا ہے۔ مفصل جواب عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) امام مسجد [۱] مکان وقف کی شکل وصورت کو اس وقت تبدیل کر سکتا ہے جبکہ وہ خود اس مسجد اور مکان کا متولی ہو یا دوسرے متولی یا انجمن جو مسجد کے انتظام وغیرہ کے لیے مقرر ہیں کی اجازت سے ہو، ورنہ اسے شکل و صورت کی اس تبدیلی کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ بانی وقف [۲] کو ذاتی ملکیت تو ہرگز نہیں بنا سکتا، متولی کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو، **لان الوقف لایملک**، ہاں امام مذکور کو جب تک وہ اس خدمت پر مامور ہے شرط واقف کے مطابق [۳] اس مکان میں رہائش کا حق حاصل ہے۔

---

۱) کما فی تنویر الأبصار مع رد المحتار: ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٤٥، طبع رشيديه كوئته۔ وفيه أيضاً جعل الواقف الولاية لنفسه جاز بالاجماع وكذا لو لم يشترط لاحد فالو لاية له عند الثاني وهو ظاهر لامذهب نهر خلافا لما نقله المصنف ثم لوصيه ان كان والا فللحاكم ص ٥٨٢ ج ٦۔

۲) كما في تنوير الأبصار مع رد المحتار: فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
هكذا في الشامية: (قوله لا يملك) أى لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه كتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبويوسف بين قوله موقوفة وقوله موقوفة على فلان، ج ٦ ص ٥٣٩، رشيديه كوئته۔ هكذا في البحر الرائق: ان الوقف لا يملك ولا يباع، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٣٤٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) كما في در المختار: شرط الواقف كنص الشارع كتاب الوقف ، ج ٤، ص ٤٣٣، سعيد كراچى
هكذا في الشامية ، ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص ، كتاب الوقف مطلب ما خالق شرط الواقف، الخ ، ص ٧٦٠، ج ٦، رشيديه ، كوئٹه۔
هكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ويبدأ من غلته بعمارته ...... ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام المسجد ومدرس كتاب الوقف، ج ٥ ص ٥٦٣، مكتبه رشيديه۔
هكذا في الشامية: قال في الحاوى القدسى، والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف، أى من غلته عمارته شرط الواقف أولاً ثم ما هو أقرب الى العمارة۔

(۲) مسجد شریف کی جب تک کوئی آمدنی نہیں ہے اور لوگ وقتی طور پر چندہ دے دیا کرتے ہیں۔ تو اس چندہ کی رقم کو مکان مذکور پر خرچ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ چندہ دہندگان کی صراحۃً اجازت ہو، یعنی ان سے چندہ لیتے وقت یا اس کے چندہ دیتے وقت یہ بات ان پر ظاہر کر دی گئی کہ اس چندہ کو ہم مکان کی مرمت پر خرچ کریں گے اور پھر انہوں نے اس مقصد کے لیے چندہ دیا ہو، یا چندہ دہندگان کی دلالۃً اجازت ہو یعنی ان کے اوپر چندہ لیتے وقت یہ مقصد ظاہر نہ کیا ہو لیکن انہیں خود پتہ ہو اس بات کا کہ یہ لوگ چندہ مذکور مکان کی مرمت پر یا مکان و مسجد دونوں پر خرچ کرتے ہیں، اور پھر بھی چندہ دیتے ہیں، اور مکان پر صرف کرنے سے نہیں روکتے تو یہ چندہ متولی یا انجمن جیسے بھی ضرورت ہو، ان کی اجازت سے مکان کی مرمت پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر چندہ دہندگان نے چندہ کی رقم صرف مسجد پر خرچ کرنے کے لیے دی ہو اسے مکان مذکور پر ہرگز صرف نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) جب تک امامت کے عہدہ پر رہے اسے رہائش کا حق حاصل ہے۔ امامت سے معزول ہونے کے بعد اسے رہائش کا حق نہیں پہنچتا ہے اور ذاتی ملکیت کسی صورت میں بھی نہیں بنا سکتا ہے۔

(۴) اگر امام مذکور مکان کو اپنی ذاتی ملکیت بنانا چاہے تو اہل محلہ و انجمن وغیرہ پر لازم ہے کہ امام مذکور کو امامت کے عہدہ سے معزول کر کے مکان سے اسے نکال دیں۔ بلا وجہ شرعی کے امام مذکور کو معزول کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی جگہ کا غلط استعمال

﴿س﴾
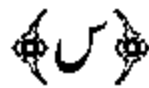
کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جہاں ہم لوگ آباد ہیں وہاں ایک مسجد ہے جس کے آثار قدیمہ یہ بتلاتے ہیں کہ وہ مکمل سکھوں کے وقت کی کٹی ہوئی ہے۔ جس کے آس پاس میں مندرجہ ذیل مکانات جن کے نمبر مندرجہ ذیل معلوم ہوتے ہیں۔ نیز عرض ہے کہ اب تک اس مسجد کا کوئی جھگڑا مسجد کی پیروی کی خاطر نہ حکومت انگریزی میں کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علاقہ تمام تر ہندوؤں کا تھا اور نقض امن کا خطرہ تھا۔ وہاں کے یہی مقامی لوگ بالکل بے ہمت تھے اور امیر لوگوں نے انگریزی حکومت میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ جیسے مسجد کٹی ہوئی تھی ویسے رہی۔ جن مقامیوں کے قبضہ میں آئی، انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ بوجہ نقض امن کے خطرہ کے اب چونکہ پاکستان کا قیام ہو گیا اور ہم مہاجرین وہاں کثرت سے آباد ہیں اور جگہ کی بہت تنگی ہے اور جو لوگ مقامی مسجد کے متولی بنے ہوئے ہیں انہوں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور دوکانوں وغیرہ کا کرایہ کھا رہے ہیں اور لالچ کی وجہ سے مسجد کی جگہ روک رکھی ہے۔ التماساً عرض ہے کہ مسجد کی اللہ واسطے پیروی

کرتے ہوئے ان مکانوں کے الاٹ منٹ کر کے مسجد کو برآمد کر دیا جائے اور اس کی شہادت کے لیے موقع کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔

موقع کی داد دیتے ہوئے حق دار مسجد کے حق رسی فرما سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے مسجد پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ان سے بھی خالی کرایا جائے۔

﴿ج﴾

واقعی[1] اگر یہ زمین پہلے قدیم سے مسجد کا ٹکڑا ہے اور اس کا ثبوت ہو جائے تو وہ لازماً مسجد کو واپس دی جائے گی مسجد ہو جانے کے[2] بعد قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے۔ وہ کسی طرح مسجد سے نکل نہیں سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

۱) كما في العالمكيرية: الوقوف التي تصادم أمرها ومات وارثها ومات الشهود الذين يشهدون عليها، فإن كانت لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها فإذا تنازع أهلها فيها اجريت على الرسوم الموجودة في دیوانهم وان لم تكن لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها تجعل موقوفة فمن اثبت هي ذلك حقا قضي له به هذا حكمه اذا لم تبق ورثة الواقف، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۹، مكتبه رشيديه كوئته۔

وفيه أيضاً: وتقبل الشهادة على الشهادة في الوقف وكذا شهادة النساء مع الرجال كذا في الظهيرية، وكذا الشهادة بالتسامع فلو أنهما شهدا بالتسامع وقالا نشهد بالتسامع تقبل شهادتهما وان صرحا به لأن الشاهد ربما يكون سنة عشرين سنة وتاريخ الوقف مائة سنة فيتيقن القاضي ان الشاهد يشهد بالتسامع لا بالعيان، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۸، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند والإمام والثاني ابداً الى قيام الساعة وبه يفتي، كتاب الوقف، ج ٦ ص ۵۵۰، مكتبه رشيديه كوئته۔

هكذا في البحر الرائق: وقال أبويوسف هو مسجد أبداً الى قيام الساعة ...... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، مكتبه رشيده كوئته۔

هكذا في العالمكيرية: أما على قول أبي يوسف ...... وان خرب واستغنى عنه أهله لا يعود الى ملك الباني، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ۲ ص ۴۵۸، مكتبه رشيديه كوئته۔

وضوخانے کے اوپر چوبارہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد شریف کے ایک کونے میں حجرہ، وضوکا مٹ، کنویں کی جگہ، نہانے کی جگہ، طہارت کی جگہ بنی ہوئی ہے اس کے اوپر چوبارہ بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ چوبارہ کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔ نیز اس چوبارہ پر مرد عورت دونوں رہ سکتے ہیں یا نہیں۔

نوٹ: یاد رہے کہ حجرہ، وضوء کی جگہ، کنویں کی جگہ، نہانے کی جگہ اور طہارت کی جگہ ابتداء سے مسجد شریف کے اکٹھے بنوائے تھے۔

فدوی حق نواز متولی مسجد

﴿ج﴾

حجرہ برائے سکونت امام مسجد نیز غسل خانہ طہارت خانہ، وضواور کنویں کی جگہ جب ابتداء ہی میں مسجد کے ساتھ متصل بنائی گئی ہیں۔ تو بلاشبہ یہ وقف علی المسجد ہے۔ مسجد نہیں اور نہ اس زمین کو مسجد کی حرمت حاصل ہے جو نماز کے لیے مخصوص ہے[1]۔ لہٰذا اس جگہ پر بلاشبہ مکان مسجد کے مصالح کے لیے بنایا جا سکتا ہے۔ اس کا کرایہ[2] مسجد پر صرف کیا جاوے گا۔ اس میں ہر مرد وعورت سکونت کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) كما في العالمكيرية: ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، ج ٢ ص ٤١٤، مكتبه بلوچستان بك ڈپو۔

۲) كما في البحر الرائق: قال في الخلاصة وهذا دليل على ان المسجد اذا احتاج الى نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٣٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في العالمكيرية: وسئل النجندى عن قيم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به ان شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢٠، مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

مسجد کی زمین سے راستہ نکالنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے زمین خریدتے وقت ایک کنال زمین وقف برائے مسجد کردی ظاہراً اس کی کچھ حد بندی نہیں کی گئی۔ چونکہ یہ زمین وقف شدہ سڑک کے ملحقہ ہے تو اسی ملحقہ وقف شدہ میں سے راستہ نکالنا یا کوئی اور ردوبدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شرعاً تفصیل سے تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خریدتے وقت ایک کنال زمین معلوم سڑک کے ساتھ ملحقہ وقف کرنے سے وقف صحیح ہوجاتا ہے اس لیے کہ یہ مقرر و معلوم [1] ہے اور چونکہ خالی زمین ہے اور اس کا راستہ سڑک کی طرف ہے۔ اس لیے یہ وقف زمین برائے مسجد مع الطریق ہے جو صحیح ہے اور [2] بنابرقول امام ابویوسف رحمہ اللہ کہ **وقفته مسجدا** یعنی میں نے اس کو وقف برائے مسجد کردیا سے وقف لازم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد رجوع کرنے اور اس میں ردوبدل کرنے کا اختیار واقف اور نہ کسی اور کو حاصل ہوتا ہے۔ اس وقف مذکورہ میں سے راستہ نہیں نکال سکتا اور فتویٰ [3] بھی امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر دیا گیا ہے۔ **کما قال [4] الکنز ص ۲۲۶. من بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویاذن للناس بالصلوٰة فیه فاذا صلی فیه واحد زال ملکه و فی الدر المختار مع شرحه الشامی ج۳ص ۴۰۵–۴۰۴ (ویزول [5] ملکه عن المسجد و المصلی) بالفعل و (بقوله جعلته مسجدا) عندالثانی (وشرط محمد) والامام (الصلوة فیه) بجماعة وقیل یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة. وقال الشامی [6]**

---

۱) كما في الدر المختار: وشرطه شرط سائر التبرعات ...... وأن يكون قربة في ذاته معلوماً ...... حتى لو وقف شيئاً من ارضه ولم يسمه لا يصح ولو بين بعد ذلك، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٦ ص ٥٢٢، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) كما في البحر الرائق: وقال أبويوسف يزول ملكه بقوله جعلته مسجداً لأن التسليم عنده ليس بشرط كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٦، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
هكذا في الدر المختار مع ردالمحتار۔ ويزول ملكه عن المسجد والمصلى باالفعل ، وبقوله: جعلته مسجدًا عندالثانى، كتاب الوقف، فضل في احكام الصحيح، ص ٤١٦، ج ٥، مكتبه رشيديه۔

۳) كما في الشامية: وفي الدر المنتقى، وقدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسف وعلمت أرجحية في الوقف والقضاء كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

٤) كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

٥) كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٦، مكتبه رشيديه۔

٦) كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

تحته وفی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایة وغیرها قول ابی یوسف رحمہ اللہ وعلمت ارجحیته فی الوقف والقضاء. الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے صحن میں کرایہ کے لیے حجرہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کہ محلہ قائم والا میں نزد قبرستان تعمیر ہے۔ اس مسجد کے صحن میں جہاں عبادت کی جاتی ہے کیا اس صحن کے اندر حجرہ بغرض کرایہ وغیرہ تعمیر ہو سکتا ہے۔ جبکہ دو عدد حجرے اس سے پہلے مسجد کی ملکیت میں موجود ہیں اور وہ دونوں حجرے -/۳۰ روپے ماہوار کرایہ پر چل رہے ہیں۔ نقشہ مسجد بھی پیش خدمت ہے۔ اور مطابق نقشہ موقع بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

زمین کا جو حصہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکا ہے اور نماز کے لیے [1] اس کو مختص کیا گیا ہے۔ اب کسی بھی غرض کے لیے اس حصے کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے حجرہ کو دکان بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک مسجد جو کہ برلب سڑک ہے اور اس کا حجرہ بھی سڑک پر ہے۔ کیا اس کا دروازہ سڑک کی طرف نکال کر اس میں امام مسجد اپنا کاروبار کر کے اس مسجد کو آباد کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد میں بے رونقی رہتی ہے۔ برائے مہربانی مسئلہ کا جواب دے کر مشکور فرماویں۔

---

۱) کما فی العالمکیریة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز، والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۶۳، مکتبه بلوچستان، بکڈپو، کوئٹه۔ هکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبی: لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، مکتبه رشیدیه۔ کذا فی قاضی خان، ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد وفنائه، قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً او مستغلاً، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۳، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد کے حجرہ کو نمازیوں کے مشورہ سے دکان [1] کی ہیئت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس دکان کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا نہ ہو۔ پھر اس دکان کو امام مسجد یا کسی اور نیک آدمی کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ امام سے کرایہ نہ لیں۔ یا کم کرایہ لیں یا مناسب لے کرا تنا یا اس سے کم وبیش تنخواہ میں اضافہ کر دیں سب جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

مسجد کی اشیاء کو کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کی ملکیتی اشیاء غیر منقولہ مثلاً مکان دکان اور منقولہ مثلاً لاؤڈ سپیکر شامیانے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسجد کی وہ ملکیتی اشیاء جو بناتے وقت کرایہ پر دینے کا ارادہ بھی ہو اور مسجد کے لیے [2] سامان دینے والوں نے دیتے وقت کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہو۔ تو وہ سامان کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اگر بناتے وقت کرایہ پر دینے کا ارادہ نہ ہو اور اسی طرح اگر معطین نے اجازت نہ دی ہو تو پھر کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

مسجد کے صحن کو مدرسہ میں تبدیل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مانسہرہ شہر کی قدیم ترین مساجد میں سے ایک مسجد میاں والی ہے۔

---

۱) کما فی العالمکیریة: سئل عن قیم المسجد یبیع فناء المسجد لیتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال اذا کان فیه مصلحة للمسجد فلا بأس به کتاب ناقابل فهم ج ۵ ص ۳۲۰، رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما فی الدر المختار: قولهم شرط الواقف کنص الشارع، أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، کتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٦٤، مکتبه رشیدیه۔

کذا فی الشامیة: وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص ...... فیجب اتباعه کتاب الوقف، مطلب مما خالف شرط الواقف، ج ٦ ص ٧٦٠، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی العالمکیه: ولایجوز تغیر الوقف عن هیئة فلا یجعل له دارالبستانا، کتاب الوقف، البارب الرابع عشر، ص ٤٩٠، ج ٢، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

آج سے تقریباً دو تین سال قبل اس مسجد میں ایک مولوی صاحب بحیثیت امام مقرر ہوئے۔ ان کے تقرر کے کچھ عرصہ بعد مسجد مذکور کے متولی ایک خان صاحب تھے کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد مسجد کی عمارت میں تبدیلی کی گئی۔ جو حسب ذیل ہے۔ مسجد کے صحن جس پر جو سردیوں میں دھوپ میں باجماعت نماز ہوتی تھی اس صحن کو کھود کر ایک تہ خانہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اس تہ خانہ میں دو رہائشی حجرے اور طلبہ کے لیے درس گاہ بنائی گئی ہے۔ اور وضوخانہ بھی بنایا گیا۔ یہ تبدیلی موجودہ امام صاحب کے پرزور اصرار پر لائی گئی ہے۔ تو کیا یہ تبدیلی شرعاً درست ہے؟ اور مسجد کے کسی حصہ کو کسی اور کام کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

مسجد کا جو حصہ سردیوں میں نماز کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اگر یہ حصہ واقعی مسجد ہی کا صحن تھا عرفاً اور مسجد کی انتظامیہ اس حصہ کو مسجد ہی سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ مسجد کا معاملہ کرتے رہے تو یہ حصہ اب بھی مسجد ہے اور کسی (۱) بھی مصلحت کے لیے اس کو مسجد سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر رہائشی کمرے اور وضوخانہ بنانا درست نہیں۔ البتہ اگر یہ حصہ (۲) مسجد کا باقاعدہ حصہ اور صحن نہ تھا تو یہ تصرف درست ہے۔ مقامی طور پر علماء موقع پر جا کر تحقیق کر کے شرعی حکم صادر فرماویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حجرہ مسجد کی حیثیت تبدیل کرنا

﴿س﴾

علماء کرام ومفتیان دین متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں۔ نقشہ بالا کے مطابق ایک مسجد کا نقشہ

---

۱) كما في رد المحتار: وبه صرح في الأسعاف، واذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجداً، قال في البحر وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى (وان المساجد لله) كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٧، ايچ ايم سعيد كراچی۔ كذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد۔
كذا في الشامية: على أنهم صرحوا بأن مرعاة غرض الواقفين واجبة ...... وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي، لأنه صار حقيقة عرفية في هذا المعنى، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارة، مطلب غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراچی۔

۲) كما في الهندية سئل الجنجندي: عن قيم المنجد ...... المسجد ليتجر القيوم هل له هذه للاباحة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا باس به انشاء الله، كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المنجد، ص ٣٢٠، ج ٥، رشيديه كوئٹه۔
هكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ص ٣٣٩، ج ٥، رشيديه كوئٹه۔

ہے کیا حجرہ امام، مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ ابتدائی بناتے مسجد میں اس کو بطور حجرہ کے برائے رہائش امام وغیرہ ضروریات مسجد کے لیے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ امام اور اس کے مہمانوں کی رہائش اور جوتا سے چلنا پھرنا اور جنابت کی حالت میں سونا وغیرہ امور اس میں سرانجام پاتے تھے۔ اور بلا کسی کے انکار کے یہ عمل آج تک جاری رہا۔ اب متولی مسجد چاہتا ہے کہ حجرہ کا دروازہ شارع عام کی طرف جو بازار ہے۔ نکال کر اس سے مسجد کی آمدنی کے لیے کرایہ پر کسی دکاندار کو دیا جاوے اور اس کے اوپر امام کی رہائش کے لیے حجرہ بنا دیا جائے۔ اگرچہ امام کی رہائش کے لیے جنوبی جانب کو کمرہ موجود ہے۔ اور جنوبی جانب کمرہ طلبہ پر بالاخانہ بھی موجود ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اوپر کمرہ بنانا چاہتا ہے۔ البتہ نیچے کے حجرہ کو صرف مسجد کی منفعت کی خاطر دکان بنا کر کرایہ پر دینا چاہتا ہے۔ کیا متولی کے لیے یہ تصرف جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جب کہ صورت مسئولہ میں حجرہ مذکورہ بالا مسجد کے حکم میں نہیں ہے بلکہ مسجد کی ضروریات کے لیے وقف علی المسجد ہے۔ تو اس کو سجدہ گاہ کی شرافت مخصوصہ اور عظمت حاصل نہیں۔ اور اسے مسجد کی ضروریات کے پیش نظر کرایہ[1] پر دکان کے لیے دینا جائز ہے۔ نیز اس حجرہ کا دروازہ شارع عام کی طرف نکالنا لازم ہے۔ شارع عام اور بازار میں ہر ایک مکان کا دروازہ نکالا جا سکتا ہے۔ کسی کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ بلکہ یہاں تو امام کی رہائش گاہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا دروازہ شارع عام کی طرف ہونا چاہیے تاکہ مسجد کے صحن[2] میں اس کا راستہ

---

۱) کما فی الهندية: سئل الخجندى عن قيم المسجد يبيح فناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به ان شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢٠، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا فى البحر الرائق: قال فى الخلاصة، وهذا دليل على أن المسجد اذا احتاج الى نفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف ج ٥ ص ٣٣٩، مكتبه رشيديه۔

۲) كما فى الهندية: ان أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وانه صحيح، كذا فى المحيط، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، ج ٢ ص ٤٥٧، رشيديه كوئته۔
وفيه أيضاً ولو كان الى المسجد مدخل من دار موقوفة لا بأس للامام أن يدخل للصلوٰة من هذا الباب، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، ص ٣٢٠، ج ٢، رشيديه كوئته
وفيه أيضاً دار لمدرس المسجد مملوكة ......متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته باباً الى المسجد ...... فقالوا ليس له ذلك كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢٠، رشيديه كوئته۔

نہ گزرے۔ مسجد کے صحن کو ہمیشہ کے لیے راستہ بنانا خلاف ادب مسجد ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کے دالان کو کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے متصل ایک حجرہ ہے جس کا صحن یا دالان بھی تھا۔ جہاں جوتے اتارا کرتے تھے۔ پھر جب تنگی محسوس ہوئی۔ تو رمضان شریف میں اس جگہ فرش لگا لیا گیا۔ تاکہ وہاں افطاری بھی کرلیا کریں۔ اور نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ اب حجرہ کو مع دالان کے کرایہ پر دینا یا استعمال کرنا درست وجائز ہے یا نہیں۔ فقط والسلام۔ بینوا توجروا۔ من جانب چوہدری صابر علی قاسم بیلا۔

﴿ج﴾

جائز نہیں۔ لما فی عالمگیری [1]. **لایجوزان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وھذا لا یجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی** ۔ فناء مسجد کی حرمت اور کرامت اس طرح فوت ہو رہی ہے اس لیے ایسا کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۶۲، مکتبه بلوچستان بك ڈپو۔

ھکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبی لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه، کتاب الوقف فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۸، رشیدیه کوئٹه۔

کذا فی فتاوی قاضی خان: ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد وفی فنائه، قال الفقیه أبو اللیث: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۳، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

کما فی الهندیة: سلطان اذن لقوم أن یجعلوا أرضاً من أرض البلد حوانیت موقوفة علی المسجد وأمرهم أن یزیدوا فی مساجدهم، ینظر ان کانت البلدة فتحت عنوة یجوز أمره اذا کان لا یضر بالمارة لأن البلد اذا فتحت عنوة صارت ملکاً للغزاة فجاز أمر السلطان فیها، کتاب الوقف، الباب فی المساجد، ج ۲ ص ۴۵۷، رشیدیه کوئٹه۔

کذا فی التاتار خانیه: کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ۵ ص ۸۴۳، ادارة القرآن کراتشی۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۷، رشیدیه کوئٹه۔

مسجد کے درمیان سے سڑک نکالنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں جس کے حالات یہ ہیں۔ ہم مشرقی پنجاب سے مہاجر ہیں، ۱۹۴۸ء سے موضع پیلاں میں آباد ہیں جس محلہ میں ہم آباد ہیں، اس میں کوئی مسجد نہیں کیونکہ یہ تمام محلہ ہندو آبادی کا تھا۔ اس وجہ سے ہم مہاجرین نے چندہ کر کے متروکہ ایک پلاٹ پر مسجد تعمیر کر لی اور باقاعدہ نماز شروع کر لی۔ اس مسجد میں روزانہ پنجگانہ نماز باجماعت ادا ہوتی ہے۔ مسجد آباد ہے اب محکمہ پی ڈبلیو ڈی اس مسجد کے درمیان ایک سڑک گزارنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے مسجد شہید ہوتی اور برباد ہوتی ہے۔ نوٹ مسجد ۱۹۴۸ء سے تعمیر شدہ ہے اور سڑک بعد میں نکالی جارہی ہے۔ مسجد مہاجرین نے تعمیر کی ہے اور اب بھی مہاجر قابض ہیں۔ مسجد متروکہ جائداد پر بنی ہوئی ہے۔ جس وقت مسجد بنائی گئی یہ پلاٹ کسی کو الاٹ نہیں ہوا۔ کیا اس مسجد کو شہید کر سکتے ہیں، اور کسی دوسری جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس مسجد کو شہید کر کے دوسری جگہ بنا سکتے ہیں تو کیا شرائط ہیں۔ مفصل جواب عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

سردار نشتر مرحوم جب پنجاب کے گورنر تھے انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ جو مسجدیں متروکہ اراضی میں بلا اجازت بنائی گئی ہیں میں ان کی [1] اجازت دیتا ہوں اور انہیں درست تسلیم کرتا ہوں۔ گورنر مرحوم کے اس اعلان کے بعد ضلع میانوالی جو سابق پنجاب کا حصہ تھا۔ کی مسجدیں بھی جائز بن چکی تھیں۔ اور وہ [2] قیامت تک مسجدیں رہیں گی۔ ان میں کسی قسم کی مداخلت کرنا جائز نہیں [3]۔ عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ وہ ہر قیمت پر اس جائز مسجد کی حفاظت کریں اور شہید نہ ہونے دیں۔ قانونی چارہ جوئی بھی جہاں تک ہو سکے کی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) كذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، احكام المسجد ص ٨٤٣، ج ٥، ادارة القرآن كراتشي۔
وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، ص ٤١٧، ج ٥، رشيديه۔

۲) كما في الدر المختار: يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداًالي قيام الساعة وبه يفتى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد كراتشي۔ ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) كما قال الله تعالى: وتعاونوا على البر والتقوى الخ، المائدة۔
هكذا في أحكام القرآن، ان الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان في الأمور الواجبة فعلاً أوتركاً على القادر عليها، ج ٢ ص ٥٧، ظفر أحمد عثماني۔ هكذا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى منكم منكراً فليغيره ...... فإن لم يستطع فبلسانه، رواه الترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر باليد أو بلسان أو بالقلب، ج ٢ ص ٤٠، طبع سعيد كراتشي۔

زبانی وقف برائے مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے زبانی کلامی دو آدمیوں کے سامنے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ چار کنال زمین میں مسجد کے لیے دیتا ہوں۔ اس بات کو کیے ہوئے تقریباً عرصہ دو سال ہو چکا ہے اور کوئی تحریر وغیرہ نہیں کی۔ اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ وقف کرنے والے نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اس کی قبر مسجد میں جوتیوں کی جگہ بنا دینا وصیت کے مطابق قبر بنا دی گئی۔ مسجد کی کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔ صرف جگہ کا تعین اور تھڑا بنا دیا گیا ہے اور ایک طرف ناکا لگا دیا گیا ہے اور قبر بنانے کے بعد اس دن سے وہاں چار اذانیں اور نماز با جماعت ہوتی ہے اور بچے بھی پڑھتے ہیں تو کیا شرعاً یہ جائز ہے۔ اگر جائز نہیں تو کیا اس صاحب قبر کا بیٹا ملحقہ زمین سے پانچ مرلے زمین دے دے۔ تو کیا نعم البدل ہو جائے گا۔ تا کہ قبر وہیں رہ سکے اور بعد میں اس جگہ صاحب واقف کے وارث یا غیر آدمی دفن کیے جا سکیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت [1] واقعہ زبانی وقف کرنے سے بھی وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہوگئی۔ اب اس معین جگہ میں واقف کو دفنانا درست نہیں تھا [2]۔ اب جبکہ قبر بن گئی ہے تو اب میت [3] کو

---

۱) كما في الدر المختار: ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً عند الثاني، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٤٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في البحر الرائق: وقال أبويوسف: يزول ملكه بقوله جعلته مسجداً لأن التسليم عنده ليس بشرط، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في الشامية: وعند أبي يوسفؒ يزول بمجرد المقول، كتاب الوقف، مطلب اذا وقف كل نصف على حدة، ج ٥ ص ٥٤٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في رد المحتار: ومقتضاه أنه لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبني مدرسة ونحوها، ويبني له بقربها مدفناً، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت، ج ٣ ص ١٦٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في العالمكيرية: وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعة الى العباد، فليزم ولا يباع ولا يورث ولا يوهب، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، رشيديه كوئته۔ هكذا في الشامية: قال ابن عابدين: (قوله لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه أولا يملك، أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔

۳) كما في الدر المختار: ولا يخرج منه بعد اهالة التراب، الا لحق ادمي كأن تكون الأرض مغصوبا كتاب الصلوة، باب الجنائز، ج ٣ ص ١٧٠، مكتبه رشيديه كوئته۔
هكذا في فتح القدير: ولا ينبش بعد اهالة التراب لمدة طويلة ولا قصيرة الا لعذر ...... والعذر أن الأرض مغصوبة، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل في الدفن، ج ٢ ص ١٠١، مكتبه رشيديه كوئته۔

وہاں سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ واقف کا بیٹا اگر اس کے ساتھ ملحقہ اراضی قبرستان کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے صحن میں اسکول کی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کچھ عرصہ قبل مسجد کو اس کا ملحقہ حصہ وقف کیا گیا۔ جہاں وضوخانہ بھی رہا۔ بعد میں وضوخانہ کو تبدیل کر دیا گیا۔ وہاں ایک عدد برآمدہ اور چھوٹا سا سٹور بھی مسجد کے سامان کے لیے بنایا گیا۔ برآمدے کے بنانے کی غرض وغایت صرف قرآن مجید کی تعلیم اور عربی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔ انتظامیہ مسجد کے تبدیل ہونے کے ساتھ اس برآمدہ کو پرائمری سکول کھول کر استعمال کیا جا رہا ہے۔ جبکہ اس اسکول (یعنی برآمدہ) میں بچوں کے آنے کا متبادل راستہ بھی نہیں ہے۔ ان کا آنا جانا مسجد سے ہوتا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ وقف شدہ رقبہ پر مسجد کے مفاد کے علاوہ تعمیر وغیرہ کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو تعمیر شدہ برآمدہ کو گرا دینا چاہیے یا نمازیوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اس برآمدہ میں پرائمری کا شعبہ قائم کرنا چاہیے یا ختم کرنا چاہیے؟ قائم کرنا چاہیے تو کن وجوہ کی بنا پر۔ شرعی نقطہ نگاہ سے آگاہ فرمایا جاوے مسجد کی حرمت اور اس کی بقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے وضاحت فرمائی جاوے۔

﴿ج﴾

مسجد کے لیے وقف شدہ اراضی کو مسجد ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے۔ اس میں بچوں کے لیے سکول جاری کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد میں توسیع کے بجائے اسکول کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مالک مکان نے اپنے مکان میں سے مکان کے متصل جامع مسجد کی توسیع کے لیے کچھ زمین مفت اور کچھ زمین معمولی قیمت پر مسجد کے امام کو دے دی تا کہ مسجد میں توسیع کر سکے۔ اس مقصد کے لیے مسجد والوں نے بھی کچھ کام کیا اور مٹی ڈال کر تھلہ سا بنا دیا۔

اب معلوم ہوا ہے کہ امام صاحب مسجد کی توسیع کے بجائے بچوں کا سکول بنانا چاہتے ہیں جب کہ مالک

مکان نے مخالفت کی ہے اور اپنی دی ہوئی زمین واپس لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تو مالک مکان دی ہوئی زمین واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ اس رقبہ پر صرف مسجد (۱) کی تعمیر درست ہے۔ اس رقبہ (۲) پر بچوں کے لیے سکول بنانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضوخانے کی بجائے دکانوں کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دامت برکاتہم اس مسئلہ میں کہ مسجد شریف کی وہ جگہ جہاں وضوء کیا جاتا ہے جب سے مسجد شریف بنی ہے اسی دن سے اس جگہ ٹوٹیاں وغیرہ لگائی گئی ہیں۔ اگر نمازی زیادہ ہو جاویں تو سقاوے والی جگہ نماز بھی پڑھ لی جاتی ہے، اب مسجد شریف کی آمدنی کے پیش نظر اس جگہ پر دکانات تعمیر کر لی جاویں تو کیا یہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

﴿ج﴾

بانی مسجد یا اہل محلہ کو یہ حق ہے کہ وہ مسجد یا مسجد کے مصالح میں مسجد کے لیے مفید تصرفات کر سکتے ہیں وضوء

---

۱) كما في الشامية: على انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... وجب العمل بما اراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي، كتاب الوقف، فصل يراعي شرط الواقف في اجازة مطلب غرض الواقفين واجبة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراچي۔
هكذا في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، سعيد كراچي۔
وفيه أيضاً: فاذاتم ولزم لا يملك ولا يملك ولايعار ولا يرهن، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، سعيد كراچي۔

۲) كما في حلبي كبير: وهاهنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن ادخال ...... وعن المرور فيها لغير ضرورة ...... وادخال المجانين والصبيان لغير الصلوة ونحوها، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٦١٠، سعيدى كتب خانه كوئٹه۔
وفيه أيضاً وروى عبد الرزاق ...... عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم الخ كتاب الصلوة فصل في احكام المسجد، ج ١، ص ٦١١، سعيدى كتب خانه، كوئٹه، ومثله في العالمكيرية: والرابع عشر أن يتنزه عن النجاسات والصبيان، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢١، رشيديه۔

اور پانی کا مقام جب ابتداء بنا کے وقت مخصوص کر دیا ہے تو وہ مسجد نہیں بلکہ وہ وقف علی المسجد ہے اس لیے اس میں دکان وغیرہ بنانا جائز ہے جبکہ مصلحت اسی میں ہو[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مسجد کے نچلے حصے میں دکانیں بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر مسجد کو گرا کر شہید شدہ مسجد کی سطح کو اونچا کر کے نیچے دکانات بنا کر اور اوپر چھت ڈال کر مسجد کے ساتھ ملا دیا جائے۔ تو کیا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف محمدی مسجد شریف کی شہید شدہ جگہ جو کہ سجدہ گاہ رہی ہو کیا وہاں پر دکانات تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ یا مسجد کی سجدہ گاہ کی جگہ جدید تعمیر اور مرمت کے بعد دوبارہ مسجد ہی تعمیر کی جا سکتی ہے؟ وہاں اور کوئی چیز تعمیر نہیں کی جا سکتی؟

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے تحت الثریٰ سے لے کر عنان السماء تک مسجد ہی رہے گی۔ مسجد میں ایک دفعہ داخل کرنے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کرنا اس میں دکانیں بنا کر ان کی چھت پر مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ الغرض کسی بھی ضرورت کے لیے اب اس جگہ کو مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی البحر ج۵ ص ۲۷۱ کتاب الوقف لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لایضر فی کونہ مسجدا لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتا للامام اوغیرہ ھل لہ ذلک قلت فی التتار خانیۃ اذا بنی مسجدا و بنی غرفۃ و ھو ای المسجد فی یدہ فلہ ذلک و ان کان حین بناہ خلی بینہ وبین الناس ثم جاء بعد

---

۱) کما فی الھندیۃ: أرض وقف علی مسجد والأرض بجنب ذلک المسجد وأرادوا أن یزیدوا فی المسجد شیئاً من الأرض جاز ...... ومستغل الوقف کالدار والحانوت، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ۴۵۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

ومثلہ فی البحر الرائق: قال فی الخلاصۃ: وھذا دلیل علی أن المسجد اذا احتاج الی نفقۃ تواجر قطعۃ منہ بقدر ما ینفق علیہ، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۳۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

ھکذا فی العالمکیریۃ: وسئل الخجندی عن قیم المسجد یبیح فناء المسجد لیتجر القوم ھل لہ ھذہ الإباحۃ فقال اذا کان فیہ مصلحۃ للمسجد فلا بأس بہ ان شاء اللہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج ۵ ص ۳۲۰، مکتبہ علوم اسلامیہ چمن بلوچستان۔

ذلک یبنی لایترکه و فی جامع الفتاویٰ اذا قال عنیت ذالک فانه لایصدق (البحرالرائق[1] ج ۵، ص ۲۷۱، کتاب الوقف) قال شارح التنویر لانه مسجد الی عنان السماء وفی الشامیة و کذا الی تحت الثری (ردالمحتار[2] ج۱ص۴۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محراب کو پیچھے کرنا

﴿س﴾

مسجد کے کمرے میں امام کا محراب کو پیچھے کرنے کا ارادہ ہے۔اس طرح محراب کی مقدار اگلی صف میں کچھ حصہ امام کی محاذاۃ میں ہو جائے گا۔اور جماعت کے وقت استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔اب اس حصہ میں مسجد کے سامان کے لیے سٹور بنانے کا ارادہ ہے۔کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ج﴾

جو جگہ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو گئی ہے۔اب اس کو کسی اور چیز کے لیے استعمال کرنا درست نہیں اگر چہ اس سے نمازیوں پر تنگی کا خطرہ نہ ہو۔لیکن ما اعدّ للصلوٰۃ کو مشغول کرنا جائز نہیں[3]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وفیه أیضاً وقال أبو یوسفؒ هو مسجد أبداً الی قیام الساعة ...... وهو الفتوی، کتاب الوقف ص ٤٢١، رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی : وهو مسجد أبداً علی حاله، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ٥ ص ٨٤٦، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة۔

۲) کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ۲ ص ٥١٦، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی التاتارخانیه: وفی الجامع الصغیر رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه فإنه لا یصیر مسجداً حتی لو مات یورث عنه وله أن یبیعه حال حیاته، کتاب الوقف، احکام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی۔ هکذا فی فتح القدیر: قال الله تعالی: وان المساجد لله مع العلم بأن کل شیء له فکان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه عنه وهو منتف فیما ذکر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٤٤، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کما فی الشامیة: لأن المسجد لا یخرج عن المسجدیة أبداً، کتاب الوقف، مطلب جعل شیء من المسجد طریقاً، ج ٤ ص ٣٧٩، مکتبه سعید کراچی۔
هکذا فی العالمکیریة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ۲ ص ٤٩٣، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔هکذا فی البحر الرائق: وفی المجتبی:لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فنائه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی الشامیة: لو غرس شجرة للمسجد ...... فرد علیه بأنه لا یلزم من ذالك حل الغرس الا لعذر المذکور، لأن فیه شغل ما أعد للصلوة ونحوها، وان کان المسجد واسعاً، کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج ۲ ص ٥٢٥، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

مسجد کی چار دیواری کے اندر امام کا گھر بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چار دیواری کے اندر مسجد کے چندہ کے ساتھ امام مسجد اپنے بال بچوں کے رہنے کے واسطے مکان تیار کرا سکتا ہے۔

﴿ج﴾

جو جگہ ایک دفعہ مسجد میں شامل کی گئی ہے اس میں مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں [۱] مسجد کے دیگر رقبہ میں مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے باہمی فیصلہ سے چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد کے چندہ سے مکان کی تعمیر کرنا جائز ہے [۲]۔ جبکہ واقف نے اس زمین کو مسجد اور اس کے مصالح وغیرہ کے لیے وقف کیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی الخانية: ولو أن قيم المسجد أراد أن يبنى حوانيت فی حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً، کتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۳، مکتبه رشيديه کوئته۔

هکذا فی فتح القدير: والمسجد خالص لله تعالی ليس لأحد فيه حق قال الله تعالی وان المساجد لله، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٤٤، مکتبه رشيديه کوئته۔

هکذا فی الدر المختار: ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سکنی، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد کراتشی۔

۲) کما فی الشامية: علی انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة وجب العمل بما أراده ولا يجوز صرف اللفظ، عن مدلوله العرفی، کتاب الوقف، فصل يراعی شرط الواقف فی اجازة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد کراتشی۔

کذا فی تبيين الحقائق: اذا کان تحته شیء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز لأنه اذا انتفع به عامة المسلمين صار ذلك لله تعالی ...... لو جعل تحته حانوتاً وجعله واقفاً علی المسجد قيل لا يستحب ذلك، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٢٧١، مکتبه دار الکتب العلمية بيروت۔

هکذا فی الدر المختار: شرط الواقف کنص الشارع، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، سعيد کراتشی۔

وفيه أيضاً: لو بنی فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعيد کراتشی۔

هکذا فی الهندية: والأصح ما قال ظهير الدين أن الوقف علی عمارة المسجد وعلی مصالح المسجد سواء، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، مطلب الوقف علی عمارته ومصالحه سواء، ج ٢ ص ٤٦٢، مکتبه رشيديه کوئته۔

مسجد کے حصے کے علاوہ جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جامع مسجد میں عرصہ دو تین سال سے ٹیوب ویل وغسل خانے وطہارت خانے وجائے وضو عوام کے چندہ سے کافی رقم خرچ کر کے تعمیر کیے گئے تھے۔ اور ساتھ ہی پیشتر ازیں ایک حجرہ جو مسجد کی حدود میں عرصہ ۲۰/ ۲۵ سال سے تعمیر شدہ ہے۔ اور اس میں طلبہ کو قرآنی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس وقت انتظامیہ کے چند ارکان نے حجرہ کو منہدم کر دیا ہے۔ اور ٹیوب ویل وغیرہ کو منہدم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی جگہ پر زیریں منزل پر مدرسہ اور اس کے اوپر بالائی منزل پر مولوی صاحب کا مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں مولوی صاحب معہ اہل وعیال رہائش رکھیں گے۔ اہل محلہ اس امر پر معترض ہیں کہ چندہ بار بار نہیں ہوتا۔ تعمیری اشیاء کو منہدم نہ کیا جائے۔ ونیز مولوی صاحب کی رہائش کے لیے مکان تعمیر کرنا مسجد کے اندر مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکان میں بیت الخلاء وغیرہ کا استعمال بھی ہوگا۔ اور مستورات بھی پڑھیں گی۔ نیز نچلی منزل پر درس قرآن ہوگا۔ کیونکہ سابقہ مدرس کرایہ پر مکان لے کر رہائش رکھتے تھے اور اب مزید چندہ اکٹھا کرنا بھی ناگزیر ہے۔ وجوہات بالا اس تغیرہ وتبدل وجدید مکان بالائی منزل پر تعمیر کے لیے شریعت کیا حکم دیتی ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں مسجد کی منتظمہ کمیٹی مسجد اور مدرسہ کے مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے حجرہ مدرسہ ومسجد میں مناسب ردوبدل کا اختیار رکھتی ہے [1]۔ البتہ مسجد کے کسی حصہ کو مدرسہ میں یا مکان میں داخل کرنا جائز نہیں ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في الهندية: في الكبرى، مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له باباً وأرادوا أن الباب عن موضعه فلهم ذلك، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ٢ ص ٤٥٦، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) هكذا في البزازية: أهل المسجد اذا أرادوا أن يجعلوا المسجد رحبة الخ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ هكذا في الخانية: ولو أن مسجداً بابه على مهب الريح، أيجوز أن يتخذ من غلة المسجد قال الفقيه ان كان...... جاز كتاب الوقف، ج ص ٩٤۔

مسجد والے حصہ میں جوتوں کی جگہ بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عرصہ تقریباً دس بارہ سال پہلے ایک جنے بنائے کوٹھے کو مسجد کی شکل دی گئی تھی اور اس کے بعد اب توسیع کے پیش نظر مسجد مغرب کی جانب تیسری جگہ تعمیر کی جاچکی ہے اس وقت مسجد کا بیرونی دروازہ تنگ ہے اور جوتے رکھنے کی جگہ بالکل نہیں ہے۔ (جیسا کہ نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے) کیا ازروئے شرع محمدیه علی صاحبها التحیة والتسلیم سب سے پہلے کوٹھے والی جگہ پر جواب صحن مسجد کی شکل میں ہے دروازہ اور جوتے رکھنے کی جگہ بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر یہ جگہ ابتداء سے ہی مسجد میں داخل نہ کی جاتی تو اس میں جوتے رکھنے کی جگہ بنانا جائز تھا۔ مسجد میں ایک دفعہ داخل کرنے کے بعد اس میں جوتا رکھنے کی جگہ بنانا اور مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ البتہ دروازہ بنانا جائز ہے۔ بشرطیکہ ما اعد للصلوۃ کو مشغول نہ کیا جائے۔ کیونکہ ما اعد للصلوۃ کو مشغول کرنا جائز نہیں۔ اگر چہ مسجد وسیع بھی ہو۔ **قال فی البحر لوبنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانه لایضر فی کونه مسجد الانه من المصالح فان قلت لوجعل مسجداثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام اوغیره هل له ذلک قلت قال فی التتار خانیة اذا بنی مسجدا و بنی غرفة) وهو (ای المسجد) فی یده فله ذلک وان کان حین بناه خلی بینه و بین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لایترکه و فی جامع الفتاوٰی اذا قال عنیت ذلک فانه لایصدق (البحر الرائق [1] کتاب الوقف ج۵ص ۲۵۱) وفی الشامیة [2] ج ۱ ص ۴۸۹ فی بیان الاشجار فی المسجد ولایضیق علی**

---

۱) کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مکتبه رشیدیه کوئته۔
هکذا فی الدر المختار: أما لو تحت المسجد ثم أراد البناء منع، ولو قال عنیت ذلك لم یصدق، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔
کذا فی الشامیة: وعبارة التاتارخانیة: وان کان حین بناه خلی بینه وبین الناس ثم جاء بعد ذلك یبنی لا یترك أه وبه علم …… وأما لو تحت المسجدیة ثم اراد هدم ذلك البناء فإنه لایمکن من ذلك، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔

۲) کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج ٢ ص ٥٢٥، مکتبه رشیدیه کوئته۔
هکذا فی العالمکیریة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه …… وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ٢ ص ٤٦٢، مکتبه رشیدیه کوئته۔
هکذا فی البحر الرائق: لا یجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فنائه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، مکتبه رشیدیه کوئته۔

الناس (وبعد اسطر) لان فيه شغل ماأعد للصلوة ونحوها وان كان المسجد واسعا. الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں متولی کو دفن کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی شخص نے چندہ جمع کر کے مسجد تعمیر کرائی اور زمین کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کیا کیونکہ اس کا ذاتی مکان مسجد کے ساتھ تھا اور وہ اس مسجد کا متولی بنا رہا جب وہ شخص فوت ہوا تو اس کے وارثوں نے اسے اس مسجد کے ایک کونے میں اپنے مکان کی دیوار کے ساتھ مسجد کے صحن میں دفن کر دیا ہے جس پر کئی لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس کے متعلق فتوی صادر فرماویں۔ آیا یہ صحیح ہے۔ اگر ٹھیک نہیں تو کیا کیا جاوے؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ ان لوگوں کا اپنی میت کو مسجد کے کونہ میں دفن کرنا جائز نہیں تھا[1] لیکن اب جبکہ اس کو دفن کیا گیا ہے۔ تو میت کو وہاں سے نکالا نہ جاوے[2]۔ البتہ بضرورت مسجد اس قبر کو برابر کرنا جائز ہے[3]۔ کمافی فتاوی دارالعلوم ج ۵ ص ۴۰۸ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۲۳/۱۲/۱۳۹۹ھ

مسجد کی جگہ پر کمرہ اور مینار بنانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جہاں مدت سے نماز ادا کی جارہی ہے۔ اس کو شہید

---

۱) كمـا فـي الشـامية: ومقتضاه أنه لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبنى مدرسة ونحوها ويبنى له بقربها مدفناً، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت، ج ۳ ص ۱٦٦، مكتبه رشيديه كوئته۔
ومثله في العالمكيرية: حبس العين على حكم ملك الله على وجه تعود منفعته الى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يورث ولا يوهب، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ۲ ص ۳٥۰، مكتبه رشيديه، كوئته۔
هكذا في الشامية: قال ابن عابدين (قوله لا يملك) أى لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳٥۲، سعيد كراتشي۔ (اگلے ضمیمہ پر ملاحظہ ہو) ص ٤۱۳

کر کے اس کی جگہ کمرہ رہائش اور نمائشی مینار اور وضو کی ٹوٹیاں اور کچھ حصہ باہر سڑک پر چھوڑ دیا گیا ہو اور اوپر کی منزل پر ٹی خانہ وغیرہ بنا دیا گیا ہو اور محراب کو ختم کر دیا گیا ہو اور سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا ہو اور مسجد کو ہٹا کر تعمیر کیا گیا ہو۔ تو کیا مسجد کی جگہ پر جو چیزیں بنائی گئی ہیں وہ درست ہیں اور ان کو استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے۔ اب اس کو مسجد سے خارج کرنا اگرچہ مصالح مسجد ہی کے متعلق ہو مثلاً امام کے لیے مکان بنانا یا مسجد کے لیے وضو خانہ یا غسل خانہ بنانا یہ سب ناجائز ہیں۔ یہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اگر کسی نے اس کو مسجد سے نکال کر کوئی دوسری چیز بنا دی تو متولی مسجد پر واجب ہے کہ اس کو منہدم کر کے مسجد میں شامل کر دے۔ **قال فی البحر فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام او غیره هل له ذالک قلت فی التتارخانیه اذا بنی مسجدا و بنی غرفة و هو ای المسجد فی یده فله ذالک. وان کان حین بناه خلی بینه و بین الناس ثم جاء بعد ذالک یبنی لایترکه و فی الجامع الفتاوی اذا قال عنیت ذالک فانه لایصدق. بحرالرائق کتاب الوقف ج۵ ص ۲۵۱**[1] **کذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۲ ص ۶۰۷ قال فی شرح التنویر ولوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام والثانی ابداً الی قیام الساعة وبه یفتی. وفی الشامیة (قوله ولوخرب ماحوله الخ) ای ولومع بقائه عامرا و کذالو خرب ولیس له مایعمر به وقداستغنی الناس عنه لبناء مسجد اخر.** ردالمحتار ج۳ ص۴۰۶)[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرانی مسجد کی جگہ حجرہ تعمیر کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل یہہ نے ایک جگہ مستقل مسجد بنائی اور ۳۵/۳۰ سال کے بعد

---

۱) البحر الرائق، ج ٥ ص ٤٢١، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد، طبع رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔
کذا فی الشامیة: کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔

۲) کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔
هکذا فی البحر الرئق، وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة ...... وهو الفتوی کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥، ص ٤٢١، رشیدیه کوئٹه۔
هکذا فی العالمکیریة: أما علی قول ابی یوسفؒ: وان خرب واستغنی عنه أهله لا یعود الی ملك البانی، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، مکته رشیدیه کوئٹه۔

تعمیر جدید کے وقت مسجد کے کمرہ سے کچھ حصہ بطور حجرہ چھوڑ دیا۔ کیا مذکورہ بالا صورت میں حجرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر پیش امام یہ کہے کہ حجرہ تعمیر ہوسکتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ امام مسجد وغیرہ کے لیے حجرہ بنانے یا کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی شرح التنویر (ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام والثانی) ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی[1]. وقال فی البحر ج۵ص ۲۵۱) کتاب الوقف ۔فان قلت لوجعل مسجداثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام او غیره هل له ذالک قلت فی التتارخانیة اذا بنی مسجدا و بنی غرفة وهو (ای المسجد) فی یده فله ذلک و ان کان حین بناه خلی بینه و بین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لایترکه[2].

پس صورت مسئولہ میں مسجد کے کمرہ کے کچھ حصہ پر حجرہ بنانا جائز نہیں اور مسجد کے حصہ کو مسجد سے الگ کر کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔ اور امام اگر اس پر مصر ہے تو لائق امامت نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) تنویر الأبصار، ج ٦ ص ٥٥٠، کتاب الوقف، طبع رشیدیه کوئته۔
هکذا فی البحر الرائق: وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة ...... وهو الفتوی، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، رشیدیه کوئته۔
هکذا فی العالمکیریة: أما علی قول أبی یوسف وان خرب واستغنی عنه أهله لا یعود الی ملك البانی، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، رشیدیه کوئته۔

۲) کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، رشیدیه کوئته۔
هکذا فی الدر المختار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، سعید کراتشی۔

۳) کما فی العالمکیریة: الأولی بالامامة أعلمهم ...... ولم یطعن فی دینه ...... ویجتنب الفواحش ...... وأورع منه، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثانی فی بیان من هو أحق بالإمامة، ج ١ ص ٨٣، مکتبه رشیدیه کوئته۔
کذا فی الدر المختار: ویشترط کونه مسلماً ...... ویکره تقلید الفاسق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ٢ ص ٣٣٣، رشیدیه کوئته۔
کذا فی الشامیة: قوله (ویکره تقلید الفاسق) أشار الی أنه لا تشترط عدالته، وعدها فی المسایرة من الشروط ...... وعند الحنفیة: لیست العدالة للصحة فیصح تقلید الفاسق الإمامة مع الکراهة ...... ولکن یستحق العزل أن لم یستلزم فتنة، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة، ج ٢ ص ٣٣٤، رشیدیه کوئته۔

مسجد کی جگہ کو اپنی مملوکہ زمین میں شامل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پاکستان سے بہت عرصہ پہلے تقریباً پچیس تیس سال ہوئے کہ کچھ مسلمانوں نے ہندو سے قطعہ زمین غصب کر کے مسجد بنائی۔ جو کہ پھر قانونی حیثیت سے باقاعدہ مسجد تسلیم کر لی گئی۔ ہندو نے وہ قطعات جن میں مسجد بھی تھی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیے لیکن مسجد والے قطعہ کے پیسے نہیں لیے۔ مسلمانوں نے مسجد کے رقبہ کو آہستہ آہستہ اپنے مکان میں شامل کر لیا اور مسجد کو رفاہ عامہ کی زمین سے جو کمیٹی کی ملکیت تھی خارج کر دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اصل رقبہ مسجد کا کتنا تھا اور اس کے عوض میں جو مسجد تیار کی گئی ہے اس کا رقبہ تقریباً دو مرلے ہے۔ کاغذات کی رو سے اس مالک جدید مسلمان کی خرید زمین دس مرلہ ہے لیکن جب اس نے فروخت کی تو پہلے پانچ مرلہ پھر آٹھ مرلہ کر کے تیرہ مرلہ کی رقم وصول کر کے دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اب آخری مالک جس کے قبضہ میں آٹھ مرلہ زمین ہے، جو درحقیقت پانچ مرلہ ہونی چاہیے تھی۔ کیا اس سے وہ قطعہ زمین واپس لیا جا سکتا ہے جب کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے آٹھ مرلہ کی قیمت ادا کی ہے۔ اگر زمین مسجد کی اس میں شامل ہے تو اس کا جرم فروخت کرنے والے پر ہے میں نے تو پوری رقم ادا کی۔ کاغذات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرلہ زائد زمین میں کچھ ہندو حصے دار ہیں اور کچھ زمین کا قطعہ ہے مگر کاغذات میں مسجد کا رقبہ نہیں ملتا۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اہل اسلام اس کے مجاز ہیں کہ جتنا رقبہ مسجد کا مسلمان خریدار نے اپنی مملوکہ زمین میں مدغم کر لیا تھا۔ اس کی بازیابی کے لیے قانونی چارہ جوئی کریں اور واپس ملنے پر حکومت سے باقاعدہ اجازت بصورت معاوضہ یا بلا معاوضہ حاصل کر کے اسے مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے احاطہ کے اندر رہائشی عمارت بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ: (۱) مسجد کے احاطہ کے اندر عمارت بنانا یا عمارت دیرینہ کے اندر رہائش کرنا بلا کرایہ عام زمیندار شخص کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) نقشہ پیش خدمت ہے تمام زمین عرصہ تعمیر مسجد سے وقف ہے دیرینہ آبادی میں دکان وغیرہ اور نئی

عمارت اپنے لیے خود تعمیر کرنا کیسا ہے، معتبر کتابوں کے حوالہ جات سے مشکور فرمادیں۔

﴿ج﴾

اس احاطہ کے متعلق اگر واقف کی کوئی شرط موجود ہے تو اس کے مطابق استعمال میں لایا جائے گا۔ شرط الواقف کنص الشارع [۱] ورنہ ظاہر ہے کہ اس کو مسجد کے منافع ہی کے لیے وقف کیا ہے۔ لہٰذا متولی خود یا اس کی اجازت سے مسجد کے منافع سے متعلق کسی قسم کی تعمیر وغیرہ اس میں بنائی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ مکان برائے امام ومؤذن، غسل خانے وغیرہ، کرایہ کے لیے مکانات ودوکانیں اور متولی کی اجازت سے جب کہ شرط واقف اس کے خلاف نہ ہو ایک عام آدمی بھی اس میں بغیر کرایہ سکونت کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی سکونت میں مسجد کا کوئی فائدہ ملحوظ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۲]۔

---

(۱) حضرت مفتی صاحب کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے مسجد نہ تھی کیونکہ زمین ملک میں نہیں تھی لیکن بعد میں جب اجازت ملی تو یہ باقاعدہ مسجد کے حکم میں داخل ہوگئی اس لیے اب مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رقبہ مسجد کو اس آدمی کے ہاتھ سے چھڑالیں۔

کما فی فتاوی التاتارخانیہ: وأما القبض والتسلیم فشرط لصیرورتہ مسجداً عند أبی حنیفة ومحمد ...... وعندهما لا یصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، فصل الحادی والعشرون فی المساجد، ج ۵ ص ۸۳۹، مکتبہ ادارۃ القرآن کراتشی۔

هکذا فی البحر الرائق: أما لو وقف ضیعة غیره علی جهات فبلغ الغیر فأجازه جاز بشرط الحکم والتسلیم، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۱۴، رشیدیه کوئٹه۔

شرط الواقف کنص الشارع الخ در مختار کتاب الوقف، ج ۶ ص ۶۶۴، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وفی رد المحتار: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم لا دلیل علیه ...... فیجب اتباعه الخ کتاب الوقف مطلب ما خالف شرط الواقف، ج ۶ ص ۷۶۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وفی الأشباه والنظائر: شرط الواقف یجب اتباعه الخ کتاب الوقف ص ۱۹۴، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۲) وفی البحر الرائق: لو جعل مسجد ثم أراد أن یبنی فوقه بیتاً للإمام أو غیره هل له ذلك؟ قلت قال فی التاتارخانیه اذا بنی مسجداً وبنی غرفة وهو فی یده فله ذلك الخ فصل فی أحکام المساجد ص ۴۲۱، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی التاتارخانیه: کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، ج ۵ ص ۸۴۴، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

وفی الهندیة: أرض وقف علی مسجد والأرض بجنب ذلك المسجد وأرادوا أن یزیدوا فی المسجد شیئاً من الأرض جاز الخ کتاب الوقف، الباب الحادی عشر الفصل الأول فی ما یصیر به مسجداً، ج ۲ ص ۴۵۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔

مسجد کی وقف شدہ زمین پر قبضہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ: (۱) مسجد شریف کے متصل کسی کا مکان ہو وہ شخص مسجد کی کسی طرف سے زمین کچھ مکان کے ساتھ ملا لے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

(۲) اگر کوئی آدمی مذکورہ زمین کی واپسی کی کوشش نہ کریں۔ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

(۱) مسجد کی زمین جس پر نماز پڑھی جاتی ہو۔ یا مسجد کی دوسری زمین جو مسجد پر وقف ہو اس کو اپنے مکان میں شامل کرنا اور واقف کی غرض کے خلاف دوسرے امور میں اس کو استعمال کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے[1]۔ لہٰذا تمام لوگ مل کر یہ زمین اس شخص سے واپس کریں اور اگر ان کو قدرت نہ ہو تو حکومت کے ذریعہ سے اس شخص سے واپس لینے کی کوشش کریں۔

(۲) اگر یہ کوئی آدمی کوشش نہیں کرتے تو دوسرے کئی آدمی کوشش کریں اور اگر سب نہ کریں گے تو سب گناہ گار رہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

امام مسجد کے مکان کی قبرستان میں توسیع

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ مسجد کی ملحقہ زمین میں ایک مکان امام مسجد و خادم مسجد کے لیے

---

۱) فی الدر المختار: شرط الواقف کنص الشارع الخ کتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٦٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وفی الشامیة: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم لا دلیل علیه ...... فیجب اتباعه الخ کتاب الوقف مطلب ما خالف شرط الواقف ج ٦ ص ٧٦٠، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وفی الهندیة: قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز، الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ۲ ص ٤٦٢، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما قال الله تعالی: وتعاونوا علی البر والتقوی الخ المائده۔
وفی أحکام القرآن، ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر واجبان فی الامور الواجبة فعلا وترکا علی القادر علیها ج ۲، ص ٥٧، هکذا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من رأی منکم منکراً فلیغره بیده فإن لم یستطع فبلسانه الخ رواه المسلم باب کون النهی عن المنکر، ج ١ ص ٥١۔

بنوایا گیا ہے۔اس زمین میں چند قبریں جو اس مکان کے صحن میں آ گئی ہیں۔اب امام مسجد کا بیوی بچوں کے ساتھ رہنا اس مکان میں جبکہ قبریں محفوظ ہوں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

زمین وقف ملحق بہ مسجد میں سکونتی مکان بنانا امام وغیرہ کے لیے جائز ہے[1]۔کیونکہ واقف بظاہر عرف زمانہ میں اس پر راضی ہوتا ہے اس لیے من جہۃ الوقف تو ممانعت نہیں[2] باقی قبر کے اوپر چلنا۔بیٹھنا وغیرہ امور جن میں سوء ادب ہو مکروہ ہیں۔ان امور سے احتراز کرتے ہوئے وہاں رہنا بلاشبہ جائز ہے۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبور مطہرہ موجود تھیں اور باوجود اس کے وہ سکونت فرماتی تھیں۔

جب قبور سادات علیہم الصلاۃ والسلام میں سکونت بلا نکیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت ہے جو کہ اجماع صحابہ علی الجواز کے حکم میں ہے تو عامۃ المسلمین کی قبور میں کیا حرج ہے؟

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔۲ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ

مسجد کی وقف زمین کی آمدنی کو دوسرے مصرف میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زمین مسجد کے نام وقف ہو اس کی آمدنی دوسری جگہ خرچ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں باغ لگا سکتا ہے یا نہ؟ اس شرط پر باغ لگا دے کہ نصف تمہارا اور نصف مسجد کا ہوگا۔کسی آدمی سے لے کر اس کی آبادی یا خود وقف کرنے والا اس شرط پر باغ لگا سکتا ہے؟

---

۱) وفي البحر الرائق: لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فإنه لا يضر في كونه مسجد الأنه من المصالح، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئٹه۔

(وهكذا في التاتارخانيه كتاب الوقف الفصل الحادى والعشرون في المساجد، ص ٨٤٤، ج٥، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه، كراچی۔

۲) (في الدر المختار شرط الواقف كنص الشارع، الخ، كتاب الوقف، ص ٦٦٤، ج ٦، طبع رشيديه كوئٹه۔

(وفي الشاميه ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص الخ، كتاب الوقف مطلب ماخالف شرط الواقف، ص ٧٦٠، ج ٦، طبع رشيد، كوئٹه۔

وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه الخ كتاب الوقف، ص ١٩٤، طبع قديمي كتب خانه كراچی۔

﴿ج﴾

مسجد کی موقوفہ اراضی کی آمدنی دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتی۔ باغ مسجد کے لیے لگایا جا سکتا ہے(۱) نیز مسجد کی موقوفہ زمین کو تین سال سے زیادہ کسی کو اجارہ پر دینا جائز نہیں(۲) چہ جائیکہ نصف زمین دوسرے کو اجرت آبادی میں دے دیں اس لیے یہ طریقہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی دیوار پر گھروں کے میٹر لگوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص کا مکان کوچہ کے اندر ہے اور اس نے اپنے گھر کے اندر بجلی لگوائی ہے۔ دو چار گھر اور بھی پردہ دار اس کے ساتھ ہیں۔ اپنے گھر کی بے پردگی اور دوسروں کے گھر کی بے پردگی کے واسطے وہ میٹر بجلی کا مسجد کی دیوار کے ساتھ لگانا چاہتے ہیں۔ وہ آدمی اس کا کرایہ ماہواری ادا کرتا رہے گا۔ اس طرح جو مسجد کی دیوار کے قریب گھر ہیں وہ بھی بجلی گھر میں لگاتے جاویں۔ اور میٹر مسجد کی دیوار پر لگاتے جاویں اور کرایہ ادا کیا کریں۔ نیز جس نے بجلی گھر میں لگوائی میٹر کا حجرہ مسجد میں لگا سکتا ہے؟ اگر کرایہ بھی دیا کریں۔

سائل: غلام حسین درکھانہ محلّہ ملتان

---

۱) کما فی العالمکیریة: مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولی أن یشتری من غلة الوقف للمسجد رهنا أو حصیرا أو حشیشاً وقال تفعل ما تری من مصلحة المسجد کان له أن یشتری للمسجد ما شاء، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ۲ ص ٤٦١، رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی الخانیة: المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز لأن هذا من مصالح المسجد، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، ج ۳ ص ۲۹۷، رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی العالمکیریة: القیم اذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن یستغل ویباع عند الحاجة جاز، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، ج ۲ ص ٤٦٢، رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما فی العالمکیریة: متولی الوقف اذا اجر داراً موقوفة ...... فالمختار أن یقضی بالجواز فی الضیاع فی ثلاث سنین وهو المختار للفتوی وکذلك المزارعة والمعاملة، کتاب الوقف، مطلب فی ما اذا اجر الوقف أکثر من سنة، ج ۲ ص ٤١٩، رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی الخانیة: وعن الفقیه أبی اللیث: أنه کان یجیز اجارة الوقف ثلاث سنین من غیر فصل ...... وعن أبی حفص کان یجیز إجارة الضیاع ثلاث سنین فإن اجر أکثر من ثلاث سنین اختلفوا فیه، کتاب الوقف، فصل فی اجازة الوقف ومزارعتها، ج ۳ ص ۳۳۳، رشیدیه کوئٹه۔

هکذا فی الدر المختار: ولم تزد فی الأوقاف علی ثلاث سنین ...... فی الضیاع، کتاب الإجارة، ج ۹ ص ۱۰، رشیدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد کی دیوار میں تو میٹر لگانا مفت اور کرایہ لے کر دونوں طریقہ سے ناجائز ہے[1] کما فی الشامی کتاب الوقف مسجد کے ساتھ ملحقہ موقوفہ حجرہ میں اگرچہ مناسب کرایہ سے متولی میٹر لگوانے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن بوجوہ مصلحۃً مسئولہ صورت میں اس کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(۱) میٹر کا کرایہ غالباً تھوڑا ہی رکھا جائے گا۔

(۲) تھوڑے سے کرایہ کا چند ماہ ادا کرنے کے بعد انکار کرنے پر یا سال دو سال کے بعد انکار کرنے پر متولی مطالبہ چھوڑ دے گا۔ اتنی چھوٹی رقم کے لیے نہ تو متولی حکومت میں مقدمہ دائر کر سکے گا اور نہ دوسری کوئی صورت وصول کرنے کی ہوگی۔

(۳) قبضہ ہو جانے کے بعد بصورت کرایہ ادا نہ کرنے یا اور کسی وجہ سے اس کو بے دخل نہیں کیا جا سکے گا۔ آخر انجام یہ ہوگا کہ میٹر دائماً یہاں رہے گا اور موقوفہ زمین بغیر کسی معاوضہ کے استعمال ہوگی۔ یہ خطرات حقیقی خطرات ہیں جو صاف نظر آ رہے ہیں۔ اس لیے عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ رعایۃً للمسجد والوقف۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی دیوار پر دکانوں کی دیوار

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ مسجد کی از سر نو تعمیر کراتے وقت دیوار مسجد ہی کی دکانوں میں سے لے لی جائے اور بوجہ ٹیڑھے ہونے پہلی دیوار کے دوسری دیوار مسجد کی جگہ سے مسجد کی مضبوطی کے لیے کر لی جائے۔ کیا شرع شریف اس کی اجازت دیتی ہے اور جگہ پہلی دیوار کی دکانوں میں شمار کرنے سے مسجد کی آمدنی بڑھائی جائے۔ اور مضبوطی ہی دوسری دیوار کے بنانے میں ہے۔ لہٰذا ان وجوہ سے گنجائش ہو سکتی ہے۔

---

۱) کما فی الشامیة: وبه علم حکم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه كوئته۔
هكذا في البحر الرائق: ولا يوضع الجزع على جدار المسجد الخ، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٩، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد کی دیوار[1]، اس کی زمین، اس کی ہوا پر کسی غیر مسجد کی بنا صحیح نہیں۔ مسجد کو بالکلیہ غیر مسجد سے مشغول کرنا اگر چہ وہ غیر مسجد اوقاف مسجد ہی میں سے کیوں نہ ہو جیسے حجرہ امام ومؤذن اور دکان وغیرہ حتی کہ غیر مسجد کے شہتیر وغیرہ کو بھی مسجد کی دیوار پر نہیں رکھ سکتے۔

درمختار ج ۳ ص ۴۰۶ میں ہے۔ ولو بنی فوقه بيتا للامام لايضر لانه من المصالح امالو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع الى ان قال فيجب هدمه ولو على جدار المسجد شامی لکھتے ہیں۔ قوله ولو على جدار المسجد منع انه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا اه ونقل فى البحر قبله ولا يوضع الجذع على جدار المسجد و ان كان من اوقافه اه۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

غیر آباد مسجد کے صحن میں کمرہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد مدت سے غیر آباد ہو گئی تھی۔ اس مسجد کے صحن کے اندر کسی شخص نے ایک کمرہ تعمیر کرایا اور اسے اپنے طور پر کاروبار کے لیے استعمال کرتا رہا اور پھر اس شخص نے مسجد کے غسلخانہ کی جگہ دوسرا کمرہ تعمیر کرایا اور اسے بھی اپنے کام میں استعمال کر رہا ہے کیا اس شخص کا یہ فعل از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

---

۱) كذا فى الدر المختار: لو بنى فوقه بيتاً ...... فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ...... كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، ج ٦ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

وفى رد المحتار: قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

كذا فى البحر الرائق: ولا يوضع الجزع على جدار المسجد وان كان من أوقافه، كتاب الوقف فصل فى أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

شخص مذکور کا یہ فعل ناجائز ہے[۱]۔ مسجد آباد ہو یا غیر آباد اسے تایوم قیامت دوسری غرض کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور مسجد کے ساتھ ملحقہ زمین بھی مصالح مسجد کے لیے وقف ہے۔ اسے شرط واقف کے خلاف استعمال[۲] کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا شخص مذکور کا یہ فعل غاصبانہ ہے[۳]۔ اس کے ان دونوں کمروں کا گرانا ضروری ہے۔ اسے گرا کر اس کے اس حصہ زمین کو جو ابتداء مسجد کا ملحقہ تھا۔ مسجد میں ملانا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کو اوقاف میں دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

---

۱) کـذا فـي تـنـويـر الأبـصـار مـع رد المحتار: (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً الى قيام الساعة، (وبه يفتى)، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

كذا في الهندية: قيم المسجد لا يجوز له أن يبنى حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد اذا جـعـل حـانـوتاً ومسكناً تسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد

كـذا فـي مـحـيـط الـسـرخـسي: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٦٢، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

كـذا فـي البحر الرائق: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً وقدمناه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كـمـا فـي الشـامـية: عـلـى انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة ۔۔۔ وجب العمل بما اراده، كتـاب الـوقـف، فـصل يراعى شرط الواقف في اجازته، مطلب غرض الواقفين واجبة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد كراتشي۔

هكذا في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، سعيد كراتشي۔

۳) كـمـا فـي الـتـاتـارخـانـية: قال الخصاف في وقفه: اذا أنكروا الى الوقف، أي قيم الوقف، فهو غاصب، فيـخـرج مـن يـده، فإن نقض منها شيء بعد الجحود، فهو ضامن، كتاب الوقف، الفصل العشرون في مسائل التي تتعلق بالدعوى، ج ٥ ص ٨٢٠، ادارة القرآن كراتشي۔

هـكـذا فـي الـعالمكيرية: ولو غصبها من الواقف أو من واليها غاصب، فعليه أن يردها الى الواقف فإن أبـى وثـبـت غـصـبـه عـنـد القاضي، حبسه حتى رد، فإن كان دخل الوقف نقص، غرم النقصان، كتاب الوقف، الباب التاسع، في غصب الوقف، ج ٢ ص ٤٤٧، رشيديه كوئته۔

هـكـذا فـي الـبـحـر الرائق: ويفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٩٦، رشيديه كوئته۔

(۱) واقف نے ایک قطعہ زمین کا مسجد کے نام سے خریدا کچھ حصہ پر مسجد کا اضافہ کیا اور کچھ پر ایک مکان۔ اس مکان کو اگر دکانوں کی شکل دی جاتی تو اچھا موقع تھا باوجود اس کے مکان کی شکل کھلے ہال کی سی ہے۔ سڑک کی طرف سے کوئی دروازہ بھی بالکل نہیں ہے۔ یہ مکان مسجد کے شمالی طرف میں ہے۔ اس کا رخ مغرب کی طرف ہے اور تین کھلے محراب ہیں۔ جس میں کوئی دروازہ نہیں اس ہال کے مغربی طرف میں ایک حجرہ ہے جس کا دروازہ ہال میں سے ہے۔ یہ تو اس مکان کی حالت ہے۔ اب واقف وفات پا چکا ہے۔ اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں کہ واقف نے یہ مکان مدرسہ کے لیے بنایا تھا اور دو علماء سے تدریس کے سلسلہ میں گفتگو بھی ہوئی تھی۔ لیکن درمیان والوں کی باطنی خباثت کی وجہ سے وہ ناکام رہی دور اول میں اور وقتاً فوقتاً اس مکان میں تعلیم بھی ہوئی ہے۔ پچھلوں نے اس مکان میں دروازہ ڈلوا کے کرایہ پر بھی استعمال کیا ہے اور وہ کرایہ متولی وقف نے اپنے مصارف میں استعمال کیا ہے نہ کہ مسجد میں۔ اب آٹھ سال سے اس مکان میں مدرسہ ہے اور متولی وقف نے ایک مدرسہ کو جو کہ دوسری جگہ تھا۔ وہاں سے منتقل کر کے اس مکان میں آنے کی دعوت ہی نہیں بلکہ اصرار کیا اب مطلوب یہ امر ہے کہ مذکور مکان کا مدرسہ کی صورت میں کرایہ واجب الادا ہوگا یا کرایہ دینا واجب نہیں؟

(۲) مسجد کی دیکھ بھال کے لیے ایک کمیٹی ہے۔ اس نے بخوشی مسجد کو اوقاف کے حوالہ کر دیا جماعت اور علماء اور اکابر نے تاکید کی کہ مسجد کو واپس کرادو۔ لیکن کمیٹی نے کسی کی نہ مانی آخر دوسری جماعت نے مسجد کے کاغذات اوقاف سے خارج کرا کے مسجد کو واپس کیا۔ اب وہ کمیٹی جنہوں نے مسجد کو اوقاف میں دیا اور وہ جماعت جس نے مسجد کو واگزار کرایا ان دونوں میں کون سی جماعت مسجد کی دیکھ بھال کی مستحق ہے۔

(۳) مذکورہ کمیٹی نے مسجد کے خریدشدہ پلاٹ میں ایک قبر بھی جبراً رکھوادی ہے۔ جس میں ایک آدمی کو دفن کیا گیا ہے۔ جو کہ بدعتی مولوی تھا۔ اب اسی کمیٹی کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

نوٹ: ان تینوں سوالوں کا جواب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ اوقاف میں دینے والے اور وقف علی المسجد میں قبر بنانے والے خائن اور واجب العزل ہیں اور جنہوں نے مسجد چھڑائی وہ مستحق ہیں۔ مسجد کے اور حجرہ کے لیے فرمایا کہ دینی تعلیم بھی مسجد کے مقاصد میں سے ہے۔ اس کمرہ میں مدرسہ بغیر کرایہ ادا کیے رکھا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) واضح رہے کہ اگر کوئی شرعی ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ واقف نے مکان مذکور کو مسجد پر وقف کیا ہے۔ بایں طور کہ اس کو کرایہ وغیرہ پر دیا جائے اور اس کے محاصل مسجد پر صرف کیے جائیں تب تو مدرسہ والوں کے لیے اس کا استعمال بدون کرایہ کے جائز نہ ہوگا اور اس کے برعکس اس بات کا شرعی ثبوت موجود ہو کہ واقف نے

مکان مذکور کو درس وتدریس کے لیے وقف کیا ہے۔ اس کا ثبوت با قاعدہ شہادتوں وغیرہ کے ساتھ تو موجود نہیں۔ لیکن اس وقت سے لے کر آج تک اس مکان کو بغیر کرایہ کے درس وتدریس کے لیے عموماً استعمال میں لایا گیا ہے۔ نیز دیگر قرائن بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ مکان درس وتدریس کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ اب یہ مکان درس وتدریس کے لیے ہی استعمال میں لایا جائے گا۔ اور اس کا کرایہ واجب الادا نہ ہوگا۔ کما[1] قال فی العالمگیریہ ج ۲ ص ۴۳۹. سئل شیخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه و قدر مايصرف الى مستحقيه قال ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان ان قوامها كيف يعملون فيه والى من يصرفون و كم يعطون فيبنى على ذلك كذا في المحيط۔

(۲-۳) سابقہ کمیٹی نے جو مسجد کی زمین میں جو کہ قبور کے لیے وقف نہ تھی ایک مردہ کو دفنانے کی اجازت دی ہے یہ شرعاً خیانت ہے جس کی وجہ سے یہ مستحق العزل ہوگئے۔ اس کے بعد محکمہ اوقاف کی تحویل میں اس کمیٹی کے مسجد کو دینے سے یہ لوگ تولیت سے معزول ہوگئے۔ اب جبکہ دوسرے لوگوں نے مسجد واگزار کرائی تو اگر واگزار کرانے والوں کو حکومت نے اس مسجد کی تولیت بھی دی ہو تو یہی لوگ شرعاً متولی کہلائیں گے۔ کیونکہ حکومت کو متولی مقرر کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہوتا ہے اور اگر محض انہوں نے مسجد واگزار کرائی ہے اور حکومت نے تولیت ان کے سپرد نہیں کی۔ صرف اپنی تولیت ہٹائی ہے تو اس صورت میں مسجد مذکور بمعہ وقف پلاٹوں وغیرہ کے ابھی تک بلا متولی کے کہلائیں گے۔ اور ایسی صورت میں محلہ کے متعلقین مسجد میں سے جو لوگ ارباب حل وعقد اور اصحاب رائے ہوں، ان کو متولی مقرر کرنے کا اختیار بفتوی متاخرین حاصل ہوتا ہے۔ اب سب کو چاہیے کہ متولی کسی ایک آدمی کو یا چند افراد کی جماعت کو باتفاق مقرر کرلیں۔ نیز یہ خیال رہے کہ واقف کی اولاد میں سے اگر کوئی شخص اہل موجود ہے۔ اور خائنین میں سے نہیں ہے تو اس کو مقرر کرلیا جائے۔ نیز اس سابقہ کمیٹی والوں میں سے جنہوں نے وقف علی المسجد کی زمین میں قبر کھودنے کی اجازت دی ہے۔ ان کو بھی مقرر نہ کیا جائے اور اگر محلہ

---

۱) كتاب الوقف، الباب السادس فى الدعوى والشهادة، الفصل الثانى فى الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وكذا فى الخيرية: (سئل) فى وقف اشتبهت مصارفه كيف يفعل فى غلته (أجاب) ان لم يوقف على شرط واقفه يعمل فيه بما كانت تفعله القوام سابقاً كتاب الوقف، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچى۔

وكذا فى رد المحتار: كما لو سكن بلا اذن أو أسكنه المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف فى اجارته، ج ٦ ص ٦٢٥، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

کے ارباب حل وعقد کا اتفاق نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں ان کو چاہیے کہ کسی ایک معتمد عالم یا معتمد علماء حضرات کو حکم مقرر فرمالیں اور وہ حکم تمام حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی ایک شخص یا متعدد افراد کو متولی مقرر کردیں اور اگر اس پر اتفاق نہیں ہوسکتا تو حکومت کی طرف رجوع کرلیا جائے اور وہ جس کو متولی مقرر کردے، وہی شرعاً متولی شمار ہوگا۔ کما قال فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار (ولایة [1] نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه) لقیامه مقامه. الخ ج۳ص ۴۴۹. ثم ذکر [2] عن التتارخانیة ماحاصله ان اهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طبع القضاة فی اموال الاوقاف وکذلک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصی عددهم اذا نصبوا متولیا وهم من اهل الصلاح وفی الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ج۳ص ۴۵۰ (ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب) لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم. فقط واللہ اعلم۔

آمدنی کے لیے مسجد کے حصہ کو دکانیں بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ جس مسجد کی آمدنی اخراجات سے اتنی زائد ہو کہ ضروریات مسجد کو پورا کرنے کے بعد بھی رقم بچتی ہو اور بنام مسجد جمع ہو تو ایسی مسجد کا بعض حصہ کاٹ کر محض آمدنی کی زیادتی کے لیے دکان بنانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

---

۱) کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الوقف ثم لوصیه ثم للقاضی، ج ٦ ص ٦٤٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی، ج ٣ ص ٤٤٩، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: وقال أبویوسف: الولایة للواقف وله أن یعزل القیم فی حیاته، واذا مات الواقف بطل ولایة القیم، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٧٧، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی حلبی کبیر: رجل بنی مسجداً وجعله لله فهو أحق بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصیر والقنادیل والأذان والإقامة والإمامة فیه ...... وکذا والد البانی وعشیرته من بعده أولی من غیرهم، فصل فی أحکام المسجد ص ٦١٥، طبع سعیدی کتب خانه کانسی روڈ کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد قیامت[1] تک مسجد رہتی ہے۔اس کا کوئی بھی حصہ مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔خواہ آمدنی کا کوئی ذریعہ دوسرا ہو یا نہ ہو۔کذا فی الکتب الفقہ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

واقف کا مسجد کے مدرسہ پر قبضہ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد بڑھانے کے لیے زمین خریدی گئی کچھ میں مسجد بڑھا دی گئی اور کچھ میں مکان اب واقف وفات پا چکا ہے۔مذکورہ بات پر ہر قسم کی شہادت موجود ہے۔اولاً مدرسہ کے لیے یہاں ایک مدرس سے بات چیت ہوئی تھی لیکن بیچ والوں کی خباثت کی وجہ سے وہ بات نامکمل رہی یہ بات چیت واقف کی زندگی میں واقف کے حکم سے ہوئی تھی۔عوام میں سے ایسی شہادت تین آدمی دے سکتے ہیں۔

ثانیاً: یہ مکان دور اول میں کرایہ کے لیے کبھی استعمال نہیں ہوا بعد میں متولی نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے کچھ مکان میں تبدیلی بناء کروا کے کرایہ پر کبھی کبھی دے کر کرایہ خود کھایا ہے۔

ثالثاً: اس دور میں مساجد کی ضروریات کے لیے کرایہ کے مکان بنانے کا اس علاقہ میں نہ رواج تھا اور نہ ہی ضرورت تھی۔

رابعاً: اس مکان کا درس تدریس میں استعمال ہونا وقتاً فوقتاً ثابت ہے۔

خامساً: یہ مکان مسجد سے جنوب کی طرف ہے اور مکان میں تین کھلے طاق ہیں جو مسجد کی طرف میں ہیں اور اس مکان کی پیٹھ میں ایک شاہراہ ہے۔اس طرف میں کوئی ایک چھوٹا سا دروازہ بھی نہیں اور اس کھلے ہال کے

---

۱) كذا في تنوير الأبصار مع رد المحتار: (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً الى قيام الساعة، (وبه يفتي) كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
كذا في الهندية: قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتاً ومسكناً تسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، ج ٢ ص ٤٦٢، طبع بلوچستان بك ڈپو، كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: لا يجوز لقيم المسجد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو فنائه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ساتھ مغربی طرف میں ایک حجرہ ہے جس کا دروازہ مشرقی طرف یعنی ہال میں سے ہے جس کا نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مکان اگر مدرسہ کے لیے استعمال کیا جائے تو کیا اس کا کرایہ واجب الاداء ہوسکتا ہے یا مدرسہ کی صورت میں کرایہ ادا کرنا نا جائز ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اگر کوئی شرعی ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ واقف نے مکان مذکور مسجد پر وقف کیا ہے، بایں طور کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور اس کے محاصل مسجد پر صرف کیے جائیں۔ تب تو مدرسہ والوں کے لیے اس کا استعمال بدون کرایہ کے جائز نہ ہوگا۔ ان کے ذمہ اجر مثل واجب الادا ہوگا اور اگر اس بات کا شرعی ثبوت موجود نہیں ہے کہ واقف نے مکان مذکور کو درس وتدریس کے لیے وقف کیا ہے یا اس کا ثبوت موجود نہیں لیکن اس وقت سے لے کر آج تک اس مکان کو بغیر کرایہ کے درس وتدریس کے لیے عموماً استعمال کیا گیا ہے۔ نیز دیگر قرائن بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ مکان درس وتدریس کے لیے وقف ہے۔ جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ تب یہ مکان درس وتدریس کے لیے استعمال میں لایا جائے گا اور اس کا کرایہ واجب الادا نہ ہوگا۔

کما قال فی العالمگیریہ ج ۲ ص ۴۳۹ (۱) سئل شیخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدرما يصرف الى مستحقيه قال ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان ان قوامها كيف يعملون فيه والى من يصرفون وكم يعطون فيبنى على ذالك كذا فى المحيط..... فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی زمین کو مکان میں شامل کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا مسجد کی جگہ کوئی شخص زبردستی اپنے مکان میں شامل کرسکتا ہے۔

---

۱) کتاب الوقف، الباب السادس فی الدعوی والشهادة، الفصل الثانی فی الشهادة، ج ۲ ص ۴۳۹، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

وكذا في ردالمحتار: لوسكن بلا اذن أو أسكنه المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف فى اجارته، ج ٦ ص ٦٢٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا فى الخيرية: (سئل) فى وقف اشتبهت مصارفه كيف يفعل فى غلته (أجاب) ان لم يوقف على شرط واقفه يعمل فيه بما كانت تفعله القوام سابقاً، كتاب الوقف، ج ١ ص ١١٥، طبع مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچی۔

اگر شامل کر لی ہو تو کیا اس کے تبادلے میں اس غاصب سے اور جگہ لی جا سکتی ہے اور اگر غاصب مسجد کی جگہ نہ چھوڑے تو کیا وہ زمین اس کے پاس چھوڑی جا سکتی ہے؟

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ[1] مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد کے لیے وقف ہی رہے گی۔ اس زمین کو ذاتی مکان میں شامل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس پر قبضہ کر لے یا تبادلہ کر لے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عوض دینے کے باوجود مسجد کی زمین پر تصرف درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کہ برلب سڑک ہے اور کاغذات مال میں ایک مرلہ مقبوضہ اہل اسلام بنام مسجد درج ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے پہلے سے قائم ہے اور اسی وقت سے عوام اس میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ مسجد کی چاردیواری اور تھلہ کچی اینٹوں کا ہے اور کوئی چھت وغیرہ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس مسجد کو عوام الناس اور اہل محلّہ کی مرضی کے خلاف منہدم کر کے اپنے ذاتی مفاد میں لانا چاہے اور اس کے عوض دوسری جگہ پر شارع عام سے ہٹ کر اسی قدر یا اس سے زائد زمین مسجد کے لیے دے تو کیا وہ شرعی طور پر ایسا کر سکتا ہے یا نہیں۔ فقط

محمد خلیل صابری چاہ ہزاری والا بستی خیر شاہ نواب پور روڈ ملتان شہر

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو ذاتی مصرف میں لانا قطعاً جائز نہیں۔ اگرچہ اس کے عوض میں اور

---

۱) کذا فی تنویر الأبصار مع ردالمحتار: فإذا تم ولزم لا یملك ولا یعار ولا یرهن، کتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۵۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کذا فی الهندیة: أما علی قول أبی یوسف ...... وان خرب واستغنی عنه أهله لا یعود الی ملك البانی، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ۲ ص ٤٥٨، طبع بلوچستان، بکڈپو کوئٹه۔

کذا فی البحر الرائق: ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئاً من المسجد مستغلاً ولا مسکناً وقدمناه، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

جگہ زمین بھی دے۔قال فی شرح[1] التنویر و لوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة و به یفتی وفی الشامیة (قوله ولوخرب ماحوله) .... ولو مع بقائه عامرا وکذالو خرب ولیس له مایعمربه وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اخر (ردالمحتار ج۳ص ۴۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سابقہ مسجد میں درس گاہ کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کو گرا کر اس کے متصل ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اب سابقہ مسجد والی جگہ پر امام مسجد کا مکان یا درسگاہ یا مسجد کی دکانیں تعمیر ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس زمین پر امام مسجد کے لیے مکان یا درسگاہ وغیرہ تعمیر کرنی جائز ہیں۔ بلکہ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ اس پرانی مسجد کو نئی مسجد کے صحن میں شامل کر دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر زمین پرانی مسجد کی سمجھی جاتی ہے۔ زمین کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں۔ قال فی شرح[2]

---

۱) كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

كـذا في البحر الرائق: اذا خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه ...... هو مسجد أبداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ...... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

كذا في الهندية: أما على قول أبي يوسف، وان خرب واستغنى عنه أهله لا يعود الى ملك الباني، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكـذا في البحر الرائق: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً وقدمناه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكـذا فـي فتـاوى: ولـو أن قيـم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ، ج ٣ ص ٢٩٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

التنویر ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی وفی الشامیة (قوله ولوخرب ماحوله) ای ولو مع بقائه عامرا و کذالو خرب ولیس مایعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اٰخر (ردالمحتار ج ۳ ص ۶-۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قیامت تک مسجد رہے گی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ متروکہ زمین میں مسجد بنائے ۱۴ سال ہوگئے ہیں۔ اس میں پانچ وقت نماز و جمعہ وعیدین بھی ہوتی ہیں اور پہلے سرکاری اعلان ہوا تھا کہ کسی نے متروکہ زمین میں کوئی مسجد وغیرہ بنائی تو ہم کو اطلاع دو اور اس کی اطلاع دی تھی اور اوقاف بورڈ نے کئی سوال کیے تھے ان کا بھی جواب دے دیا گیا۔ پھر فوجی حکومت ہوگئی اور اس نے کہا کہ ہم اس کو نیلام کریں گے۔ اس نے نیلام کردی۔ اس کی قیمت بھی کسی صاحب نے ادا کر دی اور وقف کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جہاں مسجد بنا رکھی تھی اس کے آگے بھی زمین ہے اس میں مسجد مدرسہ بھی ہے تعلیم القرآن کا۔ جب مسجد آگے بڑھالی جائے تو اس حصہ میں جہاں اب نماز پڑھتے ہیں مدرسہ اور امام کا مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو جگہ مسجد بن گئی [1] ہے اور جو سجدہ گاہ ہے اسے کسی طرح بھی دوسرے مقصد مثلاً مدرسہ کے لیے یا امام کے لیے رہائشی مکان میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قیامت تک مسجد رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

۱) وفی الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه مسجداً عند الإمام والثانی) أبداً الی قیام الساعة، (وبه یفتی) کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٨، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔

وکـذا فی البحر الرائق: ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئاً من المسجد مستغلاً ولا مسکناً وقدمناه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وفیه أیضاً: وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً الی قیام الساعة ...... سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتوی ...... کتاب الوقف ...... فصل فی أحکام المسجد، ج ۲ ص ٤٢١، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

پرانی مسجد کا کیا کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک مسجد کو گرا کر اس کے متصل ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اب سابقہ مسجد والی جگہ پر امام مسجد کا مکان یا درس گاہ یا مسجد کی دکانیں تعمیر ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے، وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس زمین پر امام مسجد کے لیے مکان یا درس گاہ وغیرہ تعمیر کرنی جائز ہے بلکہ یہ حصہ مسجد ہی رہے گا۔ پرانی مسجد کو نئی مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس قدر زمین پرانی مسجد کی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے کسی جزو کو خارج مسجد کی شکل دینا درست نہیں۔

قال في شرح التنوير [1] ولو خرب ما احوله واستغني عنه يبقى مسجدا عندالامام والثاني ابدا الى قيام الساعة وبه يفتى وفي الشامية (قوله ولوخرب ماحوله) اى ولو مع بقائه عامرا وكذالوخرب وليس له ما يعمربه وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اخر. (ردالمحتار ج ۳، ص ۴۰۲، مطبوعه كوئته)

---

۱) كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في البحر الرائق: لا يجوز لقيم المسجد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو فنائه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وفيه أيضاً: وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً الى قيام الساعة ...... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وفيه أيضاً: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً وقدمناه، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في فتاوى الخانية: ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ، ج ٣ ص ٢٩٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

مسجد کے حصوں پر ستونوں کی تعمیر

﴿س﴾
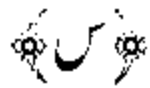
کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جہانیاں شہر میں ایک جامع مسجد ۱۹۱۳ء سے تعمیر شدہ ہے اور اس مسجد کے صحن کی پندرہ صفیں نشان شدہ ہیں۔۱۹۱۳ء تا ۱۹۵۷ء یکم مئی سے کبھی کبھی فرش کی اس آخری پندرھویں صف پر منفرد نمازی نماز ادا کرتے رہے ہیں اور رمضان المبارک کے جمعہ میں یہ آخری صف نمازیوں سے پُر رہتی ہے۔ یہ امر حقیقت ہے کہ مسجد کے فرش کو جن صفوں میں تقسیم کیا گیا ہے یہ صف ان میں شامل اور آخری صف ہے مگر اب اس آخری صف سے شروع کر کے چھوٹے ہوئے حصہ پر ایک منزل عمارت تیار کر دینے کے ارادے سے عمارت شروع کر دی گئی ہے۔ اس عمارت میں سابقہ صحن کی آخری صف کا چوڑائی میں سے تقریباً ایک تہائی حصہ لیا جا رہا ہے اور جو چیز اس پر تیار ہوگی وہ ستون یا ایک فیٹ بلند دیوار ہے جو راہ گزر کے طور پر استعمال ہوگی۔ صف کے اس حصہ کو کاٹ کر ستونوں میں لینے سے مسجد کی ایک جدید عمارت تیار ہو رہی ہے جس کے نیچے ٹونٹیاں حوض نمازیوں کا رہ گزر رہنے گا چھت پر دوسری منزل میں مدرسہ عربیہ کی درسگاہیں تیار ہوں گی۔ واضح فرمایا جائے کہ جامع مسجد کی مذکورہ بالا اہم ضرورت کے لیے صحن مسجد کی صفوں سے ایک صف کا کچھ حصہ کاٹ کر ستونوں میں، رہگزر میں استعمال کر لینا شرعاً امر مباح ہے یا ممنوع۔ کیا ایسا کرنے والے **عنداللہ مجرم** اور **ومن اظلم ممن مساجد الله ان یذکر فیها** میں تو داخل نہ ہوں گے؟

﴿ج﴾

مسجد کے تمام اجزاء[1] تا قیام ساعۃ مسجد سے خارج نہیں ہو سکتے۔ اس لیے مسجد کی کوئی جگہ بنی ہوئی ادائے نماز کے علاوہ دوسری غرض کے لیے استعمال نہ ہوگی۔ **وهو المفتی به** ایسا کرنے والے شرعاً گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

---

۱) كذا في ردالمحتار (ولوخرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانی) أبدا إلى قيام الساعة (وبه يفتی) حاوی القدسی كتاب الوقف، صفحه ۵۵۰، ج ۶۰، طبع، مكتبه رشيديه، كوئٹه۔
كذا في البحرالرائق: وقال ابو يوسف: هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة...... سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى۔ كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، صفحه ۴۲۱، ج ۵، طبع، مكتبه رشيديه، كوئٹه۔
وفيه ايضاً، وبه علم أن الفتوى على قول محمد في الات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد: كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، صفحه ۴۲۳، ج ۵، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

مسجد اور مدرسہ کے پرانے سامان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین وحامی دین متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد پرانی ہو کر گر گئی ہو اور اس کی پرانی چٹائی اور شہتیر موجود ہیں، جو قابل استعمال نہیں ہیں۔ آیا ان چٹائیوں اور شہتیروں کا جلانا اور کسی کام کے اندر استعمال کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر لکڑی چٹائی وغیرہ سامان باوجود قابل استعمال نہ ہونے کے مال متقوم ہے جس کو فروخت کیا جا سکتا ہے تو اس کو قاضی کے امر سے فروخت کر کے اس رقم کو اسی مسجد میں واپس صرف کرے۔ اور اگر وہ مسجد بالکل غیر آباد ہوگئی ہے تو کسی دوسری مسجد میں اس رقم کو صرف کیا جاوے۔ لیکن پہلی مسجد تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ فی الشامی [1] **کتاب الوقف کا لمسجد اذا خرب واستغنی اهل القریة فرفع ذلک الی القاضی فباع الخشب وصرف الثمن الی مسجد اٰخر جازو قال بعد ذلک هل لواحد من اهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد اوالی هذا المسجد قال نعم** ص ۴۰۷ جلد ۳۔ الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

ایک مسجد کی اینٹ دوسری مسجد کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد بنانے کے لیے پندرہ ہزار اینٹ پختہ کی ہے

---

۱) کتاب الوقف: مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، صفحه ۴۰۷، ج ۳، طبع مکتبه رشیدیه (قدیم) کوئٹه۔ کذا فی البحر الرائق: وأما الحصیر و القنادیل فالصحیح من مذهب أبی یوسف أنه لایعود إلی ملك متخذه بل یحول إلی مسجد آخر أویبیعه قیم المسجد للمسجد: کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، صفحه ۴۲۱، ج ۵، طبع، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وفیه ایضاً: وعند أبی یوسف یباع ذلك و یصرف ثمنه إلی حوائج المسجد۔ فان استغنی عنه هذا المسجد یحول الی مسجد آخر والفتویٰ علی قول محمد: کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، صفحه ۴۲۳، ج ۵، طبع، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

لیکن مسجد پر دس ہزار روپے خرچ ہوتا ہے دوسرے شخص نے آ کر دو ہزار کا استعارہ کیا ہے کیا یہی پختہ اینٹ دوسری مسجد پر خرچ ہو سکتی ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

اگر اس اینٹ کو پہلی مسجد پر وقف کر دیا تو دوسری مسجد پر صرف نہیں کر سکتا مصالح پر ہی صرف کرے۔ **فان وقفوها**[1] **علی اهل ذلک الموضع لم یجز نقلها منه لالهم ولا لغیرهم وظاهره انه لایحل لغیرهم الانتفاع بها الخ. شامی ج۳ کتاب الوقف** اور اگر فقط ارادہ اور نیت یہ ہو کہ اس مسجد پر صرف کروں گا اور الفاظ وقت استعمال نہ کیے ہوں تو دوسری مسجد پر صرف کر سکتا ہے نیز اگر تعیین اس مسجد کی نہ کی ہو تو بھی صرف کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مسجد کے سامان کو فروخت کرنا

﴿س﴾
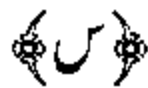
مسجد کے برآمدہ کی چھت خراب ہو گئی ہے اب معمار کہتے ہیں کہ اسی چھت کو اتار کر نئے سرے سے چھت تیار کرائی جائے لہٰذا عرض ہے کہ اب جو شہتیر کڑیاں چھت سے اتاری جائیں کیا فروخت ہو سکتی ہیں یا نہ اگر فروخت نہیں ہو سکتیں تو مسجد کے ساتھ حجرہ اور اس کے ساتھ ایک برآمدہ بنانے کا ارادہ ہے کیا اس پر استعمال ہو سکتے ہیں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

---

۱) کتاب الوقف: مطلب فی نقل کتب الوقف من محلها، صفحه ۳۶۶، ج ٤، طبع، ایچ، ایم سعید، کراچی

کذا فی العالمگیریه : سئل شمس الائمة الحلواتی عن مسجد أو حوض خرب ولایحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی أن یصرف أوقافه الی مسجد اخر أوحوض اخرقال نعم، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الاوقاف الخ، صفحه ٤٧٨، ج ٢، طبع، مکتبه علوم اسلامیه، چمن، بلوچستان۔

کذا فی البحر الرائق: وهکذا نقل عن الشیخ الامام الحلوانی فی المسجد والحوض إذا خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه إنه تصرف أوقافه إلی مسجد آخر او حوض آخر، کتاب الوقف ، فصل فی احکام المسجد، صفحه ٤٢٢، ج ٥، طبع ، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

مسجد کا سامان اگر مسجد ہی میں صرف ہوسکتا ہے تو صرف کرلیا جاوے[1] ورنہ متولی کو اختیار ہے کہ اس کو مناسب قیمت پر فروخت کردے حجرہ چونکہ مسجد سے خارج ہے وہاں بغیر قیمت کے لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کیا نئی مسجد کا سامان پرانی مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کچھ اختلاف کی بناء پر ایک مسجد ہوتے ہوئے دوسری مسجد تعمیر کی گئی۔ صلح کے بعد ایک ہی مسجد میں نماز پڑھنے پر رضامند ہوگئے۔ کیا اس وقت ایک مسجد کا سامان از قسم لکڑی و دری وغیرہ اس دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

دونوں مسجدوں کو آباد کرنا ضروری ہے۔ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں۔ یعنی ایک کو بالکلیہ غیر آباد کرنا جائز نہیں۔ **قال ابن[2] عابدین الفتوی علی ان المسجد لایعود میراثا**

---

۱) كذا في رد المحتار: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها الى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه الى دورهم، هل لواحد من أهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد، أو الى هذا المسجد، قال نعم كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ٣٦٠، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔

وكذا في الهندية: الفاضل من وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مشغلا للمسجد كذا في المحيط، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به وفيه فصلان، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ، ج ٢ ص ٤٦٣، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

وكذا في البحر الرائق: وعند أبي يوسف يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره ج ٦ ص ٥٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد)۔ وكذا في البحر الرائق: وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وأيضاً فيه: وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ولايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر ۴۰۲۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجڑی ہوئی مسجد کے سامان کا کیا کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی زمین کو آباد کرنے کے لیے وہاں پر بستی قائم کی اور اس بستی میں ایک پکی مسجد تعمیر کی اور یہ مسجد عرصہ بیس سال سے غیر آباد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ ایک دوسری جگہ یعنی موضع میں منتقل ہو گئے ہیں۔اب یہ مسجد ایک ویرانے میں بڑی خستہ حالت میں ہے،جس کا آدھے سے زیادہ سامان یعنی دروازے کھڑکیاں وغیرہ گل چکے ہیں اور ان لوگوں نے جو نئے موضع میں منتقل ہوئے ہیں،متولی کی اجازت سے اس غیر آباد مسجد کا ملبہ اٹھا کر اپنی ایک نئی پکی مسجد بنائی ہے اور اس پرانی مسجد کی دیواروں کے اردگرد باڑ لگادی یعنی مسجد کی جگہ کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ دوسری زمین کے ساتھ نہ مل جائے۔اور متولی نے بھی کہا ہے کہ اس پرانی مسجد کو بنانے کا میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔اگر بناؤں گا تو پختہ مسجد تعمیر کروں گا۔ یا ایسے بناؤں گا۔بہرحال یہ سامان آپ لے جائیں تاکہ مزید خراب نہ ہو تو کیا:

(۱)اجڑی ہوئی مسجد کا ٹھیک سامان دوسری مسجد میں لگانا درست ہے؟

(۲)اب جبکہ دوسری نئی مسجد اس پرانی مسجد کے سامان سے بنائی گئی ہے۔اس مسجد میں نماز پڑھنا اور چندہ دینا جائز ہے؟

﴿ج﴾

(۱)پرانی مسجد کا صحیح سامان دوسری نئی مسجد میں لگانا درست ہے[1]۔

(۲)اس نئی مسجد میں نماز اور جماعت درست ہے۔اس میں کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم،ملتان۔۱۰/۲/۱۳۹۹ھ

---

۱) في الهندية: رجل بسط من ماله حصيراً في المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه ...... عند أبي يوسفؒ يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر" كتاب الوقف الباب الحادي عشر في ما يتعلق بالمسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، رشيديه كوئته۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢٣، رشيديه كوئته۔

وفي الفتاوى الكاملية: وفي البزازية والخلاصة اذا خرب مسجد وتفرق الناس عنه تصرف أوقافه الى مسجد آخر، كتاب الوقف، مطلب واذا خرب المسجد وما حوله صرفت أوقافه الى مسجد آخر، ص ٦١، مكتبة القدس كوئته۔

وفي الشامي: والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، رشيديه كوئته۔

مسجد کے تیل کو فروخت کرنا

﴿س﴾

جو تیل مسجد میں جلانے کے لیے اکٹھا ہوتا ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے۔ یا نہیں؟ یا چٹائیاں خرید کر سکتے ہیں یا نہیں؟ صحیح مصرف کیا ہے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر مسجد کا یہ تیل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو۔ تو اس کی رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے۔ نیز اس کی رقم سے چٹائیاں بھی خریدی جا سکتی ہیں۔ لیکن بہتر یہ کہ تیل لانے والوں سے کہا جائے کہ جو تیل مسجد میں ضرورت سے زائد بچ جاتا ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سے مسجد ن فلاں فلاں ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔ تو ان چیزوں پر صرف کرنا بلا شبہ جائز ہوگا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا تیل لانے والوں کو ترغیب دی جائے کہ تیل بقدر ضرورت ارسال فرما دیں اور زائد رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کروائیں۔

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں ایک مسجد بنی ہوئی تھی لیکن نمازیوں کے لیے تنگ اور دیوار کے پھٹنے کی وجہ سے اب نئے سرے سے تعمیر ہو رہی ہے اور مسجد کا کچھ حصہ بڑھایا گیا ہے اور پرانا سامان شہتیر و کڑیاں وغیرہ فروخت کر کے گاڈر و ٹی آئرن وغیرہ وغیرہ چھت کے واسطے خریدنا چاہتے ہیں۔ اب شرع کی روشنی میں اس چیز سے آگاہ فرماویں کہ یہ سامان وغیرہ فروخت ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور خریدنے والا مکان کی چھت پر چڑھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ یہ مسجد دیہات کی مسجد ہے اور اس بستی میں غریب آدمی آباد ہیں اور اتنا سرمایہ بھی نہیں کہ اس سامان کو رکھ کر دوسرا سامان خریدا جائے۔ فقط

---

۱) ففي البحر الرائق: وفي الخانية: المتولي اذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز لأن هذا من مصالح المسجد، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٦، رشيديه كوئته۔
وفي التاتارخانية: ولو اشترى بالغلة حانوتاً أو داراً تستغل وتباع عند الحاجة نحو أقرب الى الجواز، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ٥ ص ٨٦٠، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔
ومثله في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٢٢- ٤٢٣، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد سے نکلے ہوئے شہتیر، کڑیاں وغیرہ اگر بعینہ مسجد کی تعمیر میں کام نہیں آ سکتے تو ان کو فروخت کر کے رقم مسجد پر صرف کرنا جائز ہے۔ مسجد کی منتظم کمیٹی اور نمازیوں کی اجازت سے فروخت کرنا درست ہے اور خریدنے والے کے لیے ان اشیاء کا استعمال جائز ہے۔ کذا فی الشامیة فی احکام المسجد[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جامع مسجد کی چھت پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس جامع مسجد کی چھت کو پختہ بنائیں تو اس مسجد کی چھت سے جو سامان مثلاً شہتیر کڑی و دیگر سامان بوسیدہ نکلے اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فروخت ہو سکتا ہے تو اس رقم کو کہاں خرچ کیا جائے؟ بینوا توجروا

﴿ج﴾

مسجد سے نکلے ہوئے شہتیر، کڑی وغیرہ سامان اگر بعینہ مسجد کے کام نہیں آ سکتے تو جماعۃ المسلمین کے اتفاق سے انہیں فروخت کر کے مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے[2]۔ **لما فی الهندیة اهل المسجد لو باعوا اغلة المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انه لایجوز کذا فی السراجیة عالمگیریة ج۲ ص ۴۶۴**[3]۔ **قلت فعلم انه یصح باذن القاضی**. وفی زماننا جماعة

---

۱) وفی الشامی: ناقلاً عن النسفی: سئل عن شیخ الإسلام عن أهل قریة وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلونه الی دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسك الثمن الی بعض المساجدا والی هذا المسجد؟ قال: نعم، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد بغیر اذن القاضی الا صح أنه لا یجوز کذا فی السراجیة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی ما یتعلق المسجد، ج ۲ ص ٤٦٤، رشیدیه کوئٹه۔
قلت فعلم أنه یصح بإذن القاضی، (مخرج)۔
وفی أحسن الفتاوی: مسجد سے نکلے ہوئے دروازے اور گارڈر وغیرہ اگر بعینه مسجد میں کام نهیں آسکتے تو جماعة المسلمین کا اتفاق سے نهیں فروخت کر کے مسجد پر خرچ کرنا جائز هے ......
قلت فی زماننا جماعة المسلمین بمنزلة القاضی لأن ولایته مستفاد منهم فکأنه هم وکأنهم هو، فإن حکام زماننا لا یعبئون بمثل هذه الأمور الدینیة، ج ٦ ص ٤٢٤ -٤٢٥، کتاب الوقف، باب المساجد، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
۲) کما تقدم تخریجه فی السوال السابق۔
۳) هندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی ما یتعلق بالمسجد، ج ۲ ص ٤٦٤، رشیدیه کوئٹه۔
اور بعینه اس جیسا سوال وجواب اور حواله جات، احسن الفتاوی، ج ٦ ص ٤٢٥٤، پر موجود هیں۔

المسلمین بمنزلة القاضی لان ولایته مستفاد منهم فکانه هم وکانهم هو فان حکام زماننا لایعباؤن بمثل هذه الامور الدینیة۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ کے لیے

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مدرسہ خراب ہوگیا۔ اس کا مکان، کمرے، کتب نقدی رقم وغیرہ رہ گئے۔ اب اس مال منقولہ وغیر منقولہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کیا کسی دوسرے مدرسہ کو اس کی کتب نقدی وغیرہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ج)

اگر مدرسہ کے آباد ہونے اور سلسلہ درس وتدریس کا انتظام معقول طریقہ سے ہوسکتا ہے تو اسی مدرسہ کو بطریق احسن آباد کیا جائے۔ لیکن اگر اس مدرسہ کے آباد ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو اور مدرسہ کے سامان اور چندہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو مدرسہ کی منتظم کمیٹی اور عامۃ المسلمین کی اجازت سے مدرسہ کا چندہ اور سامان کسی ایسے قریبی مدرسہ میں منتقل کرنا جائز ہے جس میں چندہ وغیرہ صحیح مصارف میں صرف ہوتا ہو۔ مدرسہ کے چندہ کو مسجد پر صرف کرنا درست نہیں۔ بلکہ اقرب ومجانس یعنی مدرسہ کا چندہ قریبی مدرسہ جس میں ضروریات مدرسہ کے لیے چندہ کی ضرورت ہو دینا چاہیے۔ مسجد کا چندہ قریبی محتاج مسجد میں دینا لازم ہے بشرائط مذکورہ۔

قال فی الدرالمختار و مثله حشیش المسجد و حصیره مع الاستغناء عنهما و کذا الرباط والبیر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد او رباط اور بیرا وحوض الیه. الخ. وفی ردالمحتار لف و نشر مرتب. وظاهره انه لایجوز صرف وقف المسجد خراب الی حوض و عکسه و فی شرح الملتقی یصرف وقفها لاقرب مجانس لها ج۳ص۴۰۷ اھ[1] و ایضا فی الشامیة ج۳ص۴۰۷. والذی ینبغی

---

۱) الدر المختار: مطلب فی ما لو خرب المسجد، ج ۳ ص ۴۰۷، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ۶ ص ۵۵۱۔ وفی التاتار خانیة: وکذا لو اشتری حشیشاً للمسجد أو قندیلاً فوقع الاستغناء عنه ...... والصحیح من مذهب أبی یوسف رحمه الله تعالی فی فصل الحصیر أنه لا یعود الی ملك صاحبه بخراب المسجد بل یحول الی مسجد آخر او یبیعه قیم المسجد للمسجد، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ۵ ص ۸۴۷، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۲۳، رشیدیه کوئٹه۔

متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد او حوض كما افتى به الامام ابو شجاع و الامام الحلواني و كفى بهما قدوة و لاسيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص و المتغلبون كما هو مشاهد و كذلك اوقافه يأكلها النظار او غيرهم و يلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الى النقل اليه اه[۱]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرانی مسجد کے ملبہ کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد مرمت طلب ہے جس کی عمر تقریباً ۱۸۵ سال ہے ایک اور مسجد ہے جو کہ قبرستان میں آ چکی ہے اور وہاں کبھی بھی کسی نے نماز نہیں پڑھی اور وہ بھی تقریباً اپنی حالت میں ختم ہونے کو ہے، اس مؤخر الذکر مسجد کی عمر کچھ پتہ نہیں، اس مسجد کی دیواریں گر چکی ہیں، صرف اینٹیں پڑی ہیں خیال یہ ہے کہ مؤخر الذکر مسجد جو کہ ختم ہو چکی ہے کو شہید کر کے اس کا ملبہ مرمت طلب مسجد میں لگانا چاہیے آپ ہماری امداد فرمایئے کہ آیا وہ ملبہ مرمت طلب مسجد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

السائل عبدالرحیم دکاندار بستی نوشہرہ تحصیل وضلع مظفر گڑھ

﴿ج﴾

سابق الذکر مسجد سے چونکہ استغناء ہو گیا ہے اس لیے ملبہ دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے شامی جلد ثالث میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق موجود ہے اور آخر میں لکھا ہے[۲] ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الى النقل اليه ج ۳ ص ۴۰۷ لیکن موخر مسجد میں اس کہنہ مسجد کا ملبہ اس وقت لگانا جائز ہوگا کہ اس مؤخر الذکر مسجد سے کوئی دوسری مسجد نزدیک نہ ہو ورنہ صرف اسی مسجد میں لگانا جائز ہوگا جو سب سے زیادہ قریب ہو اس کہنہ مسجد کے، کیونکہ درمختار میں الى اقرب مساجد کی تصریح ہے[۳]۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) رد المحتار: مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ۳ ص ۴۰۷، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد كوئٹه، ج ٦ ص ۵۵۲۔

۲) كما تقدم تخريجه فی السوال السابق۔

۳) الدر المختار: ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر الى أقرب مسجد أو رباط أو بئر، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ۵۵۱، رشيديه جديد كوئٹه۔

پرانی مسجد کے ملبہ کی فروخت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ ایک مسجد پہلے کچی تھی اس کو اب ہم نے پختہ بنایا ہے۔ اور اس کے جو پرانے بالے اور اینٹیں وغیرہ پڑی ہیں، کیا اب ہم ان پرانی اشیاء کو فروخت کر کے اسی مسجد پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر استعمال نہیں کر سکتے تو ان کو کیا کیا جائے؟ اس کی جو اینٹیں وغیرہ پڑی ہیں وہ ایک مسجد والے خرید کرنا چاہتے ہیں کیا ان کو قیمتاً دیا جائے یا مفت دے سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ اشیاء اگر اس مسجد کے کام میں نہ آتی ہوں۔ تو دوسری مسجد میں مفت بھی منتقل ہو سکتی ہیں۔ **فمنهم من افتى بنقل بناء المسجدو منهم من افتى بنقله و نقل ماله الى مسجد آخر شامى على البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۳** [1] **الى آخر ماحققه** اور اگر دوسری مسجد خریدے اور اس مسجد کی ضرورت باقی ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ **كما فى البحر الرائق ۲۵۳ وان بلى ذلك كان له ان يبيع و يشترى بثمنه حصيرا آخر** [2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) منحة الخالق على البحر الرائق: للعلامة ابن عابدين الشامى، ج ٥ ص ٤٢٤، كتاب الوقف، رشيديه كوئته۔ وفى رد المحتار: فمنهم من أفتى بنقل بناء المسجد ومنهم من أفتى بنقله ونقل ماله الى مسجد آخر ...... والذى ينبغى متابعة المشائخ المذكورين فى جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض كما أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلوانى وكفى بهما قدوة ...... الخ، كتاب الوقف، مطلب فى نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، رشيديه جديد كوئته۔ وكذا فى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فيما يتعلق بالمسجد ج ٢، ص ٤٥٨، رشيديه كوئته،

۲) البحر الرائق كتاب الوقف ج ٥ ص ٤٢٣، رشيديه كوئته۔
وفى التاتارخانية: ومن يلى ذلك لكان له أن يبيع ويشترى بثمنها حصيراً آخر، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، ج ٥ ص ٨٤٦، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى۔
وفى الشامى: ناقلاً عن فتاوى النسفى: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا و تداعى مسجدها الى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه، وينقلونه الى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضى ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد أو الى هذا المسجد؟ قال نعم، كتاب الوقف، مطلب فى نقل انقاض المسجد، ج ٦ ص ٥٥٢، رشيديه جديد كوئته۔

ضرورت کے باوجود مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مقررہ سامان ہے۔ اس سامان کو متولی مسجد دوسری مسجد پر لگانا چاہتا ہے۔ حالانکہ پہلی مسجد کو جس کا سامان ہے اس سامان کی اشد ضرورت ہے۔ اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ کیا ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بحوالہ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ج﴾

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگانا جائز نہیں[1]۔ البتہ اس مسجد کے سامان کی اگر ضرورت نہ ہو تو متولی اسے برابر کی قیمت سے فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر صرف کرے۔ دوسری مسجد میں کسی صورت سے جائز نہیں[2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۳ ذی الحج ۱۳۷۶ھ

مسجد کی زمین کا کیا کریں

﴿س﴾

فیصلہ شرعی مطلوب ہے اندریں صورت کہ ہمارے حصہ میں ایک شخص نے ایک قطعہ زمین مسجد کے لیے

---

۱) الدر المختار: ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئته۔ وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف وبيعه في حالة الخراب، ج ١٠، ص ٧٦٧٣، طبع دار الفكر بيروت۔

۲) رد المحتار: وأما اذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٧٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا في البحر الرائق: وفي الحاوي فإن خيف هلاك النقض، باعه الحاكم وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، فعلى هذا يباع النقض في موضعين، عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٨، مكتبه رشيديه جديد، كوئته۔
وكذا في فتح القدير: كتاب الوقف، فصل لأحكام مسجد، ج ٥ ص ٤٤٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

وقف کیا۔ بعداز وقف زمین موقوفہ پر مسجد کی تعمیر ہوئی اور مسجد کے ساتھ ساتھ طلبہ اور اہل محلہ کی رہائش کے لیے پانچ کمرے تعمیر ہوئے۔ اب اس وقت قدرت کے امر سے یہ تعمیر سیلاب کی زد میں آ کر قابل استعمال نہیں رہی۔ اہل محلہ خود یہاں سے منتقل ہوئے۔ مسجد وغیرہ کو بھی منتقل کرنا چاہیے یا نہیں، اب مسئول امر یہ ہے کہ اس زمین موقوف کا کیا کرنا چاہیے۔ اور اس کا کیا حکم ہے۔ اسی طرح تمام زمین موقوفہ رہے گی یا واقف کی ملک میں چلی جائے گی۔ اگر نہیں تو یہ فروخت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اس زمین کا ماحصل کن پر خرچ کیا جائے۔ اس وقت متولی بھی موجود ہے۔ برائے کرم جو حکم ہو تفصیلاً تحریر فرماویں۔

﴿ج﴾

مسجد اور مدرسہ یا دوسرا کوئی وقف جب بیکار ہو جائیں پھر لوگ وہاں سے چلے جائیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مٹی پتھر لکڑی یا باقی اموال جو قابل نقل ہوں باذن حکومت وقت کسی دوسری مسجد میں منتقل کرلیا جائے یا جسے ضرورت ہو۔ شامی نے کتاب الوقف **مطلب فی نقل انقاض المسجد** کے تحت تحریر کیا ہے۔ **والذی ینبغي متابعة المشائخ المذکورین في جواز النقل بلافرق بین مسجد او حوض کما افتی به الامام ابوشجاع والامام الحلواني و کفي بهما قدوة لاسیما في زماننا فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد** [1]. الخ.

باقی رہا زمین وقف کا معاملہ تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ مسجد کے بارہ میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ یہ زمین قیامت تک مسجد رہے گی۔ درمختار میں ہے۔ **(ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام والثاني) ابدا الی قیام الساعة (وبه یفتي شامي قبیل العبارة السابقة** [2]۔ مسجد کی زمین اور صحن اس کے بارہ میں بھی حکم مفتی بہ یہی ہے کہ وہ بھی وقف باقی رہے گی اس کے فروخت کرنے یا استبدال کے شروط یہاں

---

۱) رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المنجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، طبع مکتبه رشیدیه (جدید) کوئته۔
وکذا في الفتاوی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد وما یتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع مکتبه رشیدیه کوئته بلوچستان۔
وفي البحر الرائق: وعند أبي یوسف: یباع ذلك ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فإن استغنی عنه هذا المسجد یحول الی مسجد آخر، کتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مکتبه رشیدیه (جدید) کوئته۔

۲) درالمختار: کتاب الوقف، صفحه ٥٥٠، ج ٧، طبع، مکتبه رشیدیه (جدید) کوئٹه ـ وکذا في البحر الرائق: وبه علم أن الفتوی علی قول محمد في آلات المسجد، وعلی قول أبي یوسف في تأبید المسجد، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مکتبه رشیدیه (جدید) کوئته۔

محقق نہیں ہیں۔(مطلب فی استبدال الوقف وشروطہ شامی جلد ۳ ص ۴۰۷)(۱)

مسجد کے شہتیر کو فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ کہ مسجد کی چھت سے شہتیر ٹوٹ گیا ہے اب اتار کر دوسرا خرید کر چڑھالیا گیا ہے جو شہتیر اتارا گیا ہے نقص تو اس میں ہے مگر اچھا ہے فروخت کرنے کے قابل ہے۔ بموجب شرع شریف وہ شہتیر جو مسجد سے اتارا گیا ہے وہ فروخت کر کے وہ رقم مسجد شریف پر لگائی جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر یہ اتارا ہوا شہتیر بعینہٖ مسجد کے کام نہیں آتا تو اسے فروخت کر کے وہ رقم مسجد پر لگائی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے سامان کے ضائع ہونے کا اندیشہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قدیم کو شہید کر کے نئے طریق پر تعمیر کرایا گیا۔ مسجد

---

۱) کما فی الخانية علی هامش الهندية: ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن لها أن يبيعها ويستبدلها بها وان كانت أرض الوقف سبخةً لا ينتفع بها لأن سبيل الوقف أن يكون مؤبداً لا يباع وانما ثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون شرط لا يثبت، كتاب الوقف، فصل في مسائل شرط الوقف، ج ۳ ص ۳۰۷، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۴-۳۴۵، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه (جديد)۔

وكذا في الخلاصة الفتوى: كتاب الوقف، جنس آخر اذا خرب المسجد، ج ۴ ص ۴۲۵، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه، بلوچستان، وايضاً في الدر المختار كتاب الوقف مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ۳، ص ۴۲۴-۴۲۵، طبع مكتبه رشيديه۔ (قديم) كوئٹه۔

۲) كما في البحر الرائق: وفي الحاوي أن خيف هلاك النقض باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة فعلى هذا يباع النقض في موضعين عند تعذر عوده وعند هلاكه، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۶۸، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

هكذا في رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ۴ ص ۳۷۷، مكتبه ایچ ایم سعيد كراچی۔

وكذا في الفتح القدير: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

قدیم کا سامان سعی وکوشش کر کے نئی تعمیر شدہ مسجد پر لگایا گیا۔ جو اس پر صرف ہو سکا۔ حالانکہ نئی مسجد اب بھی زیر تعمیر ہے۔ بہت کچھ تعمیر باقی ہے جو سامان قدیم مسجد کا نئی مسجد پر صرف ہوا، وہ تو ہو چکا۔ لیکن جو سامان باقی ہے تو چونکہ وہ مسجد نئے طرز پر تعمیر کی جارہی ہے۔ اس لیے اس پر کسی طریقہ سے نہیں لگ سکتا۔ حالانکہ تعمیر کا حصہ باقی ہے کیا قدیم مسجد کا بقیہ سامان فروخت کر کے زیر تعمیر مسجد پر لگایا جاسکتا ہے اور پھر فروخت ہو جائے تو مشتری بھی اپنے مکان یا دوسری ضروریات پر صرف کرسکتا ہے۔ اگر مسجد قدیم کا سامان پڑا رہے تو ضائع ہو جائے گا۔ ضائع ہونے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مسجد قدیم کا سامان فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور زیر تعمیر مسجد پر لگایا جائے یا نہیں؟ نیز مشتری مسجد قدیم کا سامان خرید کرنے کے بعد کہاں صرف کرسکتا ہے؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں قدیم مسجد کا بقیہ سامان (جو نئی مسجد کی تعمیر میں کسی طرح نہیں لگ سکتا) فروخت کر کے اس کی قیمت کو نئی مسجد کی تعمیر پر صرف کیا جائے۔ مشتری اسے اپنی ضروریات پر صرف کرسکتا ہے۔ اپنے رہائشی مکانات میں لگا سکتا ہے۔ البتہ بیت الخلاء وغیرہ میں جو جائے بے ادبی ہو نہ لگاوے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

متروکہ مسجد کا سامان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی کے اندر مسجد تعمیر کی گئی اب سب لوگ وہاں سے چلے گئے ہیں۔ ایک آدمی بھی وہاں نماز پڑھنے والا نہیں رہا۔ اب اس آدمی کی اجازت سے جس نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ اس مسجد کا سارا سامان مثلاً (کڑیاں شہتیر اینٹیں) دوسری مسجد میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ حوالہ سے بیان فرمادیں۔

---

١) فی تنویر الأبصار مع الدر المختار: وصرف الحاکم أو المتولی نقضه أو ثمنه ان تعذر اعادة عینه الی عمارته ان احتاج والا حفظه لیحتاج والا اذا خاف ضیاعه فیبیعه ویمسك ثمنه لیحتاج (کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٧٧، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وکذا فی الهدایة: وان تعذر اعادة عینه الی موضعه بیع وصرف ثمنه الی المرمة صرفاً للبدل الی مصرف المبدل (کتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٠، طبع مکتبه رحمانیه اردو بازار لاهور۔

وکذا فی تبیین الحقائق: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٢٦٧، طبع مکتبه دار العلمیة بیروت لبنان۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں صحیح سالم مسجد کو گرانا اور اس کے ملبہ کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں [۱] البتہ جب یہ مسجد گرنے لگے یا گرنے کے بعد اس کے ملبہ کے ضیاع کا اندیشہ ہو کہ چور لے جاویں گے یا بے فائدہ کڑیاں وغیرہ گل جائیں گی تو اس وقت اس مسجد کا سامان مذکورہ دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے [۲] مگر جب ایک مرتبہ مسجد ہو جاتی ہے، وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے۔ اس لیے اس مسجد کے احاطہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ قیامت تک دوسرے مقاصد میں استعمال کرنے سے اس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے [۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا سامان گل سڑ گیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ صدیوں پرانی مسجد منہدم ہو چکی ہے وہاں سے وہ لوگ وہ جگہ چھوڑ کر اور جگہ چلے گئے ہیں۔ اس مسجد میں قرب و جوار میں بھی کوئی ایسی آبادی نہیں کہ لوگ اسے مرمت کر کے اس میں نمازیں پڑھیں۔ اب اس مسجد کے ملبہ میں صرف ایک ٹیڑھا شہتیر ملا ہے۔ وہ کئی سال سے وہاں پڑا ہے۔ اسے کوئی نہیں اٹھاتا کیا اس شہتیر کو اٹھا کر کسی مصرف میں لایا جائے یا اس کی قیمت کسی مصرف میں خرچ

---

۱) فی رد المحتار: وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكن، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وكذا في فتاوى العالمكيرية: وفي الكبرى: مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من البناء الأول ليس له ذلك لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٧، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ٦ ص ٢٦٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) في رد المحتار: والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد أو حوض، كما أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة، ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض اذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، (كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔
وفي البحر الرائق: وعند أبي يوسفؒ يباع ذلك ويصرف ثمنه الى حوائج المسجد فان استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

۳) وكذا في الفتاوى عالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کی جاوے۔ یا اس شہتیر کو وہاں رہنے دیا جاوے۔ تا کہ وہاں پر گل سڑ کر ختم ہو جاوے۔ جیسے کہ اس کی دوسری چیزیں غالباً ایسے ہی ختم ہوگئی ہیں۔

﴿ج﴾

شہتیر کو فروخت کر لیا جاوے اور اس کی رقم کسی قریبی مسجد پر صرف کر دی جاوے [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد پر کیسا مال صرف کیا جائے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بینک میں سودی کاروبار لکھنے پر ملازم ہے اور بینک میں سے تنخواہ لیتا ہے۔ کیا ایسے شخص سے ہم تعلیم دین کے لیے یا مسجد کے لیے چندہ لے سکتے ہیں۔ جبکہ اس کی آمدنی سود ہی سے ہے؟

﴿ج﴾

حرام مال مسجد پر صرف کرنا موجب گناہ اور مکروہ ہے۔ قال فی الشامیة (**قوله بماله الحلال قال تاج الشريعة امالو انفق فی ذلک مالاخبیثا ومالاسببه الخبيث والطیب فیکره لان الله تعالی لایقبل الاالطیب فیکره تلويث بيته بمالايقبله**۔ (درالمختار [2] ج ا ص ۶۸۷)

ایسی رقوم کا صرف طلبہ کرام پر ہوسکتا ہے کیونکہ وہ عموماً فقراء ہوتے ہیں وہ طلبہ کی امداد میں داخل کر دیں تو تنخواہ وغیرہ میں بھی صرف ہو سکے گا [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) فی تنوير الأبصار مع رد المحتار: (ومثله) فی الخلاف المذكور (حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (اليه) كتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئته بلوچستان۔
وكذا فی التاتار خانيه: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی يستغنى عنها، ج ٥ ص ٨٧٧، طبع ادارة القرآن كراچی۔ وكذا فی العالمكيرية: كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر فی الأوقاف التی يستغنى عنها الخ، ج ٢ ص ٤٧٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته بلوچستان۔

۲) فی ردالمحتار: كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره الخ، ج ١ ص ٦٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔ وأيضاً فی رد المحتار: لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كتاب البيوع، مطلب فی تعريف المال والملك والمتقوم، ج ٤ ص ٥٠٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا فی صحيح البخاری: عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله الا الطيب الخ، باب الصدقة من كسب طيب، ج ١ ص ٨٩، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

صلح کے لیے مسجد کو چندہ دینے کی شرط

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بکر خالد کے مکان میں بطور کرایہ دار بیوی بچوں سمیت کچھ عرصہ رہتا رہا اور دونوں ایک دوسرے کے قریبی ہمسایہ تھے۔ بکر نے خالد کی ایک قریبی رشتہ دار عورت جو کہ شادی شدہ تھی سے ناجائز تعلقات استوار کر کے اسے اغوا کر لیا اور راتوں رات اپنے اہل کنبہ کے سمیت مکان چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ بکر کا ایک دوست ناصر جو دوسری جگہ رہتا تھا کبھی کبھی بکر کو ملنے آتا تھا، وقوعہ کے ایک دو روز بعد وہ حسب معمول بکر سے ملنے آیا تو وہ اس سے نہ مل سکا اور خالد نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ اس اغوا کے کیس میں تیرا بھی ہاتھ ہے۔ ناصر نے اسے ہر قسم کی یقین دہانی کرائی کہ مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں، اگر علم ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا۔ لیکن بکر نہ مانا۔ یہ بات ناصر کے وارثوں کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم شریف آدمی ہیں ہمیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن بکر بضد رہا۔ آخر ساجد نے خالد و ناصر کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ ساجد نے ناصر سے کہا کہ ہماری مسجد غریب ہے۔ اس کی امداد کرنی ہوگی۔ ناصر کے وارث اس بات پر رضامند ہو گئے۔ اور کہا کہ ہم مسجد کے لیے اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ساجد نے اپنا فیصلہ کہ ۵۰۰/- روپے مسجد کے لیے چندہ اور دو ہزار روپے خالد کو بطور ہرجہ خرچہ دیں تو ساجد کے اس فیصلے کو ناصر کے وارث مان گئے۔ تو انہوں نے ۵۰۰/- روپے مسجد کے لیے اور دو ہزار روپے خالد کو دیے۔ اب آپ فرمائیں جو رقم مبلغ ۵۰۰/- روپے مسجد کے لیے وصول کی گئی ہے۔ مسجد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

ناصر کے ورثہ سے معلوم کیا جاوے اگر بطیب خاطر وہ یہ رقم مسجد کو دینا چاہے تو مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ اگر بطیب خاطر نہ دے تو ان کی رضامندی کے بغیر یہ رقم مسجد پر صرف نہ کی جاوے [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی مشکاۃ المصابیح، وعن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ألا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ ألا بطیب نفس منه الخ، (باب الغصب والعاریة) ص ۲۵۵، طبع قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی۔

کما فی شرح المجلة: لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی، وان أخذه ولو علی ظن أنه ملکه، وجب علیه رده عیناً، وان کان قائماً، والا فیضمن قیمته، (رقم المادة، ۹۷) ۶۲/۱، طبع مکتبه حنفیه کوئته۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر، ج ۵ ص ۶۸، طبع مکتبه رشیدیه کوئته بلوچستان۔

بغیر اجازت اینٹوں کو مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اینٹوں کا بھٹہ بنایا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے مسجد کے بنوانے والوں نے پہلے تو مالک بھٹہ سے کچھ اینٹیں خریدیں۔ اور مالک بھٹہ نے مسجد کی امداد سمجھ کر بہت کچھ رعایت کی۔ جتنی کہ اس کی طاقت تھی۔ پھر مالک بھٹہ کے رشتہ داروں کی فوتگی ہوگئی اور وہ سالم کنبہ وہاں چلا گیا۔ بعد میں مسجد بنوانے والوں نے بھٹہ سے چوری اینٹیں نکال کر مسجد پر لگادیں۔ فوتگی سے واپس آنے پر مالک بھٹہ نے مطالبہ کیا تو ٹھیکیدار نے جواب دیا ہم نے اینٹیں مسجد پر لگائیں ہیں کوئی اور مکان تعمیر نہیں کرایا جو کچھ کارروائی کرنی ہے کرو۔

عالی جاہ استدعا ہے کہ آیا چوری کی اینٹوں سے مسجد بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں اور جنہوں نے اینٹیں چوری کر کے ایسا کام کیا ہے ان کے لیے کوئی سزا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جو اینٹیں چوری کی گئی ہیں وہ حرام ہیں اور حرام مِلک سے تعمیر مسجد جائز نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کام کیا ہے وہ گنہگار ہیں لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ یا تو اینٹوں کی قیمت ادا کردیں۔ یا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کریں۔ **قال فی الشامیة (قوله لوبماله الحلال) قال تاج الشریعة امالو انفق فی ذلک مالا خبیثا ومالاسببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لایقبل الاالطیب فیکره تلویث بیته بمالایقبله. شرنبلالیة درالمختار ج ا ص۴۸۷) و مثله فی احسن الفتاوی ص ۴۸۲**)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

---

۱) فی رد المحتار: (کتاب الصلوة، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ، ج ۱ ص ۶۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وکذا فی صحیح البخاری: عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب الخ، باب الصدقة من کسب طیب، ج ۱ ص ۱۸۹، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

وکذا فی رد المحتار: لأن الملك ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملك والمتقوم، ج ٤ ص ۵۰۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

چور سے وصول شدہ جرمانہ کی رقم کا مسجد میں استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کافی عرصہ سے یہ طریقہ بد شروع کر رکھا ہے کہ مسجد سے تیل وغیرہ چوری کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے گھر سے مسجد کے پختہ آہنی لوٹے بھی برآمد ہوئے۔ اس طرح کنویں کی بالٹی بھی اٹھالیتا ہے اور اس نے اپنی شقاوت قلبی کا یہاں تک مظاہرہ کیا کہ ایک گھر سے اس نے بھوسہ چوری کیا حالانکہ اسی گھر میں اس وقت ایک نوجوان لڑکا جان کنی میں مبتلا تھا بالآخر چور پکڑا گیا اور اس نے خود اقبال جرم کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیشہ میں کافی عرصہ سے کر رہا ہوں۔ اب تقریباً تین صد روپے کا تیل مسروقہ فروخت کر دیا ہے دریں اثناء اہل محلّہ اور مسجد کے مقتدیوں نے فیصلہ کیا کہ دوسروں کی عبرت کے لیے سارق پر کم از کم پانچ صد روپے جرمانہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس سے وہ رقم تعزیراً لی بھی گئی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ رقم محصلہ مسجد کی تعمیر کے لیے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد زیر تعمیر ہے اور اہل محلّہ بھی سب رضامند ہیں۔ اگر نا جائز ہے تو پھر رقم محصلہ کا مصرف کیا ہوگا۔

﴿ج﴾

مالی جرمانہ شخص مذکور پر پنچایت کا شرعاً درست نہیں ہے [1]۔ اس لیے یہ رقم مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ رقم اس شخص مذکور کو واپس کرنا ضروری ہے۔ لیکن واپس کرنے کے لیے ایسی صورت اختیار کی جائے کہ جس سے اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ وہی رقم جو مجھ سے بطور جرمانہ وصول کی گئی ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

١) كما في مشكاة المصابيح، وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ ألا بطيب نفس منه رواه البيهقي في شعب الإيمان والدار قطني في المجتبى (باب الغصب والعارية) ص ٢٥٥، طبع قديمي كتب خانه آرام باغ كراچي۔
كما في رد المحتار: اذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، ج ٤ ص ٦١، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٥ ص ٦٨، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔

٢) كما في الدر المختار: وفيه عن البزازية وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر، ثم يعيده له الخ، كتاب الحدود، باب التعزير، ج ٤ ص ٦١، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٥ ص ٦٨، طبع مكتبه رشيديه (جديد) كوئٹه۔
وكذا في النهر الفائق: (كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، ج ٣ ص ١٦٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

اختلاف کی صورت میں دوسری مسجد کے لیے رقم کا جرمانہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مشائخ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک متروکہ جائیداد کو منہدم کر کے عامۃ المسلمین نے ایک مسجد بنائی اور ہر مسلمان نے چندہ دیا دو ماہ قبل مسجد میں محفل میلاد منعقد کرنے پر آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجے کے طور پر دونوں فریقوں بریلوی صاحبان اور دیو بندی حضرات کے مابین اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوا کہ دونوں فریقوں کو اپنی اپنی طرف سے اے۔ڈی۔ایم کی عدالت میں نوے نوے ہزار روپے کی ضمانتیں داخل کرانا پڑیں۔لیکن اس کے باوجود روز بروز کشمکش میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاید قتل سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔ چنانچہ اے ڈی ایم کی بروقت مداخلت سے یہ باہمی فیصلہ ہوا کہ جو فریق مسجد پر اپنا قبضہ کلی طور پر رکھنا چاہے وہ دوسرے فریق کو مبلغ دس ہزار روپے علیحدہ مسجد بنانے کو ادا کرے۔واضح ہو کہ مسجد مذکورہ جس متروکہ جائیداد کو منہدم کر کے بنائی گئی ہے اس کی قیمت تا حال حکومت کو ادا نہیں کی گئی۔ دونوں فریقوں کی حیثیت روپیہ مذکورہ ادا کرنے اور وصول کرنے کے بارے میں مفصل طور پر شرعی حکم سے روشناس فرمایا جائے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں یہ رقم یا تو اس مسجد کے عوض میں دی جارہی ہے یا رشوت کے طور پر دے رہے ہیں اور دونوں صورتیں ناجائز ہیں اس لیے کہ مسجد کی بیع باطل اور حرام ہے۔اسی طرح رشوت لینا دینا بھی حرام ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں رقم لینا دینا جائز نہیں۔ چنانچہ درمختار اور اس کی شرح ردالمختار میں ہے۔(ولو خرب ماحوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عندالامام والثانى) اى ابى يوسف ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) (درمختار) فلايعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه اولا. وهو الفتوى واكثر المشائخ عليه وهو الاوجه[1] (ردالمحتار) والله اعلم.

بنکوں کے عطیہ سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کی سٹاف کالونی میں نماز پڑھنے کے

---

۱) الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، ايج ايم سعيد كراچي۔ وهكذا (الهندية كتاب الوقف، الفصل الأول في ما يصير به المسجد مسجداً الخ، ج ٢ ص ٤٥٨، بلوچستان بکڈپو۔

لیے کوئی مسجد نہیں ہے مسجد کی سرکاری طور پر تعمیر کے سلسلے میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب سے ملاقات کی گئی۔ مگر انہوں نے مجبوری ظاہر کی کہ مسجد کی تعمیر کے لیے کوئی سرکاری فنڈ وغیرہ نہیں ہے۔ یونیورسٹی کے کسی اور فنڈ سے وہ خرچ نہیں کر سکتے تاہم انہوں نے اطمینان دلادیا کہ وہ مسجد کی تعمیر کا ضرور انتظام کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف بینکوں کو خطوط لکھوائے کہ وہ ایک پرائیویٹ قسم کا فنڈ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں سے وہ یونیورسٹی کے اندر مسجد کی تعمیر اور ضرورت کے مطابق دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کریں گے۔ کئی بینکوں نے وائس چانسلر صاحب کی اس درخواست پر عطیے دیے۔ جس سے ایک کثیر رقم اکٹھی ہوگئی۔ (اگرچہ اس فنڈ کے قائم ہونے کی وجہ مسجد کی تعمیر ہی بنی۔ مگر یہ فنڈ ہمیشہ کے لیے قائم کیا گیا ہے) اس جمع شدہ رقم میں سے وائس چانسلر صاحب نے ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دے دیا۔ جو کہ آج کل زیر تعمیر ہے۔ مسجد کے لیے زمین یونیورسٹی کی زمین سے وقف کردی گئی ہے۔ اس کا بنکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن تعمیر پر خالصتاً بنکوں کا پیسہ صرف ہورہا ہے۔ کیا مسجد کی یہ تعمیر شریعت کی رو سے جائز ہے۔ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ہے۔ اگر اس موجودہ صورت کے مطابق جائز نہیں ہے تو کسی اور صورت سے جائز ہوسکتی ہے۔ یا نہیں؟ مثلاً مقامی لوگ تھوڑا بہت چندہ جمع کرکے اس میں شامل کردیں۔ اگر کسی طرح بھی جائز نہیں ہے تو اس مسجد (زیر تعمیر) کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمادیجیے۔

آج کل بنکوں کا سارا کاروبار سودی لین دین سے چلتا ہے جو کہ قطعی حرام ہے اور حرام مال مسجد پر صرف کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور ان کا حکم بھی مختلف ہے:

(۱) حرام مال سے مسجد کی زمین نہ خریدی گئی ہو۔ بلکہ دیواروں پر خرچ کیا ہو اس صورت میں چونکہ نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ اس لیے اس میں نماز درست ہے۔ مگر حرام مال مسجد پر صرف کرنے کا گناہ ضرور ہوگا۔ لہٰذا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری ہے۔

قال في الشامية (قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة امالو انفق في ذلک مالاخبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله تعالى لايقبل الاالطيب فيكره تلويث

بيته بمالا يقبله. شرنبلاليه (ردالمحتار ج ا ص۴۸۷)[1]

(۴) اگر حرام مال فرش پر لگایا گیا تو نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا۔ لہٰذا اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس کا تدارک یوں ہوسکتا ہے کہ حرام مال سے تیار کردہ فرش اکھاڑ کر طیب مال سے فرش لگایا جائے۔ (هکذا فی احسن الفتاوی ص۴۸۲)[2]

اس روپے سے مسجد تعمیر کرنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کسی سے قرض لے کر اس سے مسجد تعمیر کی جاوے۔ اور بنکوں کی طرف سے جو رقم مسجد کے لیے ملی ہے۔ اس سے وہ قرض ادا کیا جائے۔ قرض خواہ کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے۔ ادا کرنے والا گنہگار رہوگا۔ كما في السراجية[3] المغنية اذا قضى دينها من كسبها اجبر الطالب على الاخذ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد انور شاہ غفرلہ، خادم الافتاء مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۸۸/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۸۸/۶/۲۸ھ

جھوٹے الزام والی رقم سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے ایک زمین تبلیغی مرکز (مسجد وغیرہ) کے لیے قیمتاً فروخت کی۔ اس پر تعمیر ہورہی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید نے یہ زمین فراڈ کے روپیہ سے خریدی تھی۔ لیکن بکر کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جب زید سے تحقیقات کی گئیں تو اس نے کہا میں بینک کا ملازم ہوں میں نے ایک پیسہ بھی سود کا اس زمین کی خرید میں نہیں لگایا۔ بلکہ بینک کی طرف سے ملازمین کو مکان بنانے کے لیے بلاسود قرضہ ملا تھا۔ میں نے چھ ہزار روپیہ بلاسود لے کر اس زمین کی خرید میں لگائے۔ باقی ماندہ رقم تبلیغی مرکز کے منتظمین سے مختلف

---

۱) درالمختار: کتاب الصلوة، مطلب کلمة لا باس دلیل علی أن المستحب غیره الخ، ج ۱ ص ۶۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وأیضاً فی الدر المختار: لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملك الخ، ج ٤ ص ٥٠٢، ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی البخاری: عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله الا الطيب، باب الصدقة من كسب طيب، ج ۱ ص ۱۸۹، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۲) أحسن الفتاوی، کتاب الوقف، أبواب المساجد، ج ٦ ص ٤٣٢، ایچ ایم سعید کمپنی۔
۳) یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

اقساط میں لے کرادا کی ہے۔ جب زید کے حقیقی بھائی سے بھی تحقیقات کی گئیں تو انہوں نے بھی اسی بات کی تصدیق کی کہ زمین کی خرید میں زید نے فراڈ سے کوئی رقم بینک سے مال یا نقدی کی صورت میں لے کر نہیں لگائی۔ لیکن بکر اپنی بات پر مصر ہے۔ جبکہ اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مرکز میں نماز پڑھنا اور دین کا کام کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر کسی قسم کی کراہت یا حرمت ہو اس کی بھی تشریح فرما دیں۔

﴿ج﴾

ایسی مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ بکر کا دعویٰ بغیر ثبوت اور دلیل کے معتبر نہیں ہے (۱)۔ اہل اسلام اور دیندار حضرات کے لیے مسجد اور تبلیغی مرکز کی امداد اور اعانت ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بدکاری کی کمائی سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک رنڈی نے ایک مسجد بنائی ہے آیا اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اس کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر مال حلال سے مسجد بنائی ہو جیسے میراث، ھبہ وغیرہ کے مال سے تو نماز اس میں بلا کراہت جائز ہے اور اگر حرام مال سے بنائی ہو جیسے اس بدفعلی کے عوض میں جو مال اس کو ملا ہو اس سے بنائی ہو تو یہ مسجد شرعاً مسجد نہ ہوگی (۳)

---

۱) عن خريم بن فاتك رضي الله عنه قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مرات ثم قرأ ...... واجتنبوا قول الزور الخ، المشكوة باب الأقضية والشهادة، ج ۱ ص ۳۲۸، قديمى كتب خانه كراچى۔

۲) انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر (پاره نمبر ۱۰ سورة التوبة، آيات نمبر ۱۸)۔
وأيضاً فيه: وتعاونوا على البر والتقوى (پاره نمبر ٦ سورة المائدة، آيت نمبر ۲)۔

۳) كما لو تصرف من المغصوب والوديعة بأن باعه (وربح) فيه (اذا كان) ذلك (متعيناً بالإشارة أو بالشراء بدرهم الوديعة، أو الغصب ونقدها يعنى يتصدق بربح حصل فيهما اذا كان هما يتعين بالإشارة وان كان مما لايتعين فعلى أربعة أوجه فان أشار اليها ونقدها فكذلك يتصدق (وان أشار اليها ونقد غيرها، أو أشار (الى غيرها) ونقدها، أو أطلق، ولم يشر (ونقدها، لا) يتصدق فى الصور الثلاث عند الكرخى، قيل (وبه يفتى) والمختار أنه لا يحل مطلقاً كذا فى الملتقى ولو بعد الضمان ...... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخى فى زماننا لكثرة الحرج، وهذا كله على قولهما الدر المختار، كتاب الغصب، ج ٦ ص ۱۸۹، ايچ ايم سعيد كراچى۔

اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱) کیونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلہ قربت میں تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی مال حلال سے بنائی ہوتو ثواب ہوگا حرام سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

رشوت لینے والے شخص سے مسجد کے لیے چندہ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص گرداور ہے اور ظاہراً رشوت لیتا ہے اور تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ رشوت لیتا ہے۔ گرداور اپنے خرچہ سے مسجد شریف کا برآمدہ تیار کرانا چاہتا ہے کیا لوگ اس کو تعمیر کرنے کی اجازت دیں یا نہیں؟ اگر برآمدہ تیار کرادے تو کیا اس میں نمازی کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس تعمیر شدہ حصہ میں لوگوں کی نمازیں ہوسکیں گی یا نہیں؟ مکمل تحریر شدہ مسئلہ سے آگاہ کریں۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر گرداور کا وہ مال جسے وہ مسجد میں لگانا چاہتا ہے خالص رشوت کا ہے یا اس میں غلبہ رشوت کے مال کا ہے تو اس مال کا مسجد میں لگانا جائز نہیں (۲)۔ اسے مسجد میں لگانے کی اجازت نہ دی جاوے۔ البتہ گرداور رشوت لینے والے کے پاس مال طیب بھی ہے جس کے ساتھ رشوت وغیرہ حرام کمائی کا مال ملا ہوا نہیں ہے یا رشوت وغیرہ مال خبیث کی ملاوٹ تو ہے لیکن غلبہ پاک مال کا ہے۔ تو ان دو صورتوں میں اس مال کا مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے (۳) اور اس مال سے تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھنے پر پورا ثواب ملے گا البتہ اگر پہلے دو قسم

---

۱) قال تاج الشريعة: أما لو انفق فى ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره لأن الله تعالى لا يقبل الا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، (رد المحتار كتاب الصلوة، مطلب كلمة لا بأس الخ ج ۱ ص ۶۵۸، ایچ ایم سعید کراچی۔
ومثله فى البحر الرائق: كتاب الكراهية نص فى البيع، ج ۸ ص ۳۶۹، رشديه۔

۲) لو بمال الحلال، قال تاج الشريعة أما لو أنفق فى ذلك مالا خبيثاً أومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالى لا يقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، ردالمحتار، كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۶۵۸، ایچ ایم سعید۔

۳) غالب مال المهدى ان حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتعين أنه من حرام وان غلب مال الحرام، لا يقبلها، ولا يأكل الا اذا قال انه حلال ورثه أو استقرضه۔
البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: كتاب الكراهية: الفصل الرابع فى الهدية والميراث، ج ۶ ص ۳۶۰، طبع رشيديه كوئته۔

کے مالوں سے مسجد کا برآمدہ تیار کردے تو اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ ھذا

الجواب صحیح عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ھذا۔ ۲۲/۱/۱۳۸۲ھ

سودی رقم سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بندہ نے ایک قطع زمین مسجد اور دینی مدرسہ کے لیے اپنی رقم سے خریدی ہے۔ اب اسے بنانے کی ضرورت میں ایک مشکل پیش آئی ہے۔ یعنی مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے چندہ لینے کی ضرورت ہوئی تو اس میں مشکل پیدا ہوگئی۔

مشکل یہ ہے کہ کاروباری حضرات جس میں غلہ، کپڑا، سوت وغیرہ بینک میں Pludge کرا کر (یعنی بینک میں اشیاء رکھ کر) اس پر ۷ فیصد رقم لیتے ہیں۔ اس حاصل شدہ رقم پر بینک کو ۷ پرسنٹ سود ادا کرتے ہیں۔ ان کاروباری حضرات میں دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ تو خود اپنے ذاتی کاروبار کے لیے مال کے بدلے بینک سے رقم لے کر خود سود ادا کرتا ہے اور دوسرا حصہ ایک آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) کی شکل میں ہے جو کہ ایک بیوپاری آڑھتی کے پاس مال لاتا ہے مال کو کچھ دن روکنے کے لیے کہتا ہے اور ساتھ ہی ۷٪ (پرسنٹ) رقم مانگتا ہے۔ اس رقم پر آڑھتی کو ایک پیسہ فی روپیہ (۵۶/۱ روپیہ فی سینکڑہ) آڑھت دیتا ہے۔ آڑھتی نے اپنے نام پر بینک میں کھاتہ کھول کر (لمٹ) لے رکھی ہوئی ہے۔ جب بیوپاری مال پر رقم مانگتا ہے تو آڑھتی اس مال کو بینک میں پلیج کرا کر ۷٪ (فیصد) رقم لے کر بیوپاری کو دے دیتا ہے اور جو سود پڑے وہ بیوپاری کے نام اپنی کتابوں میں لکھ دیتا ہے۔ جب بیوپاری کا مال فروخت ہو جائے تو اس فروختگی رقم سے سود اور خرچہ وغیرہ اور اپنی آڑھت لے لیتا ہے۔ اس طرح دونوں کاروباری حضرات میں چھوٹے تاجر اور بڑے تاجر اور کارخانہ دار شامل ہیں۔ اب مندرجہ ذیل حالات میں کاروباری حضرات سے مسجد یا دینی مدرسہ کی تعمیر کے لیے چندہ وزکوٰۃ لی جا سکتی ہے۔ اگر لی جا سکتی ہے تو ان کو کوئی ثواب ملے گا۔

﴿ج﴾

دونوں صورتیں سود پر رقم قرض لینے کی ہیں اور یہ دونوں قسم کے کاروباری لوگ سود دیتے ہیں گویا سود کھلانے والے ہیں [1] اور حدیث شریف میں سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت آئی ہے۔

---

۱) لهذا ان سے چندہ لینا اور مسجد میں لگانا درست نہیں یہ کیونکہ مال حرام ھے، تقدم تخریجہ تحت عنوان رشوت لینے والے شخص سے مسجد کے لیے چندہ لینا۔

كما في الحديث لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا و مؤكله و كاتبه و شاهديه وقال هم سواء[1] (مشکوۃ شریف)

لیکن رقم جولوگ سودی قرض پر لے لیتے ہیں اور یا اس قسم کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی ہے یہ رقم حلال ہے حرام نہیں ہے اور یہ رقم مسجد و مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے اور ان لوگوں کو خرچ کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

اگر چہ ایسا ناجائز کام یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں سے دوستانہ تعلقات شرعاً درست نہیں بلکہ ان کو سود کھلانے سے روکا جائے[2] اور ایسے معاملات کرنے سے ان کو منع کیا جائے اور نہ رکنے کی صورت میں ان سے دوستانہ تعلقات قطع کر لیے جائیں[3] اور ان کے پاس چندہ لینے کی غرض سے نہیں جانا چاہیے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۸۶/۱۲/۲۷ھ

کلیم کے ذریعہ مسجد کی زمین کا حصول

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے اپنا -/۲۵۰ روپے کا مصدقہ کلیم مبلغ -/۱۰۰ روپے میں اپنی خوشی سے فروخت کر دیا ہے۔ مشتری نے دوسری جگہ پر پھر -/۲۵۰ روپے میں فروخت کر دیا ہے۔ کیا اس اضافہ شدہ رقم کو سود تصور کیا جاوے گا یا نفع تصور کیا جائے گا۔ مشتری اس کلیم کو مسجد کی متروکہ زمین کے عوض حکومت کو بطور قیمت ادا کرنا چاہتا ہے۔ کیا مسجد میں یہ کلیم قیمت کے طور پر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

---

۱) المشكوة، باب الربوا الفصل الأول، ج ۱ ص ۲٤٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

۲) من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان، (سنن النسائي كتاب الإيمان، ج ۲ ص ۲٦۹، قديمي كتب خانه كراچي۔

۳) ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، (پاره نمبر ۱۲، سورة هود، آيات نمبر ۱۱۳)۔

٤) أكل الربا وكاسب الحرام أهدى اليه أو اضافه، وغالب ماله حرام، لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر، ج ٥ ص ۳٤۳، رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

کلیم [۱] درحقیقت حق ملکیت ہے خود مال نہیں۔ اس لیے اس کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں یہاں یہ واپس کلیم والے کو اپنا کلیم دیا جاوے اور اس تمام خرید وفروخت کو کالعدم قرار دیا جاوے [۲]۔ مسجد میں ایسی صورت کرنی جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

اعلانیہ بدکاری کرنے والے سے مسجد کے لیے چندہ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے ثانی شادی کرتے وقت اپنی سابقہ بیوی کو مثلاً طلاق دے دی۔ لیکن بعد از شادی زید کی مطلقہ بیوی نے زید کے گھر میں ہی دوسرے مکان میں چار پانچ سال گزارے اور محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتی رہی۔ مگر ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر زید کی ثانی بیوی نے اس بات کو برداشت نہ کیا۔ گھر میں نہایت شدت کے ساتھ فتنہ فساد شروع ہو گیا اور ثانی بیوی والدین کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔ اب زید اپنی مطلقہ بیوی کے ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے اور ایک جگہ میں رہتے ہیں اور عوام الناس بھی سامنے دیکھتے ہیں مگر اس کو برا محسوس نہیں کرتے اور نہ اس سے دل میں خاص کر نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ چک کا ایک خاص ممبر منتخب ہے اور زید کا ایک بھائی جو چک گاؤں میں ہی سکونت پذیر ہے۔ وہ اہل اللہ بھی کہلواتا ہے اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی دور دراز تک جاری ہے۔ وہ بھی اس کو ہدایت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے۔ جلسہ وجلوس میں ایک دوسرے کے ہاں برابر شریک رہتے ہیں۔ دیگر زید کے چک کی ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس میں اس سے چندہ بھی مسجد کے لیے لیا گیا ہے۔ اور مسجد کے کاروبار میں شریک ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو نمازی اور پرہیزگار بھی دکھلاتا ہے۔ اور جماعت میں آ کر شامل ہو جاتا ہے ایسے شخص کا جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا کہ نہیں؟ اور ایسے شخص کا مسجد پر روپیہ وغیرہ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں یا جس مسجد میں

---

۱) (ف) کلیم: حق، دعوی، مطالبہ۔ (۲) استغاثہ، نالش (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۶، طبع فیروز سنز)۔

۲) یہ حقوق مجردہ میں سے ہے، لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة، در المختار، کحق الشفعة، قال فی الأشباه فلو صالح عنها بمال بطلت، در المختار مع رد المحتار، مطلب لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة، ج ۷ ص ۳۱، طبع رشیدیہ (جدید) کوئٹہ۔

وأیضاً یہ بھی حقوق مجردہ کی قسم ہے جیسے نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع الولاء وعن هبته، البخاری فی العتق، باب بیع الولاء وهبته، ج ۱ ص ۳۴۴، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ایسے شخص کا ہاتھ ہو یا رقم صرف کی جاوے اس مسجد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھنے والے کس جرم کے مرتکب ہیں۔ اگر ایسا شخص مرجائے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ شخص سخت گنہگار ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مطلقہ بیوی سے میل جول نہ رکھے [۱]۔ برادری والے اس کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ شخص نہ مانے تو اس کے ساتھ برادری کے تعلقات سے احتراز کریں [۲]۔ ایسے شخص کا چندہ اگر مسجد میں صرف کیا جائے تو شرعاً اس مسجد میں نماز جائز ہے۔ کوئی قباحت نہیں۔ مرنے کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے گا [۳] اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفر اللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ

چوری کے شبہ میں وصول رقم کا مسجد میں استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چک نمبر ۴۸/ ۱۵ ایل میں سے مسجد کا سپیکر چوری ہوگیا۔ چک والوں نے مسمی نور محمد ولد پہلوان سے مبلغ آٹھ سو روپے کا ضامن لے لیا کہ اگر صفائی دے دے تو بری ورنہ مذکورہ رقم وصول کر لی جاوے گی۔ ابھی تک صفائی نہیں لی گئی تھی کہ ایک شخص نے ایک سو روپیہ لے کر مخبری کی کہ سپیکر لیاقت علی ولد اللہ بخش اور اس کے ساتھیوں کو لے جاتے دیکھا گیا ہے۔ لیکن لیاقت علی نے کہا کہ یہ ذاتی عناد کی بنا پر الزام لگاتا ہے اور اپنا جھگڑا منصف (لائی) کے پاس لے گئے۔ لائی نے فیصلہ کیا اگر کوئی چک مذکورہ

---

۱) ولا بد من سترة بينهما فى البائن، لئلا يختلى بالأجنبية، در المختار، كتاب الطلاق، مطلب الحق أن على المفتى أن ينظر فى خصوص الوقائع، ج ۵ ص ۲۳۰، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔

۲) ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار، (پاره نمبر ۱۲، سورة هود آيت نمبر ۱۱۳۔
وهكذا من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان، (رواه النسائى، كتاب الإيمان، ص ۲۶۹، ج ۲، طبع قديمى كتب خانه)

۳) وشرطها(ستته (اسلام الميت وطهارته) الدر المختار، مطلب فى صلوة الجنازة، ج ۳ ص ۱۲۱، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔
وهكذا وهى فرض على كل مسلم مات فله أربعة: (بغاة، وقطاع طريق) الخ (الدر المختار) مطلب عمل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبى، ج ۳ ص ۱۲۵، طبع رشيديه (جديد) كوئٹه۔

کا بااعتماد آدمی لیاقت علی کی صفائی دے دے تو یہ بری ہے۔لیکن لیاقت علی کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی صفائی نہ دی او اہل دیہہ نے لیاقت علی اور اس کے والدین کی قسم قبول نہ کی۔لہٰذا بات یہاں رک گئی۔چند سال بعد مسجد کے طہارت خانے کے دروازے کا تختہ گم ہوگیا اور کچھ عرصہ کے بعد صادق ولد پارا کے گھر سے وہی تختہ برآمد ہوگیا۔

چک والوں نے فوراً اندازہ لگایا کہ تختہ کا چور بھی مذکور نور محمد ہے چونکہ نور محمد اور احمد صادق ایک دوسرے کے دوست تھے اور صادق سے کہا گیا کہ تختہ کا چور بتادے کہ کون ہے۔تاکہ سپیکر بھی وصول کریں لیکن صادق نے کہا کہ مجھے تختہ بازار سے ملا ہے۔نہ میں نے چوری کیا ہے۔اور نہ ہی کسی نے چوری کرتے مجھے دیکھا ہے۔تقریباً دو سال یہی مطالبہ ہوتا رہا اور مذکورہ صادق یہی جواب دہراتا رہا۔آخر کار تھانہ میں اطلاع دی گئی،اور صادق کو بلوایا گیا۔ تھانیدار نے صادق سے کہا کہ مبلغ دوسو روپیہ مسجد میں دے دے اور تختہ بھی مسجد میں دے دے۔اور سپیکر کا فیصلہ اتفاق سے گاؤں میں کرلیں۔صادق نے دوسو روپے اور تختہ مسجد میں دے دیا اور ساتھ یہ کہا کہ نہ میں نے تختہ چوری کیا نہ ہی سپیکر تختہ کے ساتھ چور سے وصول کریں گے۔ادھر نور محمد سے ضامن لیا گیا کہ اگر مسجد کی کوئی معمولی سے معمولی چیز کی تیرے اوپر چوری ثابت ہوگئی تو مبلغ پچیس سو روپے بابت قیمت سپیکر گمشدہ وصول کریں گے نور محمد نے یہ بات بخوبی تسلیم کرلی۔دوسرے روز بعد نماز جمعہ مسجد کے سامنے روبرو معززین اہل دیہہ صادق نے کہہ دیا کہ تختہ نور محمد نے چوری کرکے مجھے دیا ہے۔اور نور محمد نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا۔اس کے بعد نور محمد نے کہا کہ صادق کا بیٹا تختہ چوری کرتے وقت میرے ساتھ تھا۔لہٰذا وہ اپنا جھگڑا پھر ایک ثالث (لائی) کے پاس لے گئے۔ لائی نے کل رقم -/۲۰۰+۲۵۰۰=(-/۲۷۰۰) جمع کی اور فیصلہ دے دیا کہ مبلغ تیرہ سو پچاس روپے نور محمد ادا کرے اور تیرہ سو پچاس روپے صادق دے دے۔چک والوں نے اس کلیہ کے مطابق رقم وصول کرلی۔لیکن اب دونوں نور محمد اور صادق کہتے ہیں کہ ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم نے سپیکر چوری نہیں کیا۔عوام کے خیال میں نور محمد سپیکر کا چور ہے اور صادق پر کم شبہ ہے۔اب یہ رقم -/۲۷۰۰ روپے مسجد کے استعمال میں لانی جائز ہے یا کہ نہ؟ اگر جائز ہے تو اس مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد یا کسی عوامی ضرورت میں استعمال کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ چوری کے ثبوت کے لیے حجت تامہ شرط ہے۔اگر نور محمد لاؤڈ سپیکر کی چوری کا منکر ہے اور ایسے گواہ جو شرعاً معتبر ہوں چوری کرنے پر موجود نہیں تو شبہ کی بنا پر لاؤڈ سپیکر کی چوری کا ثبوت نہیں ہوسکتا[1]۔تختہ کی چوری کا جب اس نے اقرار کیا تو تختہ کے بارے میں اس کا چور ہونا ثابت ہوا[2] لیکن جب اس نے تختہ واپس کیا

---

۱) والقول للمنكر مع يمينه، كتاب الدعوى، باب التحالف، ج ۷ ص ۳۷۵، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في المشكوة المصابيح: باب الأقضية والاشهادات، ج ۱ ص ۳۲۷، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔
۲) كما في البحر الرائق: اذا أقر مكلف بحق صح، كتاب الاقرار، ج ۷ ص ۴۲۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

تو اس کی قیمت لینی درست نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر بطیب خاطر رضامندی کے ساتھ دونوں یعنی نور محمد اور صادق اس رقم کو مسجد میں بطور چندہ دے دیں تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں راضی نہیں اور رقم دونوں اشیاء کی چوری کے عوض میں وصول کر لی ہے۔ تو مسجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۷/۴/۲۱ھ

ووٹوں کے حصول کے لیے مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی کا ایک شخص کہتا ہے عام بستی والوں کو کہ تم مجھے ووٹ دو اور میں تمہیں مسجد بنا دیتا ہوں کیا اس صورت کے اندر لوگوں کا اس کو ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا مسجد بنانا یا مسجد میں کوئی ایسی چیز دینا مثلاً نلکا لگوا دینا یا دوسرا کام کرا دینا وغیرہ ان ووٹوں کے عوض میں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اس شخص کا مسجد بنانا، نلکا لگوانا وغیرہ جائز و درست ہے[1] لیکن اس شخص کو چاہیے کہ مسجد وغیرہ محض لوجہ اللہ بنائے۔ کیونکہ مسجد بنانا بہت بڑا عمل ہے مسجد لوجہ اللہ بنانا جنت میں گھر بنانا ہے اور اگر یہ شخص ووٹوں کے معاوضہ میں ووٹروں کے لیے مسجد بنائے۔ مسجد بنانا تو جائز ہوگا لیکن اس کا ثواب نہیں ہوگا رہا سوال یہ کہ ایسے شخص کو ووٹ دیا جائے اس بات کا فیصلہ تنہا اس بات سے نہیں ہو سکتا کہ مسجد پر روپیہ خرچ کرے بلکہ دونوں امیدواروں میں ووٹ اس کو دیا جائے جو رائے دینے والے ووٹر کے نزدیک زیادہ دین دار اور نیک ہو اور زیادہ سمجھ دار اور معاملہ فہم ہو ممبری کے حقیقی فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور ممبری کو بنسبت دوسرے کے اچھی طرح انجام دیتا ہو یعنی رفاہ عامہ کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو اور لوگوں پر معاملات میں ظلم نہ کرتا ہو۔ کیونکہ ووٹ دینا درحقیقت اس کی شہادت دینا ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور نمائندگی کی اہلیت کے لیے دیندار ہونا بھی شرط ہے۔ نیز معاملہ فہم اور قوم کا بھی خیر خواہ ہونا اور اپنی

---

۱) لما في تفسير كشاف: وقيل كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب فهو لا حق بمسجد الضرار، سورة التوبة، آيت نمبر ۱۰۷، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الكتاب العربي، بيروت۔

وكذا في كفاية المفتي، ج ۷، ۸ ص ۴۵، طبع دار الإشاعت۔

بات مناسب انداز کے ساتھ مجلس کے سامنے پیش کرنے کی قابلیت رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیر مستحق اور نااہل امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی دینا ہے جو گناہ کبیرہ ہے[۱]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے[۲] یہ بھی معلوم ہو کہ ووٹروں کو ووٹ کے معاوضہ میں اپنی ذات کے لیے روپیہ لینا رشوت اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے کی حاصل کردہ رقوم سے مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کچھ زمین ادنیٰ غریب آدمیوں کی ملکیت میں تھی۔ حکومت والوں نے کہا تھا کہ یہاں یہ غرباء آبادیوں کی جگہ سے ایک نہر جاری کی جائے گی۔ پھر جب نہر جاری ہوئی تو اس غرباء والی زمین کی قیمت امراء کو حکومت والوں نے دے دی۔ غرباء کو نہیں دی۔ اب جن امراء کو وہ رقم دی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ رقم چونکہ تقسیم کرنے سے تمام پر تقسیم نہیں ہوسکتی اور ہم میں بیوہ اور یتیم بھی ہیں۔ مسجد کو دے سکتے ہیں یا کہ نہیں مسجد کو دینے میں وہ غریب لوگ بھی رضامند ہیں۔ جن کے قبضے میں وہ زمین تھی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یتیم اور نابالغ کا جو حق ہوتا ہے وہ تو مسجد میں نہیں دیا جاسکتا ہے ان کا حق تو ان کے حوالہ کیا جائے[۳]۔ باقی حقدار اگر رضامند ہوں تو مسجد میں وہ رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی مشكوة المصابيح، عن خريم بن فاتك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مرات ثم قرأ ...... الخ ...... رواه أبوداؤد وابن ماجة ورواه أحمد والترمذی باب الأقضية والشهادات، ج ۱ ص ۳۲۸، طبع قديمی كتب خانه۔

۲) عن عبد الرحمن بن أبی بكرة عن أبيه قال قال النبی صلى الله عليه وسلم ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثاً قالوا بلى يارسول الله قال الاشراك بالله وعقوق الوالدين وجلس وكان متكئاً فقال ألا وقول الزور فما زال يكررها حتى قلنا ليته سكت، باب لا يشهد على شهادة جور اذا أشهد بخاری، شريف، ج ۱ ص ۳۶۲، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

۳) بدائع الصنائع (ومنها) البلوغ فلا يصح الوقف من الصبی والمجنون لأن الوقف من التصرفات الضارة لكونه ازالة بغير عوض والصبی والمجنون ليسا من أهل التصرفات الخ كتاب الوقف والصدقة، ج ۶ ص ۲۱۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا فی العالمكيرية: وأما شرائطه فمنها العقل والبلوغ فلا يصح الوقف من الصبی والمجنون، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه وركنه، ج ۲ ص ۳۵۲، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وكذا فی البحر الرائق: وشرائطه أهلية الوقف للتبرك من كونه حراً عاقلاً بالغاً، كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۱۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

قرضہ والی مسجد میں نماز کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر کچھ قرضہ سے پوری کی گئی ہے اور متولی مسجد نے اپنی ذمہ داری پر قرضہ اٹھا کر مسجد کی بقیہ تعمیر کو مکمل کیا۔ اب بعض لوگ اس بات کا شبہ کرتے ہیں کہ مسجد چونکہ مقروض ہے۔ اس لیے جب تک مسجد کا قرضہ نہیں اتارا جاتا اس وقت تک نماز جائز نہیں ہے۔ جب کہ ہم مسلمان اس بقیہ قرضہ کو اتارنے کے لیے تیار ہیں۔

﴿ج﴾

اس مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اہل اسلام کو لازم ہے کہ جلد از جلد چندہ جمع کر کے متولی کو رقم حوالہ کردیں تاکہ وہ قرضہ سے سبکدوش ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی کھالوں کی رقم کا مسجد میں صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت مسجد میں صرف کرنا یا اس کے ملحقات پر یعنی حجرہ طہارت خانہ وغیرہ پر جائز ہے یا کلیتاً ناجائز ہے۔

﴿ج﴾

چرم قربانی کی قیمت کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ یعنی مسجد پر یا اس کے ملحقات پر صرف کرنا جائز نہیں [1]۔ فقراء و مساکین جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو دینا واجب ہے [2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۰/۱۲/۲۵ھ

---

۱) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد الخ، در المختار، ج ۳ ص ۳۴۱-۳۴۲، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۲ ص ۴۲۴، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وكذا في الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ج ۱ ص ۱۸۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) أي مصرف الزكاة ...... هو فقير ومن له أدنى شيء ومسكين من لا شيء له الخ كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۳ ص ۳۳۳، طبع مكتبه رشيديه در المختار، وكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ۲ ص ۲۴۰، طبع مكتبه ماجديه كوئته۔ وكذا في الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ج ۱ ص ۱۸۷، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

قربانی کی کھال کی رقم کا مسجد میں استعمال کرنے کا طریقہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چرم قربانی بلا وجہ بلا تاویل وحیلہ یا مع تاویل وحیلہ مساجد پر لگ سکتے ہیں یا نہ؟ چونکہ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ہوگیا ہے کہ کنز الدقائق اور ہدایہ وغیرہ میں یصدق بجلدھا کا ذکر ہے۔ یہ عبارت مجمل ہے۔ دونوں فریق آپس میں تاویل کرتے ہیں۔ برائے مہربانی نفیا واثباتا دلائل وحوالہ جات کی روشنی سے تشفی اور فیصلہ صادر فرمادیں مع مہر مدرسہ چونکہ معترض کی نظر میں بہشتی زیور اور فتاویٰ دیوبند کوئی معتبر نہیں ہے۔ دست بستہ عرض ہے کہ سلف صالحین کی کتابوں سے حوالہ بمع تحقیق ہوتا کہ قطع تنازع ہو۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو اس وقت تک اس کا حکم **مثل لحم اضحیہ** کے ہے[1]۔ ہر شخص کو اس کا دینا اور خود بھی اس سے **منتفع** ہونا جائز ہے، غنی کو بھی دینا جائز ہے[2]۔ جبکہ اس کو تبرعاً دیا جاوے[3]۔ اس کی کسی خدمت وعمل کے عوض میں نہ دیا جائے اور جب اس کی ملک کر دیا جاوے اس کے لیے اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے۔

اور جب فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے۔ اور تصدق کی ماہیت میں تملیک ضروری ہے۔ چونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے اس لیے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ کے ہیں اور زکوٰۃ کی رقم مسجد پر نہیں لگ سکتی۔ **کما فی الهداية ولا يبنى بها المسجد ولا يكفن بهاميت لانعدام التمليك وهو الركن** (ہدایہ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ) بنا بریں قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے[4]۔ البتہ

---

۱) كما في مجمع الأنهر واللحم بمنزلة الجلد، كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔ وهكذا في تبيين الحقائق: كتاب الأضحية، ج ٦ ص ٤٨٦، طبع دار الكتب العلمية، بيروت۔ وهكذا في البحر الرائق: كتاب الأضحية، ج ٨ ص ٣٢٧، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنياً ويدخر الخ، ج ٦ ص ٤٨٥، تبيين الحقائق، طبع مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔ مجمع الأنهر، واللحم بمنزلة الجلد، كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الأضحية، ج ٨ ص ٣٢٧، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ ولا يعطى أجرة الجزار منها، ج ٨ ص ٣٢٧، بحر الرائق، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) وهكذا في تبيين الحقائق: ج ٦ ص ٤٨٦، طبع مكتبه دار الكتب علميه، بيروت۔ وكذا في مجمع الأنهر: كتاب الأضحية، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔

٤) هدايه كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات، الخ، ج ١، ص ١٨٨، طبع بلوچستان بك ڈپو۔ وهكذا لا يصرف الى بناء نحو مسجد الخ، در المختار، ج٣ ص ٣٤١، ٣٤٢ طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وهكذا في البحر الرائق: كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ٢ ص ٤٢٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

فقہاء نے تعمیر مسجد اور اس قسم کے امور کے لیے جواز کی یہ صورت لکھی ہے کہ چرم قربانی کی قیمت اول کسی ایسے شخص کی ملکیت کردی جاوے جو اس کا مصرف ہو۔ پھر وہ شخص اس قیمت چرم کو اپنی ملک اور قبضہ میں لے کر غرض مذکور میں صرف کردے۔ یہ احکام مختلف ابواب سے لیے گئے ہیں۔ فی الدر المختار (ویتصدق بجلدها اویعمل منه نحو غربال و جراب) وقربة وسفرة و دلو (اویبدله بما ینتفع به باقیا) کما مر (لابمستهلک کخل ولحم و نحوه) کدراهم (فان بیع اللحم اوالجلدبه). ای بمستهلک (او بدراهم تصدق بثمنه)[1] الخ ج۵ ص ۲۳۱. وفی الدر المختار قبیل باب الرجوع فی الهبة (والصدقة کالهبة ج۴ص ۵۸۱)، وقال فی الدر المختار فی بدء کتاب الهبة ج۴ص ۵۶۲ (هی) ای الهبة) تملیک العین مجانا ج۴ص ۵۸۱ وفیه باب مصرف الزکوة (وجازت التطوعات من الصدقات) وغلة الاوقاف لهم ج۲ ص ۷۳. الخ. وفی الدر المختار قدمنا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یامره بفعل هذه الاشیاء (وفی ردالمحتار) ویکون له ثواب الزکوة وللفقیر ثواب هذه القرب ج۲ ص ۶۹.

ان روایات سے ثمن جلد (قیمت چرم) کے تصدق کا وجوب اور تصدق میں اشتراط تملیک اور صدقات واجبہ کا مصرف مثل زکوٰۃ اور حیلہ مذکورہ کے ساتھ مسجد میں صرف کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی کھال کی رقم سے اسکول کی تعمیر

﴿س﴾
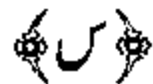
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں پرائمری سکول منجانب ڈسٹرکٹ بورڈ منظور شدہ ہے۔ جس میں دو معلم تعلیم دیتے ہیں ان کی تنخواہ کا کفیل ڈسٹرکٹ بورڈ ہے۔ باقی تعمیر مکان تعلیم پرائمری بذمہ عطیہ دہندگان بستی ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ مکان کے لیے کوئی امداد نہیں دیتی اور ہر امیر غریب کے لڑکے تعلیم پا رہے ہیں۔ باشندگان بستی مذکورہ کا ارادہ ہے کہ یہ رقم چرم قربانی سکول مذکور پر خرچ کردی جاوے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔ از طرف جملہ عطیہ دہندگان خاص بمقام چک ۱۰۳ ڈاکخانہ خاص براستہ جہانیاں تحصیل خانیوال ضلع ملتان خاص کر جناب کا شاگرد نیاز مند غلام حسن بلوچ سابقہ سکونت محلہ شاہ گردیز اندرون بوہر گیٹ حال امام مسجد چک ۱۰۳ ڈاکخانہ خاص براستہ جہانیاں تحصیل خانیوال۔

---

۱) وفی الدر المختار: کتاب الأضحیة، ج ٦ ص ٣٢٨، طبع ایچ ایم سعید۔
وهکذا فی تبیین الحقائق: کتاب الأضحیة، ج ٦ ص ٤٨٦، طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔
وهکذا فی مجمع الأنهر، ج ٤ ص ١٧٤، طبع مکتبه غفاریه کانسی روڈ کوئٹه۔

﴿ج﴾

قیمت چرم قربانی بعد فروخت ہو جانے کے ضروری ہے کہ اسے کسی مستحق زکوٰۃ کی تملیک کر دی جائے اسے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ ۱۳۷۶/۱۲/۲۶ھ

اس مسجد کا حکم جس پر اہل باطل کا مال خرچ کیا گیا ہو

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ اہل سنت والجماعۃ کی تعمیر مسجد پر شیعوں کی صدقات وخیرات کی رقم لگانا درست ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر یہ شیعہ غالی ہیں اوران کے عقائد حد کفر کو پہنچے ہوں مثلاً وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تہمت کے قائل ہوں یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کے منکر ہوں۔ یا حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی کے قائل اور قرآن میں تحریف کے قائل ہوں یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کے قائل ہوں[2] وغیرہ تو ایسے اہل تشیع کے صدقات اور خیرات کی رقم تعمیر مسجد میں لگانا درست نہیں[3]۔ اور اگر یہ شیعہ حضرات غالی نہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وغیرہ نہ کرتے ہوں

---

۱) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد الخ در المختار، ج ۳ ص ۳۴۱-۳۴۲، طبع مكتبه رشيديه۔ وكذا في البحر الرائق: بناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء قن يعتق ...... وعدم الجواز لانعدام التمليك الذى هو الركن في الأربعة الخ كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ۲ ص ۴۲۴، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔ وكذا في الهندية: ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطير والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه ولا يجوز أن يكفن بها ميت ولا يقضى بها دين الميت كذا في التبيين كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ج ۱ ص ۱۸۸، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) نعم لا شك في تكفيره من قذف السيدة عائشة رضى الله عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في على رضى الله عنه أو أن جبريل غلط في الوحى الخ كتاب الجهاد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين (شامية) ج ٦ ص ۳٦٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في الهندية الباب التاسع في أحكام المرتدين، ج ۲ ص ۳٦٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) وكذا في البحر الرائق: والمراد أنه ليس موضوعاً للتعبد به كالصلوة والحج بحيث لا يصح من الكافر أصلاً بل التقرب به موقوف على نية القربة ...... في قوله ويشترط أن يكون قربة في ذاته ...... اذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر شامية، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۳۹، طبع ايچ ايم سعيد، رد المحتار۔ وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: وشرطه شرط سائر التبرعات وأن يكون قربة في ذاته ...... أن شرط وقف الذى أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على المسجد القدس الخ، كتاب الوقف، ج ٦ ص ۵۲۲، طبع مكتبه رشيده كوئته۔

محض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کے قائل ہوں تو ایسے شیعوں کو اپنے قریب کر کے انہیں احسن طریقے سے اہل السنت والجماعۃ بننے کی ترغیب دیں۔اور تبلیغ کریں نیز اس صورت میں (چونکہ حد کفر کو نہیں پہنچے) اس لیے ان کے صدقات وخیرات قبول کر لینا اور تعمیر مسجد میں لگانا جائز ہے[1]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔

لاہوری مرزائی کا مسجد کے لیے چندہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد نے اپنی ایک مسجد کے لیے مرزائی جماعت کے لاہوری فرقہ کے ایک مالدار سے مسجد کے لیے چندہ حاصل کیا ہے۔کیا اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔نیز وہ مسجد جس میں لاہوری مرزائی کا روپیہ صرف کیا گیا ہے۔اس مسجد میں مسلمانوں کا نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فی نفسہ جس کافر کے نزدیک مسلمانوں کے لیے مسجد تعمیر کرانا کار خیر ہو تو وہ مسجد بھی تعمیر کرا سکتا ہے اور اس کا چندہ مسجد کی تعمیر میں بھی لگ سکتا ہے۔اور مسجد مذکور مسجد کے حکم میں ہی ہوگی۔اور مسلمانوں کا اس میں نمازیں پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔**قال فی العالمگیریة ج ۲ ص ۳۵۳ ولو وقف الذمی داره علی بیعة او کنیسة اوبیت نار فهو باطل کذا فی المحیط وکذا علی اصلاحها و دهن سراجها ولو قال یسرج به بیت المقدس اویجعل فی مرمة بیت المقدس جاز**[2]۔الخ

لیکن اگر مسلمانوں پر کل کو اس کے احسان جتلانے کا اندیشہ ہو تو ایسے کافر کا چندہ لینے سے احتراز کرنا چاہیے۔فتاویٰ[3] رشیدیہ ص ۴۰۹ تعمیر ومرمت مسجد میں شیعہ وکافر کا روپیہ لگانا درست ہے۔اور امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۰۴[4] پر ہے (الجواب) اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور یہ احتمال ہو کہ اہل

---

۱) لما فی البزازیة: غالب مال المهد أن حلالاً لا بأس بقبول هدیته الخ کتاب الکراهیة، الرابع فی الهدیة، ج ٦ ص ٣٦٠، البزازیة علی هامش الهندیة، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

۲) ولو وقف الذی داره علی بیعة أو کنیسة أو بیت نار فهو باطل کذا فی المحیط وکذا علی اصلاحها ودهن سراجها الخ عالمکیریة، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔
وکذا فی الدرالمحتار مع رد المحتار: وشرطه شرط سائر التبرعات ...... وأن یکون قربة فی ذاته ...... أن شرط وقف الذی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس، ج ٦ ص ٥٢٢، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

۳) تالیفات رشیدیه، ص ٤٣٨، طبع اداره اسلامیات لاهور۔

٤) امداد الفتاوی، ج ٢.ص ٦٦٤، طبع مکتبه دار العلوم کراچی۔

اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت کریں گے یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے۔ اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

قادیانیوں کا مسجد کے نام سے عبادت گاہ بنانا

﴿س﴾

کیا مرزائی مسجد کے نام سے اپنی کوئی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده۔

مسجد صرف مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کسی بھی کافر کو مسجد کے نام سے کوئی عمارت بنانا جائز نہیں۔ قرآن کریم کی آیات کی تصریحات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منطوقات اس کے شاہد عدل ہیں[1]۔ مسجد ضرار کی تعمیر اور پھر اسے گرانا اور جلانا ثابت کرتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں اور منافقوں کی اس تعمیر شدہ مسجد کو مسجد تسلیم نہ فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے اسے تعمیر کیا تھا[2]۔ لہٰذا مرزائیوں کی بنائی ہوئی مسجد کو بھی مسجد تسلیم نہیں کیا جائے

---

۱) قال الله تعالى: ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شهدين على أنفسهم بالكفر أولئك حبطت أعمالهم وفي النار هم خالدون (آیت نمبر ۱۷، انما يعمر مسجد الله من آمن بالله واليوم الآخر الآيت ۱۸ (سورة التوبة) وفي تفسير المظهرى: (أن يعمروا مسجد الله) يعني شيئاً من المساجد فضلاً عن المسجد الحرام فإنه يجب على المسلمين منعهم من ذالك لأن مساجد الله انما يعمر لعبادة الله وحده فمن كان كافراً بالله فليس من شأنه أن يعمرها فذهب جماعة الى أن المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب فيمنع منه الكافر حتى لو أوصى به لا ينفذ ...... الخ، سورة التوبة، الآية ۱۷، ج ٤ ص ١٤٦، بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔ ومثله في التفسير الكبير: سورة التوبة، الآية نمبر ۱۷، ۱۸، ج ٦، ص ۹، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور۔

۲) فدعى النبي صلى الله عليه وسلم مالك بن الدخشم ...... فقال انطلقوا الى هذا المسجد الظالم أهله فاهدموه و أحرقوه" فخرجوا مسرعين، وأخرج مالك بن الدخشم من منزله شعلة نار، ونهضوا فأحرقوا المسجد وهدموه ...... الخ، تفسير القرطبي، سورة التوبة، الآيت ۱۰۷، ج ۸ ص ۲۵۳، دار أحياء بيروت۔ وكذا في روح المعاني، سورة التوبة، ج ۱۱ ص ۲۷، دار احياء التراث، بيروت، وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار، تفسير كشاف، سورة التوبة، الآيت ۱۰۷، ج ۲ ص ۳۱۰، طبع دار الكتاب العربي، بيروت۔

گا۔اس لیے کہ اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنے کے باوجود بھی وہ دستور پاکستان کی دوسری ترمیم کی رو سے کافر ہیں اوران کی تعمیر کردہ مسجد مسجد ضرار کے ساتھ پوری مماثلت ومشابہت بلکہ یگانگت رکھتی ہے۔لہٰذا اس کا بھی شرعی حکم وہی ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

مرزائی کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مرزائی کی خرید شدہ زمین میں تعمیر شدہ مسجد میں زید امامت کرتا ہے۔مسلمان اہل سنت جماعت نماز پڑھتے ہیں۔آیا اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس شخص نے قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کی ہے تو اس میں نماز جائز ہے اور زید کی امامت درست ہے۔قال[1] **فی النهرية واما مة (الوقف) فطلب الزلفى (الى قوله) واما الاسلام فليس بشرط و فى كتاب الوقف من شرح التنوير ذكره بدليل صحته من الكافر وفى الشامية حتى يصح من الكافر (الى قوله) بخلاف الوقف فانه لابدفيه من ان يكون فى صورة القربة وهو معنى ما ياتى فى قوله ويشترط ان يكون قربة فى ذاته اذ لواشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكافر (شامى)[2] فقط والله تعالى اعلم۔**

قادیانیوں کا شعائر اسلام کو استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مرزائیوں کے دونوں فرقوں کو تین ماہ کی کامل تحقیق وتفتیش کے بعد آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔مگر وہ بدستور اپنی عبادت گاہیں مسجد کے نام سے تعمیر کرتے ہیں اور وہاں مسلمانوں کی سی اذانیں دیتے ہیں۔جس سے بسا اوقات ایک

---

۱) وأما سببه فطلب الزلفى ...... الى قوله ...... وأما الإسلام فليس بشرط (هندية، كتاب الوقف، الباب الأول ج ٢ ص ٣٥٢، رشيديه۔

۲) شامی، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٩، ايچ ايم سعيد كراچی۔

وفي البحر الرائق: وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عند نا و عندهم ...... الخ، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦، رشيديه كوئٹه۔

ومثله في مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨، مكتبه غفاريه، كوئٹه۔

نو وارد اور ناواقف اسے مسلمانوں کی عبادت گاہ سمجھ کر وہاں چلا جاتا ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کسی اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم گروہ کو یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہ مسجد کے نام سے تعمیر کریں اور اس میں اسلامی اذان کہیں۔ سائل: راؤ عبدالمنان سرگودھا۔

﴿ج﴾

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ مسجد شعائر اللہ اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ جو صرف اہل اسلام کی عبادت گاہ ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم نے یہ اصول وضع کیا کہ کوئی غیر مسلم کافر اس کی تعمیر و تولیت کا اہل نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ٥ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ [1]

ترجمہ: ''مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو تعمیر کریں۔ جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی بھی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال حبط ہوچکے ہیں اور یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر وہی شخص کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر (غرض پورے دین محمدی پر) ایمان رکھتا ہو۔''

پھر دور نبوی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس امر کا دوٹوک فیصلہ ہوگیا کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام کا دعویدار بن کر کوئی جگہ مسجد کے نام سے تعمیر کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اور اسلامی حکومت اس سے کیا معاملہ کرے گی۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں ''مسجد ضرار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ منافقین مدینہ نے جو اپنے عقائد کفریہ کے باوجود قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان تفریق ڈالنے کی غرض سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ برکت کے لیے وہاں ایک نماز ادا فرمالیں [2]۔ قرآن کریم نے ان کی اس ناپاک

---

۱) سورۃ التوبۃ، پارہ ۱۰، الآیۃ ۱۷، (اس کی تخریج ''قادیانیوں کا مسجد کے نام سے عبادت گاہ بنانا'' کے عنوان کے تحت گزر گئی)

۲) قال المفسرون: ان المنافقين لما بنوا ذلك المسجد لتلك الأغراض الفاسدة عند ذهاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى غزوة تبوك، قالوا: يارسول الله بنينا مسجداً لذى العلة والليلة الممطرة والشاتية، ونحن نحب أن تصلي لنا فيه وتدعو لنا بالبركة، فقال عليه السلام انى على جناح سفر واذا قدمنا ان شاء الله صلينا فيه، فلما رجع من غزوة تبوك سالوه اتيان المسجد فنزلت هذه الآية، فدعا بعض القوم وقال: انطلقوا الى هذا المسجد الظالم أهله، فاهدموه وخربوه، ففعلوا ذالك وأمر أن يتخذ مكانه كناسة يلقى فيها الجيف والقمامة وقال الحسن: هم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يذهب الى ذلك المسجد فنادى جبريل عليه السلام لا تقم فيه أبداً، (التفسير الكبير، سورة التوبة، الآية ۱۰۸، ج ۸ ص ۲۵۳، طبع دار احياء التراث العربى، بيروت۔ ومثله في تفسير المظهرى: سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج۶، ص ۱۴۷ مكتبه علوم اسلاميه لاهور، ، وكذا في تفسير القرطبي سورة توبه آيت، ۱۰۷، ج ۴ ص ۲۹۵، بلوچستان بكڈپو كوئٹه۔ مثله في تفسير روح المعانى، سورة التوبة، الآية ۱۰۷، ج ۱۱ ص ۲۶۔۲۷، دار أحياء التراث العربي بيروت۔

سازش کا پردہ چاک کرتے ہوئے اس نام نہاد مسجد پر بلیغ تبصرہ فرمایا وہ یہ تھا:

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ o لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا . الاية [1].

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے اس غرض کے لیے مسجد بنا کر کھڑی کردی کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خدا اور رسول کے ساتھ کفر کریں۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں اور جو شخص خدا اور رسول کے ساتھ پہلے ہی لڑ چکا ہے۔ اس کے لیے ایک اڈا بنالیں۔ وہ قسمیں کھاجائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا قصد کیا ہے۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں جا کر کھڑے بھی نہ ہوں۔''

یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو حکم فرمایا اور اسے نذر آتش کرکے پیوند زمین کرڈالا [2]۔ قرآن کریم کی یہ آیات بینات اور حضرت خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل اس امر کا صاف فیصلہ کردیتا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ٹولہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسجد کے نام سے کوئی مکان تعمیر کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مسجد ضرار کو کفر و بددینی کا اڈا بنایا جائے۔ مسلمانوں میں تفریق ڈالی جائے اور کفر کے سرغنہ کے لیے ایک پناہ گاہ مہیا کردی جائے۔ اور یہ کہ اسلام اس کھیل کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کفر کے ان اڈوں کو مسمار کردے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں (اس واقعہ کے بعد) کبھی کسی غیر مسلم منافق کو یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ اپنی عبادت گاہ کے لیے ''مسجد'' کا مقدس نام استعمال کرے۔

مرزائی گروہ کا کفر و ارتداد آفتاب نصف النہار کی طرح کھل چکا ہے اور آئینی طور پر انہیں قطعی غیر مسلم قرار دیا جاچکا ہے۔ اس کے باوجود ان کا ادعائے اسلام انہیں منافقین مدینہ کی صف میں لاکھڑا کرتا ہے اور ان کی بنائی ہوئی مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے۔ اب یہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ انہیں اپنی عبادت گاہیں مسجد کے نام پر تعمیر کرنے سے باز رکھے۔ اور مسجد کے تقدس کی بے حرمتی کو برداشت نہ کرے [3]۔

---

۱) سورۃ التوبۃ، پارہ نمبر ۱۱، الآیۃ ۱۰۷/۱۰۸۔

۲) (اس کی تخریج اس سوال کے حاشیہ نمبر ۲ میں گزر گئی)۔

۳) عمارة المسجد تكون بمعنيين أحدهما زيارته والسكون فيه والآخر ببنائه وتجديد ما استقدم منه ...... فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولي مصالحها والقيام بها لانتظام اللفظ للأمرين الخ، (أحكام القرآن للجصاص، قوله تعالى، ما كان للمشركين، الآية ج ٤ ص ٢٧٨، دار أحياء التراث العربي، بيروت۔ وكذا في اللباب في علوم القرآن، سورة التوبة، الآيتان، ١٧، ١٨، ج ١٠ ص ٤٣، دار الكتب علمية بيروت۔

یہی حکم ''مسجد'' کے علاوہ دیگر اسلامی شعائر اور اسلامی اصطلاحات کا ہے ان کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اسلام کبھی اس امر کو برداشت نہیں کرتا کہ اس کی مقدس اصطلاحات و علامات کو منافقین و مرتدین کی دستبرد کا کھلونا بنا ڈالا جائے۔ فقہاء اسلام نے تصریح کی ہے کہ اسلامی مملکت کے غیر مسلم باشندوں کا لباس، وضع قطع اور مکان تک مسلمانوں سے ممیّز ہونا چاہیے۔ (دیکھیے شامی باب احکام الجزیہ ج ۴ ص ۲۰۶)[1] اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی شعائر کے معاملہ میں اسلام کے احساسات کس قدر نازک ہیں۔

علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ غیر مسلمانوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر وہ یہ حرکت کریں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں اس سے باز رکھیں۔ (بیہقی)...... قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں۔

فانہ یجب علی المسلمین منعھم من ذلک لان مساجد اللہ انما تعمر لعبادۃ اللہ وحدہ فمن کان کافرا فلیس من شانہ ان یعمرھا[2] (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۱۴۶)

ترجمہ ''مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کفار کو تعمیر مساجد سے باز رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں صرف عبادت الٰہی کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ پس کسی کافر کا یہ کام نہیں کہ انہیں تعمیر کرے۔''

امام قرطبی لکھتے ہیں:

فیجب اذا علی المسلمین تولی احکام المساجد و منع المشرکین من دخولھا[3]۔ (تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۸۹)

ترجمہ: ''اندریں صورت مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود احکام مساجد کے متولی ہوں اور کافروں کو ان میں مداخلت سے باز رکھیں۔''

شیخ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولو بنوا مسجدا لم یصر مسجدا ففی تنویر الابصار من وصایا الذی وغیرہ و صاحب

---

۱) (قولہ ویمیز الذمی الخ) حاصلہ: أنھم لما کانوا مخالطین أھل الإسلام، فلا بد من تمییزھم عنا کی لا یعامل معاملۃ المسلمین من التوقیر والإجلال وذالك لا یجوز وربما یموت أحدھم فجاءۃ فی الطریق ولا یعرف فیصلی علیہ ...... الخ۔

(شامی، کتاب الجھاد، فصل فی الجزیۃ، مطلب تمییز أھل الذمۃ فی الملبس، ج ٤ ص ٢٠٦، ایچ ایم سعید) ومثلہ فی فتح القدیر، کتاب السیر، باب الجزیۃ، ج ٥ ص ٣٠١، رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) تفسیر مظھری، سورۃ التوبۃ الآیۃ نمبر ١٧، پارہ نمبر ١٠، ج ٤ ص ١٤٦، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔

۳) تفسیر قرطبی، سورۃ التوبۃ، الآیت نمبر ١٧، ج ٨ ص ٨٩، دار أحیاء التراث العربی بیروت۔

الهوی ان کان لایکفر فهو بمنزلة المسلم فی الوصیة وان کان یکفر فهو بمنزلة المرتد[1]۔(الکفار الملحدین ص۱۲۸طبع جدید)

ترجمہ:''اور ملحدین اگر کوئی مسجد بنائیں تو وہ مسجد نہیں ہوگی چنانچہ''تنویر الابصار'' کے باب الوصایا وغیرہ میں لکھا ہے۔اہل ہوا کے عقائد اگر کفر کی حد تک پہنچے ہوئے نہ ہوں تو اس کا حکم''تعمیر مسجد'' کی وصیت میں مسلمان جیسا ہے اور کفر کے عقائد رکھتا ہو تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔''

اور مرتد کا حکم ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اسے اسلامی مملکت میں آزادانہ نقل وحرکت کی بھی اجازت نہیں چہ جائیکہ اسے اسلامی شعائر کو پامال کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے[2]۔بہرحال مرزائیوں کا اپنے عقائد کفریہ کے باوجود مسجد، اذان اور دیگر اسلامی شعائر کو استعمال کرنا درحقیقت اسلام سے کھلا مذاق ہے۔جس کی اجازت کسی حال میں نہیں دی جاسکتی۔تاہم یہ فرض حکومت پر عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد اور دیگر اسلامی شعائر کے تقدس کو قادیانیوں کی دستبرد سے بچانے کا فرض انجام دے، عام مسلمانوں کو ہم مشورہ دیں گے کہ وہ ازخود براہ راست ان امور میں مداخلت کر کے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور ملک میں امن امان کا مسئلہ پیدا نہ ہونے دیں، بلکہ اس کے لیے اسلامی عدالت کی طرف رجوع کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) اکفار الملحدین أردو، مسجد سے ملحدوں کا اخراج اور داخل ہونے کی ممانعت، ص ۳۵۰، مکتبہ امدادیہ ملتان۔

واعلم أن عمارة المسجد قسمان: اما بلزومها و کثرة اتیانها ...... واما بالعمارة المعروفة بالبناء فإن کان المراد هو الثانی کان المعنی أنه لیس للکافر أن یقدم علی مرمة المسجد، لأن المسجد موضع العبادة فیجب أن یعظم والکافر یهینه ...... وایضاً فالکافر لا یحترز من النجاسة فدخوله المسجد تلویث للمسجد، وقد یودی الی فساد عبادة المصلین ...... وقد ذهب جماعة منهم الواحدی؛ الی أن المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد، ومرمته عند الخراب، فیمنع منه الکافر، حتی لو أوصی بها لم یتقبل ...... الخ (اللباب فی علوم القرآن، سورة التوبة، الأیتان: ۱۷، ۱۸، ج ۱۰ ص ۴۳، طبع دار الکتب علمیه بیروت)۔

وکذا فی أحکام القرآن للجصاص، سورة التوبة، قوله تعالی: ما کان للمشرکین أن: الآیة ج ۴ ص ۲۷۸، دار أحیاء التراث العربی بیروت۔

۲) واذا ارتد المسلم عن الإسلام والعیاذ بالله عرض علیه الإسلام ...... ویحبس ثلاثة أیام فإن أسلم والا قتل ...... (ص ۲۵۳) ...... وتصرف المرتد فی ردته علی أربعة أوجه ...... (ومنها) ما هو باطل بالإتفاق نحو النکاح فلا یجوز له أن یتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمیة لا حرة ولا مملوکة وتحرم ذبیحته و صیده بالکلب والبازی والرمی ...... الخ، هندیة کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، ج ۲ ص ۲۵۵، رشیدیه کوئٹه۔

أما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب (قال ابن عابدین) أی ولا یغسل ولا یکفن ولا یدفع الی من انتقل الی دینهم بحر عن الفتح، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، ج ۲ ص ۲۳۰، ایچ ایم سعید کراچی۔

مرزائی سے تنخواہ لے کر امامت کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ یہاں ہمارے شہر میں ایک کپڑے کا کارخانہ ہے جس کا مالک مرزائی ہے کارخانہ کے قریب جتنی مسجدیں آباد ہیں، ان کے اماموں کی تنخواہ کارخانہ ہذا دیتا ہے وہ اس طرح کہ ہر روز امام صاحب کارخانہ ہذا کے دفتر میں صرف حاضری دے دیتے ہیں۔ اور یہی مل مالک ایک جامع مسجد بھی تیار کر رہا ہے۔ جیسے مظفر آباد میں ہو چکی ہے آپ فوراً جواب دیجیے کہ امام کو کارخانہ کی روزانہ حاضری کی شرط پر تنخواہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہ اور تعمیر مسجد مرزائی کرائے تو ہم اس میں نماز ادا کریں یا نہ۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر یہ احتمال ہو کہ امام مسجد اس مرزائی کا ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر اپنے مذہبی شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس وقت ان اماموں کے لیے مرزائی سے تنخواہ لینا ٹھیک نہیں[۱]۔ نیز تعمیر مسجد میں بھی ان امور کا خاص خیال رکھا جائے گا اگر یہ مذکورہ بالا احتمال ہو۔ یعنی اگر کوئی مرزائی کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھے اور اس پر مرزائی احسان رکھے یا اس تعمیر مسجد کے ذریعے اہل اسلام کو اپنے دین کی طرف مائل کرنا چاہے تو اس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے اگر یہ احتمال نہ ہو تو درست ہے۔ الغرض کافر کا احسان اہل اسلام پر جائز نہیں[۲]۔ مسلمان اس احسان کو ہرگز نہ اٹھائیں۔ **ولا یجوز ان یصیر الکافر صاحب المنة علی المسلمین**[۳]۔

---

۱) کما فی الهندية: ولو قال يسرج به بيت المقدس أو يجعل فی مرمة بيت المقدس جاز، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع رشيديه كوئته۔

كمـا فـي الـدر الـمختار: (وشرطه شرط سائر التبرعات...... (أن يكون) توبته في ذاته، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف الخ، ج ٦ ص ٥٢٢، طبع رشيديه كوئته۔

ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦ طبع رشيديه كوئته۔

۲) قال الله تعالى: "ولن يجعل الله للكفرين على المؤمنين سبيلاً" (سورة النساء، الآية ١٤١)۔

كمـا فـي جـامـع الأصـول: أبـو الأسد الدولي رحمه الله تعالى قال ...... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الإسلام يعلو ولا يعلى ...... الخ، الكتاب الثاني، الفصل الأول في أسباب الميراث الخ، ج ۹ ص ٥٦٢، طبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

۳)

کسی شخص کو کس صورت میں مسجد آنے سے روکنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ ہمارے ہاں ایک مقامی جامع مسجد میں احناف کی اکثریت ہے۔ وہاں اسی محلے کے دو اہل حدیث بھائی بھی نماز پڑھنے جاتے رہے ہیں۔ ۹۰ فیصد مقتدیوں کی خواہش تھی کہ یہ دونوں اصحاب آمین بالجہر نہ پڑھیں۔ بالآخر گزشتہ دنوں متولی مسجد ہذا نے انہیں کہا کہ یا تو آمین بالجہر نہ پڑھو یا پھر مسجد میں مت آیا کرو کیونکہ فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ جب متولی صاحب کو قرآن کریم کی آیات پیش کی گئیں تو انہوں نے اپنے متولی ہونے کا حق استعمال کرتے ہوئے کہا کہ متولی بعض مصالح کی بنا پر مسجد میں داخلہ سے روک سکتا ہے۔ (۱) **ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه** (۲) **ارایت الذی ینهی عبدا اذا صلی۔**

ہمارے نزدیک قرآنی دلائل پیش کرنے والوں کا موقف صحیح ہے۔ یہاں متولی کا فرض تھا کہ وہ مقتدیوں کو سمجھاتا کہ آمین بالجہر پڑھنے سے کوئی ایسا پہاڑ نہیں ٹوٹ جاتا کہ جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اب محلہ میں سخت کشیدگی ہے۔ براہ کرم مفصل اور مدلل طور پر بتایئے کہ آیا۔ (۱) اہل حدیث صاحبان کی نماز اس امام کے پیچھے آمین بالجہر پڑھنے کی صورت میں ہو جاتی تھی۔ (۲) اہل حدیث صاحبان وہ مسجد چھوڑ دیں؟ (۳) متولی مسجد کے اس اقدام کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ کیا ان کا یہ قدم کسی بھی صورت میں جائز ہے یا قابل مذمت۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اہل حدیث اور دوسرے مقتدیوں کی نماز تو بلا شبہ ہو جاتی ہے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور بحث محض اولیت کی ہے۔ جو لوگ جہراً کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سراً کہنا کوئی گناہ نہیں اور جہراً کہنا فرض و واجب نہیں۔ اور جو لوگ سراً کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سراً کہنا واجب نہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جس جگہ عام مقتدی اور امام آہستہ آمین کہنے والے ہوں۔ ان کے مجمع میں بلند آمین نہ کہے۔ اگرچہ اس کے مذہب میں بلند کہنا افضل ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کو اس سے تشویش ہوتی ہے اور نئی بات سمجھ کر اختلاف کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور فتنہ فساد کی نوبت آ جاتی ہے۔ جس کا باعث یہ شخص ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محض ایک اولیت پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں میں فتنہ اختلاف پیدا کر دینے کی کوئی عقلمند تجویز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حنفی مسلمانوں کو بھی یہ مناسب نہیں کہ صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص آمین بالجہر کہہ دے۔ برافروختہ ہو جائیں (اور ان کو مسجد

سے نکال دیں) قال فی شرح المنیة الکبیر قلنا تعارضا روایتا الجهر والاخفاء فی فعله فیرجح الاخفاء باشارة قوله فان الامام یقولها امداد المفتیین)[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب سرّاً اور جہراً دونوں ثابت ہیں۔ تو جہر کو ترک کرنا محض ترک نہیں بلکہ ایک سنت کے بدلے دوسری سنت پر عمل کرنا ہے۔ اس لیے مسلمانوں میں فتنہ فساد پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ متولی یا تو حنفیوں کو سمجھاتا کہ وہ آمین بالجہر کو برداشت کریں۔ اگر وہ نہیں سمجھتے تو دوسروں کو سمجھاتا کہ وہ بلاوجہ ضد نہ کریں۔ اگر نہ وہ سمجھتے ہیں اور نہ یہ، تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اہلحدیث حضرات کو مسجد سے روک دے۔ حنفیوں کو تو بوجہ اکثریت کے کسی طرح روک سکتا ہی نہیں۔ آخران اہل حدیث حضرات کو روک کر ہی اس نے فتنہ کا انسداد کیا۔ یہ من اظلم ممن منع کا مصداق نہیں ہے[۲]۔ اور نہ ارایت الذی ینهی عبدا اذا صلی کا مصداق ہے[۳]۔

اس نے ایک فرض ادا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے روک دیا۔ اعلان فرمایا۔ من اکل من هذا البصل شیئا فلا یقربن مسجدنا (صحیح بخاری) پیاز کھانے والے سے نمازیوں کی اکثریت کو تکلیف پہنچ سکتی تھی تو آپ نے منع فرمایا[۴]۔ اس طرح جس شخص سے مسجد میں فساد اور فتنہ پھیلنے کا خطرہ ہو اس کو روکنا جائز ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار ج ۱ ص ۴۸۸ میں لکھا ہے۔ تحت (قوله و یمنع (اکل ثوم) منه (من المسجد) و کذا کل موذ ولو بلسانه والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانه وبه افتی ابن عمر وهو اصل فی نفی کل من یتاذی به)[۵]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کما فی حلبی کبیر: (باب صفة الصلوة، ص ۳۰۹، طبع سعیدی کتب خانه کوئٹه۔

کما فی الشامیة: ان الإسرار بها سنة أخری فعلی هذا سنیة الاتیان بها تحصل ولو مع الجهر بها، کتاب الصلوة، مطلب فی التبلیغ خلف الإمام ج ۳ ص ۲۱۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) سورة البقرة: الآیة ۱۱۴۔

۳) سورة العلق، الآیة ۹۔

۴) کما فی المشکوة: عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس" متفق علیه، باب المساجد، الفصل الأول، ج ۱ ص ۶۸، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۵) در المختار، کتاب الصلوت، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ج ۲ ص ۵۲۵، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وایضاً فی الأشباه باب أحکام المسجد، ص ۳۵۹، ۳۶۰، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

ذاتی عداوت کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے دوسرے کو مسجد میں جمعہ اور پانچوں نمازوں کے لیے آنے سے منع کیا اور یہ محض ذاتیات کی بناپر ہوا کیا یہ اذن عام کے خلاف ہے یا نہ؟ اور اس مسجد میں از روئے شرع جمعہ شریف جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ اذن عام کے منافی نہیں ہے اور اس مسجد میں شرعاً جمعہ شریف جائز ہوگا۔ اگر چہ کسی شخص کو ذاتی عداوت کی بناء پر مسجد سے روکنا بڑا گناہ ہے۔ **لقوله تعالىٰ وان المساجد لله**[1]**. الاية.** **وقال تعالى ومن اظلم ممن منع مساجدالله ان يذكر فيها**[2]**. الاية.**

ایک آدمی کو مسجد میں آنے سے روکنا اذن عام کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تو سب لوگوں کو یہاں پڑھنے کی اجازت ہے سوائے ایک شخص معین کے لہٰذا اس سے اذن عام کی شرط مفقود نہیں ہوجاتی[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کو برطرف کرنے کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پیش امام عرصہ پچاس سال سے ایک مسجد کا امام رہا ہے۔ مسجد والوں نے اسے نکال دیا اور ساتھ یہ کہا کہ تم اس مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آ ؤ گے۔ نماز پڑھانا تو درکنار ورنہ...... کیا یہ مسجد مسجد رہ سکتی ہے۔ اگر نہیں رہ سکتی تو کیا حکم ہے اس کے لیے تفصیل سے فتویٰ عنایت فرماویں۔

---

۱) سورة الجن، آیت نمبر ۱۸۔

۲) سورة البقرة، آیت نمبر ۱۱۴۔

۳) كما في الدر المختار: والسابع الاذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين ...... فلا يضر غلق باب القلعة، كتاب الصلوة، مطلب في قول الخطيب الخ، ج ۳ ص ۲۸، ۲۹ طبع رشيديه كوئته۔

ومثله في البحر الرائق: "والاذن العام أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار" كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة، ص ۲۶۳، طبع رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو شخص مسجد میں آکر ایذا دیتا ہو یا فساد کرتا ہو اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت کرنا شرعاً جائز ہے۔ کما فی الدر المختار احکام المسجد ویمنع اکل نحو ثوم ویمنع منه (من المسجد) وکذا کل موذ و لوبلسانه ج۱،ص۴۸۹۔ [1] الخ..... مگر ممانعت ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی ممانعت سے فساد میں زیادتی نہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر امام میں کوئی شرعی نقص ہو کہ اس شرعی امر کی وجہ سے مقتدی اس کی امامت پر راضی نہ ہوں تو اس امام کو امامت سے ہٹانا جائز ہے [2]۔ اور اگر امام میں کوئی شرعی نقص نہ ہو تو اس کو بلاوجہ امامت سے الگ کرنا درست نہیں [3]۔ نیز بلاوجہ شرع کسی کو مسجد میں آنے سے روکنا شرعاً درست نہیں۔ اگر کسی کو روک دیا تو روکنے والا سخت گنہگار ہوگا [4]۔ لیکن اس روکنے کی وجہ سے مسجد میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ بلکہ مسجد حسب سابق تمام احکام میں بحکم مسجد ہوتی ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے کا وہی ثواب ملتا ہے جو دوسری مساجد میں ملتا ہے [5]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مساجد میں ذکر اللہ کو روکنے کے مصداق

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی کے کچھ نمازی دیگر نمازیوں کو ذاتی عناد کی بنا پر مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ سب اہل سنت والجماعت ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

---

۱) كتاب الصلوة، مطلب في رفع الصوت بالذكر الخ، ج ۲ ص ۵۲۵، طبع رشيديه كوئته۔
وأيضاً في الأشباه: كتاب الصلوة باب أحكام المسجد، ص ۳۵۹، ۳۶۰، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ وأيضاً في عمدة القاري، أبواب صفة الصلوة، ج ٤ ص ٦٣٠، طبع دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔
۲) كما في الدر المختار: ولو أم قوماً وهم له كارهون ...... كره له ذلك، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجمعة، ج ۲ ص ۳٥٤، طبع رشيديه كوئته۔
ومثله في الهندية: كتاب الصلوة، الفصل الثالث، ج ۱ ص ۸۷، طبع رشيديه كوئته۔
ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ٦٠٩، طبع رشيديه كوئته۔
۳) كما في الشامية: واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلاجنحة، كتاب الوقف، مطلب لايصح عزل الخ، ج ٦ ص ٥٨٦، طبع رشيديه كوئته۔
٤) كما قاله الله تعالى: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله" سورة البقرة، آيت نمبر ١١٤)۔
وأيضاً قال الله تعالى: أرأيت الذى ينهى عبداً اذا صلى الخ، سورة العلق، آيت نمبر ۹۔
٥) كما قال الله تعالى: "وأن المساجد لله فلا تدع الخ" سورة الجن، آيت نمبر ١٨۔

﴿ج﴾

ذاتی عناد کی وجہ سے نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے اور جماعت میں شمولیت سے روکنا جائز نہیں[1]۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ گزشتہ رکاوٹ کی معافی طلب کریں اور توبہ واستغفار کریں[2]۔ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها[3] کا مصداق نہ ہوں..... فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مساجد میں لاؤڈ سپیکر پر گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی کسی جانور کا یا گم شدہ بچے کا اعلان کرنا کیونکہ اس میں مسلمان مغموم کی دلجوئی ہے۔ لیکن قابل پرسید یہ بات ہے کہ اس قسم کے اعلان سے روکنے والا حق بجانب ہے یا نہیں۔

(۲) کیا عورتیں مساجد میں جمع ہو کر درود شریف پڑھیں اور چھوٹے بچے بھی ساتھ لے آتی ہیں جو مسجد میں گندے پاؤں سے چلیں اور شور مچائیں اور پیشاب بھی کر دیتے ہوں اور عورتیں جوتے پہن کر مسجد میں چلیں ایسی صورت میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) گم شدہ چیز کا مسجد میں تلاش کرنا شرعاً احترام مسجد کے منافی ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے متعلق بددعا دینے کو فرمایا ہے۔ (لارد الله علیک) او کمال قال۔ مسلمان کی دلجوئی جائز طریقہ سے کرنی چاہیے۔ روکنے والے نے درست کیا ہے[4]۔

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان، (امام کو برطرف کرنے کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا) ص ۵۴۸، (ہذا) جز نمبر ۴۔

۲) کما قال الله تعالی: "انما التوبة علی الله للذین الخ" سورة النساء، آیت نمبر ۱۷۔
وأیضاً قال الله تعالی توبوا الی الله توبة النصوحا، سورة تحریم، آیت نمبر ۸۔

۳) سورة البقرة، آیت نمبر ۱۱۴۔

٤) کما فی صحیح مسلم: لقوله علیه السلام: من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا رد الله علیك فإن المساجد لم تبن لهذا، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، ج ۱ ص ۲۱۰، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
وهكذا فی الشامية: ویکره الإعطاء مطلقاً وقیل أن تخطی وانشاد ضالة ...... الخ باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیه، ج ۱ ص ۶۶۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهكذا فی الأشباه: القول فی أحكام المسجد، ج ص ۳۶۰، طبع قدیمی کتب خانه۔

(۲) عورتیں باپردہ آ کر مسجد میں ذکر الٰہی اور درود شریف کا ورد کریں تو درست ہے[1]۔ عورتوں کو مساجد میں نماز با جماعت پڑھنے سے گھر میں پڑھنا افضل ہے[2]۔ دیوانوں اور بچوں کو مسجد میں داخل نہ ہونے دیں۔ ناپاک جوتوں وغیرہ سے آنا جانا[3] اور فضول باتیں مسجد میں احترام مسجد کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کو توہین مساجد اور بے ادبی سے احتراز ضروری ہے[4]۔ اس زمانے میں عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دینا بہتر نہیں۔ ضرور خلاف آداب کام کریں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبدالشکور ملتانی عفی عنہ

نوٹ: فتنہ کے اس دور میں عورتوں کو لازماً مسجد میں آنے سے روکا جاوے۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ ۱۳۸۸/۴/۳ھ

مسجد سے باہر کی گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

﴿س﴾
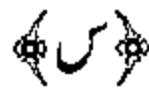
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی گم شدہ شئی کا جو کہ کہیں مسجد سے گم ہوگئی ہو مسجد میں اعلان کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ مثلاً جوتے کا گم ہونا، مرغی کا گم ہونا، کسی جانور کا چوری ہونا یا گم ہونا، بچے کا گم ہونا، گھڑی کا گم ہونا وغیرہ وغیرہ۔ گنے کی کٹائی یا پھیلائی کا اعلان، نالے کی کھدائی کا اعلان وغیرہ وغیرہ جائز ہے یا ناجائز۔

---

۱) کما فی أبی داؤد، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ، باب ما جاء فی خروج النساء، ج ۱ ص ۹۴، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاھور۔

۲) کما فی أبی داؤد: عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ: "قال صلوۃ المرأۃ فی بیتھا أفضل من صلاتھا فی حجرتھا"، باب ما جاء فی خروج النساء، ج ۱ ص ۹۴، طبع مکتبہ رحمانیہ لاھور۔

وھکذا فی البحر الرائق: وصلاتھا فی صحن دارھا أفضل من صلاتھا فی مسجدھا، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج ۱ ص ۶۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۳) کما فی ابن ماجۃ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم الخ، باب ما یکرہ فی مساجد، ج ۱ ص ۵۵، طبع ایچ ایم سعید، کراچی، کما فی حلبی کبیر و ادخال المجانین والصبیان، الخ فصل فی احکام المسجد، ج ۱ ص ۱۶۰، طبع سعیدی کتب خانہ کوئٹہ۔

ومثلہ فی الشامیۃ: کتاب الصلوۃ، مطلب کلمۃ لا بأس، ج ۲ ص ۵۱۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

٤) کما فی الدر المختار: ویکرہ ...... والکلام المباح وقیدہ فی الظھیریۃ بأن یجلس لأجلہ الخ، کتاب الصلوۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد، ج ۲ ص ۵۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وھکذا فی شرح الأشباہ والنظائر: الفن الثالث، القول فی أحکام المسجد، ج ۳ ص ۱۹۰، طبع ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراچی۔

﴿ج﴾

مسجد سے باہر گمشدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا درست نہیں۔ اس لیے اس سے احتراز لازم ہے۔ البتہ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوئی ہو تو اس کو وہاں لوگوں سے دریافت کرا سکتے ہو۔ عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل لاردها الله عليک فان المساجد لم تبن لهذا[1]۔ رواہ مسلم۔

مسجد کے اسپیکر سے اعلان کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام کہ آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر پر جو کہ مسجد کے اندر نصب کیا ہوا ہو کسی قسم کا اعلان وغیرہ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں۔ لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل لاردها الله عليک فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں ہے (لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہو یا لاؤڈ سپیکر کے بغیر) اس کے علاوہ دینی امور کے لیے گاہے گاہے اعلان کرنا جائز ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۷/۴/۲ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مسجد کے اسپیکر سے دنیاوی اعلانات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر نصب شدہ لاؤڈ سپیکر مسجد سے غیر متعلقہ دنیاوی اعلانات از قسم اعلانات گمشدگی مختلف اشیاء اعلان متعلقہ راشن ڈپو، اعلان متعلقہ بلدیاتی انتخابات، یا عام انتخابات وغیرہ کرنا از روئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ نیز ایسا اعلان کرنا جو کہ مسجد کے اردگرد کی آبادی بستی یا

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان (مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرنا) جز نمبر ۱ ص ۴۵۹۔

۲) تقدم تخريجه تحت عنوان، (مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرنا) جز نمبر ۱ ص ۴۵۹۔

معاشرے کے متعلق ہو لیکن مسجد کے متعلق نہ ہو مثلاً: یہ اعلان کرنا کہ کسی بلدیاتی انتخاب کے سلسلہ میں یا کسی دوسرے دنیاوی سلسلہ میں تمام بستی والے فلاں مقام پر صلاح مشورہ کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ از روئے شریعت کیسا ہے؟ احادیث مبارکہ اور قرآن پاک کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ج﴾

مسجد کے اندر نصب شدہ لاؤڈ سپیکر پر کسی قسم کے اعلانات جائز نہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کیا تھا۔ تو اس کے جواب میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (لا رد الله عليك) الحدیث فرمایا۔ جو سخت ناراضگی کی دلیل ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کرایہ ادا کر کے اسپیکر سے نجی اعلانات کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کا لاؤڈ سپیکر گم شدگی وغیرہ نجی اعلانات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جبکہ اس کا کرایہ ادا کیا جائے؟

﴿ج﴾

اگر خریدتے وقت مسجد سے باہر استعمال کا ارادہ ہو تو مسجد سے باہر جائز امور میں استعمال کرنا جائز ہے۔
اگر خریدتے وقت صرف مسجد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ ہو تو باہر استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ مسجد میں گم شدہ یا دنیاوی اعلانات شرعاً منع ہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۷ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان، (مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرنا) جز نمبر ۱ ص ۴۵۹۔

۲) الصحيح المسلم، لقوله عليه السلام: من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا رد الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا، ج ۱ ص ۲۱۰، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ...... الخ، قديمی کتب خانه کراچی۔

وهكذا في المشكوة المصابيح: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا ...... باب المساجد ومواضع الصلوة، ج ۱ ص ۶۸، طبع قديمی کتب خانه کراچی۔

وهكذا في الشامية ويكره الاعطاء مطلقا وقيل لمن تخطى و انشاد ضالة...... الخ، ج ۱، ص ۶۶۰، باب مايفسدالصلوة ومايكره فيها طبع ايج ايم سعيد، کمپنی، کراچی

مسجد کے اندر نصب شدہ اسپیکر سے اعلان کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام کہ آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر پر جو کہ مسجد کے اندر نصب کیا ہوا ہے کسی قسم کا اعلان وغیرہ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں۔ **لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لاردها الله عليک فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم**[1] (مشکوۃ ص اص ۶۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں (چاہے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہو یا بغیر لاؤڈ سپیکر کے)[2] اس کے علاوہ دینی امور کے لیے گاہے گاہے اعلان کرنا جائز ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اسپیکر سے خریداری کا اعلان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مسجد میں لاؤڈ سپیکر جو کہ اذان وتقریر وغیرہ تبلیغ دین کے لیے نصب ہے۔ اس پر دنیاوی چیز کا اعلان کیا

---

۱) مشكوة المصابيح، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل الخ، ج ۱ ص ۶۸، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

۲) الصحيح المسلم / لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردالله عليك فان المساجد لم تبن لهذا ص ۲۱۰، ج ۱، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد۔ الخ طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

(وهكذا في حلبي كبير / عن ابي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من رأيتموه يبيع اويتباع في المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك ومن رأيتموه ينشد عن ضالة في المسجد فقولوا لاردها الله عليك...... الخ، فصل في احكام المسجد، ص ۶۱۱، طبع سعيدى كتب خانه كراچي)

۳) وكذا في حلبي كبير، فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه اهانة ولا تلويث لا يكره والا كره، ولهذا نثر عليه السلام مالاً أتاه من البحرين في المسجد وقسمه ...... الخ فيه لكونه نوع عبادة ...... الخ، ص ۶۱۱، فصل في أحكام المسجد، طبع سعيدى كتب خانه كوئته۔

ومثله في الشامية: ج ۱ ص ۶۶۰، مطلب في انشادالشعر، طبع ايج ايم سعيد كمپني كراچي۔

جاتا ہے۔ اور اس اعلان کرائی کی اجرت وصول کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی کی بکری بھیڑ گم ہوگئی ہے۔ یا فلاں آدمی کی دکان پر سبزی مرچ وغیرہ اس طرح بک رہی ہے۔ یا کل کو فلاں ڈپو ہولڈر کی چینی تقسیم ہوگی۔ حتیٰ کہ میلوں کا اعلان بھی ہوتا ہے۔ جو اعلان جس قسم کا بھی ہو دریغ نہیں کیا جاتا۔ اور اجرت وصول کر کے بیٹری وغیرہ بھروائی جاتی ہے۔ جس سے اذان تقریر وغیرہ کی جاتی ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور اعلان کنندگان کتنے مجرم ہیں۔ منع کرنے پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ یہ گناہ تو ہم اٹھائیں گے۔ ہم تو اجرت چاہتے ہیں چاہے کیسا برا اعلان کروائیں۔

(۲) مداری، گویے، تماشہ کرنے والوں نے چوکی بھری رات کا وقت تھا۔ اس تماشہ میں ایک گویے نے ان الفاظ سے خداوند قدوس کی بے ادبی کی۔ مجھے موت نہیں آئی دوسرے نے دریافت کیا کیوں نہیں آئی تو اس نے کہا کہ میں نے خدا کو لڑکی دی ہوئی ہے۔ یعنی داماد ہے۔ نعوذ باللہ۔ اب اس تماشہ کے اندر مسلمان تماشائی بن کر خوش ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں، آیا وہ مسلمان رہے۔ اگر دائرہ اسلام سے خارج ہوئے تو ان کی ازواج منکوحہ رہیں؟ اگر مطلقہ ہوگئیں تو دوبارہ سابقہ مردوں کی منکوحہ ہوسکتیں ہیں؟ تو کس طرح جبکہ وہ تماشائی مسلمان اپنے اس گناہ سے توبہ کریں۔

﴿ج﴾

(۱) گم شدہ چیز کے لیے مسجد میں اعلان کر کے تلاش کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو اس کو مسجد میں لوگوں سے دریافت کرسکتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی امور کے لیے مسجد کے اندر لاؤڈ سپیکر سے اعلان کرنا اور اجرت مسجد پر صرف کرنا درست نہیں۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ ناجائز امور کے لیے اعلان کرنا اور برائی کی طرف دعوت دینا گناہ کبیرہ ہے۔ اور مسجد میں اس کا اعلان کرنا تو اور بھی سخت گناہ ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان امور سے احتراز کریں[۱]۔ مسجد کے لاؤڈ سپیکر کو دینی امور کے لیے استعمال کریں[۲]۔

---

۱) وكذا في الصحيح المسلم، لقوله عليه السلام: من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل الخ، ج ۱ ص ۲۱۰، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد الخ، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔
وهكذا في الشامية: ويكره الإعطاء مطلقا وقيل: ان تخطى، وانشاد ضالة ...... الخ، ج ۱ ص ٦٦٠، باب ما يفسد الصلاة وما يكرهها، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي۔

۲) وكذا في الشامية، فما كان منه في الوعظ والحكم وذكر نعم الله تعالى وصفة المتقين فهو حسن، ج ۱ ص ٦٦٠، مطلب في انشاد الشعر، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي۔
وهكذا في حلبي كبير: فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه اهانة ولا تلويث لا يكره والا كره ولهذا نثر عليه السلام ما لا أتاه من البحرين في المسجد وقسمه فيه لكونه نوع عبادة ...... الخ، ص ٦١١، فصل في أحكام المسجد، طبع سعيدى كتب خانه كوئٹه۔

(۲) جو لوگ اس تماشہ میں شریک ہوئے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ اوران پر لازم ہے کہ وہ توبہ تائب ہو جائیں اور استغفار کریں، شرکاء مجلس تماشا کے نکاح فسخ نہیں ہوئے[1] البتہ جس شخص نے یہ الفاظ کہے ہیں اس کا معاملہ اور ہے اس پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ کرے۔ اور تجدید نکاح کر لے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۵ جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۸/۵/۱۹۹۶ء

چندے سے بنائے ہوئے مکان میں سکول قائم کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کی بابت:

(۱) ایک شخص قوم سے چندہ وصول کرتا ہے اور اس سے ایک عمارت بنواتا ہے دینی تعلیم کے ارادے سے اور قوم سے چندہ بھی اسی نام سے وصول کرتا ہے کہ اس عمارت میں مذہبی تعلیم ہوگی۔ اور وہ عمارت ایک مسجد سے متصل ہے۔ اب اس عمارت میں اردو پرائمری اسکول قائم کیا جاتا ہے۔ جس میں دنیوی تعلیم ہوتی ہے۔ اس عمارت میں چرم قربانی کی قیمت بھی لگائی جاتی ہے۔ اسی عمارت کے ایک حصہ میں قرآن پاک کا درجہ بھی ہے۔ جس کو اردو پرائمری سکول قائم ہونے کے بعد بہت نقصان پہنچا ہے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے بہت بے رغبتی ہے۔ اور پھر اسی جگہ اردو پرائمری اسکول قائم کر دیا جائے۔ تو پھر تمام بچوں کا رجحان دینی تعلیم سے ہٹ کر اردو کی طرف ہو جانا اظہر من الشمس ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی عمارت میں جو تعلیم دینی کے نام سے بنائی گئی ہو اردو تعلیم دینی یا دلانی شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اور چرم قربانی کی رقم بغیر تملیک عمارت مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) زید نے ایک مسجد قوم سے چندہ لے کر بنائی ہے۔ بعد ازاں وہ یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد میں نے بنائی ہے۔ میری مسجد ہے تو کیا زید کو یہ حق ہے کہ اس پر مالکانہ قبضہ کرے۔ اور وہ مسجد مسجد کے حکم میں ہے یا کہ نہیں؟

(۳) زید ایک مسجد کا امام ہے۔ اب ایک شخص جس نے مسجد تعمیر کرائی ہے۔ امام سے عقائد میں اختلاف کرتا ہے۔ مثلاً بشریت اور نور میں اختلاف ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ کہتے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور نور ہدایت بھی ہیں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر نہ کہو یہ کفر ہے۔

---

۱) انما التوبة على الله للذين ...... الخ، سورة النساء، الآية ۱۷۔

۲) وكذا في البزازية: ولو ارتد والعياذ بالله ...... ويجدد النكاح بعد اسلامه الخ، الثاني في ما يكون كفراً، ج ٦ ص ۳۲۱، طبع علوم اسلامیه بلوچستان۔

اس اختلاف کے بعد وہ شخص امام کو نہیں چاہتے اور اکثریت مقتدیوں کی امام کے موافق ہے۔ دوران گفتگو امام یہ کہہ کر کہ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں چلا گیا۔ دوسرے وقت جماعت کے اکثر آدمی امام صاحب کے پاس گئے۔ اور امام صاحب کو رضامند کر کے لے آئے۔ تو اس شخص نے فتویٰ منگایا کہ ایسے امام کو بغیر رضامندی متولی کے پھر نماز پڑھانا جائز نہیں کیا یہ مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔ جبکہ تمام مقتدی امام صاحب سے رضامند ہیں۔

(ج)

(۱) اگر چندہ دہندگان سے اس امر کی تصریح کردی گئی ہے کہ یہاں اس چندہ سے اردو تعلیم پر بھی خرچ ہوگا تو اردو تعلیم پر صرف کرنا جائز ہے۔ اور اگر نہیں تو ناجائز ہے[1]۔ چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے اور وہ بغیر تملیک کے کہیں صرف نہیں ہوسکتی۔ اس لیے تعمیر مسجد و مدرسہ پر خرچ کرنا جائز نہیں[2]۔

(۲) وہ مسجد تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ اس پر مالکانہ قبضہ نہیں ہوسکتا[3]۔ شامی ص ۴۰۴ ج ۳ پر ہے: قوله **بالفعل ای بالصوة فيه شرح الملتقى انه يصير مسجداً بالخلاف**[4]۔

---

۱) وكذا في در المختار: شرط الواقف كنص الشارع ...... الخ، ج ٦ ص ٦٦٤، كتاب الوقف، طبع رشيديه كوئته۔

وهكذا في ابن عابدين، ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص فهو حكم لا دليل عليه ...... فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع، ج ٦ ص ٧٦٠، مطلب ما خالف شرط الواقف، طبع رشيديه كوئته۔

ومثله في الأشباه، كتاب الوقف، ص ١٩٤، طبع قديمي كتب خانه كراچى.

۲) وكذا في الشامية: ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا اباحة كما مر ...... الخ، ج ٢ ص ٣٤٤، باب المصرف، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔

وهكذا في بدائع الصنائع: وأما ركن الزكاة فركن الزكاة ...... وتسليم ذلك اليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه اليه ...... الخ، ج ٢ ص ٣٩، فصل وأما ركن الزكاة ...... الخ، طبع رشيديه سركى روڈ كوئته۔

ومثله في البحر الرائق: باب المصرف، ج ٢ ص ٢٤٣، طبع ماجديه كوئته۔

۳) وكذا في الهداية: واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الا أن يكون ...... الخ، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٩، طبع رحمانيه لاهور۔

وهكذا في العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع رشيديه سركى روڈ كوئته۔

٤)

(۳) امام کے نصب وعزل کا اختیار مقتدیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ بالخصوص صورت مسئولہ میں متولی کی ناراضگی بالکل ناجائز ہے۔ امام صاحب کا عقیدہ بالکل قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ اس سے اختلاف کرنا متولی کے جہل کی علامت ہے۔ عالمگیری ج۱ص ۸۷ پر ہے: كما رجل ام قوما وهم له كارهون فان كانت الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه يكره له ذلك. وان كان هوا حق بالامامة لايكره (لان الجاهل والفاسق يكره الصالح والعالم)[1]۔ الخ۔

وارثوں کو اغنیاء چھوڑنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید دائم المرض ہے۔ جسے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کس وقت پیامبر اجل کو لبیک کہنا پڑے۔ زید کی چھوڑی ہوئی زرعی اراضی ساڑھے بارہ ایکڑ ہے جو زید کو بعد از وفات والدین بحق میراث حصص شرعی ملی ہے۔ اور کچھ زید نے زمین اپنی تنخواہ بچا کر خرید لی ہے۔ زید کا خیال ہے کہ میں دائم المرض ہوں اپنی زندگی میں اپنی خرید کردہ ایک کلہ زمین کسی دینی مدرسہ کے نام وقف کروں اس وقف کرنے کی بناء پر زید کی والدہ اور دیگر بہن بھائی زید کو منع کرتے ہیں کہ تم اپنی زمین کسی مذہبی مدرسہ کے نام وقف نہ کرو۔ بلکہ ہمارے پاس زمین قلیل ہے۔ ہمارا گزر اوقات مشکل سے ہو رہا ہے۔ ہاں زید کو جو زمین والد کی وفات کے بعد ورثہ میں ملی ہے۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں تقسیم کے لیے رکھ رہا ہے۔ زید کی بیوی بچے نہیں ہیں۔ بلکہ زید غیر شادی شدہ ہے۔ اندریں حالات مذہب کی اجازت ہے یا نہیں کہ زید اپنی زرخرید زمین کسی مذہبی ادارہ کے نام وقف کرسکتا ہے۔

﴿ج﴾

بہتر ہے کہ والدہ اور دوسرے اقرباء کی بات مان لے اور وقف نہ کرے اور یہ خطرہ نہ کرے کہ میں ثواب سے محروم ہوگیا۔ اس کے ورثہ اس کے بعد جو اس کا مال استعمال کریں گے یہ درحقیقت اس کا ان پر صدقہ ہے۔ اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لان تذر ورثتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس الحديث[2]۔ البتہ اگر وہ مصر ہے اور وقف کرنا

---

۱) عالمكيرية: الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره، ج ۱ ص ۸۷، طبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

۲) وكذا فى مشكوة المصابيح: ج ۱ ص ۲٦٥، باب الوصايا، الفصل الأول طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

چاہتا ہے تو اپنے کل مال سے ایک تہائی وقف کر سکتا ہے۔ اگر وقف کر لیا تو وقف صحیح ہوگا[1]۔

عیدگاہ کی زمین کو اسکول کے لیے وقف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں عیدگاہ کا کوئی خاص انتظام نہ تھا جہاں کہیں موقع ملتا تھا عید کی نماز گزار دی جاتی تھی۔ اسی اثنا میں زید نے ایک قطعہ اراضی زبانی وقف کر دیا اور ایک دفعہ وہاں عید پڑھی بھی گئی۔ مقبوضہ مشروط بصورت انتقال نہیں ہوا اب بوجہ بعض مصالح دوسری جگہ عیدگاہ تجویز کی جا رہی ہے۔ جس میں زید رضامند ہے۔ اور وہ قطعہ اراضی جو زبانی کہہ دیا گیا تھا وہاں باتفاق رائے سکول سرکاری کے لیے تجویز ہو رہی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا وہ قطعہ اراضی سرکاری سکول کے لیے تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عیدگاہ کے لیے دوسری جگہ تجویز ہو جائے اور جس جگہ اب ارادہ ہے اس کے مالک کا پہلے بھی یہاں عیدگاہ بنانے کا تھا۔ جو شخص ایسی جائیداد غیر منقولہ سرکاری ادارے جس میں رفاہ عام ہو کے لیے بخش دے اس کو وقف کہیں گے یا نہیں؟ جب کہ ملک اسلامی ہو اور ارباب حکومت کا یہ دعویٰ ہو کہ ہم یہ تعلیمی کام اور اس کا انتظام محض اسلامی بہبود کی خاطر کر رہے ہیں۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

جو جگہ عیدگاہ کے لیے وقف ہو چکی ہے اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ وقف کامل ہو چکا ہے۔ زبانی وقف کرنے کے بعد اس پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے۔ اب اسے دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۲/۶/ ھ

---

۱) وھکذا فی سنن ابن ماجة، باب الوصية بالثلث، ص ۱۹۹، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
(وھکذا فی جامع الترمذی/ سعد بن ابی وقاص...... قال الله والثلث كثيرا. انك أن تـذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس ......الخ، باب ماجاء فی الوصية بالثلث، ج ۲ ص ۳۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۲) وكذا فی الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث ...... الخ، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه وركنه وسببه وحكمه، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹہ۔
وهكذا فی فتح القدير: وعن محمد أنه لا يباع ولا يورث ولا يوهب، اعتبره مسجداً كتاب الوقف، فصل اختص المسجد بأحكام، ج ۵ ص ۴۴۵، طبع رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔
وهكذا فی الهداية: واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الا أن يكون ...... الخ، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۹، طبع رحمانیہ لاہور۔

مساجد میں اسکول کی تعلیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکومت پاکستان کی تجویز کے تحت مساجد کو پرائمری سکولوں کے طور پر استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور تجربہ کر رہے ہیں کہ آیا سکولوں کے بجائے مساجد کو پرائمری سکولوں کے طور پر استعمال کرنے سے وہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں کہ جن سے مسجد سکول کی سی جگہ کا کام دے سکے اور دنیوی تعلیم دی جا سکے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مساجد وعبادت گاہوں کو اس قسم کی دنیوی تعلیم کے لیے سکولوں کے طور پر استعمال کرنے کی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم واقدار اسلامی اجازت دیتی ہیں اور اس طرز عمل کو جائز قرار دیتی ہیں یا ناجائز۔ ازروئے شریعت اس طریقہ پر عمل پیرا ہونے سے اور مسجد کو سکول کے قائم مقام بنانے سے مسجد وعبادت گاہ کی عظمت واہمیت اور روحانی مذہبی تقدس پر برا اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے۔

کیا مسجد کو عبادت گاہ کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے استعمال میں لے آنا جائز ہے اور کیا مسجد سے کسی بھی غیر متعلقہ ادارہ کے لیے کہ جس کو مسجد کے مفاد سے کوئی سروکار نہ ہو اس ادارہ کے لیے مسجد سے چندہ حاصل کرنا اور اس کے بجائے مسجد کے مذکورہ غیر متعلقہ ادارہ پر صرف کرنا جائز فعل ہے یا ناجائز؟ براہ کرم مذہب اسلام میں مساجد کی حیثیت اور مندرجہ بالا حقائق کا موازنہ کر کے اور مساجد کو سکول بنانے اور سکولوں کے سے کام لینے کے رجحان کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ بالا استفسارات کا شرعی طور پر فیصلہ عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور زمین کے حصوں میں بہتر حصے مسجدیں ہیں، اللہ کے فرشتے اس میں رہتے ہیں، اس لیے مسلمانوں پر ان مقدس مقامات کا احترام وادب لازم ہے۔ شریعت نے مسجدوں میں چیخنے پکارنے سے روک دیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بلند آواز سے مساجد میں نہ کیا جائے اور نجاسات وبدبودار چیزوں سے پاک رکھنے کو فرمایا ہے۔ اور دنیوی معاملات کو جیسے بیع وشراء وغیرہ کو مسجدوں میں ناجائز قرار دیا ہے۔ مسجدوں کو پرائمری سکولوں کی جگہ استعمال کرنے سے مسجدوں کا احترام وادب قائم نہیں رہتا اور مذکورہ محظورات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ کیونکہ بچے عموماً چیختے پکارتے ہیں۔ بلکہ اساتذہ ان کو تعلیم بھی اس طرح دیتے ہیں کہ وہ چیخیں اور زور سے پڑھیں اور نجاسات وبدبو سے پاکی کی تمیز نہیں رکھتے، اور شریعت نے ایسے بچوں کو مسجدوں میں داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ جن سے مسجدوں کا نجس کرنا غالب ہو ورنہ کراہتہ

تنزیہیہ ہے۔الدرالمختار مع شرحہ ردالمحتار ج ا ص ۴۸۶ و يحرم ادخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم والافيكره شامی میں ہے۔(قوله و يحرم الخ) لما اخرجه المنذری مرفوعاً جنبوا مساجد كم صبيانكم و مجانينكم و بيعكم و شراء كم و رفع اصواتكم و سل سيوفكم و اقامة حدود كم و جمروها فی الجمع واجعلوا علی ابوابها المطاهر الی قوله والمراد بالحرمة كراهة التحريم لظنية الدليل۔الخ و فيه ايضا والافيكره ای تنزيها تامل (۱)۔

لہٰذا مسجدوں کو اس صورت میں پرائمری سکولوں کی جگہ استعمال کرنا جائز نہیں اور مسجد کا چندہ مسجد پر صرف ہوگا پرائمری سکولوں اور غیر متعلقہ اداروں پر اس کا صرف کرنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۲/۲۱

مسجد کی تولیت کی حقیقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں محققین شرع مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) اگر کوئی عمارت دینی درسگاہ کے لیے بنائی گئی ہو جس میں کہ چرم قربانی تک لگائی گئی ہوں۔کیا کسی فرد کو حق پہنچتا ہے کہ اس عمارت کو رجسٹرڈ کرا کر اس میں اردو نصاب کا مدرسہ جاری کردے

---

۱) وكـذا فـی ردالـمـحـتـار عـلـی الـدر الـمـختار: باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب فی أحكام المساجد، ج ۱ ص ۶۵۶، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔

وهـكـذا فـی شـرح الأشباه والـنـظـائـر، ولا يـجـوز تعليم الصبيان القرآن فی المسجد للمروی، جنبوا مجانينكم وصبيانكم مساجدكم، ج ۴ ص ۵۶، باب فی أحكام المسجد، طبع ادارة القرآن كراچی۔
وهكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فی احكام المسجد، ج ۵ ص ۴۱۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) رد المحتار: وان اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليها أو قـافـاً، لا يـجـوز لـه ذلك، (لا يـجـوز له ذلك، ای الصرف المذكور ...... قال الخير الرملی: أقول ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين، أحدهما: للسكنی والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما لـلآخر وهی واقعة الفتوی، ج ۴ ص ۳۱۰ - ۳۱۱، كـتـاب الـوقف، مـطـلـب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔

وهـكـذا فـی الأشبـاه والـنظائر: شرط الواقف كنص الشارع، أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة، ج ۲ ص ۱۰۶، كتـاب الـوقف، الـفـن الثانی، الفوائد، طبع ادارة القرآن كراچی، وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۰۸، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

(۲) ایک مسجد کے متولی نے بغیر کسی شرعی عذر کے امام کو جدا کر دیا۔ اب اگر وہ امام اپنی طاقت سے نماز پڑھانا چاہے تو نماز پڑھا سکتا ہے یا نماز صحیح ہونے کے لیے متولی کی اجازت شرط ہے۔ یاد رہے کہ اہل محلّہ و مقتدی اس پر بالکل خوش ہیں صرف متولی مخالف ہے۔ وہ بھی کسی شرعی دلیل سے نہیں بلکہ ذاتی عناد کی وجہ سے؟

(۳) مسجد کی تولیت کی کیا حقیقت ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسجد کا اتنا مالک ظاہر کرے کہ جس کو دل چاہے کہہ دے کہ آپ اپنی مسجد بنا کر نماز پڑھیں یہ مسجد میں نے بنوائی ہوئی ہے اور میں اس کے کمروں کو پرائمری کے لیے استعمال کر سکتا ہوں۔ کیا ایسا شخص متولی رہ سکتا ہے جبکہ اہل محلّہ بھی اس سے ناراض ہوں کیا ان کو حق پہنچتا ہے کہ کوئی دوسرا متولی تجویز کر لیں۔

(۴) قرآنی تعلیم کے لیے جو رقم وصول کی جائے ایسے ہی جو رقم جمعہ وغیرہ کو جمع ہو اس سے پرائمری سکول کے ٹیچروں کی تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ والسلام

﴿ج﴾

(۱) واقف جس غرض کے لیے وقف کرتا ہے اور وہ جو شروط وقف میں لگاتا ہے اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ **فان شرائط الواقف معتبرة اذالم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية شامي** ج ۳ ص ۳۹۵[1]۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب واقفین نے فقط دینی درس گاہ کے لیے چندہ دیا ہو اور ان پر یہ واضح نہ کیا گیا ہو کہ یہاں اردو حساب وغیرہ کی تعلیم ہوگی۔ تو اس میں اردو حساب وغیرہ پڑھانا اور درس گاہ کو اسی لیے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) امام کے نصب و عزل کا اختیار قوم یعنی مقتدیوں کو ہے۔ متولی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حدیث میں ہے **لا يقبل الله صلوٰة من تقدم قوما وهم له كارهون** (سنن ابی داؤد)[2] درمختار کتاب الامامۃ ج ۱ ص ۴۱۳ میں ہے **والخيار الى القوم فان اختلفوا اعتبر اكثرهم**[3]۔ یعنی اختیار امام کے نصب کا قوم کو ہے اگر ان میں اختلاف ہو تو اکثریت کی رائے معتبر ہوگی۔

---

۱) الشامية: كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، ج ٤ ص ٣٤٣، سعيد، وفيه أيضاً: كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، ج ٤ ص ٤٤٥، سعيد۔
كذا فى الأشباه والنظائر: الفن الثانى الفوائد، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراتشي۔

۲) سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم قوماً وهم له كارهون، ج ١ ص ٩٨، رحمانيه لاهور۔

۳) درالمختار: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٥٥٨، سعيد۔
كذا فى حاشية الطحطاوى، كتاب الصلوة، فصل فى بيان من أحق بالإمامة، ج ١ ص ٣٠١، قديمى كراچى۔ كذا فى البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٦٠٩، رشيديه۔

(۳) اگر متولی وقف کو واقف کی رضاء کے بغیر دوسری جگہ یا کسی دوسرے مصرف پر خرچ کرتا ہے تو وہ مستحق عزل ہے لیکن قاضی (مسلم حاکم) ہی اس کو معزول کر سکتا ہے۔ شامی ج ۳ ص ۴۲۱ میں ہے۔ الواقف لو وقف علی قوم ولا یوصل الیھم ماشرط لھم ینزعه القاضی من یده ویولیه غیره۔ چند سطروں کے بعد لکھا ہے واستفید من ان للقاضی عزل التولی الخائن غیر الواقف بالاولی[1] ۔الخ۔

(۴) مثل جواب اول ہے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کا قبلہ متعین کرنے کے لیے "قبلہ نما" پر اعتماد کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد فاروقیہ کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں کھدائی کر کے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کو سنگ بنیاد رکھنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ قبلہ نما بھی لیتے آئے۔ جس کے استعمال کے طریقے میں لکھا ہے کہ لاہور اور ملتان سے اگر قطب نما کی سوئی ۱۴ نمبر زاویہ پر رکھو تو قبلہ نما کے تیر کے سامنے قبلہ ہوگا۔ ہم نے یہ فرض کر کے کہ کمالیہ لاہور اور ملتان کے قریب قریب درمیان میں واقع ہے اور اسی خط استواء پر جس پر لاہور اور ملتان میں اصول بالا کے مطابق جب قطب نمائی سوئی ۱۴ نمبر پر رکھ کر سمت معلوم کی تو ہماری بنیادیں غلط ہو گئیں۔ پہلے قبلہ عین مغرب کی طرف فرض کر کے بنیادیں کھودی گئی تھیں اب قدرے جنوب کی طرف یعنی قدرے جنوب مغربی کونے کی طرف رخ کرنا پڑتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبلہ نما پر اعتماد کر کے رخ صحیح کر لیا جائے یعنی قبلہ نما پر بھروسہ کر کے سمت قبلہ معلوم کرنی بہتر ہے یا قطب نما سے اندازہ کر کے پہلی بنیادوں میں تھوڑا بہت ردوبدل کر لیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس شہر کے اندر جو دیگر قدیم مساجد ہیں ان کے محرابوں کی سمت پر مسجد کی بنیادیں وغیرہ رکھی جائیں۔ قطب نما وغیرہ آلات کا اس معاملہ میں باوجود مساجد قدیمہ کے کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ قال فی الدرالمختار مع شرحه الشامیة ج ۱ ص ۳۱۷ و تعرف بالدلیل وھو فی القری

---

۱) رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما یعزل به الناظر، ج ٤ ص ٣٨٠، سعید۔
کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ٥، ص ٤٦، رشیدیه۔
کذا فی البزازیة: کتاب الوقف فی نصب المتولی ومایملکه أولا، ص ٢٥٣، ج ٦، رشیدیه۔

والامصار محاریب الصحابة والتابعین و فی المفاوز والبحار النجوم کالقطب والا فمن الاهل العالم بها ممن لو صاح به سمعت وقال الشامی تحته والظاهر ان الخلاف فی عدم اعتبارها (ای النجوم) انما هو عندوجود المحاریب القدیمة اذلایجوز التحری معها کما قدمناه لئلایلزم تخطئة السلف الصالح و جماهیر المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفازة[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح۔ لیکن یہ جاننا چاہیے کہ قطب تارہ کو کندھا کر کے جو رخ متعین کیا جاتا ہے۔ وہ معیاری نہیں ہے۔ قبلہ فی الواقع قدرے جانب جنوب کو واقع ہے اب اگر مولانا محمد ابراہیم صاحب کا متعین کیا ہوا رخ قدرے جانب جنوب کو ہے تو وہ صحیح ہے اس پر مسجد کھڑی کر دی جائے باقی رہا یہ کہ دوسری مسجدیں اس کے عین مطابق نہیں ہیں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نماز تو سب مسجدوں میں درست اور صحیح ہے جانب مغرب کو نماز پڑھ لینا ہمارے ملک میں کافی ہے جب نماز سب میں صحیح ہے تو معمولی فرق کی وجہ سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے[2] اور مولانا محمد ابراہیم صاحب والی بنیاد پر مسجد بنائی جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قبلہ کا تعین کس طرح کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ہاں ایک مقام پر مسجد تعمیر ہو رہی ہے اس کے رخ کے متعلق خدشہ واقع ہو گیا، اس طرح کہ اگر عین مغرب کی طرف رخ کیا جائے جیسا کہ عام مساجد کا رخ ہے تو نقشہ کے اعتبار سے مصلی کا رخ عین کعبہ کی طرف نہیں ہوتا، بلکہ کعبہ سے شمالی جانب میں تقریباً تین میل اوپر رخ

---

۱) درالمختار: کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۳۰، سعید۔
کذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۶، رشیدیه کوئٹه۔
کذا فی العالمکیریة: کتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الثالث فی استقبال الکعبة، ج ۱ ص ۶۳، رشیدیه کوئٹه۔

۲) کما فی العالمکیریة: ومن کان خارجاً عن مکة فقبلته جهة الکعبة وهو قول عامة المشائخ وهو الصحیح، کتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة، ج ۱ ص ۶۳، رشیدیه۔ کذ فی البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۵، رشیدیه کوئٹه۔ کذا فی الدر المختار: کتاب الصلوة، ج ۱ ص ۴۲۸، سعید۔

رہتا ہے۔ عین کعبہ پر نہیں ہوتا اور اگر نقشہ کے اعتبار سے مسجد کا رخ مغرب کو جنوبی جانب مائل رکھا جائے تو مصلّٰی کا رخ عین کعبہ پر واقع ہوتا ہے لیکن یہ بظاہر عام مساجد کے رخ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قابل دریافت امر یہ ہے کہ اب زیر تعمیر مسجد کا رخ عین مغرب کی طرف رکھا جائے یا نقشہ کے مطابق رکھا جائے جواب تحریر فرماویں۔ نوٹ علم ہیئت جدید سے یہ بات مدلل طور پر ثابت ہے کہ عین مغرب کی طرف رخ رکھنے سے کعبہ کے سیدھ پر مصلّٰی کا رخ واقع نہیں ہوتا، اور مغرب کی طرف جنوبی جانب مائل کر کے رکھنے سے رخ سیدھا کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔

﴿ج﴾

قال فی الدر المختار و تعرف بالدليل وهو فی القرى والامصار محاريب الصحابة والتابعين وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب والا فمن الاهل العالم بها ممالو صاح بها سمعت[1] وقال الشامی قوله محاريب الصحابة والتابعين فلايجوز التحری معها زيلعی بل علينا اتباعهم خانية ولا يعتمد علی قول الفلکی العالم البصير الثقة ان فيها انحرافاً خلافا للشافعية فی جميع ذالک کما بسطه فی الفتاویٰ الخيرية ج ١، ص ٧ ١ ٣. الخ.[2]

اس عبارت سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ علماء ہیئت کا قول صحت قبلہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ عہد صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کے محرابوں کی سمتیں جو ہیں، وہ صحیح اور قابل اعتماد ہیں، نیز جو آج قدیم مساجد کی محرابیں ہیں، لہٰذا اس نئی مسجد کی سمت اس مقام کی قدیم مساجد کے مطابق رکھی جائے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل فتاویٰ خیریہ[3] وغیرہ اور اردو فتاویٰ امداد المفتیین میں دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

١) در المختار: باب شروط الصلوة، ج ١ ص ٤٣٠، سعيد۔
كذا فی البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ١ ص ٤٩٦، رشيديه كوئته۔
كذا فی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الثالث فی استقبال الكعبة، ج ١ ص ٦٣، رشيديه۔

٢) در المختار: باب شروط الصلوة، ج ١ ص ٤٣٠، سعيد۔
كذا فی البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ١ ص ٤٩٦، رشيديه۔
كذا فی العالمكيرية: كتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الثالث فی استقبال الكعبة، ج ١ ص ٦٣، رشيديه۔

٣) فتاوی خيرية علی هامش فتاوی الحامدية: كتاب الصلوة، مطلب فی الصلوة علی القبلة القديمة، ج ١ ص ١٤، حقانيه پشاور۔

قبلہ نما سے قبلہ کی تعیین کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ علاقہ کبیر والا میں آٹھ یا دس مساجد قبلہ نما پر بنائی گئی ہیں، آیا ان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

سمت قبلہ کے لیے سب سے پہلے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین وسلف صالحین کی قدیم بنائی ہوئی مسجدوں کی سمت کا اعتبار ہے کوئی نئی مسجد بنانی ہو تو ان قدیم مساجد کی سمت کے مطابق سمت قبلہ رکھی جائے اور اگر قریب قریب قدیم مساجد نہ ہوں تو پھر قبلہ نما وغیرہ آلات ریاضیہ کے مطابق سمت قبلہ کا تعین کیا جائے گا، قال **فی الدر المختار و تعرف بالدلیل وھو فی القری والامصار محاریب الصحابة والتابعین وفی المفاوز و البحار النجوم کالقطب والا فمن الاھل العالم بھا ج ۱ ص ۱۳۱۷** اب ان مذکورہ بالا مساجد کی سمت اگر قدیم مساجد کے موافق ہے اور ان کی سمتوں میں کوئی فرق نہیں یا فرق ہے مگر معمولی، تو پھر ان مساجد کی جہت کے موافق نماز پڑھنی چاہیے[۱] اور اگر ان کی جہت قدیم مساجد کی جہت سے بہت متفاوت ہے۔ حتیٰ کہ ان کی جہت کے مطابق نماز پڑھنے والے کا رخ مغربین تک سے ہی منحرف ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس جہت کے مطابق نماز ادا کرنی جائز نہیں ہے[۲]۔ پھر یا تو مساجد کی جہت مساجد قدیمہ کے موافق رکھی جائے یا صفوں کو صحیح سمت کے مطابق ترتیب دیا جائے اور نماز ادا کی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی العالمکیریة: ومن کان خارجاً عن مکة فقبلته جهة الکعبة وهو قول عامة المشائخ وهو الصحیح، کتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة، ج ۱ ص ۶۳، رشیدیه۔

کذا فی البحر الرائق: باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۹۵، رشیدیه۔

کذا فی الدر المختار: ولغیره اصابة جهتها، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۲۸، سعید۔

۲) کما فی در المختار: حد القبلة فی بلادنا یعنی سمرقند ما بین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف، فإن صلی الی جهة خرجت من المغربین فسدت صلوته، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۴۳۰، سعید۔

کذا فی حلبی الکبیر: کتاب الصلوة، شرائط الصلوة، الشرط الرابع وهو استقبال القبلة، ج ۱ ص ۲۱۸، سعیدی کتب خانه کوئٹه۔

وقف کو بدلنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے کچھ رقبہ اراضی مسجد و مدرسہ و مہمان نوازی پر صرف کرنے کے لیے اندراج کا غذات مال میں کرایا ہوا ہے۔ اب چونکہ حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت وقف شدہ اراضی پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اندریں حالات عرض ہے کہ جو رقبہ زید نے وقف کیا ہوا ہے۔ وہ زید کے گھر کے نزدیک ہے اور زید چاہتا ہے کہ یہ رقبہ بدستور وقف میں رہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بصورت دیگر اگر حکومت کے پاس چلا جاوے۔ تو زید کے خاندان کو ہمیشہ کے لیے تکلیف رہے گی۔ اس لیے زید کا خیال ہے کہ اس رقبہ کے برابر دوسرے کسی موضع سے جہاں زید کی ملکیت ہے۔ اس کے تبادلہ میں وہاں رقبہ دے دے۔ اور حکومت میں بھی کوشش کر کے تبادلہ انتقال کرالیویں۔ تو یہ تبادلہ کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ جب تک شریعت اس تبادلہ کی اجازت نہ دیوے حکومت میں تبادلہ کی کوشش کرنی بے سود ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں استبدال وقف درست نہیں۔ کما فی الشامیة اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه الاول ان یشترط الواقف لنفسه اولغیره او لنفسه وغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا. والثانی ان لایشرطه سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شئی اصلا. اولا یعنی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورایه المصلحة فیه والثالث ان لایشرط ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله اخیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الاصح الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار ص ۴۲۴)[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف یا اجارہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو آدمی زید و بکر مل کر ایک مدرسہ جاری کرتے ہیں اور دونوں مل کر

---

۱) در المختار: کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ج ٤ ص ٣٨٤، سعید۔
کذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٤، رشیدیه کوئٹه۔

بیرونی چندہ جات سے کام چلاتے ہیں۔ اور مدرسہ مذکورہ سے علیحدہ دوسری جگہ برائے مدرسہ اراضی خرید کرتے ہیں۔ بعدہ زید و بکر منتظمین کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو حساب کتاب دکھاتے ہیں۔ زید کے پاس تقریباً آمد و خرچ برابر ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آمد جو میرے پاس تھی ختم ہو گئی ہے۔ اور میں نے ۱۹۵۰ روپے مدرسہ سے لیا ہے اور پھر کہا کہ جو اراضی برائے مدرسہ لی گئی تھی مجھے قرضہ میں دے دی جائے اور پھر اراضی بدستور اسی طرح وقف ہے جس طرح پہلے مدرسہ کے لیے وقف تھی۔ ثالثین نے کہا ٹھیک ہے کیونکہ جھگڑا آسانی سے ختم ہو گیا ہے۔ پھر بکر نے کہا میں وہاں مدرسہ اسلامیہ شروع کرتا ہوں بکر مذکور نے مدرسہ شروع کر دیا۔ پھر بکر مذکور نے اراضی مدرسہ وقف شدہ پر اسلم و عمر کو اس شرط پر مکان تعمیر کرنے کی اجازت دی کہ آپ جب تک زندہ رہیں گے مکان آپ کی ملکیت و تصرف میں رہے گا۔ جب آپ مر جائیں گے تو مکان مدرسہ کے ہوں گے۔ بکر نے یہ تصرف اس لیے کیا کہ میں اب واقف ہوں اور متولی ہوں۔ کیا بکر کے لیے یہ تصرف اراضی وقف شدہ پر شرط مذکور پر درست ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس طرح معاملہ کرنا تو اپنی مملوک زمین میں ناجائز ہے تو وقف زمین پر بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ کیونکہ یہ تو عاریہ کسی طرح نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اسی وقف زمین کو رہائش کے لیے ان لوگوں کو مفت میں تو نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ اس رہائش کے عوض ان لوگوں کی فوتگی کے بعد ان کی عمارتوں کو لینا چاہتا ہے[1]۔ لہٰذا اجارہ بنے گا۔ **لانه تمليك المنافع بعوض**۔ اور چونکہ مدت اجارہ نیز مقدار اجرت دونوں مجہول ہیں۔ لہٰذا عقد اجارہ بھی درست نہ ہوگا۔ بلکہ فاسد ہوگا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كما في العالمكيرية: أما تفسيرها شرعاً فهي تمليك المنافع بغير عوض، كتاب العارية: الباب الأول في تفسيرها الخ، ج ٤ ص ٣٦٣، رشيديه، (كذا في الجوهرة النيرة) كتاب العارية، ج ٢ ص ٣٩، قديمي، كذا في مجمع الأنهر، كتاب العارية، ج ٣ ص ٤٧٩، المكتبه غفاريه۔

۲) كما في البحر الرائق: قال في المحيط: كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة لأن الجهالة المتمكنة في البدل أو المبدل تفضي الى المنازعة ...... وفي الغياثية الفساد قد يكون لجهالة قدر العمل بأن لا يعين محل العمل وقد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لا يبين المدة وقد يكون لجهالة البدل أو المبدل، باب الإجارة الفاسدة، ج ٨ ص ١٦، مكتبه الماجدية۔

كذا في الفتاوى البزازية: كتاب الإجارة، ج ٥ ص ١١، رشيديه كوئته۔

كذا في تبيين الحقائق: باب الإجارة الفاسدة، ج ٦ ص ١٠٩، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔

قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں ایک مسجد منہدم ہوچکی ہے کثرت جماعت کی وجہ سے اگر مسجد کو قدرے بڑھایا جاتا ہے تو چند قبریں مسجد کے اندر احاطہ میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ مسجد کے چاروں طرف قبرستان واقع ہوچکا ہے۔ اور اس گاؤں میں یہ صرف ایک ہی مسجد ہے جس کی تعمیر میں جماعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر کثرت جماعت کو مدنظر رکھا جاتا ہے تو یہ ضرورت سابق جگہ پر پوری نہیں ہوسکتی مسجد کے پلاٹ کے متصل ہی ایک اور پلاٹ ہے اگر وہاں مسجد از سر نو تعمیر کرائی جائے۔ تو ہماری یہ منشا پوری ہوسکتی ہے۔ اگر پہلے پلاٹ کو محفوظ رکھا جائے اور نئے پلاٹ میں مسجد تعمیر کرائی جائے تو یہ جائز ہوسکتا ہے۔ یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قبرستان اگر مردوں کے دفنانے کے لیے وقف کیا گیا ہے تو پھر اس کو کسی وجہ سے بھی مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں کے دفنانے کے لیے ہی مختص ہوگا۔ **لان شرط الواقف کنص الشارع** [1]۔ اور اگر وقف نہ ہو کسی کا مملوک ہو یا ارض موات ہو تو اگر ان قبروں پر اتنا عرصہ گزر گیا ہو کہ یہ گمان ہوتا ہو کہ مردے بالکل بوسیدہ ہوگئے ہوں گے۔ تو پھر ان قبروں کو ہموار کرکے مالک کی رضامندی سے بصورت مملوک ہونے کے ایسے ہی موات کی صورت میں مسجد کے احاطہ میں اسے شامل کرنا جائز ہے [2]۔ بصورت

---

۱) الدر المختار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وفی الأشباه والنظائر: شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به وفی المفهوم والدلالة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰٦، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۲) فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری، قال ابن القاسم رحمه الله تعالی، لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم فیها مسجداً الم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم، لا یجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنی من الدفن فیها، جاز صرفها الی المسجد لأن المسجد أیضاً وقف من أوقاف المسلمین، لا یجوز تملیکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، ج ٤ ص ۱۷۹، طبع ادارة الطباعة المنیریة دمشق۔
وفی الدر المختار: وان بقی من عظامهم شیء تنبش، وترفع الآثار، ونتخذ مسجداً لما روی أن مسجد النبی صلی الله علیه وسلم کان قبل مقبرة للمشرکین، فنبشت، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ٢٣٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ وکذا فی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، ج ۲ ص ٤٦٩، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ناممکن ہونے توسیع مسجد ھذا کے بوجہ ضرورت اس دوسرے پلاٹ میں مسجد تعمیر کرانا جائز ہے۔لیکن اس سابقہ مسجد کو مسجد ہی رکھا جائے۔اسے کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کیا جائے۔اس کے گرد دیوار بنادی جائے اور کبھی کبھار اس میں نماز بھی پڑھ لی جائے[1]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مثلاً محرر متکلم نے ایک ملکیہ مکان سکنی وقف کر دیا پھر قضاء قاضی یعنی رجسٹری کر دیا ہے پھر دفتر اوقاف سرکار میں دے دیا ہے بغرض انتظام اوقاف ابدالآباد بحکم سرکار......کیا اس مکان کو واقف بیع،استبدال،ہبہ،رہن۔یعنی کسی قسم کا انتقال کرسکتا ہے یا کوئی جابر یا قاہر یا حاکم کسی قسم کے انتقال کا دخل دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا......

محرر سید عبدالستار شاہ عفا اللہ عنہ قلعہ قدیم ملتان شہر

﴿ج﴾

وقف شدہ مکان کی نہ بیع،رہن جائز ہے اور نہ استبدال جائز ہے یعنی زمین وقف شدہ لے کر اس کے عوض میں دوسری زمین دے دی اگرچہ زیادہ دی جائز نہیں اور نہ ہبہ تملیک اس کا ہوسکتا ہے کوئی شخص اس میں ایسے تصرفات نہیں کرسکتا اگرچہ کتنا ہی جابر قاہر اور غالب اور حاکم ہو اور بادشاہ وقت ہو شرعاً وہ بھی یہ کام نہیں کرسکتا۔اگر واقف نے شرط لگائی ہو کہ اس مکان موقوف کا استبدال کسی کا حق نہ ہوگا اور مکان موقوف قابل انتفاع ہو تو استبدال جائز نہیں کسی قسم کا تصرف مندرجہ بالا تصرفات میں سے صحیح نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دو مسجدوں میں ایک امام

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دو بستیاں آباد ہیں اور دونوں میں دو مسجدیں ہیں۔دونوں کا فاصلہ تقریباً تین مربع ہے۔ایک جامع

---

۱) فی الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً الى قيام الساعة وبه يفتى، حاوى القدسى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔
وكذا فى البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه جديد كوئٹه۔ وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد الخ، ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئٹه بلوچستان۔

مسجد ہے۔دوسری چھوٹی ہے۔امام صاحب چھوٹی مسجد میں دو نمازیں جامع مسجد میں تین نمازیں پڑھاتے ہیں۔
(۲) آیا اس بستی میں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں قرآن اور حدیث میں جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) دونوں مسجدوں میں دو مستقل امام ہونے چاہئیں اور دونوں مسجدوں میں باقاعدہ پانچوں نمازوں کا اہتمام ہونا چاہیے۔قال تعالی انما یعمر مساجد الله من أمن بالله و الیوم الأخر ۔الآیہ(پارہ نمبر۱۰ رکوع نمبر۹) لیکن جب تک انتظام نہ ہو۔بڑی مسجد میں پانچوں نمازوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔
(۲) چھوٹی بستی میں باتفاق علماء حنفیہ جمعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں کے لوگ نماز ظہر باجماعت ادا کریں۔ شامی باب الجمعہ ج ۱ ص ۵۹۰ میں ہے۔(قوله تقع فرضا فی القصبات و القری) الکبیرة التی فیها اسواق (الی ان قال) وفیما ذکرنا اشارة الی انه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر و خطیب۔

روافض کی مسجد میں اہل سنت کی نماز

﴿س﴾

کیافرماتے علماء کرام اس مسئلہ میں کہ:
(۱) اہل سنت والجماعت کی مسجد موجود ہے۔موضع کے متصل بھی ہے۔جس میں پہلے اذان و جماعت باقاعدہ ہوتی تھی۔اس کو ترک کر دیا گیا۔
(۲) مندرجہ بالا مسجد سے فاصلہ پر اندرون موضع ایک مسجد جو اہل سنت والجماعت کی ہے۔جس پر کچھ عرصہ سے رافضیوں کا قبضہ اس وجہ سے ہوگیا تھا کہ یہ شیعہ ہیں۔اسی مسجد کے پاس کے آدمیوں نے جو کہ اہل سنت ہیں اذان دے کر باقاعدہ جماعت کرتے تھے۔رافضی لوگ دو چار آدمی انفرادی طور پر اس مسجد میں وقتاً فوقتاً نماز ادا کرتے تھے۔اہل سنت والجماعت والے خوش ہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔کیا اس میں اہل سنت والجماعت کی نماز نہیں ہوسکتی۔
(۳) نزدیکی اور کچھ فاصلہ پر رہنے والوں نے ایک بیٹھک جو اہل ہنود کی ملکیت ہے۔اور از روئے معاہدہ ہر دو مملکت اراضی جائے سکنی و چاہی ہندوستان و پاکستان اپنی اپنی سابقہ جائے سکونت والا ملکیت ہے۔ اور ابھی تک سکونتوں کا باہمی فیصلہ اندریں باب نہیں ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں اس بیٹھک کا بھی صحیح نہیں۔ چند حضرات نے صرف اپنے آنے جانے کی زحمت سے نماز پڑھنی اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی بیٹھک میں شروع کر دی مسجد کو ترک کر دیا۔
(۴) کیا مندرجہ بالا صورت میں جب کہ وہ بیٹھک از روئے قانون حکومت مسلمانوں کی ملکیت بھی نہیں

ہے اس مستقل صورت کے ذریعہ جیسی کہ مسجد کی ہوتی ہے۔ نماز ہو سکتی ہے۔

(۵) چونکہ بیٹھک کا رخ صحیح نہیں ہے۔ کافی فرق ہے۔ تقریباً اڑھائی گز فرق ہے۔ بلا تصدیق سمت قبلہ نمازیں بیٹھک میں پڑھی گئی ہیں۔ کیا ان نمازوں کا اعادہ لازمی اور ضروری ہے۔ اور اعادہ نہ کریں تو از روئے شریعت کچھ نقصان ہے؟

﴿ج﴾

(۱) تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ کہ وہ مسجد کو آباد کرنے کی سعی و کوشش کریں۔ مسجد کو ترک کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے؟

(۲) اس مسجد میں اہل سنت کی نماز صحیح ہے۔ بلکہ ان کو لازم ہے کہ روافض کے قبضہ کو مکمل ہٹا کر اپنا قبضہ کریں۔

(۳) بیٹھک سے اہل ہنود کی ملکیت جب سلب سمجھی جائے گی جب حکومت ان کے الحاق بدار الحرب کا اعلان کرے لیکن حکومت تاہنوز اس کا اعلان نہیں کر سکی۔ بلکہ کاغذات پٹوار میں اب تک اہل ہنود کے نام درج ہیں۔ اور کسٹوڈین کا محکمہ اہل ہنود کے املاک کی حفاظت کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اور بیٹھک ہنود کی ملکیت ہے۔ جس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ایسی نماز کا ثواب نہیں ہوا کرتا ہے۔ بیٹھک کا رخ اگر بہت پھرا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ پیشانی کا کوئی حصہ بھی قبلہ کے مواجہت میں نہیں تو نماز بالکل نہیں ہوتی۔ البتہ اگر پیشانی کے کسی حصہ سے خط نکال کر قبلہ کی طرف کو گزاریں اور وہ میل کھائے نماز تو ہو جائے گی اس میں وسعت ہے۔ واللہ اعلم۔

مفتی محمود عفا اللہ عنہ ۲۶ شوال

مسجد کی جگہ پر امام کا مکان بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) ایک آدمی کو ایک دیہات کے لوگوں نے چندہ جمع کر کے دیا کہ ہمارا کام کر دو اور اس پر جو خرچ ہوا اس کے لیے یہ رقم ہے لیکن یہ معاملہ اس شرط پر ہوا کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو ہم سب رقم واپس لے لیں گے۔ اور اگر کام ہو گیا تو کچھ بھی واپس نہ لیں گے۔ اگر اس رقم سے اخراجات کے بعد بچ گیا وہ بھی تیرا۔ اور اگر زائد ہوا تو وہ بھی تیرا ہی خرچ ہوگا۔ فریقین کی اس پر رضامندی ہوگئی۔ یہ شرط اس مجبوری کے تحت ہوئی کہ خیانت کے اعتراض کی وجہ سے اس رقم کو کوئی بھی نہیں رکھتا تھا۔ تو آخر اس بات پر معاملہ طے ہوا۔ اور یہ کام بھی حکومت کے محکمہ سے کرانے کا ہے۔ تو کیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ہو بھی گیا تو کیا وہ بچی ہوئی رقم رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر زائد خرچ ہو تو وہ لوگوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کسی اختلاف کی بنا پر ایک دیہات میں بالکل قریب قریب دو مسجدیں بنائی گئیں کہ ایک پرانی مسجد تھی۔ جس میں کئی سالوں سے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور پھر اختلاف کی بناء پر قریب ہی نئی مسجد (یہ نئی مسجد اسی مسجد کی زمین پر بنائی گئی ہے) دوسرے فریق نے بنائی دوسری میں کئی ماہ نماز با جماعت ہوتی رہی۔ پھر اتفاق سے انئی مسجد کا محراب گرا کر دیوار کو برابر کر دیا گیا۔ تو اب یہ نئی مسجد کسی استعمال میں آ سکتی ہے۔ اس میں درس قرآن قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا وہ امام صاحب کا مکان بن سکتا ہے یا نہیں ویسے فی الحال دیہات والوں نے مستقل جگہ نہ ہونے کی وجہ سے پرائمری سکول عارضی طور پر قائم کر رکھا ہے۔ تو کیا عارضی طور پر پرائمری سکول درست ہے یا نہیں اگر اس میں مستقل پرائمری سکول قائم ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔

(۱) یہ معاملہ شرعاً درست نہیں [۱]۔

(۲) یہ زمین تا یوم القیامۃ مسجد ہی رہے گی۔ نئی مسجد کو اب گرانا یا اس میں پرائمری سکول قائم کرنا یا امام مسجد کے لیے مکان تعمیر کرنا کوئی امر بھی جائز نہیں۔ یہ حصہ اب مسجد ہی ہے اور اس مسجد کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری مساجد کا ہے۔ لہٰذا یہاں سے پرائمری سکول کو فوراً منتقل کر دیں اور اس کے ساتھ مسجد کا سا برتاؤ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۲]۔

نماز کی جگہ کو بدلنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اراضی واقع نقشبند کالونی ملتان میں ایک حصہ اراضی مالکان اراضی

---

۱) الاجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع لأنه بمنزلته، الهداية، ج ۳ ص باب الإجارة الفاسدة، ص ۳۰۳، طبع رحمانيه لاهور۔
(وتفسد) الإجارة (بجهالة المسمى) كله أو بعضه ...... (وبعدم التسمية) أصلاً أو بتسمية خمر أو خنزير، تنوير الأبصار وشرحه، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، ج ٦ ص ٤٨، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔ وكذا فی البناية: ج ١٠ ص ٢٦٩، باب الإجارة الفاسدة، طبع دار الفكر بيروت لبنان۔

۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه، الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ٦٢٢، طبع رحمانيه لاهور۔
ولو خرب ماحول المسجد واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى، أبداً الى قيام الساعة، (وبه يفتى) تنوير الأبصار وشرحه، كتاب الوقف، مطلب فى ما خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه جديد كوئٹه، رشيديه قديم، ج ٣ ص ٤٠٦۔
وبه علم أن الفتوى على قول محمد فى آلات المسجد وعلى قول أبى يوسف فى تأبيد المسجد "البحر الرائق" كتاب الوقف، أحكام مسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، رشيديه كوئٹه۔

سے عیسائیوں نے خرید کرلیا ہوا ہے اوراس کے اردگرد چار دیواری بنا کر اپنا مدرسہ سکول قائم کرلیا ہے۔ ایک مصلیٰ اس اراضی میں عرصہ سے واقع ہے جو کہ غیر مسقفہ ہے اور جس پر صرف چار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مٹی کے ایک تھلہ کی صورت میں ہے۔ کیا اس مصلیٰ کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی دیگر جگہ پر بنایا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مصلیٰ مسجد نہیں ہے۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ جو زمین ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو جائے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہتی ہے۔ کسی اور ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج کرنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں۔ قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عندالامام والثانی ابدا الی قيام الساعة وبه يفتی ردالمحتار ج۳ص ۴۰۶.(۱)

پس صورت مسئولہ میں اگر زمین کا یہ ٹکڑا (تھلہ) مالک زمین نے مسجد کے لیے وقف کردیا ہے اور مسجد کے نام سے معروف ہو پھر تو اس کا تبادلہ جائز نہیں(۲)۔ اگر مسجد کے نام وقف نہیں اور عارضی طور پر ایک ٹکڑے کو نماز کے لیے مخصوص کردیا۔ مستقل مسجد نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ گھروں میں نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلیتے ہیں اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں کرتے۔ تو ایسی صورت میں اس کا تبادلہ درست ہے۔ تحقیق کر کے جو بھی صورت ہو اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳)۔

مسجد کی زمین مسجد کے لیے اور مدرسہ کی زمین مدرسہ کے لیے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ تقریباً پچیس آدمیوں نے ایک قطعہ اراضی رہائشی

---

۱) رشیدیه قدیم کوئٹه، ج ۳ ص ۴۰۶، کتاب الوقف، مطلب فی ما خرب المسجد أو غیره، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٥٥٠، وكذا فی الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ٦٢٢، رحمانیه لاهور۔

۲) واعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه ...... الثالث أن لا يشرطه ايضاً ولكن فيه نفع فی الجملة وبدله خير منه ربحاً ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ج ۳ ص ٤٢٤، رشیدیه قدیم کوئٹه۔
وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٢٠٦، طبع مكتبه ماجديه كوئٹه۔
وكذا فی الفتاوى الكاملية، كتاب الوقف، ص ٦٥، طبع مكتبه القدس كوئٹه۔

۳) رجل له ساحة لا بناء فيه أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... وان أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات يكون ميراثاً عنه لأنه لا بد من التأبيد والتوقيت ينافی التأبيد، فتاوى قاضيخان عى هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، ج ۳ ص ٤٥٥، رشیدیه کوئٹه۔ وكذا فی البحر الرائق: ج ٥ ص ١٨٩۔

مکانوں کے لیے خریدااور خریدتے وقت اتفاقاً ایک ٹکڑا مسجد کے لیے مقرر کر دیا۔ یعنی وقف کر دیا۔ عرصہ چار سال کے بعد ایک صاحب نے چار مرلے کا ایک پلاٹ مسجد کے ملحق مغربی جانب مسجد میں دے دیا۔ پھر تقریباً تین سال بعد اسی صاحب نے چار مرلے کا ایک پلاٹ برائے مدرسہ اسی مغربی جانب میں دے دیا یعنی وقف کر دیا کہ مسجد کے ساتھ ہی مدرسہ ہو اور اسی وقت ایک صاحب نے وقف کنندہ سے کہا کہ دوسری جانب والا پلاٹ دے دیں۔ لیکن وقف کنندہ نے کہا کہ وہی پلاٹ مغربی جانب والا دوں گا۔ اور وقف کنندہ نے کہا کہ مسجد اگلے حصہ میں بنا دیں۔ اور مؤخر حصہ میں مدرسہ بنا دیں۔ اب لوگوں میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں جو پہلے پہل مسجد کے لیے وقف ہوگئی تھی۔ مسجد وہیں ہونی چاہیے اور جو بعد میں زمین ملی ہے۔ اس پر مسجد تعمیر نہ کی جائے یعنی موقوفہ مدرسہ والے حصہ پر مسجد نہ ہونی چاہیے۔ اور نئی موقوفہ میں مسجد کے لیے بنیادیں تقریباً دو فٹ بھر دیں۔ از روئے شریعت جو حکم ہو صادر فرما کر مشکور فرماویں۔

﴿ج﴾

وقف بنا بر قول مفتی بہ نفس قول وتحریر سے تمام ہو جاتا ہے[1]۔ اور مسئلہ کتب معتبرہ میں واضح ہے۔ کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کر سکتا۔ پس صورت مسئولہ میں جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی ہے۔ اس پر مدرسہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

نوٹ: یہ جواب اس صورت میں ہے کہ وقف مدرسہ اور مسجد الگ الگ مکمل کر کے متولیان مدرسہ و مسجد کے قبضہ میں اور تحویل میں دے دیا گیا ہو اور مسجد کے لیے یہ بھی ہے بر قول امام محمد رحمہ اللہ کہ وہاں نماز بھی ادا کر لی گئی ہو۔ مگر صورت مسئولہ میں اگر یہ پلاٹ بہ ارادہ مدرسہ اور مسجد کے لیے ہوئے تھے، کسی متولی کی تحویل میں نہیں دیے گئے تھے۔ اور بوقت تعمیر مناسب خیال کیا گیا کہ غربی جانب میں مسجد ہو اور شرقی حصہ میں مدرسہ ہو۔ کیونکہ

---

۱) ثم ان أبا یوسف یقول یصیر وقفاً بمجرد القول لأنه بمنزلة الاعتاق عنده وعلیه الفتوی، الفتاوی الکاملیة، کتاب الوقف، ص ۵۵، مکتبة القدس، کوئٹه، وکذا فی الجوهرة النیرة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۲۱، قدیمی کتب خانه کراچی۔

وکذا فی البحر الرائق: ج ۵ ص ۱۹۶، کتاب الوقف، طبع ماجدیة کوئٹه۔

۲) وصرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة رد المحتار، مطلب غرض الواقفین واجبة، ج ٦ ص ٦٨٣، رشیدیه جدید کوئٹه۔

"وشرط الواقف کنص الشارع" در مختار، مطلب یراعی شرط الواقف فی اجارته، ج ٦، ص ٦٨٣، رشیدیه جدید کوئٹه۔

وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف، ج ۲ ص ٤١٩، رشیدیه کوئٹه۔

مدرسہ کا مسجد کے ہر دو جانب ہونا یا بالمقابل ہونا بہ نسبت عقب میں واقع ہونے کے زیادہ موزوں ہے۔ اور اس ارادہ سے اہل محلہ اور عوام المسلمین کے مشورہ سے غربی جانب میں مسجد کی بنیادیں رکھ لی گئی ہیں۔ اور دو دو فٹ تک پر ہو چکی ہیں۔ تو اس استبدال میں بنا بر اقوال فقہاء گنجائش ہے۔ ایک دو آدمیوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اکثریت اہل محلہ کی اس رد و بدل کے مخالف نہ ہو۔ نیز اگر علماء کرام کو محل وقوع اور تمام جگہ کا معائنہ کرالیا جائے اور ان کی رائے بعد از معائنہ معلوم کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

حجروں کو گرا کر گیراج بنانا

﴿س﴾
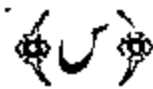
ایک صاحب نے اپنی مملوکہ زمین میں ایک مکان مشتمل بر حجرہ جات وقف متعلق مسجد اور خانقاہ کے برائے رہائش مسافروں اور طلبہ اور زائرین خانقاہ اور اپنی اولاد کے کر دیا۔ وہ مکان موسوم سرائے کلاں کاغذات سرکاری میں درج ہے۔ متولی اس کا جو واقف کا لڑکا ہے۔ بعض حجروں کو گرا کر موٹر کا گیراج اور رہائش کے کوٹھہ جات پختہ تعمیر کر کے اوپر ان کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیا اس کو ان کوٹھہ جات کے اوپر مسجد تعمیر کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اور وہ مسجد مسجد کے حکم میں شرعاً ہوگی یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں اپنی قیمتی رائے سے مطلع فرما کر مشکور فرمادیں۔

﴿ج﴾

قال الشامي وفي الاسعاف لايجوز ان يفعل الاماشرط وقت العقد و فيه على الخصم.

---

۱) ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بقوله جعلته مسجداً، عند الثاني، (وشرط محمد) والإمام (الصلوة فيه) بجماعة، تنوير الأبصار مع شرحه، مطلب في أحكام المسجد، ج ٦ ص ٥٤٦، رشيديه جديد كوئته۔
وقال محمد رحمه الله تعالى لا يزول (الملك) حتى يجعل للوقف ولياً ويسلم اليه وعليه الفتوى كذا في السراجية وبقول محمد رحمه الله تعالى يفتى كذا في الخلاصة: هندية كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥١، رشيديه كوئته۔
وعند محمد رحمه الله لا بد من التسليم الى المتولي والافراز والتأبيد ...... وفي شرح المجمع أكثر فقهاء الأمصار أخذ والبقول محمد والفتوى عليه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٩٧، ماجدية كوئته۔
وأما الصلوة فلأنه لا بد من التسليم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ...... التسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة باذنه، هندية، كتاب الوقف الباب الحادي عشر في المسجد ج ٢، ص ٤٥٥، رشيديه كوئته، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، ج ٣ ص ٤٦٤، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٦٨٣۔

صرحوابان مراعاة غرض الواقفين واجبة ج۳ص ۴۶۴-الخ- [1] وفی الدرالمختار و شرط الواقف كنص الشارع ج۳ص ۴۵۶-الخ [2]۔ان روایات سے معلوم ہوا کہ ان کوٹھہ جات پر واقف کے لڑکے کو مسجد تعمیر کرنے کا حق نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

جواب صحیح ہے۔ جو وقف جس کام کے لیے کیا گیا ہے۔ کسی متولی کو اس کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ یہ حجرے چونکہ مہمانوں کی قیام گاہ یا اولاد کے استعمال کے لیے وقف ہیں۔ان میں تصرف مندرجہ سوال درست نہیں۔محمد شفیع ۱۱رجب ۸۸ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۳رجب ۸۸ھ

مسجد کے بدلے دوسری جگہ زمین دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کہ برلب سڑک ہے اور کاغذات مالی میں ایک مرلہ مقبوضہ اہل اسلام بنام مسجد درج ہے۔اور ۱۹۴۷ء سے پہلے سے قائم ہے اور کسی وقت سے عوام اس میں نماز ادا کر رہے ہیں۔مسجد کی چاردیواری اور تھلہ کچی اینٹوں کا ہے اور کوئی چھت وغیرہ نہیں ہے۔اب اگر کوئی شخص اس مسجد کو عوام الناس اور اہل محلّہ کی مرضی کے خلاف منہدم کر کے اپنے ذاتی مفاد میں لانا چاہے اور اس کے عوض دوسری جگہ پر شارع عام سے ہٹ کر اسی قدر یا اس سے زائد زمین مسجد کے لیے دے تو کیا وہ شرعی طور پر ایسا کرسکتا ہے یا نہیں۔فقط۔

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی۔کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔اس کو ذاتی مصرف میں لانا قطعاً جائز نہیں۔اگر چہ اس کے عوض میں اور

---

۱) كتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ۴۵۶، رشیدیه قدیم کوئٹه۔ رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٦٦٤۔

۲) كتاب الوقف، مطلب فی قولهم بشرط الواقف كنص الشارع: ص ٤٥٦ / ٣، رشيديه قديم كوئٹه، رشيديه جديد كوئٹه، ص ٦٦٤ /٦

وفی الفتاوى الكاملية: قال فی الأشباه شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع أى فی وجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب فی وجوب اتباع شرط الواقف، ص ٥٩ مكتبة القدس كوئٹه۔ وكذا فی الفتاوى تنقيح الحامدية، كتاب الوقف، ج ١ ص ١٢٦، مكتبه حقانيه پشاور۔

جگہ زمین بھی دے۔ قال فی شرح التنویر ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی وفی الشامیة (قوله ولو خرب ماحوله) ای ولو مع بقائه عامرا و كذالو خرب وليس له مايعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اخر (ردالمحتار ج۳ص ۴۰۶)[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے لیے وقف زمین کو ذاتی تصرف میں لانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے ۳۲ مرلے زمین جنازگاہ کے لیے وقف کی اور اس زمین پر ۳۲ سال جنازہ پڑھا جاتا رہا۔ اب وہ قطعہ زمین کسی اور آدمی کے نام آ گیا ہے بوجہ اشتمال اراضی کے اب آیا وہ شخص اس جنازہ گاہ کی زمین کو استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں اور جنازہ گاہ کی چاردیواری پہلے ہوئی ہے اور دروازہ بھی لگا ہوا ہے اور نماز وغیرہ وہاں نہیں پڑھتے۔ صرف جنازہ پڑھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایک دفعہ جب یہ زمین جنازگاہ کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں کافی عرصہ سے جنازہ کی نماز پڑھی گئی ہے اور اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے۔ تب یہ زمین ہمیشہ کے لیے جنازگاہ رہے گی۔ اس کے وقف کو باطل کرنا یا تبدیل کرنا یا اشتمال اراضی کی وجہ سے کسی کی ملک میں دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ لان شرط الواقف كنص الشارع۔ نیز اس کو گرا کر اس کی اینٹیں وغیرہ دوسری جگہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جنازگاہ اب بھی جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔ اور اس سے استغنا واقع نہیں ہو چکا ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحه (ردالمحتار ج۳ص ۳۹۲)[2] (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب) ولو غنيا فيلزم فلايجوز له ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة وقال الشامی تحت

---

۱) كتاب الوقف، مطلب فی ما اذا خرب المسجد، رشيديه قديم كوئته، ورشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٥٥٠۔ وكذا فی الهداية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، رحمانيه لاهور۔ وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مكتبه ماجديه كوئته۔

٢) كتاب الوقف، ج ٣ ص ٣٩٢، رشيديه قديم كوئته۔
وكذا فی الفتاوى الكاملية، كتاب الوقف، ص ٥٥، مكتبة القدس كوئته۔
وكذا فی الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٢، رشيديه كوئته۔

قوله (وعليه الفتوى) اى على قولهما يلزمه قال في الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحاديث والآثار متظاهرة على ذلك واستمر عمل الصحابة والتابعين ومن بعدهم على ذلك فلذا ترجح خلاف قوله اه ملخصاً۔

وايضاً قال في الشامية فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة (ردالمحتار ج۳ص۳۹۵)(۱) وقال في التنوير اتحد الواقف و الجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه وان اختلف احدهما لا (ردالمحتار ج۳ص۴۰۸)(۲) معلوم ہوا کہ شرط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کرسکتا۔ لما في شرح التنوير وقف ضيعة على الفقراء ثم قال لوليه اعط من غلتها فلانا كذا. وفلانا كذا لم يصح لخروجه عن ملكه بالتسجيل (۳) (ردالمحتار) اسی طرح حاکم بھی بیت المال کے وقف میں تبدیل جہت کا اختیار نہیں رکھتا۔ قال في شرح التنوير ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط (الى ان قال) وان غاير شرط الواقف لان اصلها لبيت المال وقال في الشامية قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها ان للامام او

---

۱) كتاب الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، ج ۳ ص ۳۹۵، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد، ج ٦ ص ٥٢٦، كوئته۔

وفي فتح القدير: فإن شرائط الوقف معتبر اذا لم تخالف الشرع ...... الخ كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كتاب الوقف، ج ۳ ص ٤٠٨، رشيديه قديم كوئته۔ رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٥٥٣، مطلب في انتقاض المسجد ونحوه، وكذا في الشامي كتاب الوقف، مطلب في زيادة القاضي في معلوم الإمام، ج ۳ ص ٤٥٨، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٦٦٩۔

۳) كتاب الوقف: مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، رشيديه جديد كوئته۔

وكذا في امداد الفتاوى، ج ۲ ص ٥٩٦، مكتبه دارالعلوم كراچى۔

لأن شرط الواقف كنص الشارع، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ٤٥٦، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٦٦٤۔

كذا في الفتاوى الكاملية: كتاب الوقف، ص ٦٥، مكتبة القدس كوئته۔

نائبه ان يزيد فيها وينقص ونحوذلک وليس المراد انه يصرفها عن الجهة المعينة۔ الخ (ردالمحتار ج۳ص۴۵۹)[1] حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں۔لہٰذا جو زمین جنازگاہ کے لیے وقف ہوئی ہے اس کو تبدیل کر کے کسی کی ملک میں دینا اور استعمال کرنا درست نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عیدگاہ کی زمین پر مدرسہ بنانا

﴿س﴾
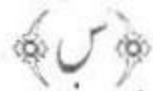
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص عیدگاہ کے لیے زمین وقف کر کے قبضہ کرا کر فوت ہو گیا بعدازاں اہل اسلام کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس عیدگاہ کے احاطہ کے اندر کسی جانب مدرسہ تعلیم القرآن کے لیے دو تین حجرے معلم قرآن اور متعلمین قرآن کی رہائش اور درس گاہ کے لیے بنا لیے جائیں۔نماز عید کے بعد قبضہ بقیہ مقبوضہ زمین عیدگاہ کی کافی ہے تو کیا اہل اسلام وقف کنندہ کی فوتگی کے بعد جو فقط عیدگاہ کے لیے وقف کر گیا اور قبضہ دے گیا ہے۔اس کے وارثوں کی اجازت سے یا بلا اجازت ان کے اس احاطہ عیدگاہ میں مدرسہ تعلیم القرآن یا مدرسہ کتب عربیہ کے لیے حجرے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔جو احاطہ عیدگاہ کے لیے وقف کیا جا چکا ہے اس میں مدرسہ کے لیے حجرے اور درس گاہیں بنانا ناجائز ہے۔لان شرط الواقف كنص الشارع۔فتاویٰ رشیدیہ ص۴۰۴ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔''جو قبرستان وقف قبور کے واسطے ہوا ہے اس میں مکان یا مسجد بنانا درست نہیں کہ وہ سب زمین قبور کے واسطے وقف ہوئی ہے۔خلاف شرط واقف کے کوئی تصرف درست نہیں۔

---

١) شامي رشيديه قديم كوئته، مطلب للسلطان مخالفة شرط اذا كان الوقف من بيت المال، ج ٣ ص ٤٥٩، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٦٧٠۔

وفي الهندية: فإن كان الواقف شرط ان لا يؤاجر أكثر من سنة والناس لا يرغبون في استئجارها سنة وكانت اجارتها أكثر من سنة ...... فليس للقيم أن يخالف شرطه، ج ٢ ص ٤١٩، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، رشيديه كوئته۔

وفي الخانية على هامش الهندية: لو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها ...... الخ كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، ج ٣ ص ٣٠٧، رشيديه كوئته۔

کذا فی العالمگیریہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [۱]......اسی طرح احسن الفتاویٰ ص۴۸۳ [۲]۔ پر مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بندہ نے صورت مسئولہ میں بار بار غور کیا۔ مگر سمجھ میں یہی آ رہا ہے کہ عیدگاہ کی زمین پر مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بنا سمجھ نہیں آتی۔ اگر آپ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کے افتاء کے دلائل تحریر فرما دیتے تو اس پر کچھ غور کر سکتا۔ بہرکیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے۔ جس میں ذرا برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا جو امور موجب خلجان ہو سکے ہیں۔ اثناء جواب ان کی تنقیح بھی کر دی گئی ہے۔ **قال فی الشامیة فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة وله ان یخص صنفا من الفقراء و لو کان...... الوضع فی کلهم قربة** (ردالمحتار ج۳ص۳۹۵) [۳] الخ۔ بڑا مفصل فتویٰ ہے احسن الفتاوی میں اگر شوق ہو تو ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے زمین کو مسجد کے لیے وقف کیا تو پھر واقف یا غیر واقف اس جگہ میں مدرسہ بنا سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو کسی اور مصرف میں لانا درست نہیں [۴]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) تألیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، ص ٤٣٦، وقف کے مسائل، طبع ادارہ اسلامیات لاهور۔

۲) أحسن الفتاوی، ج ٦ ص ٤٣٣، کتاب الوقف، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) رد المحتار: ج ۳ ص ۳۹۵، کتاب الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٥٢٦۔
وکذا فی الشامی: کتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، ج ۳ ص ٤٩٧، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٧٦٠۔
وکذا فی الفتاوی الکاملیة: کتاب الوقف، ص ٥٩، مکتبة القدس کوئٹه۔

٤) تقدم تخریجه فی السوال السابق۔

مسجد کی زمین کو صحن بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں ایک چھوٹی سی کچی مسجد ہے جس کی چھت بھی نامکمل ہے اور قصبہ والوں کا ارادہ ہے کہ اس کو اٹھا کر کے کسی اور جگہ زیادہ لمبی چوڑی مسجد ہونی چاہیے تا کہ عام خاص آدمی اور مسافروں کے لیے آرام ہو جائے صرف اس مسجد میں گھر والے ہی نماز ادا کر سکتے ہیں باہر والوں کے لیے تنگی رہتی ہے اور چوراستہ بھی نہیں ہے آپ فرماویں کہ شریعت اس مسئلہ کے بارے میں کیا اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ اور اس جگہ گھر کا صحن بن سکتا ہے یا نہیں؟ وہاں اس کو زیادہ بڑھانے کی جگہ نہیں ہے آپ صحیح اور صاف طور پر ہمیں اس مسئلہ سے تسلی فرماویں تا کہ کام شریعت کے مطابق ہو جائے۔ فقط والسلام

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اگر مالک زمین نے اس چھوٹی کچی مسجد کی زمین کو مسجد کے لیے وقف کر دیا ہو اور اس میں نماز باجماعت پڑھی گئی ہو اور چاہے چھت دیواریں وغیرہ بھی اس زمین پر تعمیر نہ ہوں تو وہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہتی ہے اس کی صیانت وحفاظت کرنا مسلمانوں کو لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس چھوٹی کچی مسجد کی جگہ کو صحن میں بدلنا مسجدیت سے اسے خارج کرنا ہرگز جائز نہیں[1]۔ اگر یہ مسجد چھوٹی ہے بستی والے مسلمان نمازی اس میں نہیں سماتے اور اس کو بنانے اور وسیع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس مسجد کو بدستور مسجد رہنے دیں اور اس کے علاوہ دوسری مسجد کچھ فاصلہ پر تعمیر کریں۔ چھوٹی مسجد کے قریب رہنے والے چھوٹی میں نماز ادا کریں۔ دوسرے بستی والے نیز مسافرین بڑی مسجد میں نماز ادا کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

واقف کا وقف کی حیثیت تبدیل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے کچھ ٹکڑا زمین برائے عیدگاہ وقف کر دیا ہے۔

---

١) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه، الهداية، ج ٢ ص ٦٢٢، كتاب الوقف، مكتبه رحمانيه لاهور۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً الى قيام الساعة، وبه يفتى، تنوير الأبصار وشرحه، كتاب الوقف، مطلب في ما خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه جديد كوئته۔ وكذا في البناية: كتاب الوقف، ج ٧ ص ٤٥٧، دار الكتب العلمية بيروت۔

جس کی لمبائی ۱۱۴ ہاتھ چوڑائی ۲۸ ہاتھ ہے۔ اس میں کچھ حصہ مصروف ہے اس ٹکڑے کو عوام نے عیدگاہ مقرر کر دیا ہے۔ دو دفعہ نماز عید بھی پڑھی گئی ہے اور جو ٹکڑا مصروف ہے اس میں چار دیواری بھی بنی ہوئی ہے۔ اس ٹکڑے کے ساتھ فریق ثانی کا طولاً و عرضاً کچھ رقبہ متصل ہے اور عوام کا خیال ہے کہ فریق ثانی کو دے کر شامل کیا جاوے۔ آیا شرعاً تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ واقف زندہ ہے اور راضی ہے۔

﴿ج﴾

یہ استبدال از روئے شرع جائز نہیں ہے۔ یعنی وقف کی زمین دے کر دوسری زمین لینا اس کے بدلہ میں ناجائز ہے۔ بحر الرائق ج۵ ص ۲۰۷ [۱] **وظاهر قولهم ان الوقف لا يملك ولا يباع يقتضي ان الواقفية لاتبطل بالخراب ولاتعود الى ملك الواقف و وارثه. وانه لايجوز الاستبدال ولذا قال الامام قاضيخان ولو كان الوقف مرسلالم يذكر فيه شروط الاستبدال لم يكن له ان يبيعها ويستبدل بها وان كانت ارض الوقف سبخة لاينتفع بها انتهى** اور شامی ج۳ ص ۴۲۴ پر ہے **واعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الى قوله الثالث ان لايشرطه ايضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خيرمنه ريعاً و نفعاً وهذالا يجوز استبداله على الاصح المختار** [۲]۔

البتہ اگر واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ مجھے تبدیل کرنے کا حق ہوگا تو اس صورت میں تبادلہ کرنا واقف کے لیے جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔ [۳]

---

۱) البحر الرائق: ج ٥ ص ٢٠٦، كتاب الوقف، مكتبه ماجديه كوئته۔

وكذا في الخانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، ج ٣ ص ٣٠٧، رشيديه كوئته

۱) رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ٣ ص ٤٢٤، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٥٨٩۔

۲) واذا شرط أن يستبدل بالوقف متى شاء والولقف مثل ذلك ويكون وقفاً مكانها له ذلك ...... الخ، الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الوقف، نوع في ما يتعلق بالشرط في الوقف، ج ٦ ص ٢٥١، رشيديه كوئته۔

وكذا في البحرالرائق: كتاب الوقف، ص ٥/٢٠٦، مكتبة ماجدية كوئته

وكذا في الخانية على هامش الهندية: كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف، ج ٣ ص ٣٠٧، رشيديه كوئته۔

مسجد یا مصلیٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چاردیواری جو کہ ۲۲ فٹ لمبی اور اٹھارہ فٹ چوڑی اور تین فٹ اونچی پکی دیوار جو کہ موسوم بمسجد ہے۔ کیا شرع کے نزدیک یہ مصلیٰ شمار ہوگا یا مسجد اور اس کو اس جگہ سے ہٹانا اور گرانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو گرانے والوں پر شرعاً کیا جرم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس جگہ کو نماز کے لیے متعین کرتے وقت واقف کی نیت اس میں مسجد بنانے کی تھی تو پھر یہ جگہ مسجد ہوگئی ہے۔ اب اس جگہ سے مسجد کو ہٹانا جائز نہیں ہوگا اور نہ تبدیل کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

کنویں کی جگہ مسجد کے لیے مکان بنوانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے ساتھ کنواں تھا جس کو لوگوں نے مٹی کوڑا ڈال کر بھر دیا تھا حتیٰ کہ یہ ہونے لگا کہ لوگ مٹی وغیرہ ڈالنے لگے تو نمازیوں کو بدبو آتی تھی تو انہوں نے اس جگہ پر دکان بنادی ہے جس کی آمدنی مسجد کو دی جاوے گی انہوں نے یہ دکان اس بنا پر بنائی تھی کہ یہ کنواں یا تو مسجد کا ہے کیونکہ مسجد بھی پرانی ہے اور کنواں بھی پرانا ہے اور پہلے زمانہ میں اور کوئی انتظام نہ ہوتا تھا نلکے وغیرہ کا اب وہاں مسجد میں نلکہ بھی ہے اور ساتھ سرکاری نلکہ بھی ہے۔ تو اب ضرورت باقی نہیں ہے، اب دکان بنانے کے بعد وہ کنواں جس کے مکان کے قریب ہے وہ کہتا ہے کہ یہ کنواں مسجد کا نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کے نفع کے لیے ہے۔ تو جب یہ کنواں ہے تو کنواں ہی رہنے دو۔ مگر حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں یا مسجد کا ہے یا عام انتفاع کے لیے تھا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے کہ ان کے بڑوں نے کنواں اور مسجد بنائی تھی۔ اب اس کا مفصل حکم بیان فرمادیں کہ اس کنویں پر دکان رہ سکتی ہے یا نہیں۔

---

۱) (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الإمام والثانی) أبداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوى قدسى، وقال الشامى: تحته فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر ...... الخ، تنوير الأبصار مع شرحه، مطلب فى ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، رشيديه جديد كوئٹه۔ وكذا فى الفقه الإسلامى: كتاب الوقف الفصل الثامن، استبدال الوقف وبيعه حالة الخراب، ج ١٠ ص ٧٦٧٣، مكتبه دار الفكر بيروت۔ وكذافى الفقه الحنفى وأدلته، كتاب الوقف، وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٤، دار الكلم الطيب بيروت۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اس کنویں کی جگہ مسجد کے لیے دکان بنانا درست وصحیح ہے اور جبکہ کنویں کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ضرورت نلکے اور سرکاری نل سے پوری ہو رہی ہے اور لوگوں نے اس کنویں کی حاجت نہ رہتے ہوئے اسے مٹی کوڑا ڈال کر بھر دیا ہے تو یہ دکان باقی رکھی جائے گی اور اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوگی۔ اور اسے ایک قریبی مکان والے شخص کے کہنے پر واپس کنواں نہیں بنایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

وقف باطل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مولوی بہاؤ الدین تقریباً ۲۵ سال قبل ایک کنال اراضی برائے عیدگاہ چاہ سے والا میں وقف کرتا ہے۔ اور باشندگان ماہڑہ اب تک اس عیدگاہ میں نماز عید ادا کرتے رہے ہیں۔ لیکن اب اشتمال اراضی کی وجہ سے عیدگاہ کا رقبہ مولوی بہاؤ الدین کے بھائی مولوی نصیر الدین کے رقبہ سے ملحق ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ماہڑہ میں حکومت کی طرف سے برائے عیدگاہ قبرستان مدرسہ وغیرہ کے لیے عوام کو ایک پلاٹ دیا گیا ہے، چنانچہ چند آدمی مع بہاؤ الدین کے جدید عیدگاہ کی بنیاد ڈال کر سابقہ عیدگاہ کو گرانا چاہتے ہیں۔ کیا سابقہ عیدگاہ گرانا جائز ہے یا نہیں؟

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل امور بھی قابل غور ہیں:

(۱) عیدگاہ کا رقبہ اشتمال کی وجہ سے مولوی نصیر الدین کی ملک ہو جائے گا۔

(۲) سابقہ عیدگاہ کے جنوب مشرقی کونہ میں تعمیر عیدگاہ سے پہلے ایک مسجد تھی جس کا رقبہ ۳×۳ کرم تھا۔ اس میں مستقل جماعت کا انتظام نہ تھا۔ لیکن کبھی کبھی جماعت ہو جاتی تھی۔ اگر بالفرض عیدگاہ گرا دی جائے تو مسجد کا رقبہ مستثنیٰ ہوگا۔ علاوہ ازیں سامان اور اس میں کاشتکاری کر کے اس کی پیداوار عیدگاہ یا کسی موقوفہ چیز پر خرچ ہو سکتے ہیں؟

---

۱) قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى: اذا لم يذكر الواقف في صك الوقف اجارة فرأى القيم أن يؤاجرها ويدفعها مزارعة فما كان أدر على الوقف وانفع للفقراء فعل، الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الوقف، فصل في اجارة الأوقاف ومزارعتها، ج ۳ ص ۳۳۲، رشيديه كوئته۔
في الهندية: ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها ...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۴، رشيديه كوئته۔ كذا في التاتارخانيه: كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف، ج ۵ ص ۷۵۱، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

(۳) اس ۲۵ سال کے عرصہ میں عیدگاہ کی عمارت بالکل محفوظ رہی ہے اور کبھی اس کے سامان کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیا پھر بھی خوف ضیاع کا بہانہ ڈھونڈھ کر گرانا جائز ہے؟

(۴) باشندگان ماہڑہ اور شرکاء چاہ سے والا اور خصوصاً مولوی نصیر الدین بھی سابقہ عیدگاہ گرانے پر راضی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے دستخط ثبت کیے گئے ہیں۔

(۵) باشندگان ماہڑہ میں سے اگر کوئی شخص سابقہ عیدگاہ کو مدرسہ کی صورت میں آباد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے؟

ہم واقعی عیدگاہ گرانے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور عیدگاہ کی بقاء کے خواہش مند ہیں۔

محمد قاسم۔ نصیر الدین۔ غلام قادر۔ محمد عبدالعزیز

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایک دفعہ جب یہ زمین عیدگاہ کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں کافی عرصہ سے عید کی نماز پڑھی گئی ہے اور اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے۔ تب یہ زمین ہمیشہ تک کے لیے عیدگاہ رہے گی۔ اس کے وقف کو باطل کرنا یا اس کی بیع کرنا یا تبدیل کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ نیز اس کو گرانا اس کی اینٹیں وغیرہ دوسری جگہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عیدگاہ اب بھی عید کی نماز پڑھنے کے لیے استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔ اور اس سے بالکلیہ استغناء واقع نہیں ہو چکا۔

كما قال في الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ج۳ص ۳۹۲ (۱) (وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب) ولو غنيا فيلزم فلايجوزله ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة. وقال الشامي تحته (قوله و

---

۱) رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، ج ۳ ص ۳۹۲، رشيديه قديم كوئته، رشيديه جديد كوئته، ج ٦ ص ٥١٨-٥١٩۔

كذا في فتح القدير، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٩، رشيديه كوئته۔

وكذا في الفتاوى الكاملية: كتاب الوقف، ص ٥٥، مكتبة القدس كوئته۔

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى، قال العلامة ابن عابدين تحته: قوله (والمصلى) شمل مصلى الجنازة والعيد قال بعضهم: يكون مسجداً حتى اذامات لا يورث عنه، تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب اذا وقف كل نصف على حدة صارا وقفين، ج ٦ ص ٥٤٦، رشيديه جديد كوئته۔ وكذا في الخانية على هامش الهندية: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو حانوتاً، ج ۳ ص ۲۹۱، رشيديه كوئته۔

علیه الفتوی) ای علی قولهما یلزمه قال فی الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والآثار متظاهرة علی ذالک واستمر عمل الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلک فلذا ترجح خلاف قوله اه ملخصا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک عیدگاہ کا سامان دوسری عیدگاہ پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ قصبہ ماہڑہ میں قریبی کنویں پر ایک عیدگاہ بنائی گئی تھی۔ اور کافی عرصہ تک اس میں نماز عید پڑھی جاتی رہی ہے۔ اب اشتمال اراضی میں عیدگاہ کی زمین تقریباً دو بیگھ قصبہ کے غربی جانب دی گئی ہے پہلے عیدگاہ ایک کنال میں تھی جو بہت تنگ تھی کنویں والے بھائی وال بھی وہاں پر عیدگاہ نہیں چاہتے۔ دریافت طلب یہ مسلہ ہے کہ کیا سابقہ عیدگاہ کا سامان از قسم اینٹیں وغیرہ اٹھا کر جدید عیدگاہ میں منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور سابقہ عیدگاہ جواب اشتمال کے ذریعے دوسری اراضی میں شامل کر دی گئی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ بینواتوجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جو قطع اراضی ایک دفعہ عیدگاہ بن گئی ہے اور مالک اس کو عید کی نماز کے لیے وقف کر گیا ہے۔ اور اس میں عید کی نماز متعدد بار پڑھی جا چکی ہے۔ تو وہ عیدگاہ ہی رہے گی۔ اور وقف شمار ہوگی۔ یہ شرعاً کسی دوسرے شخص کی ملک میں نہیں آ سکتی۔ لہٰذا اس قدیمی عیدگاہ کے سامان از قسم خشتہا وغیرہ نقل کرنا اور اس سے دوسری عیدگاہ کا تعمیر کرنا درست نہ ہوگا [1]۔ ہاں اگر وہاں کے مسلمان اس عیدگاہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے لوگ اس پر قابض بن گئے ہیں جن کی وجہ سے اس کے ساز وسامان اینٹوں وغیرہ کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہے تب اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر اس کے سامان کو نقل کرنا درست ہوگا۔

لیکن زمین پھر بھی بحکم عیدگاہ موقوفہ ہوگی [2]۔ کما قال فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار

---

۱) کما تقدم تخریجه فی السؤال السابق۔

۲) رد المحتار: مطلب شروط الوقف علی قولهما، ج ۳ ص ۳۹۹، رشیدیه قدیم کوئته، رشیدیه جدید، ٦ ص ٥٣٤۔ وفی البحر الرائق: ولا یتم حتی یقبض ویفرز ویجعل آخره لجهة لا تنقطع، کتاب الوقف، ج ٥ ص ١٩٦، مکتبه ماجدیة کوئته۔

وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ٦١٧، مکتبه رحمانیه لاهور۔

ج۳ص ۳۹۹ (ولایتم) الوقف (حتی یقبض) لم یقل للمتولی لان تسلیم کل شیء بما یلیق بـه ففی المسجد بالافراز وفی غیره بنصب المتولی و بتسلیمه ایاه ابن کمال. وفی الشامیة ج۳ص ۴۰۷(۱) والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد او حوض الخ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے حصے کو شارع عام میں شامل کرنا

﴿س﴾
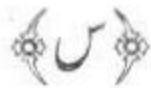
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں صورت کہ ایک مسجد جس کے احاطہ کی مشرقی دیوار شارع عام پر ہے اور شارع عام بھی وہ ہے جس سے بوجھ اٹھانے والے جانور گزارنے پڑتے ہیں۔ برائے نقل وحمل جانوروں کے گزرنے سے مسجد کے احاطہ کی دیوار کی اینٹیں اکھڑ کر گرتی رہتی ہیں۔ کیونکہ شارع عام کی شرقی دیوار پر ایک زبردست بڑی پختہ عمارت جو کہ مسجد سے بھی پہلے کی ہے۔ جس کے چار پانچ مکان متصل شمال وجنوب میں ہیں اوران مکانوں کے آگے صفہ بھی اسی وقت کا بنا ہوا ہے وہ بھی پختہ ہے۔ تو عمارت کو مشرق کی طرف قائم کرنا بصد مشکل ہے۔ اگر مسجد کی دیوار کی بے حرمتی دیکھی جائے تو بھی مصیبت ہے۔

نیز یہ کہ مسجد والوں کا خیال ہے کہ شارع عام بہت تنگ ہے اور مسجد کی بھی بے حرمتی ہورہی ہے۔ مسجد کے احاطہ کی دیوار کو ایک فٹ اندر پاپوش اتارنے کی جگہ پر قائم کیا جائے اور جنوب سے زیادہ مقدار زمین دے کر بڑھالیا جائے۔ تاکہ شارع عام بھی کھل کر فراخ ہوجائے اور مسجد بھی بے حرمتی سے بچ جائے۔ آیا زیادہ مقدار زمین ایک طرف مسجد کو دے کر دوسری جانب جو کہ شارع عام سے ہے اس کو گرادیا جائے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

---

۱) رد المحتار: مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ۳ ص ۴۰۷، رشیدیه قدیم کوئته، رشیدیه جدید، ج ٦ ص ۵۵۲۔

وفی التاتار خانیه: وفی فتاوی النسفی، سئل شیخ الإسلام عن أهل قریة افترقوا وتداعی مسجد القریة الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشب المسجد وینقلونها الی دیارهم هل لواحد من أهل القریة أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسك الثمن لیصرفه الی بعض المساجد أو الی هذا المسجد؟ قال نعم ...... وحکی أنه وقع مثل هذه الواقعة ...... قیل هل یجوز صرفها الی رباط آخر فینتفع الناس به؟ قال نعم کتاب الوقف، صرف الغلة الی وجوه آخر، ج ۵ ص ۸۷۸، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

وکذا فی الفقه الإسلامی، کتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف وبیعه حالة الخراب، ج ۱۰ ص ۷٦۷۲، مکتبه دار الفکر بیروت۔

وکذا فی الفتاوی الکاملیة: مطلب اذا خرب المسجد وما حوله صرفت أوقافه الی مسجد آخر ص ٦۱، مکتبة القدس کوئته۔

﴿ج﴾

مسجد کے کچھ حصہ کو بوقت ضرورت شدیدہ راستہ شارع عام میں شامل کرنے میں اختلاف ہے۔ نقل الشامی فی ردالمحتار عن فتاوی ابی اللیث وان اراد اھل المحلة ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانه صحیح. ثم نقل عن العتابیة عن خواھر زادہ اذا کان الطریق ضیقا "والمسجد واسعاً" لایحتاجون الی بعضه تجوز الزیادة فی الطریق من المسجد لان کلھا للعامة. اھ. والمتون علی الثانی فکان ھو المعتمد. الخ ج ۳ ص ۴۲۰(۱)۔

لہٰذا بوقت ضرورت جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کو قول معتمد بھی کہا گیا ہے۔ لیکن بہرحال خلاف سے بچنے کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ فقط جوتوں کی جگہ جو مسجد کا جزو یقیناً نہیں ہے۔ کو شارع عام میں شامل کرلیا جاوے اور پھر مسجد کو بحالہ رکھا جاوے اور جوتوں کے لیے اور جگہ کو مسجد میں نہ بنایا جاوے بلکہ جنوب کو زمین زائد جو شامل کرائی جاوے اس میں اگر صورت ہو سکے تو جوتوں کی جگہ بنا کر کام چلایا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم الافتاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم ملتان۔ جمادی الاولی ۱۳۷۱ھ

بیٹے کو وقف شدہ کمرہ لینے کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے چھ مرلہ زمین مسجد کے لیے وقف کر کے اس میں مسجد بنائی۔ پھر مسجد کی ضرورت کے لیے اپنی زمین میں مسجد کے ساتھ لوگوں کے چندہ سے ایک کمرہ بنایا تاکہ اس میں امام مسجد وغیرہ رہیں تاکہ مسجد کی ضرورت پوری ہو اور یہ کمرہ اس نے مسجد کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ تقریباً ۱۲ یا ۱۳ سال سے مسجد کے قبضہ میں ہے۔ اور اس کے گواہ موجود ہیں۔ لیکن اس نے کوئی کاغذی کارروائی نہیں کی۔ یعنی

---

۱) رد المحتار، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً، ج ۳ ص ۴۲۰، رشیدیه قدیم کوئٹه، رشیدیه جدید کوئٹه، ج ٦ ص ٥٨٠۔

وفی الفتاوی الکاملیة: وکذا عکسه لو ضاقت الطریق والمسجد واسع لا یحتاج لزیادة اتساعه یجعل منه جانب لسعة الطریق نظراً للعامة بما ھو لھم، کتاب الوقف، مطلب ضاق المسجد وبجانبه أرض تؤخذ کرھاً بقیمتھا، ص ٦٣، مکتبة القدس کوئٹه۔

وفی التاتارخانیه: وفی الفتاوی العتابیة: قال الشیخ الإمام خواھر زادہ: اذا کان الطریق ضیقاً والمسجد واسعاً لا یحتاجون الی بعضه تجوز الزیادة فی الطریق من المسجد لأن کلھا للعامة، کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٢، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

اس کمرہ کا مسجد کے نام سرکاری کاغذات میں اندراج نہیں کیا۔ اب وہ (واقف) فوت ہو چکا ہے۔ اور اس کا بیٹا کہتا ہے کہ یہ کمرہ چونکہ سرکاری کاغذات میں میرے والد کے نام ہے۔ اس لیے اس کو خالی کر کے میرے حوالے کر دو۔ تو کیا اس صورت میں شرعاً وقف کنندہ کے بیٹے کو اس کمرہ لینے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر اس شخص نے چندہ کر کے اپنی زمین میں مسجد کی ضروریات کے لیے کمرہ تعمیر کر کے مسجد کی تولیت میں دے دیا اور بارہ، تیرہ سال سے مسجد کے قبضہ میں رہا۔ تو اب اس کے بیٹے کو کمرہ لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ سرکاری کاغذات میں والد کے نام ہونے سے اس کا حق نہیں بنتا اگر والد نے زندگی میں مسجد کے لیے وقف کر کے مسجد کی تولیت میں دے دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم[۱]۔ حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۶ شوال ۱۳۹۷ھ

مدرسہ کی زمین پر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا مدرسہ اسلامیہ میں مسجد بنائی جا سکتی ہے اور وہاں اذان اور تکبیر نماز برائے جماعت بھی جائز ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

اگر زمین مدرسہ کے لیے وقف ہے تو اس میں مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ ففی الدر المختار مع الشامی وقف ضيعة على الفقراء وسلمها للمتولي ثم قال اعط من غلتها فلانا كذا و فلانا لم يصح لخروجه عن ملكه بالتسجيل. (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۸۵)[۲]

---

۱) وفي رد المحتار: فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، مطلب مهم فرق أبويوسف بين قوله "موقوفه" وقوله "موقوفة على فلان" ج ٦ ص ٥٣٩-٥٤٠، رشيديه جديد كوئته۔
وفي الهندية: وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية، كتاب الأول، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، رشيديه كوئته۔ وكذا في فتاوى النوازل: كتاب الوقف، ص ٣٣٧، مكتبه اسلاميه كوئته۔

۲) امداد الفتاوى، ج ٢ ص ٥٩٧، كتاب الوقف، مكتبه دار العلوم كراچى۔
الدر المختار، ج ٦ ص ٥٥١، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، كتاب الوقف، مكتبه رشيديه جديد كوئته، لما في ردالمحتار: الثالث أن لا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ربحاً ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف، ج ٤ ص ٣٨٤، مكتبه ايچ ايم سعيد، لما في الهداية: اذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه (اما امتناع التمليك فلما بينا من قوله عليه السلام تقصد بأصلها لا يباع ولا يورث ولا يوهب، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٠، مكتبه شركة علميه ملتان۔

حاصل یہ ہوا کہ وقف ہو جانے کے بعد خود واقف کو بھی مصرف بدلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ مسجد بنانے بغیر اس جگہ پر اذان وتکبیر کہہ کر باجماعت نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔

مسجد اور قبرستان کی زمین پر کھیتی باڑی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک قبرستان کافی عرصہ سے معطل پڑا ہے۔ تقریباً ستر اسی سال سے لوگوں نے اس میں دفن کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب اس میں قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں۔ برابر کا برابر تو وہ بنا ہوا ہے البتہ کچھ جھاڑیاں موجود ہیں۔ کیا اس کو آباد کر کے کھیتی اس جگہ پر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ایک آدمی نے اپنے گھر کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی۔ چہار دیواری اس کی تقریباً ایک ہاتھ ہے۔ اب اس کو گرا کر کھیتی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) تحقیق کر لی جائے کہ یہ گورستان وقف ہے یا کسی کا مملوک ہے۔ یا ارض موات (غیر آباد) ہے۔ اگر وقف ہے مردوں کے دفنانے کے لیے تو پھر اس زمین کو مردوں کے دفنانے کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر مملوک ہے یا ارض موات ہے تو اسے آباد کر کے اس پر کھیتی باڑی کرنا جائز ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ج ا ص ۲۲۲ [1] (الا) لحق ادمی ک (ان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة) ویخیر المالک بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا زیلعی [2]۔

---

۱) الدر المختار: مطلب فی دفن المیت، کتاب الصلوة، ج ۱ ص ٦٦٤، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔
کـذا فـی الهـنـدیة: ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱٦۷، مکتبه بلوچستان بك ڈپو کوئٹه۔
وکـذا فـی البـحـر الرائق: کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

۲)

(۲) جس چار دیواری کو ایک دفعہ وقف کر کے مسجد بنا چکا ہے[1] اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے چکا ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد کہلائے گی۔ اس پر کھیتی باڑی کرنا یا کسی اور غرض کے لیے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس جگہ کو باقاعدہ مسجد نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اپنی نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی تھی صاف و پاک رکھا کرتا تھا۔ جیسے کہ عورتیں عموماً گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے تھلہ کی شکل کی مسجدیں بناتی ہیں تو اس جگہ پر کھیتی باڑی وغیرہ کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۴ شوال ۱۳۸۶ھ

عیدگاہ کی زمین میں مسجد کی توسیع

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک مسجد کی عمارت تقریباً پچاس برس کی ہے یا اوپر ہوگی۔ اس مسجد شریف کے اندر کی لمبائی ۳۱ فٹ اور چوڑائی ۱۲ فٹ اور اس کی نو دیوار ہے۔ اس کی چوڑائی ۲ فٹ۔ اس کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ اگر اس کو دائیں ہاتھ لمبا یا مشرق کی طرف چوڑا بڑھائیں تو دونوں طرف بڑھ سکتی ہے۔ مگر اس مسجد کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس مسجد شریف کے محراب کے پیچھے ۱۴ فٹ چھوڑ کر نئی چار دیواری تیار کر رہے ہیں جو اس مسجد کے پہلے دن کے خدمت گزار متولی ہیں۔ وہ شہید کرنا نہیں چاہتے تو کیا عندالشریعت اس مسجد شریف کو شہید کر کے صحن بنانا اور چار دیواری نئی تیار کر کے نماز گزارنا عندالشریعت جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو دلیل جو حضور انور ﷺ کا فرمان عالی یا صحابہ یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین کے حکم کے مطابق ہو، واضح فرما کر ثواب دارین حاصل فرما دیں۔

(۲) دوسری عرض یہ ہے کہ جہاں نئی مسجد شریف تیار کر رہے ہیں۔ تو وہ عیدگاہ ہے اس میں سایہ کے لیے گئی

---

۱) ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه، الهداية كتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۲۲، مكتبه رحمانيه لاهور۔

تنوير الأبصار مع شرحه: (ولوخرب ما حول المسجد واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى) أبداً الى قيام الساعة، وبه يفتى۔

كتاب الوقف، مطلب فى ما خرب المسجد وغيره، ج ٦ ص ٥٥٠، رشيديه جديد كوئته، لما فى البحر الرائق: وبه علم أن الفتوى على قول محمد فى آلات المسجد وعلى قول أبى يوسف فى تأبيد المسجد، كتاب الوقف، أحكام مسجد، ج ٥ ص ٤٢٣، مكتبه رشيديه كوئته۔

درخت سایہ دار ہیں۔ان کو بھی کٹوانا چاہتے ہیں۔جو متولی ہے وہ کہتا ہے کہ مسجد شریف کو شہید کرنا یا درختوں کو کاٹنا اور عیدگاہ کے صحن کو مٹانا ٹھیک نہیں ہے، مجھے قتل کرنا درست ہے۔اس کو مٹانا یا مسجد کو شہید کر کے صحن بنانا یہ درست ہے یا نہیں تو اگر شریعت میں ان کے لیے اس کام پر کوئی وعید ہو تو واضح فرماویں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) عیدگاہ کی زمین میں مسجد بنانا جائز نہیں۔**شرط الواقف كنص الشارع** لہٰذا عیدگاہ کی زمین میں اس مسجد کی توسیع نہ کی جاوے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔[۱]

واضح رہے کہ جو قطعہ اراضی مسجد کے لیے وقف ہے۔اور مسجد کے کام میں وہ زمین آسکتی ہے اس کے عوض دوسری زمین بدل کر لینی نہ کسی طرح جائز ہے نہ واقف کو نہ عوام مسلمانوں کو اور نہ حاکم کو اس کے تبدیل کرنے کا کوئی حق حاصل ہے جب یہ زمین کا قطعہ مسجد کے لیے وقف ہو چکا ہے اور مسجد کے کام آسکتا ہے تو اس کو بیچنا، عاریۃً کسی کو دینا، بدلانا وغیرہ شرعاً ہرگز جائز نہیں۔

كما قال في تنوير الابصار مع شرحه ردالمحتار ج۳ص ۴۰۲[۲] (فاذاتم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن ولايقسم) وقال الشامي[۳] ج ا ص ۴۲۴ (قوله وجاز شرط الاستبدال به) اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه اولغيره او لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثاني ان لايشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شيء اصلا اولايفي بمونته فهو ايضا جائز على الاصح اذا كان باذن القاضي ورايه المصلحة فيه والثالث ان لايشرطه ايضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذالا يجوز استبداله على الاصح المختار. الخ. وفي البحر ج۵ص ۲۲۰[۴] وفي

---

۱) الدر المختار: كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ۴۵۶، مكتبه رشيديه جديد كوئته، وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، وتصرف القيم، ج ۲ ص ۴۱۹، مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في الفتاوى الكاملية، مطلب في العمل بشرط الوقف، ص ۶۵، مكتبة القدس كوئته۔

۲) الدر المختار مع ردالمحتار: كتاب الوقف مطلب في شرط واقف الكتب أن لا تعار الا برهن، ج ۶ ص ۵۴۰، طبع رشيديه جديد كوئته۔

۳) الدر المختار مع رد المختار: مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ۳ ص ۴۲۴، مكتبه رشيديه قديم كوئته۔

۴) في البحر الرائق: كتاب الوقف، ص ۳۴۴، ج ۱۰،تا ۳۴۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

الخلاصة وفی فتاویٰ الشفی بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لایجوز وان کان بامر القاضی وان خرابا فاما بیع النقض فیصح[1] (الی اخرما حقق وفصل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبریں گرا کر مکان بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام کہ ایک قبرستان کی زمین جس پر قبریں موجود ہیں اس کا بیچنا اور قبریں گرا کر مکان یا دکان بنانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ مہربانی فرما کر بالدلائل فتویٰ صادر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر قبرستان کی زمین مردوں کے دفنانے کے لیے وقف شدہ ہے تب تو اس کا بیچنا، اس پر مکان یا دکان بنانا نیز اس زمین کو سوائے مردوں کے دفنانے کے کسی دوسری غرض کے لیے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع[2]۔ اور اگر کسی کی مملوک زمین ہے اور وقف شدہ نہیں ہے تب اگر مردے بہت قدیمی ہوں اور گمان غالب ہوتا ہو کہ یہ مٹی بن گئے ہوں گے، ان کا گوشت پوست اور ہڈی سب کچھ خاک بن گیا ہوگا تب تو مالک زمین اس کو بیچ بھی سکتا ہے اور ان قبروں کو ہموار کر کے اس پر مکان اور دکان وغیرہ بنا سکتا ہے[3] اور اگر مردے اتنے قدیمی نہ ہوں، تب

---

١) لما فی الخلاصة الفتاوی: کتاب الوقف، جنس آخر اذا خرب المسجد، ج ٤ ص ٤٢٥، مکتبه رشیدیه کوئته۔ کذا فی الخانیة علی هامش الهندیة: (کتاب الوقف، فصل فی مسائل شرط فی الوقف) ج ٣ ص ٣٠٧، مکتبه رشیدیه کوئته۔

٢) الدر المختار: کتاب الوقف، فصل فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ٣ ص ٤٥٦، مکتبه رشیدیه کوئته۔ وکذا فی الهندیة: فإن کان الواقف شرط أن لا یؤاجر أکثر من سنة والناس لا یرغبون فی استئجارها سنة وکانت اجارتها أکثر من سنة ولو ادر علی الوقف وانفع للفقراء فلیس للقیم أن یخالف شرطه ویؤاجرها أکثر من سنة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم، ج ٢ ص ٤١٩، مکتبه رشیدیه کوئته۔

٣) الدر المختار مع رد المحتار: الا لحق آدمی، أن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار تراباً زیلعی، کتاب الصلوة، مطلب فی دفن المیت، ج ١ ص ٦٦٢، مکتبه رشیدیه قدیم کوئته۔

لما فی الهندیة: ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٧، مکتبه رشیدیه کوئته۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، الفصل السلطان أحق بصلاته، ج ٢ ص ١٩٥، مکتبه ماجدیه کوئته۔

اگر چہ زمین مملوکہ غیر موقوفہ ہو۔ تب بھی مردوں کی حرمت کی وجہ سے اس پر مکان اور دکان بنانا بلکہ ان کے اوپر چلنا جائز نہیں ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ج ۱ ص ۶۶۲ کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی وقال فی الفتاوی العالمگیریۃ ج ۲ ص ۴۷۰ سئل القاضی الامام شمس الائمۃ محمود الازرجندی عن مسجد لم یبق لہ قوم و خرب ماحولہ واستغنی الناس عنہ ھل یجوز جعلہ مقبرۃ قال لاوسئل ھو ایضاً عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لاالعظم ولاغیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا (ا) قال لاولھا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط قال مصححہ (ا)قولہ قال لاھذا لاینا فی ماقالہ الزیلعی فی باب الجنائز من ان المیت اذا بلی وصارترابا جاز زرعہ والبناء علیہ اھ. لان المانع ھناکون المحل موقوفا علی الدفن فلایجوز استعمالہ فی غیرہ فلیتأمل ولیحرر اہ مصححہ فقط واللہ تعالی اعلم[1]۔

قبروں پر مکان بنانے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ جو اہل اسلام نے قبرستان کے لیے وقف کی ہوئی ہے اور مدت سے اس میں قبریں بنتی رہتی ہیں۔ نئی اور پرانی قبریں ہر وقت وہاں پائی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ پرانی اور نئی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں قبروں کو مسمار کر کے اس پر تعمیر بنانا کیسا ہے۔ شرعاً ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو باوجود منع کرنے اور سمجھانے کے نہیں رکتا۔ بینوا توجروا۔

---

۱) الھندیۃ: کتاب الوقف، مطلب یجوز وقف البناء وحدہ فی مسألۃ القنطرۃ، ج ۲ ص ۴۷۰، ۴۷۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الدرالمختار: ان کان فیھا میت لم یبل وما یفعلہ جھلۃ الحفارین من نبش القبور التی لم تبل أربابھا وادخال أجانب علیھم فھو من المنکر الظاھر، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۳، ایچ ایم سعید۔

لما فی فتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ: مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا آثار المقبرۃ ھل تباح لأھل المحلۃ الانتفاع بھا؟ قال أبو نصر لا یباح، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، ج ۳ ص ۳۱۴، ایچ ایم سعید۔

وکذا فی الھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، ج ۳ ص ۴۷۰، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قبرستان کی وقف زمین پر مکان تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ قبروں کو مسمار کر کے بنایا جائے۔ یا خالی زمین پر بنایا جائے۔ کیونکہ جو زمین مردوں کے دفنانے کے لیے وقف کر دی گئی ہے۔ اس زمین کو اس کام کے علاوہ کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے[1]۔ فقہاء کا مشہور مقولہ ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع ایسے اشخاص کو اس ناجائز کام سے روکا جائے۔ اور انہیں مکانات بنانے نہ دیے جائیں۔ ہاں اگر یہ زمین وقف نہیں ہے۔ تو اگر غالب گمان ہوتا ہو کہ یہ قبریں اتنی قدیم ہیں کہ مردے مٹی بن گئے ہوں گے تب ان کو مسمار کر کے زمین کے ساتھ ہموار کرنا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا جائز ہے[2]۔ ھکذا فی الدر المختار کتاب الجنائز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف میں استبدال کی شرط

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مدرسہ عربیہ (عربی فارسی تعلیم القرآن) وقف وسط شہر میں بقرب جامع مسجد شریف وخانقاہ شریف واقع ہے۔ تقریباً عرصہ بیس سال سے وہ مدرسہ تعلیم **الکتب الفقهية والتفاسير والاحاديث النبوية علی صاحبها الف الف تحية وغيرها** کا کام کر رہا ہے اس میں درسگاہیں اور دار الاقامہ برائے طلبہ علی وفق الضرورة کافی ہیں۔ نیز پانی کا انتظام نکا اس میں موجود ہے۔ کیا اس مدرسہ موقوفہ کا استبدال دوسرے مکان میں جائز ہے یا نہ؟

---

۱) الدر المختار: کتاب الوقف فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ۳ ص ٤٥٦، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔ هکذا فی الهندية: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية تصرف القيم، ج ۲ ص ٤١٩، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

لما فی الفتاوی الکاملية: قال فی الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به، کتاب الوقف و مطلب فی العمل بشرط الواقف، ص ٥٩، مکتبة القدس کوئٹه۔

۲) الدر المختار مع رد المحتار: الا لحق آدمی أن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلی وصار تراباً زيلعی، کتاب الصلوة، دفن الميت، ج ۱ ص ٦٦٢، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔

وکذا فی الهندية: کتاب الجنائز الفصل السادس فی القبر ودفن، ج ۱ ص ١٦٧، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز الفصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ١٩٥، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ صورت مسئولہ میں اگر واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط لگائی ہو اپنے لیے یا کسی غیر کے لیے یا ہر متولی کے لیے تب تو اس مدرسہ موقوفہ کا استبدال شخص مشروط لہ خیار الاستبدال بشرائط معتبرہ کرسکتا ہے اور اگر وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی یا جس کے لیے لگائی تھی وہ موجود نہیں ہے تب تو اس مدرسہ کا استبدال ہرگز نہیں ہوسکتا (۱)۔

کما قال فی الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ج۳ص ۴۲۴-۴۲۵ (و)جاز (شرط الاستبدال به) (ارضا اخری حینئذ (او) شرط (بیعه و یشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولی فی شرائطها وان لم یذکرها ثم لا یستبدلها) بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة (واما الاستبدال ولو للمساکین آل (بدون الشرط) فلایملکه الاالقاضی) درر الخ. وقال الشامی تحته (قوله وجاز شرط الاستبدال به الخ) اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه الاول ان یشرطه الواقف لنفسه اولغیره او لنفسه وغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لایشرطه سواء شرط عدمه او سکت لکن صاربحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیء اصلا اولا یفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورایه المصلحة فیه والثالث ان لایشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الاصح المختار کذا حرره العلامة قنالی زاده فی رسالة الموضوعة فی الاستبدال الخ. اس کی مزید تفصیل بحرالرائق ج۶ص ۲۲۳ و ج۹ص ۲۳۹، ۲۴۲ میں موجود ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)۔

---

۱) الدر المختار مع رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ج ۳ ص ۴۲۴-۴۲۵، مکتبه رشیدیه قدیم کوئته۔

لما فی الخانیة علی هامش الهندیة: ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن لها ان یبیعها ویستبدلها بها وان کانت أرض الوقف سبخه لا ینتفع بها لأن سبیل الوقف أن یکون مؤبداً لا یباع وانما ثبت ولایة الاستبدال بالشرط وبدون شرط لا یثبت۔

کتاب الوقف، فصل فی مسائل شرط وقف، ج ۳ ص ۳۰۷، مکتبه رشیدیه کوئته۔

۲) وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۴-۳۴۵، مکتبه رشیدیه کوئته۔

وکذا فی الخلاصة الفتاوی: کتاب الوقف، جنس آخر اذا خرب المسجد، ج ۴ ص ۴۲۵، مکتبه رشیدیه کوئته۔

امام کی جگہ کو مدرسہ کے لیے وقف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کو چار کنال زمین وقف ہے دو کنال میں مسجد تیار ہے اور دو کنال میں مکان امام مسجد اور درمیان میں وضوء کرنے کا فوارہ یا حوض ہے اور کچھ زمین سفید ہے۔ سفید زمین رقم نہ ہونے کی بنا پر فارغ رکھی ہوئی ہے۔ کیا یہ دو کنال زمین جس میں امام مسجد کا مکان اور وضو کرنے کا حوض ہے کسی مدرسہ کو وقف کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ معلوم ہو کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہتہ وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں[1]۔ کما في التنوير (اتحدالواقف والجهة) وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه وان اختلف احدهما...... (لا) (ردالمحتار ج۳ص ۴۰۶) اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو چکا ہو تو بھی وقف موقوف کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی۔ اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں اور مدرسہ جنس مسجد سے نہیں۔ قال في التنوير و مثله حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض) (الى اقرب مسجد او رباط اوبئر) (اوحوض) الخ[2]....

---

۱) الدرالمختار: كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه۔ ص ۵۵۳، ج ۶، رشيديه جديد، ص ۴۰۸، ج ۳، رشيديه قديمي كوئٹه۔

لما في الفتاوى الكاملية، قال في الاشباه شرط الوقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع اى في وجوب العمل به: (كتاب الوقف مطلب في العمل بشرط الواقف) ص ۵۹، مكتبه القدس كوئٹه۔

۲) الدرالمختار مع ردالمحتار: كتاب الوقف، مطلب فيما لوضرب المسجد اوغيره) ص ۵۵۱، ج ۶، مكتبه رشيديه، جديد كوئٹه،

لما في التاتارخانيه: وسئل شمس الائمة الحلوا في عن مسجد او حوض ضرب وله يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف اوقاصد الى مسجد آخر او حوض آخر؟ قال نعم (كتاب الوقف الفصل الرابع وعشرون في اقاف التي يستغنى عنها) ص ۸۷۷، ج ۵، طبع اداره القرآن، كراچی

وكذا في الخانية على الهندية: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجد او-اناـ الخ ص ۲۹۳، ج ۳، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه، وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ص ۲۲:، ج ۵، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

قال فی الشامیة (قوله الی اقرب مسجد او رباط. الخ. لف و نشر مرتب وظاهره انه لایجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وعکسه وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لاقرب مجانس لها۔ص ۴۰۷ ج ۳۔ مذکورہ جزئیہ۔ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں۔ لیکن اگر واقف کی نیت یہ بھی ہو کہ جب مسجد سے ملحق درس بھی یہاں جاری کیا جائے تو اس فارغ جگہ میں مدرسہ بنایا جا سکتا ہے (1)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دو مسجدوں میں سے ایک کو باقی رکھنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں دو مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ دو اماموں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ متفق ہو کر ایک نئی وسیع مسجد بستی کے درمیان میں بنانا چاہیں تا کہ تمام اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں اور ایک ہی امام رکھیں اور پہلی دو مسجدوں کو گرا دیں یا ایک مسجد کو باقی رکھیں دوسری کو گرا دیں۔ یا ایک کو مسجد دوسری کو بچوں کے پڑھانے کے لیے مدرسہ بنا دیں کیا ایسا کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

﴿ج﴾

دونوں مسجدوں کو گرا دینا یا ایک کو گرا دینا یا کسی کو مدرسہ بنا دینا یہ تینوں صورتیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ جو زمین ایک مرتبہ مسجد ہو گئی ہے۔ وہ قیامت تک کے لیے مسجد رہے گی۔ اس کو تبدیل کرنا یا اس مسجد کو گرانا شرعاً جائز

---

۱) فان شرائط الواقف: معتبر اذا لم تخالف اللشرع، وهو مالك، فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية۔ الردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة۔ الخ، ص ۵۲۶، ج ۶، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

الاشباه والنظائر: لان شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم، شرط الواقف كنص الشارع، اى فى وجوب العمل كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع، ص ۱۰۶، ج ۶، مكتبه ادارة القرآن العلوم الاسلاميه، کراچی۔

وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف، ص ۱۲۶ ج ۱، مكتبه حقانيه، پشاور

نہیں[۱]۔ بلکہ اس بستی کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ دونوں مسجدوں کو آباد کریں، اور ایسے اماموں کو رکھیں جن کا وہ خرچہ برداشت کرسکیں۔ یا بستی والوں میں سے جو جماعت کے فرائض سرانجام دے سکے وہ امامت فی سبیل اللہ کرلیا کرے۔ بہرحال دونوں مسجدوں کو آباد کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے گرانا یا مدرسہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زبانی وقف کی حیثیت

﴿س﴾
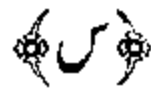
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنا وہ کمرہ جو اس کو اپنی جائیداد کے بدلہ الاٹ ہوا تھا دینی تعلیم کے لیے وقف کردیا۔ بعد میں یہ زمین دوسرے کو الاٹ ہوئی اس نے بھی وہ کمرہ مدرسہ کے لیے باقی رکھا۔ تقریباً پندرہ سال ہوچکے ہیں کہ وہاں قرآن کریم کی تعلیم مسلسل جاری ہے۔ کیا یہ وقف صحیح ہے۔ کیا مالک اسے واپس دوبارہ لے سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام معاملہ زبانی رہا ہے۔ تحریر میں کوئی بات محفوظ نہیں ہے۔ نیز اس کمرہ اور مسجد کے درمیان ایک گلی شارع عام تھی تقریباً چھ سات سال ہوئے ہیں کہ وہ مسجد میں شامل کردی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کمرہ مسجد کے صحن سے ملحق ہوگیا ہے۔ اب متولی مسجد کہتا ہے کہ کمرہ مسجد کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ تعلیم قرآن کا سلسلہ ختم کردیا جائے۔ از روئے شریعت متولی مسجد یا خود مالک کمرہ اس بات کا مجاز ہے کہ وہ اس کمرہ کو مسجد میں ملاسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار: ولو ضرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً الى قيام الساعة وبه يفتي، قوله عند الإمام الثاني: فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوى القدسي، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد، ج ٦ ص ٥٥٠ رشيديه كوئته۔
كذا في الهداية: من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع ولا يبعه ولا يورث عنه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، مكتبه رحمانيه لاهور۔ هكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) في الهندية: لو كان مسجد في محلة على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له فيسع فيه أهل محلة قال محمد: لا يسعهم ذلك كذا في الذخيرة، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه بلوچستان بكڈپو۔
هكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٤، مكتبه ادارة القرآن كراچي۔

فی الدر المختار (وعند هما هو (ای الواقف) حبسها علی) حکم (ملک الله تعالی وصرف منفعتها علی من احب) ولو غنیا فیلزم فلایجوز له ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتویٰ ابن الکمال وفیه والملک یزول عن الموقوف ص۳۹۵.[1] الخ وفیه (ولایتم) الوقف حتی یقبض ویفرز فلایجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی ویجعل آخره لجهة قربة لاتنقطع الی قوله واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل بحروفی الدرو صدر الشریعة و به یفتی واقره المصنف و فی ردالمحتار تحت قوله و جعله ابو یوسف کالاعتاق فلذالک لم یشترط القبض والافراز. الخ. ای فیلزم عنده بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک قال فی الدرر والصحیح ان التابید شرط اتفاقا لکن ذکره لیس بشرط عند ابی یوسف و عند محمد لابدان ینص علیه[2] اھ ج۳ص ۴۰۰ وصححه فی الهدایة ایضا ج۳ص ۵۶۴[3]. ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وقف ملک واقف سے زائل ہو جاتا ہے۔ کما ذهبنا الیه خواہ مجرد قول ہو اور یہی اکثر کا مذہب ہے۔ خواہ بہ تسلیم الی التولی۔ بنابریں جس شخص نے اس کمرہ کو تعلیم دین کے لیے وقف کیا اور بعد میں جب دوسرے شخص نے قیمتاً اس زمین کو خرید لیا۔ اس نے بھی اسی کمرہ کو تعلیم دین ہی کے لیے وقف رکھا تو وقف صحیح ہو چکا ہے اور جب وقف صحیح ہوا تو شروط وقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔ کما فی ردالمحتار[4] ج۳ص ۴۰۸ (اتحدالواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه) جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاخر علیه) و ان اختلف احدهما (لا). خود واقف بھی جہت وقف کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ لما فی شرح التنویر وقف ضیعة علی الفقراء وسلمها للمتولی ثم قال لوصیه اعط من غلتها فلانا کذا وفلانا کذا لم یصح لخروجه عن ملکه بالتسجیل (ردالمحتار ج۳ص۴۰۷)[5]

---

۱) الدر المختار: كتاب الوقف، مطلب فی وقف علی الأغنياء وحدهم لم يجز، ج ٦ ص ٥١٨، مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

۲) الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب شروط الوقف على قولهما، ج ٦ ص ٥٣٤ - ٥٣٥، مكتبه رشيديه جديد، كوئٹه۔

۳) الهداية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ۲ ص ۳۳۵، مكتبه بلوچستان بك ڈپو۔

٤) الدر المختار: كتاب الوقف، مطلب فی انقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٣، رشيديه جديد، ج ۳ ص ٤٠٨، رشيديه قديم كوئٹه۔

٥) الدر المختار: كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

وایضافیه لایجوز ان یفعل الاماشرط وقف العقد "ایضا" وما کان من شرط معتبرة فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولاسیما بعد الحکم۔ الخ۔[1]

بنابریں یہ کمرہ جب ایک دفعہ تعلیم دین کے لیے وقف ہو چکا ہے تو اب نہ واقف کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جہت وقف کو تبدیل کر کے اس کمرہ کو مسجد میں شامل کر دے اور نہ متولی مسجد کو یہ حق پہنچتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے یہ کمرہ تعلیم دین کے لیے وقف رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کی وقف زمین پر مسجد بنانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مسجد کے نزدیک قبرستان ہے جس میں قبریں ظاہر ہیں۔ کیا مسجد میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر ورثۂ قبر اجازت دے دیں تو اس صورت میں قبرستان مسجد میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱،۲) اگر یہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہے تو اس میں مسجد بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ جہت وقف کا بدلنا درست نہیں۔ اگرچہ ورثۂ قبر اجازت بھی دے دیں۔ لان شرط الواقف کنص الشارع کما فی الشامیة ج۳ص ۴۵۶ قال فی الفتح ویکره الجلوس علی القبر و وطؤه[2]۔ الخ۔ فقط واللہ اعلم۔

مالک کا قبرستان کی زمین پر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل (۱) ملکیتی زمین میں مختلف لوگوں کی قبریں ہیں۔ یہ خطہ وقف

---

۱) الدر المختار حواله بالا۔

۲) الدر المختار، کتاب الوقف۔ مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ج ٦ ص ٤٥٦، مکتبه رشیدیه جدید کوئٹه۔

لما فی الفتاوی الکاملیة، قال فی الأشباه شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع، أی فی وجوب عمل به کتاب الوقف، مطلب فی العمل بشرط الوقف، ص ٥٩، مکتبة القدس کانسی روڈ کوئٹه۔ هکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة وتصرف القیم، ج۲ ص ٤١٩، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

ہوگیا یا نہیں۔(۲) ایک ملکیتی زمین میں چند قبریں ہیں مالک اس زمین کو مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ بعض قبریں توڑ کر مسجد میں شامل کردی ہیں۔ ایسا خطہ مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہیں اور اتنا زمانہ گزر گیا ہو کہ میت کی ہڈیاں مٹی ہوگئی ہوں۔ تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔ اگر قبروں کے نشان باقی ہیں۔ لیکن اتنا زمانہ گزر گیا ہو کہ اہل قبور بالکل معدوم ہوگئے ہوں۔ تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے[1]۔ **کما فی الشامیة ج ۱ ص ۶۵۹ ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه۔** واللہ اعلم۔

اور اگر قبرستان وقف ہے اور پرانا ہوگیا ہے اور اس قبرستان میں لوگوں نے اموات دفن کرنا ترک کردیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔ **لما فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفهم الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعنا هما علی هذا واحد۔** واللہ اعلم

وارثوں کی اجازت سے قبرستان کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے ساتھ بیرون مسجد چند قبریں ملحقہ ہیں۔ جن کے متعلقین کی یہ قبریں ہیں ان کا مکان بھی مسجد کے ساتھ ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں۔ لیکن قبروں کے نشانات باقی ہیں۔ قبروں کی زمین وارثان اہل قبور کی ملکیت ہے۔ وقف عام نہیں ہے۔ نیز پاکستان بننے کے بعد کسی میت کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔ مسجد چونکہ تنگ ہے۔ اس لیے اہل محلّہ کا ارادہ ہے کہ باجازت وارثان اہل قبور ان قبروں کے نشانات کو مٹا کر اس جگہ کو مسجد میں شامل کیا جائے۔ کیا شرعی نقطہ نگاہ سے باجازت وارثان اہل قبور ان قبروں کو مٹا کر اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

۱) فی الرد المحتار: کتاب الوقف فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۵۹، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔
هکذا فی الهندیة: کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، الفصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔
الدر المختار: ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار تراباً زیلعی، کتاب الصلوة، مطلب فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۶۲، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔

نقشہ قبرستان ومسجد

یہ جگہ خالی ہے	قبریں	دکان حجرہ مسجد

﴿ج﴾

اگر واقعی قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس سے قبریں مٹ چکی ہوں اور اتنا زمانہ گزر گیا ہو کہ یہ یقین ہو جائے کہ اہل قبور کی ہڈی مٹی ہوگئی ہوگی۔ تو مالک کی اجازت سے اس جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے[1]۔ کما فی الشامية عن الزيلعي ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره و زرعه والبناء عليه (شامی ج ۱ ص ۶۵۸) ورنہ جائز نہیں ہے[2]۔

مسجد کی توسیع کے لیے قبروں کا انہدام

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مسجد کی توسیع کے لیے اگر کسی پرانی قبر کو گرا کر تکمیل کی جائے۔ تو شرعاً اس کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر قبر پرانی ہے اور مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو قبر کو گرا کر ہموار کرنا اور اس جگہ کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے[3]۔ درمختار مع شرحہ ردالمحتار ج ۱ ص ۶۶۲ میں ہے ویخیر

---

۱) لما في الرد المحتار: كتاب الوقف، فصل في دفن الميت، ج ۱ ص ۶۵۹، مكتبه رشيديه قديم كوئته۔
هكذا في الهندية: كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، ج ۶ ص ۱۶۷، مكتبه رشيديه جديد كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: فصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، مكتبه ماجديه كوئته۔

۲) الدر المختار: ان فيها ميت لم يبل وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل اربابها وادخال أجانب عليهم فهو من المنكر الظاهر، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت) ج ۲ ص ۲۳۳، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچي۔ وهكذا في قاضي خان على هامش الهندية: كتاب الوقف، فصل في المقابر، ج ۳ ص ۳۱۴، ايچ ايم سعيد كراچي۔

۳) الدر المختار: كتاب الصلوة، فصل في دفن الميت، ج ۱ ص ۶۶۲، مكتبه رشيديه قديم كوئته۔
في الهندية: اذا بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن) ج ۱ ص ۱۶۶، مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، مكتبه ماجديه كوئته۔

المالک بین اخراجه و مساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا۔ الخ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۴ص ۱۵۴میں ہے۔ جبکہ قبر پرانی ہوجاوے۔ بوجہ مرور زمانہ تی ہوجاوے۔ تو ایسی پرانی قبر کو ہموار کر دینا اور اس پر زراعت وتعمیر کرنا درست ہے۔ الی قولہ شامی (۱) میں ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه۔ ج ۳ص ۱۶۵۹الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ختم شدہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے بائیں طرف متصل جگہ تھی وہاں قبروں کے نشانات نیست ونابود ہوچکے تھے، مدت مدید سے نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ لیکن یہ یقین ہے کہ چند قبریں تھیں۔ اب اسی جگہ کو مسجد میں شامل کر دیا ہے۔ کیا اب اسی جگہ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو با کراہت یا بلا کراہت؟ اگر کراہت ہے تو کون سی کراہت......؟

﴿ج﴾

اگر ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے اور مالک زمین کی رضامندی واجازت سے یہ زمین مسجد میں شامل کر لی گئی اور قبروں میں اموات کے متعلق ان پر مدت مدید گزرنے کی وجہ سے یہ اندازہ ہو کہ مٹی ہوگئے ہوں گے تو اس جگہ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کے لیے وقف جگہ پر مدرسہ کی تعمیر

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک رقبہ زمین جو کہ قدیم عرصہ سے ہندو قوم سے مقدمہ کر کے

---

۱) الرد المحتار: (کتاب الوقف، فصل فی دفن المیت) ج ۱ ص ۶۵۹، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔

۲) الدر المختار: ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی المیت وصار تراباً زیلعی، کتاب الصلوة، فصل فی دفن المیت، ج ۱ ص ۶۶۲، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔ هکذا فی الهندیة: کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔ کذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، الفصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

حاصل کیا گیا۔ اس وقت سے وہ اہل اسلام کی کھوکھر قوم کے قبضہ میں ہے۔ اس کے متولی کھوکھر قوم سے چلے آتے ہیں۔ اس کے ایک حصہ میں قبریں تھیں اور ایک حصہ اس کا ویران پڑا تھا۔ جس میں ایک چھوٹی سی مسجد اور حجرہ تھا۔ جس میں ایک عالم درس وتدریس کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ موجودہ متولی نے ضرورت کی بناپر مسجد کی توسیع کردی۔ اور اس ویران جگہ کو آباد کر کے اس میں مزید حجرے بنادیے اور اسے باقاعدہ دینی ادارے کی شکل دے دی۔ جو الحمدللہ اس وقت ایک عظیم الشان بلڈنگ میں ایک بہت بڑا دینی ادارہ ہے۔

عرصہ بیس سال سے جو دین کی ہمہ وجوہ خدمت کررہا ہے۔ متولی مذکور نے اس خالی جگہ کی چاردیواری بنا کرا سے قبروں سے علیحدہ کرلیا قبروں کی شمالی جانب جس طرف شارع عام ہے ایک کچی دیوار تھی۔ جو ۱۹۰۲ء میں سیلاب کی نذر ہوگئی۔ اس کے بعد وہ جگہ خالی ویران پڑی تھی۔ پی ڈبلیوڈی والوں نے اس پر ناجائز تصرف شروع کردیا۔ اور سڑک کے ساتھ ملحقہ جگہ جو خالی پڑی تھی۔ اس پر کھوکھے اور دکانیں بنوانی شروع کردیں۔ متولی صاحب نے اس جگہ کی حفاظت اور حرمت کی خاطر اس شمالی جانب ایک پختہ دیوار بنادی اور جو جگہ خالی پڑی تھی جس پر پی ڈبلیوڈی والوں کا ناجائز تصرف ہو چکا تھا۔ اس پر پختہ دکانیں بنانا چاہتے ہیں۔ اسی جانب بالکل اس جگہ کے متصل پہلے چند دکانیں اس مدرسہ کی موجود ہیں۔ جن کی آمد اسی دینی مدرسہ پرخرچ ہوتی ہے۔ اب بعض افراد متولی مذکور اور ان کے ساتھیوں سے ذاتی اور مذہبی عداوت کی بناپر ان دکانوں کے بنانے میں مخل ہیں۔ اور انہوں نے عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کررکھا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عدالت شرعی اور دینی نقطۂ نگاہ سے درج ذیل امور کی وضاحت چاہتی ہے۔

(۱) متولی مذکور کا خالی جگہ میں تصرف کر کے وہاں پر دینی ادارہ قائم کرنا اور مسجد کی توسیع کرنا کیسا ہے؟

(۲) مدرسہ اور اس کی حدود جو ایک عرصہ سے قائم ہو چکے ہیں ان کا کیا حکم ہے۔

(۳) متنازع جگہ میں دیوار اور دکانات تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے۔ اور دکانات کی تعمیر کرنے میں کسی قبر کو منہدم کرنے کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ ہی بلاضرورت ایسا عمل کیا گیا ہے۔ متولی مذکور اپنے اس اقدام کے جواز میں علامہ عینی کی درج ذیل عبارت پیش کرتا ہے۔ فان قلت هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد الم ار بذلک باسا۔ الخ۔ ص ۳۵۹۔ الجزء الثانی عمدۃ القاری۔

اس پر قیاس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کہ پرانی قبروں کو مسمار کر کے وہاں مسجد یا اور کوئی عمارت بنانا جائز ہے تو جو جگہ خالی اور ویران ہو اگرچہ اس کے ساتھ قبریں ملحق ہوں۔ وہاں پر دینی مفاد کی خاطر ایسی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہونی چاہیے۔ آپ پوری صورت کو سامنے رکھتے ہوئے از روئے شرع واضح فرمائیں کہ متولی

مذکور کے اس اقدام کے لیے کوئی وجہ جواز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ یہ خالی زمین جس پر مسجد کی توسیع کی گئی ہے یا اس پر مدرسہ کے حجرے بنا دیے گئے ہیں۔ یا اس پر دکانات تعمیر کی گئی ہیں۔ اگر یہ خالی زمین قبرستان کے لیے وقف کر دی گئی ہے تب تو اس کو کسی دوسری غرض کے لیے استعمال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ صرف اس زمین کو مردوں کے دفنانے کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اس پر مدرسہ بنانا مسجد کی توسیع کرنا یا دکانیں وغیرہ بنانا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرام کا مشہور مقولہ ہے:[۱]

شرط الواقف كنص الشارع. وقال في الفتاوى العالمگيريه [۲] ج ۲ ص ۴۶۵. وعند ابي يوسف رحمه الله تعالى يزول ملكه بالقول كما هوا صله و عند محمد رحمه الله تعالى اذا استقى الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط و دفنوا في المقبرة زال الملك ويكتفي بالواحد لتعذر فعل الجنس كله و على هذا البئر والحوض ولو سلم الى المتولى صح التسليم في هذه الوجوه كذا في الهداية ذكر في المسبوط ان الفتوىٰ على قولهما في هذه المسائل وعليه اجماع الامة كذا في المضمرات...... وفيها ايضاً ج ۲ ص ۴۶۷ [۳].

---

۱) الهندية: الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ، كتاب الوقف، ج ۲ ص ٤٦٥، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔
الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ۳ ص ٤٥٦، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الفتاوى كاملية: قال في الأشباه شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي وفي وجوب عمل به، كتاب الوقف، مطلب في العمل بشرط الواقف، ص ٥٩، مكتبة القدس كوئٹه۔ وكذا في الأشباه والنظائر: كتاب الوقف، مطلب شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ١٠٦، مكتبه دار القرآن والعلوم الاسلاميه كراچي۔ وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الواقف، ج ١ ص ١٢٦، مكتبه حقانيه پشاور۔ وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس، ويؤيده تصرف القيم، ج ٢ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) الهندية: الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، كتاب الوقف، ج ۲ ص ٤٦٥، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

۳) الهندية: كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ، ج ۲ ص ٤٦٧، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

ارض لاهل قرية جعلوها مقبرة واقبروافيها ثم ان واحدا من اهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن والات القبر و اجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا اهل القرية اورضا بعضهم بذلک قالوا ان کان فی المقبرة سعة بحیث لایحتاج الی ذلک المکان فلا باس به وبعد مابنی لواحتاجوا الی ذلک المکان رفع البناء حتی یقبر فیه کذا فی فتاوی قاضیخان وفیها ایضاً ج۲ص ۴۷۰[1]. سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الازوجندی عن مسجد لم یبق له قوم و خرب ماحوله واستغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال لاوسئل هو ایضا عن المقبرة فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لاالعظم ولاغیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحیط وقال مصححه قوله وقال لاهذا لا ینافی ماقاله الزیلعی فی باب الجنائز من ان المیت اذا بلی وصارترابا جاز زرعه والبناء علیه اه لان المانع هنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلایجوز استعماله فی غیره اذا بلی فتأمل ولیحرر اه مصححه۔

(امدادالفتاویٰ ج۲ص۵۲۰-۵۳۱) پرمساجدومقابرمنہدم کرنے کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت بھی کسی کی ملک نہیں ہوسکتی[2] اوراس کوکوئی شخص ملک بناکرفروخت نہیں کرسکتا۔الی ان قال اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی وہی حکم ہے جومساجد کامذکور ہوااوراگر یہ خالی زمین کسی کی مملوک ہو۔وقف نہ ہوتب اس پر باجازت مالک مذکورہ بالاتصرفات کیے جاسکتے ہیں۔

عمدۃ القاری ثانی جوہمارے پاس ہے۔مطبوعہ ادارہ طباعۃ منیریہ مصر،اس کےتوکل صفحات ۳۰۵ ہی ہیں۔جو عبارت آپ بتارہے ہیں وہ ہمیں جلد ثانی میں نہیں مل سکی۔کیونکہ آپ تواس کا صفحہ ۳۵۹ تحریرفرماچکے ہیں۔زیادہ تتبع ہم نے نہیں کی باقی عینی کی اس عبارت کا مطلب یہ بھی توہوسکتا ہے کہ وہ مقبرہ کسی کا مملوک ہو۔وقف نہ کرچکا

---

١) الهندية: كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر، ج ٢ ص ٤٧٠ - ٤٧١، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئٹہ۔

٢) امداد الفتاوى، ج ٢ ص ٦٠٨-٦٠٩، مكتبه دار العلوم كراچى۔

فى الدر المختار: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً الى قيام الساعة وبه يفتى، كتاب الوقف، مطلب فى ما خرب المسجد وغيره، ج ٦ ص ٥٥٠، طبع رشيديه جديد كوئٹہ۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن ولا يقسم، الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فى شرط واقف الكتب أن لا تعار الابرهن، ج ٦ ص ٥٤٠، مكتبه رشيديه جديد كوئٹہ۔

ہو۔ یا ارض موات ہو۔ مملوکہ مرقوم نہ ہو۔ اور اس پر مسجد بنائی جا سکتی ہے[1]۔ کما قلنا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور خالی جگہ اگر وقف للمقبرہ ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ورنہ اس پر تعمیر مدرسہ جائز ہے۔ الغرض وقف میں واقف کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف جائز نہ ہوگا[2]۔ البتہ وقف نہ ہو تو قبروں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد تعمیر مدرسہ باذن المالک اگر مملوکہ ہے یا بغیر الاذن اگر ارض موات ہے جائز ہوگا[3]۔

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

قبروں کی تعظیم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہماری مسجد میں چند قبریں ہیں یعنی چھ یا سات ان میں سے بعض بچوں کی قبریں ہیں۔ جس آدمی نے یہ قبریں بنائی ہیں اس نے آٹھ یا نو سال سے یعنی پاکستان بننے کے بعد دو بچوں کو لوگوں کے سامنے بھی دفن کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو روک دیا گیا۔ اور بعض قبریں بڑوں کی ہیں۔ ان میں سے ایک قبر پر تقریباً پچیس یا تیس سال سے ایک چار دیواری اور ایک چھوٹا سا گنبد بھی بنایا ہوا ہے۔ اور مسجد کا صحن نمازیوں کے لحاظ سے بہت تنگ ہے۔ اگر وہ قبریں درمیان سے ہٹالی جائیں تو پندرہ یا سولہ گز زمین اور بھی مسجد میں شامل ہو سکتی ہے۔ اب اس بات میں اختلاف ہے بعض لوگ تو کہتے ہیں خواہ کتنی تنگ ہو قبروں کو نہیں ہلانا چاہیے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان قبروں کو درمیان سے ہٹا کر اس زمین کو بھی مسجد کی ضروریات میں شامل کرنا چاہیے۔ مہربانی فرما کر ارشاد فرما دیں کہ شریعت میں ان قبروں کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

١) الهندية: ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٧، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في الدر المختار: كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت، ج ١ ص ٦٦٢، مكتبه رشيديه قديم كوئته۔

٢) الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، كتاب الوقف، فصل في قولهم شرط الواقف، ج ٣ ص ٤٥٦، رشيديه كوئته۔

وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، ج ٢ ص ٤١٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

٣) في رد المحتار: ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه، كتاب الوقف، فصل في دفن الميت، ج ١ ص ٦٥٩، مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في الهندية: كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، ج ١ ص ١٦٧، مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو جاوے کہ اس میت کی ہڈی ریت ہو چکی ہے۔ اس وقت تک اس پر مسجد بنانی یا نماز پڑھنی یا بیٹھنا اور چلنا جائز نہیں ہے۔ اور صورت مذکورہ میں تو یقیناً اتنا زمانہ نہیں گزرا کہ ہڈی ریت میں تبدیل ہوگئی ہو۔ اس لیے اس جگہ قبروں کو ہموار کر کے مسجد بنانی اور نماز پڑھنی چلنا پھرنا وغیرہ جائز نہیں۔ مسلمانوں کی قبروں کی تعظیم ضروری ہے اور یہ تعظیم کے خلاف ہے۔ **قال الشامی فی ردالمحتار ج ا ص ۶۶۷ رتقدم انه اذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه (ومقتضاه جواز المشی فوقه)**[1]

اس سے قبل لکھا ہے۔ **وقال فی الحلیه وتکره الصلوة الیه لورود النهی فی ذلک**[2]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر۔ ۳۰ ذی الحج ۱۳۷۶ھ۔

قبروں پر لینٹر ڈال کر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک مسجد کی شمالی طرف چند قبریں ہیں۔ موجودہ مسجد بہت تنگ ہے۔ متولیوں کا خیال ہے کہ ان قبور پر دو تین فٹ اونچا لینٹر ڈال دیا جاوے۔ اور موجودہ مسجد کی سطح کو اس لینٹر کے برابر کر کے کھلی مسجد بنا دی جاوے۔ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ سائل سے معلوم ہوا کہ ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے۔ اگر مالک زمین دینے پر رضامند ہے تو مسجد میں شرعاً استعمال ہو سکتی ہے۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں جبکہ ان قبروں کی زمین کسی کی مملوکہ ہے اور وہ مالک مسجد کو دینے پر رضامند ہے تو اگر ان قبروں میں دفن شدہ اموات کے متعلق یہ گمان غالب ہو کہ وہ اموات اتنے عرصہ میں بوسیدہ ہو گئے اور مٹی ہو گئے

---

۱) در المختار، مطلب فی اهداء ثواب القرأة للنبی ﷺ، ج ۱ ص ۶۶۷، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) صفحه هذا وباب هذا۔

كذا فی الهندية: ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، ج ۱ ص ۱۶۷، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، طبع مکتبه ماجدية کوئٹه۔

ہوں گے تو ان کو ہموار کرنا اور بغیر لینٹر ڈالنے کے اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے[1]۔ لیکن اگر وہ اموات قریبی عرصہ کے دفن شدہ ہوں۔ ان کے بوسیدہ اور مٹی ہونے کا گمان غالب نہ ہو تو اس صورت میں لینٹر ڈالنے سے اس جگہ کا مسجد میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔ بغیر اس کے ہموار کرنا اور مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوسیدہ قبروں پر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد شریف برفوق قبور لانشان نہادہ شد۔ از حضرات علماء بلوچستان مختلف فتویٰ صادر شدہ است۔ امید کہ فاحکم بینهم بالحق مفصلاً مع حوالجات جواز نہ جواز وقوله ارجح این بنمانید تا کہ اطمینان قلبی حاصل شود عین لطف است۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح باد کہ جائیکہ ایں قبور لانشان ہست و بر و مسجد نہادہ شد اگر یک زمین موقوف برائے دفن مردگان باشد بر و مسجد نہادن جائز نیست و برائے غرض دیگر سوائے دفن مردگان او استعمال کردن ہم درست نیست۔ و اگر ایں جا موقوف نباشد پس اگر مردگان مدت مدید گزشتہ باشد کہ ظن غالب شود کہ آنمردگان بوسیدہ شد خاک شدہ باشند پس برو نہادن مسجد درست باشد و الا فلا کما قال فی العالمگیریہ ج ا ص ۱۶۶۔ ویکرہ ان یبنی علی القبر مسجد او غیرہ کذا فی السراج الوهاج[3] وفیها ایضا بعد اسطر ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین ج ا ص ۱۶۷ عالمگیریہ[4]۔

---

۱) تقدم تخریجه فی صفحه (۵۰۰) عنوان مسئله (قبروں کی تعظیم)

۲) وفی الرد المحتار: ان کان فیها میت لم یبل وما یفعله جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل أربابها وادخال أجانب علیهم فهو من المنکر الظاهر، کتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۲، ایچ ایم سعید۔ وأیضاً فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، ج ۲ ص ۴۷۰، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی آخر، ج ۱ ص ۱۶۶، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹه۔

۴) کتاب الجنائز الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی آخر، ج ۱ ص ۱۶۷، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹه۔

وفیها ایضاً ج ۲ ص ۴۵۳۔ وسئل هو ایضا عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لاالعظم ولاغیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذا فی المحیط قال مصححه قولهٗ لاهذا لاینا فی ماقاله الزیلعی فی باب الجنائز من ان المیت اذا بلی وصار تراباً جاز زرعه والبناء علیه. لان المانع هنا کون المحل موقوفاً علی الدفن فلایجوز استعماله فی غیره فلیتامل ولیحرر اه مصححه۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

وقف کو فروخت کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین صورت ذیل میں کہ ایک مسجد میں متعلقہ زمین کے اندر حجرہ ہے جس میں اس مسجد کا امام عرصہ ستر اسی سال سے رہائش پذیر ہے۔ اس خاندان کی امامت چلی آ رہی ہے۔ لیکن اب اس خاندان کو محلہ والوں نے کہا ہے کہ تم اس جگہ سے چلے جاؤ۔ ہم اس جگہ کو مسجد میں ملاتے ہیں۔ تو وہ خاندان اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ اب اس مکان کا صحن تو مسجد کے فرش میں مل سکتا ہے اسے تو ملا لیا ہے۔ مگر اس کا جو کمرہ ہے وہ صحن مسجد سے باہر کو پڑتا ہے۔ اب کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اسے فروخت کر دیا جائے۔ اور مسجد کی دیوار کو سیدھا تیار کر لیا جائے۔ کیا عند الشرع یہ کمرہ کسی کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اوقاف مسجد کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس کمرہ کو فروخت کرنا درست نہیں۔ اس کو مساجد کے مصالح کے لیے استعمال کرنا چاہیے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) مطلب یجوز الوقف البناء وحده فی مسألة القنطرة، ج ۲ ص ۴۷۰، طبع بلوچستان بك ڈپو کوئٹه۔
وكذا فی البحر الرائق: وفی التبیین ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصداقه، ج ۲ ص ۱۹۵، طبع مکتبه ماجدیه کوئٹه۔
وهکذا فی الرد المحتار: مطلب فی اهداء ثواب القرأة للنبی صلی الله علیه وسلم، ج ۱ ص ٦٦٧، طبع مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

۲) کذا فی البحر الرائق: ولا یملك الوقف، باجماع الفقهاء ...... ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله عنه، تصدق بأصلها ولا تباع ولا تورث ولأنه...... کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وكذا فی الهندیة: ولا یباع ولا یوهب ولا یورث، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه ورکنه وسببه وحکمه، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بك ڈپو، کوئٹه۔
هکذا فی فتح القدیر: وعن محمد رحمه الله أنه لا یباع ولا یورث ولا یوهب، اعتبره مسجداً، کتاب الوقف فصل اختص المسجد بأحکام، ج ۵ ص ٤٤٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

مسجد کی چیز کو کم قیمت پر فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی زمین جو مزارعت پر تھی حکومت نے قسط نہ ادا کرنے کی وجہ سے قرق کر کے اس کی فصل وغیرہ کو نیلام کر دیا ہے۔ وہاں کے لوگوں نے فصل کو مسجد کے نام پر مسجد کی رقم سے خرید لیا ہے۔ اس زمین میں جو فصل وغیرہ ہے وہ ادا کی ہوئی رقم سے کئی گنا ہے جس کی وجہ سے مزارع یہ چاہتا ہے کہ مجھ سے نصف رقم لے کر مجھ کو نصف فصل دی جائے۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ متفق ہو کر نصف رقم اس سے لے کر نصف فصل کو جو مسجد کے نام پر خریدی گئی ہے۔ اس مزارع کو جس کی فصل وغیرہ کو بھی حکومت نے نیلام کر دیا تھا۔ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مسجد کے مال کو غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے صورت مسئولہ میں گندم کی قیمت قیمت خرید سے چونکہ کئی گنا ہے لہٰذا قیمت خرید پر اس کا نصف فروخت کرنا بلا نفع مزارع کے ہاتھ درست نہیں ہے۔ بازاری قیمت یا اس سے کچھ کم پر یعنی غبن معمولی کے ساتھ اس کو فروخت کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

سرکار کے لیے مسجد کے پلاٹ کی نیلامی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نمبر مارکیٹ میں پلاٹ ۲۴۰ پہلے مسجد کے لیے وقف تھا۔ ۱۹۷۵ء میں امپروومنٹ ٹرسٹ نے جو نیا نقشہ بنایا۔ اس میں اس پلاٹ کا رقبہ ۱۳ مرلہ کاٹ کیا۔ اب ملتان ڈویلمنٹ اتھارٹی اس مسجد کے پلاٹ ۲۴۰ میں سے کاٹ کر پلاٹ نمبر ۲۴۰-۱۳ مرلہ نیلام کرنا چاہتی ہے۔ اور اس مسجد کے حصے کا ۱۳ مرلہ پلاٹ نمبر A-۲۴ آج مورخہ ۱۸/۷/۷۸ جولائی کو نیلامی ہے۔ ہم اہل نمبر مارکیٹ کے دکاندار

---

۱) كـذا فـي الهـنـدية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه وحكمه، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وأيـضـاً فـي فتح القدير: كتاب الوقف، فصل اختص المسجد بأحكام، ج ٥ ص ٤٤٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وأيضاً في الهداية: كتاب الوقف، فصل واذا بنى مسجداً، ج ٢ ص ٣٣٦، طبع بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔

گزارش کرتے ہیں کہ اس مسجد کے حصے کو نیلام نہ کیا جاوے۔ اور اس کو مسجد کا حصہ رہنے دیا جاوے۔ ہم مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۸ کو وفد کی شکل میں ڈائریکٹر جنرل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے پاس گئے۔ اس نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر آپ لوگ ساٹھ ہزار روپے کا مسجد چندہ بینک میں رکھادیں اور مسجد کا نقشہ لے آئیں تو میں پلاٹ نمبر ۲۴۰۔اے۔ کو مسجد کے پلاٹ میں شامل کردوں گا ہم کل مورخہ ۱۷ جولائی کو اس کے پاس ساٹھ ہزار کا بینک اکاؤنٹ اور نقشہ لے کر گئے۔ لیکن اس نے پلاٹ مسجد کو دینے سے انکار کردیا۔ اب مسجد کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کی جاوے۔ اور اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ شرع کے لحاظ سے گورنمنٹ کو پلاٹ نیلام کرنے کا اختیار ہے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال اگر یہ پلاٹ ایک دفعہ مسجد کے نام وقف ہو چکا ہے اور سرکاری کاغذات میں پلاٹ مسجد کے نام وقف درج ہے اور اس میں مسجد بھی تعمیر ہو چکی ہے تو اس وقف کو تبدیل کرنا اور بیع کرنا درست نہیں۔ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے متعلقہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر واقعی پلاٹ وقف ہے تو اس کے خریدنے سے احتراز کریں۔ فقط واللہ اعلم [۱]۔

مسجد کی خراب گھڑی فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد کی گھڑی خراب ہوگئی ہے۔ نمازیوں کا مشورہ ہے کہ اسے بیچ کر مزید پیسے ملا کر ایک نئی گھڑی خریدی جائے۔ تو کیا ایسا کرنا ازروئے شریعت درست ہے۔

﴿ج﴾

بغیر کسی قسم کے شبہ کرنے کے ایسا کرنا درست ہے [۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) كـذا فـي الرد المحتار: (فلا يجوز بأقل) أي لا يصح اذا كان بغبن فاحش، ج ٢ مطلب لا يصح ايجار الوقف، ج ٤ ص ٤٠٢، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٩٧، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

٢) كـذا فـي الـفـقه الحنفي وأدلته، وان استغنى عن فرش المسجد، نقل الى مسجد آخر عند أبي يوسف وقـال بـعـضـهـم يباع ويصرف في مصالح المسجد، كتاب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٤، طبع دار الكلم الطيب دمشق بيروت۔
كـذا فـي الـرد الـمحتار: (قوله فيبعه) فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده وعند خوف هلاكه بحر، مطلب في الوقف ...... ج ٤ ص ٣٧٧، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وأيضاً في الفتح القدير: فصل اختص المسجد بأحكام، ج ٥ ص ٤٤٦، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

مسجد کے لیے مختص زمین کو حکومت کا تقسیم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی زمین جو ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ نے مسجد کو الاٹ کی تھی جبکہ تمام گاؤں کو سرکاری زمین الاٹ کی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں تمام گاؤں کی جو زمین تھی اس کی گورنمنٹ نے قسط ادا کرنے کا فیصلہ کیا کہ ۱۹۸۰ء تک تمام زمین کی قسط ادا کی جائے۔ مگر اس وقت موقع کے افسر کو زمین کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی بھی قسط ڈال دی جائے۔ مگر افسر نے فیصلہ کیا کہ یہ زمین برائے آمدنی مسجد الاٹ کی گئی ہے۔ اس کی کوئی قسط نہیں ہے۔ اگر گورنمنٹ نے قسط لینی ہوگی تو تمام گاؤں پر اس کی قیمت لگا کر ڈال دی جاوے گی۔ اور کوئی افسر اس کو توڑ نہیں سکتا اب پانچ مرلہ کی سکیم کے تحت گورنمنٹ اس کو عوام میں تقسیم کرنا چاہتی ہے اور مسجد کی اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے۔ اب تک اس زمین کی آمدنی مسجد پر خرچ ہوتی رہی ہے اور زمین ابھی تک مسجد کے قبضہ میں ہے۔ آیا یہ زمین شرعاً مسجد کے نام سے توڑی جا سکتی ہے۔ یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر قواعد شرعیہ کے تحت یہ زمین مسجد کے نام وقف کی گئی تھی۔ تو جب تک یہ زمین مسجد کی آمدنی کے قابل ہے۔ اس وقت تک اس کو فروخت کرنا اور تبدیل کرنا (اگر چہ دوسری زمین انفع ہی ہو) جائز نہیں۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه فالاستبدال فيه جائز على الصحيح الى قوله والثاني ان لايشرطه ولكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شئ ردالمحتار ص ۴۲۴ ج ۳[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) رد المحتار مطلب استبدال الوقف وشروطه، ج ۳ ص ٤٢٤، طبع مكتبه رشيديه قديم كوئته۔

وأيضاً في الرد المحتار: وعن هذا قال المولى أبوسعود مفتي دار السلطنة ان أوقاف الملوك والأمراء لا يراعى شرطها ...... وان الإمام والملوك أن يزيد فيها وينقص ونحو ذالك وليس المراد أنه يصرفها ...... ويصرفها الى غيرهم، فإن بعض الملوك أراد ذلك ومنعهم علماء عصرهم مطلب للسلطان مخالفة الشرط، ج ٦ ص ٦٧٢- ٦٧١، طبع مكتبه رشيديه جديد كوئته۔

وفي الهندية: فإن كان الواقف شرط أن يؤاجر أكثر من سنة والناس لا يرغبون في استجارها سنة ...... فليس للقيم أن يخالف شرطه، ج ٢ ص ٤١٩، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، طبع رشيديه كوئته۔

مسجد کے قرآن کریم کو فروخت کرنا

﴿س﴾

چہ می فرمایند علماء کرام در مسئلہ دین کہ شخص قرآنے در مسجد وقف گزاشتہ و بعد امام آں مسجد برداشتہ و بدیگری فروختہ آیا ایں بیع جائز است یا نیست آیا مشتری مے تواند قیمت آں راز بائع بگیرد یا نہ بینوا اجرکم علی اللہ۔

﴿ج﴾

درصورت مسئولہ برداشتن امام مسجد قرآن مجید را از مسجد و بعد ازاں آں را فروخت کردن جائز نیست نیز برامام مسجد لازم است کہ مشتری را قیمت او بدھد و آن قرآن مجید از وگرفتہ در مسجد باز بنہد [1]۔

عیدگاہ کی زمین کی قبضہ سے قبل فروخت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ زید نے رقبہ زمین دو کنال برائے عیدگاہ وقف کر دیا ابھی تک اس میں ایک دفعہ بھی صلوٰۃ العید نہیں پڑھی گئی تھی کہ وہاں سیلاب ہوگیا اور پانی ٹھہرنے لگا تو اس میں چاول وغیرہ بوئے جانے لگے پھر سرکاری آبیانہ بھی ہر سال لگ جاتا ہے چونکہ وہ رقبہ قابل عیدگاہ نہ رہا لوگوں نے ایک اور جگہ عیدگاہ تیار کر لی اور وہاں صلوٰۃ العید پڑھنے لگے اب زید یہ دریافت کرتا ہے کہ میرا یہ رقبہ دو کنال وقف شدہ برائے عیدگاہ بے سود پڑا ہوا ہے اس کو شرعاً کس طرح کیا جاوے کیا اس زمین کو زید اپنی بقیہ ملکیت میں ملا لے اور قیمت اس زمین کی دوسری عیدگاہ تیار شدہ کے لیے دے دے یا اس کو فروخت کرے اور قیمت اس کی فقراء پر تقسیم کرے یا دوسری عیدگاہ پر خرچ کرے یا وہ رقبہ ویسے کاشت ہوتا رہے اور اس کی پیداوار فقراء کو دے یا دوسری عیدگاہ کے لیے دے دے الغرض اس رقبہ کے متعلق شرعاً جو بھی صورت ہو اس سے مطلع فرماویں۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔

---

۱) كذا فى البحر الرائق: (ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء...... ولقوله عليه السلام لعمر رضى الله عنه تصدق بأصلها ولا تباع ولا ترث، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفى الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يرث، كتاب الوقف باب الأول فى تعريفه وركنه وسببه وحكمه، ج ٢ ص ٣٤٥، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفى الفتح القدير: (وعن محمد ولا يباع ولا يوهب ولا يورث) اعتبره مسجداً (كتاب الوقف فصل اختص المسجد باحكام، ص ٣٤٥، ج ٥، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

﴿ج﴾

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف کے لزوم اور تام کے لیے قبضہ، تسلیم، افراز شرط ہیں۔ درمختار میں ہے۔ ولایتم الوقف حتی یقبض (الی ان قال) ویفرز فلایجوز وقف مشاع یقسم ج۳ص ۳۹۹ (۱)۔ الخ و قال الشامی فی القهستانی لابد من افرازه ای تمییزه عن ملکه من جمیع الوجوه ج۳ص ۴۰۵ (۲) نیز یہ بھی واضح ہو کہ ہر موقوف کی تسلیم اس طریقہ سے ہو جس سے منافع مقصودہ بالوقف حاصل ہو سکیں۔ قال فی الدرالمختار و شرط محمد والامام الصلوة فیه بجماعة قال الشامی (قوله بجماعة) لانه لابد من التسلیم عندهما خلافا لابی یوسف وتسلیم بکل شیء بحسبه ففی المقبرة بدفن واحد وفی السقایة بشربه وفی الخان بنزوله الخ ج۳ص ۴۰۵ (۳)۔ لہٰذا جب عیدگاہ مذکورہ میں ایک مرتبہ بھی نماز عید نہیں پڑھی گئی تو وہ ملک واقف میں باقی ہے۔ اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے لیکن چونکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تسلیم قبض وغیرہ کی کوئی شرط نہیں فقط وقف بالقول سے ہی وقف تام ہو جاتا ہے اور فقہاء نے دونوں مذاہب پر فتویٰ دیا ہے شامی میں ہے۔ اذا خلا عن القضاء فلایزول الا بعدهذه الشروط عند محمد و اختاره المصنف تبعا لعامة المشائخ وعلیه الفتوی و کثیر من المشائخ اخذوا بقول ابی یوسف وقالوا ان علیه الفتوی (۴)۔ اس لیے مستفتی امام محمد کے مذہب پر عمل کر سکتا ہے اور زمین کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے لیکن احتیاط اگر کرتا ہے تو وہ بہرحال قول ابو یوسف میں ہے وقف ان کے نزدیک صحیح ہو گیا۔ پھر اس کو چاہیے کہ دوسری عیدگاہ میں اس کو صرف کر دے۔ و کذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما ینصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب مسجد او رباط او بئر (۵)۔ الخ۔ بہرحال دونوں پر عمل کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ، مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

---

۱) رد المحتار: مطلب وقف المریض، ج ۳ ص ۳۹۹، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔
۲) ردالمحتار مطلب فی أحکام المسجد، ج ۳ ص ۴۰۵، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔
۳) رد المحتار: مطلب فی الأحکام المسجد، ج ۳ ص ۴۰۵، مکتبه رشیدیه قدیم کوئٹه۔
٤) رد المحتار: مطلب فی الکلام علی اشتراط التأبید، ج ٤ ص ۳٤۹، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔
وکذا فی البحر الرائق: فإنه یلزم بمجرد القول عندأبی یوسف ...... وعند محمد لا بد من التسلیم الی المتولی والافراز ...... وفی الخلاصة ومشائخ بلخ یفتون بقول أبی یوسف وفی شرح المجمع أکثر فقهاء الأمصار أخذوا بقول محمد والفتوی علیه وفی فتح القدیر وقول أبی یوسف أوجه عند المحققین ...... وقول محمد أقرب الی موافقة الآثار، کتاب الوقف، ج ٥ ص ۱۹۸، طبع مکتبه ماجدیة کوئته۔
٥) وفی الرد المحتار: مطلب فی الوقف المنقول تبعاً للعقار، ج ۳ ص ٤۰۸، طبع مکتبه رشیدیه قدیم کوئته۔ وفی الهندیة: ان رأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة، مطلب الکلام علی الأشجار فی المقبرة وغیر ذلك، ج ۲ ص ٤۷٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔

مسجد کے درخت کو فروخت کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد قدیم جس میں توسیع کی گئی جانب توسیع کے صحن میں ایک بڑا درخت واقع ہے۔ جس پر مختلف پرندے بیٹھ کر بیٹ کرتے ہیں ناپاک ہڈی کو صحن مسجد میں گراتے ہیں۔ جس سے مسجد ہر وقت آلودہ اور مغلظ رہتی ہے۔ صف بندی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ شامیانہ بھی قائم نہیں ہوسکتا۔ نمازیوں کو حالت نماز میں بے چینی ہوتی ہے۔ سکون وحضور میسر نہیں ہوتا۔ شامیانہ مسجد اس وجہ سے بیکار ہے۔ ایسی حالت میں درخت کا کاٹنا اور اس کی قیمت کو مسجد پر لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں کیا اہل محلہ گنہگار تو نہ ہوں گے۔

﴿ج﴾

مسجد کے تصرف میں اہل محلہ یا متولی بمنزلہ مالک کے ہیں۔ **کما فی المبسوط تصرفھم کتصرف الملاک** (۱) لیکن تصرف اصلح للوقف ہونا چاہیے۔ اس لیے درخت مذکور کا گرانا جب اصلح للمسجد ہے اس کو گرا کر فروخت کرایا جائے اور مسجد ہی کے ملیے کوئی چیز مناسب خریدی جائے۔ **وکذالک الدوالیب والألات یبیعھا ویشتری بثمنھا ما ھو اصلح للوقف، شامی ج۳ص۷۰۴.** (۲)

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

واقف کو بیع کا حق حاصل نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کے ایک شخص مولوی عبداللہ نے مدرسہ کے لیے ایک قطعہ زمین کا وقف کرنے کی نیت سے خریدا اور مولانا غلام سرور کو مہتمم بنایا۔ تقریباً عرصہ دو سال تک مدرسہ چلتا رہا۔ مہتمم مذکور کی فحش خیانتوں کو دیکھ کر تنگ آ کر قطعہ زمین موقوفہ کو مولوی محمد عبداللہ واقف نے مبلغ چھ صد روپیہ میں بیچ کر مبلغات مذکورہ کسی دیگر مدرسہ میں دینا چاہا اور مشتری کو اسٹامپ بھی تحریر کر دیے۔

مولانا غلام سرور مہتمم مدرسہ نے جھگڑا شروع کر دیا کہ زمین وقف شدہ بیچ نہیں سکتا اور مدرسہ پر بدستور قابض ہے۔ بنابریں مولوی محمد عبداللہ واقف ایک مصیبت میں پھنسا ہوا فریق مشتری کہتا ہے کہ تحریر شدہ اسٹامپ مجھے دے دو۔

(۱) اب اگر قطعہ زمین مذکورہ بیچنے کی شریعت اجازت دیتی ہے تو مشتری کو دے دیں۔

(۲) اگر قطعی طور پر فروخت کا حق واقف کو حاصل نہیں تو اپنی معہودہ بیع سے منحرف ہو جائیں۔
(۳) اور اگر فروخت شرعاً جائز ہوگئی تو مبلغات بالا کہاں خرچ کیے جائیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وقف شدہ زمین جس کا وقف شرعاً صحیح ہو چکا ہو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ واقف اس بیع سے منحرف ہو جائیں۔ کیونکہ اس کو تو بیع کرنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ کما فی الهدایه ج ۲ ص ۶۲ واذ اصح الوقف...... لم یجز بیعه و لا تملیکه الا ان یکون مشاعا عند ابی یوسف. الخ[۱]. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ مکان کو بیچنا جائز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنا مکان مدرسہ کے نام عرصہ تقریباً ۱۸ یا ۱۹ سال سے وقف کیا ہوا ہے۔ اور مدرسہ نے مکان مذکورہ کرایہ پر دے دیا ہے۔ اور کرایہ باقاعدگی سے وصول ہو رہا ہے عیدگاہ کو وسیع کرنے کے لیے پبلک کی خواہش ہے کہ رقبہ خریدا جاوے۔ مکان مدرسہ کے نام وقف شدہ کسی کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ کے رقبہ پر لگائی جائے۔ کیا یہ رقبہ فروخت ہو سکتا ہے اور رقم مدرسہ پر صرف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر صرف کی جاوے تو نماز جائز ہے یا نہیں اور خریدار اس رقبہ کا مالک بن سکتا ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ یہ مکان مدرسہ پر وقف ہے۔ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مدرسہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ موقوفہ مکان کو بیچنا جائز نہیں ہے[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کتاب الوقف، ج ۲ ص ۶۱۹، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔
وفی الهندیة: فصح عند أبی یوسف رحمه الله تعالی وقف المشاع، کتاب الوقف، الباب الأول، ج ۲ ص ۳۵۱، طبع بلوچستان بکڈپو کوئته۔

۲) وفی البحر الرائق: (ولا یملك الوقف) بإجماع الفقهاء ...... ولقول علیه السلام لعمر رضی الله عنه تصدق بأصلها ولا تباع ولا ترث، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۲، طبع مکتبه رشیدیه کوئته۔
وفی الهندیة: ولا یباع ولا یوهب ولا یورث، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه...... ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بك ڈپو کوئته۔

وقف کی آمدنی دیگر مصارف میں خرچ کرنے کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں مشرقی پنجاب میں ایک موضع میں مسجد کے نام کچھ اراضی زرعی وقف تھی اب یہاں پاکستان میں بطور تبادلہ متروکہ غیر مسلم اراضی مسجد کے نام وقف اراضی کے کلیم پر الاٹ کرائی گئی ہے الاٹ شدہ اراضی کی آمدنی کس طور پر خرچ کی جانی چاہیے اگر آمدنی مذکور پاکستان میں پہلے سے آباد شدہ مساجد پر خرچ ہوسکتی ہے تو کیا ایسی مساجد جو غیر مسلم تارک الوطن جائیدادوں پر بنائی گئی ہیں ان پر بھی یہ آمدنی خرچ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بدیں صورت جبکہ ہر دو حکومتوں نے سکنی صاف زمین کی خرید و فروخت کا اختیار مالکان کو دے دیا ہو۔ اسی طرح مشرقی پنجاب میں ایک بزرگ کے مزار کے نام کچھ اراضی وقف تھی اس کے تبادلہ میں بھی یہاں اراضی الاٹ کرائی ہے ہندوستان میں تو اس اراضی کی آمدنی کو لوگ ان بزرگ کے عرس وغیرہ میں خرچ کردیا کرتے تھے اس وقت کی آمدنی کا اب صحیح شرعی مصرف کیا ہونا چاہیے۔ فقط۔

نوٹ: مسجد کے نام اراضی تمام مسلمانان موضع کی طرف سے وقف تھی اور مزار کے نام جو اراضی وقف تھی وہ صرف ایک محلے کے مسلمانوں کی وقف کردہ تھی جن کی تعداد چالیس بیالیس کنبہ جات پر مشتمل ہے اور اب وہ منتشر حالت میں آباد ہیں۔

(ج)

واقف نے جس شرط پر اور جس مصرف کے لیے زمین وقف کردی ہے، وہ اسی شرط پر صرف ہوگی اس میں تبدل جائز نہیں [۱] جب زمین وہاں ہندوستان میں مسجد وغیرہ مصارف کے لیے وقف ہوگئی تھی۔ تو وہاں ہی اسی مصرف پر صرف کرنا۔ اگرچہ وہاں کے باشندگان وہاں سے چلے بھی جاویں۔ لہٰذا وہ اصلی اراضی موقوفہ اب بھی مسجد ہی کے لیے استعمال ہوں گی۔ اس کے بدلہ میں یہاں زمین لینا جائز نہیں [۲] اگر وہاں کی حکومت یا وہاں

---

۱) وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔
وفي الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، مكتبه رشيديه جديد كوئٹه۔

۲) وفي البحر الرائق: (ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء...... ولقوله عليه السلام لعمر تصدق بأصلها ولا تباع ولا ترث، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٣، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف باب الأول في تعريفه وسببه وركنه وحكمه، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔ وأيضاً في الفتح القدير: كتاب الوقف اختص المسجد بأحكام، ج ٥ ص ٣٤٥، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

کے لوگ اس زمین کو اس تصرف پر خرچ نہیں کرتے تو وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے نیز یہاں جو زمین دی گئی ہے اس کے مالکان چونکہ ہندو ہیں اور سرکاری کاغذات میں اب تک یہ زمین انہی کے نام درج ہے کسٹوڈین کا محکمہ انہی کی حفاظت کے لیے قائم ہے اس لیے یہ نہ تو مسجد اور وقف علی المسجد ہو سکتی ہے حکومت پاکستان یا ہندوستان ان کے نائب ہو کر بھی وقف کرنے کے مختار نہیں اس لیے کہ وقف میں شرط یہ ہے کہ مالک کے نزدیک وقف کرنا عبادت ہو اور ہندو اصل مالک اس کو عبادت سمجھ ہی نہیں سکتا لہٰذا یہ تمام صورتیں مذکورہ صحیح نہ ہوں گی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ، مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

عیدگاہ کی آمدنی دوسری مسجد پر صرف کرنا

میرے دادا صاحب ہندوستان میں ایک شہر کی مسجد کے متولی تھے۔ اور عیدگاہ کے بھی متولی تھے۔ وہ پاکستان آ گئے ان کے پاس مسجد اور عیدگاہ کی رقم تھی۔ انتقال کرتے وقت وہ وصیت کر گئے کہ مسجد کی رقم اتنی ہے اور عیدگاہ کی رقم اتنی ہے۔ غالباً اب وہ مسجد اور عیدگاہ ختم ہو گئی ہے۔ اس میں ہندو بسے ہوئے ہیں۔ یا غیر آباد ہے۔ مشرقی پنجاب میں یہ جگہ تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو کسی دیگر مسجد میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد اور عیدگاہ کے روپے سے مسجد بنائی جائے یا کار خیر میں لگایا جائے یا نہ؟ ہندوستان میں ہم کیونکر اتنی رقم لے جا سکتے ہیں۔ تفصیل سے تحریر فرما دیں۔

جس مسجد اور عیدگاہ کا چندہ آپ کے والدہ کے ذمہ بقایا ہے۔ اگر اس مسجد اور عیدگاہ تک اس رقم کا بھیجنا ممکن ہو تو وہاں بھیجنا لازم ہے (۲)۔ اگر وہ مسجد اور عیدگاہ باقی نہیں یا رقم ان تک پہنچانا ممکن نہیں تو مسجد کا چندہ کسی

---

۱) (وأن يكون) قربة في ذاته معلوماً أي بأن يكون من حيث النظر الى ذاته وصورته قربة والمراد أن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربة حملاً على أنه قصد القربة لكنه يدخل فيه ما لو وقف الذمي على حج أو عمرة مع أنه لا يصح ولو أجرى الكلام على ظاهره لايدخل فيه وقف الذمي على فقراء لأنه لا قربة من الذمي، كتاب الوقف، مطلب قد ثبت بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، طبع ايچ ايم سعيد کراچی۔

۲) كذا في الرد المحتار: لا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، كتاب الوقف مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد کراچی۔

وكذا في البحر الرائق: ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه، أولاً وهو الفتوى، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، مكتبه رشيديه كوئته۔

اور مستحق مسجد پر اور عیدگاہ کا چندہ عیدگاہ پر صرف کرنا ضروری ہے [۱]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی آمدنی علاج پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا ان کے نام یہ اراضی ہوسکتی ہے جو کہ اب زندہ ہیں، کیا حسین بخش تمام زمین مسجد کے نام کرسکتا ہے جبکہ اس کے دو بھائی دیگر موجود ہیں کیا مسجد کی آمدنی دیگر جگہ صرف ہوسکتی ہے۔ کیا غریبوں کے علاج پر یہ رقم صرف ہوسکتی ہے۔

فقیر علی ولد محمد منشی سکنہ شیر سلطان تحصیل علی پور

﴿ج﴾

حسین بخش نے جبکہ اپنے اختیار سے اپنی جائیداد مسجد کے نام وقف کردی ہے اب اس جائیداد میں کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ جائیداد کا تمام حاصل مسجد ہی پر صرف ہوگا کسی ذاتی مفاد میں یا غریبوں کے علاج پر اس کا خرچ جائز نہیں اور اس کے بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہیں ملے گا بشرطیکہ یہ جائیداد اس کی اپنی رقم سے خریدی گئی ہو [۲] اور اگر باپ کے ترکہ میں سے قبل از تقسیم اس نے خریدی ہے یعنی اپنے حصہ میں سے نہیں بلکہ مشترکہ مال سے جائیداد خریدی ہے تو اس صورت میں بھائی اپنا حصہ لیں گے اور بھی اگر کوئی وارث ہو اس کو بھی پھر اس صورت میں حصہ ملے گا۔ صرف اسی کا حصہ اگر الگ کر چکا ہو اور بعد میں وقف کیا ہو تو وقف ہوگا۔ اور اگر الگ نہیں کیا تو اس کا حصہ بھی وارثوں کو ملے گا وقف صحیح نہیں [۳]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وفی الهندية: فان استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد الفصل الأول فى ما به يصير مسجد مسجداً، ج ۳ ص ٤٥٨، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا فى التاتارخانية: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فى أوقاف التى يستغنى عنها، ج ٥ ص ٨٧٧، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى۔

۲) وفى الدر المختار: فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١-٣٥٢، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
وكذا فى الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف، باب الأول مطلب فى تعريفه وركنه وسببه، ج ۲ ص ٣٥٠، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۳) وفى خلاصة الفتاوى: وقف المشاع لا يجوز عند محمدؒ وبه يفتى، كتاب الوقف جنس آخر فى وقف المشاع، ج ٤ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا فى البزازية: ولا يجوز فى قول محمد رحمه الله تعالى وبه أخذ مشايخنا وأفتوا به، كتاب الوقف، فصل فى وقف المشاع، ج ۳ ص ۳۰۲، طبع رشيديه كوئٹه۔

مسجد کا چندہ امام اور موذن اور شیرینی پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں (۱) مروجہ رسم عام مطابق ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو مساجد میں چندہ کیا جاتا ہے اور عام نمازیوں اور چندہ دہندگان کو یہ تصور دیا جاتا ہے کہ یہ چندہ مسجد کے لیے ہے مگر بعد ازاں کچھ پیش امام صاحب کچھ حافظ صاحب کی نذر کر دیا جاتا ہے کچھ شیرینی بھی لا کر تقسیم کی جاتی ہے بقایا رقم مسجد کے خزانہ میں جمع کرا دی جاتی ہے۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ سب کچھ شرعاً جائز ہے۔

(۲) آج کل عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ نماز جمعہ ظہر کے مقررہ وقت کے بعد پڑھائی جاتی ہے کیا ایسا کرنا درست ہے یا اس کے برعکس کیا جانا چاہیے۔ فقط والسلام

﴿ج﴾

(۱) اگر چندہ دہندگان کو اس بات کا علم ہے کہ اس چندہ کو مندرجہ بالا مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اگر یہ چندہ صرف مرمت مسجد کے لیے فراہم کیا جاتا ہو تو پھر ان رقومات کو مندرجہ بالا مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا[۱]۔

(۲) مقررہ وقت سے بعد میں پڑھنا سنت کے خلاف ہے اس کا ترک کرنا ضروری ہے[۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندر کی اینٹیں مسجد پر لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ پاکستان بننے پر جب ہندو جانے لگے انہوں نے کچھ اینٹیں اپنے

---

۱) وفی الرد المحتار: لو كان الوقف على معين فالعمارة فی ماله كما سيأتی بقدر ما يبقى الموقوف على صفة التی وقفه فإن خرب يبنى كذلك ولا تجوز الزيادة بلا رضاء، كتاب الوقف، مطلب عمارة الوقف على صفة التی وقفه، ج ٤ ص ٣٦٧، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وفی المجمع الأنهر، على الصفة التی وقفها الواقف، فلا يزيد على ذلك الا برضى ذلك المعين، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٩، مكتبه غفاريه كوئته۔

٢) وفی أبوداؤد: أنس بن مالك رضی الله عنه يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلی الجمعة اذا مالت الشمس، باب فی وقت الجمعة، ج ١ ص ١٦٣، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

مندر کے لیے خریدی تھیں۔ اس زمانہ میں طوعاً وکرہاً آ کر ہم مسلمان آباد ہوئے۔ اینٹیں ایک خانقاہ کی چاردیواری کے لیے تھیں۔ اب وہ چاردیواری اکھاڑ کر مسجد کے برآمدہ پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایک آدمی نے مسجد کی تعمیر کے لیے پانچ صدروپیہ صرف اسی شرط پر دیا ہے کہ اس رقم سے اینٹیں خرید کر اس مسجد پر صرف کی جائیں۔ کسی دوسری مد میں خرچ نہ کی جائیں۔ آیا مندر کی اینٹیں مسجد میں لگانا اور رقم واقف کی مرضی کے خلاف صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جبکہ اس شخص نے پانچ صدروپے سے اینٹیں خریدنے کی تصریح کردی ہے تو اب اس رقم سے اینٹیں خریدنا ضروری ہے۔ واقف کی مرضی کے بغیر کسی اور مد میں صرف کرنا درست نہیں (۱)۔

خانقاہ کی پوری کیفیت جب تک معلوم نہ ہو اس کی اینٹوں کے بارے میں کوئی فتویٰ دینا مشکل ہے۔ سوال میں تفصیل نہیں کہ اس کی اب کیا حیثیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی زائد آمدنی دوسری مسجد پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی آمدنی زیادہ ہے اور اس مسجد کو ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس مسجد کی رقم دوسری مسجد کی ضرورت پر خرچ ہوسکتی ہے یا کہ نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر مسجد کی سالانہ آمدنی سالانہ خرچ سے بہت ہی زیادہ ہے اور مسجد کو اس سے بالکلیہ استغناء ہے۔ تو اس زائد رقم کو دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔ اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ جو مسجد اس زیادہ آمدنی والی مسجد کے زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے۔ اسی طرح یہ

---

۱) وفي ردالمحتار: شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، طبع مكتبه رشيديه جديد۔
وأيضاً فيه بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، در المختار، مطلب غرض الواقفين واجبة يصلح مخصصاً، ج ٦ ص ٦٨٣، طبع مكتبه رشيديه جديد۔
وفي الأشباه والنظائر: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

ترتیب (۱)۔ کذا فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۸۲۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی رقم دکان پر لگانا

﴿س﴾

ایک امام مسجد صاحب جو کہ حافظ قرآن حکیم بھی ہے۔ مسجد فنڈ کا روپیہ ان کے پاس جمع ہے۔ حالانکہ مسجد ادھوری پڑی ہوئی ہے اور اس کی حالت سخت خراب ہے۔ لیکن امام مسجد صاحب دکاندار ہے۔ وہ مسجد فنڈ کا روپیہ اسی دکان میں چلا رہے ہیں۔ ان کو کئی مرتبہ اہالیان مسجد نے کہا کہ مسجد درست کراؤ۔ مگر وہ عرصہ اڑھائی سال سے پروا نہیں کرتے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد کے مال کو مسجد کی ضروریات پر صرف نہ کرنا اور اس سے تجارت کرنا جائز نہیں (۲)۔ شرعاً یہ شخص

---

۱) كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ۲ ص ۵۹۳، مكتبه دار العلوم كراچی۔ (عنوان سوال مصرف رقم فاضل از وقف متعلق مسجد) لما في الدر المختار: حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما، كذا، (الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط، والبئر) والحوض (الى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (اليه) ج ٤ ص ۳۵۹، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔

وكذا في التاتار خانية: وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أو قافه الى مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال نعم، ج ۵ ص ۸۷۷، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون، في أوقاف التي يستغني عنها الخ، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی۔ وكذا في لخنانية على هامش الهندية: (كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرةً، ج ۳ ص ۲۹۳، طبع بلوچستان بكڈپو، كوئٹه، وكذا في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ٤٢٢، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) كما في الهندية: ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوباً ورفع الى المساكين لا يجوز وعليه ضمان ما نقد من مال الوقف كذا في فتاوى قاضيخان، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ، ج ۲ ص ٤٦٤، طبع رشيديه كوئٹه۔

وكذافي الخانية: مسجد له غلة ذكر الواقف أن القيم يشترى بتلك الغلة جنازة لا يجوز للقيم أن يشترى ولو اشترى يكون ضامناً، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول، ج ۳ ص ۳۱۲، طبع بلوچستان بكڈپو كوئٹه۔ وكذا في التاتار خانيه: وعن علي بن أحمد يقول: اذا اجتمع من مصالح المسجد شيء فليس للقيم أن يشترى به داراً، كتاب الوقف، مسائل التي تعود الى قيم المسجد الخ، ج ۵ ص ۸۵۹، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

غاصب شمار ہوگا اور یہ شخص امامت کے لائق نہیں [1]۔ لہٰذا شخص مذکور کو چاہیے کہ مسجد کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات پر صرف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کی زمین بچے کے نام پر خریدنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زید ایک دینی درس گاہ بنانے کے لیے جمیع مسلمانان سے چندہ جمع کرتا ہے۔ اس درسگاہ کے لیے اراضی خریدتے وقت اراضی مذکورہ ادارہ کی بجائے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے خریدتا ہے۔ شرعاً اس کا یہ عمل جائز ہے یا کہ نہیں۔ نیز کسی ہم عقیدہ ایسے مسلمان کو جس نے درسگاہ کے لیے چندہ نہ دیا ہو اس کی وضاحت طلب کرسکتا ہے کہ نہیں۔

﴿ج﴾

دینی درسگاہ کے لیے جو چندہ کیا گیا ہے۔ اس چندہ سے دینی درسگاہ کے نام کے بجائے اپنے نابالغ لڑکے نام سے زمین خریدنا درست نہیں [2]۔ بلکہ یہ اراضی ادارہ کے نام سے خریدے اور ادارہ کے نام وقف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی الدر المختار مع رد المحتار: (ویکرہ) ...... (امامة عبد) ...... وفاسق، بل مشى فى شرح المنية على أن كراهية تقديمه كراهية تحريم، كتاب الصلوة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد، ج ۲ ص ۳۵۵ تا ۳۵۶، طبع رشيديه كوئٹه۔ وكذا فى الهندية: وتجوز امامة الأعرابى ...... والفاسق وكذا فى الخلاصة الا أنها تكره، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره، ج ۱ ص ۸۵، طبع علوم الإسلامية چمن۔

۲) كما فى در المختار مع الردالمحتار: (وعندهما هو حبسهما على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتهما على من أحب ...... وعليه الفتوى، (قوله على ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل الى ملك غيره ...... قوله (وعليه الفتوى) أى على قولهما يلزمه، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء، وهو هنم لم يجز، ج ٤ ص ۳۳۸ تا ۳۳۹، ايچ ايم سعيد كراچى۔

وكذا فى الهندية: وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فليزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف الخ الباب الأول فى تعريفه الخ، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع مكتبه علوم الاسلاميه چمن۔

ومثله فى بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ۳۱۳، طبع رشيديه كوئٹه۔

مسافر خانہ کو دکانوں میں تبدیل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حاجی غلام رسول نے ایک مسجد و ایک مسافر خانہ مسافروں کے آرام کے لیے بنا کر وقف کر دیا ہے۔ اس مسجد و مسافر خانے کی دو دکانیں اور انیس کمرے ہیں۔ جو دو دکانیں ہیں یہ مسجد کے آگے ہیں۔ انیس کمرے جو ہیں یہ مسافر خانہ ہے۔ اس مسافر خانے کے تین کمروں کے دروازے مسافر خانے کے اندر سے بھی ہیں۔ اور باہر سڑک کی طرف سے بھی ہیں۔ ان تین کمروں کو کاروبار کے لیے دکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسجد و مسافر خانے کو وقف کرنے والے نے اس وقت جائیداد کے لیے وصیت نامہ بھی لکھا کر رجسٹری کروا دیا ہے۔ جو کہ وصیت نامہ درخواست کے ساتھ لف ہے۔ برائے مہربانی اس وصیت نامہ کو پڑھ کر شریعت اسلام کا حکم صادر فرمائیں کہ ان تین کمروں میں دکان بنا کر کاروبار کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے۔ یعنی اس مسافر خانے میں مسافروں کی رہائش جائز ہے یا دکان جائز ہے۔ شریعت اسلامی کیا فرماتی ہے۔

سائلہ: حیات بی بی۔ مذہباً مسلمان ہے

﴿ج﴾

جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں[1]۔ بنابریں اگر یہ کمرے مسافر خانے کے لیے وقف ہیں تو مسافر خانے کے علاوہ کسی اور مقصد مثلاً دکان وغیرہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی الأشباہ والنظائر: شرط الواقف یجب اتباعہ لقولهم شرط الواقف کنص الشارع، أی فی وجوب العمل بہ، وفی المفهوم والدلالة، کتاب الوقف، ج ۲ ص ۱۰۶، طبع ادارۃ القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

وکذا فی الدر المختار: وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم لا دلیل علیه سواء کان نصه فی الوقف نصاً أو ظاهراً وهذا موافق لقول مشائخنا کغیرهم، شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه، کتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ٤ ص ٤٩٥، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

ومثله فی بحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

چندہ کی رقم سے آرائشی دروازے بنانا

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کسی بڑے سرکاری عہدہ دار یا علماء کبار کی تشریف آوری یا اسلامی مجالس کی تقریب میں راستے پر یا مکان میں یا اسلامی مدارس کے سامنے جو اونچے اونچے مزین باب (گیٹ) بنائے جاتے ہیں۔شرعی نقطہ نظر سے یہ درست ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول کئی اسلامی درسگاہ یا اسلامی جلسے کے خرچ کے لیے لوگوں سے محصول چندے کے پیسے یا چندے کے دیگر اموال سے یہ کام کرنا کیسا ہے۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ تمام شقوق کے واضح بیان سے ممنون فرماویں۔

(ج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واضح رہے کہ یہ مزین دروازے وغیرہ بنانا اور ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ ایک لایعنی کام ہے۔اس میں مال خرچ کرنا تضییع مال ہے اور اسراف وتبذیر میں داخل ہے۔وقال تعالی ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وقال ایضاً ولا تسرفوا [۱]۔الایۃ۔خاص طور پر مدارس کے محصول چندہ کی وقف رقم میں سے یہ لغو اور بے ہودہ قسم کے دروازے وغیرہ بنانا نہایت ہی قبیح فعل ہے۔آخر قوم نے ان خرافات پر خرچ کرنے کے لیے رقم دی ہے؟ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔اسی قسم کی فضول خرچی اور اسراف میں کثرت سے روشنی کرانا ہے جس کے متعلق مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح الرسوم ص ۱۲۷ پر فرماتے ہیں مساجد میں ہر روز یا ختم کے روز کثرت سے روشنی کرانا اس میں بہت سے مکروہات ہیں [۲]۔

(۱) اسراف کہ اس قدر تیل اور بتی مفت ضائع ہو جاتی ہے۔اگر یہی رقم مسجد کے کسی ضروری کام، ڈول، رسی، فرش، لوٹا وغیرہ پر صرف کی جاوے کس قدر مدد پہنچے اور اسراف کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔

---

۱) پارہ نمبر ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۷، وأیضاً پارہ نمبر ۸، سورۃ الأعراف، آیت نمبر ۳۱۔

۲) کما فی الهندية: سئل أبوبكر عمن أوصى بثلث المال لأعمال البر هل يجوز أن يسرج في المسجد؟ قال يجوز، قال ولا يجوز على سراج المسجد سواء كان في شهر رمضان أو غيره قال ولا يزين به المسجد كذا في المحيط، كتاب الوقف، الفصل الثاني الوقف على المسجد الخ، ج ۲ ص ۴۶۱، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

وكذا في تنقيح الحامدية: فوائد، مسائل شتى من الحظر والإباحة مطلب من البدع المنكرة، ايقاد القناديل الكثيرة، ج ۲ ص ۳۵۹، مکتبہ حقانیہ پشاور۔

(۲) اکثر روشنی کرنے والوں کی نیت ہی ناموری کی ہوتی ہے کہ فلاں مسجد میں ایسی روشنی ہوئی فلاں شخص نے ایسا اہتمام کیا۔ الخ۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فتاوی رشیدیہ ص ۱۴۷ (۱) پر ارشاد فرماتے ہیں۔ روشنی زائد از حد ضرورت داخل اسراف اور حرام ہے خواہ ختم قرآن میں ہو یا اور کسی مجلس میں اور ایسی جگہ جانا درست نہیں ہے۔ فقط۔ تو جب زائد از حاجت روشنی کا یہ حکم ہے تو آرائشی محرابین اور مزین دروازے وغیرہ خرافات کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کوئی شخص دروازے بنانے یا تزئین کے لیے رقم اپنی جیب سے دے دے۔ یا ارباب مدارس اسی غرض کے لیے وضاحت سے مقصد بیان کر کے چندہ کریں اور مدرسہ کے خزانہ سے اس پر رقم خرچ نہ کریں اور اس فعل میں مدرسہ کا کوئی فائدہ ملحوظ ہو تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ والجواب بعمومہ صحیح واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مشترکہ درخت سے مسجد کے شہتیر بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بستی مٹھوان اندر پہاڑ تمنا قیصرانی ڈاک خانہ وہوا تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کی عوام کی مملوکہ ومقبوضہ وغیر منقسمہ چراگاہ میں گھاس اور شجر تقریباً ڈیڑھ صد سال سے آج تک وقف عام کے طور پر تمام اہالیان دیہہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ اب اس چراگاہ کے تالاب میں ایک درخت پیدا ہوا ہے۔ جس سے اب تقریباً چار شہتیر بن سکتے ہیں۔ کیا اس درخت کی لکڑیوں کو ہم دیہہ کی مسجد کی تعمیر میں شرعاً استعمال کر سکتے ہیں۔

ہمارے خلف وسلف کے رواج کے مطابق تالاب اور تالابوں کا وہ حصہ جو کہ آبنوشی کے ذرائع ہیں نہ تو فروخت کر سکتے ہیں اور نہ وراثت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ان کا حصہ دار صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ تالاب یا تالابوں کی کھدوائی یا ان پر کسی بھی قسم کے کیے گئے خرچہ میں حصہ لیتا ہو۔

---

۱) فتاوی رشیدیه، ج ص ٤٤٦، طبع اداره اسلامیات لاهور۔

۲) کما فی حلبی الکبیر: محل الکراهیة التکلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً الخ ...... أما المتولی فلا یجوز أن یفعل من مال الوقف الا ما یرجع الی أحکام البناء حتی لو جعل البیاض فوق السواد النقاء ضمن کذا فی الخانیة، فصل فی أحکام المسجد، ج ص ٦١٦، سعیدی کتب خانه کوئته۔

﴿ج﴾

عرصہ دراز سے اس قسم کی چیزوں میں جیسے تصرفات اہل دیہہ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ ان کی اجازت اور بستی کے اکثر عوام کی اجازت سے اس لکڑی کو مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ البتہ اگر وقف اشیاء کا کوئی ضابطہ اور قواعد وہاں مقرر ہیں تو اس کے مطابق عمل کیا جاوے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی استعمال شدہ رقم کیسے واپس کرے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پندرہ ماہ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۶۶ھ میں ہندوستان وپاکستان کی تقسیم کا اعلان ہوا سب کو پتہ ہے جو کہ مسلمانوں کے ساتھ خون ریزی خانہ بربادی، لوٹ کسوٹ مساجد وغیرہ کے بھی رقومات وغیرہ لوٹ لی گئیں۔ یا رہ گئیں اور بعض بعض گاؤں شہروں میں مسجدوں وغیرہ کے روپیہ سے اسلحہ وغیرہ خریدا گیا یا لوگ کھا گئے۔ ان کے بارے میں آئندہ عندالشرع کیا حکم ہے ادا کریں تو کیسے کریں کہاں خرچ کریں جو لوگ مسجد کی دری پاکستان میں آ کر فروخت کر کے خود کھا گئے ان کے لیے کیا حکم ہے۔

(۲) بندہ قصبہ فتح آباد ضلع حسار ہندوستان میں رہائش پذیر تھا۔ جو کہ چند مسجدوں کی عیدگاہ وغیرہ کا متولی تھا۔ جس کے کل ۱۸۰۰ روپیہ مشترکہ جمع تھے جب ہندوستان سے پاکستان کو روانہ ہونے سے ایک دن پہلے قبل نماز جمعہ جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے رقم سنبھالی گئی اور اعلان کر دیا کہ میں ایک آدمی ہوں کوئی آدمی سنبھالے خبر نہیں کہ کیا ہوگا۔ تمام نمازیوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے علاوہ کوئی نہیں سنبھالتا۔ جس طرح ہوگا دیکھا جائے گا۔ جب بیکانیر کی حد پر آئے، گاڑی پر سوار ہونے کا آڈر ہوا اور لوگوں میں یہ مشورہ ہوا کہ سب رقم حکومت چھین لے گی۔ فقط ۵ روپیہ فی کس اور تن کے کپڑے دے کر سوار کر دیں گے میرے ساتھیوں نے کہا کہ آپ بڑے بڑے لوگوں کے کنبہ میں تقسیم کر بیں تو کر دیں۔ ناقل محمد امین نے خود ان کے کہنے پر بندہ نے جو کہ بڑے کنبہ دار آدمی تھے۔ کسی کو دو سو کسی کو چار سو روپیہ تقسیم کر دیے میں نے اپنے پاس کوئی پیسہ نہیں رکھا۔ اور یہ کہہ دیا تھا

---

۱) لما في الدر المختار شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، رشيديه جديد۔

وأيضاً فيه، على انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، در المختار مطلب غرض الواقفين واجبة بصلح مخصصاً، ج ٦ ص ٦٨٢، رشيديه جديد كوئته۔

وكذا في الأشباه: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔

کہ پاکستان میں جاکر سب رقوم مجھے دے دیں وہ رقومات جو کہ حکومت نے لوگوں سے سات روپیہ فی کس چندہ لیا۔ اس میں یا اپنے کھانے پینے میں خرچ کر لیا۔ مجھ کو کسی نے کوئی پیسہ نہیں دیا۔ اور نہ ہی میں نے مانگا۔ یہ خیال تھا کہ جس جگہ تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس جگہ لوگوں سے لے کر ایک مسجد بنالیں گے۔ لیکن بدقسمتی سے لوگ اپنی اپنی رائے کے مطابق مختلف ضلعوں شہروں گاؤں میں بس گئے ہیں۔ چار گھر ہیں دو گھر ہیں بیس گھر یا کم و بیش اب تک یہ امید رہی کہ شاید کوئی آ ڈر آ جائیں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ لیکن یہ بات نہ بنی اور نہ امید ہے اب بعض لوگ کہتے ہیں بلکہ رقم دینے والے کہتے ہیں کہ آپ وصول کر کے جہاں شرع کا حکم ہوا کثر یہ رقم چند اقوام کی مشترکہ ہیں اکثر شاید دسواں یا بارہواں یا بیسواں دیگر اقوام کا ہوگا زیادہ آرائیں قوم کا تھا۔ علماء سے زبانی دریافت کیا گیا کہ یہ روپیہ کہاں خرچ کیا جائے۔ کوئی کچھ کہتے ہیں کوئی کچھ تسلی بخش جواب نہ ملا۔ جو لوگ مختلف جگہوں میں آباد ہیں مثلاً ایک جگہ تو چھ گھر آباد ہیں ان کے پاس ۵۰ روپیہ ہے۔ بعض جگہ ۲۰-۱۵ گھر آباد ہیں۔ ان کی طرف تین سو چار سو رقم اب برائے مہربانی قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے جواب عنایت فرمادیں کہ یہ کس طرح وصول کر کے خرچ کیا جائے۔ اگر کوئی رقم نہ دے تو میں متولی کو عند اللہ کوئی گرفت تو نہیں۔ اور میں خود ان سے وصول کر کے خرچ کروں جس جگہ بیٹھے ہیں۔ وہیں خرچ کریں۔ بینوا توجروا...... السائل: حافظ اسلام الدین قوم آرائیں مہاجر مقام نمبرا جلہ آرائیں ڈاکخانہ و تحصیل لودھراں ضلع ملتان شہر۔

﴿ج﴾

(۱) جن لوگوں نے مسجد کی وقف شدہ رقوم خود کھالی ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اتنی رقوم کسی مسجد میں صرف کر دیں اور اگر اس مسجد میں یہ رقوم پہنچانی ممکن ہو جو ہندوستان میں رہ گئی اور وہ مسجد آباد ہو تو وہاں پر پہنچائی جائے۔

(۲) اس صورت میں بھی وہ رقم اگر ہو سکے تو اس ہندوستان والی مسجد میں پہنچانے کا انتظام کیا جاوے۔ جس کی یہ رقم تھی بشرطیکہ وہ مسجد آباد ہو۔ ورنہ پھر یہاں کسی مسجد میں صرف کر دی جاوے۔ اگر آپ جمع کر سکیں تو بہتر ہے ورنہ ان کو لکھ دیں کہ وہ از خود کسی مسجد میں صرف کرائیں۔ آپ پر کوئی ضمانت نہیں ہے[1]۔

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) (ولو خرب ماحوله واستغنى عنه لم ...... وعن الثاني ينقل الى مسجد آخر) در المختار، ج ٦ ص ٥٥٠، كتاب الوقف۔ وكذا في الهندية: "فان استغنى عنه هذا المسجد يحول الى مسجد آخر" كتاب الوقف الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول في ما به يصير مسجد مسجداً الخ، ج ٢ ص ٤٥٨، مكتبه علوم الإسلاميه چمن۔

وكذا في التاتار خانية: كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في أوقاف التي يستغنى عنها الخ، ج ٥ ص ٨٧٧، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية۔

مسجد کی بجلی کا امام صاحب کے لیے استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ:

(۱) مسجد کی بجلی امام مسجد کے گھر میں جو مسجد سے الگ ہے۔ استعمال ہوسکتی ہے جب کہ امام مسجد کی تنخواہ جو مقرر کی ہوئی ہے وہ گاؤں والے اس کو ادا کرتے ہیں۔

(۲) مسجد کا تیل یا ماچس وغیرہ امام مسجد اپنے گھر میں استعمال کرسکتا ہے۔

(۳) امام مسجد نے گاؤں میں دو پارٹیوں کی تشکیل دے دی ہے ایک اس کے خلاف ہے۔ اب اس کا مصلی پر ڈٹا رہنا جائز ہے۔

﴿ج﴾

(۲،۱) مسجد کی انتظامیہ کی اجازت سے درست ہے[۱]۔

(۳) اگر امام میں کوئی شرعی نقص ہے تو اس کے لیے امامت کرنا درست نہیں[۲]۔ اگر شرعی نقص نہیں تو امامت سے ہٹانا درست نہیں[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی الهندية واذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد أو الى مؤذن المسجد فليس له ذلك الا أن كان الواقف شرط ذلك فى الوقف، كتاب الوقف، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد الخ، ج ۲ ص ٤٦٣، طبع علوم اسلاميه، چمن۔ وكذا فى خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وأوقافه ومسائله، ج ٤ ص ٤٢٦، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا فى التاتارخانية: كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، نوع منه فى المسائل التى تعود الى قيم المسجد الخ، ج ٥ ص ٨٥٧ تا ٨٥٧، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچى۔

۲) كما فى الدر المختار مع ردالمحتار: ويكره أمامة عبد ...... وفاسق ...... بل مشى فى شرح المنية على أن كراهية تقديمه كراهية تحريم، كتاب الصلوة، مطلب فى تكرار الصلوة فى المسجد، ج ۲ ص ٢٥٥ تا ٣٥٥، رشيديه (جديد) كوئته۔ وكذا فى العالمكيرية: (كتاب الصلوة باب الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من تصلح امامة لغيره، ص ٨٥، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۳) كما فى الرد المحتار: استفيد من عدم صحته عزل الناظر بلا جنحته عدمها لصاحب وظيفة فى وقف بغير جنحة وعدم اهلية كتاب الوقف، مطلب لا يصح عزل صحب وظيفة الخ، ج ٤ ص ٣٨٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

وكذا فى بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٨٠، طبع رشيديه كوئته۔

صدقات کی رقوم مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا نلکا ہے اس سے محلہ والے پانی حاصل کرتے ہیں۔ بڑے سے لے کر چھوٹے سے چھوٹا بچہ پانی لینے کے لیے آتا ہے اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ کسی نے کچھ پہنا ہوا ہوتا ہے۔ رانوں تک خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور چھوٹے ننگے پاؤں ہوتے ہیں۔ اور مسجد میں پھرتے رہتے ہیں۔ یہ تو ایک ظاہر بات ہے کہ ان کے پاؤں پلید ہوتے ہیں کیونکہ گندی جگہ پھرتے ہیں تو ایسی صورت میں مسجد کا احترام باقی ہے یا ختم اور وہ جگہ پاک ہے یا ناپاک ہے۔ اور مسجد کے نلکے سے محلہ والے پانی لے سکتے ہیں یا نہ؟ اس مسئلہ کا مفصل حکم کیا ہے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اہل محلہ کو احسن طریقے سے سمجھایا جائے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس میں گندے پاؤں داخل نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی نہ کریں اور پلید نہ کریں[1]۔ نیز بچوں کے متعلق کہا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی سمجھائیں۔ اگر سمجھانے کے باوجود بھی باز نہ آئیں تو انہیں پانی لینے سے روکا جائے بشرطیکہ فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدقات کی رقوم مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

---

۱) كما في الدر المختار: والوضوء في ما أعد لذلك، وقال العلامة ابن عابدين: لأن ماء ه مستقذر طبعاً فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه من المخاط والبلغم، بدائع، ج ۲ ص ۵۲۵، مطلب في رفع الصوت بالذكر، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا في الأشباه والنظائر: ورفع الصوت بالذكر الا للمتفقه، (وفي شرحه) والتقدير ويمنع من رفع الصوت بالذكر في المسجد صادق بالمنع للتحريم والمنع للكراهية، القول في أحكام المسجد، ج ۳ ص ۱۹۱، ادارة القرآن كراچي۔

وأيضاً في الأشباه: وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث وفي شرحه ولذا قالوا ينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث المسجد، القول في احكام المسجد، ج ۳ ص ۱۸۵، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔

(۱) کیا مسجد کی تعمیر کے لیے جمع کیے ہوئے چندہ کو کسی اور رفاہی یا قومی کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ چندہ دہندگان بھی رضامند نہ ہوں۔ (ب) اور اگر چندہ دہندگان مسجد کے علاوہ دوسری جگہ روپیہ صرف کرنے پر رضامند ہو جائیں تو کیا جائز ہے یا نہیں۔ (۲) ایک ایسا مدرسہ جو کسی مسجد میں قائم ہے۔ صرف مقامی بچے ہی قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ معلم تنخواہ پر رکھا ہوا ہے، کیا اس قسم کے مدرسہ میں صدقہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھال کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔ یعنی معلم کی تنخواہ دینے میں چٹائیاں وغیرہ خریدنے میں۔ معلم کے طعام کا انتظام کرنے میں قرآن مجید اور سپارے وغیرہ خریدنے کے سلسلہ میں اس کے علاوہ مدرسہ کے سلسلہ میں تمام کاموں میں مدرسہ کے جلسہ وغیرہ پر (۳) کیا کوئی اسلامی مدرسہ جہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہو صدقہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے حاصل کردہ رقوم سے تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ (۴) ایک آدمی عرصہ سے برائی کا منصوبہ باندھتا رہتا ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد منصوبہ کے پورا ہونے سے پہلے وہ باز آ جاتا ہے۔ کیا اس پر گناہ واجب ہوا (ب) وہ منصوبہ کو کامیاب کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام ہو جاتا ہے۔ یا مجبور ہو کر اس سے باز آ جاتا ہے کیا اس پر گناہ واجب ہے؟

﴿ج﴾

(۱) جبکہ چندہ دہندگان مسجد کے لیے جمع شدہ چندہ کو دوسرے رفاہی وقومی کاموں میں صرف کرنے پر راضی نہ ہوں تو جائز نہیں [۱] البتہ چندہ دہندگان کی باہمی رضامندی سے صرف کرنا جائز ہے۔ (۲) زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں۔ تعمیرات ومسجد کی چٹائیاں یا معلم مدرس کی تنخواہ پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ ان صدقات واجبہ اور قربانی کی کھالوں سے حاصل رقوم کا تعمیرات پر لگانا جائز نہیں [۲]۔ (۴) برائی

---

۱) لما فی الدرالمحتار مع رد المحتار: وان اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليها أوقافاً لا يجوز له ذلك، (قوله لا يجوز ذلك) أی الصرف المذكور تنبيه قال الخير الرملی: أقول ومن الجهة ما اذا كان الوقف منزلين: أحدهما: للسكنى و الآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر وهی واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب فی انقاض المسجد الخ، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ايچ ايم سعيد۔ وكذا فی بحر الرائق: ولا يجوز لمتولی الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا فی البزازية: كتاب الوقف نوع فی الوقف المنقول، ج ٦ ص ٢٦١، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) كما فی الدر المختار مع الرد المحتار: ويشرط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا اباحةً كما مر (لا) يصرف (الى بناء) نحو (مسجد) ...... قوله (نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايا واصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ٣ ص ٣٤١ تا ٣٤٢، رشيديه جديد كوئته۔

وكذا فی الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف، رشيديه كوئته، ج ١ ص ١٨٨۔

کے منصوبہ سے اگر اپنے ارادے اور اختیار سے باز آجاتا ہے تو اسے ثواب ملے گا اور اگر نا کام ومجبور ہو کر وہ منصوبہ اس سے رہ جاتا ہے تو اسے برائی کے عزم بالجزم کرنے پر گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی رقم سے عیدگاہ کی رقم کاٹ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد قادریہ کو مسمی اللہ دتہ ایک جھوٹی دیتا ہے، اس کو نیلام کیا جاتا ہے۔ مسمی حاجی قطب الدین وکبیر الدین جو سگے بھائی ہیں خرید کر لیتے ہیں۔ جب رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عیدگاہ پر رقم خرچ کی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس میں مجری کر لی جاوے۔ اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جامع مسجد قادریہ کی رقم مجری ہو سکتی ہے یا یہ کہ ان سے وصولی کی جاوے۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جامع مسجد کی رقم کو عیدگاہ پر خرچ کی ہوئی رقم میں مجرئی کر لینا جائز نہیں [1]۔ لہٰذا جھوٹی کی رقم جامع مسجد کے لیے ادا کرنا مسمی حاجی قطب الدین وکبیر الدین پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا اجازت مسجد کا سائبان کرایہ پر دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا سائبان ہے مسجد کی کمیٹی نے سائبان کرایہ پر دینے سے بند کیا ہوا ہے۔ مسجد کے خزانچی اور اس کے والد صاحب اپنے آڑھتی کو بغیر کمیٹی کی منظوری کے سائبان دے دیتے ہیں اور جب واپس آتا ہے تو سائبان کو دیکھا جاتا ہے تو سائبان تیزاب سے جل کر اس میں کافی جگہ شگاف ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں شرعی فیصلہ فرما دیں۔

---

۱) کما فی الرد المحتار: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص هو حكم لا دليل عليه سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً وهذا موافق لقول مشائخنا كغيرهم شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ٤ ص ٤٩٥، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔
وكذا في الأشباه: كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية۔
ومثله في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع رشيديه كوئته

﴿ج﴾

جب کہ مسجد کی کمیٹی نے مسجد کے خزانچی کو سائبان کرایہ پر دینے سے روک دیا تھا اور خزانچی اور اس کے والد نے کمیٹی سے اجازت لیے بغیر سائبان اپنے آڑھتی کو دے دیا اور اسے نقصان پہنچایا تو اس نقصان کی تلافی یعنی ضمان خزانچی اور اس کے والد پر واجب ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کنویں کی اینٹوں کا مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے چک نمبر ۳۰ میں شروع آبادی میں زمینداران نے چندہ کرکے کنواں تیار کردیا تھا۔ کچھ عرصہ جاری رہا بعد میں عرصہ بیس سال سے برباد پڑا ہے۔ اب اس کی ضرورت نہ رہی باشندگان چک نے اپنے گھروں میں نلکہ جات وکنویں تیار کرلیے ہیں۔ اب اس کنویں کو دبایا گیا اور اس کی اینٹیں نکالی گئیں۔ اب وہ اینٹیں مسجد کے کام میں لگ سکتی ہیں یا نہ؟ جملہ حصہ داران مسجد میں اینٹیں لگانے پر رضامند ہیں۔ صرف ایک مربعہ کا مالک مرچکا ہے۔ اس کے یتیم بچے ہیں پہلے جب چندہ کرکے کنواں تیار کردیا تھا، اس وقت ۲۷ مربعہ جات کے مالک تھے۔ اب اکثر مالک مربعہ جات سابقہ مرچکے ہیں۔ ان کی اولاد سب بالغ ہیں۔ صرف ایک مربعہ کے مالک کے لڑکے نابالغ ہیں۔

﴿ج﴾

حصہ داران کنواں کی رضامندی سے یہ اینٹیں مسجد میں لگائی جاسکتی ہیں نابالغ کے حصے کی اینٹیں نابالغ کو دے دی جائیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) کما فی بحر الرائق: ویفتي بالضمان فی غصب عقار الوقف وغصب منافعه، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٩٦، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الهندیة: لو غصب من الواقف أو من والیها غاصب، فعلیه أن یردها الی الواقف فإن أبی وثبت غصبه عند القاضي احبسه حتی رد فإن کان دخل الوقف نقص غرم النقص، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف، ج ٢ ص ٤٤٧، بلوچستان بك ڈپو۔
وکذا فی التاتارخانیة: کتاب الوقف، الفصل العشرون فی المسائل التي تتعلق بدعوی، ج ٥ ص ٨٢٠ تا ٨٢١، ادارة القرآن۔

٢) کما فی الهندیة: وأما شرائطه فمنها العقل والبلوغ، فلا یصح الوقف من الصبي والمجنون کذا فی البدائع، الباب الأول فی تعریفه ورکنه وشرائطه، کتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٢، بلوچستان بك ڈپو۔
وکذا فی بحر الرائق: أهلیة الواقف للتبرع، من کونه حراً عاقلاً بالغا"، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٢، رشیدیه کوئٹه۔ وکذا فی البدائع الصنائع، کتاب الواقف، والصدقة فصل أما شرائط الجواز، ج ٦ ص ٢١٩، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وقف کی رقم کو حکومت کا غلط صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) نواب عظمت علی خان کرنالی نے جائیداد مسجد عظمت اور مدرسہ عظمتیہ کرنال مزار قلندر صاحب میران صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دار العلوم دیوبند و مسجد نبوی کے نام حصہ دار کے طور پر وقف کر دی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد وقف کا انتظام ایک باقاعدہ کمیٹی کی تحویل میں آ گیا۔ جامع مسجد عظمت اور مدرسہ عظمتیہ کرنال کا زائد روپیہ کواپریٹو بینک میں جمع ہوتا رہا حتیٰ کہ ملک تقسیم ہو گیا۔

(۲) ملک کی تقسیم کے وقت مسجد اور مدرسہ کی زائد رقم غالباً سنٹرل کواپریٹو بینک لاہور میں جمع تھی۔

(۳) اس طرح وقف کی کثیر رقم پاکستانی کواپریٹوں بنک کے قبضہ میں آ گئی۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں کرنال ہی نہیں بلکہ پورا ضلع مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ مسجد اور مدرسہ کی عمارت گوردوارہ میں تبدیل کر دی گئی۔

(۴) غالباً ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء میں ضلع کرنال کے ایک باہمت مسلمان نے پاکستان سے جا کر کرنال میں رہائش اختیار کی اور ساتھ ہی مسجد اور مدرسہ کو واگزار کرانے کی کوشش شروع کی۔ آخر ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء میں مذکورہ شخص کو مسجد اور مدرسہ کا قبضہ مل گیا علاقہ کے بعض مرتد مسلمانوں نے دوبارہ اسلام قبول کر کے اور کچھ مزدور پیشہ لوگوں نے دوسرے علاقوں سے آ کر کرنال میں سکونت اختیار کر لی۔ اب الحمد للہ مسجد اور مدرسہ دونوں وہاں آباد ہیں اور باقاعدہ پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے اور مدرسہ میں شہری اور بیرونی طلبہ تعلیم بھی پاتے ہیں۔

(۵) وقف کی جو رقم لاہور بنک میں جمع تھی کرنال موجودہ وقف کمیٹی نے جو قبضہ ملنے کے بعد تشکیل کی ہے، انڈین گورنمنٹ کی وساطت سے اور تقسیم سے قبل کی کرنال وقف کمیٹی کے پاکستان میں مقیم سابقہ ممبروں میں سے بعض ممبران نے پاکستان گورنمنٹ سے اپنے لیے جداگانہ طور پر اس رقم کے حصول کا مطالبہ کیا گورنمنٹ پاکستان نے تقسیم سے قبل کی منتظمہ کمیٹی کے خزانچی سے دریافت کیا کہ یہ رقم تمہاری رائے میں پاکستان میں کہاں خرچ ہونی چاہیے۔ کیونکہ حکومت پاکستان اس رقم کو انڈیا واپس کرنا نہیں چاہتی۔

(۶) جب شہر اور ضلع کرنال کے بعض لوگوں کو اس رقم کا علم ہوا تو تین مختلف شخصوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے حقدار ہم ہیں۔

(الف) زید نے اس بنا پر دعویٰ کیا کہ میں اس مدرسہ عظمتیہ کرنال میں مدرس تھا اور میں نے یہاں آ کر ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے۔ اس لیے میں اس کا حق دار ہوں۔

(ب) عمرو نے اس بنا پر دعویٰ کیا کہ چونکہ ہندوستان میں میرے والد وقف کمیٹی کے صدر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد پاکستان میں وقف کمیٹی کے مقیم ممبران میں سے بعض نے مجھے صدر بنالیا۔ اس لیے بحیثیت صدر وقف کمیٹی یہ رقم مجھے ملنی چاہیے۔ حالانکہ عمرو نے پاکستان میں واقف کی منشاء کے مطابق کوئی دینی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا۔

(ج) خالد نے اس بنا پر دعویٰ کیا کہ میں کرنال شہر کا باشندہ ہوں اور بوقت ضرورت جامع عظمت کرنال میں وعظ کہا کرتا تھا۔ نیز شہر کرنال اور ضلع کرنال کی اکثر آبادی منتقل ہوکر میرے ہمراہ آباد ہوئی ہے۔ اور میں نے شہر اور ضلع کرنال کی عظیم آبادی کی دینی ضرورت کے پیش نظر نومبر ۱۹۴۷ء میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ جس میں تقریباً تین سو طلبہ اور طالبات شہری اور بیرونی قرآن پاک حفظ و ناظرہ اور اردو دینیات اور عربی فارسی درس نظامی کی تعلیم پاتے ہیں۔

(۷) بالآخر سابقہ وقف کمیٹی کے خزانچی کی رائے اور خالد کے معقول دعویٰ کی بنا پر ڈیڑھ دو سال کی کوشش کے بعد مذکورہ وقف رقم خالد کے رجسٹرڈ ادارہ کے نام منتقل ہوگئی۔ لیکن خالد ناظم ادارہ کی رائے کے خلاف بینک آفیسران نے تقسیم سے قبل کی وقف انتظامیہ کمیٹی کے خزانچی کی رائے سے مذکورہ رقم بینک میں دو سال کے لیے فکس ڈیپازٹ یعنی سود پر جمع کرادی گئی۔

(۸) گزشتہ سے پیوستہ جامع مسجد عظمت اور مدرسہ عظمتیہ کرنال کو واگزار کروانے والے مخلص دوست خالد سے ملاقات کے لیے پاکستان پہنچے تو خالد نے اس رقم کا تذکرہ ان سے کیا تو انہوں نے بتلایا کہ ہم نے انڈین گورنمنٹ کے ذریعہ پاکستانی گورنمنٹ سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا ہوا ہے۔

(۹) ستمبر ۱۹۶۴ء میں بینک کی دو سالہ معیاد کے ختم ہونے سے پہلے کواپریٹو بینک کے افسر کی جانب سے خالد ناظم ادارہ کو تحریری اطلاع دی گئی کہ وقف کرنال کی اصل رقم کو برآمد نہ کریں کیونکہ اس رقم کی واپسی کا مطالبہ انڈین گورنمنٹ اور پاکستانی دعوے دار زید نے کیا ہوا ہے اور رقم مذکورہ کا جو دو سالہ سود بنتا ہے بینک سے وصول کر کے ادارہ میں خرچ کریں۔

(۱۰) اس سے دو ماہ قبل بھی کواپریٹو بنک افیسران کی جانب سے خالد ناظم ادارہ کو اسی قسم کا نوٹس برائے یاددہانی موصول ہوا جس کے جواب میں خالد نے افیسران مذکورہ کو ایک تحریری عرض داشت بھیج کر بینک سے درخواست کی ہے کہ وقف کی رقم جو میرے ادارے کو منتقل ہو چکی ہے وہ کسی ہندوستانی ادارہ یا پاکستان میں کسی دوسرے شخص یا ادارہ کو منتقل نہ کی جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ملک کی تقسیم کے وقت مسجد اور مدرسہ کا جو روپیہ لاہور بینک میں جمع تھا۔ حکومت پاکستان اسے اپنی

مرضی یا سابقہ وقف انتظامیہ کمیٹی کے ممبران کی رائے سے پاکستان میں روکنے اور خرچ کرنے کا شرعاً استحقاق رکھتی ہے یا نہیں؟ جبکہ تقریباً دس بارہ سال تک کرنال میں وقف کا مصرف ہی ختم ہو چکا ہو۔

(۲) بینک کے افیسران کا موقف یہ ہے کہ چونکہ ہندوستان ابتدائے تقسیم سے لے کر اب تک جائیداد منقولہ کے بین الملکی معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلم مہاجرین کی بہت سی رقوم ہضم کر چکا ہے۔ اس لیے ہم یہ رقم اور اسی طرح کی دوسری رقوم ہندوستان کو نہیں دیں گے۔

(۳) اگر یہ رقم حکومت ہندوستان کو دے دی جائے تو اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ رقم واقف کی منشاء کے مطابق خرچ کی جائے ہوسکتا ہے کہ کسٹوڈین رقم کو متروکہ قرار دے کر اسے اپنے مصرف میں لے آئے۔

(۴) اگر بالفرض حکومت ہندوستان پاکستان سے روپیہ لے کر موجودہ انتظامی وقف کمیٹی کرنال کی تحویل میں دے تب بھی وہاں اول قلیل غیر مؤثر مسلم اقلیت کے پاس اتنی کثیر رقم کا کوئی مصرف نہیں۔

(۵) اور اگر انتظامیہ کمیٹی خرچ کرنے کا کوئی راستہ نکال بھی لے تو وہاں کی موجودہ مسلم اقلیت کے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں اور نہ ہی اوقاف کی جبکہ ہولی دیوالی محرم اور عید قربان کے موقع پر شرپسندوں، ہندو غنڈے مسلم اکثریت کے علاقوں میں فساد برپا کر کے مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے ان کے اموال لوٹ کر بقیہ علاقوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کو سال بسال مشرقی اور مغربی پاکستان میں دھکیل دیتے ہیں۔

(۶) ان حالات میں حکومت پاکستان کا موجودہ موقف درست ہے یا نہیں اور کیا حکومت پاکستان اس رقم کو کسی مدرسہ کے نام منتقل کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر حکومت پاکستان کا موجودہ فعل شرعاً درست نہیں ہے اور محض تعصب کی بنا پر مذکورہ رقم کسی پاکستانی ادارہ کو منتقل کر دے تو اس ادارے کو اس رقم کے خرچ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ کرنال میں کسی نہ کسی درجہ میں اصل کا متبادل مصرف قائم کر دیا گیا ہے۔

(۷) ادارہ مذکورہ جس کے نام یہ رقم منتقل ہو چکی ہے مگر اسے اب تک خرچ کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ اجازت ملنے سے قبل یا اجازت کے بعد اس بات کا مکلف ہے کہ مذکورہ وقف رقم کو اپنے طور پر ہندوستانی وقف کمیٹی کو منتقل کرے۔ دراں حالیکہ ادارہ اس رقم کو قانونی طور پر کرنال نہیں بھیج سکتا۔ اور اگر کوئی غیر قانونی صورت اختیار کی جائے تو اس سے قانون کی گرفت میں آتے ہیں۔

(۸) وقف کا روپیہ دو قسم کا ہے۔ (۱) مسجد کا (۲) مدرسہ کا آیا اس کو صرف مدرسہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا مسجد کے روپیہ سے مدرسہ کے اندر ہی مسجد تعمیر کر لی جائے۔ یا دیگر مساجد کو امداد دے دی جائے۔

(۹) مدرسہ اور مسجد کی رقم کا جو سود بنتا ہے۔ اس کو بینک سے وصول کیا جائے یا نہیں بصورت وصولی اس کا

مصرف کیا ہوگا۔ کیا مسجد اور مدرسہ میں بیت الخلاء تعمیر کرائے جائیں۔

(۱۰) خالد جس کے ادارے کے نام یہ رقم منتقل ہو چکی ہے اگر اس کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ کرنال میں متبادل مصرف کی موجودگی میں اس رقم کو اپنے ادارہ پر خرچ کرے تو وہ اس شرعی قباحت سے بچنے کے لیے اگر وقف کی رقم وصول کرنے سے انکار کردے تو یہ عین ممکن ہے۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ حکومت اس رقم کو کسی اور رفاہی کام پر خرچ کردے گی۔

(۱۱) زید جس کا کوئی ادارہ واقف کی منشاء کے مطابق موجود نہیں ہے کیا وہ محض صدر ہونے کی بناء پر وقف کی رقم لے کر خرچ کرنے کا مجاز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پہلے بطور تمہید کے ذکر کردیا جاتا ہے کہ فقہاء کرام کا ضابطہ کلیہ ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع۔ اور فقہاء کرام نے تصریح کردی ہے کہ جب کسی مال وقف کے مقرر کردہ مصرف سے استغناء واقع ہو جائے۔ مثلاً مسجد یا حوض وغیرہ پر کچھ مال وقف تھا۔ اب اس مسجد میں نماز پڑھنے والے نہ رہے۔ بلکہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور اس حوض سے اب انتفاع نہیں لیا جارہا۔ اور نہ آئندہ دوبارہ آباد ہونے کی کوئی امید ہے تو ایسی صورت میں مسجد کے مال وقف کو کسی دوسری قریب کی مسجد پر صرف کردیا جائے اور حوض کے مال کو حوض۔ اور حوض کے مال کو مسجد پر اور مسجد کے مال کو حوض پر خرچ نہ کیا جائے۔ **قال فی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ج۳ص۴۰۷ (و) كذا (الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الى اقرب مسجد اورباط اوبئر) او حوض (اليه) تفريع على قولهما درر** [۱]۔ اس تقریر تمہید سے آپ کے سوالات کے جوابات بخوبی واضح ہوتے ہیں۔

(۱) رقم مذکور چونکہ ابھی تک صرف نہیں ہوئی ہیں اور اس رقم کا اصلی موقوف علیہ مسجد اور مدرسہ دونوں دوبارہ آباد ہوگئے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو یہ حق حاصل ہرگز نہیں ہے کہ شرط واقف کے خلاف اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں لائے [۲]۔

---

۱) كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٩، ايچ ايم سعيد كمپني۔

۲) كما في الدر المختار: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص هو حكم لا دليل عليه سواء كان نصه فيه الوقف نصاً أو ظاهراً وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ٤ ص ٤٩٥، ايچ ايم سعيد كمپني۔
وكذا في الأشباه والنظائر: كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦۔ ايچ ايم سعيد كمپني۔
ومثله في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع رشيديه كوئته۔

(۲) ان کا یہ موقف صحیح نہیں ہے۔ حکومت ہند کے مسلم مہاجرین کی رقوم ہضم کرنے سے حکومت پاکستان کے لیے یہ جواز ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا کہ وہ حق اللہ پر قبضہ کرلے[1]۔

بلا وجہ مسجد کی رقم دوسری مسجد پر صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کے نام پر چندہ کیا گیا۔ اب دوسری مسجد میں لگانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس مسجد کے نام پر اکٹھا کیا گیا وہ خود محتاج ہے۔ یعنی زیر تعمیر ہے کیا وہ رقم دوسری مسجد پر لگ سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جس مسجد کے نام چندہ جمع کیا گیا ہے اس رقم کو اسی مسجد پر خرچ کرنا لازم ہے دوسری مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں سخت گناہ ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی زائد رقم کو دوسری مسجد میں صرف کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ چند فوجیوں نے یونٹ کی مسجد کے لیے چندہ کیا۔ گورنمنٹ نے اس یونٹ کا بمع فوجیوں کے تبادلہ کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ اب چھاؤنی میں کوئی نئی مسجد تعمیر نہ ہوگی۔ اس چندہ سے خرید شدہ سامان اس چھوڑی ہوئی مسجد کے لیے قابل استعمال ہے یا کسی دوسری مسجد میں اس سامان کو لگایا جاسکتا ہے۔ اس خرید شدہ سامان کو ہم بیچ کر ان پیسوں سے مسجد کے لیے دوسری اشیاء خرید کر سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) جس مسجد کے لیے چندہ ہوا تھا اگر اس مسجد کی تعمیر ہو یا مرمت تھوڑی ہو تو اس سامان کو اس

---

۱) کما فی تنویر الأبصار: فإذا تم ولزم، لا یملك ولا یعار ولا یرهن، در المختار، کتاب الوقف، ص ۳۵۱ تا ۳۵۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔
وکذا فی فتح القدیر: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۳۲ تا ۴۳۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) کما فی الفقه الإسلامی وأدلته: ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر، کتاب الوقف الفصل الثامن استبدال الوقف وبیعه فی حالة الخراب، ج ۱۰، ص ۷۶۷۳، طبع دار الفکر بیروت۔
وکذا فی الرد المحتار: لا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر، کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ۴ ص ۳۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

مسجد پر صرف کرنا لازم ہے۔ البتہ اگر اس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور اس سامان کو اس مسجد میں استعمال کرانے کی بالکل حاجت نہیں تو قریب والی مسجد میں (جبکہ دوسری مسجد کو ضرورت ہو) استعمال کرنا درست ہے[1]۔

(۲) یہ صورت اختیار کرنے میں تردد ہے۔ اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ہندوؤں کے متروکہ سامان مسجد میں استعمال کرنا

﴿س﴾
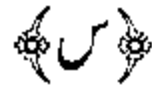
مندرجہ ذیل سوالات کا شرعی جواب عطا فرمادیں۔

(۱) یہاں کچھ رقم عیدگاہ کی تعمیر کے لیے جمع کی گئی تھی۔ لیکن اب عیدگاہ کی تعمیر کا ارادہ نہیں رہا۔ کیا یہ رقم مسجد میں یا مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے تو کس طریق پر؟

(۲) یہ قصبہ ہندوؤں کا تھا۔ انہوں نے قصبہ کے پھاٹک بنائے ہوئے تھے۔ ان کی ضرورت نہیں رہی۔ ان کے کواڑ اکثر لوگ اتار کر لے گئے ہیں، ایک پھاٹک کے کواڑ محفوظ ہیں۔ عوام چاہتے ہیں کہ انہیں مسجد میں صرف کرلیا جائے۔ کیا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) صورت مسئولہ میں اعلان کردیا جائے کہ عیدگاہ بنانے کا ارادہ ملتوی ہو چکا ہے جو شخص چندہ واپس لینا چاہے واپس لے لے اور جس کا ارادہ واپس لینے کا نہ ہو تو ہمیں اجازت دے تاکہ اس رقم کو مسجد یا مدرسہ میں خرچ کردیا جائے۔ اس امر کی پوری تشہیر کے بعد جو لوگ واپس لے لیں۔ انہیں چندہ واپس کردیا جائے اور جو

---

۱) فی ردالمحتار: لما قال العلامة الحصکفیؒ وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر بإذن القاضی …… حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف فی وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی أقرب مسجد أو رباط اوحوض، کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٩، کذا الفتاوی التاتارخانیة: وقال العلامة عالم بن العلاء الأنصاریؒ وسئل شمس الأئمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی أن یصرف أوقافه الی مسجد آخر؟ قال نعم، کتاب الوقف الفصل الرابع والعشرون فی أوقاف التی یستغنی عنه الخ، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی، ج ٥ ص ٨٧٧۔

اجازت دیں تو اس کو ان کی اجازت کے ساتھ مسجد یا مدرسہ پر خرچ کر دیا جائے[1]۔

(۲) ہندوؤں کے متروکہ کواٹر ذمہ دار حکام اور افسران حکومت کی اجازت سے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے بغیر اجازت جائز نہیں[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی آمدنی سے دعوتیں کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ متولی مسجد حافظ کے ختم قرآن پر ماہ رمضان میں مسجد کے مکانات کے کرایہ سے دیگیں پکا کر لوگوں کی دعوت کرے۔ اور دیگر اشیاء بھی مثلاً دستاریں سرمہ وغیرہ۔ مسجد کے مال سے لوگوں کے لیے کھانا اور استعمال کرنا حرام ہے یا ٹھیک ہے۔ اور متولی کے لیے اب کیا حکم ہے۔ بالتفصیل بیان کریں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مسجد کی آمدنی مصالح مسجد ہی پر صرف ہو سکتی ہے۔ مال وقف کا شرائط وقف کے خلاف استعمال متولی کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ نیز لوگوں کو بھی اس کا کھانا وغیرہ ٹھیک نہیں، **قال الشامی شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع. الخ** ۔ ج ۳ ص ۳۹۵[3]۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۳ شوال ۱۳۷۱ھ

---

۱) فی رد المحتار: ونقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج اليه لتفرق الناس عنه هل للقاضی أن يصرف أوقافه الی مسجد أو حوض آخر؟ قال نعم، كتاب الوقف مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٩، ايچ ايم سعيد۔
كما فی رد المحتار: ولا سيما فی زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض اذ لم ينقل، يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم ...... ولا ينتفع المارة به وله أوقاف عامرة ويحصل ذلك بالثانی، كتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ٣٦٠ سعيد۔

۲) الفتاوى الهندية: (ومنها) الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم من مالكها ورفع الثمن اليه أو صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، كما فی البحر الرائق: من شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضها فوقفها ...... لا تكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مكتبه ماجدية كوئته۔

۳) كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف الخ، ج ٤ ص ٤٩٥، ايچ ايم سعيد كراچی۔
مثله فی بحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، رشيديه كوئته۔
فی الأشباه والنظائر، شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أی فی وجوب العمل به وفی المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ۲ ص ١٠٦، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

وقف کی حیثیت تبدیل کرنا

﴿س﴾

علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید مرتے وقت اپنے بالغ اور نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو وصیت کرتا ہے کہ میری زمین کا فلاں حصہ جو ثلث سے کم ہے فلاں خانقاہ کو دیا جائے تاکہ اس کی آمدنی وہاں کے غربا اور مساکین پر صرف ہو ان خانقاہوں میں اکثر سونے والوں کا اپنی حیات میں یہ دستور تھا کہ خیرات اور صدقات میں سے جو چیز بھی ان کی خدمت میں آتی تھی وہ اسے وہاں کے درویشوں اور غریبوں اور مسکینوں پر صحیح معنوں میں صرف فرمادیتے لیکن خانقاہوں کے موجودہ سرپرست اس غربا نوازی کی رسم کو زندہ کرنے کے بجائے اپنی من پرستی کی طرف متوجہ ہیں اور اس قسم کی مال اندوزی سے وہ کسی والی ریاست سے کم حیثیت کے مالک نہیں زید کی خواہش یہ تھی کہ اس زمین کی آمدنی مستحق فقراء پر صرف ہو مگر زید اپنی دور باشی اور بے علمی کی وجہ سے ان سرپرستوں کی حقیقت سے ناواقف تھا گویا زید اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایک غیر مشروع وصیت کر بیٹھا۔ مسئولہ مسئلہ کی چند صورتیں (۱) وہ زمین اس غیر مشروع عمل میں جہاں دینی اور دنیاوی کوئی مفاد نہیں دی جائے یا نہ؟ (۲) وہ زمین کسی دیانت دار اور معتبر آدمی کی سرپرستی میں اسی شہر کے غرباء اور مساکین پر صرف کی جائے تو جائز ہے یا نہ؟ (۳) مذکورہ زمین کسی دینی مدرسہ میں دی جائے تو درست ہے یا نہ (۴) پس ماندہ، یتیموں، پر صرف کی جائے تو مشروع ہے یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

وقف میں اگر کسی مصرف کی تعیین واقف کی جانب سے ہو تو اس کا اعتبار ضرور کیا جائے گا۔ جب یہاں واقف نے یہ الفاظ استعمال کیے (تاکہ اس کی آمدنی وہاں کے غرباء ومساکین پر صرف ہو) تو اب وہاں ہی کے فقراء ومساکین پر صرف ہوگا دوسرے کسی فقراء پر صرف کرنا صحیح نہ ہوگا۔ شامی کتاب الوقف ص ۴۸۴ میں ہے۔ **لو قال علی فقراء جیرانی فھی عندہ للفقیر الملاصقة دارہ لدارہ الساکن ھو فیھا لتخصیصہ الجار بالملاصق فیما لو أوصی لجیرانہ بثلث مالہ والوقف مثلھا** [1]۔ الخ۔ اس لیے اس مصرف مخصوص کے سوا دوسرے مصرف پر صرف کرنا تو جائز نہ ہوگا البتہ اگر خود واقف زندہ ہوتا تو وہ مصلحت کے تحت بعض شروط وقف میں تبدل کر سکتا لیکن واقف کے بعد کوئی تبدل نہیں ہو سکتا لیکن متولی وقف جب خائن ہے اور

---

۱) فی الفتاوی الشامی: کتاب الوقف قولہ اوبعن جاورہ، ج ۳ ص ۴۸۴، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

وقف کی آمدنی کو صحیح مصرف پر صرف نہیں کرتا تو اس کا معزول کرنا واجب اور لازم ہے اس کی جگہ کوئی دیانتدار و امین شخص کو مقرر کیا جائے تا کہ اس وقف کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کرتا رہے۔ درمختار میں ہے وینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ اولی الی ان قال وان شرط عدم نزعه او ان لاینزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرع فیبطل [1]۔ یعنی متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ضرور واجباً معزول کیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہی متولی کیوں نہ ہو اور اگرچہ اس نے وقف نامہ میں یہ شرط ہی تحریر کر دی ہو کہ مجھے کوئی قاضی یا بادشاہ معزول نہ کرے گا تب بھی معزول کر لیا جاوے۔ تو جب متولی واقف کے علاوہ ہو وہاں تو بطریق اولیٰ معزول کیا جاوے گا شامی لکھتے ہیں۔ وینزع وجوباً مقتضه اثم القاضی بترکه [2] یعنی قاضی اگر معزول نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا اب مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس صورت سے ممکن ہو ایسے خائن متولی کو ضرور معزول کریں ورنہ باوجود استطاعت کے معزول نہ کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

چندہ کی رقم مسجد کی آرائش پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مسجد کے محراب میں چندہ کے پیسوں سے شیشے کی ٹکڑیاں اور پھول وغیرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) نماز جنازہ میں کندھے ملانا صحیح ہے یا جدا رکھنا۔

(۳) کیا ایک آدمی اکیلا اپنی طرف سے مسجد میں محراب کے آرائشی شیشے وغیرہ لگوا سکتا ہے۔

---

۱) فی در المختار: کتاب الوقف، ج٤ ص ٣٨٢، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی، فتاوی شامی (قوله غیر مأمون الخ) قال فی الاسعاف ولا یولی الا أمین قادر بنفسه أو بنائبه، (ان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصد (مطلب فی شروط المتولی کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٨٠، ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) تنویر الابصار مع ردالمحتار کتاب الوقف ج ٤، ص ٣٨٠، ایچ ایم سعید، کراچی

فی البحر الرائق: وصرح فی البزازیة ان عزل القاضی للخائن واجب علیه، ومقتضاه الاثم بترکه والاثم بتولیة الخائن ولا شك فیه، کتاب الوقف فی نصب المتولی وما یملکه أولا، ج ٦ ص ٢٥٣، رشیدیه۔

فی رد المحتار: وفی الجواهر القیم اذا لم یراع الوقف یعزله القاضی، کتاب الوقف، مطلب فی ما یعزل به الناظر، ج ٤ ص ٣٨٩، سعید، فی البحر الرائق: فاستفید منه انه اذا تصرف بما لا یجوز کان خائناً یستحق العزل ولیقس ما لم یقل، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٩٢، رشیدیه۔

(۴) درس کے اوپر والی سطح پر شیشہ لگ چکا ہے۔ اندر بقایا ہے اب وہاں تمام شیشہ لگا دیں یا ویسے رنگ وغیرہ یا چپس کر دیں۔

﴿ج﴾

(۱) مسجد کی دیواروں اور فرش میں رنگ برنگ کے نقش اور بیل بوٹے نکالنا جو نماز میں خیال کو منتشر کرتے ہوں مکروہ ہے اور بالخصوص محراب میں اور قبلہ کی دیوار میں زیادہ مکروہ ہے۔ البتہ اگر لکڑی یا گچھ اور چونے وغیرہ کے ایسے نقش بنائے جائیں جو نماز میں مخل نہ ہوں تو مضائقہ نہیں۔ یاد رہے کہ مسجد کی صفائی سنت ہے۔ لیکن صفائی اور دیواروں وغیرہ کی مضبوطی کے لیے کام اور چیز ہے۔ اور تزئین وگل کاری اور شے ہے، بے حد زینت اور گل کاریاں مکروہ ہیں۔ یہ سب چونے اور گچ وغیرہ کے بیل بوٹے بنوانا بھی اس وقت درست ہے کہ بنوانے والا ان کو اپنے حلال مال سے بنوا رہا ہو لیکن اگر وقف یا چندہ سے بنائی جاتی ہے تو جب تک وقف کرنے والا یا چندہ دینے والا اس کی اجازت نہ دے اس وقت تک ہرگز جائز نہیں۔ اگر متولی مسجد نے بلا اجازت چندہ دہندگان بلا ضرورت نقش ونگاری میں چندہ خرچ کیا تو وہ ذمہ دار ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ (**ولا باس بنقشه خلامحرابه) فانه يكره لانه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة قاله الحلبي وفي حظر المجتبى وقيل يكره في المحراب دون السقف والموخر انتهى و ظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ (بجص و ماء ذهب) لو (بماله) الحلال (لامن مال الوقف) فانه حرام (وضمن متوليه لوفعل) النقش او البياض** ۔الخ۔ (**الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار ج ۱ ص ۴۸۷**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم[۱]۔

نماز جنازہ میں صفوں کا سیدھا رکھنا اور قریب قریب کھڑے ہونا ضروری ہے صفوں کے درمیان کافی فاصلہ چھوڑنا لازم نہیں۔

---

۱) الدر المختار على صدر رد المحتار: كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره لأن البأس الشدة، ج ۱ .ص ۶۵۸، ایچ ایم سعید کراچی۔

وفي الهداية: ولا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب وقوله لا بأس يشير الى أنه لا يوجر عليه لكنه لا يأثم به وقيل هو قربة وهذا اذا فعل مال نفسه أما المتولى يفعل من مال الوقف ما يرجع الى أحكام البناء دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۱۴۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

كما في الهندية: أما المتولى يفعل من مال الوقف ما يرجع الى أحكام البناء دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن، كتاب الصلوة باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۱۰۹، رشیدیہ۔

اسکول پڑھنے والوں کے لیے مدرسہ کا کھانا کھانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مثلاً ایک دیہاتی مولوی کے دولڑکے سکول پڑھتے ہیں۔اور ساتھ ساتھ قرآن مجید بھی حفظ کرتے ہیں۔اب وہ مولوی صاحب اپنے لڑکوں کو شہر ہائی سکول میں بھیجنا چاہتا ہے۔اس ہائی سکول کے ساتھ متصل دینی درسگاہ بھی ہے۔اس مولوی صاحب کا خیال ہے کہ اس دینی درسگاہ میں قرآن مجید بھی حفظ کرتے رہیں گے۔دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس مولوی صاحب کے لڑکے دینی درسگاہ کے بیت المال سے کھانا کھا سکتے ہیں۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

مدرسہ کی انتظامیہ اگر ان کا داخلہ منظور کرے اور لڑکے مدرسہ میں قرآن مجید حفظ کریں تو مدرسہ سے کھانا لینا جائز ہے[1]۔الغرض مدرسہ کی انتظامیہ داخلہ اور کھانا جاری کر سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم،ملتان۔۲۰شوال ۱۳۹۷ھ

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک آدمی نے مدرسہ قائم کیا۔کچھ رقم اپنی طرف سے اور کچھ چندہ کرکے مدرسہ ۵،۶ سال تک چلایا آخرکار اپنی رقم ختم ہونے اور چندہ نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ بند ہوگیا۔اور مدرسہ کا کچا مکان کرایہ پر دیا۔جس کا کرایہ مہتمم صاحب وصول کرتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔اب جب حساب کیا تو اڑھائی ہزار روپے مہتمم صاحب کے ذمہ جمع ہوگئے ہیں اور وہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو کیا اسی مکان میں دوبارہ مدرسہ قائم کریں یا کسی اور مدرسہ کو دے دیں۔

---

۱) وقف وقفاً صحيحاً على ساكن مدرسة كذا من طلبة العلم فسكن بها انسان لكن لا يبيت فيها ويشتغل بالحراسة ليلاً لا يحرم عن ذلك ان كان يأول الى بيت من بيوته وله آلة السكن لأنه يعد ساكن هذا الموضع، الهندية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات، ج ۲ ص ٤٨٢، مكتبه رشيديه كوئته۔

(۲) ایک آدمی نے زید کو قرآن مجید دیا کہ آپ اس میں تلاوت کریں۔ اور لینے والے کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کس رقم سے ہدیہ دیا گیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ رقم کسی سے دھوکہ پر وصول کی تھی۔ اب جس کے پاس قرآن ہے۔ وہ اس میں تلاوت کرے یا اس کو واپس کرے یا کسی مسجد میں رکھے۔

﴿ج﴾

(۱) مذکورہ مدرسہ کے قریب دوسرے مدرسہ دینیہ (جس کو رقم کی ضرورت ہو) میں اس رقم کو خرچ کرنا درست ہے[۱]۔ (۲) اس قرآن پاک میں تلاوت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔ ۶/۱/۱۳۹۹ھ

مدرس کے مہمان کو مدرسہ کا کھانا کھلانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک دینی ادارے یعنی ایک مدرسہ اسلامیہ عربیہ کا کوئی مدرس بیمار ہو گیا اب اس کی عیادت کے لیے جو مہمان آئیں۔ ان کے بارے میں اس مدرسے کی مجلس عاملہ نے یہ اجازت دے دی کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام مدرسے کی رقم سے کیا جائے، تو کیا شرعاً اس ادارے کے فنڈ سے اس مدرس کی عیادت کے لیے آنے والے مہمانوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں جو مہمان محض ذاتی تعلق و دوستی کی بنا پر اس مدرس کی عیادت کے لیے آئیں جیسے رشتہ دار وغیرہ ان کی مہمان نوازی پر مدرسے کی رقم سے خرچ کرنا درست نہیں ہوگا[۲]، اور وہ مہمان جو مدرسہ سے تعلق

---

۱) فی الدر المختار: وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر بإذن القاضی ...... حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء وعنهما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بها فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی أقرب المسجدأو رباط أو بئر أو حوض، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٩

فی التاتار خانیة: وسئل شمس الأئمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی أن یصرف أوقافه الی مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال نعم، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها، ج ٥ ص ٨٧٧، ادارة القرآن کراچی۔

وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها الخ، ج ٢ ص ٤٧٤، رشیدیه۔

وکذا فی رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٩ سعید۔

۲) ومن الجهة ما اذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر وهی واقعة الفتوی، کتاب الوقف، مطلب فی انقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ایچ ایم سعید۔

رکھنے والے ہوں کہ وہ مدرسہ کی جانی مالی امداد کرتے ہیں، صرف اس تعلق کی بنا پر اس مدرس کی عیادت کے لیے آتے ہوں کہ یہ مدرس بھی مدرسہ کا خادم ہے۔ تو ایسے مہمانوں پر مدرسہ کی رقم سے مجلس عاملہ کی اجازت سے خرچ کرنا جائز ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
الجواب صحیح عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ خیر المدارس، ملتان

مدرسہ کی جائیداد کی طرح تقسیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک مدرسہ عربیہ علویہ ہے۔ جس کے بانی پیر عبد اللہ شاہ صاحب مرحوم تھے۔ وہ بقضائے الٰہی فوت ہو گئے تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ دونوں عالم و فاضل ہیں۔ والد صاحب مرحوم کے فوت ہونے کے بعد چند سال مدرسہ مذکورہ کو دونوں بھائیوں نے مل کر مشترکہ طور پر چلایا۔ اس کے بعد ایک بھائی نے اس مدرسہ کو جو کہ شاخ تھا، مستقل اور علیحدہ کر دیا اور آپ خود متولی بن گیا۔ اب یہ مدرسہ عربیہ علویہ اصل میں پہلا تھا۔ اس کی جائیداد آمدنی منقولہ و غیرہ منقولہ سے نصف و نصف لے کر اپنی شاخ والے مدرسہ میں خرچ کرتا ہے کیا یہ از روئے شرع شریف تقسیم کرنا اور حصہ نصف لینا منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا جائز ہے یا نہ؟

(۲) اس اول مدرسہ میں ایک جامع مسجد ہے۔ اس کے نام غیر منقولہ جائیداد ہے اور سپیکر و شامیانہ و کتابیں و سامان بجلی فٹنگ اس مسجد کی خریدیں تھیں۔ کیا وہ دوسرے مدرسہ والا بھائی اس سامان مذکورہ مسجد والے سے اور غیر منقولہ جائیداد سے نصف حصہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اس مدرسہ عربیہ علویہ کی جامع مسجد میں ان کے والد صاحب مرحوم اپنی زندگی میں چند سال پہلے اپنے بڑے بیٹے کو امامت مسجد و جمعہ و عیدین کی سپرد کر گئے تھے اور چھوٹے بیٹے کو دوسری مسجد کی امامت جمعہ سپرد

---

۱) لما في الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع اى في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ج ٦ ص ٦٦٤، رشيديه جديد كوئته۔
وأيضاً فيه: على انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، كتاب الوقف مطلب غرض الواقفين واجبة يصح مخصصاً، ج ٦ ص ٦٨٣، رشيديه جديد، كوئته۔
وكذا في الأشباه: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أى في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی۔

کر گئے تھے کیا وہ چھوٹا بیٹا جامع مسجد کی امامت کا حق دار بن سکتا ہے۔ جو والد صاحب مرحوم کی بڑے بیٹے کو سپرد شدہ ہے۔ کیونکہ چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ میں اپنے والد صاحب کی اولاد ہوں۔

(۴) دونوں بھائیوں نے اکٹھے ہونے کے وقت ایک اور مدرسہ سابق کی آمدنی سے قرضہ لے کر زمین اپنے نام کر دی کہ جب تک قرضہ ادا نہ ہوگا آمدنی زمین مدرسہ کو دیتے رہیں۔ اس کے بعد چھوٹا بھائی نہ قرضہ ادا کرتا ہے اور نہ آمدنی دیتا ہے۔ بلکہ نصف آمدنی وصول کرتا ہے اور دوسرے اپنی شاخ والے مدرسہ کو دیتا ہے۔ اور بڑے بھائی نے مدرسہ کو اپنی رقم سے اپنے حصہ کا قرضہ ادا کر دیا ہے۔ اور اس زمین کو اپنا ملک بنا دیا ہے کیا یہ اپنا ملک بنا سکتا ہے یا نہ؟ اور چھوٹا بھائی اس زمین کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کرتا ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

(۵) اور بعد میں جو زمین عیدگاہ کے لیے خریدی گئی تھی وہ مشترکہ عوام کے چندہ سے ہوئی وہ عیدگاہ دونوں بھائیوں کے نام انتقال ہو کر بڑا بھائی اس عیدگاہ کا امام رہتا ہے۔ اب چھوٹا بھائی امامت کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

(۱) سابقہ مدرسہ کی آمدنی سے جدید مدرسہ کے لیے نصف آمدنی لینا جائز نہیں [1]۔ جب تک وہ مدرسہ موجود ہے۔ اس کی آمدنی صرف اسی پر خرچ ہوگی۔ اگر جدید مدرسہ سابقہ مدرسہ کی شاخ نہیں بلکہ مستقل مدرسہ ہے۔

(۲) یہ آمدنی اور سامان صرف اسی جامع مسجد کے لیے استعمال ہونا چاہیے اس سے نصف آمدنی حاصل کر کے دوسرے [2] وقف پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) امامت میں میراث جاری نہیں ہے۔ جس بھائی کو اہل محلّہ نے امام بنایا ہے وہی امام رہے گا [3]۔

(۴) مدرسہ سے جو رقم بطور قرض حسنہ لی جاتی ہے۔ اس کا واپس کرنا لازم ہے [4]۔

---

۱) لما فی الدر المختار مع الرد المحتار: وان اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك، (قوله لا يجوز له ذلك) أی الصرف المذكور تنبيه قال الخير الرملی: أقول ومن الجهة كانوا ما اذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال لا يصرف أحدهما للآخر وهی واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب فی انقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠ تا ٣٦١، ایچ ایم سعید کمپنی۔

۲) وأيضاً فی الجزء الأول۔

۳) كما فی الدر المختار (البانی) للمسجد (أولى) من القوم (بنصب الإمام والمؤذن فی المختار الا اذا عين القوم أصلح عمن عينه) البانی، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٠، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

٤) لما فی الخانية: رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فی بناء المسجد وأنفق من تلك الدراهم فی حاجة نفسه ثم رد بدلها لا يسعه أن يفعل ذلك ...... وفی القضاء يكون خائناً فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ج ٣ ص ٢٩٩، طبع مكتبه رشيديه۔

(۵) چھوٹے بھائی کے لیے امامت کا دعویٰ درست نہیں ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان ۔۴/۱۱/۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۵ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ

مسجد کی مرمت کے لیے غیر مسلم کی رقم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مدرسہ میں عوام الناس قرآن پاک کے نسخے دیتے ہیں لیکن نسخے ویسے پڑے رہتے ہیں۔ کیا وہ نسخے مسجد میں رکھے جاسکتے ہیں۔ نیز کیا وہ نسخے غریب عوام الناس کو پڑھنے کے لیے بھی دیے جاسکتے ہیں۔

(۲) مدرسہ میں عوام الناس قرآن پاک کے لیے غلاف دیتے ہیں۔ وہ بھی اکثر زائد پڑے رہتے ہیں۔ کیا وہ غلاف طلبہ یا غریب لوگوں کو دیے جاسکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے ذاتی استعمال میں لائیں۔ یعنی قمیص وغیرہ بنائیں۔

(۳) ایک مسجد کی مرمت کے لیے ایک غیر مسلم نے رقم دی ہے۔ تو کیا وہ رقم مسجد پر صرف ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوسکتی تو اس رقم کو کس مد میں لایا جائے۔

﴿ج﴾

(۱) اگر واقف نے خاص اسی مدرسہ کے لیے قرآن پاک کے نسخے وقف کیے ہیں تو دوسری جگہ منتقل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں۔ **کما قال فی ردالمحتار ج ۴ ص ۴۱۱ لکن فی القنیة سبل مصحفا فی مسجد بعینہ للقراء ة لیس لہ بعد ذلک ان یدفعہ الی آخر من غیر اہل تلک المحلة للقراء ة قال فی النہر و ہذا یوافق القول الاول لاماذکر فی موضع آخراہ. وفی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ص ۴۱۱ ج۳. فان وقفہا علی مستحقی وقفہ لم یجز نقلہا وان علی طلبة العلم وجعل مقرہا[2] فی خزانة التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد۔** شامی نے اس کے تحت نقل کرنے کی عدم جواز کی تائید ذکر کی ہے۔ **فلینظر۔**

(۲) غلاف کا بھی یہی حکم ہے۔

---

۱) تقدم تخریجه تحت جزء الثالث فی الصحفة السابقة۔

۲) کما فی رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب متی ذکر للوقف مصرفاً لا بد أن یکون فیهم تنصیص علی الحاجة، ج ٤ ص ٣٦٦-٣٦٥، مکتبه ایچ ایم سعید کراچی۔

(۳) کافر اگر قربت کی نیت سے تعمیر مسجد کے لیے چندہ دے تو فی نفسہ جائز ہے[1]۔ لیکن کافر کا چندہ لینے میں ان کا اہل اسلام پر احسان ہوگا اور مسلمان اپنے شعائر کی تعمیر وغیرہ میں ان کے ممنون ہوں گے۔ اس وجہ سے کافر کا چندہ لینا جائز نہیں۔ کافر کا چندہ جو لیا ہے واپس کر دے۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۱/۴/۲۶ھ

مسجد کے شامیانہ کا مذہبی تقریبات کے لیے استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان فقہ متین اس مسئلہ کہ ایک مسجد میں چندہ کر کے شامیانہ بنایا گیا ہے۔ چندہ اسی مسجد کے نام پر ہوا ہے اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس شامیانہ کو اسلامی جلسوں پر اور عید کی نماز پر جو کہ شہر میں ہوتی ہے دیا جائے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے چندہ اسی مسجد کے لیے دیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہمارا چندہ دیتے وقت ارادہ تھا کہ اسلامی جلسوں پر بھی استعمال کریں گے۔ اعلان کرنے والا کہتا ہے کہ چندہ میں نے فقط اسی مسجد کے لیے کیا تھا۔ اب یہ شامیانہ مسجد کے علاوہ اسلامی جلسہ یا عید پر استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

جواز استعمال وعدم استعمال کا مدار چندہ دہندگان کی نیت پر ہے، اگر ان کی نیت عام تھی تو استعمال بھی دوسرے اسلامی جلسوں میں جائز ہے اور اگر نیت خاص تھی تو جائز نہیں ہے۔ اس کی خوب تحقیق کر لی جاوے۔ موجودہ زمانے کے عرف سے یہ بات ظاہر ہے کہ مسجد کے شامیانے کو بعض اوقات ایسے جلسوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے چندہ دہندگان نے اگر چہ اس استعمال کی صراحۃً نیت نہ بھی کی ہو بوجہ عرف کے ان کی اجازت دلالۃً ہوگی اور استعمال جائز ہوگا لیکن اگر بعض چندہ دہندگان نے خصوصیت کے ساتھ مسجد پر اس کے استعمال کو منحصر رکھنے کی شرط کر دی ہو تو اس کا استعمال جلسوں میں جائز نہ ہوگا۔ اگر چہ بعض کا اذن عام ہی کیوں نہ ہو[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۳/ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ

---

۱) (قوله وأن يكون قربة في ذاته) ...... أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كا لوقف على الفقراء أو على مسجد القدس، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، طبع ایچ ایم سعید۔

۲) في رد المحتار: على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة، كتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين الخ، ج ٤ ص ٤٤٥، ایچ ایم سعید کراچی۔

كذا في الأشباه والنظائر: لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة، كتاب الوقف الفن الثاني الفوائد، ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراچی۔

وكذا في الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٣ تا ٤٣٤، مكتبه ایچ ایم سعید کراچی۔

ہندوستان کی مسجد کی رقم کو پاکستان کی مسجد پر خرچ کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ سائل کے پاس ہندوستان میں ہندوستان کی کسی مسجد کا روپیہ موجود تھا فسادات کے پیدا ہونے کے بعد سائل مملکت پاکستان چلا آیا۔ اب وہ روپیہ سائل کے پاس موجود ہے کیا اس روپیہ کو یہاں پاکستان کی کسی مسجد پر خرچ کرسکتا ہے یا کہ نہ؟ جواب تسلی بخش دیا جاوے۔

﴿ج﴾

نہیں اس رقم کو اسی مسجد پر صرف کرنا ضروری ہے اس لیے یہ رقم وہاں بھیج دی جائے[1]۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ

مسجد کی لکڑی کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد بنانے کے لیے لکڑی تیار کی ہے تقدیر الٰہی سے اس پر قرضہ ہوگیا ہے اس وقت وہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا، وہ لکڑی مذکورہ قرضے میں دے سکتا ہے یا فروخت کرسکتا ہے۔ اس کو شرع شریف کیا فرماتی ہے اور لکڑی بھی خراب ہوتی جاتی ہے۔ جس طرح شرع شریف حکم فرمائے اس طرح عمل کیا جاوے۔

﴿ج﴾

لکڑی وقف کرنا صحیح ہے اس لیے کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ وقف المنقول صحیح ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس شخص نے لکڑی کو مسجد کے لیے وقف کردیا ہے تو اس کو اپنی ضرورت میں صرف نہیں کرسکتا بلکہ مسجد کا متولی جیسے مسجد کے

---

۱) في رد المحتار: وان اختلف أحدهما بأن بنى رجلا ن مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليها أوقافاً لا يجوز له ذلك (الدر المختار) (قوله لا يجوز له ذلك) أى الصرف المذكور ...... قال الخير الرملي: أقول ومن اختلاف الجهات ما اذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهى واقعة الفتوى، كتاب الوقف، مطلب فى نقل انقاض المسجد ونحوه، ج ٤ ص ٣٦٠، ٣٦١، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
فى الأشباه والنظائر: شرط الواقف كنص الشارع أى فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد ج ٢ ص ١٠٦، ادارة القرآن كراچى۔
وكذا فى مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٠٨، مكتبه غفاريه كوئته۔

فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عمل کرے گا اس طرح اس کو لکڑی میں تصرف کرنے کا حق ہوگا بہر حال وہ مسجد کی ہوگی اور اگر فقط نیت اور ارادہ میں یہ بات تھی کہ یہ لکڑی مسجد کو دوں گا اور وقف کیا نہیں تھا تو وہ لکڑی اس کی ہے اس میں تصرف کر سکتا ہے اور قرضہ اس سے ادا کر سکتا ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

مسجد کے اسٹور کو مدرسہ کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ تدریس قرآن کے لیے یعنی بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ضرورت کی وجہ سے مسجد اس کا برآمدہ موذن کا کمرہ۔ مسجد کا سٹور وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

جو جگہ مسجد میں داخل ہوا اور اس کو مسجد کا حکم دے دیا گیا ہو۔ وہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی[2]۔ اس کے اوپر مدرسہ بنانا درست نہیں ہے[3]۔ بوقت ضرورت بچوں کو اس میں پڑھنے کے لیے بٹھانا اگر چہ جائز ہوگا۔ لیکن وہ حکم میں مسجد کے ہے۔ اس کے ساتھ آداب و رعایات میں مسجد کا معاملہ کرنا ضروری ہوگا۔ برآمدے کے ساتھ ملحقہ سٹور اور موذن کا کمرہ مدرسہ کے لیے استعمال کرنا درست ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۸/۴/۳۰ھ

---

۱) الدر المختار: وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى، أو على وجه الخير والبر واكتفى أبويوسف بلفظ موقوفة فقط قال الشهير ونحن نفتي به للعرف، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۴۰، ايج ايم سعيد كراچي۔
كذا في الفتاوى العالمكيرى: كتاب الوقف، الباب الأول فصل في الألفاظ التي يتم بها الوقف وما لا يتم بها، ص ۳۵۷، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۲) كما في تنوير الأبصار مع الدر المختار: (ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً الى قيام الساعة، (وبه يفتي) حاوى القدوسي، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٥٥٠، طبع رشيديه كوئته جديد۔ وكذلك في بحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۳) الدر المختار مع الرد المحتار: وكره تحريماً البول والتغوط) لأنه مسجد الى عنان السماء ......(قوله الى عنان السماء) ...... وكذا الى تحت الثرى، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد، ج ١ ص ٦٥٦، طبع ايج ايم سعيد كمپنى۔
وكذلك في بحر الرائق: كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة الخ، ج ۲ ص ٦٠، رشيديه۔

٤) لما في الخلاصة الفتاوى: أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر لا يكره، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٢٢٩، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذلك في الهندية: كتاب الصلوة، الفصل الثاني في ما يكره الصلوة وما لا يكره، ج ١ ص ١١٠، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

مسجد کی کتاب کو عاریۃً لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی مملوکہ کتاب برائے نقل وکتابت واشاعت مستعار لی جائے اور اس سے علمی خدمت کے علاوہ تجارتی مفاد بھی مقصود ہو تو اس قسم کا استعارہ صحیح ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

یہ استعارہ درست اور صحیح ہے[1]۔ عدم جواز کی کوئی وجہ اس میں نہیں ہے۔ اس لیے حفاظت کے ساتھ ساتھ اس مستعار کتاب سے عبارت نقل کی جائے اور پھر آگے اس کی اشاعت کی جائے اور مستعار کتاب واپس کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ اللہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۸/۶/۱۷ھ

ضرورت ختم ہونے پر ایک مسجد کی رقم کا دوسری مسجد کے لیے استعمال

﴿س﴾

ایک آدمی نے مسجد کے چندہ کے لیے وعدہ فرمایا بعدہ اس مسجد کی ضرورت مکمل ہو گئی کیا وہ شخص کسی اور مسجد میں چندہ دے سکتا ہے جبکہ دوسری مسجد ضرورت مند ہے۔

﴿ج﴾

دوسری مسجد پر اس وقت لگ سکتا ہے جب پہلی مسجد بالکل ویران ہو جائے[2] اور یہاں چونکہ پہلی مسجد آباد ہے۔ آئندہ اس کی ضرورت میں وہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس لیے دوسری مسجد میں اس کا صرف کرنا صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم

---

۱) کما فی الدر المختار: وفی الدرر وقف مصحفاً علی أهل المسجد للقرأة أن يحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ويقرء فيه ولا يكون محصوراً علی هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها والفقهاء بذلك مبتلون، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٥، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۲) كما في التاتار خانية: وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف أو قافه الى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون الخ، ج ٥ ص ٨٧٧، طبع ادارة القرآن۔

کیا وقف کے بغیر کوئی جگہ مسجد ہو سکتی ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنے صحن میں مسجد کی چھوٹی سی حدود قائم کرتا ہے۔ اس وقت یہ نیت بھی کرتا ہے کہ صحن کا فرش بنواؤں گا تو مسجد کی حد توڑ دوں گا۔ وہاں بھی فرش بنوا دوں گا۔ اب جبکہ سولہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عرصہ میں وہ جگہ مسجد کے نام ہی مشہور ہو گئی کیا اس مسجد کو اکھیڑ سکتا ہے۔ یا نہیں؟ مسجد مٹا کر فرش بنوا سکتا ہے یا نہیں اگر مسجد اکھیڑ دی تو دوبارہ وہاں مسجد ہی بنوائے یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اگر مالک زمین نے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ مسجد کے لیے معین کر دیا ہو اور اس کو نماز پڑھنے کے لیے وقف کر دیا ہو یا لوگوں کو اس میں ہمیشہ تک کے لیے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو یا نماز پڑھنے کا اس میں حکم دے چکا ہو اور ارادہ اس کا ہمیشہ تک نماز پڑھے جانے کا ہو تب تو یہ مسجد ہے اس کی بیع ہبہ کرنا یا اس کو مکان میں شامل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ زمین کا یہ حصہ معینہ جس میں لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تا یوم قیامت مسجد ہی رہے گا۔

اور اگر عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی ہو جیسا کہ صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ارادہ نہ ہو اور نہ اس کو وقف کر چکا ہو۔ جیسے کہ عورتیں اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مثل تھلہ کے متعین کر لیتی ہیں۔ تب یہ مسجد نہیں ہے۔ اس کی بیع اس کو مکان میں شامل کرنا غرضیکہ اس میں ہر قسم کا تصرف مالک کر سکتا ہے۔ شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کما قال فی الکنز من بنی مسجداً لم یزل ملکه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه و یاذن للناس بالصلوة فیه فاذا صلی فیه واحد زال ملکه (ص ۲۲۶) قال فی البحر الرائق تحته ج۵ ص ۲۴۸ ولو قال المصنفؒ ومن جعل ارضه مسجدا بدل قوله ومن بنی لکان اولی لانه لو کان له ساحتر لا بناء فیها فامر قومه ان یصلوا فیها بجماعة قالوا ان امرهم بالصلوة فیها ابدا او امرهم بالصلوة فیها بالجماعة ولم یذکر ابدا الا انه ارادبها الابدثم مات لا یکون میراثا عنه و ان امرهم بالصلوة شهرا او سنة ثم مات تکون میراثا عنه لانه لابد من التابید

والتوقيت ينا في التابيد كذا في الخانية[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالک کی اجازت کے بغیر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبل از ملک کسی کی زمین پر نماز کے لیے جگہ متعین کر کے عرصہ تک نماز ادا کرتے رہنے سے اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے مسجد قرار دیا جاسکتا ہے یا مالک کی اجازت ضروری ہے اور پھر اذن عام بھی ہونا چاہیے۔ مسجد کو مسجد متعین کرنے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

﴿ج﴾

مالک کی جازت کے بغیر کسی جگہ کو مسجد کے لیے متعین کرنا یا اس پر مسجد بنانا جائز نہیں، مالک کی اجازت ضروری ہے یعنی مسجد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کے لیے وقف ہو اور مالک زمین کا اس سے حق متعلق نہ ہو تو ایسی زمین مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے حکم میں ہو جائے گی[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مالکان کی اجازت کے بغیر افسران کا مسجد کے نام زمین الاٹ کر دینا

﴿س﴾

دو کنال زمین جس میں تین بھائی شریک ہیں اور ایک کنال زمین مسجد کی جانب راست میں ہے اور ایک

---

۱) في كنز الدقائق: كتاب الوقف، أحكام الوقف والمسجد، ص ۲۲۶، بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔
وفي البحر الرائق: كتاب الوقف في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٥-٥١٦، مكتبه رشيديه جديد۔
وكذا في العالمكيرى: وذكر الصدر الشهيد رحمه الله تعالى في الواقعات في باب العين من كتاب الهبة والصدقة رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة فهذا على ثلاثة أوجه أحدها أما ان أمرهم بالصلوة فيها ابداً نصاً بأن قال صلوا فيها أبداً أو أمرهم بالصلوة مطلقاً ونوى الأبد ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً لو مات لا يورث عنه وأما ان وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ۲ ص ٤٥٥، بلوچستان بك ڈپو مسجد روڈ كوئٹه۔

۲) في در المختار: (ولا يتم) الوقف (حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع، كتاب الوقف، ج ۳ ص ۳۹۹، مكتبه رشيديه قديم كوئٹه۔
في الفتاوى العالمكيرى: أما ان وقت المرام باليوم أو الشهر اوالسنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ۲ ص ٤٥٥، طبع بلوچستان بك ڈپو مسجد روڈ كوئٹه، هكذا في الذخيرة: وفي فتاوى قاضي خان۔

کنال زمین عقب مسجد میں ہے تو ان دونوں کنالوں کو بغیر رضا مالکوں کی افسران سے مل کر زمین کی دونوں کنالیں مسجد کے نام کر دیں۔ بعد میں انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک کنال جو کہ ہموار اور درست تھی جانب راست میں وہ مسجد کے ساتھ ملا دی اور ایک کنال چھوڑ دی مسجد کے عقب والی تو پھر مالکوں نے اس ایک کنال میں اپنے حدود بنائے ہیں اور اپنا پورا قبضہ کر رکھا ہے۔ اب وہ مجبوراً دس کنال کو مسجد کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ جس پر ایک مکان اور دوسرے مکانوں کی دیواریں بنائی ہیں اور عوض دونوں کنالوں کا مالکان کے نام کر دیا لیکن مالکان کو کچھ بھی علم نہ تھا۔ اب خلاصہ یہ ہے کہ از روئے شریعت مقدسہ وہ بغیر رضا مالکوں کی جبراً اور مجبوراً زمین مسجد کے نام اور مسجد کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کوئی مدرسہ اس زمین پر بغیر رضا مالکوں کی بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

کسی شخص کی ملکیہ زمین کو اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر مسجد میں ملانا جائز نہیں۔ اگر مالک کی اجازت کے بغیر مسجد میں ملایا تو وہ قطعہ زمین بحکم مسجد نہیں ہوگا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین پر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد ایسے مقام پر تعمیر کی گئی ہے۔ جو جگہ (زمین) حکومت کی ملکیت ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حکومت سے اجازت نہیں لی گئی اور نہ ہی تعمیر کے بعد اجازت لی گئی ہے۔ اس مسجد میں صرف مؤکلین اور وکلاء حضرات ظہر کی نماز پڑھتے ہیں۔ عصر کی نماز شاید ہی با جماعت ہوتی ہو باقی ہر سہ نماز کے لیے کوئی مقتدی نہیں ہوتا۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر اس مسجد میں نماز کی ادائیگی میں اسلامی نکتہ نظر سے کوتاہی یا سقم تو نہیں یا نماز فاسد، باطل تو نہیں؟

کیا ایسی مسجد میں نماز ادا کردہ کو لوٹانے کی ضرورت ہے کیا ہم ایسے مقام کو جس کی ظاہری شکل وصورت مسجد جیسی بنا دی گئی ہے۔ اس کو ہم مسجد کے نام سے پکار سکتے ہیں۔ جبکہ اس میں پنج وقتہ نماز کا قیام نہیں ہے۔ ماسوائے ظہر اور شاید عصر کے۔

---

۱) فی الفتاوی الشامی: ولا یتم الوقف حتی یقبض ویفرز ویجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع، کتاب الوقف، ج ۳ ص ۳۹۹، مکتبہ رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

فی الفتاوی العالمکیری: أما ان وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة فی هذا الوجه لا تصیر الساحة مسجداً لو مات یورث عنه، کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، ج ۲ ص ۴۵۵، طبع بلوچستان بک ڈپو مسجد روڈ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

یہ مسجد شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے(۱)۔ جو نمازیں اس میں پڑھی گئی ہیں۔ اگر چہ وہ نمازیں ادا ہوگئی ہیں۔ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہری شکل وصورت سے وہ مسجد نہیں بنی اور نہ ہی اس کو احکام مسجد کے حاصل ہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، نائب مفتی قاسم العلوم ملتان ۲۳ رجب ۱۴۰۰ھ

واقف کا وقف سے انکار کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد کے نام ایک زمین کا ٹکڑا وقف کیا ہے۔ جس کے گواہ اور تحریر کا اسٹام موجود ہے۔ اب وہ آدمی اس کا انکاری ہے وہ زمین وقف شدہ بیچ دی ہے۔ کیا وہ وقف شدہ زمین کو واپس اپنی ملک میں کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کو بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

اس مسجد کی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ اس میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں اس کا متولی بھی ہے۔

﴿ج﴾

وقف بنا بر قول مفتی بہ نقل قول وتحریر سے تام ہو جاتا ہے(۳)۔ کذا فی رد المحتار کتاب الوقف۔ اس صورت

---

۱) قال ابن عابدینؒ: أفاد ان الواقف لا بد أن یکون مالکاً له وقت الوقف مالکاً باتاً ولو بسبب وأن لا یکون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح وان ملکه بعد شراء أو صلح ولو جاز المالك وقف الفضولي جاز، ردالمحتار کتاب الوقف مطلب قد تثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٣، طبع ایچ ایم سعید، قال ابن نجیمؒ: الخامس من شرائط الملك وقت الوقف حتی لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالکها ودفع الثمن الیه أو صالح علی علی مال دفعه الیه لا تکون وقفاً (البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وهکذا فی الهندیة: ج ٢ ص ٣٥٣، کتاب الوقف، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

۲) وفی الفقه الإسلامی وأدلته: الصلوة فی الأرض المغصوبة حرام قال الجمهور غیر الحنابلة: الصلوة صحیحة لأن النهی لا یعود الی الصلوة فلم یمنع صحتها کما لو صلی وهو یری غریقاً یمکنه انقاذه فلم ینقذه ...... ویسقط بها الفرض ...... الخ، کتاب الصلوة، ج ٢ ص ٩٨٤، دار الفکر بیروت۔

وفی الدر المختار: وکذا تکره فی أماکن کفوق کعبة ...... وأرض مغصوبة أو للغیر لو مزروعة أو مکروبة وفی الواقعات بنی مسجدا فی سور المدینة لا ینبغی أن یصلی فیه لأنه حق العامة فلم یخلص لله تعالی کالنهی فی أرض مغصوبة ...... فالصلوة فیها مکروهة تصریحاً فی قول وغیر صحیحة له فی قول آخر، کتاب الصلوة، مطلب فی الصلوة فی الأرض المغصوبة، ج ١ ص ٣٨١، طبع ایچ ایم سعید۔

۳) ثم ان أبا یوسف یقول یصیر وقفاً بمجرد القول لأنه بمنزلة الاعتاق عنده وعلیه الفتوی، رد المحتار کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨، سعید۔

وفی الهدایة: وقال أبویوسف رحمه الله تعالی یزول ملکه بمجرد القول وقال محمد لا یزول حتی یجعل للوقف ولیاً ویسلمه الیه، کتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٣٧، مکتبه شرکت علمیه ملتان۔

وقال ابن الهمام تحت قوله: فلهذا کان قول أبی یوسف رحمه الله تعالی أوجه عند المجتهد) فی المنیة الفتوی علی قول أبی یوسف وهذا قول مشائخ بلخ، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٢٨، طبع رشیدیه۔

مسئولہ میں مسجد کی منتظم کمیٹی شرعی طریقہ سے اس کی تحقیق کرے کہ اگر اس شخص نے زیرِ وقف حصہ زمین کا جدا کر کے مسجد کے نام وقف کیا ہے۔ اور اس پر چاردیواری تعمیر ہو چکی ہے۔ اور متولی کی تولیت میں ہے تو وقف صحیح ہے اور بیع ناجائز ہے[1]۔ اب کسی اور مصلحت کے لیے اس زمین کا استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر مسجد کا حصہ جدا نہیں کیا یا وقف کا شرعی ثبوت نہیں ہوسکتا تو پھر بیع جائز شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نامزد جگہ کے وقف کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو جگہ حکومت پاکستان نے صرف اور صرف مسجد ہی کی تعمیر کے لیے الاٹ (مختص) کی ہو اور بار بار تاکید کی ہو کہ اس قطعہ پر صرف مسجد ہی تعمیر ہو۔ البتہ مسجد کے ضروری لوازمات مثلاً خطیب امام کی رہائش گاہ، ایک سٹور، وضو کے لیے جگہ، غسلخانے، استنجاء خانے تعمیر کر سکتے ہیں۔

(۱) آیا مذکورہ پلاٹ کو ہوسٹل (دارالاقامہ) سکول، متعدد فلیٹ رہائشی، ذاتی کمرہ جات، دفاتر، ڈسپنسری (دواخانہ) لائبریری دارالمطالعہ، طلبہ اور استادوں کے لیے بیت الخلاء، غسل خانے، طعامگاہ، باورچی خانہ، متعدد سٹور، میدان اور باغیچے وغیرہ کے مستقلاً مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اسلام میں مسجد کا کیا تصور ہے۔

(۳) کیا سکول (مدرسہ) مسجد کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور کیا الاٹ شدہ پلاٹ جو کہ تمام کا تمام صرف مسجد ہی کی تعمیر کے لیے مختص ہو اس پلاٹ کے بڑے ٹکڑے پر مدرسہ، دارالاقامہ دو منزلہ عمارت جس کی تعمیر کرنے سے مسجد کی حیثیت تو فوت ہو جائے گی اور مسجد برائے مدرسہ (دارالعلوم) کہلائے گی۔ سکول تعمیر ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یعنی اگر کل پلاٹ کے ایک کونہ میں مختصر چھوٹی سی مسجد اور بہت بڑے قطعہ پر مدرسہ۔ دارالاقامہ۔ کمرہ جات ۱۲ عدد فلیٹ رہائشی وغیرہ وغیرہ تعمیر کرنے کا پروگرام ہو۔ اس بڑے پلاٹ پر باغیچے درخت لگائے گئے ہیں۔ اور کل پلاٹ کو قدآدم چاردیواری سے بند کر کے صرف ایک بند دروازہ رکھا ہو کہاں تک جائز ہے۔

---

۱) فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن، (قوله فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما لمجرد القول ولكنه عند محمد رحمه الله تعالى لا يتم الا بالقبض والإفراز والتابيد لفظاً وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى بالتابيد فقط ولو معنىً كما علم لما مر، (قوله لا يملك) لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، ردالمحتار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢،٣٥١، طبع ايچ ايم سعيد، وفي الهداية: واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٠، مكتبه شركة علميه ملتان، وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع رشيديه۔

﴿ج﴾

محض نامزد کرنے سے اس جگہ کو مسجد کے احکام حاصل نہیں ہوتے[1]۔ اس لیے اس ٹکڑے کو دوسری ضروریات میں حکومت کی اجازت سے استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے ایک درویش کو بوجہ محبت کے اپنے مکان میں رہنے کی جگہ دی یہ درویش نیک بخت اور خدا پرست آدمی تھا اسی وجہ سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے کافی عرصہ تک اسی مکان میں رہائش پذیر رہا۔ بعد کافی عرصہ کے مالک مکان اور درویش دونوں فوت ہو گئے اس عرصہ کو بھی تقریباً ۸۰ سال کا عرصہ گزر چکا ہے بعد فوتگی مالک مکان کے اس جگہ جہاں وہ درویش رہتا تھا اس جگہ بدعات شروع ہوگئیں مالک مکان نے جو کہ اس کے ورثہ میں سے ہیں انہوں نے ایک مفتی صاحب سے استفتاء کیا مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ ان بدعات کو بند کر دیا جائے یعنی اس جگہ آمد ورفت لوگوں کی بند کر دو اور اپنے تصرف میں لاؤ۔ مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق یہ جگہ جس میں درویش رہائش پذیر تھا بند کر دی گئی اور مالک مکان اپنے تصرف میں لے آیا۔ اس عرصہ کو جبکہ مفتی صاحب نے فتویٰ دیا تقریباً ۲۰ سال کا عرصہ گزر چکا مگر یہ فتویٰ زبانی تھا۔ تحریری نہیں تھا بعض محلّہ والوں نے جو اکثر بے نماز ہیں انہوں نے مشہور کیا ہوا ہے یہ مسجد تھی اس مسجد کو فارغ کیا جاوے اصل حقیقت یہ ہے آیا یہ محلّہ والوں کے کہنے کے مطابق مسجد بن سکتی ہے۔ جس میں کہ درویش رہائش پذیر تھا کافی عرصہ تک۔ بینوا توجروا۔

نوٹ: یہ واقعہ دراصل محلّہ ترکھانانوالہ گلی امام الدین بیرون لوہاری دروازہ ضلع ملتان کا ہے۔

﴿ج﴾

وقف اور مسجد کے متعلق چند مسائل معلوم کرنا ضروری ہیں تا کہ بعد میں جواب حاصل کیا جاوے۔

---

۱) وفي الهندية: من بنى المسجد لم يزل ملكه عنه حتى يفرز عن ملكه بطرقه ويأذن بالصلوة فيه أما الإفراز فأنه لا يخلص لله تعالى الا به كذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ۲ ص ٤٥٤، مكتبه بلوچستان بكڈپو۔

وفي الهداية وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فإذا صلى فيه واحد زال عند أبي حنيفةؒ عن ملكه أما الإفراز فلأنه لا يخلص الله تعالى الا به، كتاب الوقف، ومثله في الفقه الحنفي وأدلته، ج ۳ ص ۱٤۳، باب وقف المسجد طبع دار الكلم الطيب۔

(۱) مسجد اس وقت مسجد ہو جاتی ہے اور واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے جب واقف اس کو علیحدہ کر کے اجازت عامہ نماز کی دے دے۔ اور اس میں ایک نماز باجماعت بھی ادا کر دی جاوے۔ کما هو فی الدر المختار و الشامی[1]۔

(۲) مسجد دائماً مسجد رہتی ہے بعد غیر آباد یا خراب ہونے کے واپس ملک واقف یا اس کے ورثہ کے نہیں ہوتی۔ ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام و الثانی ابدا الی قیام الساعة۔ الخ۔[2] (درمختار ۳۰۶)

(۳) وقف میں شہادت بغیر دعویٰ کے قبول ہے۔ (و) الذی تقبل فیه الشهادة) حسبة (بدون الدعویٰ) اربعة عشر منها الوقف علی مافی الاشباه لان حکمه التصدق بالغلة وهو حق الله تعالیٰ بقی لو الوقف علی معینین هل تقبل بلادعوی (درالمختار) البتہ وقف علی المعینین میں اختلاف ہے[3]۔

(۴) وقف میں شہادۃ بالسامع بھی صحیح ہے اگر چہ قاضی کے سامنے ظاہر بھی کر دے کہ میں شہادت بالسامع والشہرۃ کرر ہا ہوں والشهادة بالشهرة لاثبات اصله وان صرحوا به ای بالسماع فی المختار (در)[4]

(۵) شاہد حسبۃ اگر شہادت میں بغیر عذر کے تاخیر کر دے تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کی شہادت مسموع نہ ہوگی شاهد الحسبة اذا اخرها بغیر عذر لاتقبل الاشباه عن القنیه[5]۔

اب سوال مذکورہ کا جواب یہ ہوا کہ اگر دو گواہ عادل مسئلہ نمبر ا کے مطابق شہادت دیں ولو بدون تقدم الدعویٰ (کما هو شان الشهادة حسبة) ولو بالسامع مفسرا۔ تو یہ زمین مسجد ہوگی اور اس کو خالی

---

۱) ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل و (بقوله جعلته مسجداً) عند الثانی (وشرط محمد والإمام (الصلوة فیه) بجماعة وقیل: یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة، شامی، ج ٤ ص ٣٥٧،٥٦، طبع ایچ ایم سعید۔
وهکذا فی العالمکیریة: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٤٥٤، طبع رشیدیه۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٦، مکتبه رشیدیه۔

۲) کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد أو غیره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ایچ ایم سعید، وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشیدیه کوئٹه

۳) در مختار فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته، ج ٤ ص ٤٠٩، طبع ایچ ایم سعید۔

٤) در مختار فصل یراعی شرط الواقف فی اجازته، ج ٤ ص ٤١١، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٥) درمختار، مطلب المواضع التی تقبل فیها الشهادة حسبة بلا دعوی، ج ٤ ص ٤١٠، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کرنی ہوگی اگر چہ درمیان میں غیر آباد بھی ہوگئی ہو وہ تا قیامت مسجد رہے گی بشرطیکہ شاہدین نے اس زمین پر کسی کے قبضہ کے کرنے کے بعد بلا وجہ معتد بہ تاخیر نہ کی ہو اور اگر یا تو مندرجہ بالا طریقہ سے شہادۃ نہ ہوگی یا شاہدین نے عرصہ گزرنے کے بعد شہادت دی ہو تو زمین مذکورہ مسجد نہ ہوگی اور ورثہ مالک اصلی کی ملکیت متصور ہوگی۔

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک کھیت میں ایک تھلی کی صورت ہے۔ اور تقریباً تین نسلوں تک یوں روایت کی جاتی ہے کہ یہ مسجد تھی فلاں کہتا تھا کہ فلاں کہتا تھا کہ یہ مسجد تھی لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مسجد تھی اور فلاں نے دیکھی تھی اب اس تھلی کا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ وہاں لازماً مسجد تعمیر کی جاوے یا اس تھلی کو منہدم کر کے وہاں کاشت کی جائے۔ آپ باحوالہ فرمادیں۔ کیونکہ بہت سے علماء کرام سے پوچھا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

﴿ج﴾

بعض گھروں میں اہل خانہ نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص اور متعین کر لیتے ہیں اور اس کو پاک وصاف رکھتے ہیں اور اس جگہ پر نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ اور اس کی صفائی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ لیکن اس کو حقیقۃً مسجد شمار نہیں کرتے۔ صورت مسئولہ میں وہاں کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی جاوے۔ اگر اس تھلی کی حقیقت بھی وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا تو یہ تھلی شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس جگہ پر کاشت کرنا جائز ہے[1] اور اگر اس تھلی کے مسجد کے لیے

---

۱) وکذلک ان اتخذ وسط داره مسجداً و أذن للناس بالدخول فيه) اذناً عاماً له أن يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه واذا كان ملكه محيطاً بجوانبه، الأربع، كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه أبقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى، فتح القدير، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع مكتبه رشيديه۔

وفي الفقه الحنفي وأدلته: وان تخذ في وسط بستانه مسجداً واذن للناس بالدخول فيه ولم يفرزه عن داره، كان على ملكه وله أن يبيعه، ويورث عنه بعد موته لأن ملكه محيط به وله حق المنع منه ولأنه لم يخلص لله، لأنه أبقى الطريق لنفسه، باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكلم الطيب بيروت، ومثله في الهندية كتا بالوقف، ج ٢ ص ٤٥٤، مكتبه رشيديه۔

وقف ہونے یا مسجد کے نشانات بناوغیرہ کا ثبوت ہوجاوے تو یہ جگہ مسجد شمار ہوگی اوراس کو آباد کرنا ضروری ہوگا اور اس جگہ کی تبدیلی اور کاشت کرنا جائز نہ ہوگا [۱]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دکانوں کے اوپر تعمیر شدہ مسجد کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی دکانیں ملکیہ ہیں۔ان کے اوپر دوسری منزل پر مسجد بنادی ہے۔کیا وہ مسجد حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہیں۔یعنی ثواب مسجد کا ملے گا نماز وہاں پڑھنے والے کو اور جنبی وہاں جاسکتا ہے یا نہ؟

ومن جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بيت وجعل بابه الى الطريق و عزله فله ان يبيعه و ان مات يورث عنه لانه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقابه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز۔ ہدایہ شریف [۲]۔

''جو شخص مسجد بنائے اور نیچے مسجد کے تہ خانہ یا اوپر اس کے مکان ہے اور کردیا ہے دروازہ مسجد کا طرف راستہ کے اور علیحدہ کیا ہے، اپنی ملک سے اس کے لیے جائز ہے کہ اس مسجد کو بیچ دے (کیونکہ وہ شرعاً مسجد

---

۱) وفي ردالمحتار: فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١، طبع ايچ ايم سعيد۔

وفي الهداية: واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٠، طبع مكتبه شركت علميه، ملتان

وكذا فى البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع رشيديه كوئته۔

الثالث: أن لا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ربحاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فى استبدال الوقف وشروطه، ج ٤ ص ٣٨٤، طبع سعيد۔

۲) هداية كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٢، طبع مكتبه رحمانيه، وفي رد المحتار: وفي القهستاني ولا بد من أفرازه أى تميزه عن ملكه من جميع الوجوه فلو كان العلو مسجداً والسفل حوانيت أو بالعكس لا يزول ملكه لتعلق حق العبدبه كما فى الكافى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٨٨، طبع ايچ ايم سعيد، وفي البحر الرائق: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى وأن المساجد لله، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه كوئته۔

نہیں، ظاہر روایت میں) اگر فوت ہوگا تو وہ مسجد اس کے وارثوں کا حق ہے تقسیم کریں گے اس لیے کہ وہ مسجد خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے نہیں۔ بندے کا حق اس میں باقی ہے۔ ہاں اگر تہ خانہ مسجد کے متعلق اور مسجد کے فائدہ کے لیے ہے تو پھر جائز ہے۔'' اس بالا خانہ میں اگر چہ نماز ہو جائے گی۔ لیکن ثواب جو مسجد میں نماز پڑھنے کا حاصل ہوتا ہے اس کا مستحق نہ ہوگا۔ جب وہ مسجد نہیں تو جنبی اور حائضہ کا وہاں جانا ممنوع نہ ہوگا۔

یہ جواب صحیح ہے کہ مسجد وقف نہیں ہے۔ لیکن اس میں نماز با جماعت ہو سکتی ہے۔ اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ اذان بھی دی جائے اور تراویح وغیرہ بھی پڑھی جائے[1]۔

کسی شخص کے نام کی گئی زمین وقف نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید تین کنال زمین مدرسہ کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ایک کنال زمین کی رقم لے کر میرے نام رجسٹری کرا دیں۔ پھر میں مدرسہ بنا کر کام شروع کر دوں گا۔ کیا زید عمرو کے نام ایک کنال زمیں کرا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

اگر زید نے عمرو کے کہنے کے مطابق ایک کنال رقبہ اس کے نام رقم لے کر رجسٹری کرا دی تو پھر یہ ایک کنال زمین عمرو کی ملکیت ہو جائے گی وہ رقبہ وقف نہیں ہوگا۔ باقی دو کنال زمین وقف ہوگی[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے لیے مخصوص تھڑے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بازار میں راستہ شارع عام پر میونسپل کمیٹی کی جگہ پر ایک تھڑہ نماز کے لیے بنا ہوا ہے۔ تھڑہ ایک کارخانے کی دیوار کے ساتھ ہے کارخانے کے دروازے تھڑہ کی جانب کھلتے ہیں جو کہ تھڑہ کی

---

۱) وتكره في أرض القبر لو مزروعة أو مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة أو راى صاحبها لا يكرهه فلا بأس به" ردالمحتار، كتاب الصلوة مطلب في الصلوة في أرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، ايج ايم سعيد۔

۲) ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لايكون وقفاً، مجمع الأنهر كتاب الوقف، ج ۲ ص ۵۶۸، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۱۴، طبع رشيديه كوئته، وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع رشيديه كوئته۔

وجہ سے بند ہے۔ راستہ شارع عام پر ریہڑے، ٹرک، ٹانگے، کاریں، وغیرہ چلتے ہیں آمد ورفت میں زبردست دشواری پیش آتی ہے۔ میونسپل کمیٹی بھی تھڑہ کو ہٹانے کے لیے بارہا کہہ چکی ہے اور مالک کارخانہ بھی تھڑہ کی وجہ سے پریشان ہے کیا ایسی صورت تھڑہ کا قائم رہنا اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

تحقیق کی جاوے اگر واقعی یہ جگہ مسجد شرعی نہیں یعنی عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک تھڑہ سا بنایا گیا ہے جیسا کہ عام طور پر گھروں میں یا کنؤاں پر لوگ عارضی طور پر نماز کے لیے جگہ مخصوص کر لیتے ہیں۔ تو یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں[1]۔ خصوصاً اگر جگہ وقف نہیں تو بلا اذن کمیٹی اس میں مسجد بنانا درست نہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سڑک کے لیے مسجد کو منہدم کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) ایک آدمی نے زرعی اراضی میں کنویں کے پاس عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مخصوص کر کے پکی چاردیواری بنائی اب وہ زمین فروخت ہوگئی اور وہاں کالونی بن رہی ہے اور وہ جگہ جو نماز کے لیے مخصوص کی تھی۔ سڑک کے درمیان آرہی ہے۔ تو کیا اس کو گرا کر وہاں سڑک بنانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک آدمی نے تقریباً دو مرلے زمین مسجد کے لیے وقف کر کے دے دی اور لوگوں نے چندہ کر کے نقشہ کے مطابق مسجد کو تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ پکی دیواریں بنائی گئی ہیں چھت ابھی باقی ہے۔ صحن کے لیے بھی جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔ تو کیا یہ مسجد سڑک وغیرہ کے لیے منہدم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

تحقیق کی جاوے اگر یہ جگہ مسجد کے نام وقف نہیں اور عارضی طور پر ایک ٹکڑا زمین کا نماز کے لیے مخصوص کر دیا۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ گھروں میں نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص کر لیتے ہیں۔ اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں کرتے۔ تو ایسی صورت میں یہ زمین مسجد کے حکم میں نہیں[3]۔ اور اس کا گرانا اور اس پر سڑک بنانا جائز

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جزنمبر ۱ ص ۷۱۵۔
۲) تقدم تخریجه تحت عنوان "حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین پر مسجد کی تعمیر" جز نمبر ۱ ص ۷۱۱۔
۳) تقدم تخریجه تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جزنمبر ۱ ص ۷۱۵۔

ہے۔لانہ لایاخذ حکم المسجد۔ ھدایہ ص۱۴۴۳ اگر مسجد کے نام وقف کر کے چار دیواری بنالی ہے اور مسجد کے نام سے معروف ہے۔تو پھر مسجد کے حکم میں ہوگی[1] اور گرانا درست نہ ہوگا[2]۔

(۲) جو زمین ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے اور مسجد میں داخل ہو چکی ہے۔کسی بھی ضرورت کے لیے مسجد سے خارج کرنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضرورت کے لیے نماز کی جگہ مخصوص کرنا

﴿س﴾
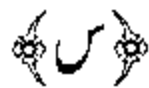
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عام طور پر لوگ چاہات پر کچھ حصہ زمین سے احاطہ کر کے اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔اور بہت عرصہ وہ جگہ نماز کے لیے خاص ہوئی رہتی ہے۔اس میں نماز ادا کرتے رہتے ہیں۔اور کبھی ضرورت کے تحت اسے بدل بھی دیتے ہیں۔تو اس جگہ کو بدلنا شرعاً کیسا ہے۔وہ جگہ مسجد کا حکم تو نہیں رکھتی۔

﴿ج﴾

ایسی جگہ کی نماز کی خصوصیت کو ختم کرنا نیز بدلنا شرعاً جائز ہے۔جب تک مالک زمین کسی جگہ کو مسجد کے لیے وقف نہ کرے محض نماز کے لیے کسی جگہ کو خاص کرنے سے چاہے بہت عرصہ بھی وہاں نمازیں ادا ہوتی رہیں اور جو شکل بھی اختیار کرلے وہ جگہ مسجد نہیں بنتی اور نہ مسجد کا حکم رکھتی ہے[3]۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) وفی منحة الخالق علی البحر الرائق: ففی الذخیرة ما نصه وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنه اذا بنی مسجد واذن للناس بالصلاة فیه جماعة فإنه یصیر مسجداً، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٥، ٤١٦، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی ردالمحتار: کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٦، سعید۔

۲) وفی الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام، والثانی، أبداً الی قیام الساعة (وبه یفتی) حاوی القدسی وفی الشامیة: أما لو تمت المسجدیة ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا یمکن من ذلك، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٥، سعید کراچی۔

وکذا فی البحر الرائق: ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئاً من المسجد مستغلاً ولا مسکناً وقدمناه، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۳) تقدم تخریجه تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جزنمبر ١ ص ٧١٥۔

حکومت کی نیلام کردہ جگہ برائے مسجد کا حکم

﴿س﴾

مندرجہ ذیل استفسارات کے جوابات عنایت فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔
کبیر والا میں ایک غیر مسلم جائیداد مدرسہ عربیہ کے نام الاٹ کروی گئی۔ ضرورت کے پیش نظر مسجد تعمیر کرائی گئی اور اس میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان ہی ایام میں مسجد کے آگے ایک دو دکان معمولی طور پر مسجد کے اخراجات کے لیے تعمیر کر لی گئی۔ بڑھنے کی صورت میں منتظم کمیٹی مسجد نے دکانات کا رقبہ صحن مسجد کی طرف بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہ اب مسجد ہے یا مدرسہ۔ مزید حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد مستقل آباد کاری محکمہ نے مسجد والی جگہ نیلام عام کرنے کا اعلان کر دیا اور مسجد ہونے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ بعد کوشش بسیار اس نیلام کو ایک سمات کے نام پر لے لیا گیا۔ جس کی رقم ایک دوسرے صاحب نے ادا کی۔ مسجد کے فنڈ سے کوئی قیمت ادا نہیں کی۔ مسجد کے اخراجات پورا کرنے کے لیے دکانوں کی توسیع ضروری ہے مسجد کی تعمیر وسیع کرنے کے لیے اس کی چھت کو پختہ کر کے اس پر نماز کی ادائیگی کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ صحن مسجد سے رقبہ لینے کے بعد تنگی مسجد کا احتمال باقی نہیں رہا۔ ایسی صورت میں مسجد کی ضرورت کے پیش نظر توسیع دکانات جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کو مسجد کس وقت سے تصور کیا جائے گا۔ مسجد بنانے کے وقت یا نیلام ہونے کے بعد۔
از جانب ممبران کمیٹی نئی جامع مسجد کبیر والا۔

﴿ج﴾

درحقیقت مسجد اس وقت مسجد کا حکم لیتی ہے جب مالک اسے وقف کر کے عامۃ المسلمین کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے [۱]۔ متروکہ زمین بوجہ استیلاء کے حکومت کے قبضہ میں ہوتی ہے اور حکومت ہی کو مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حکومت نے اسے مسجد تسلیم نہ کرتے ہوئے نیلام کر دیا۔ نیلام ہونے کے بعد جس شخص نے قیمت ادا کر کے اسے خریدا ہے وہ اس کا مالک ہوا [۲]۔ اب اگر اس نے زمین مذکورہ وقف

---

۱) وفي مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها لا يكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۵٦۸، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۱٤، مكتبه غفاريه كوئته۔
وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في الشامي: (هو) لغة مقابلة شيء بشيء ...... ما لا أصلا ...... ص ۸، وحكمه ثبوت الملك، كتاب البيوع، ج ۷ ص ۱۵، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب البيع، ج ۵ ص ٤۲۹، طبع رشيديه كوئته۔

کردی اور تمام سجدہ گاہ کو مسجد کا حکم دیا تو اس میں سے کسی حصہ کو دکان بنانا جائز نہیں (۱)۔ اور اگر اس نے تا حال وقف کر کے جملہ سجدہ گاہ کو مسجد کا حکم نہیں دیا تو پھر وہ مسجد نہیں۔ جتنی زمین اس میں سے دکان کے لیے لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ بقایا کو سجدہ گاہ بنالیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

حکومت کی اجازت کے بغیر گوردوارہ کی جگہ پر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا حکم فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائلان چک ۱۵/۱۹۹ ایل تحصیل خانیوال میں ایک گوردوارہ ہے، جس کے احاطہ میں متصل گرتہ تی پنڈت کا رہائشی مکان ہے اور درمیان میں دیوار بھی تھی، پنڈت کے مسکونہ مکان میں ایک مہاجر آباد تھا اور اس کو کچھ رقم دے کر مکان خالی کرالیا ہے اور اس میں سفید جگہ جس میں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔ لہٰذا اگر بلا اجازت حکومت پاکستان مسجد تیار کی جاوے تو مسجد حقیقی شرعی ہو جائے گی یا نہیں؟ چک ہذا میں چوک کے اندر موزوں جگہ نہیں ہے۔ بینوا بالفقہ والصواب و توجروا یوم الحساب۔

﴿ج﴾

حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر گوردوارے کے احاطہ میں مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (۳)

---

۱) ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً الى قيام الساعة(وبه يفتى) حاوى قدسي وقال الشامي تحته فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر ...... تنوير الأبصار مع شرحه، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٦ ص ٥٥١، رشيديه كوئته۔
وكذا في الفقه الإسلامي، كتاب الوقف، ج ١٠ ص ٧٦٧٣، مكتبه دار الفكر بيروت۔
وكذا في الفقه الحنفي وأدلته، كتاب الوقف، وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٤، دار الكلم الطيب بيروت۔

۲) تقدم تخريجه تحت عنوان "بغير وقف کی ہوئی نماز کی جگہ کا حکم" جز نمبر ٢ ص ٥٤٣۔

۳) وفي رد المحتار: افاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد وان لا يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وأن ملكه بعد شراء أو صلح، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٤٠، طبع ايچ ايم سعيد۔
وفي مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٥،٥٦٧، غفاريه كوئته۔
وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٣، رشيديه كوئته۔

نماز کے تھلے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ ایک چار دیواری کے قریب باہر ایک تھلہ نما جگہ تھی، جہاں لوگ فرصت کے وقت استراحت کرتے، حقہ نوشی وغیرہ وغیرہ میں مصروف ہوکر چند منٹ بیٹھا کرتے تھے، اس کے بعد اس مکان مذکور کو وسیع کر کے وہی تھلہ مذکور کو چار دیواری کے اندر کر دیا گیا، ساکن مکان اس تھلہ کو بحیثیت مصلیٰ قرار دے کر نماز وغیرہ عبادت ادا کرتا رہا۔ اور اس تھلہ مذکورہ کے اردگرد چار دیواری بنادی اور دروازہ کی جگہ چوکھٹ بھی لگادی اس ساکن کے چلے جانے کے بعد دوسرا ساکن سکونت پذیر ہوا تو وہ بھی نماز وغیرہ ادا کرتا رہا۔ اس جگہ پر تعلیم طفلان بھی کررہا تھا، لیکن بعد میں اس نے تھلہ مذکورہ کو گرا کر منہدم کر دیا ہے۔ کیا اس کے گرانے پر گرانے والا مجرم ہے یا کوئی جرم نہیں؟ اگر واقعی جرم ہے تو اس کی شرعی سزا کیا ہے اور اس تھلہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ اب اس جگہ کو کس چیز کا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں یہ تھلہ مذکورہ مسجد کا حکم نہیں رکھتا۔ جب تک اپنی مملوکہ زمین کو مالک مسجد کے لیے وقف نہ کرے اور اس جگہ نماز واذان واقامت کے لیے خاص نہ کرے اور عام لوگوں کو نماز پڑھنے کا اذن نہ دے دے[1] اس وقت تک کوئی زمین محض احاطہ کرنے اور نماز پڑھنے اور عبادت کرنے سے مسجد نہیں بن جاتی[2]، اور جبکہ اس صورت میں احاطہ میں داخل کرنے والا اور اس تھلہ سے چار دیواری کرنے والا اس زمین کا مالک بھی نہیں ہے تو اس شخص کے مذکورہ بالا فعل سے وہ تھلہ مسجد نہیں بنتا[3]۔ تو اس کا گرانا شرعاً کوئی جرم نہیں اور تھلہ

---

۱) ففی الذخيرة مانصه : وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه اذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلا ة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٥، ٤١٦، طبع رشيديه كوئٹه۔
وكذا فى رد المحتار: كتاب الوقف مطلب فى أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٦، سعيد۔

۲) وفى مجمع الأنهر: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها لا يكون وقفاً، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٧، ٥٦٨، غفاريه كوئٹه۔ كذا فى ردالمحتار كتاب الوقف ج ٤ ص ٣٤٠ طبع سعيد كذا فى العالمگيرية كتاب الوقف ج ٢ ص ٣٥٣ رشيديه۔

۳) وكذلك ان اتخذ وسط داره مسجداً وان للناس، اذناً عاماً له ان يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه واذا كان ملكه محيط بجوانبه الأربع، كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه ابقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله، فتح القدير كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع رشيديه۔
وكذا فى الفقه الحنفى وأدلته باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكلم الطيب، بيروت۔
وكذا فى الهندية: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٤، سعيد۔

جیسے پہلے حکم رکھتا تھا، وہی حکم عبادت اس پر گزار نے کے بعد رکھتا ہے البتہ اگر اس تھلہ کا وہ شخص مالک ہو اور اس مذکورہ تفصیل سے نماز کے لیے خاص کردی ہو تو پھر شرعاً وہ مسجد کا حکم رکھے گی اور اس کا گرانا جرم و گناہ ہوگا[۱] اور اس پر سزا ملے گی۔ لیکن اس صورت میں اس تھلہ کا مسجد نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بغیر وقف کی ہوئی نماز کی جگہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع عظام اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جو کنوئیں بستی سے دور ہوتے ہیں اور وہاں پر کام کاج کرنے والے نماز پڑھنے کے لیے آسانی بستی میں نہیں آ سکتے تو پھر وہاں ایسے کرتے ہیں کہ ایک خاص جگہ کو اونچا کر کے اس جگہ کے اردگرد چھوٹی سی دیوار بنا کر اسی میں نماز ادا کرتے ہیں لیکن بعض اوقات چند وجوہ کی بنا پر وہ جگہ ہموار کرنی پڑتی ہے تو کیا اتنی صورت کے بنانے سے یہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوئی یا کہ نہیں؟ اگر مسجد کے حکم میں ہو تو کیا، اگر اس چبوترے کی زائد مٹی کے ساتھ اور مٹی اصلی نیچے کھود کر کسی اور جگہ ڈال کر مسجد بنالیں یا مسجد کی جگہ پر ڈالیں تو کیا یہ پہلی جگہ کسی دوسرے کام میں آ سکتی ہے۔ از راہ کرم بحوالہ کتب احناف بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا و توجروا بالثواب۔

السائل: (مولوی) فقیر احمد نگری کلاں پلسی ملتان

﴿ج﴾

مسجد کسی واقف کے وقف کرنے سے بنتی ہے[۲]۔ کسی جگہ کو مخصوص کر کے نماز پڑھنے سے (جب کہ مالک نے اسے وقف نہ قرار دیا ہو) مسجد نہیں ہو جاتی۔ اور بالعموم صورت مسئولہ کی مسجدیں مالک زمین کی طرف سے

---

۱) وفی الهدایه واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه، کتاب الوقف، ج ۲ ص ٦٤٠، طبع مکتبه شرکت علمیه۔

کذا فی رد المحتار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١،٣٥٢، طبع سعید۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتی لو غصب أرضاً ثم ملکها لا یکون وقفاً، مجمع الأنهر، کتاب الوقف، ج ۲ ص ٥٦٨، مکتبه غفاریه کوئته۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٤، مکتبه غفاریه کوئته۔

وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: کتاب الوقف، ج ۲ ص ٣٥٣، طبع مکتبه رشیدیه کوئته

نہیں ہوتیں۔ لہٰذا مسجد کے حکم میں نہیں اور اس کا بدلنا جائز ہوگا(۱)۔ واللہ اعلم۔
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

غصب شدہ مکان خرید کر مسجد کی تعمیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید کے مکان پر کسی غیر آدمی کا ناجائز قبضہ ہے۔ زید نے بہت کوشش کی لیکن قبضہ نہ مل سکا آخر اس نے تنگ آ کر کسی اور کو مکان فروخت کر دیا اور سرکاری طور پر سب کارروائی مکمل ہوگئی۔ ناجائز قبضہ کا جب پتہ چلا انتقال وغیرہ خریدار کے نام ہوگیا خریدار قبضہ تو کر ہی لے گا اس نے مکان کسی اور آدمی کو فروخت کر ڈالا اور انہوں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور بنا ڈالی دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ جگہ مسجد بنانے اور نماز پڑھنے وغیرہ کا کیا حکم ہے اور اس مسجد کا بنانا کیسا ہے؟

﴿ج﴾

اگر واقعی صورت بالا درست ہے اور اس کا ثبوت ہے تو یہ مسجد شرعاً مسجد نہیں ہوسکتی(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر

کنویں پر تعمیر عارضی مسجد کا حکم

﴿س﴾

علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ کنواں پر ایک مسجد چھوٹی سی بنائی گئی تھی، رواج کے

---

۱) وكذلك ان اتخذ وسط داره مسجد وأذن للناس بالدخول فيه، اذناً عاماً له أن يبيعه ويورث عنه لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه واذا كان ملكه محيط بجوانبه، الأربع كان له حق المنع فلم يصر مسجداً ولأنه ابقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى، فتح القدير، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٤٥، طبع رشيديه۔
وفي الفقه الحنفي وأدلته: وان اتخذ في وسط بستانه مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه ولم يفرزه عن داره، كان على ملكه وله أن يبيعه ويورث عنه بعد موته لأن ملكه محيط به وله حق المنع منه ولأنه لم يخلص لله لأنه ابقى الطريق لنفسه، باب وقف المسجد، ج ٣ ص ١٤٣، طبع دار الكلم الطيب، بيروت۔ ومثله في الهندية: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٤، طبع ايچ ايم سعيد۔
۲) كما في العالمكيرية: (ومنها) الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه أو صالح على مال دفعه اليه لاتكون وقفا، كتاب الغصب، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع مكتبه رشيديه۔ وكذا في مجمع الأنهر كتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨، طبع مكتبه غفاريه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٤، مكتبه غفاريه كوئته۔

مطابق اور اس کے قریب مکان بھی تھے اب مکانوں کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا۔ اب ان مکانوں کے نزدیک مسجد بنوانے کا خیال ہے اول مسجد میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھتے اور مسجد شارع عام پر بھی واقع نہیں ہے۔ کیا اس کو مسمار کر کے کھیتی باڑی کر سکتے ہیں یا نہیں اور اس لکڑی وغیرہ کو دوسری جگہ پر لگا سکتے ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

کنواں پر عموماً جو مسجد تعمیر کی جاتی ہے وہ اس قسم کی ہوتی ہے کہ ایک قطعہ زمین کو قدرے صاف کر کے صرف معمولی چار دیواری کا نام مسجد رکھ لیتے ہیں اور ابتداء تعمیر میں یہ زمین مسجد کے نام سے وقف بھی نہیں کرتے تو اس کا حکم سرے سے مسجد کا ہوتا ہی نہیں [1] بالفرض اگر مسجد بھی ہو جائے تب بھی حالت استغناء میں اس کا شہید کرنا جائز ہے اور ملبہ کسی دوسری مسجد جو قریب ہو صرف کیا جاوے۔ **کما فی ردالمحتار لهم تحويل المسجد الى مكان اخر ان تركوه بحيث لايصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه و صرف ثمنه فى مسجد اخر** [2]۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کے متعلق پوچھا گیا ہے اس کو اس کنواں والے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ منتقل کرنے کے بعد سابق مسجد کی زمین کو استعمال میں لانا جائز ہے اس لیے کہ وہ فی الواقع مسجد نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر۔ ۱۰/۶/۱۳۸۰ھ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر

کنویں پر قائم نماز کی جگہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کنوئیں پر ایک مصلیٰ برائے صلوٰۃ رکھا گیا اب اس جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کرنے کا ارادہ ہے کیا اسے منتقل کر سکتے ہیں اور اس پہلے مصلیٰ کو دوسرے دنیاوی کام میں لا سکتے ہیں۔ بینوا وتوجروا۔

السائل: محمد شفیع قوم بلوچ موضع بنگل ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

یہ مسجد نہیں ہے۔ جب تک مسجد کی نیت نہیں کی ہے اور اس زمین کو مالک نے وقف نہ کیا ہو مسجد نہیں ہوتی۔

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں" جز نمبر ۱ ص ۷۱۵
۲) رد المحتار مطلب في أحكام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٧، طبع ایچ ایم سعید۔

منتقل کرنا جائز ہے[1]۔ واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر کچہری روڈ

مصلیٰ یا مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد جو کہ پہلے ایک جائے نماز مصلیٰ کی شکل میں تھی مگر کچھ عرصہ سے اس کی چار دیواری کھینچ کر اوپر چھت ڈلوادی گئی ہے۔ ایک شہتیر اور کچھ کڑیوں سے تعمیر ہے۔ آیا اب اس کو وسیع کرنے کے لیے اسے فروخت کر کے اس کے بدلے اور نئی زمین خرید کر وہ قیمت بھی اور مزید رقم ملا کر بنائی جا سکتی ہے یا نہیں وضاحت فرمائیں۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر اس مسجد کی زمین مالک زمین نے مسجد کے نام دی ہو اور وہ پہلے مصلیٰ کی شکل میں رہی ہو بعد میں اس کی چار دیواری اور چھت ڈلوادی گئی ہو اور ایک دفعہ اذان و جماعت کے ساتھ اس میں نماز پڑھی گئی ہو تو وہ جگہ مسجد ہو گئی[2] اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی[3] اور ہمیشہ کے لیے مسجد برقرار رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ اس کو بدلنا، منتقل کرنا یا فروخت کرنا کسی حالت میں جائز نہیں[4] اور اگر اس مسجد کی زمین مالک نے

---

١) رجل لـه ساحة لا بناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... وأن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنةً ثم مات يكون ميراثاً عنه لأنه لا بد من التابيد والتوقيت ينافي التأبيد، فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، ج ٣ ص ٣٩٠، طبع رشيديه كوئته۔ وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ج ٢ ص ٤٥٥، طبع رشيديه كوئته۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٩، طبع ماجديه كوئته۔

٢) (ويزول ملكه عن المسجد والمصلى) بالفعل و (لقوله جعلته مسجداً) عند الثاني (وشرط محمد والإمام (الصلوة فيه) بجماعة وقيل يكفي واحد وجعله في الخانية ظاهر الرواية (شامي، ج ٤ ص ٣٥٧،٥٦، ايچ ايم سعيد۔ وكذا في العالمكيرية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٤٥٤، طبع رشيديه۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٦، رشيديه۔

٣) وفي الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً الى قيام الساعة، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد۔
وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئته۔

٤) فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ويعار ولا يرهن (قوله فأتم ولزم) ...... (قوله لا يملك) لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢،٣٥١، سعيد۔
وفي الهداية واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٤٠، طبع مكتبه شركة علميه ملتان۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٢، رشيديه۔

مسجد کے نام نہ دی ہو ایسے ہی ایک جگہ نماز کے لیے مخصوص کر دی تھی اور اس نے مسجد کی صورت اختیار کر لی تو وہ شرعاً مسجد نہیں ہے۔ اس لیے اس کا فروخت کرنا اور منتقل کرنا شرعاً جائز ہوگا[1]۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

دکانوں پر قائم مسجد میں نماز کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی ملکیت میں دکانیں ہیں۔ ان کے اوپر مسجد تعمیر کی گئی ہے اور وہ دکانیں وقف نہیں ہیں اب مسئلہ حل طلب یہ ہے کہ آیا اس مسجد میں نماز کا ثواب گھر میں نماز پڑھنے کے برابر ہوگا یا مسجد کا ثواب ہوگا۔ اور وہ دکانیں وقف کرنی پڑیں گی یا نہیں۔

﴿ج﴾

یہ جگہ مسجد نہیں ہے[2] اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا۔ البتہ باجماعت نماز پڑھنے کی بناء پر ۲۷ گنا اجر ملے گا[3] اور گھر میں اکیلے پڑھنے پر ایک نماز کا ثواب ملے گا۔ یہ جگہ مصلّٰی ہے اور گھر سے بہرحال افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۱۵ صفر ۱۳۹۴ھ

ایک وارث کا بلا اجازت دیگر ورثاء زمین کو مسجد کے لیے دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قطعہ زمین واقعہ نزد مسجد جانگلیانوالی تلمبہ تحصیل خانیوال ضلع

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان "نماز کے لیے مخصوص جگہ مسجد کے حکم میں نہیں۔" جز نمبر ۱ ص ۷۱۵

۲) وفی الفتاوی العالمکیریة: ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله فله أن یبیعه، ان مات یورث عنه، ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی بیت المقدس، ج ۲ ص ٤٥٥، کتاب الوقف، طبع بلوچستان بک ڈپو چمن۔
کذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الهدایة: کتاب الوقف، ج ۲، ص ٦٢٢، طبع مکتبه رحمانیه لاهور۔

۳) عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرین درجة رواه البخاری، باب فضل صلوة الجماعة، ج ۱ ص ۸۹، طبع قدیمی کتب خانه۔
ومثله فی الصحیح المسلم، باب فضل صلوة الجماعة، ج ۱ ص ۲۳۱، طبع قدیمی کتب خانه۔

ملتان میں مسمی محمد رمضان گاذر کی ملکیت تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس وقت کے رول کے مطابق مسماۃ نورن کو اپنے خاوند محمد رمضان کے ورثہ کو تقسیم ہونی تھی۔ مسماۃ نورن کی لڑکی مسماۃ فاطمہ نے اپنے آپ کو اس جائیداد کا واحد وارث ٹھہرا کر یہ تمام جائیداد اپنے نام انتقال کرالی۔ حالانکہ محمد رمضان کی لڑکی مسماۃ اللہ جوائی بھی اس وقت زندہ تھی اور ساتھ ہی دیگر وارثان محمد رمضان یا نورن موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ متذکرہ جائیداد کی تنہا مالکہ نہیں ہوسکتی اور نہ تھی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو واحد مالکہ تصور کرتے ہوئے یہ مکان وغیرہ دو روپے کے اسٹامپ پر (اہل اسلام) یعنی مسجد جانگلیا نوالی کو تحریر کر دیا کہ میں نے یہ تمام جائیداد مسجد کو دے دی۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے کا قانون شرعی کی رو سے حق نہیں رکھتی تھی اور یہ سب کچھ باقی وارثان کی غیر موجودگی یعنی چوری چھپے کیا گیا۔ جبکہ دوسرے حق داران کو علم تک نہیں ہوا تھا۔ اب باقی دعوے دار اور جائز قانونی یا شرعی وارث مذکورہ جائیداد قطعہ زمین کو اہل اسلام یعنی مسجد جانگلیا نوالی (موجود محمد مسجد) اپنا حصہ دینے پر رضامند نہیں ہیں۔ جب کہ باقی وارثان اپنے حصہ دار ہونے کا قانونی و شرعی ثبوت مہیا کرتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں کیا فاطمہ دختر نورن کو بغیر رضامندی دیگر وارثان جائیداد متذکرہ کے اکیلی تمام جائیداد بغیر تقسیم کیے اہل اسلام یعنی مسجد محمدی کو لکھ کر دے سکتی ہے۔ کیا ایسی جگہ جس کے مالک جائز وارث اپنے حصے مسجد کو لکھ کر نہ دیں اور مسجد تعمیر کرالی جائے کیا وہاں پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر مسجد میں شامل شدہ زمین کے ٹکڑہ کی قیمت ادا نہ کی جائے اور مالک اراضی مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کی قیمت دی جائے اور اہل مسجد پیش امام انکاری ہو اور صرف یہ رٹ لگا تا رہے کہ فاطمہ نے چونکہ لکھ دی ہے اس لیے کوئی رقم وغیرہ نہیں۔ لہٰذا یہ تمام مقبوضہ اسلام ہے۔ لہٰذا قیمت کس مسجد کی ادا کی جائے گی۔

جو حصہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے درمیان ایک مکان کا فاصلہ موجود ہے کیا وہ بھی مسجد میں شامل ہے۔ وہ اصل مالکان کو واپس مل جانا چاہیے یا نہیں یا کہ وہ بھی مسجد ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ شرعی طور پر فتویٰ اور وضاحت کی جائے کہ آیا یہ سب کچھ شریعت کی رو سے درست ہے یا کہ غلط۔

﴿ج﴾

واضح رہے کہ صحت وقف کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ واقف مال موقوف کا مالک ہو۔ غصب کردہ مال کا وقف یا موہوب مال کا وقف قبضہ میں لانے سے پیشتر یا بطور وصیت دیے ہوئے مال کا وقف وصیت کنندہ کی موت سے قبل یا ضبط کردہ زمین کا وقف صحیح نہیں۔ **کما فی البحر الرائق ج۵ ص ۱۸۸ ومن شرائطہ (ای الوقف) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفھا ثم اشتراھا من مالکھا ودفع الثمن الیہ او صالح علی مال دفعہ الیہ لاتکون وقفا لانہ انما ملکھا بعد ان وقفھا ھذا علی**

انه هو الواقف۔الخ(۱)۔

پس صورت مسئولہ میں شرعی طریقہ سے تحقیق کی جاوے۔اگر واقعی اس زمین میں اور ورثہ بھی شریک ہیں اوران سے کسی قسم کی اجازت حاصل کیے بغیر اس عورت نے دوسرے شرکاء کا حصہ بھی وقف کر دیا ہے۔تو شرعاً یہ وقف جائز نہیں بلکہ کوئی تصرف واستعمال بھی بدون مالک کی خوشی کے درست نہیں اور یہ زمین بدستور دیگر شرکاء کی ملکیت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۳ محرم ۱۳۹۳ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفااللہ عنہ ۲۳ محرم ۱۳۹۳ھ

صرف نیت سے زمین وقف نہیں ہوتی

﴿س﴾
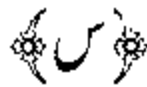
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل امین آباد نے جامع مسجد مہاجرین کے ملحق ایک پلاٹ جس کا رقبہ ایک کنال ہے۔ایک ہزار روپے میں خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کر لی کہ یہ پلاٹ مسجد اور مدرسہ عربیہ دونوں کے لیے خرید رہے ہیں یعنی اگر موجودہ مسجد سے زیادہ وسیع جامع مسجد تیار کرنی پڑ گئی تو وہ بھی بنالیں گے۔ اوراگر کبھی دینی مدرسہ قائم کرنے کی توفیق ہوگئی تو وہ بھی بنالیں گے چونکہ مدرسہ پہلے سے کوئی موجود نہیں تھا۔اس

---

۱) لما فی البحر الرائق: ومن شرائطه الملك وقت الوقف حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه وصالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفاً لأنه انما ملكها بعد ان وقفها هذا على أنه هو الواقف الخ، كتاب ج ٥ ص ٣١٤، طبع مكتبه رشديه كوئته۔
وكذا فی الهندية: ج ٢ ص ٣٥٣، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه وركنه وسببه وحكمه وشرائطه والألفاظ التی يتم بها الوقف، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا فی الشامية: قوله شرط سائر التبرعات، أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون عن التصرف حتى توقف الغاصب المغصوب لم يصح الخ، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة طبع ايچ ايم سعيد، ج ٤ ص ٣٤٠۔
٢) لما فی العالمكيرية: والفقهاء على عدم المشاع مسجداً أو مقبرة مطلقاً سواء كان مما لا يحتمل القسمة أو يحتملها هكذا فی فتح القدير كتاب الوقف، فصل فی وقف المشاع، ج ٢ ص ٣٦٥، طبع المكتبه رشيديه۔
وكذا فی الشامية: أن محل الخلاف فی ما يقبل القسمة بخلاف ما لا يقبلها فيجوز اتفاقاً الا فی المسجد والمقبرة، كتاب الوقف، مطلب فی وقف المشاع المقضی به، ج ٤ ص ٣٦٢، طبع ايچ ايم سعيد۔ وكذا فی فتح القدير: وانما اتفقوا على منع وقف المشاع مطلقاً مسجداً و مقبرةً الخ كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢٦، طبع مكتبه رشيديه۔

لیے خریدشدہ پلاٹ جو کہ شکل نمبر۲ میں دکھایا گیا ہے کی تحریر مسجد کے حق میں کرائی گئی تھی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مسجد کے ملحقہ پلاٹ کی زمینی سطح موجود جامع مسجد کی زمینی سطح سے پندرہ فٹ نیچی ہے۔ اور جب ہم دینی مدرسہ قائم کرنے اور نئی وسیع جامع مسجد کو زیرغور لائے تو کئی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ اور شرعی لحاظ سے کئی باتیں قابل استفسار بن گئیں۔ جو کہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) اگر ہم پلاٹ کے اندر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کریں تو موجودہ مسجد کے رقبہ کا صرف تقریباً چوتھائی حصہ نئی جامع مسجد میں شامل ہوگا جیسا کہ نقشہ میں شکل نمبر۳ سے ظاہر ہے۔ اور باقی موجودہ مسجد کا بچا ہوا حصہ بھی مسجد کی جنوبی جانب تھلہ بن جائے گا۔ جو کہ یا تو خالی پڑا رہے گا اور بوقت کثیر تعداد نمازیاں کام آتا رہے گا۔ بصورت دیگر اس جگہ مسجد سے متعلق کوئی چیز مثلاً امام مسجد کا رہائشی مکان، غسل خانے یا وضوء خانے تعمیر کیے جائیں گے۔ تو کیا ان دونوں صورتوں میں یا کسی ایک صورت میں یہ جائز ہے کہ ہم مسجد کو شہید کردیں اور نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کریں۔

(ب) چونکہ پلاٹ کی زمینی سطح جامع مسجد کی زمینی سطح سے پندرہ فٹ نیچی ہے اگر ہم پلاٹ میں نئی جامع مسجد بنائیں تو اس کے لیے ہمیں پلاٹ کا پندرہ فٹ اونچا بھراؤ کرنا پڑے گا۔ جس میں بہت ہی زیادہ رقم خرچ آئے گی اور اتنا خرچہ برداشت کرنے کی ہم اہل امین آباد میں استطاعت نہیں ہے۔ اگر ہم بھراؤ کے مقابلہ میں پلاٹ میں دینی مدرسہ کے پندرہ فٹ اونچے کمرے تعمیر کردیں اور ان کمروں پر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کردیں۔ تو اس طرح سے مدرسہ کی عمارت بھی بن جائے گی اور مدرسہ کی الگ عمارت تعمیر کا خرچ بھی بچ جائے گا۔ اور یہی کمرے بھراؤ کی جگہ کام آئیں گے تو کیا یہ صورت شرعی لحاظ سے درست ہے کہ اوپر نئی وسیع مسجد ہو اور نیچے مدرسہ کے کمرے ہوں جبکہ مسجد اوپر عرش معلیٰ تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد ہوتی ہے۔ (مگر دہلی کی جامع مسجد، بہاولپور کی شاہی مسجد، سرگودھا کی گول چوک کی جامع مسجد وغیرہ ایسی ہیں کہ ان کے نیچے دکانیں ہیں اور اوپر مسجدیں ہیں)۔

(ت) اگر جزء الف کی رو سے موجودہ مسجد کو شہید کرنا جائز ہو یا جزء ب کی رو سے مدرسہ کے اوپر نئی وسیع جامع مسجد تعمیر کرنا جائز ہو یا دونوں حالتوں میں سے کوئی ایک حالت جائز ہو اور ایک حالت ناجائز (یہ جائز یا ناجائز صورت آپ کے پہلے دو جزؤں کے جواب دینے سے معلوم ہوگی) تو پھر ہم نئی مسجد تعمیر نہیں کرسکتے۔ مگر پلاٹ خریدا گیا تھا مدرسہ اور مسجد دونوں کے بنانے کی نیت سے اب مدرسہ تو خیر بن جائے گا۔ اور اس کی نیت بھی پوری ہوجائے گی لیکن مسجد بنانے کی نیت کیسے پوری ہوگی۔ اس کا مفصل جواب دیجیے۔

(ث) اگر ہم آدھے پلاٹ میں مدرسہ تعمیر کرلیں اور آدھے پلاٹ میں اپنے گاؤں امین آباد کی عیدگاہ

تعمیر کریں تو کیا عیدگاہ تعمیر کرانے سے ہماری مسجد بنانے کی نیت پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ سنا ہے عیدگاہ کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔

(ج) ہم نے پلاٹ ایک ہزار روپے کا خریدا تھا۔ اور ایک ہزار روپیہ ہم نے موجودہ جامع مسجد کے جمع شدہ فنڈ میں سے دیا تھا۔ تو کیا اس ایک ہزار روپے کا نصف یعنی پانچ سو روپے مدرسہ کے ذمہ واجب الاداء ہیں، کیونکہ پلاٹ تو مدرسہ کی عمارت کے اوپر مسجد دونوں کی نیت سے خریدا گیا تھا۔ (یہ سوال جب ہی قابل استفسار رہے گا)

(ح) اگر ہم جزء ب کی رو سے مسجد تعمیر نہ کرسکیں تو پھر پورے پلاٹ میں مدرسہ بنائیں اور مسجد بنانے کی نیت بدل لیں۔ تو کیا شریعت میں ایسی کوئی صورت ہے کہ جس سے نیت بدلی جاسکے۔ (مثلاً نیت بدلنے کا کوئی کفارہ وغیرہ ہو یا ہم اس پورے پلاٹ کو مدرسہ کے لیے مسجد سے ایک ہزار روپے میں خرید لیں اور اس طرح ہماری تمام پیچیدگیاں دور ہو جائیں۔

(خ) اس پلاٹ میں ہم نے جو مدرسہ تعمیر کرنا ہے۔ تو ہم صرف خیرات عطیات اور چندہ وغیرہ جمع کر کے نہیں بناسکتے۔ کیونکہ ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں اور پس ماندہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری آمدنی کے ذرائع اتنے وسیع نہیں ہیں کہ ہم مدرسہ کی عمارت کو خیرات عطیات اور چندہ وغیرہ کی رقم سے تعمیر کرسکیں۔ ہاں البتہ زکوٰۃ صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم سے ہم مدرسہ کی عمارت کو بفضلہ تعالیٰ پایہ تکمیل تک پہنچاسکتے ہیں۔ تو شریعت میں کون سی ایسی صورت نکلتی ہے کہ جس کے ذریعہ ہم زکوٰۃ، صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم مدرسہ کی عمارت پر خرچ کرسکیں۔ جبکہ زکوٰۃ، صدقات اور قربانی کی کھالیں غرباء اور مساکین کا حق ہے۔

(د) ہمارے ہاں ایک قاری صاحب ہیں جو بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ اپنے تعلیمی امور کو عارضی طور پر موجودہ جامع مسجد میں سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اس وقت تک قاری صاحب تعلیمی امور کو موجودہ جامع مسجد میں بھی سرانجام دیتے رہیں گے جب تک کہ مدرسہ کی عمارت نہیں بن جاتی ہمارے ہاں اس وقت باہر کا کوئی غریب طالب علم مقیم نہیں ہے۔ صرف مقامی بچے قرآن کی تعلیم پارہے ہیں۔ اور تمام بچے اچھے متوسط گھرانوں سے متعلق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مدرسہ کی عمارت نہ بن جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس بیرونی طلبہ کو ٹھہرانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ تو سنا ہے جس مدرسہ میں مسافر غریب طلبہ نہ پڑھتے ہوں اس مدرسہ میں زکوٰۃ، صدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم قطعاً نہیں دینی چاہیے۔ تو کیا یہ بات ٹھیک ہے اگر یہ بات ٹھیک ہے تو پھر ہم زکوٰۃ وصدقات اور قربانی کی کھالوں کی رقم کو اس مدرسہ کی عمارت پر کس طرح خرچ کرسکتے ہیں۔

(ز) ہمارے ہاں ہندو لوگ جو مکان چھوڑ گئے تھے ان مکانوں کو نہ تو اب تک گورنمنٹ نے الاٹ کیا ہے اور نہ ہی ان مکانوں کی نیلامی ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا دیہات ہے لوگوں نے جتنے مکانوں پر جس جس جگہ پر قبضہ کرلیا ہے تو ان کے تصرف ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے (۱) چنانچہ ایک شخص نے اپنے قبضے میں کیے ہوئے مکانات میں سے چند مکانات مسجد بنانے کے لیے دیے تھے، تو ہم نے ان شکستہ مکانات کو گرا کر مسجد بنالی تھی۔ جو کہ اس وقت بھی جامع مسجد ہے۔ اور اس کو بنے ہوئے تقریباً چودہ سال ہوگئے ہیں۔ تو اب سنا ہے کہ ہندو کی جائیداد میں جو مسجد بنائی جائے تو اس وقت تک مسجد شمار نہیں ہوتی، جب تک کہ گورنمنٹ سے اجازت نہ لی جائے، تو یہ بات کہاں تک درست ہے اور علماء دین ومفتیان شرع متین کے نزدیک اس کے متعلق کیا تفصیل ہے؟ (۲) اور بالکل اسی طرح پلاٹ خرید شدہ سے ملحقہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو کہ ہندو کی سکنی مکان کا حصہ تھا۔ جس پر ایک مہاجر نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہ بھی تقریباً ایک سال ہوا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے لیے دے دیا ہے۔ کیا اس ٹکڑے کے لیے بھی گورنمنٹ سے اجازت لینی ضروری ہوگی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین تا حال مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف نہیں بلکہ مدرسہ کے لیے خریدی گئی ہے۔ بناء بریں جب تک یہ زمین وقف نہیں تو اس زمین پر مسجد اور مدرسہ کو کس طرح تعمیر کرنا درست ہے[1]۔ مدرسہ کے کمروں کے اوپر مسجد کا صحن وغیرہ بنانا بھی درست ہے۔ بشرطیکہ مدرسہ کے کمرے بنانے سے قبل یہ ارادہ ہو کہ کمروں کے اوپر مسجد بھی تعمیر کریں گے۔ الحاصل مسجد اور مدرسہ دونوں کا نقشہ پہلے تیار ہونا ضروری ہے۔ اگر مدرسہ کے کمرے پہلے بنالیے اور کمروں کے بنانے کے وقت اوپر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ نہ ہو اور بعد میں ارادہ ہو جائے۔ تو پھر اوپر مسجد بنانا جائز نہ ہوگا۔

باقی مسجد تعمیر کرنے کے وقت قدیم مسجد کا کچھ حصہ بچ رہا ہے جیسا کہ شکل نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ اس حصے

---

۱) لما في الشامية: لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص الخ كتاب البيوع، ج ٤ ص ٥٠٢، طبع ايچ ايم سعيد۔

وكذا في الشامية: والملك يزول ...... عن الموقوف بأربعة أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٤٣،٣٤٧، طبع ايچ ايم سعيد۔

کا حکم مسجد ہی کا رہے گا اور اس حصے میں امام مسجد کے لیے رہائشی مکان وغیرہ تعمیر کرنا جائز نہیں [۱]۔ عیدگاہ جمیع احکام میں بحکم مسجد نہیں [۲]۔ اگر آدھی زمین پر مدرسہ بنایا گیا تو پانچ سو روپے مدرسہ کے ذمہ واجب الاداء ہوں گے [۳]۔ زکوٰۃ، قیمت چرم قربانی وغیرہ صدقات واجبہ سے تعمیر مسجد یا مدرسہ جائز نہیں [۴]۔ البتہ اگر حیلہ تملیک کرلیا جاوے تو جائز ہے۔ تملیک یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ کے پیسے کسی ایسے شخص کی ملک کردیے جائیں جو مالک

---

۱) لما في الدر المختار: أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ قوله أما لو تمت المسجدية أي بالقول على المفتى به أو بالصلوة فيه على قولهما الخ۔

وكذا في العالمكيرية: واذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلي فيه عاد ملكاً لواقفه أو لورثته حتى جاز لهم أن يبيعوه أو يبنوه داراً وقيل هو مسجد أبداً هو الأصح كذا في خزانة المفتين، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر الفصل الأول، ج ۳ ص ۴۵۸، طبع مكتبه رشيديه

وكذا في البحر الرائق: اذا خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية أو لم يخرب لكن خربت القرية بنقل أهلها واستغنوا عنه ...... وقال أبويوسفؒ هو مسجد أبداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر الخ، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) لما في العالمكيرية: وأما المتخذ لصلوة العيد فالمختار أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وان انفصلت الصفوف وفي ما عدا ذالك فلا رفقاً بالناس كذا في الخلاصة كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول، ج ۲ ص ۴۵۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

لما في الخلاصة الفتاوى: أما المسجد لصلوة العيد فالمختار أنه مسجد في جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف وفي ما عدا ذلك فلا رفقاً للناس، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، ج ۴ ص ۴۲۱، طبع مكتبه رشيديه۔

وكذا في الشامية: أما مصلي العيد لا يكون مسجداً مطلقاً وانما يعطى به حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وان كان منفصلاً عن الصفوف الخ، كتاب الوقف، مطلب اذا وقف كل نصف على حدة صار اوقفين، ج ۴ ص ۳۵۶، طبع ايچ ايم سعيد۔

۳) لما في الشامية: قوله لزم أجر المثل، بناء على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن اذا كان وقفاً الخ، كتاب الوقف، مطلب سكن داراً ثم ظهر أنها وقف يلزم أجرة ما سكن، ج ۴، ص ۳۵۲، طبع ايچ۔ ايم، سعيد۔ وكذا في فتح القدير ومن سكن دارالوقف غصباً أوباذن المتولى بالأجرة كان عليه أجره مثله الخ۔ ص ۴۴۹، ج۵، كتاب الوقف، وكذا الفصل الاول في المتولي۔ طبع ايچ۔ ايم، سعيد، ج ۵ ص ۴۴۹، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي، طبع ايچ ايم سعيد۔

۴) لما في الدر المختار مع رد المحتار: ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد الخ، قوله (نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه الخ كتاب الزكاة، باب المصرف، ج ۳ ص ۳۴۲، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

نصاب نہ ہو یعنی مصرف زکوٰۃ ہو پھر اگر وہ اپنی طرف سے تعمیر مسجد یا مدرسہ کے لیے دے دے تو اس سے تعمیر مسجد یا مدرسہ جائز ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ قیمت چرم قربانی تنخواہ میں بھی دینا جائز نہیں۔ البتہ حیلہ تملیک کے بعد جائز ہے۔ جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے یا اب مسجد یا مدرسہ تعمیر کیا جارہا ہے۔ اس زمین کو مسجد اور مدرسہ کے نام سرکاری کاغذات میں اندراج کرایا جاوے۔ اس بیان سے تمام سوالوں کا جواب ہوگیا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صرف زمین کو مخصوص کرنے سے مسجد کا حکم نہیں ہوتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ میں اپنی مملوکہ زمین کے کسی احاطہ میں مسجد بناؤں گا پھر چند دنوں کے بعد چند آدمیوں کو بلا کر کہا کہ کیا مسجد کے لیے یہ جگہ موزوں ہے۔ بلائے ہوئے آدمیوں نے بھی اس جگہ کو مسجد پسند کیا اور کہا کہ چونکہ یہ جگہ قریب والے مکانوں اور گھروں کے درمیان میں واقع ہے اور سب کے سب نماز پڑھنے کو پہنچ سکیں گے۔ زید نے کہا کہ پھر تو اس جگہ پر مسجد کی بنیاد رکھیں گے۔ اب مسئلہ زیر غور یہ ہے۔ کیا مکان مشارالیہ سے فوائد آخر ذاتی زید لے سکتا ہے یا نہیں؟ مگر اسی جگہ کی اگر شارع عام کو ضرورت ہو جائے تو قبل از نہادن بنیاد مسجد شارع بنا سکتا ہے یا کوئی اور فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ بوجہ مشارالیہ ہونے کے یہ جگہ من وجہ وقف کی طرح ہے۔ **الوقف لایملکه احد** ۔ اور اسی طرح دیگر مسائل فقہ کی بھی خلاف ورزی ہے۔ نیز زید تو اب بھی کہتا ہے کہ میں یہاں مسجد ہی بناؤں گا۔ لیکن دیگر لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو برائے شارع عام چھوڑنا چاہیے اور اگر یہاں مسجد بنالی جائے تو بعض لوگوں کو کچھ تھوڑی سی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ نیز اس جگہ پیش ازیں اور اب تک شارع عام کا نام و نشان بھی نہیں۔ اسی طرح فی الحال شارع عام کی ضرورت بھی نہیں لیکن باعتبار مایؤل کے کسی وقت ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہے۔ براہ کرم نوازی مسئلہ بالا کو کتب معتبرہ سے مع حوالہ جات صحیحہ مزین فرماویں۔

﴿ج﴾

زید نے تو صرف یہی الفاظ کہے ہیں کہ پھر تو اسی جگہ مسجد کی بنیاد رکھیں گے۔ اس سے وہ جگہ مسجد ابھی تک نہیں بنی ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی مرضی سے اس جگہ میں سے کچھ راستہ بنانے کے لیے چھوڑتا ہے تو اسے اجازت

---

۱) لما فی الدر المختار: وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ، وقال الشامی: تحت قوله (أن الحيلة) فی الدفع الی هذه الأشياء مع صحة الزكاة (ثم يأمره الخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب (بحر) كتاب الزكوة باب المصرف، ج ۳ ص ۳۴۳، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

ہے۔ تب زمین مسجد کا حکم لیتی ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا ہے اور یہ مسجد ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں تو اس میں کم از کم ایک آدمی کا وہاں پر نماز پڑھ لینا بھی شرط ہے۔ اور وہ تو صرف اس جگہ کو مسجد بنانے کا ارادہ کر چکا ہے۔ قال في الدر المختار (ويزول ملكه عن المسجد و المصلى) بالفعل و (بقوله جعلته مسجدا) في الشامي (وشرط محمد) والامام (الصلاة فيه) بجماعة و قيل يكفي واحد و جعله في الخانية ظاهر الرواية [1]۔

کیا سرکاری کارروائی کے بغیر وقف درست ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ذاتی ملکیت میں مسجد تعمیر کی اور فی سبیل اللہ نماز کے لیے وقف کردی اور اس میں نماز باجماعت جاری ہے لیکن سرکاری کاغذات میں یہ رقبہ اسی شخص کے نام درج ہے کیا سرکاری کاغذات میں رقبہ اسی شخص کے نام ہونے سے مسجد میں شرعاً کوئی فرق تو نہیں پڑتا جب کہ اس نے مسجد کو بالکل وقف کردیا نیز یہ شخص تولیت بھی اپنے لیے رکھتا ہے کیا تولیت اپنے یا اپنی اولاد کے لیے مقرر کرسکتا ہے۔

﴿ج﴾

زبانی وقف کرنے سے بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں ہے۔ في الدر المختار وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلايجوز له ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وفيه الملك يزول عن الموقوف الخ. وفيه (ولايتم) الوقف (حتى يقبض) ويفرز) فلايجوز وقف مشاع يقسم خلافا للثاني ويجعل اخره لجهة قربة لاتنقطع (الى قوله) واختلف الترجيح والاخذ بقول الثاني احوط و اسهل بحر وفي الدرر و صدر الشريعة وبه يفتي واقره المصنف ج۳ص ۳۹۲، ۴۰۱ [2]۔

وفي ردالمحتار تحت قوله (وجعله ابو يوسف كالاعتاق) فلذلک لم يشترط القبض

(۱

۲) لما في الدر المختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨- ٣٥١۔

والافراز اه. ای فیلزم عنده بمجرد دالقول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک [1] الخ وفی الدرالمختار یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عندالثانی وشرط محمد والامام (الصلوة فیه وفی ردالمحتار قوله بالفعل ای بالصلوة فیه ففی شرح الملتقی انه یصیر مسجدا بالاخلاف. ج۳ص۴۰۴. [2]

پس صورت مسئولہ میں جب یہ مسجد اللہ کے لیے وقف کردی اوراس میں نماز باجماعت شروع ہے تو وقف صحیح ہے اوراس کے مسجد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے سرکاری کاغذات میں اس کے نام ملکیت کے اندراج سے مسجد کے وقف ہونے میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔صحت وقف کے لیے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں ہے اس لیے سرکاری کاغذات میں اس شخص کے نام درج ہونے کے باوجود وقف صحیح اور جائز ہے۔

مسجد کی تولیت اپنے لیے یا اپنی اولاد یا اولاد الاولاد کے لیے شرط کرنا بھی بالاتفاق جائز ہے اور واقف نے اگر یہ شرط کردی ہو کہ متولی وقف میں خود ہوں گا یا میری اولاد ہوگی تو حاکم کسی دوسرے شخص کو متولی نہیں بنا سکتا جب تک کہ اس سے خیانت ثابت نہ ہوجائے۔**قال فی الدر المختار جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع (الی قوله) وجاز جعل غلة الواقف او الولایة لنفسه عندالشهید (وعلیه الفتوی وفی ردالمحتار قوله وعلیه الفتوی کذا قاله الصدر الشهید وهو مختار اصحاب المتون و رجحه فی الفتح واختار مشائخ بلخ و فی البحر عن الحاوی انه المختار للفتوی ترغیبا للناس فی الوقف و تکثیرا للخیر در مختار مع شامی کتاب الوقف** [3]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) لما فی الدر المختار: کتاب الوقف، مطلب فی الکلام علی اشتراط التأبید، ج ٤ ص ٣٤٩۔

۲) کما فی الدر المختار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٤-٣٥٦، مع رد المحتار، طبع ایچ ایم سعید۔

وکذا فی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول، ج ٢ ص ٤٥٤، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٦، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) لما فی الدر المختار مع رد المحتار: کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٧٩۔

وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٧٧، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی فتح القدیر: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٣٧، مکتبه رشیدیه۔

افسران مجاز کی اجازت کے بغیر وقف درست نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس میں پرانے گیٹ کے ساتھ ایک مصلیٰ کی جگہ مسافروں اور ملازمین کے لیے تیار رکھی تھی۔ لیکن اب وہ جگہ چاردیواری میں آتی ہے۔ ہمیں گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس والے کہتے ہیں ہم اس جگہ کی بجائے دوسری جگہ مسجد بنادیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں فتویٰ آپ لوگوں سے لینا ضروری ہے تاکہ وہاں کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اگر کسی بااختیار افسر کی باقاعدہ اجازت کے ساتھ اس قطعہ زمین کو مسجد بنادیا گیا ہو تب تو یہ قطعہ زمین مسجد ہی کہلائے گا اور اس کو کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔ اور اگر ماتحت ملازمین ازخود بدون اجازت افسر مجاز کے اس کو مسجد بناچکے ہوں۔ یا محض مصلیٰ (عارضی نماز کی جگہ) بنانے کی خاطر اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔ ہمیشہ تک کے لیے مسجد بنانے کی اجازت حاصل نہ کی گئی ہو تو ان ہر دو صورتوں میں یہ جگہ مسجد شمار نہ ہوگی اور اس کو چاردیواری میں شامل کرکے دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا درست ہوگا[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ گورنمنٹ پاکستان کی ایک سکیم پاک جرمن فارم کالونی چک نمبر ۵ فیض جو تقریباً ۱۱۵ ایکڑ رقبہ میں کالونی کے مکانات وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ سابقہ انچارج اس کا جرمنی غیر مسلم تھا۔ اب اس میں اکثریت پاکستانی مسلمانوں کی ہے۔ اس کالونی میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ چنانچہ وہاں ایک پلاٹ فارغ تھا۔ تو اس میں مسلمان ملازمین نے مسجد تیار کرلی ہے۔ تو اب اس مسجد کا شرعاً کیا حکم ہے۔ یہ شرعی مسجد ہے یا نہیں؟

---

۱) لما فی الدر المختار مع رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب قد ثبت الوقف بالضرورۃ، ج ٤ ص ٣٤٠، طبع ایچ ایم سعید۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥، ص...... طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

﴿ج﴾

اگر حکومت کی اجازت کے بغیر یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے تو پھر یہ مسجد شرعی مسجد نہیں ہے۔ نمازیں جو اس میں پڑھی گئی ہیں ادا ہوگئی ہیں۔ اور آئندہ کے لیے حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جائے اگر حکومت اجازت دے دے تو پھر یہ شرعی مسجد بن جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفس شہرت سے وقف نہیں ہوتا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک قطعہ زمین جو بغیر مالک زمین کے مستند تحریری ثبوت کے وقف کے نام سے مشہور ہے اور مالک زمین کی کوئی تحریری سند کسی کے پاس موجود نہیں۔ کچھ گواہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کسی زمانے میں صرف کچھ درخت وقف تھے مگر زمین وقف نہیں تھی۔ درختوں کی وجہ سے وقف مشہور ہے جو کہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بعد میں درخت بھی ختم ہوگئے اس لیے ان کی وجہ سے زمین وقف نہیں ہوسکتی ہے۔ کچھ گواہوں کا کہنا ہے کہ اس زمین کو استعمال کرنے سے مالک زمین نے کئی بار ایک دو امام مسجد اور متولی کو منع کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین وقف نہیں تھی۔ (۴) یہ زمین ایک تو کھنڈ کی صورت میں ہے اور راہ عام کی زد میں ہے۔ اس لیے کار آمد ثابت نہیں ہوسکتی۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

قطعہ مذکورہ کے بارے میں کہ یہ وقف ہے تو اسے وقف ہی تصور کرنا چاہیے تاوقتیکہ وقف نہ ہونے کا علم یقینی طور پر ہو جائے۔ اصل وقف کے بارے میں نفس شہرت کی بنا پر بھی گواہی دینا درست ہے (۲) (کما فی الدر المختار۔ کتاب الوقف) ایسے ہی ایک واقعہ کے بارے میں حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی رحمھما اللہ کا ایک فتویٰ بھی منقول ہے۔ کمافی الفتاویٰ الرشیدیہ ج ۳ ص ۱۲۰۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) لما فی رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب قد ثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، طبع ایچ ایم سعید۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب ج ٥ ص، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

۲) لما فی العالمکیریة: الشهادة علی الوقف بالشهرة تجوز وعلی شرائطه لا وعلیه الفتوی الخ، کتاب الوقف الفصل الثانی، ج ۲ ص ٤٣٨، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

کیا وقف کو منسوخ کرنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے کچھ زمین مدرسہ کے نام وقف کردی۔ سرکاری طور پر بھی وہ زمین مدرسہ کے نام منتقل کردی گئی اور کاغذات وغیرہ حاصل کرلیے گئے اور سرکار کے ہاں وہ زمین مدرسہ کے نام درج کردی گئی۔ نیز اس زمین پر مدرسہ نے تین سال سے قبضہ کررکھا ہے۔ اور اس میں ایک مکمل کمرہ بھی تعمیر کرلیا ہے۔ اور باقی تعمیر شروع ہے اب واقف کہتا ہے کہ یہ میری زمین ہے واپس کردو آیا شرعاً اس کو یہ حق پہنچتا ہے۔ اگر نہیں تو مع دلائل وحوالہ مفصلاً واضحاً جواب باصواب سے ممنون فرماویں۔ بینوا توجروا۔

فی الدرالمختار و عندهما هو (ای الوقف) حبسها علی حکم (ملک الله تعالی و صرف منفعتها علی من احب) ولو غنیا فیلزم فلایجوزله ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال. وفیه الملک یزول عن الموقوف. الخ. وفیه ولایتم حتی یقبض ویفرز فلایجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی ویجعل آخره بجهة قربة لاتنقطع الی قوله واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل. بحر. و فی الدر و صدر الشریعة وبه یفتی واقره المصنف ۔الخ[1]۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ یہی ہے کہ وقف ملک واقف سے زائل ہوجاتا ہے۔ کما ذهبنا الیه خواہ بمجرد قول ہو خواہ بمجرد تسلیم الی المتولی لیکن مفتی بہ اول ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں وقف صحیح ہے۔ اور زمین مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔ اب واقف کا زمین سے کوئی حق متعلق نہیں۔ اور نہ اب وہ زمین کی واپسی کا مطالبہ شرعاً کرسکتا ہے۔ اب یہ زمین قیامت تک کے لیے

---

۱) وفی الدر المختار: کتاب الوقف ج ٤ ص ٣٣٨-٣٣٤-٣٤٨، طبع ایچ ایم سعید۔

وكذا فی الهندية: وعندهما علی حکم ملك الله تعالی علی وجه تعود منفعته الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث کذا فی الهداية، کتاب الوقف، الباب الأول ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن۔

وكذا فی الهداية: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٥، طبع مکتبه رحمانیه ملتان۔

وقف رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۹/۵/۱۳۹۰ھ

واقف وقف کی واپسی کا مجاز نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مقامی میونسپل کمیٹی پلاٹ برائے ضروریات لوگوں کو الاٹ کرتی ہے۔ اس کے بدلہ کچھ رقم بنام بھوم باڑہ سالانہ وصول کرتی ہے۔ بلوچستان کے اکثر شہروں میں پلاٹوں کے حصول کا یہی طریقہ کار ہے۔ عام عرف میں جس کے نام پلاٹ الاٹ ہو وہ اس کا مکمل طور پر مالک سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس پلاٹ پر جو کچھ چاہے وہ تعمیر کر سکتا ہے۔ جب چاہے وہ پلاٹ فروخت کر سکتا ہے۔ بوقت فروخت میونسپل کمیٹی کسی قسم کی ممانعت نہیں کرتی۔ بلکہ بسا اوقات ان پلاٹوں کی خرید و فروخت میں تنازع کی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان فیصلہ کمیٹی کرتی ہے نہ بائع کو اس پلاٹ کے لینے سے منع کرتی ہے۔ اور نہ مشتری کو خرید سے بند کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ زید نے میونسپل کمیٹی سے بھوم باڑہ کے ذریعہ پلاٹ حاصل کیا اور بعد میں بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بکر نے مقامی مدرسہ کے مہتمم کے حوالہ کر کے پلاٹ کو مدرسہ کے نام وقف کر دیا مہتمم نے مدرسہ کی رقم سے اس پلاٹ پر مدرسہ کے لیے تعمیر کر دی۔ یہ تعمیر بکر جو کہ واقف ہے کے سامنے ہوتی رہی۔ تقریباً تین سال کے بعد ایک شخص نے واقف سے مہتمم کے خلاف شکایت کی اور ان سے کہا کہ مہتمم مذکور سے پلاٹ واپس لے لو۔ واقف نے کہا کہ وقف کے بعد اب میں رجوع نہیں کرتا۔ اس بات پر گواہ بھی موجود ہیں اور تحریری ثبوت بھی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد واقف یعنی بکر نے مہتمم سے پلاٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میرا تجھ پر اعتماد نہیں۔ مہتمم کہتا ہے کہ پلاٹ مدرسہ کے نام وقف ہو چکا ہے۔ تعمیر کے ذریعہ اس پر مدرسہ کا مکمل قبضہ ہے اب تجھے رجوع کا حق نہیں۔ البتہ اگر تیرا مجھ پر یعنی مہتمم پر اعتماد نہیں تو میری خیانت ثابت کر کے مجھے اراکین مدرسہ کے ذریعہ معزول کیا جائے۔ کیونکہ خائن کو معزول کرنا واجب ہے۔ گو اب اس صورت میں یہ وقف صحیح ہے (جبکہ عام طور پر عرف میں حتیٰ کہ میونسپل کمیٹی کے نزدیک بھی جس کے نام پلاٹ الاٹ ہو وہ مالک متصور کیا جاتا ہے) اگر وقف صحیح ہے تو مہتمم پر عدم اعتماد کی وجہ سے مدرسہ سے وقف پلاٹ واپس لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

برتقدیر صحت واقعہ یہ وقف صحیح ہے[1] اور بکر واقف اس کے واپس لینے کا مجاز نہیں[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۹۶/۳/۲۹ھ

الجواب صحیح محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶/۴/۲ھ

وقف کو دوبارہ ذاتی ملکیت بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنا کچا پرانا مکان کسی مخصوص دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور وقف نامہ سرکاری طور پر رجسٹری کروایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مکان اسی مخصوص مدرسہ کے لیے وقف ہے۔ میرا اور میرے ورثہ میں سے کسی کا اس مکان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں میں یا میرے ورثہ میں سے کوئی شخص اس کو واپس نہیں کر سکے گا۔ مدرسہ کے منتظمین کو ہر طرح کا اختیار ہوگا کہ وہ اسے براہ راست مدرسہ کے لیے استعمال کریں یا کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مدرسہ پر خرچ کریں اس کی تعمیر ومرمت کی ذمہ داری مدرسہ کے منتظمین پر ہوگی۔ لیکن منتظمین کو بھی بیع رہن کا اختیار نہ ہوگا۔ نیز تعمیر ومرمت وغیرہ کی کسی قسم و اختیار کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی اور نہ ہی یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ اور میں نے اس کا قبضہ واختیار بحق مدرسہ مذکور کے منتظم کو دے دیا ہے، چنانچہ اس وقف نامہ رجسٹری ہو جانے کے بعد مدرسہ نے کافی خرچ کے ساتھ اس مکان کی مرمت کرائی۔ کیونکہ وہ مکان پرانا تھا اور اس کے گرنے کا خطرہ تھا اس لیے اس کو پختہ اینٹوں سے بنایا گیا اور اس کے علاوہ بھی پوری مرمت کرائی گئی۔ بلکہ ایک پرانا کمرہ گرا کر اس کے بجائے ایک نیا کمرہ بنایا گیا۔ اور اس پر سارا خرچ مدرسہ نے کیا اور مدرسہ کے منتظم کے انتظام ہی میں یہ ساری تعمیر ہوتی رہی جس سے

---

۱) لما في الدر المختار مع رد المحتار: ثم أن أبايوسف يقول يصير وقفاً بمجرد القول لأنه بمنزلة الاعتاق عنده وعليه الفتوى، كتاب الوقف، طبع ایچ ایم سعید، ج ٤ ص ٣٣٨۔

وكذا في الهداية: وقال أبويوسفؒ يزول ملكه بمجرد القول الخ، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٣٧، مكتبه شركت علميه ملتان۔ وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٢٨، مكتبه رشيديه كوئته۔

٢) لما في الدر المختار: وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً فيلزم، فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٨، طبع ایچ ایم سعید۔

وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٠، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

وكذا في الهداية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٥، طبع مكتبه رحمانيه ملتان۔

اس مکان کی مالیت بڑھ گئی اور پہلی حالت بہت کچھ بدل گئی۔ اس دوران میں وہ شخص اور اس کی بیوی اس مکان میں بحیثیت کرایہ دار ساکن رہے۔ اور یہ مکان کرایہ پر اس کی بیوی نے لیا تھا۔ اور باقاعدہ کرایہ نامہ کا اسٹام وغیرہ کر دیا تھا۔ اور شخص مذکور اپنی بیوی کے ساتھ اس مکان میں رہ گیا۔ اور اس وقت دونوں میاں بیوی بیٹھے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سال گزرنے پر اب وہ شخص اس وقف کو منسوخ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ یہ مکان اس طرح میری ذاتی ملکیت بن جائے جس طرح وقف سے پہلے تھا کیا اسے ایسا کرنے کا از روئے شریعت اسلامیہ حق حاصل ہے۔ یا منتظمین اس مکان کے پیسے لے کر اس کے بدلہ مدرسہ کے لیے کوئی دوسرا مکان یا زرعی زمین خرید کر سکتے ہیں یا نہ؟ کیا وقف کرنے والا وقف مذکور منسوخ کر سکتا ہے یا وقف کرنے والا اور منتظمین مل کر اس کا تبادلہ کر سکتے ہیں خواہ تبادلہ بصورت قیمت ہو یا بصورت مکان یا زمین۔

السائل: عبدالعزیز ولد چوہدری عبداللہ سکنہ جلال پیر والہ ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

عبارت مندرجہ استفتاء کا خلاصہ یہ ہے کہ واقف نے وقف ٹھیک طور پر کر دیا ہے اور وقف نامہ رجسٹری شدہ ہے اور وقف نامہ میں واقف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں نے وقف شدہ مکان متولیان مدرسہ کو تسلیم کر دیا ہے اور اس کے اس اقرار کی صحت کے لیے یہ بات کافی دلیل ہے کہ متولی نے مدرسہ کے خرچ پر اس مکان کی اور تعمیر کرائی اور اگر واقف اس مکان میں ساکن ہو رہا تو کرایہ دار کی حیثیت سے [1] بس اس صورت میں جمہور آئمہ اسلام کے نزدیک مکان مذکور واقف کی ملک سے نکل گیا اور وقف لازم ہو گیا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو صرف وقف کرنے سے ہی واقف کی ملک زائل ہو جاتی ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تسلیم الی المتولی شرط ہے۔ تو وہ بھی پوری ہو چکی ہے بس وقف لازم ہو گیا۔ اور وقف کرنے والے کی اس پر کسی قسم کی کوئی ملک، باقی نہیں۔ چنانچہ ہدایہ ج ۲ ص ۶۱ میں ہے: **واذا کان الملک یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسف وھو قول الشافعیؒ بمنزلة الاعتاق لانه اسقاط الملک وعنده لابدمن التسلیم الی المتولی لانه حق الله تعالیٰ الی قوله واذا صح الوقف**

---

۱) رجل أجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقها للدواب وخربها يضمن لأنه فعل بغير اذن الخ، شامی كتاب الوقف، مطلب كون التعمير من الغلة، ج ٤ ص ٣٦٧، ایچ ایم سعید۔
وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا فی الولوالجية: كتاب الوقف، الفصل الأول، ج ٣ ص ٩٩، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

علی اختلافهم خرج من ملک الواقف انتهی [۱] اور چنانچہ درمختار ص۳۹۲ میں ہے: و عندهما هو حبسها علی حکم ملک الله وصرف منفعتها علی من احب ولو غنیا فیلزم فلایجوز له ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتوی انتهی [۲]۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وقف کہتے ہیں کسی چیز کو اللہ کے ملک میں رکھنا اور اس کی منفعت کو اپنے پسند کردہ مصرف پر خرچ کرنا، پس یہ لازم ہے۔ اس کا باطل کرنا واقف کو جائز نہیں۔ اور نہ ہی اس کے وارث بطور ورثہ اسے لے سکتے ہیں۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ هذا عندی واللہ اعلم بالصواب سلطان محمود مدرس دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ۔ الجواب صحیح ابوالشفیق محمد رفیق مدرسہ دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ۔

﴿الجواب﴾: صحیح مکان موقوف کا تبادلہ زرعی اراضی سے تو بالکل جائز نہیں [۳] اور سکنی مکان کے ساتھ بھی واقف مکان کی مرضی و دل جوئی سے نہیں بلکہ متولی اپنی مرضی سے اگر مکان موقوف کو مدرسہ کے لیے مفید سمجھ کر تبادلہ شروط مذکورہ کے ساتھ کر دے تب جائز ہوگا [۴]۔ موجودہ صورت میں تبادلہ واقف کی خاطر ہو رہا ہے۔ اس میں ضرور وقف کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس لیے تبادلہ کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری مد میں صرف نہ کیا جائے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۹/۷/۱۳۷۸ھ

واقف کے ورثاء کو تصرف کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی برکت ولد محمد بخش ذات نورباب عمر ۸۰ سال پیشہ دکاندار سکنہ احمد پور شرقیہ محلہ شکاری نے بحالت صحت بدرستی عقل وحواس خمسہ اقرار کیا ہے کہ میں ثواب دارین کے لیے اپنی جائیداد میں سے ایک عدد دکان نمبر ۱۵۱ اندرون شہر احمد شرقیہ تحصیل بازار وقف علی الدوام بحق مدرسہ

---

۱) هداية كتاب الوقف، ج ۲ ص ٦١٥، طبع مكتبه رحمانيه ملتان۔

۲) درمختار: كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٣٥، طبع ايچ ايم سعيد۔

وكذا فى الهندية: كتاب الوقف، الباب الأول ج ۲ ص ٣٥٠، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

۳) فإذا تم لزم لا يملك ولا يملك ولا يرهن قال ابن عابدين تحت (قوله لا يملك) لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع الخ، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٢، طبع ايچ ايم سعيد۔

٤) وجاز شرط الاستبدال به ارضا أخرى حينئذٍ أو شرط بيعه، ويشترى بثمنه أرضاً أخرى اذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولى، الدر المختار، قوله جاز شرط الاستبدال به الخ، اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الخ، ج ٤ ص ٣٨٤، طبع ايچ ايم سعيد، مطلب فى استبدال الوقف وشروطه۔

عربیہ جامعہ قاسمیہ احمد پور شرقیہ کو وقف نامہ تحریر کر دیا ہے۔ مسمی مذکور نے مورخہ ۷۱/۱۱/۳۰ کو کچہری میں گواہان کے سامنے اسٹامپ پر اقرار وقف نامہ تحریر کر دیا۔ اور اسی تاریخ کو بیان حلفی بھی لکھ دیا ہے۔ جس میں شرائط وقف علی الدوام مندرجہ ذیل طے پائے۔

(۱) جب تک مقر زندہ رہے گا کرایہ دکان مقر لیتا رہے گا اور مقر کی وفات کے بعد اس دکان کے کرایہ کے وصول کا مدرسہ عربیہ جامعۃ قاسمیہ ذمہ دار ہوگا۔

(۲) یہ دکان وقف علی الدوام رہے گی کوئی شخص نام نہاد مالک اس کا مجاز نہ ہوگا اور نہ ہی کسی شخص کو بیع و فروخت کی اجازت ہوگی۔ کرایہ صرف مدرسہ قاسمیہ میں خرچ ہوتا رہے گا۔

(۳) مقر کا کوئی وارث کسی قسم کا دعویٰ کرے تو یہ بالکل باطل ہوگا۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مقر وقف نامہ تحریر کر کے کئی سال بعد فوت ہو چکا ہے وقف نامہ بحق مدرسہ ہذا صحیح ہے یا نہیں۔ اور اس کے ورثاء ان کو کسی قسم کا کوئی حق ہے یا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ج﴾

یہ دکان بحق مدرسہ وقف ہو گئی ہے۔ پس متوفی مذکور کے ورثہ کو اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶/۶/۲۹ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۱۳۹۶/۶/۲۹ھ

مسجد کو متعین کرنے کی شرائط

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبل از ملک کسی کی زمین پر نماز کے لیے جگہ متعین کر کے عرصہ تک نماز ادا کرتے رہنے سے اس جگہ کو ہمیشہ کے لیے مسجد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا مالک کی اجازت ضروری ہے اور پھر اذن عام بھی ہونا چاہیے۔ مسجد کو مسجد متعین کرنے کے لیے کیا شرائط ہیں۔

---

۱) لما فی الدر المختار: وعندهما حبسها علی حکم ملك الله تعالی وصرف منفعتها علی من أحب ولو غنیاً فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه، کتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۳۸، طبع ایچ ایم سعید۔
وکذا فی الهندیه، کتاب الوقف: الباب الاول: ج ۲، ص ۳۵۰، طبع مکتبه علوم اسلامیه، چمن
وکذا فی الهدیه کتاب الوقف، ج ۲، ص ٦١٥، طبع مکتبه رحمانیه، ملتان۔

﴿ج﴾

مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ کو مسجد کے لیے متعین کرنا یا اس پر مسجد بنانا جائز نہیں مالک کی اجازت ضروری ہے[1] یعنی مسجد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کے لیے وقف ہو اور مالک زمین کا اس سے حق متعلق نہ ہو تو ایسی زمین مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے حکم میں ہو جائے گی[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نو مسلم کے وقف کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب پاکستان بنا چند ہندو مسلمان ہوئے۔ جب ملٹری آئی تو ان میں سے ایک تیرتھ نامی اپنے عقیدہ پر قائم رہا۔ باقی مرتد ہو گئے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام خادم حسین رکھا گیا۔ یہ خادم حسین ان کی ملکیت میں شریک تھا خصوصاً چاہ کھوہی والا میں تہائی کا مالک تھا۔ پھر مسمی مذکور نے ان کے جانے کے بعد ان کے مکانوں پر قبضہ کیا۔ پھر ایک مکان پر مسجد کا نام رکھا۔ وہی شخص تین

---

۱) وکما فی الشامية: قال ابن عابدينؒ أفاد أن الواقف لابد أن يكون ما لكاله وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب وان يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف الغاصب لم يصح وأن ملكه بعد شراء أو صلح ولو جاز المالك وقف الفضولي جاز، رد المحتار على الدر المختار: ج ٤ ص ٣٤٠، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، مكتبه سعيد كراچی۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مكتبه ماجدية كوئته۔

ومثله في الهندية، ج ٢ ص ٣٥٣، كتاب الوقف، مكتبه بلوچستان، بك ڈپو، چمن۔

۲) في در المختار: (ولا يتم) الوقف (حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع، كتاب الوقف، ج ٣ ص ٣٩٩، مكتبه رشيديه قديم كوئته، ومثله في الفتاوى العالمكيرية: اما أن الوقف أمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٥، طبع بلوچستان بك ڈپو۔

وكما في الشامية: وأبويوسف لما لم يشترط التسليم أجاز وقف المشاع والخلاف فيما يقبل القسمة واما ما يقبلها كالحمام والبئر والرحى فيجوز اتفاقاً الا في المسجد والمقبرة لأن بقاء الشركة يمنع الخلوص لله تعالى، ج ٣ ص ٣٩٩، مطلب شروط الوقف على لهما مكتبه رشيديه طبع قديم۔

وكذا في فتح القدير: وانما اتفقوا على منع وقف المشاع مطلقاً مسجدا ومقبرة لأن الشيوع يمنع خلوص الحق تعالى وكما في العالمكيرية: واتفقا على عدم جعل المشاع مسجداً أو مقبرة مطلقاً سواء كان مما لا يحتمل القسمة أو يحتملها هكذا في فتح القدير كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع، ج ٢ ص ٣٦٥، مكتبه رشيديه كوئته۔

سال تک اس مسجد میں نماز پڑھتا رہا اور باقی مسلمان بھی نماز پڑھتے رہے پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ بعدہ مسلمان عرصہ گیارہ سال تک نماز پڑھتے رہے اور مصلے رمضان شریف میں پڑھا گیا۔ اب ملکیت ہندو مسلم کی ہوئی تو وہ مسجد واحد ملکیت مسمی مذکور کے حصہ میں آئی ایک ماہ کا عرصہ ہوا ایک شاہ صاحب تشریف لائے۔ مقامی پٹواری صاحب جو کہ اس مسجد میں نماز پڑھتے اور مصلے سنتے رہے۔ شاہ صاحب کو مسجد میں مع اہل و عیال کے بٹھلا دیا۔ مقامی عالم جو کہ شہر کا خطیب ہے، نے روکا۔ اس نے کہا کہ یہ مسجد ہے بحیثیت مسلمان ہونے کے تم پر اس کا احترام لازم ہے۔ یہاں ان کو بٹھلانا ٹھیک نہیں۔ تو بٹھلانے والوں نے چند شبہات پیش کیے کہ یہ مسجد نہیں ہے۔ (۱) وہ ڈر کی وجہ سے مسلمان ہوا تھا۔ (۲) وہ مکان اس کی ذاتی ملکیت میں نہیں تھا۔ (۳) سمت ٹھیک نہیں۔ (۴) مسجد وہ ہے جس کی بنیاد مسجد کی نیت پر رکھی گئی ہو۔ بینوا تو جروا۔

﴿ج﴾

چونکہ خادم حسین تہائی کا مالک ہے اور یہ مسجد مشترکہ زمین میں بنی ہے۔ اس لیے خادم حسین اس کو مسجد کے لیے وقف نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر تصریح کی ہے۔ **وابو یوسف لما لم یشترط التسلیم اجاز وقف المشاع والخلاف فیما یقبل القسمۃ واما ما یقبلها کالحمام والبئر والرحیٰ فیجوز اتفاقا الا فی المسجد والمقبرۃ لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص للہ تعالی.** شامی ج۳ ص ۳۹۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مشترکہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک چبوترا نما چھتی مسجد (جس میں بمشکل چار یا پانچ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں) کے ساتھ دو مکانات کے گندے پانی کے نکاس والی پکی موری تھی اس موری پر اس چبوترا نما چھتی مسجد کے وارث نے مسجد کی دیوار بڑھا کر موری والی جگہ پر قبضہ کرتے ہوئے مسجد کی دیوار تعمیر کر دی۔ چونکہ ہر دو مکانات کے گندے پانی کے نکاس کا راستہ پکی موری کی شکل میں یہی تھا۔ اس لیے مالک مکان نے مسجد کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر لوہے کی سلاخ سے کرید کر موری صاف کر لی۔ اب گندے پانی کے نکاس کا تو انتظام ہو گیا۔ لیکن موری کے پانی کے اثر سے اس مسجد میں سیم پیدا ہو گئی ہے اور گندے پانی کے اثر سے بو آتی ہے کئی بار مالک مکان نے اس مسجد کے وارث کی خدمت میں گزارش کی اور مسجد کی دیوار موری پر سے ہٹانے کے لیے کہا۔ لیکن

وہ کسی صورت بھی ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور موری پر اس قبضہ کو جائز سمجھتے ہیں۔تو کیا:

(۱) اس موری پر (جو کہ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے نامعلوم عرصہ پہلے کی شکل میں آزاد حالت میں ہو) مالک مکان کا کوئی حق ہے اور کیا مسجد کے اس طرح بڑھانے سے موری کے مالک کا حصہ ختم ہو گیا۔

(۲) کیا ایسی مسجد میں جس کے نیچے گندے پانی کی موری ہو اور مسجد میں اس کے اثر سے سیم پیدا ہو چکی ہو نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۳) اس موری پر مسجد کا قبضہ جائز تصور ہوگا جبکہ مالک مکان کی یہ موری تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے بھی نامعلوم عرصہ پہلے کی پکی اور آزاد حالت میں ہے اور اس مالک مکان کے زیر استعمال ہے۔

(۴) یہ موری ہندو کی ذاتی بنوائی ہوئی تھی اور اس پر اس کا ذاتی قبضہ تھا۔تو کیا اب بھی اس موری پر موجودہ مسلم مالک مکان کا قبضہ تصور ہوگا۔

(۵) اس مختصری چبوترا نما چھتی مسجد میں اگر اس کے متولی نماز پڑھتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی جامع مسجد موجود ہے تو کیا جامع مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے یا اکیلے نماز پڑھنا اچھا ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مذکورہ موری کی جگہ جیسا کہ ظاہر ہے نہ مالک مکان کی ملکیت ہے اور نہ متولی مسجد کی ملکیت ہے بلکہ یہ عوام کی مشترکہ ہے جن کا متولی سرکار ہوا کرتا ہے یا سرکار کا متعلقہ محکمہ از قسم کمیٹی وغیرہ ہوا کرتا ہے۔ ایسی زمین کو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ پہنچے۔صورت مسئولہ میں بشرط عدم ضرر عوام قدیم سے جو موری بنی ہوئی تھی اور اس کو مالک مکان اپنے استعمال میں لا رہا تھا۔عوام اور ان کے نمائندہ کمیٹی کا کوئی اعتراض نہیں تھا۔تو اس کا استعمال کرنا مالک مکان کے لیے جائز تھا۔لیکن کمیٹی کو اس کے بعد بھی جب وہ محسوس کرے کہ عوام کو اس موری کے ہونے سے ضرر پہنچتا ہے حق حاصل ہے کہ مالک مکان کو اس موری کے ہٹانے کا حکم دے دے۔

باقی مسجد میں بھی ایسی زمین کا شامل کرنا جائز ہے۔ جو کسی خاص آدمی کی ملکیت نہ ہو عوام کی ہو اور اس کو مسجد میں شامل کرنے سے عوام کو ضرر نہ پہنچتا ہو۔صورت مسئولہ میں مذکور متنازع فیہ جگہ کو مسجد میں شامل کرنے سے مالک مکان کو چونکہ ضرر پہنچتا ہے اس لیے اس زمین کو مسجد میں شامل کرنا بدون اجازت مالک مکان مذکور کے جائز نہیں ہے یا تو مالک مکان اجازت دے دے اور یا عوام کی نمائندہ کمیٹی اس زمین کو مسجد سے ملحقہ کرنے کی اجازت دے دے تب جا کر یہ جگہ مسجد کہلائے گی۔ ویسے یہ مسجد نہیں ہے۔اور حکومت یا کمیٹی اگر چاہے تو اس جگہ سے مسجد کے متولی کا قبضہ ہٹا سکتی ہے۔ کما قال فی العالمگیریہ ج۵ ص ۴۰۶ وفی المنتقی اذا ارادان یبنی کنیفا او ظلۃ علی طریق العامۃ فانی امنعہ عن ذلک و ان بنی ثم اختصموا نظرت فی ذلک فان کان فیہ ضررا مرتہ ان یقلع وان لم یکن فیہ ضرر ترکتہ علی حالہ۔الخ

اگر یہ وقف مسجد ہے۔ تو اس میں اذان کہہ کر اکیلے نماز پڑھنا دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اس سے مسجد کی آبادی ہوتی ہے۔ جو شرعاً مطلوب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قابضین کا مقدمہ والی زمین پر مسجد بنا دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ میں مسمی سلطان خان ولد نبی بخش کے متروکہ مکان نمبر ۳۴۸۵-۸ مسلم بیرون بوہڑ گیٹ محلہ فرید آباد ملتان شہر نے بالعوض مبلغ /۷۵۰۰ روپے نیلام عام میں خرید کے مکان مذکورہ کے جملہ کاغذات از قسم پی-ٹی-آر اور پی-ٹی-ڈی محکمہ سٹلمنٹ حکومت مغربی پاکستان سے حاصل کیے ہوئے ہیں۔

(۲) قابضین مکان امیر بخش، مٹھن، فتو وغیرہ سے اسی مکان پر مدت دراز سے مقدمہ چل رہا ہے۔ ہنوز فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس وقت میجر محمد اقبال چیمہ ایڈیشنل سٹلمنٹ کمشنر کی عدالت میں یہ کیس زیر سماعت ہے۔

(۳) اس مکان میں میری رضامندی کے بغیر جبراً مسجد تعمیر کی جا رہی ہے۔ کیا مذکورہ بالا صورت میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے، اور اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

مالک مکان کی اجازت کے بغیر اس مکان کے احاطہ میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز نہیں اگر بنا لی تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)۔

محمد انور شاہ غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) قال في العالمگيرية: وفي المنتقى اذا اراد أن يبني كنيفا أو ظلة على طريق العامة فاني امنعه عن ذلك وان بني ثم اختصموا نظرت في ذلك فإن كان فيه ضررا مرته أن يقلع وان لم يكن فيه ضرر تركته على حاله، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٠٦، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه، شرح المجلة المادة٩٦، ج ١ ص ٦١، مكتبه حنفيه كوئته، أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، ايچ ايم سعيد كراتشي۔

وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا تكره في أماكن، كفوق كعبة، وأرض مغصوبة أو للغير ...... وفي الواقعات بنى مسجداً في سور المدينة لا ينبغي أن يصلي فيه لأنه حق العامة فلم يخلص لله تعالى كالمبنى في أرض مغصوبة ...... فالصلوة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة له في قول آخر، شامي كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة في الأرض المغصوبة، ج ١ ص ٣٨١، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي۔
الصلوة في الأرض المغصوبة حرام بالإجماع ...... الفقه الإسلامي، وأدلته، كتاب الصلوة، ج ٢ ص ٩٨٤، طبع دار الفكر بيروت۔

مسجد سے متصل مکانات کو بلا اجازت مسجد میں شامل کر لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین مسئلہ ذیل میں کہ اراضی سفید ملکیہ و مقبوضہ شیخ محمد رمضان صاحب ان کے مکانات کے آگے پڑی ہوئی ہے۔اب متولی حافظ غلام مصطفیٰ صاحب مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہے۔اگر بغیر اجازت ورضامندی شیخ محمد رمضان مسجد میں شامل کر لی جاوے تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

سائل: شیخ محمد رمضان ملتان

﴿ج﴾

مالک کی اجازت کے بغیر کوئی زمین مسجد نہیں ہو سکتی۔اس لیے اگر واقعی محمد رمضان کی ہے تو اس کو مسجد میں نہیں شامل کیا جا سکتا اور نہ اس قطعہ زمین کا استعمال نماز وغیرہ ضروریات مسجد کے لیے جائز ہوگا(۱)۔واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

کنویں اور سڑک کو مسجد میں شامل کر لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے ساتھ شارع عام ہے اور اس کے ساتھ چاہ بھی ہے۔اب کچھ اس موضع کے لوگوں کا خیال ہے کہ اس شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کر دیں تا کہ مسجد کی ضروریات بآسانی پوری ہو سکیں۔لیکن اس شارع عام کے متعلق اس موضع کے آدمی اس کے خلاف ہیں کیا اس صورت میں اس شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں اگر شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنے سے لوگوں کو ضرر ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں اور اگر شارع عام اور چاہ کو مسجد میں شامل کرنے یا ملانے سے کسی کو ضرر نہ ہو اور اکثر اس راستہ سے

---

۱) تقدم تخريجه في السوال السابق، جز نمبر ۲ ص ۷۴۸۔

گزرنے والے مسجد میں شامل کرنے پر رضامند ہوں تو پھر شامل کرنا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ زمین مسجد کے حکم میں نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو لوگ اپنی اپنی زمینوں پر کسی موضع کے صدر مقام کے علاوہ اپنے اپنے کنویں پر بسیرا کر لیتے ہیں اور سردی گرمیوں کے اپنے اپنے مکان وہیں بنا لیتے ہیں۔ اور ایک ایک کنوئیں پر ایک یا دو یا تین سے زیادہ گھر شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ بنابریں وہ ایک یا دو مرلوں سے زیادہ زمین اپنے لیے بطور مسجد کے لیے مختص کر لیتے ہیں نہ تو اس مسجد کی بنا ہوتی ہے۔ اور نہ اس کا محراب البتہ کہیں کہیں زمین سے ایک یا دو فٹ اونچا کر لیا جاتا ہے۔ جب کوئی زمیندار اپنی زمین فروخت کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ آج تک کسی زمیندار نے کہیں ایسا نہیں کیا کہ کسی ایسی مسجد کی زمین فروخت کرتے وقت قیمت چھوڑ دی ہے۔ اب اس مسجد کا منتقل کرنا یا نہ کرنا اس غرض سے منتقل کرنا یا نہ کرنا کہ اس کو دوسرے مقام پر وسیع بنایا جاسکے۔ اور اس کی پوری بنا کر دی جائے۔ موقع کی تنگی کے باعث ایسی مسجد کا منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ دلائل سے روشناس کرا کر شکریہ کا موقع عنایت فرماویں۔

(نوٹ) ایسی مسجد ایک یا دو مرلے سے زیادہ بصد مشکل ہوتی ہے۔ ورنہ اس سے کم۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ مسجد کے لیے نہ بنا شرط ہے اور نہ محراب خالی زمین کو بھی مسجد بنایا جاسکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر ان زمینوں سے کچھ حصے کو اگر مالک زمین نے مسجد کے لیے معین کر دیا ہو۔

---

۲) وكما في الشامية: الا أن يقال ذاك في اتخاذ بعض الطريق مسجداً، وهذا في اتخاذ جميعها ولا بد من تقييده بما اذا لم يضر، كتاب الوقف مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ٤ ص ٣٧٨، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكما في العالمكيرية: (قوم بنوا مسجداً واحتاجوا الى مكان ليتسع المسجد وأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد ان كان يضر بأصحاب الطريق لا يجوز، وان كان لا يضر بهم (رجوت أن لا يكون به بأس، كذا في المضمرات، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به وفيه فصلان، ج ٢ ص ٤٥٦، مكتبه علوم اسلاميه بلوچستان۔

وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف، ج ١٠ ص ٧٦٧٥، دار الفكر المعاصر بيروت۔

اوراس کونماز پڑھنے کے لیے وقف کر دیا ہو، یا لوگوں کو اس میں ہمیشہ تک کے لیے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو یا نماز پڑھنے کا اس میں حکم دے چکا ہو اور ارادہ اس کا ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ہو تب تو یہ مسجد ہے[۱]۔اس کی بیع، اس کا ہبہ کرنا اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ زمین کا یہ حصہ معینہ جس میں لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تا یوم قیامت مسجد ہی رہے گا[۲]۔اور اگر عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ متعین کی ہو ہمیشہ تک اس میں نماز پڑھے جانے کا ارادہ نہ ہو۔ اور نہ اس کو وقف کر چکا ہو جیسے کہ عورتیں اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے ایک جگہ مثل تھلہ کے متعین کر لیتی ہیں تب یہ مسجد نہیں ہے[۳]۔اس کی بیع، اس کا ہبہ کرنا اور اس کو منتقل کرنا غرضیکہ اس میں ہر قسم کا تصرف مالک کر سکتا ہے۔ شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کما قال فی الکنز من بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن للناس بالصلاة فیه فاذا صلی فیه واحد زال ملکه...... قال فی البحر الرائق تحته ج۵ ص ۲۴۸ و لوقال المصنفؒ و من جعل ارضه مسجد ابدل قوله ومن بنی لکان اولی لانه لو کان له ساحة لابناء فیها فامر قومه ان یصلوا فیها بجماعة قالوا ان امرهم بالصلاة فیها ابدا الا امرهم بالصلاة فیها بالجماعة ولم یذکر ابدا الا انه ارادبها الابدثم مات لایکون میراثا عنه و ان امرهم بالصلاة شهرا او سنة ثم مات تکون میراثا عنه لانه لابدمن التابید والتوقیت ینافی التابید کذا فی الخانیة. فقط والله تعالیٰ اعلم.

عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

---

۱) البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل من بنی مسجداً لم یزل ملکه الخ، ج ۵ ص ۲۴۸، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

۲) الدر المختار مع ردالمحتار: ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً الی قیام الساعة وبه یفتی قوله عند الإمام الثانی، فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ماله الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا، وهو الفتوی حاوی القدسی، کتاب الوقف، مطلب فی ما لو خرب المسجد، ج ۶ ص ۵۵۰، رشیدیه کوئٹه۔

کذا فی الهندیة: من اتخذ أرضه مسجداً لم یکن له أن یرجع ولا یبیعه ولا یورث عنه، کتاب الوقف، الهدایة، ج ۲ ص ۶۲۲، مکتبه رحمانیه لاهور۔ هکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ۵ ص ۴۲۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) وکذلك ان اتخذ وسط داره مسجداً و أذن للناس بالدخول فیه، اذناً عاماً له أن یبیع له ویورث عنه لأن المسجد لیس لأحد حق المنع وان کان ملکه محیط بجوانبه، الاربع، کان له حق المنع فلم یصر مسجدا ولأنه ابقی الطریق لنفسه فلم یخلص لله تعالی، فتح القدیر، کتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۴۵، طبع مکتبه رشیدیه۔ وفی الفقه الحنفی وأدلته: کتاب الوقف، ج ۳ ص ۱۴۳، طبع دار الکلم بیروت۔ وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۴۵۴، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

تعمیر جدید میں محراب کی جگہ پر ملکیت کا اختلاف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو کچھ عرصہ سے بنائی گئی تھی۔ اب اس کو منہدم کر کے دوبارہ بنانا چاہتے ہیں اور اس مسجد میں دو محراب تھے اور وہ دونوں محراب کسی غیر کی زمین میں تھے۔ اب جبکہ مسجد کو گرالیا گیا ہے۔ تو وہ مالک مکان جس کی زمین میں محراب تھے وہ کہتا ہے کہ آدھا حصہ محرابوں کا تو میں مسجد میں دیتا ہوں اور باقی آدھا حصہ اپنے مکان میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ تو کیا یہ آدھا جو حصہ محرابوں کا مسجد سے کٹ کر جاتا ہے، یہ اس کی طرف جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح آدھا محراب کٹ جانا مسجد کا جائز ہے۔ کہ وہ مالک مکان مسجد کے برابر ایک فٹ زمین لمبی دیتا ہے۔ یہاں سے مسجد کھل کر بن سکتی ہے اور مسجد کی زینت بھی بن سکتی ہے۔ تو کیا از روئے شرع ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ دونوں محراب غیر کی زمین میں اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بنائے گئے تھے تو پھر وہ حصہ زمین مسجد میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر ذاتی مکان بنانا درست ہوگا[1] اور اگر مالک زمین اس کے عوض میں دوسری جگہ سے زمین دینا چاہتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سرکاری زمین میں مسجد کی توسیع

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک قدیم مسجد جس کے اردگرد چاروں طرف سرکاری زمین ہو ضرورت اور مسجد کی توسیع کے لیے اس سرکاری زمین کو مسجد میں حکومت کی اجازت کے بغیر شامل کرلیا جائے تو مندرجہ ذیل مسائل تشریح طلب ہیں:

---

۱) وكما في الشامية: أفاد أن الوقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب لم يصح، وان ملكا بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، مكتبه ايچ ايم سعيد كراتشي، ومثله في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مكتبه ماجديه كوئته۔ ومثله في الهندية: كتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٣، مكتبه بلوچستان بك ڈپو چمن۔

(۱) کیا یہ توسیع مسجد حسب ضرورت سرکاری زمین میں جائز ہے۔

(۲) کیا ایسی مسجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔

(۳) اگر ایسی مسجد میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ بعد ازاں حکومت سے تحریری اجازت طلب کی جائے۔ لیکن حکومت انکار کردے تو اس میں نماز ادا کرنے کی حیثیت کیا ہوگی۔

(۴) ایسی مسجد کی توسیع میں جو افراد اعانت کریں اس معاونت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔

﴿ج﴾

(۱) حکومت کی اجازت کے بغیر یہ زمین مسجد میں شامل نہ کی جائے[1]۔

(۲) اس مسجد میں نماز درست نہیں ہے۔

(۳) نماز تو درست ہے۔ البتہ اجازت نہ ملنے کے بعد اس جگہ کو مسجد سے الگ کردیا جائے اور یہ بہتر ہے۔

(۴) حکومت سے اجازت لے کر اس میں توسیع کی جائے اور اس میں معاونت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

متولی مسجد کو ناجائز تصرفات سے روکنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق کہ مسجد بنائے ہوئے تقریباً دس سال ہوگئے ہیں۔ جتنا رقبہ مسجد کے لیے دیا گیا تھا یعنی:

(۱) یہ کہ بجائے ۳۷ فٹ کے ۴/۶ ۷ پر مسجد تعمیر کی گئی۔ اور پلاٹ جو دیے گئے ہیں مسجد سے پیوستہ ماپ کر دیے گئے ہیں۔ اور جنوب کی جانب مکان پیوستہ اور چار دیواری بنی ہوئی ہیں حالانکہ اسی جانب اپنی جگہ مسجد والوں نے نہیں چھوڑی ہے۔ اور مسجد کا مینار تقریباً دو فٹ یا دو فٹ سے کم مسجد کی دیوار سے پلاٹ پر نکلا ہوا ہے۔ اور پلاٹ والے کی جگہ میں سے دوسرے پلاٹ والے کی جگہ میں برساتی پرنالے یعنی خس نکالے گئے ہیں۔ اور

---

۱) وکما فی الشامیة أفاد أن الوقف أن یکون مالکه وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا یکون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب لم یصح، وان ملکاً ...... کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، مکتبه ایچ ایم سعید کراتشی۔

ومثله فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ١٨٨، مکتبه ماجدیه کوئٹه۔

ومثله فی الهندیة: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٣٥٣، مکتبه بلوچستان بک ڈپو چمن۔

مکان بنائے ہوئے تقریباً ساڑھے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ اب مسجد والے کہتے ہیں کہ یہاں سے ہم اب گلی لیں گے۔ ہمارا مینار مسجد سے باہر نکلا ہوا ہے۔ اور پرنالے بھی ان سے گلی کا حق بنتا ہے۔ حالانکہ گلی چھوڑی نہیں ہے۔

(۲) مکان والے نے مسجد کی دیوار سے غسل خانہ پائخانہ بنایا اور ان کا پانی وہیں بہتا رہا۔ اس پانی سے مسجد کی دیوار کو کوئی نقصان پہنچا تو مسجد کی دیوار کے سہارے کوئی پشتہ وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) زبردستی مالک مکان سے زمین حاصل کر کے مسجد میں شریک کر لی جائے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

(۴) مالک مکان کا دل دکھا کر مسجد میں زمین شریک کر دی گئی تو ہماری یعنی مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ شریعت کی رو سے واضح کیا جاوے۔ فقط والسلام

عبدالشکور، بشیر احمد

﴿ج﴾

مسجد کے لیے مخصوص زمین جبکہ مسجد میں لے لی گئی ہے تو دوسرے کی ملکیت میں گلی نکالنا یا پشتے بنانا یا اس کی وسعت کے لیے زائد زمین کسی کی مرضی کے بغیر لینا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ اور متولی مسجد کو اس قسم کے تصرفات سے روکنا لازم ہے۔ اگر اس طرح جگہ مسجد میں مالک کی مرضی کے بغیر شامل کر لی گئی تو اسے مسجد کا حکم نہ ہوا واقعات کی صحیح تحقیقات کرنے پر متولی مسجد کو سمجھایا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

سرکاری زمین پر ایک جگہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے چاردیواری بنا دی گئی ہے کچھ عرصہ بعد حکومت نے کہا کہ مسجد بجائے اس جگہ کے دوسری جگہ پر ہونی چاہیے۔ جب کہ یہ زمین سرکار کی ہے اور دوسری جگہ بھی جہاں اب مسجد کا آرڈر ملا ہے۔ یہ بھی سرکاری ہے اور پہلی مسجد کی صرف چاردیواری ہے جو کہ کمر تک پہنچتی

---

۱) لا یجوز لاحد أن یتصرف فی ملك غیره بلا اذنه أو وكالة منه، شرح المجلة، المادة ۹۶، ج ۱ ص ۶۱، مکتبه حنفیه کوئته، زاد أن الوقف لابد أن یکون مالکه وقت الوقف ملكاً باتاً، ولو بسبب فاسد، وأن لا یکون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ۴ ص ۳۴۰، ایچ ایم سعید کراتشی۔
وکذا فی الفتاوی العالمگیریة کتاب الوقف الباب الاول فی تعریفه ج ۲ ص ۳۵۲ طبع رشیدیه کوئته

ہے۔تو کیا ایسی صورت میں یہ مسجد شہید کر کے دوسری جگہ پر ایسے ہی چار دیواری مسجد تعمیر کر سکتے ہیں جبکہ یہ احاطہ پورا حکومت کی تحویل میں ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جس جگہ چار دیواری بنا دی گئی ہے اگر یہ زمین سرکاری ہے۔ مسجد کے نام وقف نہیں اور حکومت کی اجازت کے بغیر تعمیر شروع کر دی گئی ہے تو یہ مسجد کے حکم میں نہیں[1] اور اس کی دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنا درست ہے۔ اگر کوئی اور صورت ہے تو وضاحت کر کے جواب حاصل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی تعمیر میں شرعی اصولوں کو مدنظر رکھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) سرکاری رقبہ پر مسجد کی توسیع کے لیے قبضہ بلا اجازت سرکار جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مسجد کے لیے اہل محلہ نے مجھ سے رقبہ مانگا میں نے چھ ہزار روپے کا نقصان کر کے چار فٹ کا راستہ دے دیا۔ اور مسجد والوں نے ایک کوٹھا ہٹا کر راستہ بنا دیا جو اس وقت جاری ہے۔ کیا اہل مسجد اس راستہ کو دوبارہ بند کرنے کے شرعاً مجاز ہیں۔ میرے نقصان کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اس کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔

(۳) اہل مسجد نے مسجد کی توسیع کے لیے مزید رقبہ کا مطالبہ کیا جو جانب محراب اس شرط پر دیا گیا کہ عطیہ دینے والے کے لیے دروازہ لگا کر راستہ دیا جائے گا۔ اب اس راستہ میں مسجد کا دروازہ نصب کرنا چاہتے ہیں جس پر عطیہ دینے والا رضامند نہیں۔ کیونکہ اس کو پردہ داری کا نقصان ہے۔ کیا اب دروازہ نصب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

---

۱) وكما في الشامية: قلت وهو كذلك فإن شرط الوقف التأبيد والأرض اذا كانت ملكا لغيره، فللمالك استردادها وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له، فإن لورثته بعده ذلك فلا يكون الوقف موبداً، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مناظره، ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء، ج ٤ ص ٣٩٠، سعيد۔

أما ان وقت الامر باليوم أو الشهر أو سنة ثم مات يكون ميراثاً عنه، لأنه لا بد من التابيد والتوقيت ينافي التابيد، فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ، ج ٣ ص ٢٩١، ٢٩٠، رشيديه كوئته۔ وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، ج ٢ ص ٢٥٥، رشيديه۔

﴿ج﴾

(۱) سرکاری زمین پر بغیر اجازت سرکار کے مسجد کا بڑھانا شرعاً جائز نہیں۔ مسجد اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور کسی غیر کی زمین یا مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنا جائز نہیں (۱)۔

(۲) بشرط صحتِ سوال جو رقبہ آپ نے مسجد کے لیے آنے جانے کے لیے دے دیا ہے اور وہ راستہ نمازیوں کے لیے اور مسجد کے لیے مفید ہے نقصان دہ نہیں تو مسجد کی منتظم کمیٹی کے لیے شرعاً یہ درست نہیں کہ وہ اس راستہ کو بند کر دے (۲)۔

(۳) معاہدہ کی پابندی شرعاً لازم ہے۔ اور کسی گھر کے مخصوص مملوکہ راستہ کی طرف یا کسی گھر کا دروازہ رکھنا درست نہیں۔ مسجد ایک مقدس مقام اور مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اس کی تعمیر یا استعمال میں کسی غیر شرعی اور ناجائز امر کا ارتکاب ہرگز گوارا نہیں۔ لہٰذا مسجد کی منتظم کمیٹی شرعی اصول و ضوابط کے تحت اس کی تعمیر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرتے ہوئے اپنے لیے سرمایہ آخرت مہیا کر سکیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم شہر ملتان

ہندو کی متروکہ زمین پر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نقل آبادی کے بعد جب مہاجرین پاکستان میں آباد ہوئے تو ایک فارغ زمین پر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی بعد میں وہ زمین دو شخصوں کی معلوم ہوئی۔ ایک تو یہیں مسلمان ہو کر

---

۱) شرح المجلة، لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه الخ الماده ۹۶، ج ۱ ص ۶۱، طبع حنفيه كوئته۔

وهكذا في شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد كتاب الغصب، ج ۲ ص ۴۴۴، طبع ادارة القرآن كراتشي۔ وهكذا في الدر المختار: كتاب الغصب، مطلب في ما يجوز من التصرف بمال الغير، ج ۶ ص ۲۰۰، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔

۲) وكذا في الهندية: ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع بلوچستان بك ڈپو۔ وأيضاً في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۲، طبع رشيديه كوئته۔

وأيضاً في الفتح القدير، كتاب الوقف فصل اختص المسجد بأحكام، ج ۵ ص ۴۴۵، مكتبه رشيديه كوئته۔

بیٹھ گیا۔ دوسرا ہندوستان چلا گیا۔ اب مسلمان اسی مسجد کو زیادہ بڑھانا چاہتے ہیں زمین کا مالک جو یہیں مسلمان ہو کر بیٹھا ہے وہ اجازت دے سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے اجازت مشکل ہے۔ اور نہ اب اس زمین کا کوئی مالک ہے۔ اب کس طریقہ پر مسجد کو بڑھایا جائے۔ جو شخص ہندوستان چلا گیا وہ یہاں کے مسلمان باشندہ کا رشتہ دار تھا۔

نوٹ: جو شخص یہاں مسلمان ہو کر بیٹھا ہے وہ مسجد سے بہت دور ہے اور نہ اس نے کبھی اعتراض کیا ہے۔ اب بعض علماء اعتراض کرتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز جائز نہیں۔ نیز یہ بھی فرمائیں کہ ہندوؤں کی متروکہ جائیداد مثلاً اینٹیں، کڑیاں، شہتیر وغیرہ جن کے مالک اب مہاجرین بھی بن گئے ہیں، کیا اس جائیداد کو مسجد پر لگایا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

جو زمین مسلمان اور ایک دوسرے شخص کی (جو ہندوستان چلا گیا ہے) مشترک ہے تو اس صورت میں حکومت کو درخواست دے کر زمین تقسیم کروا کر مسلمان کے حصہ میں اس کی اجازت سے مسجد تعمیر کروائی جائے[1]۔ مزید زمین کی ضرورت پڑے تو دوسرے شریک کا حصہ بھی حکومت کی اجازت سے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیثیت کا تعین کر کے تفصیل معلوم کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک فیکٹری میں ٹھیکیداران نے بغیر اجازت مالک فیکٹری کے مذکورہ فیکٹری میں نماز پڑھنے کے لیے ایک چبوترہ بنایا جس پر وہ کافی عرصہ تک نماز پڑھتے رہے اب مالک فیکٹری اس جگہ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جگہ تو اب مسجد کے احکام میں آ چکی ہے۔ لیکن مالک فیکٹری کہتا ہے۔ جب یہ جگہ نماز کے لیے بنائی گئی تھی تو اس وقت میری اجازت کے بغیر بنائی گئی تھی۔ اور میرا یا ٹھیکیداروں کا بھی دلی ارادہ نہیں تھا کہ یہ مسجد ہے۔

---

۱) وکذا فی در المختار: ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع، كتاب الوقف، ج ۳ ص ۳۹۹، طبع رشیدیہ قدیم کوئٹہ۔

وهكذا في الفتاوى العالمكيرية: أما ان وقت الأمر باليوم او الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ...... الخ، ج ۲ ص ۴۵۵، طبع بلوچستان بك ڈپو مسجد، روڈ کوئٹہ۔

﴿ج﴾

اگر فیکٹری یعنی مالک زمین کی اجازت کے بغیر بعض لوگوں نے فیکٹری کے اندر نماز پڑھنے کے لیے ایک تھلہ (چبوترہ) سا بنایا اور اس پر نماز پڑھتے رہے۔ لیکن اس کو باقاعدہ مسجد کی صورت میں مالک زمین نے وقف نہیں کیا۔ عارضی طور پر اس جگہ کو نماز کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر گھروں میں یا کنوؤں پر لوگ نماز کے لیے ایک جگہ کو مختص کر دیتے ہیں۔ تو یہ جگہ شرعی مسجد کے حکم میں نہیں اور اس کو ختم کرنا جائز ہے [1]۔

اگر اس کی کوئی اور حیثیت ہے تو اس کی تفصیل لکھ کر حکم معلوم کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۲ شعبان ۱۳۹۸ھ

محکمہ کے بااختیار لوگوں کی اجازت ضروری ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع پل چوک زئی ملتان میں چند شائقین کی کوشش سے پیش نظر اس کے کہ نمازی زیادہ ہیں اور مسجد کی حدود کم ہیں۔ نقشہ میں سرخ نشان والی زمین کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو کہ مشتبہ زمین میں تصور کی جاتی ہے۔ اس زمین کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نہر کی ہے۔ بعض کا خیال منزل کا ہے۔ ہر صورت یہ زمین ایک عرصہ سے غیر آباد وافر راستہ کی شکل میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اضافہ کرنے کے بعد بھی راستہ مکمل چھوڑا ہوا ہے۔ اب مسجد ہذا کے نمازیوں میں اختلاف یہ ہے، کچھ آدمی کہتے ہیں کہ اس زمین میں

---

۱) وکذا فی الهداية: واذا بنى مسجد الا يزال ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فان صلى واحد زال عند أبي حنيفة عن ملكه وقال أبويوسف يزول ملكه بقوله جعلته الخ، كتاب الوقف، فصل في وقف مسجد، ج ۲ ص ٦٢١، طبع رحمانيه لاهور۔

وهكذا في خلاصة الفتاوى: ولو جعل داره مسجداً يجوز بالإجماع ولا يجوز مشاعاً وانما يجوز اذا سلمه والتسليم أن يصلى فيه بجماعة بأذان واقامة بإذنه عند أبي حنيفة ومحمد، كتاب الوقف، الفصل الأول، ج ٤ ص ٤٠٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وهكذا في الشامية: وتكره في أرض الغير اومزرعة أو مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة، أو راى صاحبها لا يكرهه فلا بأس به، كتاب الصلوة، مكروهات الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، طبع مكتبه ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔

وهكذا في العالمكيرية: من جعل مسجد اتحته سرداب أو فوقه بيت ...... فله أن يبيعه وان مات يورث عنه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، ج ۲ ص ٤٥٥، طبع رشيديه كوئته۔

نماز پڑھنا درست نہیں جو اضافہ کرلی گئی ہے۔اور کچھ آدمی یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنا درست ہے ناجائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ زمین مشتبہ ہے۔اور جائز کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ زمین حکومت کی ہے۔اور حکومت مسلمانوں کی ہے۔اور مسجد بھی مسلمانوں کی ہے۔ نیز اس جگہ پر عرصہ ایک سال سے نماز بھی پڑھی جا رہی ہے۔ فریقین اپنا تصفیہ علمائے دین کے فتوىٰ پر چاہتے ہیں۔مہربانی فرما کر جواب لکھ کر مسجد ہذا کے نمازیوں کا اختلاف دور کریں۔

المستفتی،عبدالستار مسجد پل چوک زئی ملتان شہر

﴿ج﴾

زمین خواہ نہر کی ہو خواہ منزل کی۔ جب تک مالک کی اجازت نہ ہوگی اسے مسجد کا جزء قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اگر محکمہ جات متعلقہ کے بااختیار لوگ مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دے دیں تو یہ زمین مسجد کی ہو جائے گی[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مسجد کی آڑ میں سرکاری زمین پر قبضہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ ناپسندیدہ عناصر محکمہ ہائی وے کی زمین پر دکان اور کھوکھوں وغیرہ کی صورت میں قبضہ کر لیتے ہیں جب بھی ایسی ناجائز تعمیرات کو گرایا جاتا ہے تو وہی ناپسندیدہ عناصر عوام کو یہ کہہ کر مشتعل کرتے ہیں کہ موجودہ حکومت کی دست برد سے ہماری مساجد بھی محفوظ نہیں ہیں۔اس سلسلہ میں اعلیٰ حکام کو درخواستیں بھی دینا شروع کر دیتے ہیں۔ جہاں تک ہمارے محکمہ کا تعلق ہے۔اس میں تقریباً سو فیصد مسلمان ہی ملازم ہیں اور مسجد کا احترام دل و جان سے کرتے ہیں۔مگر ہمارے خیال میں کسی ناجائز مقبوضہ زمین پر تعمیر شدہ کسی بھی عمارت کو مسجد کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے۔خصوصاً ایسے حالات میں کہ اس تعمیر کے پس پشت ذاتی اغراض و مقاصد ہوں اور وہ ناجائز تعمیرات روزمرہ کی ٹریفک کے لیے باعث خطرہ ہوں اور مہلک حادثات کا سبب بھی بن سکتی ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات پر قرآن وسنت کی روشنی میں آپ کا گراں قدر فتوىٰ درکار ہے۔

---

۱) وكذا في شرح المجلة: لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه ...... الخ رقم المادة٩٦، ج ١ ص ٦١، طبع حنفيه۔

وهكذا في شرح الأشباه والنظائر: الفن الثاني، الفوائد كتاب الغصب، ج ٢ ص ٤٤٤، طبع ادارة القرآن۔ وهكذا في الدر المختار: كتاب الغصب، مطلب في ما يجوز من التصرف بمال الغير، ج ٦ ص ٢٠٠، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔

(۱) اگر عوام الناس کسی بھی جگہ خواہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو یا کسی خاص محکمہ کی ہو پر نماز پڑھنے کے لیے کوئی عمارت بنائیں تو کیا اسے مسجد کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔

(۲) کیا اس قسم کی تعمیر کو منہدم کرنا جائز ہے یا جہاں بھی جس کسی کا دل چاہے دوسرے شخص یا کسی خاص محکمہ کی زمین پر مسجد کے نام پر عمارت کھڑی کر سکتا ہے اور ایسی تعمیر شدہ عمارت کا گرانا غلط ہے۔

(۳) اگر ایسی عمارت کو منہدم کرنا جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کا ملبہ عام ملبے کی مانند پھینکا جا سکتا ہے۔ یا احتراماً اس کو دریا برد کرنا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص اپنی مملوکہ زمین کو مسجد کے نام سے اپنی ملک سے جدا کر دیں اور اس کا راستہ شارع عام کی طرف کھول کر عام مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ جب ایک مرتبہ اذان و جماعت کے ساتھ اس جگہ میں نماز پڑھ لی جاوے تو یہ جگہ مسجد بن جاتی ہے۔ ضرورت کے مقامات پر مساجد کا بنانا واجب ہے۔ اور یہ فریضہ مسلم حکومت اور مسلم عوام دونوں ہی پر عائد ہے۔ لیکن ہر کام اور ہر عمل کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ چنانچہ کسی جگہ مسجد بنانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جگہ مسجد بنانے والوں کی ملکیت ہو۔ **قال فی الشامیة (قوله و شرطه شرط سائر التبرعات) افاد ان الواقف لابدان یکون مالکاله وقت الوقف ملکا تاما**) (شامی ج ۳ ص ۳۹۷)[۱]

سرکاری زمین پر بدون اجازت حکومت کے مسجد نہیں بن سکتی۔ اسی طرح جو زمین غیر مسلم یہاں چھوڑ گئے اور حکومت نے کسی کو مالکانہ قبضہ میں نہیں دی تو وہ بھی حکومت کی ملکیت میں ہے۔ الغرض کسی کی مملوکہ زمین پر مالک کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا درست نہیں اور جو مساجد بلا حصول اجازت بنائی گئی ہیں۔ اس کے مسجد شرعی بننے کی شرط اب بھی یہی ہے کہ حکومت سے اجازت حاصل کر لی جائے[۲]۔ کذا فی فتاوی دارالعلوم، ص...... واحسن الفتاوی ص...... غیر شرعی مسجد کا سامان اس کی انتظامیہ اور چندہ دہندگان کی اجازت سے کسی

---

۱) فی الشامیة: کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤٠، طبع ایچ ایم سعید۔
وهكذا فی الفتاوی العالمكيرية: أی من شرائط الوقف الملك وقت الوقف ...... الخ، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه ...... الخ، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا فی البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٤، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وكذا فی شرح المجلة، لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملك غيره بلا اذنه أو وكالة منه ...... الخ، رقم المادة ٩٦، ج ١ ص ٦١، طبع حنيفه كوئته۔
وهكذا فی الدر المختار كتاب الغصب مطلب فيما يجوز من التعرف بمال الغير ٦ ص ٢٠٠ طبع ایچ ایم كراتشی

قریبی مسجد کی ضرورت پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ جو مسجد ایک دفعہ شرعی مسجد بن جائے اس کا گرانا اور شہید کرنا قطعاً جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

جبراً مکان لے کر مسجد بنانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک مکان موضع مبارک پور کوٹھی نمبر ۷ مسمیان شان محمد واللہ دتہ قوم چدھڑ سے مبلغ ۱۰۰۰ روپیہ دے کر خریدا ہے۔ بعد میں کچھ آدمی موضع کے ہمارے مخالف تھے انہوں نے گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ تم مکان دے دو اور اپنی لاگت روپیہ لے لو۔ تو ہم نے منظور کر لیا۔ اب روپیہ دینے سے انکاری ہو گئے اور مسجد میں پہلے قرآن شریف کا حلف اٹھایا تھا کہ روپیہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر اب تک روپیہ بھی نہیں دیتے اور مکان پر جبراً قبضہ کرنا چاہتے ہیں آپ یہ فتویٰ دیں کہ یہ مکان جبراً چھین کر مسجد کے ساتھ ملا دیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

مسجد میں اگر فراخی کرنی ہو اور زمین شامل کرنی ہو تو اس کے لیے حلال اور جائز روپیہ اور پاک کمائی سے خرید کے کوئی قطعہ زمین ملانا جائز ہے۔ حرام اور ناجائز طریقے سے کسی کو تنگ کر کے اس مکان یا قطعہ زمین کو داخل کرنا سخت کبیرہ گناہ ہے۔ ایسا کرنے والوں کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ لہٰذا سائل شان محمد سے اگر روپیہ نقد دے کر مکان لے لیں اس کی رضامندی کے ساتھ تو جائز ہے۔ اور بغیر زرِ ثمن ادا کرنے کے زمین یا مکان پر قبضہ کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ عوام المسلمین اور پولیس کو شان محمد کی امداد کرنا لازم ہے اسی طرح ظالموں کو سزا دینا بھی ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی کو نہ ستائیں۔ هذا الجواب علی تقدير صحة السوال۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) وكذا في الشامية: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً الى قيام الساعة وبه يفتى ...... الخ، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد۔

وهكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئته۔

وهكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئته

بلا اجازت قائم مسجد میں نماز اور تلاوت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص کی زمین میں بلا اجازت دوسرے شخص نے مسجد شریف اور حجرہ بلا اجازت تیار کرلیا ہے۔ زمین والا رضامند بالکل نہیں ہے۔ بلکہ مسجد حجرہ کے تیار ہونے میں عوام کو آمد ورفت میں سخت تکلیف ہے۔ کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا اور حجرہ میں قرآن پڑھانا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

کسی شخص کی زمین میں بلا اجازت مسجد وحجرہ بنانا جائز نہیں ہے[1] اور وہ جگہ نہ تو مسجد بنے گی اور نہ ہی وقف ہوگی۔ کیونکہ شرائط صحت وقف میں سے مالک ہونا ہے۔ قال فی العالمگیریہ منها. (ای من شرائط الوقف الملک وقت الوقف[2])۔ شرعاً مالک کو حق حاصل ہے کہ اس حجرہ اور مسجد کو جو بغیر اجازت کے تعمیر کیے گئے ہیں گرادے[3] اس مسجد وحجرہ میں نماز پڑھنا بھی شرعاً ناجائز ہے اگرچہ وہ نماز ادا ہوجائے گی لوٹانا واجب نہیں ہوگا۔ لیکن یہ عمل ناجائز ہے[4]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملك غیره بلا اذنه أو وكالة منه، الخ شرح المجلة، المادة، ۹٦، ج ۱ ص ٦۱، مکتبه حنفیه کوئٹه۔ وکذا فی شرح الأشباه والنظائر: الفن الثانی، الفوائد کتاب الغصب، ج ۲ ص ٤٤٤، طبع ادارة القرآن کراتشی۔ وکذا فی الدر المختار: کتاب الغصب، مطلب فی ما یجوز من التصرف بمال الغیر، ج ٦ ص ۲۰۰، ایچ ایم سعید۔

۲) الفتاوی العالمکیریة: کتاب الوقف، الباب فی تعریفه ......، ج ۲ ص ۳٥۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔
أفاد أن الواقف، لا بد أن یکون مالکه وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا یکون محجوراً عن التصرف، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ۳٤۰، ایچ ایم سعید کراتشی۔ وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥، ص ۳۱٤، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔

۳) "قلت وهو کذلك، فإن شرط الوقف التأبید والأرض اذا کان ملکاً لغیره فللما لك استردادها، وأمره بنقض البناء" (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی وقف البناء بدون الأرض، ج ٤، ص ۳۹۰، طبع ایچ، ایم، سعید)

٤) وکذا تکره فی أماکن، کفوق کعبة ...... وأرض مغصوبة أو للغیر ...... وفی الواقعات بنی مسجداً فی سور المدینة لا ینبغی أن یصلی فیه لأنه حق العامة فلم یخلص لله تعالی کالمبنی فی أرض مغصوبة ...... فالصلوة فیها مکروهة تحریماً فی قول وغیر صحیحة له فی قول آخر شامی، کتاب الصلوة، مطلب فی الأرض المغصوبة، ج ۱ ص ۳۸۱، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
الصلوة فی الأرض المغصوبة حرام بالإجماع ...... قال الجمهور غیر الحنابلة الصلوة صحیحة، لأن النهی لا یعود الی الصلوة فلم یمنع صحتها ...... ویسقط بها الفرض مع الاثم، ویحصل بها الثواب فیکون مثاباً علی فعله عاصیاً بمقامه واثمه اذن للمکث فی مکان مغصوب، الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب الصلوة، ج ۲ ص ۹۸٤، طبع دار الفکر بیروت۔
وکذا فی الهندیة: کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی ما یکره فی الصلوة، ج ۱ ص ۱۰۹ رشیدیه کوئٹه۔

نماز کے لیے قائم تھلے کی دوسری جگہ منتقلی

﴿س﴾

ایک مہاجر کے نام ایک زمین متروکہ عارضی طور پر الاٹ ہوئی۔ عارضی طور پر اس زمانہ میں کھیت کے قریب رہنے والے مقامی لوگوں نے مذکورہ زمین میں مسجد کا چبوترا بنا دیا۔ اب وہی زمین مذکورہ مہاجر کے نام مستقل الاٹ ہوئی جس وقت دوسرے لوگوں نے چبوترا مسجد کا بنایا تھا، اسوقت یہ زمین غیر آباد تھی۔ اب اس چبوترہ کے آس پاس کھیتی ہوتی ہے۔ مہاجر چاہتا ہے کہ میں وہاں سے چبوترا اٹھا کر اس کھیت میں اپنے رہائشی مکان کے قریب مسجد تعمیر کرلوں اور اس چبوترہ کی جگہ کھیتی میں استعمال ہو۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

کسی زمین میں مالک زمین کے وقف کرنے کے بغیر بنی ہوئی مسجد شرعاً مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔ اس لیے مذکورہ چبوترا اٹھا کر وہ جگہ کھیتی میں استعمال کرسکتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بلا اجازت چندہ سے اپنی رقم وصول کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تعمیری کمیٹی کے صدر نے مالک بھٹہ سے اینٹیں پختہ منگوائیں مگر مالک بھٹہ نے دینے سے انکار کردیا۔ پھر ایک مخیر صاحب ممبر مسجد کمیٹی نے منگوائیں تو مالک بھٹہ نے بھجوادیں چندروز کے بعد اس مخیر صاحب نے رقم دینے سے انکار کردیا۔ اور تعمیری کمیٹی نے بھی کام ادھورا چھوڑ دیا۔ اسی مالک بھٹہ نے تعمیر کا کام اپنی تحویل میں شروع کرایا اور اپنا قرضہ بھی چندہ وصول شدہ سے وضع کرلیا۔ کیا اس طرح سے قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

مالک بھٹہ کا قرضہ ادا کرنا تعمیر کمیٹی کے ذمہ واجب تھا۔ اب اگر مالک بھٹہ خود متولی ہے تو اس کا اپنا قرضہ

---

۱) تقدم تخریجه فی السوال السابق۔

وصول کرنا درست ہے۔ اگر خود متولی نہیں تو متولی سے اجازت لے لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

حررہ محمد انور شاہ غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۷ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

چندہ واپس لینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ دو رشتے دار ایک جھگڑے کی بنا پر فنڈ میں چار چار سو روپیہ متولی مسجد کو مسجد کے لیے دیتے ہیں۔ اب ان کے گھروں میں جھگڑا پڑ گیا۔ کیا کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ جو روپے مسجد کو دے دیے گئے ہیں واپس لے سکیں۔ باحوالہ جواب عنایت فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

متولی مسجد نے اگر اس رقم کو ضروریات مسجد پر صرف نہیں کیا تو چندہ دہندہ اس رقم کو واپس لے سکتا ہے (۲)۔ کذا فی امداد الفتاویٰ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳)

حررہ محمد انور شاہ غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۰/۶/۲۶ھ

چندہ سے متولی کا قرضہ لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد کے چندہ سے متولی قرض لے سکتا یا نہیں۔

---

۱) من له حظ فی بیت المال ظفر بما له وجه لبیت المال فله أن یأخذه دیانةً، رد المحتار، کتاب الجهاد، مطلب فی من له حق فی بیت المال وظفر بشیء من بیت المال، ج ٤ ص ١٥٩، ایچ ایم سعید۔
أما اذا کان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لا صلاح الوقف کان له أن یرجع بذلك فی غلة الوقف، الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف ...... ج ٢ ص ٤٢٤، رشیدیه کوئٹه۔ کذا فی الخانیة علی هامش الهندیة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ، ج ٣ ص ٢٩٨، رشیدیه کوئٹه۔

٢) رجل أجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقها للدواب وخربها یضمن لأنه فعل بغیر اذنه الخ، شامی کتاب الوقف، مطلب کون التعمیر من الغلة الخ، ج ٤ ص ٣٦٧، طبع ایچ ایم سعید۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٨، رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی الولو الجیة: کتاب الوقف، الفصل الأول، ج ٣ ص ٩٩، طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔

٤) امداد الفتاوی: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٧٩، ٥٨٠، مکتبه دار العلوم کراچی طبع جدید۔

﴿ج﴾

اگر متولی دیندار صالح اور متقی ہے تو جائز ہے۔لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ لیں۔قال فی الھندیة اراد المتولی ان یقرض بافضل من غلة الوقف ذکر فی وصایا فتاویٰ ابی اللیث رحمه الله تعالی رجوت ان یکون ذلک واسعا اذا کان ذلک اصلح و اجری للغلة من امساک الغلة۔ (عالمگیریہ ج۲ص۴۹۰)(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کی اشیاء کومسجد پرلگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عوام الناس سے مدرسہ کے نام پر چندہ لیا گیا اور اسی چندہ کے پیسوں سے مدرسہ کی تعمیر کے لیےلکڑی وغیرہ سامان بھی لایا گیا۔لیکن بعض لوگوں کی انتظامیہ سے نیت یہ ہوگئی کہ اس سامان کومسجد کی عمارت پرلگادو مدرسہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیامدرسہ کی چیزوں کومسجد پرلگانا جائز ہے یا نہیں۔بینواتوجروا۔

﴿ج﴾

اس سامان کومسجد کی عمارت پرلگانا جائز نہیں۔کیونکہ معتبر اس معاملہ میں شرائط واقف ہیں ان کے خلاف کرنا جائز نہیں۔قال فی الشامی شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع و ھو مالک فله ان یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة و له ان یخص صنفا من الفقراء و لو کان الوضع فی کلھم قربة ج۳ص۳۹۵۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم(۲)۔

---

۱) الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب فی المتفرقات، ج ۲ ص ۴۹۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی المحیط البرھانی: کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی المتفرقات، ج ۷ ص ۱۶۲، طبع مکتبه غفاریه کوئٹه۔
وھکذا فی التاتارخانیة: کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی المتفرقات، ج ۵ ص ۸۹۰، ادارة القرآن کراتشی۔

۲) ردالمحتار: کتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، ج ٤ ص ۳٤۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ ومثل ھذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، ج ۵ ص ٤۱۷، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔ وفی شرح الأشباه والنظائر: شرط الواقف کنص الشارع، أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة ...... الخ، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد نمبر ۱۲۵۱، ج ۲ ص ۱۰٦، طبع ادارة القرآن کراتشی۔

مدرسہ پر لگائی ہوئی رقم کی واپسی کا حق نہیں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دو بھائی نسبی اکٹھے ہونے کی صورت میں زمین خرید کر کے مدرسہ عربیہ کے لیے اور مسجد کے لیے وقف کر دی گئی۔ اس میں تعمیرات ہو چکی ہیں۔ اس زمین پر رقم نو حصہ چندہ کی ہے۔ تقریباً ایک حصہ دوسرے بھائی کی ذاتی آمدنی کا ہے۔ پانچ سال کے بعد اختلاف خانگی کی بنا پر ذاتی آمدنی والا مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے نصف حصہ دو ورنہ جو کچھ میرا بنتا ہے مجھے دو باوجودیکہ پانچ سال رضامند رہا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اگر اس شخص کی اجازت اور رضامندی سے رقم مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں صرف ہوئی ہے۔ تو اس کو اب رقم کی واپسی کا حق حاصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کے فنڈ سے مسجد کی زمین کی قیمت کی ادائیگی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک عدد رقبہ نیلام میں مسجد کے نام مبلغ پانچ سو روپے میں خرید لیا گیا اس کی قیمت کی ادائیگی کے بارے میں میں نے حاجی اللہ بخش صاحب سے کہا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے لہٰذا تم اس کا بندوبست کر دو حاجی صاحب نے کسی سے پوچھے بغیر مدرسہ عربیہ کے فنڈ سے مبلغ پانچ صد جمع کیا بعد ازاں جب مسجد کو اس رقبہ کی ضرورت ہوئی تو حاجی صاحب سے مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے

---

۱) رجل أعطى درهماً فى عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح لأنه وان كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض ...... الخ، الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد ...... الخ، ج ۲ ص ٤٦٠، رشيديه كوئٹه۔

والصدقة كالهبة لا تصح لا بالقبض لأنه تبرع كالهبة ...... ولا رجوع فى الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل، الهداية، كتاب الهبة، فصل فى الصدقة، ج ۳ ص ۲۹۵، مكتبه رحمانيه لاهور۔ وكذا فى الجوهرة النيرة كتاب الهبة، ج ۲، ص ۱۹، قديمى كتب خانه، كراتشى۔

پانچ صد روپے مدرسہ کے فنڈ سے ادا کیے ہیں۔اس لیے اب یہ رقبہ مدرسہ کا ہو گیا ہے کیا شریعت میں یہ رقبہ واقعی مدرسہ کا ہو گیا ہے اور مسجد محروم ہو گئی۔

﴿ج﴾

اگر زمین کی نیلامی اور بیع مسجد کے نام ہوئی ہے تو یہ زمین مسجد کی ملکیت ہے مدرسہ کے فنڈ سے رقم ادا کرنے سے یہ زمین مدرسہ کی ملکیت میں نہیں آئی لہٰذا مسجد کے فنڈ سے رقم مدرسہ کے فنڈ میں واپس کر دی جاوے اور اس زمین کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے قبضہ میں دے دیا جاوے[1]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذاتی قرضہ کی واپسی کے لیے خزانچی کا چندہ کے نام پر رقم جمع کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد قادریہ کے کارکن کو مسجد کی تعمیر کے لیے کمیٹی نے کام سپرد کر دیا۔کہ جامع مسجد قادریہ کے خزانچی کی حیثیت سے کام شروع کر وا دو تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔درمیان میں خزانہ کے اندر رقم ختم ہو جاتی ہے۔اب کچھ قرض لیا جاتا ہے مختلف آدمیوں سے۔باقی لوگوں کی رقم سب ادا کر دی جاتی ہے۔مگر خزانچی کے گرہ سے جو رقم خرچ ہوتی ہے وہ بقایا چلی آ رہی ہے۔عرصہ چار سال کے درمیان کئی دفعہ مطالبہ کیا گیا مگر نہ دی گئی۔جب کچھ رقم مسجد کے خزانہ میں جمع ہوئی۔مسجد کے کسی نہ کسی کام میں خرچ کر دی اور خزانچی کو نہ دی۔ٹال مٹول کرتے رہے۔جب دیکھا کہ یہ خزانچی کو نہیں دیتے تو خزانچی کے پاس ایک رسید بک جامع مسجد کی موجود ہے سابقہ خزانچی رسید لے کر باہر جا کر چندہ کرتا ہے اس خیال سے کہ مسجد کے ذمہ میرا قرض ہے۔اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح سے خزانچی سابق چندہ کر سکتا ہے یا نہیں۔

---

۱) وقف ضيعة على الفقراء وسلمها للمتولي ثم قال لوصيه، أعط من غلتها فلاناً كذا وفلاناً كذا لم يصح لخروجه عن ملكه بالتسجيل، در مختار، كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٩، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔

الثالث: أن لا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار ...... الخ، ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، ج ٤ ص ٣٨٤، طبع ايچ ايم سعيد۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه كوئٹه۔

﴿ج﴾

اگر واقعی اس خزانچی کا مسجد پر قرضہ ہے اور اس کے قرضہ کی ادائیگی کی دوسری کوئی صورت نہیں تو خزانچی اسی مسجد کی رسید سے چندہ کر کے اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

مسجد کا برآمدہ مدرسہ کی رقم سے تعمیر کرانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ:

(۱) میرے محترم والد مرحوم نے ایک مسجد بنائی ہے۔ وہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس کے بعد ہم نے اس مسجد کا زیادہ صحن بڑھا دیا۔ جو صحن بعد میں بڑھایا گیا ہے اس میں ایک برآمدہ بھی بنادیا ہے۔ مسجد کی رقم سے اب اس کے بعد پھر مدرسہ کا خیال پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تین کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ اب جب کہ بچے پڑھانے کی جگہ نہیں ہے۔ آیا جو برآمدہ مسجد کی رقم سے تیار ہوا ہے۔ اتنی ہی رقم مدرسہ سے لے کر دوسری طرف برآمدہ تیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں جو حد بعد میں شامل مسجد ہوئی ہے۔ اس کو مدرسہ میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) اس مسجد میں جمعہ ہونے لگا ہے۔ جمعہ کے دن چندہ کی صندوقچی جو نمازیوں کے آگے پھرائی جاتی ہے۔ اس چندہ سے قبلہ خطیب صاحب کو تنخواہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ محلّہ نہایت غریب ہے۔ کوئی ذریعہ نہیں جس سے تنخواہ دی جا سکے۔ یہاں پر یہ اصول ہے کہ صندوقچی میں جتنی بھی رقم آئے ۲ یا ۴ وہ خطیب کو دے دیتے ہیں۔

(۳) اب اس مسجد میں اس محلّہ کے تقریباً ۳۰ بچے قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ باہر کا کوئی طالب علم نہیں ہے۔ جو رقم مدرسہ کی جمع ہے۔ امام مسجد جو بچوں کو پڑھاتا ہے اس کو اس رقم سے تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ باہر کا کوئی طالب علم نہیں ہمارا خیال یہ ہے کہ بجائے ایک وقت کے دو وقت بچے پڑھائے جائیں۔ امامت کی تنخواہ الگ دی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ باہر کے طالب بھی رکھے جائیں گے کوشش ہے۔

---

۱) من له حظ فی بیت المال ظفر بما له وجه لبیت المال فله أن یأخذه دیانة، شامی کتاب الجهاد، مطلب فی من له حق فی بیت المال وظفر بشیء من بیت المال، ج ٤ ص ١٥٩، طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔ أما اذا کان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لإصلاح الوقف کان له أن یرجع بذالك فی غلة الوقف، عالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف ...... ج ٢ ص ٤٢٤، رشیدیه کوئته۔ وکذا فی الخانیة علی هامش الهندیة: کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ، ج ٣ ص ٢٩٨، رشیدیه کوئته۔

﴿ج﴾

(۱) مدرسہ کی رقم سے مسجد میں برآمدہ تیار کرنا جائز نہیں [1]۔ جو زمین ایک دفعہ مسجد میں شامل کی گئی ہے اس کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر مدرسہ بنانا جائز ہے [2]۔

(۲) مسجد کے چندہ سے امام مسجد کی تنخواہ دینا جائز ہے [3]۔

(۳) امام مسجد اگر بچوں کے پڑھانے پر مدرسہ کی طرف سے مامور ہو اور درس مدرسہ کی شاخ شمار ہوتا ہے تو مدرسہ کی رقم سے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم [4]۔

محمود عفا اللہ تعالیٰ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها أن للإمام أو نائبه أن يزيد فيها وينقص ونحو ذالك وليس المراد أنه يصرفها عن الجهة المعينة بأن ينقطع وظائف العلماء بصرفها الى غيرهم ...... الخ، رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب للسلطان مخالفة الشرط الخ، ج ٤ ص ٤٣٧، سعيد۔

كذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥، ص ٣٦٢، رشيديه۔

وهكذا في الدر المختار: قال خير الرملي: أقول ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين ...... فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٠، سعيد كراتشي۔

۲) ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً الى قيام الساعة وبه يفتى، الدر المختار، قوله عند الإمام والثاني، فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله ...... وهو الفتوى الخ، شامي كتاب الوقف، مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره، ج ٤ ص ٣٥٨، ايچ ايم سعيد۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه كوئته۔

وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ٢ ص ٤٥٨، طبع رشيديه كوئته۔

۲) ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب بعمارته، كإمام مسجد ومدرس يعطون بقدر كفايتهم، الدر المختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٦، ايچ ايم سعيد۔

وفي البحر الرائق: لووقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته الى الإمام والمؤذن والقيم، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٥٤، رشيديه كوئته۔

من ارتفاع الوقف عمارته شراط الوقف أم لا ثم الى ماهو أقرب الى العمارة وأعم للمصالحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف اليهم بقدر كفايتهم ثم السراج والبسط، الهندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، ج ٢ ص ٣٦٨، رشيديه۔

٤) قد مر تخريجه في الحاشية السابق۔

ہندوؤں کی متروکہ غصب شدہ جائیداد کو مسجد کے لیے لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص ایک ہندو پراپرٹی پر ناجائز طور پر قابض ہوجاتا ہے۔ وہ شخص اس پراپرٹی کی کوئی قیمت وغیرہ سرکاری خزانہ میں جمع نہیں کراتا ہے۔ اور نہ ہی وہ شخص اس پراپرٹی کو باقاعدہ طور پر اپنے نام منتقل کراتا ہے۔ کافی عرصہ وہ اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھتا ہے۔ اور پھر اس ناجائز قبضہ شدہ پراپرٹی کو مسجد کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ بعد ازاں خستہ حالت میں ہونے کے باعث یہ جگہ گر جاتی ہے۔ اور مسجد کی انتظامیہ مسجد کے لیے جمع شدہ چندہ میں سے جائیداد مذکور کی مرمت کرا کے اسے باقاعدہ طور پر کرایہ پر دے دیتی ہے۔ تو کیا شرعاً جائیداد مذکور کا مسجد کی تحویل میں آنا جائز ہے کیا مسجد کے لیے اس کا گرانا جائز ہے۔ کیا مسجد میں توسیع کی خاطر اس جائیداد کو بیچا جا سکتا ہے۔ اور اس سے حاصل شدہ سرمایہ مسجد کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

﴿ج﴾

حکومت کی اجازت سے مسجد کی تحویل میں دینا درست ہے[1] اور مسجد کے لیے کرایہ پر دینا درست ہوگا[2]۔ اور حاکم مجاز کی اجازت سے فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم مسجد کی توسیع اور ضروریات میں استعمال کرنا درست ہے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أرض وقف علی مسجد والأرض بجنب ذالك المسجد وأرادوا أن يزيد وافى المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعون الأمر الى القاضى ليأذن لهم ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا، هندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الأول، ج ٢ ص ٤٥٦، رشيديه كوئته۔
وكذا فى خلاصة الفتاوى: كتاب الوقف، الفصل الرابع فى المسجد، ج ٤ ص ٤٢١، رشيديه كوئته

۲) ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس فى استيجار بيوتها، تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبنى فيها بيوتاً فيواجراها، هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، ج ٢ ص ٤١٤، رشيديه كوئته۔
وكذا فى الخانية: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ٣ ص ٣٠٠، رشيديه كوئته۔

۳) أهل المسجد اذا باعوا غلة المسجد أو نزل المسجد أو أمروا رجلاً ببيعه، أو باعوا نقض المسجد اذا استغنى عن ذالك أو أمروا رجلاً بالبيع فهذا على وجهين: أما أن فعلوا بأمر القاضى أولا بأمره، ففى وجه الأول يجوز ...... الخ، تاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ج ٥ ص ٨٦١، ادارة القرآن كراچى۔
ومثله فى البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٦، رشيديه كوئته۔

مسجد کے فنڈ زکو آمدنی کی غرض سے تجارت پر دینا

﴿س﴾

ایک مسجد کی آمدنی کم ہے۔اوراس آمدنی کوزیادہ کرنے کے لیے مسجد کے فنڈ کو بغرض تجارت چلانا اوراس مسجد کے فنڈ میں دوسرا آدمی شریک ہوکر تجارت کرے اور منافع نصف نصف کرے کیا مندرجہ بالا صورتیں جائز ہیں یا نہیں۔

﴿ج﴾

مسئولہ صورت میں مسجد کے لیے تجارت کر کے اپنی رقم کے ساتھ مشترک کر کے نصف آمدنی مسجد کو دینے کی صورت درست ہے۔تجارت میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھنا لازم ہے[1]۔

چندہ سے امام کو تنخواہ دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کے امام وخطیب کو جس کا اپنا علیحدہ کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں۔سوائے عوام سے صدقہ وخیرات لینے کے ماہوار قابل گزارہ رقم بطور معاوضہ کے جمع شدہ سرمایہ چاہے وہ عام چندے کی صورت میں وصول کیا گیا ہو یا کسی وقف زمین سے حاصل کیا گیا ہوادا کرنا عندالشرع کیسا ہے۔جائز ہے یا ناجائز پورے ثبوت کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کی جائے تا کہ اس سلسلہ میں جوخلجان عوام کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔وہ دور ہو سکے۔نیز اس پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ مسجد کا فنڈ مسجد کی کن کن ضروریات پر صرف ہوسکتا ہے۔اور مسجد کی حفاظت اور انتظام کے لیے کمیٹی کا انتظام ضروری ہے یا نہیں اور امام کی کفایت کی ذمہ داری مقتدیوں پر لازم آتی ہے یا نہیں مذکورہ امور کا جواب وضاحت کے ساتھ عنایت فرمایا جائے۔

---

۱) القیم اذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن یستغل ویباع عند الحاجة جاز ان کان له ولایة الشراء واذا جاز له أن یبیعه ...... الخ، الفتاوی الهندیة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی، ج ۲ ص ٤٦٢، رشیدیه۔
وکذا فی الخانیة: کتاب الوقف، فصل فی وقف المنقول، ج ۳ ص ۳۱۲، رشیدیه کوئته۔
وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد، ج ٤ ص ٤۲۳، طبع رشیدیه کوئته۔

﴿ج﴾

چندہ ہو یا دیگر محاصل اوقاف مساجد ہوں ان سب سے امام مسجد کو تنخواہ دینا جائز ہے۔ درمختار میں ہے

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو اقرب لعمارته کامام مسجد و مدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج و البساط کذلک الی اخر المصالح و ان لم یشترط الواقف لثبوته اقتضاء ج ۳ ص ۴۱۳[۱]۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ میں سے ہے۔ مسجد کا فنڈ مسجد کی دری، تعمیر روشنی، امام کی تنخواہ وغیرہ پر صرف کیا جائے گا یعنی ضروریات مسجد پر صرف کرنا چاہیے پس اگر متولی نے وقف کا مال مسجد کے نقش ونگار پر خرچ کیا یا کسی دوسری غیر ضروری چیز پر خرچ کیا تو اس کا ضمان متولی پر ہوگا[۲]۔ مسجد کے لیے کمیٹی مقرر کرنا جائز ہے[۳]۔ کمافی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۳۱[۴]۔

---

۱) در مختار، کتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وکذا فی الهندیة: کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف، ج ٢ ص ٣٦٨، رشیدیه کوئته۔

ولو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته الی الإمام والمؤذن والقیم، البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٥٤، رشیدیه کوئته۔

۲) **وذکر فی البحر أن کون التعمیر من غلة الوقف اذا لم یکن الخراب بصنع أحد، ولذا قال فی الولوالجیة رجل آجر دار الوقف فجعل المستأجر رواقها مربطاً للدواب وخربها یضمن لأنه فعل بغیر اذن، شامی، کتاب الوقف، مطلب کون التعمیر من الغلة ...... الخ، ج ٤ ص ٣٦٧، ایچ ایم سعید۔**

وفیه أیضاً: ولا بأس بنقشه ...... بماله، الحلال لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متولیه لو فعل النقش أو البیاض الخ، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد، ج ١ ص ٦٥٨، ایچ ایم سعید۔

وصرحوا فی نقش المسجد بالجص وماء الذهب أن المتولی لو فعله من مال الوقف ضمن، البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٤٨، رشیدیه کوئته۔

وکذا فی الفتاوی الولوالجیة، کتاب الواقف، الفصل الأول، ج ٣ ص ٩٩، دار الکتب العلمیه بیروت۔

وکذا فی العالمکیریة: کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی ما یکره فی الصلوة، ج ١ ص ١٠٩، رشیدیه کوئته۔

۳) ویجوز تعدد النظار ...... الخ، الفقه الإسلامی وأدلته کتاب الوقف، الفصل العاشر، ج ١٠، ٧٦٨٦، دار الفکر المعاصر۔

وفی البحر الرائق: ولیس لأحد الناظرین التصرف بغیر رأی الآخر، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٨٧، طبع رشدیه کوئته۔

٤) امداد الفتاوی، کتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٧٩، ٥٨٠، مکتبه دار العلوم کراچی طبع جدید۔

مسجد و مدرسہ کی الحاق کی صورت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا مسجد و مدرسہ (اگر چہ وہ دینی ہی کیوں نہ ہو) دونوں کا الحاق ازروئے شرع درست ہے۔ اور مسجد و مدرسہ کی تعریف جو کہ تعلیمات اسلامی نے متعین کی ہے ایک دوسرے کی انفرادی حیثیت کو متاثر کر سکتی ہے۔ جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم کی مختصری تشریح فرمائیے۔ کہ کیا چھوٹے بچوں کا مسجد میں مدرسہ کی صورت میں پڑھانے پر بھی مندرجہ بالا حدیث غالب ہے۔

کیا ایک شخص کا مسجد میں کسی قسم کے وظائف یا دیگر اوراد باآواز بلند پڑھنا جائز ہیں۔ ایک شخص باقاعدہ حلقہ باندھ کر مسجد میں وظائف وغیرہ پڑھے۔ مسجد میں بچوں کے لیے مدرسہ کا قیام اور مسجد کے تمام حصوں اور تمام چیزوں کو مدرسہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ نیز بچوں کو پڑھانے والے معلم کی تنخواہ مدرسہ کے حساب سے ادا کی جائے۔ لیکن مسجد کو کچھ بھی نہ دیا جائے۔ بلکہ اسے بھی مدرسہ کے لیے استعمال کیا جائے۔ براہ مہربانی شرعی فیصلہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿ج﴾

(ا) مسجد و مدرسہ کا الحاق آمد وخرچ کے اعتبار سے درج ذیل صورتوں میں ہوسکتا ہے۔ (الف) مسجد و مدرسہ کے مشترکہ اوقاف ہوں تو ان اوقاف میں سے دونوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے[1]۔

(ب) مسجد و مدرسہ دونوں کے نام پر چندہ حاصل کیا جائے۔ تب بھی اس چندہ کی آمدنی کو دونوں پر خرچ کرنا درست ہے۔ اور درج ذیل صورتوں میں مسجد و مدرسہ کا آمد وخرچ کے اعتبار سے الحاق درست نہیں ہے۔ (ا) ہر ایک کے علیحدہ اوقاف ہوں تو ان کو مشترک طور پر خرچ کرنا درست نہیں۔ بلکہ مسجد کے اوقاف مسجد پر خرچ

---

۱) واذا وقف الواقف وقفين على المسجد أحدهما على العمارة والآخر الى امامه أو مؤذنه، فللحاكم اذا قل المخصص للإمام ونحوه أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة ان كان الوقف متحداً لأن غرضه وقفه، وهو يحصل بهذا النقل لأنهما حينئذ كشيء واحد ...... الخ، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، ج ١٠ ص ٧٦٧٤، دار الفكر المعاصر بيروت۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، رشيديه كوئته۔

کیے جائیں اور مدرسہ کے مدرسہ پر (۱)۔

(ب) یا ایک کے اوقاف ہوں دوسرے کے نہ ہوں تو ان اوقاف کو صرف اسی ایک مد پر خرچ کرنا درست ہے۔ دوسری مد میں درست نہیں ہے (۲)۔

(ج) ہر ایک کے لیے جداگانہ چندہ اکٹھا کیا جاتا ہو تو ہر ایک کے چندہ کی رقم صرف اسی پر خرچ ہوگی۔ دوسرے پر خرچ کرنا درست نہیں ہے (۳)۔

(د) یا ایک کے لیے مخصوص چندہ ہے دوسرے کے لیے نہیں ہے۔ تو اس چندہ کو صرف اسی ایک پر خرچ کرنا چاہیے، دوسرے پر خرچ کرنا درست نہیں ہے (۴)۔ وغیرہ وغیرہ۔

(ہ) مسجد و مدرسہ کی جداگانہ حیثیت اور جداگانہ احکام بھی ہیں۔ ہر ایک کی اپنی منفرد حیثیت ہے۔ ویسے مسجد میں دینی تعلیمات کی درس وتدریس جائز ہے (۵)۔ اگرچہ مساجد کی تعمیر کا اہم مقصود نماز ہی ہے۔

(۲) چھوٹے بچوں کی تعلیم بوجہ اندیشہ ناپاک کرنے مسجد کے مکروہ ہے (۶)۔ لیکن اگر کوئی دوسری جگہ بچوں کی تعلیم کے لیے مکان کا انتظام نہ ہو سکے اور مسجد کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔ تب مسجد میں پڑھانے کی بھی گنجائش ہے۔ کما صرح به الفقهاء...... (۷)

---

۱) اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض موقوف عليه ...... جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه ...... وان اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك الخ، الدر المختار، وفى ردالمحتار، ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهى واقعة الفتوى، شامى، كتاب الوقف مطلب فى نقل أنقاض المسجد، ج ٤ ص ٣٦٠،٦١، ايچ ايم سعيد۔
وكذا فى البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٦٢، رشيديه۔
وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته، كتاب الوقف، الفصل الثامن استبدال الوقف، ج ١٠، ص ٧٦٧٤، دار الفكر المعاصر بيروت۔

۲،۳،٤) دیکھیے حاشیہ بالا نمبر ۲۔

٥) وأما المعلم الذى يعلم الصبيان باجر اذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر أو غيره لا يكره ...... الخ، الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب السابع فى ما يفسد الصلوة ...... الخ، ج ١ ص ١١٠، رشيديه كوئٹه۔ وكذا فى فتح القدير كتاب الصلوة، فصل ويكره استقبال القبلة الخ، ج ١ ص ٣٢٩، رشيديه كوئٹه۔ وكذا فى البزازية: كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون فى حكم المسجد، ج ٤ ص ٨٢، رشيديه كوئٹه۔

٦) ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره، قال ابن عابدينؒ، فقوله فيكره أى تنزيهاً تأمل شامى، كتاب الصلوة، مطلب فى أحكام المسجد، ج ١ ص ٦٥٦، ايچ ايم سعيد۔
وكذا فى حلبى كبير: فصل فى أحكام المساجد، ص ٦١٠، طبع سعيدى كتب خانه كوئٹه۔

٧) دیکھیے حاشیہ نمبر ٦۔

(۳) اگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو مثلاً نمازی نماز پڑھ کر چلے گئے ہوں یا ابھی نماز میں مشغول نہ ہوئے ہوں تو آواز بلند بھی اوراد پڑھنا جائز ہے مگر اخفاء افضل ہے اور اگر نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو آواز بلند نہ پڑھے جائیں، اکیلے پڑھنے اور حلقہ باندھ کر پڑھنے کا ایک حکم ہے[۱]۔

(۴) پہلے بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ مساجد کی تعمیر کا اصلی مقصد نماز ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی اس میں درس وتدریس جائز ہے اور مسجد کے اندر مسجد کی صفوں وغیرہ پر درس وتدریس کے لیے بیٹھنا جائز ہے۔ ہاں اگر پڑھنے والے بچے ہوں اور مسجد کی نجاست کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ممنوع اور مکروہ ہے[۲]۔

نیز یہ جائز ہے کہ بچوں کے معلم کی تنخواہ مدرسہ سے دی جائے اور مسجد پر کچھ بھی مدرسہ کے فنڈ سے خرچ نہ کیا جائے[۳]۔ بشرطیکہ چندہ صرف مدرسہ کے نام پر ہوا ہو اور اگر دونوں کے نام پر چندہ ہوا ہو تب تو مسجد پر بھی اس کا حصہ صرف کرنا ضروری ہے[۴]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے چندہ سے قرضہ دینے کا اختیار

س

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دینی مدرسہ کا مہتمم یا متولی مدرسہ کے اخراجات سے اگر کچھ زائد رقم ہو تو کسی بہی خواہ کو یا خود بطور قرض دینے کا مجاز ہے یا نہ؟ جبکہ رقم کی واپسی کا قوی احتمال ہے۔

---

۱) (قوله ورفع صوت بذكر) أقول اضطرب كلام صاحب البزازية في ذلك ...... (الى قوله) ...... وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني، أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ الخ، . (رد المحتار، باب أحكام المساجد، ج ۱ ص ۶۶۰، ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا في الفتاوى الخيرية: كتاب الكراهية والاستحسان، ص ۲۷۹ تا ۲۸۲، طبع مکتبہ حقانیہ، پشاور۔ وكذا في الحاوي للفتاوى، الفتاوى الحديثية، كتاب الأدب والرقائق، نمبر ٤٤ نتيجه الفكر في الجهر في الذكر، ج ۱ ص ۳۷۹، دار الكتب العلميه بيروت۔

۲) دیکھیے حاشیہ نمبر ۶ اور نمبر ۷۔

۳) ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ...... الى آخر المصالح وان لم يشترط الواقف لثبوته اقتضاء ...... در مختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ۳۶۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا في الهندية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، ج ۲ ص ۳۶۸، رشيديه كوئٹه۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ۳٥٤، رشيديه كوئٹه۔

٤) دیکھیے گزشتہ صفحہ کا حاشیہ نمبر ۲۔

﴿ج﴾

اگر قرض کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو گنجائش ہے قال فی العالمگیریہ ج ۲ ص ۴۹۰ اراد المتولی ان یقرض ما فضل من غلة الوقف ذکر فی وصایا فتاوی ابی اللیث رحمه الله تعالیٰ رجوت ان یکون ذلک واسعا اذا کان ذلک اصلح و اجری للغلة من امساک الغلة ولو اراد ان یصرف فضل الغلة الی حوائجه علی ان یرده اذا احتیج الی العمارة فلیس له ذلک و ینبغی ان یتنزه غایة التنزه فان فعل مع ذلک ثم انفق مثل ذلک فی العمارة اجزت ان یکون ذلک تبرینا له عما و جب علیه و فی فتاوی الفضلی انه یبرأ عن الضمان مطلقاً کذا فی المحیط[1]۔

اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ قرض کی صورت اگر نفع مند ہو کہ اس میں ضیاع کا کوئی خطرہ نہ ہو تو قرضہ دینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مدرسہ اور مہمان خانے کی آمدنی کا ایک دوسرے کے لیے استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ اراضی بحق مدرسہ عربیہ دو حصہ مہمان خانہ دو حصہ، مسجد ایک حصہ کل پانچ حصوں میں وقف کی ہوئی ہے۔ اپنا اہتمام رکھا ہوا ہے۔ اراضی کو سالانہ چار ہزار روپیہ ٹھیکہ پر دیا ہوا جس کی حصہ کی تقسیم کے مطابق مندرجہ ذیل رقومات ہیں:

مطابق حصہ سالانہ/۱۶۰۰ روپیہ	خرچ سالانہ مدرسہ/۱۷۲۰-زائد خرچ/۱۲۰ روپیہ
مطابق حصہ مہمان خانہ/۱۶۰۰ روپیہ	خرچ سالانہ مہمان خانہ/۱۵۵۰-کم خرچ/۵۰
مطابق حصہ مسجد/۸۰۰ روپیہ	خرچ سالانہ مسجد/۸۳۰-زائد خرچ/۳۰
آمدنی سالانہ سال ۶۸ کا میزان/۴۰۰۰ روپیہ	خرچ کا سالانہ میزان/۴۱۰۰-زائد خرچ/۱۰۰ روپیہ

(۱) اسی طرح ہر سال خرچ زائد یک صد یا دو صد کے قریب ہو جاتا ہے جو کہ صاحب اہتمام اپنی گرہ سے خرچ میں دیتا ہے لیکن مدرسہ یا مہمان خانہ وغیرہ کے نام درج نہیں کرتا کیا وہ درج کر سکتا ہے۔

---

۱) الفتاوی العالمکیریة کتاب الوقف، باب فی المتفرقات، ج ۲ ص ۴۹۰، طبع رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی المحیط البرهانی: کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی المتفرقات، ج ۷ ص ۱۶۲، طبع غفاریه کوئٹه۔
وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی المتفرقات، ج ۵ ص ۸۹۰، طبع ادارة القرآن کراتشی۔

(۲) چونکہ حصہ کے لحاظ سے خرچ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے کیا صاحب اہتمام کو اس طرح کرنے کا اختیار ہے کہ جس طرح مدرسہ کا حصہ -/۱۶۰۰ روپیہ آتا ہے اور خرچ مدرسہ -/۱۷۲۰ ہو چکا ہے یا مہمان خانہ کا نقشہ میں حصہ سے کم خرچ ہے کیا ایسا کرنے کا مختار ہے۔

(۳) ناجائز مدرسہ و مہمان خانہ میں صرف خرچ روٹی کا بھی ٹھیکہ دیا ہوا ہے کہ سالانہ مثلاً -/۵۰۰ روپیہ خرچ روٹی طلبہ حضرات -/۵۰۰ روپیہ روٹی مہمان خانہ سالانہ دی جاتی ہے اپنے اندازہ کے مطابق یہ رقومات کچھ کم معلوم ہوتی ہیں تاکہ ٹھیکہ والے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں اور یہ بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ یہ ٹھیکہ داری مجبوری کی صورت میں کی گئی ہے کیونکہ مدرسہ میں تو طلبہ حضرات کی تعداد معین ہونے کے باوجود ان کے مہمان وغیرہ روزانہ آتے جاتے ہیں باقاعدگی نہیں ہوتی اور مہمان خانہ میں کسی دن کچھ اور کبھی کچھ بعض اوقات پچاس یا کسی دن پانچ ہوتے ہیں سوا ٹھیکہ دینے کے اور کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی کیا بوجہ مجبوری یہ ٹھیکہ داری درست ہے شرعی لحاظ سے مطلع فرما کر مشکور فرماویں۔

﴿ج﴾

(۱) مہتمم صاحب اپنی طرف سے مدرسہ یا مہمان خانہ میں جو زائد رقم خرچ کر لیتا ہے وہ درج کر سکتا اور اگر وہ اس فنڈ میں بطور قرض کے دے تو آئندہ وہ اسی فنڈ سے جس سلسلہ میں اس نے زائد رقم خرچ کی ہے وصول بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی آمد زیادہ ہو جاوے اور بچت نکل آوے[1]۔

(۲) مہمان خانہ کے حصہ کی رقم مدرسہ میں یا مدرسہ کے حصہ کی رقم مہمان خانہ کے حصہ میں صرف کرنا جائز نہیں[2]۔

---

۱) وفی التاتارخانیة مثله أیضاً: کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی المتفرقات، ج ٥ ص ۸۸۷، ادارة القرآن کراچی۔

قیم الوقف اذا أدخل جذعاً فی دار الوقف لیرجع من غلتها له ذلك لأن الوصی لو أنفق من ماله علی الیتیم لیرجع فی مال الیتیم له ذلك فکذا القیم ...... الخ، خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه، ج ٤ ص ٤٢٣، طبع رشیدیه کوئته۔

وفی واقعات الناطفی، المتولی اذا أراد أن یستدین علی الوقف لیجعل ذلك فی ثمن البذر ان أراد ذلك بأمر القاضی فله ذالك بلا خلاف ...... الخ، الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل السابع فی تصرف القیم فی الأوقاف، ج ٥ ص ٧٦٠، ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی۔

وکذا فی المحیط البرهانی: کتاب الوقف، الفصل السابع، ج ٧ ص ٥٥، ٥٦، طبع غفاریه کوئته۔

۲) اس کا حوالہ مسجد ومدرسہ کے الحاق کی صورت کے عنوان کے تحت گزر گیا۔

(۳) مہمان خانہ کی روٹی کا ٹھیکہ دینا جائز نہیں اس لیے کہ یہ درحقیقت اس روٹی کی بیع ہے اور یہ معلوم نہیں کہ سال میں کتنی روٹی دے گا تو یہ بیع مجہول ہے جو نا جائز ہے[1]۔ بنابریں صورت مسئولہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ مہمان خانہ کے لیے مطبخ کا انتظام کیا جاوے اور با تنخواہ باورچی رکھیں۔ لیکن مدرسہ اور مہمان خانہ کا حساب علیحدہ علیحدہ ہو ایک مد کا پیسہ وغیرہ دوسرے مد میں صرف نہ کیا جائے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۳۸۹/۴/۳ھ

متولی کے اختیارات کی حدود

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نادار اور مسکین ہے۔ صدقہ اور زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔ اس نے مسجد کی ایک دکان کرایہ پر لی ہوئی ہے اور اس میں کاروبار کرتا ہے اور اس کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ اپنا گزارہ کر سکے اور دکان کا کرایہ ادا کر سکے مسجد کی اور دکانیں بھی ہیں جو کہ مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں۔ کیا شرعاً اس دکان کا کرایہ اس کو معاف کرنا جائز ہے یا نہ۔

﴿ج﴾

دکان کا کرایہ معاف کرنے کا حق متولی کو حاصل نہیں۔ اس لیے کرایہ معاف کرنا شرعاً جائز نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشترى لأن بيع المجهول فاسد ...... وذالك لأن جهالة المبيع تفضي الى النزاع ...... ولهذا لو كان المبيع غير مشار اليه لزم بيان جنسه ونوعه وقدره ووصفه بما يرفع الجهالة الفاحشة، شرح المجلة، المادة نمبر ۲۰۰، ص ۹۷، مكتبه حنفيه كوئته۔
لا يصح البيع الا بمعرفة قدر المبيع والثمن ووصف الثمن اذا كان كل منهما غير مشار اليه ...... الخ، البحر الرائق، كتاب البيع، ج ٥ ص ٤٥٦، رشيديه كوئته۔ وكذا في الشامي: كتاب البيع، مطلب ما يبطل الايجاب سبعة، ج ٤ ص ٥٣٠، ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) تقدم تخريجه مراراً۔

۳) ولا يجوز اعارة الوقف واسكانه، لأن فيه ابطال حق الفقراء، الفقه الحنفي وأدلته، كتاب الوقف، ص ١٤٦، ج ٣ طبع دار الكلم الطيب دمشق بيروت۔
ولا تجوز اعارة الوقف والإسكان فيه كذا في محيط السرخسي، متولي الوقف اذا أسكن رجلاً بغير أجرة ذكر هلال رحمه الله تعالى أنه لا شيء على الساكن وعامة المتأخرين من المشائخ أن عليه أجر المثل سوا كانت الدار معدة للاستغلال أو لم تكن صيانة للوقف وعليه الفتوى۔
الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم ...... الخ، ج ٢ ص ٤٢٠، رشيديه كوئته۔ وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، الفصل السابع، تصرف القيم في الأوقاف، ج ٥ ص ٧٥٣، ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه، كراتشي۔

مسجد پر زبردستی قبضہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنی زمین میں اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد تعمیر کرائی ہے۔اس مسجد پر دوسرے لوگ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔اور اصل تعمیر کردہ کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔آیا وہ لوگ اگر زبردستی قبضہ کریں،تو ان کی نمازیں ہوتی ہیں یا نہیں اور زبردستی قبضہ کر لینے سے ان پر شرعاً کیا حکم ہے۔بحوالہ قرآن شریف وحدیث شریف تحریر فرمادیں۔

﴿ج﴾

جو شخص مسجد تعمیر کرا کر وقف کرے۔شرعاً اس کی مرمت کرنے،اذان وامامت کرنے کا حق سب سے پہلے اس کو حاصل ہے اور اگر اس میں خود اذان یا امامت کی اہلیت نہ ہو تب مؤذن اور امام مقرر کرنے کا سب سے پہلے حق اسی کو ہے۔دوسرے لوگوں کو اصلی بانی کی اجازت حاصل کیے بغیر مسجد کی تعمیر یا امام ومؤذن مقرر کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے[1]۔زبردستی قبضہ جمالینا گناہ ہے۔اگرچہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔**کما قال فی الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۱۱۰ رجل بنی مسجدا و جعله لله تعالی فهوا حق الناس بمرمته وعمارته و بسط البواری والحصیر والقناديل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلک فان لم یکن فالرأی فی ذالک اليه كذا فی فتاوی قاضيخان. فقط واللہ تعالیٰ اعلم**[2]

---

۱) تنازع أهل المحلة والباني في عمارته أو نصب المؤذن اوالإمام فالأصح أن الباني أولى به الا أن يريد القوم ما هو أصلح منه وقيل الباني بالمؤذن أولى وان كان فاسقاً بخلاف الإمام والباني أحق بالإمامة والأذان ..... وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع مصالح المسجد ونصب الإمام والمؤذن اذا تأهل للإمامة، البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٨، طبع رشيديه كوئته۔

وكذا في الخانية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، ج ٣ ص ٢٩٧، رشيديه كوئته۔

وهكذا في البزازية: كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به، ج ٢ ص ٢٦٩، رشيديه كوئته۔

۲) الفتاوى العالمكيرية: كتاب الصلوة، الفصل الثاني في ما يكره في الصلوة، ج ١ ص ١١٠، رشيديه كوئته۔

وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر لأهل المحلة ..... وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة قال أبو الليث: وبه نأخذ الخ، البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٨٩، رشيديه كوئته۔

بلا اجازت متولی مدرسہ کی تولیت اولاد کے لیے کر جانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد کا متولی با جازت واقفاں ایک عالم دین عرصہ بیس سال کاروبار تولیت سرانجام دیتا رہا ہے۔قضاء الٰہی سے آنصاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے قبل از انتقال آن مرحوم مذکورہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد کی تولیت کی وصیت اپنے صاحبزادوں میں سے درمیانے صاحبزادے کے متعلق فرما گئے۔کیا یہ وصیت از راہ شریعت صحیح اور قابل عمل ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

دراصل متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہوتا ہے۔اگر یہ عالم دین واقف کی طرف سے متولی مقرر ہوا۔ اور متولی مقرر کرتے وقت ان کو اپنی موت کے بعد کی تولیت بھی مطلق سپرد کر دی۔یعنی واقف نے اپنی حیات اور مابعد حیات اس کو متولی مقرر کیا اب اگر وہ متولی واقف سے قبل فوت ہو گیا۔تو آئندہ وقف کے لیے متولی خود واقف مقرر کرے گا۔متولی اپنے اختیار سے کسی کے لیے وصیت نہیں کرے گا۔شامی ج ۳ ص ۴۴۹ میں ہے۔ **لانہ لو مات (المتولی المشروط لہ) قبل قال فی المجتبی والایۃ**[1]۔اور اگر متولی واقف کی موت کے بعد فوت ہوا اب اس کی دو صورتیں ہیں۔اگر واقف نے اس متولی کے بعد کسی اور کے لیے وصیت کی ہے تو وہ شخص متولی ہوگا اور اگر کسی اور کے لیے وصیت کر کے نہیں گیا تو متولی کا وصیت کردہ شخص متولی قرار پائے گا۔اور اگر اس نے کسی کے لیے وصیت نہ کی تو قاضی (حاکم) متولی مقرر کرے گا۔درمختار ۴۵۰ ج ۳ میں ہے۔(فــــم) **اذامات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب (للقاضی) قال الشامی تحت (قولہ ولو لم یوص) ای المشروط لہ قال فی البحر اذا مات المتولی المشروط لہ بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ و شرط فی المجتبی ان لایکون المتولی**

---

۱) (قولہ بعد موت الواقف الخ) قید بہ لأنہ لومات قبلہ، قال فی المجتبیٰ ولایۃ النصب للواقف، الخ (شامی، کتاب الوقف، مطلب التولیۃ خارجۃ عن حکم سائر الشرائط، ج ٤، ص ٤٢٣، طبع، ایچ ایم سعید کراچی)

وفی التاتارخانیہ: متولی الوقف إذا مات: إن کان الواقف حیاً فالرأی فی نصب القیم للواقف...... الخ (کتاب الوقف الفصل السادس فی الولایۃ فی الوقف، ج ٥، ص ٧٤٥، ادارۃ القرآن، کراچی) (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ٥، ص ٣٨٩، رشیدیہ کوئٹہ۔ (وکذا فی الھندیۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف......الخ، ج ٢، ص ٤١١، رشیدیہ کوئٹہ)۔

اوصی بہ لآخر عند موتہ فان اوصی لاینصب القاضی الخ [1]...... اور اگر واقف نے ایک شخص کو متولی بنایا اور اس کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ آگے بھی کسی کو متولی بنا سکتا ہے تو ایسے متولی کو آگے وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے......

یہ اختیار صرف واقف کا ہوگا اور وہ نہیں ہے تو حاکم اس کا مجاز ہوگا۔ درمختار میں ہے (اراد المتولی اقامة غیرہ مقامہ فی حیاتہ) وصحتہ (ان کان التفویض لہ) بالشرط (عاما صح). (قال الشامی ولعل المراد بہ اشتراط الواقف او القاضی ذلک لہ وقت النصب ومعنی العموم کما فی النفع الوسائل انہ ولاہ و اقامہ مقام نفسہ وجعل لہ ان یسندہ ویوصی بہ الی من شاء ففی ہذہ الصورة یجوز التفویض منہ [2] فی حال الحیاة وفی حالة المرض المتصل بالموت الخ۔ ج ۳ ص ۴۵۱۔ ان صورتوں میں صورت سوال جس پر منطبق ہو، منطبق کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

امام کو معزول کرنے میں متولی اور نمازیوں کا اختلاف

﴿س﴾
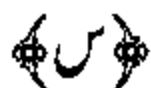
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ عمرو نے عام شخص یا مثلاً کسی مخصوص ادارے کے سربراہ زید (عالم دین) کو ایک محلے میں کسی سابقہ ذاتی یا موروثی استحقاق کے بسبب ابتداً امام مسجد مقرر کیا حالانکہ یہ دونوں (امام اور ناصب امام) اس محلے کے نہیں باہر کے ہیں اور عمرو بلکہ عمرو کا قائم مقام یا وارث صرف خود کو زید کی معزولی کا اس لیے واحد مستحق سمجھتا ہے کہ اس نے یا اس کے پیشرو ہی نے زید کو مقرر کیا تھا۔ مگر مسجد کے مستقل نمازی زید پر

---

۱) شامی، کتاب الوقف، مطلب ولایة القاضی متأخرة عن المشروط لہ ووصیہ، ج ٤ ص ٤٢٣، ایچ ایم سعید۔
وفی التاتار خانیة: ولو اشترط أن یکون الولایة الی فلان ثم من بعدہ الی فلان آخر جاز، ج ٥ ص ٧٤١، وان مات القیم بعد موت الواقف ان أوصی القیم الی وصی فوصیہ أولی من القاضی وان لم یکن أوصی الی رجل فالرأی فیہ الی القاضی، کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی الولایة فی الوقف، ج ٥ ص ٧٤٥، ادارة القرآن کراچی۔ وهكذا فی البحر الرائق بحوالہ بالا۔

۲) شامی کتاب الوقف، مطلب للناظر أن یوکل غیرہ، ج ٤ ص ٤٢٥، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وفی التاتار خانیة: المتولی اذا أراد أن یفوض الی غیرہ عند الموت الولایة بالوصیة یجوز وللوصی أن یوصی الی غیرہ واذا أراد أن یقیم غیرہ مقام نفسہ فی حیاتہ وصحتہ لا یجوز، الا اذا کان التفویض الیہ علی سبیل العموم ...... کتاب الوقف، الفصل السادس والعشرون فی الولایة فی الوقف، ج ٥ ص ٧٤٤، طبع ادارة القرآن کراچی۔ وکذا فی الهندیة: ج ٢ ص ٤١٢، بحوالہ بالا۔

اعتماد کرتے ہیں اور اس کی امامت پر اس لیے بہت خوش ہیں کہ امام مذکور سے کوئی قصور شرعی نہیں ہوا۔ تو کیا امام یا ناصب امام کا غیر مقامی ہونا امامت کے مسئلہ میں کسی قسم کے فرق کا باعث بن سکتا ہے؟ صورت مذکور میں واقعی عمرو یا اس کا قائم مقام اور وارث زید کو بلاقصور شرعی معزول کر سکتا ہے۔ اور مستقل نمازی اس میں قطعاً بے بس رہ جاتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ نصب امام کا حق بانی مسجد یا اہل محلّہ کو ہے۔ پس مستقل نمازیوں نے اگر زید پر اعتماد کر لیا ہے اور اس کو امام مقرر کر دیا ہے تو زید امام ہو گیا بشرطیکہ اور کوئی شرعی قصور زید میں نہ ہو۔ عمرو یا اس کے ورثہ جب بانی نہیں تو ان کو معزولی امام کا حق نہیں۔ امامت میں وراثت نہیں چلتی امام کا تقرر اکثر اہل محلّہ کی رائے سے ہوتا ہے۔ قال فی الدرالمختار البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والموذن فی المختار الا اذاعین القوم اصلح ممن عینه البانی الخ و فی الشامية (قوله البانی اولی) وكذا اولاده وعشيرته اولی من غیرهم (شامی کتاب[1] الوقف) و فی الاشباه ولدالبانی اولی من غیرهم اه سیجی فی الوقف ان القوم اذا عینوا مؤذنا او اماما وكان اصلح ممانصبه البانی فهو اولی (ردالمحتار. باب الاذان[2]) والخيار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اكثرهم شامی باب الامامة[3]. فقط والله تعالیٰ اعلم.

مسجد کی بجلی سے قادیانی کو کنکشن دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا متولی برضامندی مقتدیوں کے قریبی ایک مرزائی قادیانی دکاندار سے تعاون بایں معنی کرتا ہے کہ مسجد سے مرزائی مذکور کی دکان کو بجلی کا کنکشن دیا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں چند مقتدیوں کے اس مرزائی سے دوستانہ تعلقات بھی ہیں۔ کیا ایسی حالت میں اس مسجد میں نماز پڑھنے سے کوئی اعتقادی خلل یا ان مقتدیوں کے اس مرزائی قادیانی سے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ان سے علیک سلیک

---

۱) كمـا فی ردالمحتار: كتاب الوقف، مطلب باع عقاراً ثم ادعى أنه وقف، ج ٦ ص ٦٥٩، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد)۔

۲) وكذا فی ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ٢ ص ٨٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد)۔

۳) وكذا فی ردالمحتار: كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ٢ ص ٣٥٣، طبع مكتبه رشيديه كوئته (جديد)

اوران کو مذکورہ بالا تعاون میں رضامندی کی وجہ سے کوئی شرعی عذر یا عدم جواز اور حرج تو واقع نہیں ہوگا۔ ایسی حالت میں اس دکاندار سے سودا وغیرہ خرید کرنے اور مسجد کے متولی سے روابط قائم رکھنا صحیح ہوگا یا نہیں۔ فقط

﴿ج﴾

بشرط صحت سوال متولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسجد کی بجلی سے کسی مرزائی کو کنکشن دے۔ لہٰذا متولی پر لازم ہے کہ وہ مرزائی کی دکان سے بجلی کا کنکشن منقطع کر دے (۱)۔ باقی اس مسجد میں نماز جائز ہے۔ نماز میں کوئی حرج نہیں آتا۔ نیز مرزائیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نخلع و نترک من یفجرک پر عمل کرتے ہوئے مرزائی سے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۱ شعبان ۱۳۹۱ھ

مسجد کی دکان پر قبضہ کرنے والے سے عدالتی اخراجات لینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ: میں مسمی محمد حسین ولد حاجی محمد رمضان قوم پھلرون سکنہ محلّہ فرید آباد بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر مسجد موسومہ حاجی رحمت اللہ والی محلّہ فرید آباد کا متولی ہوں۔ مسجد مذکور کی ملکیت میں صرف ایک چھوٹا سا مکان ہے جو کہ میں متولی نے اپنی گرہ سے خرچ کر کے تعمیر کرایا کہ اس کی آمدنی

---

۱) کما فی الفتاوی الهندية: متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد الى بيته وله أن يحمله من البيت الى المسجد، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ج ۲ ص ٤٦٢، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

وكذا في الخانية: متولي المسجد اذا رفع أو الى المؤذن أو الى الإمام ما هو من مستغلات المسجد لا يجوز ذلك للمتولي ...... متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد الى بيته (الخ)۔ كتاب الوقف ج ۳، ص ۲۹٤، طبع مكتبه رشيديه، كوئٹه۔

۲) دعائے قنوت، كما في القرآن الكريم، كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء أبداً حتى تومنوا بالله وحده، سورة الممتحنة، الآية ٤ پاره نمبر ۲۸۔

وكذا في المشكوة المصابيح: من أحب لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان۔

وكذا في المشكوة المصابيح، عن أبي سعيد رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول لا تصاحب الا مؤمناً ولا يأكل طعامك الا تقي، باب الحب في الله ومن الله، الفصل الثاني، ج ۲ ص ٤۲٦، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

وكذا في الهندية: ويلقى الكافر والمبتدع بوجه مكفهر وتكره المصافحة مع الذمي (الخ) كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، ج ٥ ص ۳٤٦، طبع بلوچستان بك ڈپو۔

سے مسجد شریف کے اخراجات میں سہولت ہو اور ایک دوسرا ٹکڑا اراضی جس میں ایک حجرہ تعمیر شدہ ہے باقی صحن ہے۔ پہلے مکان کا کرایہ مبلغ ۱۳ روپے ماہوار وصول ہوتا ہے۔ دوسرے کا کرایہ جس میں حجرہ تعمیر شدہ ہے دس روپے ماہوار کرایہ تھا۔ یہ سارا کرایہ مسجد مذکور پر خرچ ہوتا تھا۔ بلکہ باقی خرچ میں متولی خود برداشت کرتا ہوں۔ مکان نمبر۲ حجرہ والا مسمی مختیار حسین کو کرایہ پر دیا۔ کچھ عرصہ تو کرایہ ملتا رہا لیکن بعد میں مسمی مختیار حسین نے مکان مذکورہ کا کرایہ بند کر دیا۔ تو اس صورت میں تنگ آ کر عدالت دیوانی میں دعویٰ بے دخلی مسجد شریف بذریعہ حاجی محمد حسین متولی مسجد برخلاف مختیار حسین دائر کیا۔ جس میں ۷ سال کا کرایہ مبلغ -/۱۷۰ روپے تھا مطالبہ کیا۔ مگر جواب میں مختیار حسین صاحب نے مسجد کی ملکیت سے انکار کر دیا۔ بلکہ اپنے ملک ہونے کے متعلق کوشش شروع کر دی۔ تقریباً تین سال دعویٰ کے بعد عدالت دیوانی نے مختیار حسین کو مکان مذکورہ سے بے دخلی کا آرڈر جاری کیا۔ نیز کرایہ -/۱۷۰ روپے و خرچ مقدمہ سمیت مبلغ -/۴۶۳ روپے کی ڈگری کر دی جس کی وصولی تاحال نہیں ہوئی۔ البتہ اب ۳۰ روپے ۵۰ پیسے اس کی تنخواہ ہے۔ ہر ماہ وصول ہونے کی امید ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ دائری دعویٰ سے بے دخلی تقریباً ساڑھے ۳۴ ماہ کا کرایہ مبلغ -/۳۴۵ روپے بذمہ مختیار حسین واجب تھے۔ جس کا دعویٰ یونین کمیٹی میں دائر کر کے ڈگری کرالیا۔ اتنی مدت عدالتوں میں مقدمے بازی کرنے سے مسجد کا کافی روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔ حالانکہ مسجد کی آمدنی صرف ایک مکان جس کا کرایہ صرف تیرہ روپے تھا ہوتی رہی۔ وہ بھی ساری خرچ ہو گئی۔ بلکہ مسجد شریف اس وقت کافی مقروض ہے۔ کیونکہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ دریں وقت مختیار حسین مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں غریب آدمی ہوں مجھے دوسری ڈگری کا روپیہ محمد حسین بحیثیت متولی کے چھوڑ سکتا ہے چھوڑ دے یا اس ڈگری کا جزوی حصہ۔ منتظمین نے جواب دیا کہ روپیہ مسجد کا ہے ہم کوئی مشورہ نہیں دیتے کہ روپیہ چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے علماء کرام کے فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ براہ کرم از روئے شریعت فتویٰ عنایت فرماویں کہ میں متولی روپیہ ڈگری چیئرمین والی کلی یا جزوی حصہ مختیار حسین کو چھوڑ سکتا ہوں۔ نیز اگر روپیہ مختیار حسین دینا چاہے تو اس کے لواحقین بھی ادا کر سکتے ہیں۔ نیز جتنا پیسہ خرچ ہوا ہے یہ سب مسجد کے لیے ہے۔ یہ جو رقم ملے گی یہ بھی مسجد پر خرچ ہو گی۔

﴿ج﴾

جس صورت میں کہ مدیون متمرد ہے اور باوجود استطاعت دین کے ادا کرنے میں تساہل و انکار کرتا ہے اور دائن بمجبوری نالش کر کے قرض وصول کرتا ہے۔ تو اس حالت میں مدیون سے خرچہ عدالت لینا درست ہے کہ سبب اس خرچہ کا مدیون ہوا ہے۔ شامی میں ہے۔ **وفی صنیہ المفتی منة المشخص قیل فی بیت المال وفی الاصح علی المتمرد. الخ. وفی البزازیة ویستیقن باعوان الوالی علی الاحضار**

و اجرة الاشخاص في بيت المال و قيل على المتمرد .الخ. (شامي ج ا ص ۴۱۰) (كذافي عـزيز الفتاوىٰ ج١ص١٥٤) [1] پس صورت مسئولہ میں جبکہ مقدمہ کے اخراجات مسجد کے فنڈ سے ادا کیے گئے ہیں تو اصل کرایہ مع خرچ مقدمہ لینا درست ہے۔ اور چونکہ یہ تمام رقم مسجد کے لیے ہے۔ اس لیے مسجد کے متولی کو اس رقم کا کل حصہ یا بعض حصہ مدیون کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کرایہ دار کا مسجد کے مکان پر خرچ کرنے کا دعویٰ

﴿س﴾

ایک شخص شہر کی ایک جامع مسجد کے ایک مکان میں کرایہ پر بیٹھا تھا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس نے مذکورہ مکان کی تعمیر کرنا شروع کی جماعت کے چند افراد نے اس کو منع کیا لیکن پیش امام کی صلاح پر جو اس کا خسر تھا اس نے کام کروایا۔ اس بات کو قریباً چار برس گزر چکے ہیں۔ اب جماعت نے باقاعدہ مسجد شریف کا حساب کتاب رکھنا شروع کیا ہے۔ مذکورہ کرایہ دار کہتا ہے کہ میں نے مکان کی تعمیر پر سولہ ہزار روپے خرچ کیے تھے وہ دے دو تو مکان خالی کر دوں گا اور کرایہ میں بھی دو تہائی رعایت کر دو۔

اب سوال یہ ہے کہ وقف کی زمین پر تعمیر کرنے کا خرچہ از روئے شرع شریف ان کو دیا جائے گا یا نہیں؟ جب کہ ایسی تعمیر پر جماعت نے منع بھی کیا تھا اور مذکورہ حالت میں اس کو کرایہ میں رعایت دینا جائز ہے یا نہیں؟

برائے کرم اس سوال کا جواب از روئے شرع محمدی مرحمت فرما کر جماعت کی رہنمائی فرما دیں تو عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے۔

﴿ج﴾

بر تقدیر صحت واقعہ اگر اہل مسجد کرایہ دار مذکور کو اس کے ملبہ کی قیمت ادا کر دیں تو کرایہ دار کو یہ مکان خالی کر دینا چاہیے اگر اہل مسجد اس طرح کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کرایہ دار اپنا ملبہ اٹھائے اور مکان خالی کر دے۔ نیز کرایہ دار کو اہل مسجد کی اجازت کے بغیر اس کی مرمت پر خرچ نہیں کرنا چاہیے تھا [2]۔ اور کرایہ میں رعایت بھی

---

۱) مـديـون متـمـرد سے خرچه مقدمه كا ليناجائز هے، كتاب الربوا باب القرض والدين، ج ۱ ص ۶۵۲، طبع دار الاشاعت كراچی۔

۲) كـمـا في مجمع الأنهر، أما اذا أحدث رجل عمارة في الوقف بغير اذن فللمتولي أن يأمره بالرفع اذا لم يضر رفعه البناء القديم (الخ) كتاب الوقف، فصل اذا بنى مسجداً، ج ۲ ص ۶۰۵، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

اہل مسجد کی رضا پر ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو کرایہ میں رعایت کر دیں اور اس کرایہ دار کو اس مکان میں رہنے دیں۔ فقط واللہ اعلم

مسجد کی بجلی تعزیہ کے لیے استعمال کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد کی بجلی تعزیہ پر استعمال کرے یا نہ؟ اور اگر کرایہ بھی ادا کرے تو کیا وہ کرایہ مسجد پر خرچ ہو سکتا ہے یا نہ؟ قرآن مجید اور حدیث سے مسئلہ کا جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

مسجد کی بجلی وغیرہ کو کسی حرام موقع پر استعمال کرنا سخت ناروا ہے اور چونکہ تعزیہ نکالنا ناجائز ہے کیونکہ سلف صالحین کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا نیز ان تعزیوں میں ماتم اور نوحہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اس لیے موجب گناہ ہے۔ بموجب حدیث نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثى (الحديث) لہٰذا مسجد کی کوئی بھی چیز اس میں دینا امداد بر معصیت ہے۔ قال الله تعالىٰ وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالرحمٰن نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان شہر کچہری روڈ

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر کچہری روڈ۔ ۲/۱/۱۳۷۹ھ

مسجد کی بجلی کا رقم دے کر استعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کوئی شخص مسجد کی بجلی یا میٹر سے تار چسپاں کر کے اپنے مکان میں روشنی حاصل کرتا ہے اور کہتا ہے جتنا خرچہ ہو سب بل میں ادا کروں گا۔ کیا یہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

چونکہ اس صورت میں مسجد کو فائدہ ہی فائدہ ہے اور اس صورت میں مسجد کے وقف مال کا استعمال بھی لازم نہیں آرہا ہے اس لیے متولی کی اجازت سے مسجد کے میٹر وغیرہ سے کنکشن لے سکتا ہے اور اگر متولی اس کی اجازت نہ دے تو کنکشن نہیں لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۵ ربیع الاولی ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۵/۳/۱۳۸۷ھ

شیعوں کو جلسہ کے لیے مسجد کی بجلی دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل سنت والجماعت کے چند افراد نے اہل الرفض کو میلہ وعزا کے لیے سپیکر کی بیٹری دی جو کہ مسجد کی تھی جس پر انہوں نے سب صحابہ وتبلیغ رفض کا پروگرام نشر کیا۔ مانعین کو ان لوگوں نے بھلا برا کہا۔ کیا یہ لوگ اس فعل شنیع کے ارتکاب سے صواب کار ہوں گے یا خطا کار شرع مبین ان کے خلاف کیا حکم دیتی ہے۔

﴿ج﴾

مسجد کے سپیکر کی بیٹری اہل الرفض کے میلہ میں استعمال کرنے کے لیے دینا ہرگز جائز نہیں [1] ان لوگوں پر لازم ہے کہ فعل مذکور پر توبہ تائب ہوں اور آئندہ کے لیے ہرگز ایسا کام نہ کریں [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۱۳۹۶/۷/۲ھ

الجواب صحیح محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۵ رجب ۱۳۹۶ھ

متولی کو معزول کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک جامع مسجد مع ملحقہ درس گاہ کا زید متولی ومنتظم چلا آرہا تھا۔ عرصہ دس سال تقریباً ہوئے بکر پارٹی نے حملہ کر دیا اور آمادہ فساد ہوئے۔ زید نے عدالت دیوانی میں استقرار حق کا دعویٰ کر دیا۔ عرصہ تقریباً دس سال میں ابتدائی عدالت دیوانی سے لے کر عدالت اپیل تک زید کے حق میں فیصلہ ہوتا چلا گیا کہ زید ہی متولی ومنتظم ہے اور حکم امتناعی بھی عطا ہوا۔ کہ بکر پارٹی زید کے حقوق تولیت ونظامت میں دخل اندازی سے تادوام باز رہے۔ استدعا کہ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جاوے کہ بموجب شرع محمدی کون جامع مسجد مع متعلقہ درس گاہ کا متولی ومنتظم ہے اور کس کو امام، خطیب اور مدرسین وغیرہ مقرر کرنے اور انتظام وغیرہ کرنے کا حق ہے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) كذا في البحر الرائق: قال في الخلاصة وهذا دليل على أن المسجد اذا احتاج الى نفقة تواجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٣٣٩، طبع رشيديه كوئته۔ وكذا في تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٨٠، ايج ايم سعيد كراچي۔

٢) وهكذا في العالمكيرية: اذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس بل ان شاء الله، كتاب الكراهية، الباب الخامس في أداب المسجد، ج ٥ ص ٣٢٠، رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

برتقدیرِ صحت واقعہ جامع مسجد مذکور اور اس کے ساتھ ملحقہ درس گاہ کا جب پہلے سے ہی زید متولی اور منتظم چلا آرہا ہے اور عدالت کی جانب سے بھی تولیت اسی کے سپرد ہے۔ اور تا حال اس میں کوئی خیانت وغیرہ بھی ظاہر نہیں ہوئی تو شرعاً بھی بلاوجہ اس کو تولیت سے معزول نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا بدستور زید اس وقف کا متولی ہے[1]۔ اور امام وخطیب اور مدرسین کی تقرری کا اس کو اختیار ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ ۲۰/۱۰/۸۷ھ الجواب صحیح خیر محمد عفی اللہ عنہ
الجواب صحیح محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۷/۱۰/۱۳۸۷ھ

مسجد کی ملکیت پر متولی کے صاحبزادے کا دعویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں ایک مسجد ہے جو کہ انقلاب سے پہلے غیر آباد تھی۔ انقلاب کے بعد مہاجرین حضرات نے مرمت کرائی اور نماز جمعہ شروع کی۔ اور اس میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا وہ خواجہ عبدالحکیم کی سابقہ یادگار تھی اب اس مسجد کے آباد کرنے کے بعد خواجہ عبدالحکیم کے صاحبزادے آئے انہوں نے یہ سوال پیدا کیا کہ اس مسجد میں ہمارا تصرف ہے اور کسی کا تصرف نہیں ہے۔ کیا شریعت مانع ہے کہ اس میں نماز مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی سوال ہے کہ مسجد ہماری ملکیت ہے اور یہاں کے لوگوں نے کہا کہ اس مسجد کو قومی ملکیت پر چھوڑا جائے کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ ہم مسجد کو قومی ملکیت پر نہیں چھوڑیں گے۔

---

۱) كمـا في ردالمحتار، لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم أهلية ...... قال في البحر واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحه وعدم اهلية، كتاب الوقف مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة، ج ٤ ص ٣٨٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچی، وكذا في الهداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢١، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔ وكـذا فـي الهـنـدية: كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، ج ٢ ص ٤٠٩، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كمـا فـي ردالمحتار: اذا عرض للإمام والمؤذن عذر منعه من المباشرة ستة أشهر للمتولي أن يعزله ويولي غيره، كتاب الوقف مطلب للواقف عزل الناظر، ج ٦ ص ٦٥٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
(أيضاً فيها) فأفاد أن ولاية القاضي متأخرة عن المشروط له ووصيه فيستفاد منه عدم صحة تقرير القاضي في الوظائف في الأوقاف اذا كان الواقف شرط التقرير للمتولي، كتاب الوقف، مطلب ولاية القاضي متأخرة، ج ٦ ص ٦٤٨، مكتبه رشيديه كوئته۔
أيضاً فيها: أراد المتولي اقامة غيره مقامه...... صح ولا يملك عزله الا اذا كان الواقف جعل التفويض والعزل، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٦٥٠، مكتبه رشيديه كوئته۔

﴿ج﴾

مسجد خالص وقف للہ ہوتی ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتی[1] ایسی بات صاحبزادہ کی جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسی بات کہنے سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مسجد بدستور مسجد ہی رہے گی۔ جب ایک مرتبہ ابتداء میں وہ واقف کے وقف کرنے سے مسجد بن گئی اب تا قیامت مسجد ہی رہے گی[2] اس میں نماز پڑھنا سب مسلمانوں کے لیے جائز بلکہ اس کی آبادی موجب ثواب ہے[3]۔ البتہ اگر بانی مسجد اور اس کے صاحبزادے یا دیگر متولی میں کوئی خیانت دربارۂ وقف نہ پائی جاوے تو متولی اور متصرف فی الوقف وہی ہوگا۔ اس کو تولیت سے معزول نہیں کیا جا سکتا[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ

متولی کی جگہ پر قبضہ کی کوشش

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ ایک شخص نے مسجد بنائی اور اس نے تیس چالیس ہزار روپیہ لگایا ہے۔ اب اس محلہ میں دو تین آدمی کھڑے ہوگئے ہیں۔ وہ آدمی اس شخص کو کہتے ہیں کہ آپ کا کوئی واسطہ نہیں ہم خود

---

۱) فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك، قوله لا يملك، أی لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أی لا يقبل التمليك لغيره بالبيع، در المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥١ تا ٣٥٢، ايچ ايم سعيد۔ وهكذا قال واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الهداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٩، مكتبه رحمانيه لاهور۔

۲) ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام الثاني، أبداً الى قيام الساعة (وبفتى) تنوير الأبصار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، طبع ايچ ايم سعيد۔
وأيضاً فيه بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤٢١، رشيديه۔

۳) عن عثمان بن عفان رضى الله عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم: أنكم أكثرتم، وأنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من بنى مسجداً قال بكير: حيث أنه قال يبتغى به وجه الله بنى الله له مثله فى الجنة، البخارى، باب من بنى مسجداً، ج ١ ص ٦٤، طبع قديمى۔

٤) لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم اهلية قال فى البحر واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة فى وقف بغير جنحة وعدم أهلية، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٢۔ در المختار (سعيد)، وكذالك أنه لا يعزله القاضى بمجرد الطعن فى أمانته ولا يخرجه الا بجناية ظاهرة بينة، البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، رشيديه۔

بنائیں گے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم متولی ہیں وہ شخص کہتا ہے کہ میں متولی ہوں اور یہ بھی ساتھ کہتا ہے کہ آپ اگر مسجد کی خدمت کرتے بھی ہو تو مجھے روپیہ دیں۔ آپ حساب لینا میرے سے جتنے روپے دیں گے۔ حال یہ ہے کہ جب اس شخص نے مسجد بنائی تو وہ آدمی موجود نہیں تھے۔ اس محلہ میں بستی غیر آباد تھی۔ جب اس شخص نے مسجد بنائی تو وہ بستی اور وہ محلہ آباد ہوگیا۔ اور وہ آدمی اس مسجد میں قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اب اس مسئلہ میں کون متولی بن سکتا ہے۔ اور کس کا حق ہے۔ اس مسئلہ مذکورہ میں قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرمادیں۔

﴿ج﴾

جس شخص نے مسجد کی بنیاد رکھی ہے۔ وہی متولی تصور ہوگا [1]۔ اور اگر یہ لوگ مسجد کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو تمام رقوم متولی کے پاس جمع کریں۔ البتہ یہ لوگ حساب وکتاب کا مطالبہ کر سکتے ہیں تاکہ مسجد کا روپیہ صحیح مقام پر خرچ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

متولی کے خلاف شکایات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسجد کا متولی ہے۔ اور ایک شخص بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم دیتا ہے۔ نہ مسجد والوں سے کچھ معاوضہ لیتا ہے نہ بچوں سے معاوضہ طلب کرتا ہے۔ متولی مسجد خواہ مخواہ تعلیم دینے والے معلم کو بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔ گاہے گاہے جھڑکی بھی دیتا ہے۔ متولی مسجد بہت سخت دل ہے نرم دلی اس میں پائی نہیں جاتی۔ نمازی مسئلہ بھی خوف زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ کہیں متولی صاحب برس نہ پڑے۔ گالیاں بھی فحش بکتا ہے۔ اگر کسی نمازی کی ایک آدھ رکعت باقی ہو یا تسبیح وظیفہ باقی ہو تو متولی مسجد پورے طور نماز وظیفہ مکمل نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ پریشان کر دیتا ہے۔ حالانکہ نماز اطمینان قلب اور سکون کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ اگر جلدی جلدی کی جائے تو صحیح تلفظ نہیں ہوگا۔ بلکہ معنی بگڑتے ہیں۔ **صل فانک لم تصل** ۔ والے جملے صادق آئیں گے۔ نیز ایں کہ **خیر الناس من ینفع الناس** کے خلاف ہوگا۔ نیز اینکہ متولی مسجد سارے کام اپنی

---

۱) تنازع أهل المحلة والباني في عمارته أو نصب المؤذن أو الإمام فالأصح أن الباني أولى به ...... وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع مصالح المسجد ونصب الإمام والمؤذن اذا تأهل للإمامة، البحر الرائق، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١٨، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
وكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر الخ، ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه رشيديه۔
وأيضاً في البزازية: كتاب الوقف، ج ٦ ص ٢٦٩، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

مرضی پر کرتا ہے۔ یوں سمجھتا ہے کہ گویا ملکیت ہو۔ حالانکہ متولی بالکل جاہل ہے۔ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ نیز ایں کہ معلم کو یوں بھی کہا گیا ہے کہ قرآن پڑھنے پڑھانے کا اڈا نہیں چلانے دیا جائے گا۔ دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔ اور خود بھی متولی نماز نہیں پڑھتا کیا یہ متولی رہ سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ سب امور مجلس منتظمہ مسجد کے سامنے پیش کر دیں وہ خوب تحقیق کر کے اگر متولی ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو باعث پریشانی ہے۔ اور وہ خود بھی بے نمازی ہے۔ تو ایسا شخص خانہ خدا کا متولی بنانے کے لائق نہیں [1]۔ اس کو ہٹایا جائے [2]۔ اور کسی معتمد علیہ دیندار اور امین کو متولی بنایا جائے [3]۔ نماز اس مسجد میں جائز ہے اور مسجد کو آباد رکھنا ضروری اور لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرعی نقص کے بغیر متولی کو معزول کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد کے لیے مختصری زمین وقف کی کچھ عرصہ تک وہ مسجد اصلی شکل میں رہی بعد میں چند نمازیوں کی امداد اور تعاون سے مختصر مسجد تعمیر کی گئی۔ مگر اس وقت اس میں کوئی امام مقرر نہ تھا، نہ جماعت کا اہتمام تھا۔ اسی دوران اہل محلّہ نے واقف کی رضامندی سے ایک امام مقرر کیا اس کے پیچھے اہل محلّہ نمازیں پڑھتے رہے اور اب تک اسی مسلک کا امام مسجد میں مقرر ہے۔ اس کے

---

۱) قال في الاسعاف: ولا يولى الا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود، الرد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فى شروط المتولى، ج ٤ ص ٣٨٠، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔
وكذلك في الهندية: كتاب الوقف، ج ١ ص ٤٠٨، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔
وكذلك في بحر الرائق: كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔
۲) تنبيه اذا كان ناظراً على أوقاف متعددة وظهرت خيانته في بعضها أفتى المفتي أبو سعود بأنه يعزل من الكل، الرد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في ما يعزل به الناظر، ج ٤ ص ٣٨٠، سعيد۔
وكذلك في البزازية، كتاب الوقف، ج ٦ ص ٢٥٣، بلوچستان بكڈپو۔
۳) قال في الاسعاف: ولا يولى الا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، الردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولى، ج ٤ ص ٣٨٠، ايچ ايم سعيد كراچى۔
وكذلك وفي الاسعاف لا يولى الا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، ويستوي فيه الذكر والأنثى وكذلك الأعمى والبصير، الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس الخ، ج ٢ ص ٤٠٨، مكتبه علوم اسلاميه چمن۔

بعد واقف کی وفات ہوگئی اس کی وفات کے بعد مسجد میں کسی قسم کا اختلاف رونما نہ ہوا اور مسجد کی آبادی اور تعمیر میں اہل محلّہ کوشاں رہے۔ اس کے بعد مسجد کی توسیع کے لیے واقف کے لڑکے سے مزید زمین خرید لی گئی اور رقم ادا کردی گئی۔ اس رقم کا انتظام یوں ہوا کہ نمازیوں نے ایک آدمی کو فرائض چندہ کے لیے مقرر کیا جس کا تعلق اسی مسلک سے ہے۔ جو مسلک امام مسجد کا ہے۔ اس شخص نے چندہ کر کے رقم ادا کردی اور مسجد کی توسیع کردی گئی۔ اور بعد میں جمعہ بھی جاری کردیا گیا، جو اب تک جاری ہے۔ اس مسلک کا خطیب جمعہ پڑھا رہا ہے۔ اور اس مسلک والوں کے نام مسجد بھی رجسٹرڈ ہوچکی ہے۔ دریں اثناء چند ماہ قبل کچھ لوگوں نے مسلک کی بنیاد پر اختلاف شروع کردیا اور واقف کے بیٹے سے ایک تحریر اپنے حق میں لکھوالی ہے اور اب یہ لوگ مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ مسجد کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ امام انہی کا مقرر ہے خطیب اسی مسلک کا ہے مسجد کی توسیع انہیں کی کوشش سے ہوئی چندہ کرنے والا اسی مسلک کا آدمی ہے اور دوسرے لوگ اس بات کو سند بتلاتے ہیں کہ واقف کا بیٹا ہمارے حق میں ہے از روئے کتاب وسنت وفقہ حنفی تحریر فرماویں کہ اس مسجد کا متولی ومتصرف پہلا فریق ہے یا دوسرا فریق۔

﴿ج﴾

متولی اور امام میں جب تک کوئی شرعی نقص موجود نہ ہو اس کو معزول کرنا جائز نہیں[1]۔ واقف اور مسجد تعمیر کرنے والا تولیت کا زیادہ حق دار ہے[2]۔ اگر امام خطیب وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہو تو نمازیوں کی اکثریت کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا غیر نمازی اہل محلّہ کو مسجد کے امور میں دخل دینا درست نہیں۔

---

۱) كما في الردالمحتار: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة أو عدم أهلية ...... قال في البحر واستفيد من عدم عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية، كتاب الوقف، مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة، الخ، ج ٤ ص ٣٨٢، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وفي الهداية: ولو أن الواقف شرط ولايته لنفسه وكان الواقف غير مامون على الوقف فللقاضي أن ينزعها من يده، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢١، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔
وأيضاً في الهندية: كتاب الوقف الباب الخامس ولاية الوقف، ج ٢ ص ٤٠٩، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) كما في البحر الرائق: فالأصح أن الباني أولى به الا أن يريد القوم ما هو أصلح منه وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن الباني أولى بجميع المصالح ونصب الإمام والمؤذن، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٨، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وفي الهندية: فإن عرف فالباني أولى كذا في الوجيز، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الفصل في ما يصير به مسجداً، ج ٢ ص ٤٥٧، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه۔
وكذا في التاتارخانية: الواقف أحق بتوليته ثم وارثه ثم عشائره كتاب الوقف، باب الولاية في الواقف، ج ٥ ص ٧٣٩، طبع ادارة القرآن والعلوم اسلامية كراچی۔

بہر حال بلا وجہ شرعی سابقہ انتظامیہ اور متولی، امام وغیرہ کو الگ کرنا درست نہیں۔ واقف کے بیٹے کی تحریر اس بارے میں حجت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)۔

محمد انور شاہ غفرلہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۱۸/۵/۱۳۹۹ھ

وقف کی شرائط

﴿س﴾
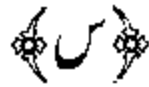
ماقولکم یا ایها العلماء الکرام والفضلاء العظام رحمکم الله وکثر جمعکم اس وقف نامہ میں جس کا مضمون مختصراً تحریر کیا جاتا ہے وہو ہذا۔ زید (۱) کی جائیداد کی قیمت تخمیناً مبلغ بیس لاکھ روپیہ اور بکر (۲) کی جائیداد کی قیمت تخمیناً مبلغ پانچ لاکھ روپیہ ہے۔ زید (۱) اور بکر (۲) نے اپنی اپنی جائیداد کو مشترک بنا کر وقف نامہ تحریر کیا کہ واقف نمبر ۱ (زید) متولی ہوگا اور واقف نمبر ۲ (بکر) کو آمدنی جائیدادوں سے گزارہ کے لیے مبلغ بارہ سو روپیہ ماہواری دوں گا۔ اور باقی آمدنی واقف متولی نمبر ۱ اپنے اہل وعیال پر اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرے گا اس کو ہر قسم کا اختیار ہوگا۔

قابل دریافت چند امور ہیں ان کے جوابات کتب معتبرہ مذہب حنفی سے تحریر فرماویں جزاکم اللہ (۱) واقف نمبر ا زید صرف متولی وقف ہوگا دوسرا واقف نمبر ۲ (بکر) کا تولیت میں کسی طرح کا دخل نہیں ہوگا۔ (۲) وقف نامہ صرف تحریر ہوا موقوف علیہم کے سپرد نہ کیا گیا اور نہ جائیدادوں پر اس کا قبضہ اور تسلیم واقفین کی طرف سے کروایا گیا۔ (۳) موقوف علیہم ابتداء سے اغنیاء ہیں (۴) وہی موقوف علیہم کے بعد دیگرے متولی وقف کے بنانے کے مجاز ہوں گے۔ (۵) وقف نامہ کا انتقال نہ کاغذات مال میں ہوا اور نہ کسی رجسٹر میں اس کا عملدر آمد کروایا گیا۔ کیا یہ وقف نامہ شرعاً درست تصور ہوگا اور شرعی نقطہ نگاہ سے قابل عمل سمجھا جاوے گا جب کہ واقف نمبر ا متولی وقف بھی اس کی تنفیذ سے منحرف ہو۔ **بینوا بالکتاب و توجروا عندالوهاب المستفتی مشافهة ومواجهة محمد حمیدالله خان.**

---

۱) وفي رد المحتار: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة وعدم أهلية ...... في البحر واستفيد من عدم العزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب الوظيفة في وقف بغيرجنحة وعدم أهلية، مطلب لا يصح عزل صاحب وظيفة الخ، ج ٤ ص ٣٨٢، ايچ ايم سعيد، كراچي

وفي البحر الرائق: أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته ولا يخرجه الا بجناية ظاهرة بينة، كتاب الوقف، ج ٥ ص ٤١١، طبع مكتبه رشيديه كوئته

﴿ج﴾

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمده ونصلي على رسوله الكريم. الجواب بعون الملك الوهاب۔

(۱) تولیت وقف للواقف میں امام ابو یوسف صاحب وامام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا آپس میں اختلاف ہے۔امام ابو یوسف صاحبؒ کے نزدیک یہ وقف جائز ہے اس مذہب پر کتب فقہ میں بالاجماع کا لفظ وارد ہوا ہے لیکن امام محمد صاحب سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں انہوں نے امام ابو یوسف صاحب کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔(اس لیے امام ابو یوسف صاحب کے قول پر بالاجماع کا لفظ آیا ہے) اور دوسری روایت میں ایسے وقف کو ناجائز فرماتے ہیں۔درالمختار مع شرحہ ردالمحتار جلد سوم ص ۴۲۱ میں ہے۔جعل الواقف الولاية لنفسه جاز بالاجماع وكذالو لم يشترط لاحد فالولاية له عندالثاني وهو ظاهر المذهب. نهر. خلافا لما نقله المصنف ثم لوصيه ان كان والا فللحاكم [1]. اس کے تحت شامی میں ہے۔قوله جاز بالاجماع كذا ذكره الزيلعي و قال لان شرط الواقف معتبر فيراعي لكن الذي في القدوري انه يجوز على قول ابي يوسف وهو قول هلال ايضا وفي الهداية انه ظاهر الرواية و قدرد العلامة قاسم على الزيلعي دعواه الاجماع بان المنقول ان اشتراطها يفسدالوقف عند محمد كذا في الذخيره [2]۔پھر شامی ص ۴۴۲ میں ہے قوله اوالولاية مفاده ان فيه خلاف محمد مع انه قدم ان اشتراط الولاية لنفسه جائز بالاجماع لكن لما كان في دعوى الاجماع نزاع كما قدمناه مع التوفيق بان عن محمد روايتين احداهما توافق قول امام ابي يوسف والاخرى تخالفه فدعوى الاجماع مبنية على الرواية الاولى ودعوى الخلاف على الثانية فلاخلل في النقلين فلذا مشى الشارح عليهما في موضعين مشيرا الى صحة كل من العبارتين فافهم. پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔قوله وعليه الفتوى كذا قاله الصدر الشهيد هو مختار اصحاب المتون رجحه في الفتح واختار مشائخ بلخ وفي البحر عن الحاوى انه المختار للفتوى ترغيباً للناس في الوقف وتكثيرا للخير [3]۔اسی شامی ص ۴۲۱ میں

---

۱) ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ۳ ص ۴۲۱، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وفي الشامية: كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً ج ۳ ص ۴۲۱، طبع رشيديه كوئته۔

۳) وفي الشامية: كتاب الوقف، مطلب في اشتراط الغلة لنفسه، ج ۳ ص ۴۴۲، طبع رشيديه كوئته۔

ہے۔قوله خلافا كما نقله المصنف اى عن السراجية من انه لايصح هذا الوقف عند محمدوبه يفتي [1]۔ہدایہ کتاب الوقف میں ہےوجه قول محمد ان الوقف تبرع علي وجه التمليك بالطريق الذى قدمنا فاشتراط البعض اوالكل لنفسه يبطله لان التمليك من نفسه لا يتحقق فصار كالصدقة المنفذة [2]۔بہرکیف اس مسئلہ میں امام ابو یوسف وامام محمد صاحبان رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان تحت اختلاف ہے۔بلکہ اقوال فقہاء بھی اس میں مختلف ہیں۔اور ہرایک قول پر الفاظ تصحیح و ترجیح بھی موجود ہیں۔لیکن امام محمد صاحب کا مذہب اس سلسلہ میں ارجح ہوگا واللہ اعلم اتمام وقف کے لیے شی موقوف کا تسلیم الی المتولی و قبضہ متولی نہ ہوتو شی موقوف سے نہ تو ملک واقف کی زائل ہوتی ہے اور نہ ہی لزوم وقف ہوتا ہے......درالمختار مع شرحہ ردالمختار جلد۳ص۳۷۵ میں ہے۔ولايتم الوقف حتي يقبض. لم يقل للمتولي لان تسليم كل شيئى بما يليق به ففي المسجد بالافراز و في غيره بنصب المتولي و بتسليمه اياه ابن كمال [3]. عینی شرح کنز الدقائق جلد اول ص ۴۷۶ میں ہے۔ ولايتم الوقف حتي يقبض المتولي وهو قول محمد وبه يفتي مشائخ بخارا و هو اقرب الي موافقة الآثار [4]۔تنویرالابصار میں ہے:ولايتم حتي يقبض ويفرز فاذا تم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن [5]. حموی شرح الاشباه والنظائر ص ۲۷۶ میں ہے:ذالك مبني علي ان التسليم للمتولي شرط صحة الوقف اولا قال بالاول محمد و بالثاني الثاني وصحح قول الثاني جماعة قال في الفتح وهو الاوجه عندالمحققين والاكثر صححوا قول محمد وعليه الفتوى[6] وفي شرح المجمع اكثر فقهاء الامصار علي قول محمدؒ وعليه الفتوى [7].(۳) صرف اغنیا کوموقوف علیہم ٹھہرانا شرعاً ناجائز ہے۔شامی جلد سوم ص۴۳۰ میں ہے۔فانه لايجوز علي الاغنياء ابتداءً لانه لابدان يكون صدقته من ابتدائه لاقوله صدقة موقوفة ابدا و نحوه شرط

---

١) وفي الشامية: كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ج ٣ ص ٤٢١، طبع رشيديه كوئته۔

٢) هداية، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦٢٠، طبع مكتبه رحمانيه لاهور۔

٣) در المختار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المريض، ج ٣ ص ٣٩٩، طبع رشيديه كوئته۔

٤) شرح عيني: كتاب الوقف، ج ١ ص ٤٧٢، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔

٥) تنوير الأبصار: كتاب الوقف، مطلب في وقف المريض، ج ٣ ص ٣٩٩، طبع رشيديه كوئته۔

٦) حموى شرح الأشباه والنظائر: كتاب الوقف، ص ١٠٩، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي۔

٧) مجمع الأنهر: كتاب الوقف، ج ٣ ص ٥٧٩، طبع غفاريه كوئته۔

لصحته كما مرتحرير و اشرنا اليه اول الباب وبينا ان اشتراط صرف الغلة لمعين يكون بمنزلة الاستثناء من صرفه الى الفقراء فيكون ذلك المعين قائما مقامهم فصار في معنى الصدقة عليه لقيامه مقامهم هذا غاية ماوصل اليه فهمي في هذا المحل فليتأمل [1] اسی کتاب کے ص۳۹۱ میں ہے۔لما في النهر عن المحيط لووقف على الاغنياء وحدهم لم يجز لانه ليس بقربة امالو جعل اخره للفقراء فانه يكون قربة في الجملة [2]۔نیز اسی کتاب کے ص۴۰۸ میں ہے۔اما الاغنياء فقط فلم يجز لانه ليس بقربة كما مر اول الباب [3] [4] اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے قاضی کومتولی کے متعین کرنے کا مختار فرمایا ہے۔اور بعض نے موقوف علیہم کو لیکن اب چونکہ قضاۃ اطماع فی الاوقاف میں مشہور ہیں لہٰذا متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ موقوف علیہم اگر اہل صلاح ہوں تو قاضی کو بتائے بغیر متولی مقرر کر سکتے ہیں۔اسی متولی کو مستحسن اور واجب الاخذ قرار دیا گیا ہے۔فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص۴۸۳ میں ہے۔لو كان الوقف على ارباب معلومين يحصى عددهم فنصبوا متوليا له بدون امر القاضي تكلموا فيه كثيرا قال الصدر الشهيد حسام الدين المختار انه لاتصح التولية منهم و عن شيخ الاسلام ابى الحسن انه قال كان مشائخنا يجيبون انهم اذا نصبوا متوليا يصير متوليا كما لو اذن القاضي به لما عرفوا من اطماعهم في الاوقاف قال العبد هذا في زماننا و قد تحقق بالوقوع ما كان محتملا للفساد فوجب الاخذ بفتوى المتاخرين كذا في الغياثية [4]۔شامی جلد سوم ص۴۴۹ میں ہے۔ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لايعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في اموال الاوقاف و كذلك اذا كان الوقف على ارباب معلومين يحصى عددهم اذا نصبوا متوليا وهم من اهل الصلاح قلت ذكروا مثل هذا في وصي اليتيم وانه لو تصرف في ماله احدمن اهل اسكة من بيع اوشراء جاز في زماننا للضرورة و في الخانية انه استحسان وبه يفتي [5]۔مگر متولی کے خائن ثابت ہونے کی صورت میں قاضی اسے معزول کر سکتا ہے خواہ متولی خود واقف ہی کیوں نہ ہو۔فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص۴۸۱ میں ہے۔

---

۱) شامي، كتاب الوقف، ج ۳ ص ۴۳۰، طبع رشيديه كوئته۔
۲) شامي، كتاب الوقف مطلب لو وقف على الاغنياء لم يجز، ج ۳ ص ۳۹۱، طبع رشيديه كوئته۔
۳) شامي، كتاب الوقف مطلب لو وقف على الأغنياء لم يجز، ج ۳ ص ۴۰۸، طبع رشيديه كوئته۔
۴) هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، ج ۲ ص ۴۱۲، طبع رشيديه كوئته۔
۵) شامي، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم، ج ۳ ص ۴۴۹، طبع رشيديه كوئته۔

للقاضي ان يعزل الذى نصبه الواقف اذا كان خير الوقف كذا في الفصول العمادية [1]۔ نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ میں چند سطور اوپر ہے۔ ولو ان الواقف شرط الولاية لنفسه و كان الواقف غير مامون على الوقف فللقاضي ان ينزع من يده كذا في الهداية [2]۔ نیز واقف اگر کسی شخص کو متولی بنا کر یہ شرط کرے کہ اسے کوئی بھی معزول نہیں کر سکے گا تو بھی اس کی یہ شرط باطل ہوگی۔ بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے۔ يعزل القاضي المتولي لو كان خائنا نظرا للوقف والاعتبار لشرط الواقف ان لايعزله القاضي والسلطان لانه شرط مخالف لحكم الشرع [3]۔

(۵) صرف خطوط تحریر کاغذات کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں۔ بلکہ تسلیم الی المتولی وقبضہ شرط ہے۔ جیسا کہ جواب نمبر ۲ کے ضمن میں مذکور ہوا۔ شامی جلد سوم ص ۴۲۹ میں ہے۔ قولهم شرط الواقف كنص الشارع في الخيرية قد صرحوا بان الاعتبار في الشروط هو للواقع لالما كتب في مكتوب الوقف فلو اقيمت بينة لم يوجد في كتاب الوقف عمل بها بلاريب لان المكتوب خط مجرد ولاعبرة لخروجه عن الحجج الشرعية [4]۔ بناءعلیہ مسئول عنہا میں چونکہ موقوف علیہم جب اغنیاء ہیں ابتداء سے اور نیز شئی موقوف پر تا حال بصورت وقف متولی کا قبضہ بھی نہیں ہوا۔ یعنی اس پر کسی لحاظ سے کوئی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ وقف نامہ شرعاً لازم وتمام نہیں ہوگا۔ هذا ما عندى والله تعالى اعلم واحكم بالصواب.

لله در من اجاب فانه اثبت و استدل هذا الجواب باحسن الوجوه بالفقه والكتاب لامساغ فيه للشك والارتياب بارك الله تعالى في عمره وصالح اعماله والله الموفق للحق والصواب ۱۸ شعبان المبارک حرره المسكين احمد الدين گانگو.

﴿تصدیق جواب﴾

لاريب في صحة هذا الجواب

لاريب في صحة هذا الجواب وقدظهر الحق في هذا الباب فماذا بعد الحق الاالضلال ولله درالمجيب لانه اتى ببيان واف شاف لحل الامور المستترة الخمسة بنقل حوالة الكتب الحنفية المعتبرة المتدا ولة فجزاه الله خيرا ۱۹ شعبان۔

---

۱) هندية: كتاب الوقف، الباب الخامس، ج ۲ ص ۴۰۹، طبع رشيديه كوئته۔
۲) هندية: كتاب الوقف، الباب الخامس الخ، ج ۲ ص ۴۰۹، طبع رشيديه كوئته۔
۳) بحر الرائق شرح كنز الدقائق: كتاب الوقف، ج ۵ ص ۴۱۱، طبع رشيديه كوئته۔
۴) شامى، كتاب الوقف، مطلب في وقف البناء بدون الأرض، ج ۳ ص ۴۲۹، طبع رشيديه كوئته۔

الجواب الصواب محمد سیف الرحمٰن مستند حزب الاحناف لاہور فی الحال ساکن شمونی خٹک ضلع بنوں

(۱) المجیب مصیب خطیب جامع مسجد اسے لودبنگ مولٰنا عبدالصمد۔

(۲) المجیب مصیب لماقی المذہب فانہ موافق واللہ اعلم بالصواب حررہ مولوی محمد غلام نبی صدر جمعیۃ نورنگ۔

(۳) الجواب ھو موافق بدین الملک الوھاب المصدق بندہ محمد سیف اللہ جان ساکن نارصاحبان مسند مدرسہ حزب الاحناف۔

(۴) الجواب صحیح والمجیب نجیم غلام جیلانی خطیب میانوالی جامع مسجد۔

(۵) الجواب صواب مولوی محمد نور عفی اللہ عنہ مدرس مدرسہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ کراچی نمبرا۔

(۶) خطیب.....قلعہ اڈیشنل پولیس نورنگ۔

(۷) (الجواب) سید مسعود علی قادری مفتی و مدرس مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر۔

﴿ھوالعلیم بالصواب﴾

(۱) مجیب نے امر اول کے متعلق تو یہی فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ارجح ہے لہٰذا باوجود بکر واقف (۱) نے ولایت اپنے لیے خاص کر دی تب بھی وقف صحیح ہے۔ (۲) سوال (۲) میں تو یہ درج ہے کہ زمین وقف موقوف علیہم کے سپرد نہیں کی گئی اور واقفین نے ان کو قبضہ نہیں دیا۔ لیکن جو عبارات عدم صحت وقف پر استدلال کرتے ہوئے پیش کی ہیں۔ کسی جملہ سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موقوف علیہم کو تسلیم کرانا اور ان کو قبض کرانا صحت وقف کے لیے شرط ہے بلکہ عبارات سے تو علی قول محمد قبض متولی کا شرط ہونا ثابت ہو رہا ہے اور یہاں جب واقف (نمبرا) خود متولی بھی ہے۔ تو قبضہ تو اس کو پہلے سے حاصل ہے اس وقف میں تو قبضہ پہلے سے موجود ہے۔ نیز اگر غور کیا جاوے تو قبضہ تو امام محمد کے یہاں شرط ہے اور ان کے نزدیک تو یہ وقف صحیح ہی نہیں ہے۔

لان اشتراط الولایۃ لنفسہ مفسد للوقف فی روایۃ عنہ لکن علمت فی الجواب السابق ان الفتویٰ علی قول ابی یوسف وھو الارجح اور امام ابو یوسف کے مذہب میں تو قبض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور امام محمد کی دوسری روایت جس میں اشتراط الولایۃ لنفسہ مفسد نہیں اس کے تحت پھر یہاں قبض حاصل بھی ہے تو وقف کی صحت میں کوئی شبہ نہ رہا۔

(۳) وقف علی الاغنیاء فقط سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وقف مخصوص ومشخص جماعت اغنیاء پر ہو اور اس کے بعد وقف منقطع ہو جاوے اور یہاں تو وقف مؤبد ہے۔ یہاں وقف نامہ کی تحریر جس کی نقل میں نے مطالعہ کی ہے۔ اس میں اولاد در اولاد یہ وقف جارہا ہے۔ نیز اس میں سے کچھ حصہ سکول کے لیے مقرر ہوا ہے۔ پھر یہ وقف علی

الاغنیاء فقط کیسے ہوا شامی ج ۳ کتاب الوقف کی ابتداء میں اس کی وضاحت دیکھ لیں۔

(۴) اس بات سے کہ وقف کے متولی بنانے کا اختیار موقوف علیہم کو حاصل ہے یا نہیں، یہ کیسے لازم آ گیا کہ وقف ہی صحیح نہیں۔ موقوف علیہم بغیر اذن قاضی متولی بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ نیز اگر واقف کسی کو متولی مقرر کر دے اور یہ بھی تحریر کر دے کہ اس کو معزول نہیں کیا جائے گا۔ اب قاضی اس کو خائن سمجھ کر معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ تو مستقل مسائل ہیں۔ ان کا صحت وقف اور عدم صحت وقف سے ہرگز کوئی تعلق ہی نہیں لہٰذا وقف کی صحت میں تو کلام ہی نہیں۔

(۵) فاضل مجیب سے بہت تعجب ہے کہ وقف نامہ کی تحریر کو جب تک وہ سرکاری کاغذات میں مندرج نہ ہو بالکل لغو سمجھتا ہے اگر چہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ میں نے یہ تحریر کر دی ہے اور اس عبارت کو اس استدلال میں پیش کرنا تو تعجب ہے۔ **قد صرحوا بان الاعتبار فی الشروط هو للواقع لا لما کتب فی مکتوب الوقف فلو اقیمت بینة ولم یوجد فی کتاب الوقف عمل بها لان المکتوب خط مجرد**۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ شروط وقف میں اگر اختلاف آ جاوے واقف خود موجود نہ ہو یہ تو نہیں۔ تو اس وقف نامہ کی محض تحریر شروط وقف کے ثبوت کے لیے کافی نہ ہوگی۔ یہ تو نہیں۔ تو وقف تحریر سے صحیح نہیں ہوتا اور وقف نامہ تحریر کر دینے کا اعتبار نہیں جب تک کہ سرکاری کاغذات میں اندراج نہ ہو۔ خائن الدلیل من المطلوب جب اس نے تحریر کر دی اور وہ تسلیم بھی کرتا ہے تو وقف صحیح ہو گیا۔ وجوہ مکتوبہ میں کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو صحت وقف کے لیے مانع ہو لہٰذا وقف نمبر ا زید کا یقیناً صحیح ہے اب اس سے رجوع صحیح نہیں ہے البتہ واقف نمبر ۲ بکر نے اپنی زمین موقوفہ کا متولی زید کو بنایا ہے۔ اب اگر اس کو قبض نہ کر دیا ہو تو علی قول امام محمد یہ وقف تام نہ ہوگا۔ **وهو الارجح لاشتراط القبض عنده**۔ اس لیے اس کا رجوع صحیح ہوگا لیکن زید ہرگز رجوع نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۲۵ ذی قعدہ ۲۷ھ

ورثاء کی تولیت میں اختلاف

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً کچھ زمین برائے مسجد و خانقاہ وقف کی۔ کچھ عرصہ تک خود متولی رہا بعد میں اس کے دو لڑکے عمر اور بکر متولی رہے۔ ان دونوں کی اولاد نے بحسب شرکت تولیت کی۔ مرنے کے بعد عرصہ چوالیس (۴۴) سال تک بعد میں یوں ہی معاملہ رہا اور اس میں کسی صاحب نے اختلاف نہیں کیا۔ اب عمر کا پوتا جو کہ کم سن اور نا اہل ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ واحد متولی ہوں اور کسی کو

اس میں دخل نہیں ہے۔ باوجودیکہ بکر کا صاحبزادہ جو کہ عمر کے پوتے سے سن اور علم اور تقویٰ میں زیادہ ہے۔ اب قابل دریافت بات یہ ہے کہ بکر کا بیٹا جو کہ ہر وجہ سے فوقیت رکھتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے عمر کا پوتا متولی ہو سکتا ہے یا نہ؟ اور دوسری یہ کہ اگر تولیت میں مشترک رہیں تو کیا یہ صحیح ہے یا نہ؟ اگر صحیح ہے تو تیسری بات قابل دریافت یہ ہے کہ افضل کون ہے؟ جس کے قبضہ میں نظم ونسق رہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

صورۃ مسئولہ میں مسجد کے نیک نمازی اور صالحین مل کر اسی طرح خانقاہ کے متعلق حضرات جو کہ اہل صلاح وتقویٰ ہوں مل کر واقف کے اولاد میں سے کسی ایسے آدمی کو جس کی دیانت پر اعتماد ہو اور وہ صاحب سمجھ ہو۔ اس کو متولی بنا کر حکومت کو اطلاع دی جائے۔ یا منظوری لے لی جائے اور واقف اولاد میں جو شخص قابل تولیت کے نہ ہوں یا کم سمجھ ہوں یا غیر معتمد ہوں اس کو متولی بنانا جائز نہیں اور دو آدمی بھی تولیت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي. درمختار ۴۴۹، ج ۳ [1]

(۲) ان اهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الافضل كونه باذن القاضي۔ ردالمحتار ص ۴۴۹ ج ۳۔ [2]

(۳) ولو شرط النظر للارشد فالارشد من اولاده فاستويا اشتركا به افتى به المولى ابو سعود ج ۳ ص ۴۷۲۔ درمختار۔ [3]

---

۱) تنوير الأبصار مع رد المحتار: كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في اجارته، ج ٤ ص ٤٢١، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

وكذا في الهداية: الولاية الى الواقف وبعد الموت الى وصيه وان وقف نصف عقار خالص له فالذى يقاسمه القاضي، كتاب الوقف، ج ٢ ص ٦١٩، مكتبه رحمانيه لاهور۔

وكذا في تنوير الأبصار مع در المختار: (جعل) الواقف (الولاية لنفسه جاز) بالإجماع، وكذا لو لم يشترط لأحد فالولاية له عند الثاني، وهو ظاهر المذهب نهره خلافاً لما نقله المصنف، ثم لوصيه ان كان والا فللحاكم، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٧٩، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب الأفضل في زماننا نصيب المتولي بلا اعلام القاضي وكذا وصى اليتيم، ج ٤ ص ٤٢٢، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔

۳) در مختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٥٧، مكتبه ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔

ہندو کی متروکہ اشیاء مسجد میں استعمال کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک ہندو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان چلا گیا اس کا ایک مکان پاکستان میں ہے۔ اس مکان میں ایک مسلمان سکونت پذیر ہوا اور حکومت نے بھی اس کو اجازت دے دی۔ اجازت فقط سکونت کی ہے۔ تملیک کی نہیں ہے۔ آیا یہ مکان اس مسلمان ساکن کی ملکیت ہوگیا اور اس کی اجازت سے اس مکان میں سے نکالے ہوئے لکڑی کے ٹکڑوں سے مسجد کے دروازے وغیرہ بنوانے اور استعمال مسجد کے لیے کرنا جائز ہوگا؟ یا یہ اجازت حکومت کی قوانین غیر شرعیہ کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی۔ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی بیان فرمائیں کہ یہ مکان عامۃ المسلمین میں مشترک تو نہیں؟ بینوا توجروا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿ج﴾

غیر مسلم کی متروکہ جائیداد پر ہندو پاکستان کی حکومتوں کے معاہدہ معاوضہ املاک کے بعد حکومت پاکستان کا قبضہ وکالت ہے[1]۔ حکومت کی اجازت کے بعد متروکہ جائیداد اور اس کے سامان کو مسجد وغیرہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر محض سکونت کی اجازت اس شخص کو حکومت کی طرف سے ملی ہو اس کو یہ مکان تملیک نہ کیا گیا ہو تو محض اس کی اجازت سے اس مکان کی لکڑیوں کو مسجد پر خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے حکومت سے اجازت لینی ضروری ہے[2] اور اگر حکومت نے اس شخص کو اس مکان کا مالک بنا دیا ہو تو ایسی صورت میں شخص مذکور کی

---

۱) الفتاوی التاتارخانیة: وفی فتاوی أبی اللیث: سلطان أذن لأقوام أن یجعلوا أرضاً من أرض الکورة فی مسجدهم ویزیدوا فیه ویتخذوا حوانیت موقوفة علی مسجدهم؟ قال الفقیه أبوبکر الإسکاف: وان کانت لبلدر فتحت عنوة جاز أمره اذا کان ذلک لا یضر بالمارة، کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ۵ ص ۸۴۳، ادارة القرآن کراچی۔ وکذا فی ردالمحتار: قلت وهو کذلک، فإن شرط الواقف التأبید، والأرض اذا کانت ملکاً لغیره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء، وکذا لو کان ملکاً له، فإن لورثته بعده ذلك، فلا یکون الوقف مؤبداً، کتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شیخه العلامة قاسم فی وقف البناء، ج ٤ ص ۳۹۰، ایچ ایم سعید۔

۲) وفی رد المحتار علی الدر المختار: أفاد أن الواقف لا بد أن یکون مالکاً له وقف ملکاً باتاً ولو بسبب وان لا یکون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ۳٤۰، ایچ ایم سعید کراچی۔
ومثله فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ۵ ص ۱۸۸، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وکذا مثله فی الهندیة: کتاب الوقف، ج ۲ ص ۳۵۳، طبع مکتبه رشدیه کوئٹه۔

اجازت ہی کافی ہے[1]۔ھکذا یعلم من احسن الفتاوی ص ۴۸۶، ۴۸۷۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد اور ضروریات مسجد میں فرق

کیا فرماتے ہیں کہ

(۱) پاکستانی مال (جنگلی راکھ یا غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد) لکڑی یا اینٹ وغیرہ مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہ

(۲) حویلی مسجد یعنی چاردیواری یا حویلی کا دروازہ، حمام مسجد، وضو کی جگہ، حجرہ، ان سب کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے مسجد وضروریات وتوابع مسجد میں شرعاً فرق ہے یا نہ؟

(۳) کسی شیعہ یا مرزائی وغیرہ کا چندہ مسجد کی ضروریات میں لگانا جائز ہے یا نہ؟

﴿ج﴾

(۱) جنگلی راکھ کی لکڑی مسجد میں لگ سکتی ہے اور غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد مستقل الاٹمنٹ ہونے کے بعد لگ سکتی ہے عارضی صورت میں نہیں۔

(۲) مسجد اور سب جگہ کا ایک حکم ہے[2]۔

(۳) شیعہ اگر حد کفر کو پہنچا ہوا نہ ہو تو اس کا چندہ مسجد میں جائز ہے[3]۔لیکن اگر وہ اہل سنت پر اس کا

---

۱) وفی المنحة الخالق علی البحر الرائق: ففی الذخیرة ما نصه، وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنه اذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه جماعة فإنه یصیر مسجداً، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد، ج ٥ ص ٤١٦، ٤١٥، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، ج ٤ ص ٣٥٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) الفتاوی التاتارخانیة: وفی فتاوی أبی اللیث سلطان أذن لأقوام أن یجعلوا أرضاً من أرض السکورة فی مسجدهم ویزیدوا فیه یتخذوا حوانیت موقوفه علی مسجدهم؟ قال الفقیه أبو بکر الإسکاف: ان کانت البلاة فتحت عنوة جاز أمره اذا کان ذلك لا یضر بالمارة، کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٢، مکتبه ادارة القرآن والعلوم کراچی۔
وکذا فی ردالمحتار: کتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شیخه العلامة قاسم فی وقف البناء، ج ٤ ص ٣٩٠، ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) وفی البحر الرائق: وأما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم، کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦، مکتبه رشیدیه کوئٹه۔
وکذا فی مجمع الأنهر: کتاب الوقف، ج ٢ ص ٥٦٨، مکتبه غفاریه کوئٹه۔

احسان لگائیں یا مسجد میں دخیل ہونے کا خطرہ ہو تو نہ لیا جاوے اور اگر حد کفر کو پہنچ چکا ہو یا مرزائی ہو، ان کا چندہ لینا اگر چہ فی نفسہ مسجد میں جائز ہے۔ لیکن مذکورہ خطرہ کی وجہ سے ان کا بھی چندہ نہ لیا جاوے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

ہندو کے متروکہ مکان پر تعمیر شدہ مسجد

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مہاجرین نے پاکستان آنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں ایک ہندو مکان کو مسجد قرار دے کر پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھنا شروع کی اور آج تک باقاعدہ نماز باجماعت ہو رہی ہے۔ اور جائے مذکورہ مسجد ہی کی حیثیت سے استعمال کی جا رہی ہے۔ لیکن اب عرصہ دس سال کے بعد ایک شخص جائے مذکورہ کو اپنے مکان میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا سوال طلب امر یہ ہے۔ (۱) کیا جائے مذکورہ سے مسجد منتقل ہو سکتی ہے۔ (۲) کیا جائے مذکورہ کی مسجد منہدم کرائی جا سکتی ہے۔ السائل: نذیر احمد ولد محمد یوسف ملتان شہر

﴿ج﴾

متروکہ مکانات بوجہ استیلاء کے حکومت کی ملکیت ہو چکے ہیں۔ بشرطیکہ حکومت بھی اپنے قبضہ کو ملکیت کا قبضہ قرار دے غالباً ۱۹۵۱ء میں سابق پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اعلان کیا تھا کہ تمام مسجدیں جو بن چکی ہیں ان کو گرایا نہ جائے، وہ مسجد تسلیم کر لی گئیں۔ تو یہ مسجد مذکور بھی جب سردار صاحب مرحوم کے اس اعلان سے پہلے بن چکی ہے تو اس اعلان کے مطابق مسجد کے حکم میں آ گئی۔ گویا حکومت نے اس قبضہ کو ملکیتی قبضہ قرار دے کر مسجد ہو جانے کی اجازت دے دی اور مالک کی اجازت کے بعد وقف صحیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس اعلان کے بعد یہ مسجد شرعاً مسجد ہو گی۔ اب اس کا گرانا جائز نہ ہوگا اور نہ اس کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔ **ولو اجاز المالک وقف فضولی جاز ردالمحتار للشامی**[2] ج ۳ ص ۴۰۶ **یبقی مسجداً عندالامام والثانی) ابداً الی قیام الساعة درمختار کتاب الوقف**[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وفي كتاب الله تعالى: قال الله تعالى: (يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً) سورة آل عمران، آيت ۱۱۸۔ وكذا في أحكام القرآن للجصاص، فنهى الله تعالى المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانة من دون المؤمنين۔

۲) ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، مكتبه ايچ ايم سعيد۔
وكذا في الفتاوى التاتارخانية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، مكتبه ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی۔

۳) در المختار، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٥٨، ايچ ايم سعيد كراچی۔

ہندوؤں کی شاملات میں مسجد بنانے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو ہندو یہاں سے ترک سکونت کر کے ہندوستان چلے گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ ہم مسلمان مہاجرین آ گئے ہیں۔ ان کی زمین ومکانوں پر ہم قابض ہیں۔ کچھ مفید زمین شاملات دیہہ میں ہندوؤں کی ہمارے قبضہ میں پڑی ہوئی ہے، ہم اس میں مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ آیا ہم مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿ج﴾

ایسی زمین جو ہندوؤں کی متروکہ ہے حکومت کی اجازت سے مسجد بنانا جائز ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبداللہ عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک ہندو کی متروکہ زمین جس میں ایک چکی ہے اور چند کمرے تھے کچھ مہاجر آ کر آباد ہوئے اور اس چکی والی زمین میں ایک تھلہ سا متعین کر کے نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ بعد میں اس تھلہ کو مسجد میں تبدیل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بوقت تعمیر تھلہ کے جبکہ مسجد میں تبدیل کیا جا رہا تھا ساتھ کے کمرے والا جس کے لیے صحن میں صرف ایک چارپائی بچھانے کی گنجائش بصد مشکل بچ سکتی تھی وہ مانع ہوا۔ لیکن اس کی بات نہیں مانی گئی اور مسجد بنا دی گئی۔ اس میں چار سال تک اذان اور جماعت وغیرہ ہوتی رہی بعدہ ان لوگوں نے ایک سفید زمین حاصل کر کے مسجد کی پشت کی جانب جو کہ نقشہ میں مسجد ثانی سے دی گئی ہے اور

---

١) الفتاوى العالمكيرية: سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أرض البلد حوانيت موقوفةً على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، ينظر، ان كانت البلدة فتحت عنوةً، يجوز أمره اذا كان لا يضر بالمادر، لأن البلد اذا فتحت عنوةً صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول ج ٢ ص ٤٥٧، مكتبه رشيديه۔

وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣، ادارة القرآن كراچی۔

وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج ٥ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

بالکل متصل ہی ہے اگر اس مسجد کے کمرہ کو چھوڑ دیا جائے تب چالیس قدموں کا اندازہ زائد سے زائد ہے اور اگر کمرہ مسجد ثانی کے ساتھ شمار کیا جائے پھر فاصلہ دس قدموں کا ہوگا۔ ثانی مسجد بن جانے کے بعد یہ مسجد ویران کردی گئی اور تقریباً آٹھ سال ویران رہی اور ساتھ کے کمرہ والا اپنے مکان میں استعمال کرتا رہا۔ اب پھر اختلاف کی بنا پر اس پر قبضہ کر کے ایک پختہ مسجد بنائی جارہی ہے۔ جبکہ ثانوی مسجد میں یہ سب لوگ چندہ وغیرہ میں معاون رہے اور نمازیں پڑھتے رہے اب عنداللہ اگر یہ مسجد ہے تب بھی بیان کیا جائے اور اگر نہیں تب بھی مفصل تحریر کریں تاکہ نزاع ختم ہوجائے۔

﴿ج﴾

یہ ہندو کی متروکہ زمین جسے پہلے ایک تھلہ کی شکل میں بطور مسجد استعمال کیا گیا پھر چھوڑ دیا گیا اب پھر مسجد بنائی جارہی ہے شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ ہندو کی زمین ہے اور اس کے مسجد بنانے کے لیے حکومت کی اجازت اور منظوری شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔ لہٰذا مسجد بنانے سے پہلے ضروری ہے کہ اہل محلہ متفق ہوں اور راضی ہوں۔ اس کے بعد مل کر حکومت سے منظوری حاصل کریں۔ تب جا کر مسجد بنے گی اور اس کے لیے مسجد کے احکام ثابت ہوں گے ورنہ نہیں [۱]۔ نیز اگر مسجد کی یہ زمین کسی شخص کے نام الاٹ ہوچکی ہو یا اس نے خرید لی ہو تو اس کی اجازت بھی ضروری ہوگی [۲]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لیے ہندو کا تعاون

﴿س﴾

جتیومل ہندو نے ایک درجن لوٹے وضو کے لیے مسجد میں دیے ہیں۔ آیا اس کی یہ امداد مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

۱) الفتاوی العالمكيرية: سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أرض البلد حوانيت موقوفة على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، ينظر ان كانت البلدة فتحت عنوة، يجوز أمره اذا كان لا يضر بالمارة لأن البلدة اذا فتحت عنوة صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول ٢ ص ٤٥٧، مكتبه رشيديه۔

وكذا في التاتارخانية: كتاب الوقف، أحكام المسجد، ج ٥، ص ٨٤٣ ادارة القرآن، كراچی، وكذا في البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد۔ ج ٥ ص ٤١٧، مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) كما في المجلة مجلة الأحكام العدلية، لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا اذنه، رقم المادة، ٩٦، مكتبه قديمی كتب خانه كراچی۔ وكذا في الدر المختار: لا يجوز التصرف في مال غيره بلا اذنه، كتاب الغصب، ج ٦ ص ٢٠٠، ايچ ايم سعيد كراچی۔

﴿ج﴾

ان کا استعمال مسجد میں درست ہے۔ کمافی فتاوی دار العلوم ج اص ۱۷۲[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ھوالمصوب﴾: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط سے قبول کر لینا اور استعمال کرنا جائز ہے[2]۔ والجواب صحیح۔

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پاکستان کے جو ہندو اپنی زمین باڑی چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے ہیں۔ ان کی متروکہ زمین باڑی کو بلا قیمت اور بغیر اجازت مالک قبض کر کے کھیتی باڑی کرنا مسلمانوں کے لیے جائز اور درست ہے یا نہیں اور ایسی زمین پر مسجد بنا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

پاکستان میں ہندوؤں کی متروکہ زمینوں کی کھیتی باڑی کرنا نیز ان میں پنجگانہ نماز کے لیے مسجد اور جامع مسجد وغیرہ بنانا حکومت پاکستان کی اجازت سے جائز ہے۔ بغیر اجازت کے ایسے کرنا جائز نہیں[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) أن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس، ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، ج ٤ ص ٣٤١، ایچ ایم سعید کراچی۔
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، ج ٥ ص ٣١٦، مکتبه رشیدیه کوئته۔
وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ولو قال یسرج به بیت المقدس أو یجعل فی مرمة بیت المقدس جاز، کتاب الوقف، الباب الأول، ج ٢ ص ٣٥٣، مکتبه رشیدیه۔ وکذا فی الفتاوی، دار العلوم معروف به امداد المفتین، کتاب المساجد، ج ٢ ص ٧٩٨-٧٩٩، مکتبه دار الإشاعت کراچی۔

۲) وفی کتاب الله تعالی: قال الله تعالی: یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا) سورة آل عمران، آیت ١١٨۔

۳) الفتاوی العالمکیریة: سلطان اذن لقوم ان یجعلوا ارضاً من ارض البلد حوانیت موقوفةً علی المسجد، وأمرهم أن یزیدوا فی مساجدهم لنظر، ان کانت البلدة فتحت عنوة، یجوز أمره اذا کان لا یضر بالمارة لأن البلدة اذا فتحت عنوة، صارت ملکاً لغزاة فجاز أمر السلطان فیها، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول، ج ٢ ص ٤٥٧، مکتبه رشیدیه کوئته۔
وکذا فی التاتارخانیة: کتاب الوقف، أحکام المسجد، ج ٥ ص ٨٤٣ ادارة القرآن، کراچی
وکذا فی البحر الرائق: کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، ج ٥ ص ٤١٧، مکتبه رشیدیه کوئته۔

عارضی الاٹمنٹ اور مستقل الاٹمنٹ میں فرق

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اراضی متروکہ غیر مسلم کا شرعاً کیا حکم ہے۔ یعنی ہمیں اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس قسم کی اراضی جو آبادی میں ہیں ان میں مسجد از خود یا حکومت کی اجازت سے بنانا کیسا ہے؟

(۳) جو رقبہ غیر مسلم کا کسی مہاجر کو عارضی یا الاٹ مستقل ہو اس میں مسجد الاٹی کی اجازت سے درست ہے یا نہیں؟

(۴) عارضی الاٹ اور مستقل کا کچھ فرق ہے یا نہیں۔ بالدلائل بیان فرمایا جاوے۔

سائل: احقر جلال الدین خطیب مسجد مہاجرین گکھڑ ہٹہ تحصیل کبیر والا

﴿ج﴾

جب تک حکومت پاکستان ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مکمل قبضہ کر کے ہندوؤں کی ملکیت کے ازالہ کا اعلان نہ کر دے، اور ہندوؤں کی تمام املاک کو ضبط نہ کر دے۔ یا تصفیہ کر کے ان کا معاوضہ نہ دے دے، اس وقت تک ان سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں، اور نہ مسجد بنانا جائز ہے۔ ہندوؤں کے متروکہ مال پر صرف ان وجوہ مذکورہ سے حکومت اس کی مالک ہو سکتی ہے [1]۔ **كما هو في جميع كتب الفقه.**

واللہ اعلم محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر ۲۱ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

حکومت کی اجازت سے غیر مسلموں کا سامان مسجد میں لگانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حکومت سے جو اسباب ہندو یعنی کڑی یا شہتیر یا اینٹ پختہ الاٹ ہوئی ہے۔ اس سامان سے اینٹ شہتیر وغیرہ مسجد میں لگا سکتے ہیں اگر مسجد پر لگائیں تو اس میں نماز جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟ جلدی جواب سے ممنون فرماویں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی فیض اللہ سکنہ جلال آباد تھانہ خانگڑھ نزد جہانیاں پیروالہ

﴿ج﴾

چونکہ حکومت کے لیے از روئے استیلاء ملک ثابت ہے اس لیے حکومت اس قسم کے اموال کی مالک ہے تو ایسی مسجد میں نماز جائز ہوگی [2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان (ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ) ص ۶۰۱، جز نمبر ۱۔

۲) تقدم تخریجه تحت عنوان (ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ) ص ۶۰۱، جز نمبر ۱۔

کتاب الأذان

تعداد کلمات اذان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) اذان یا اقامت جو کہتے ہیں۔ دو دو بار الفاظ کہتے ہیں کس حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) کیا مقلدین کی مسجد میں کوئی شخص اذان یا اقامت میں الفاظ ایک ایک بار کہے۔ کیا اس پر اکتفا کریں یا دوسری دفعہ اس کا اعادہ کیا جائے۔

﴿ج﴾

(۱) سب سے اول جو نمازیوں کو بلانے کے طریقے میں مشہور ہوا، رات کو حضرت زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں فرشتے کو دیکھا۔ اس نے اذان اور اقامت سکھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خوابوں کو حق قرار دیا وحی کے مطابق سمجھا۔ ان میں اذان اور تکبیر ایسے ہی ہے جیسے حنفی حضرات پڑھتے ہیں۔ تکبیر اول چار مرتبہ، پھر دو دو، آخر میں کلمہ ایک، یہی قوی ترین دلیل ہے۔ یہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کا اختلافی ہے مگر صرف اقامت میں۔ اذان میں کوئی بھی ایک ایک کا قائل نہیں ہے۔ جن کے نزدیک جو راجح وقوی ہے، وہی سنت ہے۔ اس کے بغیر سنت ادا نہ ہوگی ترک سنت کے ساتھ نماز ہوگی[1]۔ سنت طریقہ ہونے کے لیے دوبارہ کہنا چاہیے نہ کہا تو نماز میں کوئی خلل نہیں[2]۔

(۲) اذان مسنون ادا نہ ہوئی اس لیے اعادہ کیا جائے[3] البتہ تکرار اقامت مشروع نہیں[4]۔

---

۱) وكذا في المشكوة، عبد الله بن زيد بن عبد ربه قال لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به ...... قال افلا ادلك على ما هو خير من ذلك فقلت له بلى قال فقال تقول الله اكبر الى آخره وكذا الإقامة فلما أصبحت ...... الخ، باب الأذان، ج ١ ص ٦٤، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔ وكذا فى بدائع الصنائع، حديث عبد الله بن زيد وفيه التكبير اربع مرات بصوتين ...... الخو فصل وأما بيان كيفية الأذان، ج ١ ص ١٤٧، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وكذا فى آثار السنن وعن ابن عمر رضي الله عنه قال انما كان الأذان على عهد رسول الله صل الله عليه وسلم مرتين مرتين والإقامة مرةً مرةً غير أنه يقول قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة رواه أحمد، باب افراد الإقامة، ص ٦٤، طبع دار الحديث ملتان۔

۳) وكذا فى شامية: ويجوز بلا كراهة اذان صبى مراهق ...... ويكره اذان جنب ...... واذان امرأة وخنثى وفاسق ...... الخ، باب الأذان، ج ١ ص ٣٩٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

٤) وكذا فى آثار السنن، ابن عمر رضى الله عنهما قال انما كان الأذان ...... والإقامة مرةً مرةً الخ باب فى افراد الإقامة، ص ٦٤، طبع دار الحديث۔

اقامت میں دوبار الفاظ کی ادائیگی

﴿س﴾

اقامت میں دودوبار الفاظ اذان کا کہنا کس حدیث سے ثابت ہے۔

﴿ج﴾

طحاوی ص ۱۹۴ میں یہ حدیث موجود ہے۔ عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال اخبرنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عبداللہ بن زید الانصاری رأی فی المنام الاذان فأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال علمہ بلالا فاذن مثنی مثنی و اقام مثنی مثنی.[1] باب الاقامت آثار سنن[2] و شرع نقایہ ملا علی قاری[3].

ترجمہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ کہا خبر دی مجھے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا اذان کو پس حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہو کر خبر دی۔ پس فرمایا حضور علیہ السلام نے کہ بلال کو سکھادو۔ پس اذان دی بلال نے ہر ایک کلمہ دودو دفعہ اور تکبیر کہی دودو مرتبہ۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

وعن ابی العمیس قال سمعت عبداللہ بن محمد عن زید الانصاری یحدث عن ابیہ عن جدہ اری الاذان مثنی مثنی. والاقامۃ مثنی مثنی الحدیث رواہ البیہقی وآثار السنن[4]

وعن اشجعی عن عبداللہ بن زید الانصاری قال سمعت اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذانہ و اقامتہ مثنی مثنٰی رواہ ابو عوانہ فی صحیحہ وصاحب اٰثار السنن[5] وقدروی عن بلال انہ کان یؤذن مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی طحاوی[6]۔ پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اذان واقامت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور پیچھے آپ کے کہنے پر آثار صحابہ و تبع تابعین

---

۱) وکذا فی طحاوی، باب الإقامۃ کیف ھی، ص ۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲) وھکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیۃ الإقامۃ ص ٦٥، طبع دار الحدیث ملتان۔

۳) وأیضاً فی فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۰۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

٤) وکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیۃ الإقامۃ، ص ٦٥، طبع دار الحدیث، ملتان۔

٥) وھکذا فی آثار السنن، باب فی تثنیۃ الإقامۃ، ص ٦٥، طبع دار الحدیث ملتان۔

٦) وھکذا فی طحاوی، باب الإقامۃ، ص ٩٤، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وأیضاً فی فتح باب العنایۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۰۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

شاہد ہیں اور یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وحضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ خادم الشرع خاکسار فضل الٰہی خالقدادی غفرلہ......

﴿ھوالمصوب﴾

عندالحنفیہ اقامت مثل اذان کے یعنی اللہ اکبر اول چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو دفعہ کہنا چاہیے۔ اور قد قامت الصلوٰۃ بھی دو دفعہ کہنا چاہیے (۱)۔ لما روی ابو داؤد عن ابن ابی لیلیٰ عن معاذ. الخ. غنیة المستملی ص ۳۵۹ والجواب صحیح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اہل حدیث کا اقامت کہنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلک اہل حدیث کا آدمی حنفی مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اور احناف کی طرح کلمات اقامت کہتا ہے باقی افعال صلوٰۃ بمطابق مسلک اہل حدیث ادا کرتا ہے۔ کیا یہ شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اقامت کہہ دے تو اس کی اقامت سے فریضہ اقامت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اور نماز ہوجائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا اور اقامت کا اعادہ کرنا درست نہیں (۲) بہتر یہ ہے کہ جس شخص نے اذان کہی وہی تکبیر کہے (۳) یا دوسرے کو اجازت دے دے (۴)۔ کذا فی فتاویٰ دار العلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا في مشكوة المصابيح، عبد الله بن زيد رضي الله عنه قال لما امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... أفلا أدلك على ما هو خير من ذلك فقلت له بلى قال فقال تقول الله اكبر الى آخره كذا الإقامة فلما أصحبت ...... الخ، باب الاذان، ج ۱ ص ٦٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

وهكذا في جامع الترمذي، عن عبد الله بن زيد قال كان أذان رسول الله صلى الله عليه وسلم شفعاً شفعاً في الأذان والإقامة، باب ما جاء في أن الإقامة مثنى مثنى، ج ۱ ص ٤٨، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي۔

۲) وكذا في العالمكيرية: ويكره أذان الفاسق ولا يعاد هكذا في الذخيرة، الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن، ج ۱ ص ٥٤، طبع رشيديه كوئٹه۔

۳) مشكوة المصابيح، عن زيادة بن الحارث ...... ومن أذن فهو يقيم رواه الترمذي، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٦٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔ وهكذا في الدر المختار: أقام غير من أذن يغيبه المؤذن لايكره ...... الخ، باب الأذان، ص ۳۹٥، طبع سعيد۔

٤) وهكذا في البحر الرائق: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٧، طبع رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في المبسوط، قال لا بأس بأن يؤذن واحد ويقم آخر ان يكون له في الاذان نصيب فامر بان يؤذن بلال ويقيم هوا الخ۔ باب الاذان ج ۱، ص ۲۷٤، طبع غفاريه، كوئٹه۔

کلمات اذان کی ادائیگی کا صحیح طریقہ

﴿س﴾ (۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک امام مسجد صاحب اذان میں اللہ اکبر کو " رَاللہ اکبر " پڑھتے ہیں تو کیا اس طرح پڑھنا جائز ہے؟

﴿ج﴾

اللہ اکبر اول کی راء کو ساکن کرے یا مفتوح زبر پڑھے اور اللہ اکبر ثانی کو ساکن کرے وقفاً کما فی الشامیة ج ا ، ص ۲۸۴ ، وحاصلها ان السنة ان یسکن الراء من الله اکبر الاول اویصلها بالله اکبر الثانیة فان سکنها کفی و ان وصلهانوی السکون فحرک الراء بالفتحة فان ضمها خالف السنة الخ۔ فقط واللہ اعلم۔

﴿س﴾ (۲)

الحمدلله علی الائه والصلوة والسلام علی نبیه واصفیائه۔

اذان کی کیفیت اداء۔ شروع کی چار اور اخیر کی دو تکبیروں کے علاوہ باقی نو جملوں (شہادتین اولیین۔ شہادتین اخریین، حیعلتین اولیین، حیعلتین اخریین، تہلیل) کے آخری حرف پر آواز اور سانس کے انقطاع کے ذریعہ حقیقی واصطلاحی وقف کرنا مسنون ومستحب ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات میں ترسل وتمہل اور انفصال وتوقف اور قطع وسکتہ مستحسن ہے۔ چنانچہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لبلال اذا اذنت فترسل و اذا اقمت فاحدر ۔ (یعنی نبی علیہ السلام نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو، تو ٹھہر کر کہو اور جب اقامت کہو تو سرعت وتیزی سے کہو) نیز حدیث الاذان و الاقامة فرادی فرادی (اذان دو دو دفعہ اور اقامت ایک ایک بار ہے) اور الاذان شفع والاقامة وتر وتر (تحدیث بالمعنی۔ یعنی اذان جفت جفت اور اقامت طاق ہے) کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اذان کے دو جملے دو الگ سانسوں

---

۱) شامیه، کتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب فی الکلام، علی حدیث الأذان جزم، ص ۳۸٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ کما فی البحر الرائق: ویسکن کلمات الأذان الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشیدیه کوئته۔ کما فی الهندیة: والترسل أن یقول الله أکبر الله أکبر، ویقف ثم یقول مرةً أخری مثله ...... ویسکن کلماتهما علی الوقف، کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثانی، ج ۱ ص ٥٦، طبع علوم اسلامیه چمن۔

میں اور اقامت کے دو حرف ایک ہی سانس میں تلاوت کیے جائیں گے۔ نیز ترجیع شہادتین والی حدیث بھی اسی پر محمول ہے۔ کیونکہ زوج، شفعہ، ترجیع یہ تین اور اسی طرح وتر، فرد، طاق یہ تین مرادف ہیں۔ اور ترسل کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس سے مقصود اعلام واطلاع، احضار مصلین، اعلان وقت افطار وختم سحر ہے۔ پس اس میں ترسل و ترتیل بلیغ تر اور مناسب تر ہے۔ ویسے حدر واسراع بھی بلاکراہت درست ہے اور اس صورت میں اعادہ اذان نہیں۔ کیونکہ اصل مقصود حاصل اور کلام کامل ہے زیادہ سے زیادہ زینت متروک ہوگئی۔ (کذا فی المبسوط لشمس الائمه سرخسی ج۱ص۱۳۱)۔ رہی چھ تکبیریں، سوان کا حکم یہ ہے کہ باتفاق جمیع فقہاء اذان میں دو تک ہی کلمہ کے بمنزلہ ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار المعروف بالشامیہ ج۱ص۲۸۵ پر ہے۔ (ویترسل فیه بسکتة بین کل کلمتین) وهذه السکتة بعد کل تکبیرتین لا بینهما. کما افاده فی الامداد، اخذا من الحدیث وبه صرح فی التتار خانیة (یعنی اذان کے ہر دو کلمات کے درمیان وقفہ کر کے ترسل کرے اور یہ وقفہ دو تکبیروں کے بعد ہوگا نہ کہ ان کے درمیان جیسا کہ حدیث سے اخذ کر کے "امداد" میں اس کا افادہ کیا ہے اور تتارخانیہ میں بھی اسی کی تصریح کی ہے۔) پس اب دو تکبیروں میں سے دوسری تکبیر کی راء تو وقف کی وجہ سے ساکن ہی پڑھی جائے گی اور اس کا رفع خطا ہے اور پہلی تکبیر کی حرکت میں تین قول ہیں۔

(۱) فتحہ یعنی اَللّٰهُ اَکْبَرَ۔ اَللّٰهُ اَکْبَرَ۔ کیونکہ ترمذی کی حدیث میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے موقوفا مروی ہے کہ الاذان جزم والاقامة جزم والتکبیر جزم۔ (یعنی اذان، اقامت، تکبیر تحریمہ تینوں جزم سے ہوں) پس جب اذان کے سب کلمات مجزوم وساکن ہیں تو پہلی تکبیر کی راء بھی ساکن ہے۔ پھر اس کے وصل کے وقت اتصال بنیت وقف کے سبب دو ساکن (راء اور لام جلالہ) جمع ہوگئے اور اب یا تو اسم جلالہ (اللہ) کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف نقل ہوگیا یا اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کے سبب پہلے ساکن (راء) پر فتحہ آگیا، اور کسرہ اس لیے نہیں آیا کہ لام جلالہ کی صفت تفخیم کی محافظت باقی رہے اور دونوں وجوہ کی نظیر الم اللہ (عمران ع۱-۹) ہے۔ کیونکہ اس میں بھی میم کا فتحہ بعض حضرات نے بیضاوی رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے پر نقل کیا۔ اور دوسرے حضرات کے قول پر التقاء ساکن کی وجہ سے ہے۔ (ابو العباس المبرد، عبدالغنی النابلسی صاحب الروضة والتنویر)۔

(۲) سکون یعنی اَللّٰهُ اَکْبَرْ اَللّٰهُ اَکْبَرْ حرکت واعراب کے بغیر۔ اور اس کی دلیل بھی وہی حدیث موقوف الاذان جزم الحدیث ہے۔ جو ابھی نمبرا میں گزری کیونکہ جزم کے معنی مقطوع الاعراب والحرکة کے ہیں۔ اور یہ معنی اسی صورت میں صادق آسکتے ہیں جبکہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھا جائے۔ (امداد، زیلعی، بدائع اور شافعیہ کی ایک جماعت کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے۔)

(۳) ضمہ یعنی اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ. کیونکہ عربی نحوی قواعد کا مقتضی یہی ہے اور وجہ یہ ہے کہ اکبر اللہ کی

خبر ہے اور خبر مرفوع ہی ہوتی ہے۔ (ابن عابدین، الشامی، صاحب المغنی وعامۃ اسلامیین) اور یہی آخری قول راجح وظاہر اور اصح واقیس ہے۔ چنانچہ (الف) ''المغنی'' میں حرکت فتحہ اور اس کی وجوہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ **وکل ھذا خروج عن الظاھر والصواب ان حرکۃ الراء ضمۃ اعراب**...... (شامی ج۱ص۳۸۴) (یعنی یہ سب کا سب بیان ظاہر سے خارج ہے اور درست یہ ہے کہ راء کی حرکت اعرابی ضمہ ہے)

(ب) شامی میں تینوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ''**والذی یظھر الاعراب**'' (یعنی ان اقوال میں سے اعراب (ضمہ) والا قول ظاہر ومتبادر ہے)

(ج) عربیت کے قواعد بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ **کما لایخفی علی من لہ بصیرۃ بالعلوم العربیۃ۔**

حدیث الاذان جزم کا جواب

(۱) شامیہ ج۱ص۳۸۴ میں ہے۔ **ولما فی الاحادیث المشتھرۃ للجراحی انہ سئل السیوطی عن ھذا الحدیث فقال ھو غیر ثابت کما قال الحافظ ابن حجر و انما ھو من قول ابراھیم النخعی**[1]...... (یعنی اعرابی ضمہ کے ظاہر وراجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جراحی کی احادیث مشتہرۃ میں ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۲) جزم کے معنی اسکان نہیں کیونکہ اعرابی حرکت کے خلاف کرنے پر اس کا اطلاق کرنا اصطلاح حادث ہے۔ جو صدر اول میں مستعمل نہیں تھی۔ بلکہ بعد میں نحویوں کے نزدیک مقرر ہوئی ہے۔ پس جزم کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں۔ نیز نحاۃ کی جدید اصطلاح میں بھی جزم کا اطلاق اعرابی حرکت کے اس حذف پر ہوتا ہے جو جازم کی بنا پر ہو۔ نہ کہ مطلقاً حالانکہ یہاں حذف وقف کی بنا پر ہے نہ کہ جازم کی وجہ سے۔ اس لیے رافعی، ابن اثیر وغیرہ ایک جماعت کی رائے پر اس کے معنی مقطوع المد کے ہیں، یعنی مد کے بغیر مقصور پڑھنا۔ پس آ اکبر نہیں پڑھیں گے۔ کیونکہ یہ استفہام ہے۔ جو عمد کی صورت میں کفریہ کلمہ ہے اور لحن شرعی ہے[2]۔ ''کتاب الطلبہ'' میں فتاویٰ صیرفیۃ باب ۳۶ سے نقل کرکے ایک قول یہی نقل کیا ہے کہ جزم کے معنی قطع مد کے ہیں[3] نہ

---

۱) شامیۃ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان، مطلب فی الکلام علی حدیث (الأذان جزم) ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) کما فی الدر المختار: "الأذان جزم" أی مقطوع المد فلا تقول آلله أکبر لأنہ استفھام وانہ لحن شرعی، کتاب الصلوۃ، باب الأذان ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) کتاب الطلبہ

کہ قطع حرکت کے۔احقر عرض کرتا ہے کہ چوں کہ حدیث پوری اذان کے لیے عام ہے۔اور یہ معنی مذکور فقط تکبیر ہی میں جاری ہوئے ہیں نہ کہ باقی کلمات میں بھی اس لیے یہ کہنا اولیٰ ہے کہ جزم سے مقصود اس "تلحین و تغنی" سے روکنا ہے جو اذان کے کلمات میں تغیر پیدا کردے۔مثلاً کسی حرکت یا حرف کی زیادتی یا حرف مد وغیرہ میں اشباع۔عام ہے کہ اول میں ہو یا آخر میں۔کیونکہ ایسا کرنا نادرست ہے۔اذان میں ہو خواہ قرأت قرآن میں [1]۔چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے تلحین فی القرأة کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ ممنوع ہے۔پھر پوچھا گیا کیوں؟ جواب دیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا محمد۔آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یا موحاماد کہیں [2]۔(کبیری ص ۳۶۰ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ یو۔پی)

(۳) اگر جزم کو اعرابی حرکت نہیں کہ حذف و اسقاط ہی کے لیے استعمال کریں۔تو الاذان جزم کی تقدیر یا تو مجموع الاذان ہے۔(کہ پوری اذان ساکن ہے اس طرح کہ ساری اذان کے ہر کلمہ کو ساکن پڑھیں۔ان میں سے اول تقدیر تو باجماع جمیع علماء وفقہاء باطل وغیر معتبر ہے۔رہی دوسری سو اس میں بھی دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ کلمہ سے لفظ مفرد مراد ہو۔دوسرا یہ کہ کلمہ سے پورا جملہ مقصود ہو۔پس ان میں سے پہلا احتمال بھی باطل ہے کیونکہ اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ ہر لفظ کو ساکن پڑھا جائے۔یعنی **اشهد، ان لا اله، الا، الله، حی علی، الصلوة.** وغیرہ وغیرہ۔حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔اب دوسرا احتمال متعین ہو گیا اور حاصل یہ ہے کہ اذان کا وہ ہر ایک جملہ اور قطعہ ساکن الآخر ہے جو ایک سانس میں پڑھا جاتا۔مثلاً **اشهد ان محمدا رسول الله** وغیرہ وغیرہ۔اور چونکہ تمام فقہاء کے قول پر دو تکبیریں ایک ہی جملہ کے حکم میں ہیں اس لیے جزم و اسکان کا اجراء دوسری ہی تکبیر کی راء پر ہوگا نہ کہ پہلی تکبیر کی راء پر بھی [3]۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد عاثر راقم آثم

---

۱) کما فی البحر الرائق: (ولحن) أی لیس فیه لحن أی تلحین ...... وفی الصحاح، اللحن الخطاء فی الأعراب ...... وتحسین الصوت، لابأس به من غیر تغن، کتاب الصلوة، ص ٤٤٥ تا ٤٤٤ طبع رشیدیه کوئٹه۔ کما فی الدر المختار: (ولا لحن فیه) أی تغی بغیر کلماته، أی بزیادة حرکة أو حرف أمد أو غیرها فإنه لا یحل فعله وسماعه، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ومثله فی مجمع الأنهر: کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع غفاریه کوئٹه۔

۲) کبیری

۳) کما فی الشامیة: "أن التکبیر الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف ...... واما تکبیرة الأولی ...... فقیل محرکة الراء بالفتحة" کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
کما ف البحر الرائق: "ویسکن کلمات الأذان والإقامة الخ" کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨ طبع رشیدیه کوئٹه۔ کما فی حاشیة الطحطاوی: أو یتمهل ویترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین ای جملتین الا فی التکبیر الأول، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ص ۱۹٦، طبع دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان۔

دلائل فتحہ کا جواب

اس قول کی بنیاد جن مقدمات پر ہے، ان میں سے ایک حدیث مذکور بھی ہے۔ جس کا جواب ماقبل میں درج ہو چکا ہے کہ اس سے مقصود یا تو اشباع وافراط حرکات سے منع کرنا ہے۔ یا ہر ایک جملہ مستقلہ کے آخری حرف کو ساکن پڑھنا نہ کہ ہر ایک لفظ مفرد کو موقوف وساکن پڑھنا۔ پس جب پہلی تکبیر کی راء ساکن ہی نہ رہی تو انتقال حرکت یا اجتماع ساکنین کے سبب اس پر فتحہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس راء کے سکون وجزم کو تسلیم بھی کر لیں، تب بھی ان وجوہ کی بناء پر یہ قول صحیح نہیں [۱]۔

(الف) قول نقل حرکت: قائلین نقل کے یہاں نقل کی توجیہ یہ ہے۔ **الاذان سمع موقوفافي مقاطيعه والاصل في (اكبر) تسكين الراء فحولت حركة الف اسم (الله) الى الراء كما في (الم الله)** ج ۱ص ۲۸۴...... (یعنی اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف سنی گئی ہے اور اکبر میں راء کا اسکان اصل ہے۔ پھر اللہ کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف منتقل کر دیا ہے جیسا کہ الم اللہ میں ہے۔ مبرد)

جواب یہ ہے کہ:

اولاً خود لفظ موقوفاً ہی سے یہ نکلتا ہے کہ راء کا سکون وقتی وغیر مستقل ہے نہ کہ اصلی لازمی۔ چنانچہ طحطاوی ص ۱۰۵ میں ہے۔ (**ويسكن كلمات الاذان و الاقامة) يعني للوقف والاولىٰ ذكره (في الاذان حقيقة) اى الوقف الذى لاجله السكون حقيقة في الاذان لاجل الترسل فيه** [۲] الخ

(یعنی اذان واقامت کے کلمات کو ساکن پڑھے اور اولیٰ یہ ہے کہ توقف کی قید بھی ذکر کر دی جائے اور یہ وقف جس کی بنا پر سکون ہے، اذان میں حقیقۃً ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ترسل کا حکم ہے۔ اور شامیہ ص ۲۸۴ میں ہے۔ **وقد كانت لكلمات الاذان اعرابا الا انه سمعت موقوفة** ۔ص ۲۸۴ (روضة نقلا عن المغنى) [۳] (یعنی اذان کے کلمات میں حقیقۃً اعراب ہے۔ لیکن مسموع موقوفاً ہی ہوئے ہیں۔ پس جب سکون دائمی نہیں ہے تو وصل کی حالت میں یہ سکون زائل ہو کر اصلی اعراب (ضمہ) لوٹ آئے گا۔ اور وجہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے دونوں تکبیروں کو ایک ہی تکبیر کے بمنزلہ قرار دیا ہے اور ان کا بمنزلہ ایک تکبیر کے ہونا اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ سکون مع انقطاع الصوت والنفس کا اجراء دوسری تکبیر کے اخیر پر کیا جائے نہ کہ پہلی کے اخیر پر بھی۔ چنانچہ حقیقۃً بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہوتا ہے اور یہ اس صورت میں درست ہے جبکہ ترک

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان (حديث الأذان جزم كا جواب، ص ۶۱۰، جز نمبر ۱۔

۲) حاشية طحطاوى، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص ۱۹۵ تا ۱۹۶، طبع دار لكتب العلمية بيروت لبنان۔

۳) شامية: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

حرکت کے ساتھ ساتھ انقطاع نفس بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اذان میں پہلی تکبیر پر وقف ممنوع نہیں۔ نہ حقیقی نہ منوی جو انقطاع نفس ہے۔ اب اصلی اعراب (ضمہ) متعین ہو گیا[1]......

ثانیاً: نقل کے لیے لازم ہے کہ منقول عنہ کلام میں ثابت و قائم ہو۔ حالانکہ (اللہ) کا ہمزہ وصلیہ ہے جو درج کلام میں ساقط ہو جاتا ہے۔ جب وہ خود ہی حذف ہو گیا تو اب اس کی حرکت کے نقل کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ شامی ص ۲۸۴ میں ہے۔ **ولیس لھمزۃ الوصل ثبوت فی الدرج فتنقل حرکتھا اھ (نقلا عن الروضۃ عن المغنی)**[2] (یعنی درج عبارت میں ہمزہ وصل ثابت ہی نہیں رہتا کہ اس کی حرکت منتقل ہو) اگر یہ کہا جائے کہ یہ ''وصل بنیت وقف'' ہے۔ پس اب وقف کی نیت کے سبب درجیت فوت ہو کر ہمزہ وصل ثابت رہے گا اور اب اس کی حرکت کی نقل ممکن ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ ''وصل بنیت وقف''، عقلی و قیاسی حکم ہے جس کا نقل سے کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ ابھی طحطاوی کے حوالہ سے مذکور ہوا کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہے نہ کہ منوی[3]۔ نیز علی قاری کی تصریح کے موافق منقول الیہ و منقول عنہ میں لفظی اتصال وارتباط شرط ہے ورنہ نقل ممکن نہیں۔ اور چونکہ ''وقف کی نیت کے وقت درجیت کے فوت ہو جانے کے سبب ان دونوں (محول الیہ ومحول منہ) میں اتصال نہیں رہتا اس لیے نقل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر وقف کی نیت اتصال کے ثبوت کے لیے مضر نہیں تو درجیت وانشائیت کے لیے بھی مضر نہیں ہو سکتی کیونکہ جب دونوں میں لفظاً واداءً ارتباط ہو گیا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ ہمزہ وصلی درج کلام میں واقع ہو رہا ہے۔ پس جب درجیت ثابت ہو گئی تو بقاعدہ عربیہ مشہورہ ہمزہ وصلی، ساقط ہو جائے گا اور نقل کا حکم منقطع ہو جائے گا[4]۔

ثالثاً: مقیس علیہ (الم اللہ) میں بھی نقل کا حکم ضعیف ہے۔ کیونکہ قاضی بیضاوی کی رائے پر نقل کا سبب یہی ہے کہ حروف ہجاء لفظاً مبنی اور حکماً معرب ہیں۔ جو اعراب کی قابلیت رکھتے ہیں اور اب وقف کی وجہ سے ساکن و موقوف ہیں۔ پس وصل کی صورت میں نیت وقف کی بنا پر درجیت فوت ہو جائے گی اور نقل کا حکم جاری ہو جائے گا[5] اور التقاء ساکنین کے سبب یہ فتحہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ وقفاً محذور وممنوع نہیں ہے۔ قاضی کی اس علت

---

۱) کما فی الشامیۃ: "والحاصل أن التکبیر الثانیۃ فی الأذان ساکنۃ الراء للوقف حقیقۃ رفعھا خطاء" کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
ومثلہ فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
ومثلہ فی حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۹٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) شامیۃ (کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج ۱ ص ۱۹٦، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) تقدم تخریجہ تحت عنوان (دلائل فتحہ کا جواب) ص ٦۱۱، جز نمبر ۱۔

٤) کما فی ارشاد الصرف: "حکم وصلی این کہ در درج کلام وبمتحرك شدن ما بعد بیفتد" باب أول صرف صغیر ثلاثی مزید فیہ صحیح، ص) ٤٥، طبع ادارہ اشاعت کتب۔

٥) کما فی ھدایۃ النحو: "فإنہ مبنی بالفعل علی السکون ومعرب بالقوۃ"، الباب الثانی فی الاسم المبنی، ص ٤٥، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

پر بھی وہی مناقشہ ہے جو ابھی دوسرے جواب میں گزرا کہ اگر نیت وقف ثبوت اتصال کلام کے لیے مضر نہیں تو درج کلام کے تحقیق پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور درج میں ہمزہ وصلی ساقط ہو جاتا ہے۔ **فما معنی نقل حرکة الهمزة الوصلية؟** نیز جب حکمی معرب میں نقل ہو سکتی ہے تو مبنی الاصل (حروف معانی وغیرہ) میں بطریق اولی ہونی چاہیے حالانکہ من اللہ میں کسی قاری یا نحوی کا قول بھی نقل کا نہیں۔ پس جب مقیس علیہ کی نقل غیر صحیح ہے تو مقیس کا آپ خود اندازہ کر لیں کہ اس میں نقل کا حکم کہاں تک درست ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اذان اور الم اللہ کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات تو لفظاً وحکماً معرب ہی ہیں صرف سماعاً موقوف و ساکن ہیں اور حروف ہجاء یا تو صرف حکماً معرب ہیں یا لفظاً وحکماً دونوں لحاظ سے مبنی ہیں۔ **وبالجملة الفرق بين الاذان وبين (الم الله) ظاهر فانه ليس لالم الله حركة اعراب اصلاً و قد كانت لكلمات الاذان اعراباً الا انه سمعت موقوفةً. (شاميه نقلا عن الروضة عن المغني) وللتفصيل مقام** آخر۔ ص ۲۸۴[1]۔

(ب) **قول التقاء ساكنين:** یہ حکم بھی متعدد وجوہ سے باطل ہے اولاً: یہ کہ پہلا سکون عارضی ووقفی ہے نہ کہ لازمی وصلی تاکہ اجتماع ساکنین متحقق ہو۔ جیسا کہ ابھی "الف" میں گزرا ہے۔ ثانیاً: یہ کہ لام جلالہ کی تفخیم تو رفع کی صورت میں بھی باقی رہتی ہے پس فتحہ کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر اخفیت فتحہ کا قول کیا جائے تو حل یہ ہے کہ یہاں تو سرے سے اجتماع ساکنین ہی نہیں تاکہ ثقل کے سبب خفت کا سوال پیدا ہو۔ اور بصورت تسلیم یہ کہنا ممکن ہے کہ ساکن اول کی تحریک اس حرکت سے مناسب تر ہے جو اصل کے موافق ہو۔ میم جمع وغیرہ کی طرح اور یہاں اصل اعراب ضمہ ہی ہے[2]۔ واللہ اعلم۔

دلائل جزم کا جواب

(۱) جزم کے معنی قطع مد کے ہیں نہ کہ حذف اعراب کے کیونکہ یہ تو اصطلاح جدید ہے[3]۔

(۲) احقر کے ناقص ترین خیال میں یہ آتا ہے کہ حدیث کا منشاء یہ ہے کہ اذان و اقامت کے تمام کے تمام کلمات کو ایک ہی سانس میں یا دو تین سانسوں میں نہیں بلکہ قاعدہ کے موافق متعدد سانسوں میں وقفاً وقفاً، جزماً جزماً تلاوت کرنا چاہیے اور یہ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ

---

۱) شامية، كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔

۲) كما فى حاشية الطحطاوى: "وهو مخير فيما بين الضم والفتح ...... اذ لا يتعين الفتح فى ذلك كما لا يخفى" كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ص ۱۹۵، طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

۳) تقدم تخريجه تحت عنوان (حديث الأذان جزم) ص ۲۰۹ جزء نمبر ۲ اور ۳۔

قرآن کی تلاوت کی طرح اذان واقامت کو بھی مسلسل ومربوط طور پر نہ کہیں اس لیے انہوں نے یہ تاکید فرمادی۔ باقی اس حدیث سے بیان حرکت وسکون کا کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ اب رہا یہ کہ مقامات وقف وجزم کیا کیا ہیں، سو حدیث میں ان کا بیان نہیں، اس کو فقہ سے معلوم کیا جائے گا۔ **فمن شاء الاطلاع فليراجع المطولات**۔ اور کسی قدر تفصیل مذکورۂ بالاتحریر میں بھی درج ہوچکی ہے۔ **فليتامل وليتنبه**[1]۔

(۳) وصل میں پہلی تکبیر کا سکون یا تو اس وقت درست ہے جبکہ وہ عامل جازم کی بناء پر بنائی ولازمی ووصلی یا اس صورت میں جبکہ اس کے عارضی ہونے کے باوجود "وصل بنیت وقف" پر عمل کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں عامل جازم کوئی بھی نہیں اس لیے جزم لازمی تو ہو نہیں سکتی۔ اور وصل بنیت وقف کا حکم قیاسی وعقلی ہے جس کا نقل وسماع سے کوئی ثبوت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وصلاً سکون وقفی زائل ہوکر اصلی محض اعرابی ضمہ عود کر آئے اور وجہ یہ ہے کہ گو حدیث الاذان جزم سے اذان کے ہر جملہ پر وقفی جزم کا اجراء ثابت ہے، لیکن چونکہ تکبیرتین ایک ہی تکبیر کے حکم میں ہیں۔ اس لیے پہلی تکبیر پر وصل حکم کا جاری کرنا لازم ہے۔ کیونکہ قرآن کے بھی جن مقامات میں حدیث سے وقف مع انقطاع الصوت والنفس ثابت ہے۔ جیسا کہ قرأت فاتحہ کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ **ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا قرأ قطع قراء ته اية اية. يقول بسم الله الرحمن الرحيم. ثم يقف الحمدلله رب العالمين. ثم يقف. الرحمن الرحيم ثم يقف** (الاتقان ج۱ ص۸۷)[2] کہ جب تلاوت کیا کرتے تھے تو ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بسم الله الخ پڑھ کر وقف کردیتے) ان میں بھی وقف کرنا مسنون ومستحسن ہے نہ کہ واجب وضروری چنانچہ فن کی رو سے ان مقامات کا وصل بھی بلاشبہ درست ہے۔ تو چہ جائیکہ جن مقامات میں واقف کی تصریح ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ قرآن کے مواقع ہیں۔ ان میں وقف حقیقی یا معنوی لازمی وضروری ہو اور ان میں وصل کی حالت میں اعراب کا جاری کرنا ممتنع ہو، یہ حکم عقل کے بھی نہایت خلاف ہے لیکن عقل سلیم درکار ہے[3]۔

---

۱) كمـا فـى الدر المختار: (ويترسل فيه) بسكتة بينْ كل كلمتين ويكره تركه، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج۱، ص، طبع ايچ ايم سعيد، كراچى۔ كمـا فى حاشية طحطاوى "اويتمهل" يترسل (فى الأذان) بـالـفـصـل بسـكتة بيـن كـل كـلـمتين" (كتاب الصلوٰة، باب الأذان، ج ...... ص ١٩٦، طبع دارالكتب العلميه، بيروت) ومثله فى البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٤٤٧، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) الاتقان۔

۳) كـمـا فى الشامية: وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله اكبر الأول أو يصلها بالله أكبر الثانية فإن سكنها كفى وان وصلها نوى السكون محرك الراء بالفتحة، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١٠ ص ٣٨٦، سعيد۔ ومثله فى العالمكيرية: كتاب الصلوة، الفصل الثانى فى كلمات الأذان، ج ١ ص ٥٦، رشيديه كوئٹه۔ وكذا فى تبيين الحقائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٢٤٤، طبع دار الكتب العلميه بيروت۔

﴿ خلاصہ ﴾ یہ کہ اذان میں ترسل مستحب ہے اور اس میں چھ تکبیروں کے علاوہ ہر جملہ پر وقف کرنا مسنون ہے اور چھ تکبیروں میں سے ہر دو دو ایک ایک جملہ کے حکم میں ہیں[1]۔ پھر ان دو میں سے آخری تکبیر کی راء تو صرف ساکن پڑھی جائے گی اور پہلی میں ضمیمہ فتحہ جزم تینوں وجوہ کی گنجائش ہے[2]۔

لیکن قیاس وتفقہ اور قواعد عربیہ وادائیہ کی رو سے رفع والاقول ظاہر و متبادر اور صواب اور مفتی بہ ہے اور تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے[3]۔ واللہ اعلم۔

اقامت کی کیفیت اداء

چونکہ اقامت میں اذان کے خلاف حدر واسراع اور عجلت و تیزی اور روانی اولیٰ اور مسنون ومحمود ہے جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ اذا اقمت فاحدر [4] میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اس کے کلمات میں اتصال وارتباط کر کے ان کو شفعاً شفعاً ادا کرنا مستحب ہے۔ اس طرح کہ وہ دو دو کلمات وجمل، جو اذان میں دو سانسوں میں انقطاعاً پڑھے جاتے ہیں، ان کو اقامت میں ایک ہی سانس میں جمعاً ووصلاً ادا کریں۔ پس اس کے سترہ کلمات کو سات سانسوں میں تلاوت کریں گے۔ یعنی (۱) اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر۔ (۲) شہادتین اولیین (۳) شہادتین اخریین (۴) حیعلتین اولیین (۵) حیعلتین اخریین (۶) اقامتین (۷) تکبیرتین وتوحید یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ [5]۔ اور اذان کے خلاف اس میں یہ حکم حدر اس بنا پر ہے کہ اذان کا مقصود تو دعوت و اعلام وتنبیہ واحضار، اظہار شعار اسلام وعظمت دین ہے۔ پس اس میں تو ہر جملہ کو مستقلاً ومفرداً بطور تقریر ہی کے ادا کرنا موزوں ہے۔ مگر اقامت کا مقصد محض قیام صلاۃ کی خبر ہے نہ کہ احضار و دعوت اس لیے اس میں حدر ہی

---

۱) تقدم تخریجه تحت عنوان، (دلائل جزم کا جواب) ص ۶۱۲، جز نمبر ٤۔

۲) تقدم تخریجه تحت عنوان، دلائل جزم کا جواب ص ۶۱۳، جز نمبر ۲۔

۳) کما فی حاشیة طحطاوی: وهو مخیر فی ما قبلها بین الضم والفتح ...... اذ لا یتعین الفتح فی ذلك کما لا یخفی، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج۱ ص ۱۹۵ و طبع دار الکتب العلمیة، باقی اوپر والا حاشیه ملاحظه فرمائیں۔

٤) مشکوة المصابیح و باب الأذان، الفصل الثانی، ج ۱ ص ٦٣، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

٥) کما فی الشامیة: فأبد الترسل بالحدر، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج۱، ص ۳۸۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی) کما فی مجمع الانهر، اویحدر فیها، ای یسرع الاقامة: (کتاب الصلوٰة، باب الاذان، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع مکتبه غفاریه کوئٹه۔

ومثله فی تبیین الحقائق: کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲٤۳، طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

مناسب ہے۔(طحطاوی ص ۱۱۵)[1] اب رہا آخری حروف کے اعراب کا مسئلہ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا سات موقعوں میں سے ہر ایک کے دوسرے کلمہ پر تو وقف حقیقی ہے۔ جو انقطاع صوت و نفس مع ترک الحرکۃ و ابدال التاء بالہاء کے ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث موقوف میں و الاقامۃ جزم وارد ہوا ہے[2] رہا یہ ٹکڑہ کا پہلا حکم۔ مثلاً شروع کی چار تکبیروں میں سے دوسری کا اخیر۔ اور شہادتین اولیین میں سے پہلی شہادت کا اخیر وغیرہ وغیرہ۔ سو ان کے بارے میں فقہاء کا ظاہر کلام یہی ہے کہ ان کے اخیر حرف پر منوی و حکمی وقف ہے۔ جو انقطاع نفس کے بغیر ہے۔ یعنی الله اکبر الله اکبر (وقف حکمی) الله اکبر. اشهد ان لا اله الا الله (وقف حکمی) اشهد ان لا اله الا الله۔ حی علی الصلوة (وقف حکمی) حی علی الصلوة وغیر ذلک[3]۔ چنانچہ طحطاوی ص ۱۰۵ میں ہے۔ (وینوی الوقف فی الاقامة) لانه لم یقف حقیقةً لان المطلوب فیها الحدر ...... (یعنی اقامت کے پہلے پہلے کلمات پر وقف منوی کرے کیونکہ اس میں حدر و سرعت کے مقصود ہونے کے سبب حقیقی وقف نہیں ہے) اور اس سے کچھ سطور پہلے یہ عبارت ہے۔ ویسکن کلمات الاذان و الاقامة[4]۔ اور فتاوی عالمگیری ج ا ص ۵۴ میں ہے۔ ویسکن کلماتها علی الوقف لکن فی الاذان حقیقة وفی الاقامة ینوی الوقف. كذا فی التبیین[5] (یعنی اذان و اقامت دونوں کے کلمات کو ساکن پڑھے لیکن اذان میں حقیقۃً (مع انقطاع النفس) اور اقامت میں نیۃً (وحکما بلاتنفس) اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان و اقامت میں فرق کیوں ہے کہ اذان میں تو دو تکبیروں کے درمیان وقف منوی و حکمی جائز نہیں لکھا گیا بلکہ اس میں بحالت وصل۔ جزم و سکون کے بغیر اعرابی ضمہ کو راجح و ظاہر قرار دیا ہے

---

۱) حاشیه طحطاوی،ذکر الأذان الذی هو أعلام بدخولها وفی حاشیته لانه ذکر معظم کالخطبة، کتاب الصلوة، باب الأذان، ص ۱۹۱ تا ۲۰۰، طبع دار الكتب العلمية بيروت، لبنان۔
وأيضاً بحر الرائق: ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشيديه كوئته۔
ومثله فی الشامية: كتاب الصلوة، باب الأذان ۱ ص ۳۸۳، طبع ايج ايم سعيد كراچی۔

۲) مشكوة المصابيح: يعنی علی الوقف لكن فی الأذان حقيقة وفی الإقامة ينوی الوقف ...... وروی ذلك عن النخعی موقوفاً عليه ...... الاذان جزم" كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ايج ايم سعيد كراچی۔
ومثله فی البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشيديه كوئته۔

۳) كما فی البحر الرائق: ويسكن كلمات الأذان والإقامة ...... وفی الإقامة ينوی الوقف، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٨، طبع رشيديه كوئته۔

٤) حاشية طحطاوی و كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۹۳ تا ۱۹٤، طبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

٥) هندية: كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثانی، ج ۱ ص ٥٦، طبع علوم اسلاميه چمن۔

اور اقامت میں دو کلمات کے مابین وقف منوی جائز قرار دیا ہے حالانکہ اصلی اعراب کی مخالفت اور قرآنی قواعد کی خلاف ورزی اس میں بھی ہے۔ کیونکہ منوی وقف انقطاع سانس کے بغیر ہوگا۔ حالانکہ وقف میں قطع صوت و نفس ضروری ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ: اولاً: تو یہ فرق خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ان میں اذان کی دو تکبیروں کے درمیان تو نیت وقف کے خلاف تصریح موجود ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً پہلے درج ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی [1]) اور اقامت کے ہر دو کلمات کے درمیان نیت وقف کی تصریح موجود ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ ثانیاً، وصل بنیت وقف بھی قراءت واداء کا ایک مستقل قاعدہ ہے جو حسب مقام و نقل جاری ہوتا ہے اور اس میں انقطاع نفس نہیں ہوتا۔ پس قواعد قرآنیہ کی مخالفت لازم نہ آئی۔ ثالثاً: اگر قرآنی قواعد کی مخالفت تسلیم بھی کر لیں تو غیر قرآن میں اس کا تحمل ہو سکتا ہے [2]۔ فقط واللہ اعلم۔

اللہ اکبر کی راء پر ضمہ پڑھنا
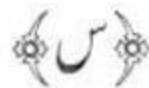
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے تو راء کو الف لام میں وصل کرتے ہوئے راء پر ضمہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر صورت جواز کیا ہے مسئلہ مبرہن ہونا چاہیے۔

﴿ج﴾

اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے تو اکبر کی راء میں سکون، ضمہ، فتحہ تینوں جائز ہیں۔ لیکن سکون اولیٰ ہے۔ اس کے بعد ضمہ کا پھر فتحہ کا درجہ ہے اور سکون کی اولیت کی وجہ یہ ہے کہ اذان کے کلمات کے آخری حروف میں وقف ماثور و منقول ہے اور ترمذی شریف میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے موقوفاً مروی ہے۔ الاذان جزم اور صحیح یہ ہے کہ یہ نخعیؒ کا قول موقوف ہے مرفوع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شامی) [3] اور عمدۃ القاری میں ابو العباس مبرد سے منقول ہے کہ اذان میں وقف بلا اعراب مسموع ہے اور ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے روضۃ العلماء سے نقل کیا ہے کہ بقول ابن انباری رحمہ اللہ عوام الناس اکبر میں راء کو ضمہ دیتے ہیں اور مبرد کہتے تھے کہ

---

۱) شامية: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير ...... لكن في الأذان حقيقة، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ۳۸٦، طبع سعيد كراچی۔

۲) شامية وفي الإقامة ينوي الوقف، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔ ومثله في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤۸، طبع رشيديه كوئٹه۔

۳) شامية: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸٦، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف سنی گئی ہے اور اکبر کی راء میں وصل کی رو سے اسکان ہے۔ پھر لفظ اللہ کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ جیسا الم اللہ میں ہے۔ اور مغنی میں ہے کہ راء کی حرکت فتحہ ہے گو اس میں اصل بنیت وقف ہی کیا جائے۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبرد سے جو راء کا فتحہ ماثور ہے وہ پہلی تکبیر کے بارہ میں ہے۔ رہی دوسری تکبیر سو اس پر وقف ہے۔ اور اس سے مبرد کے دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے لیکن روایت سے فتحہ راء کی تائید ہوئی اور ابن العابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام بیان (راء کے اسکان اصلی اور فتحہ والاقول) ظاہر سے خارج ہے اور صواب یہ ہے کہ راء کی حرکت ضمہ اعرابیہ ہے لیکن سماع کی رو سے کلمات اذان موقوف ہیں [1]۔ ملخصاً (ہذا کلہ ماخوذ من معارف السنن شرح سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷) [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ھو المصوب﴾

اللہ اکبر اول کی راء کو ساکن کرے یا مفتوح اور اللہ اکبر ثانی کو ساکن کرے۔ **کما فی الشامی وحاصلها ان السنة ان يسكن الراء من الله اكبر الاول اويصلها بالله اكبر الثانية فان سكنها كفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف على اكبر الاول صيره كالساكن اصالة فحرك بالفتح. الخ شامی ج ا ص ۲۸۴. عن رسالة السيد عبدالغنی** [3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان میں غلطی کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اذان میں لحن جلی کرتا ہے۔ یعنی ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف ادا کرتا ہے۔ مثلاً حی علی الصلوۃ کے بجائے ھی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے بجائے ھی علی الفلاح کہتا ہے۔ تلاوت قرآن میں بھی کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور محلّہ کے چند لوگ اس غلط خواں شخص کو مؤذن بنانا چاہتے ہیں۔ یعنی اس آدمی کے حق میں اس کے ساتھ مل کر لوگوں سے ہمیشہ جھگڑا فساد کرتے ہیں۔

---

۱) كما فی الشامية: فائدة فی روضة العلماء قال ابن الأنباری الخ كتاب الصلوة، باب الاذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع سعيد كراچی۔

۲) معارف السنن، باب كيفية الأذان، ج ۲ ص ۱۷۶ تا ۱۷۷، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی۔

۳) شامية كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۶، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس غلط خواں آدمی کو مسجد کا مؤذن مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اذان میں اس قسم کی غلطیوں سے جملہ کے معنی میں تغیر و تبدل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۶ میں مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔ مہربانی فرما کر فیصلہ کن جواب دے کر اس محلہ سے جھگڑا اور فساد کو دور کریں۔

﴿ج﴾

غلط خواں آدمی کو مؤذن مقرر نہ کیا جائے صحیح خواں کو ہی مؤذن مقرر کیا جانا چاہیے۔ لحن اذان میں مکروہ ہے۔ کما قال فی الدر المختار مع شرحہ ردالمحتار ص ۲۸۳، ۲۸۴ (باب الاذان) (ولالحن فیہ) ای تغنی بغیر کلماتہ فانہ لایحل فعلہ و سماعہ کالتغنی بالقرآن وبلاتغییر حسن و قیل لاباس بہ فی الحیعلتین [1]۔ فتاویٰ رشیدیہ کے ص ۲۵۶ پر مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ درست ہے [2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد کسی اور طریقہ سے اطلاع کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر محلہ کی مسجد کی اذان اہل محلہ نہیں سن سکتے جس کی وجہ سے نمازیوں کو بہت وقت ہوتی ہے تو اگر اذان سے قبل یا بعد کوئی گھنٹی وغیرہ بجادی جائے تو یہ گھنٹی بجانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

گھنٹی بجانے کی تجویز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی پیش ہوئی تھی۔ لیکن نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی بناء پر اسے رد کر دیا گیا تھا اور نماز کو بلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اذان نازل فرمائی۔ جس پر آج تک عمل

---

۱) کما قال فی الدر المختار: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
کـمـا فی بحر الرائق: باب الأذان سن للفرائض بلا ترجیع وفی حاشیتہ (ولحن) الی لیس فیہ لحن ای تلحین، باب الأذان، ص ۴۴۲ تا ۴۴۵ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
کـمـا فی مجمع الأنہر: یکرہ التلحین، والمراد بہ التطریب الخ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۵، طبع غفاریہ کوئٹہ۔

۲) تالیفات رشیدیہ و کتاب الأذان، أذان واقامت کا بیان، ج ۱ ص ۲۵۹، طبع ادارہ اسلامیات لاھور۔

ہو رہا ہے۔اس لیے اگر اذان سننے میں نہیں آتی تو کسی بلند آواز والے مؤذن کا تقرر کیا جائے۔بہرحال گھنٹی بجانا سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور نادرست ہے۔عن انس رضی اللہ عنہ قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاری فامر بلالا ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة قال اسمٰعیل فذکرته لایوب فقال الا الاقامة متفق علیه مشکوۃ ص ۶۲[1]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد نماز کے لیے دوبارہ اطلاع دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ صبح کی نماز کے لیے اذان کے بعد تھویب جائز ہے یا نہیں۔نماز کے لیے کہنا کہ نماز میں دس منٹ رہتے ہیں یا یہ کہ نماز نیند سے بہتر ہے یا اسی طرح کے کوئی اور الفاظ اور باقی نمازوں کے لیے تھویب کا کیا حکم ہے۔بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

یہ تھویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر بدعت کا اطلاق کیا گیا ہے۔اور بعض فقہاء نے اس کو جائز فرمایا ہے۔اور امام ابویوسف رحمہ اللہ خاص کر قاضی و مفتی وغیرہ کے لیے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے۔پس احوط ترک ہے[2]۔فتاوی دار العلوم ج ۲ ص ۹۰۔

اذان اور اقامت کے درمیان لوگوں کو نماز کے لیے بلانا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس امر کے بارے میں کہ اذان اور جماعت کے درمیان

---

۱) مشکوۃ المصابیح: باب الأذان الفصل الاول، ج ۱ ص ۶۳، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
ومثله فی المسلم، کتاب الصلوة، باب بدأ الاذان، ج ۱ ۱۶۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔
ومثله فی البخاری، کتاب الأذان، باب بدأ الاذان، ج ۱ ص ۸۵، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) کما فی مجمع الانهر: واستحسن المتاخرون التثویب فی کل صلوة، هو الأعلام بعد الإعلام ...... قال أصحابنا المتقدمون انه مکروه فی غیر الفجر ...... لکن جوزه أبویوسف فی حق أمراء زمانه ...... ولا کذلك أمراء زماننا ...... الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۱۷، طبع غفاریه کوئته۔
کما فی معارف السنن، ولم یقل أبوحنیفة بالتثویب علی هذا الوجه الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ص ۲۰۴، طبع ایچ ایم سعید۔
کما فی القاضی خان، ویجوز تخصیص کل من کان مشغولاً بمصالح المسلمین بزیادة الإعلام، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج۱ ص ۷۹، طبع علوم اسلامیه چمن۔

خصوصاً جماعت سے چند منٹ پیشتر کوئی آواز مائیکروفون کے ذریعہ سے لوگوں تک اس نظریہ سے پہنچانا کہ جماعت تیار ہے از روئے شریعت جائز ہے یا نہ؟ جب کہ اذان ہی لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کا قانون شریعت نے نافذ کیا ہوا ہے۔

محمد اصغر صابری

﴿ج﴾

اذان ہی نماز کے اعلان کا شرعی طریقہ ہے اذان اور اقامت کے درمیان کسی اعلان کو تثویب کہتے ہیں۔ اور تثویب مکروہ ہے تثویب سے اذان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے حدیث شریف میں تثویب سے منع کیا گیا ہے۔ اور فقہاء نے اس کی تصریح کر دی ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں نماز جمعہ جلدی ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں دیر سے ہوتی ہے۔ جس مسجد میں نماز دیر سے ہوتی ہے۔ وہاں لوگ آ کر وضو کرتے ہیں سنت پڑھتے ہیں۔ اسی دوران اس مسجد میں اذان ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ جس مسجد میں نماز جمعہ جلدی ہوتی ہے وہاں چلے جاتے ہیں فرض پڑھ کر دوسری مسجد میں آ جاتے ہیں۔ اور بقایا سنتیں ادا کر کے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا یہ طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں یا اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں۔ ان کے لیے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔

کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تم لوگ مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے تو نماز ادا کرنے سے پہلے کوئی مسجد سے باہر نہ نکلے[2]۔ اسی طرح ایک اور حدیث

---

۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان (اذان کے بعد نماز کے لیے دوبارہ اطلاع دینا) صفحہ هذا، ٦١٧، جز نمبر ١۔

۲) معارف السنن ...... ان لا يخرج احد من المسجد بعد الأذان، الا من عذر، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۲ ص ۲۲۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

جس کو حضرت ابوالشعثاء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں اس میں ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی اذان کے بعد مسجد سے نکلا: تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (۱)۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو پھر مسجد سے بلاضرورت نکلے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ بھی منافق ہے۔ ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد مسجد سے منافق نکلتا ہے (۲) دارالمختار وغیرہ کتب فقہ میں تصریحاً لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو جائے اور وہاں اذان سن لے یا اذان وہاں ہو چکی ہو تو اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر وہ شخص دوسری مسجد میں امام یا مؤذن ہو اس کے لیے نکلنا جائز ہے (۳)۔ واللہ اعلم۔

اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہوتا ہے۔ لوگ پہلی مسجد میں آ کر وضوء کرتے ہیں سنت پڑھتے ہیں اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لیے دوسری مسجد میں جہاں پون بجے نماز جمعہ ہوتا ہے چلے جاتے ہیں۔ دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آ جاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا یہ طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں یا اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں۔ ان کے لیے نماز ادا کرنے سے پہلے، بلاضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔ **لما فی الحدیث (۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلوۃ فلایخرج احدکم حتی یصلی** (۴) (رواہ احمد)

---

۱) معارف السنن، عن أبی الشعثاء رضی اللہ عنہ قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فیہ الخ، کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج ۲ ص ۲۲۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) کما فی ابن ماجۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۵۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) الدر المختار: کتاب الصلوۃ، باب ادراک الفریضۃ، مطلب کراھۃ الخروج من المسجد بعد الأذان، ج ۲ ص ۵۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۴) کما فی ابن ماجۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۵۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

(۲)وعن ابی الشعثاء رضی الله عنه قال خرج رجل من المسجد بعد ما اذن فیه فقال ابوهریرة اما هذا فقد عصی ابا القاسم صلی الله علیه وسلم (رواه مسلم) وعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وهولا یرید الرجعة فهو منافق (رواه ابن ماجة) مشکوة ج ا ص۹۷)[1]

وفی الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار باب ادراک الفریضة (وکره تحریما) للنهی (خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه الالمن ینتظم به امر جماعة اخری ولمن صلی الظهر والعشاء وحده مرة فلایکره خروجه بل ترکه للجماعة عندالشروع فی الاقامة فیکره لمخالفة الجماعة بلاعذر[2]، وفی الکنز ص۳٦ وکره خروجه من مسجد اذن فیه حتی یصلی وان صلی لا. الا فی الظهر والعشاء ان شرع فی الاقامة[3]. الخ. وفی فتح المعین، وکره خروجه. الخ. تحریما لقوله علیه السلام لایخرج من المسجد بعد النداء الامنافق اور جل یخرج لحاجة یرید الرجوع و قوله اذن فیه ای علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیه اولا ولافرق بین ماأذن وهو فیه او دخل بعد الاذان، وقالوا اذا کان ینتظم به امر جماعة بان کان مؤذنا او اماماً فی مسجد آخر تتفرق الجماعة لغیبته یخرج بعد النداء لانه ترک صورة تکمیل معنی)[4] وفی النهایة. اذا خرج یصلی فی مسجد حیة مع الجماعة فلاباس به مطلقاً من غیر قید بالامام والمؤذن فلا یخفی مافیه اذ خروجه مکروه تحریما والصلوة فی مسجد حیة مندوبة. فلایرتکب المکروه لاجل المندوب بخلاف الخروج لحاجة اذا کان علی عزم العودلانه مستثنی بنص الحدیث[5]. الخ"

ان احادیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں ان لوگوں کے لیے پہلی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (البتہ اگر ان لوگوں میں کوئی دوسری مسجد کا مؤذن یا امام ہو جو وہاں جا کر جمعہ قائم کرتا ہو ان کے لیے نکلنا جائز ہے) لہٰذا یہ لوگ پہلی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں کہ اس مسجد کا ان پر حق

---

۱) مشکوة المصابیح، باب الجماعة وفضلها الفصل الثالث، ص ۹۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی

۲) الدر المختار: باب ادراك الفریضة، ج ۲ ص ٥٤-٥٥، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) کنزالدقائق: باب ادراك الفریضة، ص ۳٦، طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹه۔

٤) کما فی فتح العین۔

٥) کما فی النهایة

ہے اور ثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔ افضل المساجد مکة ثم المدینة ثم القدس ثم قباثم الاعظم ثم الاقرب (درالمختار مع شرحه ردالمحتار)[1] واللہ تعالیٰ اعلم

موذن کا اذان کہہ کر جماعت سے پہلے مسجد سے نکل جانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) زید عرصہ تقریباً ۱۸-۱۹ سال سے متواتر صبح کی نماز کا مؤذن چلا آ رہا ہے۔ اب چونکہ عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے موجودہ امام اور زید مؤذن کے عقیدہ میں اختلاف ہے۔ جس کے باعث زید (مؤذن) اکیلے نماز پڑھ کر جماعت ہونے سے پہلے فارغ ہو کر چلا جاتا ہے۔ ڈیڑھ سال کے بعد امام مسجد اور دیگر چند آدمیوں نے زید کو اذان کہنے سے منع کر دیا ہے۔ اعتراض یہ ٹھہرایا ہے کہ بوقت نماز جماعت مؤذن کو تکبیر کہنی پڑتی ہے۔ اگر دوسرا آدمی تکبیر کہے تو مؤذن سے اجازت حاصل کرے۔ زید تو اذان کہہ کر نماز اکیلے پڑھ کر چلا جاتا ہے، نہ تو بوقت نماز تکبیر کہتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی اجازت حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے اسے اذان کہنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ زید ۱۸-۱۹ سال سے متواتر مؤذن چلا آ رہا ہے اور اب اسے اس ثواب سے محروم کر دیا جائے۔ اگر مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا آدمی تکبیر کہہ دے تو نماز جماعت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) اذان کے بعد نماز فرض ادا کرنے سے پیشتر مسجد سے باہر اپنے کسی ذاتی کاروبار کی خاطر یا کسی کو گھر سے نماز پڑھنے کی خاطر بلانے کے لیے جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

(۳) مسجد کے اندر اذان کہنا درست ہے۔ جس طرح کہ آج کل لاؤڈ سپیکر پر مسجد کے اندر محراب کے ساتھ ہی اذان کہنے کا رواج ہے۔ بعض کتابوں میں پڑھا گیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر صحن کے ایک کونے پر ممبر بنا ہوا اس پر اذان کہی جاوے ہاں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازہ میں امام کے سامنے کہہ دی جاوے تو درست ہے اس کے متعلق بھی روشنی ڈالیں۔ ضروری ہے۔

﴿ج﴾

(۱) امام اور مؤذن کے عقائد واضح لکھ کر جواب حاصل کریں۔

---

۱) الدر المختار: باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، ج ۱ ص ۶۵۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

(۲) یہ اچھا نہیں الابضرورت کبھی ایسا ہو تو مضائقہ نہیں ہے[۱]۔

(۳) سوائے خطبہ کی اذان کے باقی پنجگانہ نمازوں کے لیے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے۔ اور مسجد سے خارج بہتر ہے۔ اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے[۲]۔ چنانچہ خطبہ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش ممبر ہونا اس کی کافی دلیل ہے[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلط عقائد رکھنے والے کی اذان کا حکم

﴿س﴾

ایک آدمی جو کہ احمدی جماعت کا تھا وہ مرگیا اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ میری قبر پر

---

۱) كـذا فـي در المختار: وكره تحريماً للنهي خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه الا لمن ينتظم به أمر جـمـاعة أخـرى او كـان الـخـروج لـمسجد حيه ولم يصلوا فيه او لاستاذه لدرسه او لسماع الوعظ أو لحاجة ومن عزمه أن يعود، كتاب الصلوة، باب ادراك الفريضة، ج ٣ ص ٥٤، سعيدى۔
وكـذا فـي حـاشية الـطـحطاوى على مراقي الفلاح، كره خروجه من مسجد أذن فيه أو في غيره حتى يـصـلـي لـقـوله صلى الله عليه وسلم لا يخرج من المسجد بعد النداء الا منافق، او رجل يخرج لحاجة يـريد الرجوع الا اذا كان مقيم جماعة أخر الخ، كتاب الصلوة باب ادراك الفريضة، ص ٤٥٧، قديمي كتب خانه كراچى۔ وهـكـذا فـي الـنهر الفائق: كتاب الصلوة، باب الفريضة، ج ١ ص ٤٥١، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت۔

٢) كـذا في الدر المختار مع رد المحتار: وهو سنة للرجال في مكان عال، قوله في مكان عال، في القنية، ويـسـن الأذان فـي مـوضـع عـال والإقـامة عـلى الارض وفي السراج ينبغي للموذن ان يوذن في موضع يكون اسمع للجيران، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٣٧٤، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
وهـكذا في البدائع الصنائع: منها أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته لأن المقصود وهو الأعلام يحصل به ...... ولهـذا كـان الأفـضـل أن يـؤذن في موضع يكون اسمع للجيران كالمئذنة ونحوها كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، ج ١ ص ١٠٤٩، طبع رشيديه كوئته۔
وهـكـذا في فتاوى العالمكيرية: كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة، ج ١ ص ٥٥، مكتبه رشيديه كوئته۔

٣) وفـي در الـمـخـتـار مع ردالمحتار: ويؤذن ثانياً بين يديه، أى الخطيب، (قوله ويؤذن ثانياً بين يديه) أى عـلـى سبيل السنية كما يظهر من كلامهم رملى، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ج ٢ ص ١٦١، مكتبه ايچ ايم سعيد كراچى۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة، ج ٢ ص ٢٧٤، مكتبه رشيديه كوئته۔
وكـذا فـي السعاية: أى أذان لا يستحب رفع الصوت فيه قلت هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذى يكون بيـن يـدى الـخطيب لأنه كالإقامة لأعلام الحاضرين صرح به جماعة من الفقهاء، ج ٢ ص ٣٨، باب الأذان المقام الثاني في ذكر أحوال الموذن طبع سهيل اكيدمى لاهور۔

دو رکعت نفل پڑھیں اور مغفرت کی دعا مانگیں اسی کا ماموں اہل سنت والجماعت کا تھا۔ اس نے قبرستان جا کر اس کی قبر پر نفل ادا کی اور دعا مانگی اس مرزائی کے لیے جب پھر واپس آیا تو مولوی صاحب نے ان کو کہا کہ تمہارا عقیدہ ٹھیک نہیں مرزائی تو کافر ہیں۔ کافر کے لیے دعا مغفرت مانگنا ٹھیک نہیں بالکل گناہ ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ کلمہ پڑھنے والوں کو کافر نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ مرزائی ہے، اس پر مولوی صاحب نے ان کو اذان اور تکبیر پڑھنے سے روکا آئندہ اذان اور تکبیر ہماری مسجد میں نہ پڑھا کریں۔ جب تک تم اپنا عقیدہ ٹھیک نہ کرو، اور توبہ نہ کرو۔ تب تک تم اہل سنت کی مسجد میں نہ اذان نہ تکبیر پڑھا کرو۔ اس کے متعلق آپ فتویٰ دیں کہ اس آدمی کو اہل سنت کی مسجد میں اذان وتکبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

مرزائی چونکہ باتفاق جمیع علماء اسلام کافر ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں[1]۔ جو شخص ان کو اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے مسلمان سمجھتا ہے تو اگرچہ ان کے معتقدات کو اچھا نہیں سمجھتا تب بھی بہت بڑا گناہ گار بنتا ہے[2]۔ جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے۔ اسے اذان وتکبیر نہ کہنے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو مسجد کا مؤذن بنایا جاتا ہے مگر اس وقت معلوم نہیں تھا کہ شخص مذکور درج ذیل عقائد کا حامل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر، عالم الغیب، مختار کل اور خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، سمجھتا ہے۔ نیز بدعات مروجہ (قیام بعقیدہ حاضر و ناظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ تعظیمی کا جواز، گیارھویں مروجہ اہل بدعت، انگوٹھا چومنا، اذان سے قبل صلوۃ وسلام کہنا وغیرہ کا نہ صرف معتقد ہے بلکہ ان پر

---

۱) وفي تفسير ابن كثير: قال الله تعالى: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وقد أخبر تعالى في كتابه: ورسوله في السنة المتواترة عنه، أنه لا نبي بعده ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعد فهو افاك دجال ضال مضل الخ، پارہ نمبر ۲۲، سورۃ الاحزاب (۳۳) آیت نمبر ۴۰، ج ۵ ص ۱۸۸، قدیمی کتب خانہ۔

وهكذا في العقيدة الطحاوية: ص ۱۲۵، دار ابن حزم بيروت۔

۲) وفي مشكوة المصابيح: ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدرون على أن يغيروا، ثم لا يغيرون الا يوشك أن يعمهم الله بعقاب الخ باب الأمر بالمعروف، ج ۲ ص ۴۳۶-۴۳۷، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

عمل کرنے کے ساتھ ایسے عقائد وخیالات نہ رکھنے والے کو ناپسند اور قابل نفرت سمجھتا ہے اور مذکورہ عقائد اور اعمال پر اتنا مصر ہے کہ باوجود بطریق احسن افہام وتفہیم کے کہتا ہے کہ میں مسجد تو چھوڑ سکتا ہوں مگر اپنے عقائد اور اعمال نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر مسجد کا کام صفائی وحفاظت خوب کرتا ہے۔

(۲) شخص مذکور کو مسجد کا مؤذن بناتے وقت ایک مخلص متولی نے اس سے وعدہ کیا کہ میں تم کو مسجد سے علیحدہ نہیں کروں گا۔ مگر یہ وعدہ اس وقت کیا تھا۔ جبکہ شخص مذکور کے عقائد واعمال کا قطعاً کوئی علم نہیں تھا۔ اندریں صورت درج ذیل امور کا استفسار ضروری ہے، بحوالہ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) شخص مذکور کو اذان واقامت جیسے مقدس فریضے پر قائم رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ اذان واقامت شعائر اسلام میں سے ہے۔ (۲) کیا فریضہ اذان واقامت کے ادا کرنے سے توقیر وتکریم مبتدع تو لازم نہیں آتی جسے صراحۃً حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے بلکہ اسے ہدم اسلام قرار دیا ہے۔ کیا یہ **المؤذن مؤتمن** کے خلاف تو نہیں۔ کیا اس مؤذن کو اس فریضہ سے علیحدہ کرنے کی صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کا ارتکاب تو نہیں لازم آتا۔ کیا مسجد کی آمدنی سے ایسے شخص کو تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(ج)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایسے گندے عقائد رکھنے والے فاسق متبدع کو اذان واقامت جیسی اہم دینی خدمت پر برقرار رکھنا ناجائز ہے۔ ایسے شخص کی اذان مکروہ ہے، سنت کے خلاف ہے[1]۔ اذان دینا کسی متقی صالح عالم بالاوقات شخص کے سپرد کرنا مسنون ہے۔ **کما قال فی البدائع فی عداد صفات المؤذن ج ۱ ص ۱۵۰ (ومنها) ان یکون تقیالقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الامام ضامن والمؤذن مؤتمن والامانۃ لایؤدیھا الاتقی و (منھا) ان یکون عالماً بالسنۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمکم اکرمکم ویؤذن لکم خیارکم و خیار الناس العلماء لان مراعاۃ سنن الاذان لایتاتی الامن العالم بھا**[2]۔ الخ۔

---

۱) كـمـا فـى العالمكيرية: ويكره اذان الفاسق الخ كتاب الصلوة، الباب الثانى فى الأذان الفصل الأول فى صفته واحوال المؤذن، ج ۱ ص ٥٤، طبع رشيديه كوئته۔
وهـكـذا فى الدر المختار: ويكره اذان جنب واقامته ...... وأذان امرأة وخنثى وفاسق الخ كتاب الصلوة، باب الأذان ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ايچ ايم سعيد كراچى۔
وهكذا فى حاشية الطحطاوى ويكره أذان الجنب ...... وأذان فاسق لأن خبره لا يقبل فى الديانات الخ، كتاب الصلوة، باب الاذان، ص ۲۰۰ طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

۲) بدائع الصنائع: كتاب الصلوة فصل واما بيان سنن الأذان، ج ۱ ص ۱۵۰، طبع رشيديه۔
وهـكـذا فـى البـحـر الرائق: فإن يكون رجلاً عاقلاً ثقة عالماً بالسنة ...... وصرحوا بكراهة أذان الفاسق من غير تقيد الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٢، طبع رشيديه كوئته۔
وهـكـذا فـى الـعـالـمكيرية: وينبغى ان يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٥٣، طبع رشيديه كوئته۔

ایسے مؤذن کو باوجود وعدہ کے اس ضرورت کی خاطر اس عہدہ سے علیحدہ کر سکتے ہیں(۱)۔ ویسے بمقابلہ خدمت مسجد از قسم صفائی وغیرہ اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دی جا سکتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذانِ ثانی کا حکم

﴿س﴾

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق علماء دین کیا فرماتے ہیں:

(۱) ایک مسجد میں امام متعین ہو اذان اور جماعت با قاعدہ وقت پر ہوتی ہے جس وقت جماعت ہو رہی ہو چند آدمی اسی وقت اسی مسجد میں اذان ثانی کہہ کر سابقہ جماعت کے ہوتے ہوئے ایک طرف علیحدہ نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا یہ دوسری اذان اور نماز علیحدہ پڑھنا جائز ہے۔

بندہ ناچیز رحمت علی راجپوت چک ۱۳۰/ ۱۵۷ میاں چنوں

﴿ج﴾

جائز نہیں ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) لما في در المختار: الباني للمسجد لولى من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار الخ، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٤٣٠، طبع ايم ايم سعيد كراچي۔
وأيضاً فيه ولاية الأذان والإقامة لباني المسجد مطلقاً وكذا الإمامة لوعدلا الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٤٠٠، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وهكذا في الشامية: وفي الأشباه ولد الباني وعشيرته اولى من غيرهم وسيجيء في الوقف أن القوم اذا عينوا مؤذناً و اماماً وكان أصلح مما نصبه الباني فهو أولى الخ كتاب الصلوة مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد ج ١ ص ٤٠٠، ايچ ايم سعيد كراچي۔

٢) كذا في در المختار: ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط، كذلك الى آخر المصالح الخ، كتاب الوقف، ج ٤ ص ٣٦٦، ايچ ايم سعيد۔
وهكذا في الهندية: كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، ج ٢ ص ٣٦٨، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في البحر الرائق: ولو وقف على مصالح المسجد يجوز دفع غلته الى الإمام والمؤذن والقيم الخ، كتاب الوقف ج ٥ ص ٣٥٤، طبع رشيديه كوئته۔

٣) وفي الدر المختار: ويكره تكرار الجماعة بأذان واقامة في مسجد محلة الخ كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ١ ص ٥٥٢، طبع ايچ ايم سعيد۔
وهكذا في الفتاوى العالمكيرية: المسجد اذا كان له امام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه باذان ثان، كتاب الصلوة الباب الخامس في الإمامة، ج ١ ص ٨٣، طبع رشيديه كوئته۔

دوسری جماعت کے لیے تکبیر

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) ایک جامع مسجد میں جماعت کی نماز ہو جائے کیا دوبارہ بمع تکبیر جماعت کرانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک مسجد میں وقت پر اذان ہو جائے امام اگر حکم دے کہ پھر اذان پڑھو۔ اور مجھے اختیار ہے کہ میں دو تین مرتبہ پڑھوا سکتا ہوں کیا اس مسجد کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) کیا ایک سید امام مسجد کو زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں وہ فرماتے ہیں کہ غریب کے لیے جائز ہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم (۱) وہ جامع مسجد جس میں محلّہ والے باجماعت نماز ادا کرلیں۔ اس میں دوبارہ باجماعت نماز ادا کرنا مکروہ ہے ہاں اگر راستے پر کوئی مسجد ہے جس کا کوئی محلّہ نہیں ہے یا ایسی مسجد جس کا کوئی مؤذن نہیں تو اس میں تکرار جماعت جائز ہے۔ کما قال فی الدرالمختار مع شرحہ ردالمحتار ج ۱ ص ۴۰۸ ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ و لا مؤذن[۱]۔

(۲) اذان میں تکرار سوائے جمعہ چونکہ ثابت نہیں اس لیے جب ایک دفعہ ایک نماز کے لیے اذان وقت کے اندر شرائط کے مطابق دی جائے تو دوبارہ نہ کہی جائے لیکن اس کے باوجود بھی دوبارہ کہلانے والے کے پیچھے نماز درست ہے۔ کما قال فی الدرالمختار مع شرحہ ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸۹ (ویعاد اذان جنب) ندبا و قیل وجوبالا اقامتہ) لمشروعیۃ تکرارہ فی الجمعۃ دون تکرارھا[۲]۔

---

۱) الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ص ۵۵۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وھکذا فی العالمکیریۃ: کتاب الصلوۃ، باب الخامس فی الإمامۃ، ج ۱ ص ۸۳، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) الدر المختار، کتاب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وھکذا فی التاتارخانیۃ: یعاد أذان الجنب ولایعاد اقامتہ لان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ الخ، کتاب الصلوۃ فی اذان المحدث والجنب وبیان من یکرہ اذانہ ومن لایکرہ، ج ۱ ص ۵۱۹، طبع ادارۃ القرآن کراچی۔
ھکذا فی تبیین الحقائق: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۴۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

(۳) سید ہاشمی کے لیے اگر چہ غریب ہو زکوٰۃ وصول کرنا نادرست ہے۔ایک ضعیف قول کے مطابق ہاشمی غریب کے لیے بوجہ نہ ملنے خمس کے زکوٰۃ لینا درست ہے[1]۔لہٰذا امام موصوف اگر اس قول کے مطابق زکوٰۃ لینے کو درست قرار دیتا ہے تو اگر چہ یہ مسئلہ غلط ہے لیکن اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے[2] اگر مقتدیوں کو یہ امام ناپسند ہو تو اس کو امامت سے ہٹا سکتے ہیں[3]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو دیندار و ایمان دار ہے اور روزانہ صبح ایک جامع مسجد میں اذان دیتا ہے اور اسی ہی وقت میں ایک اور مسجد میں جو کہ نہ تو جامع مسجد ہے نہ ہی اس میں جماعت وغیرہ ہوتی ہے۔ایسے ایک آدھ آدمی گاہے گاہے نماز پڑھ لیتا ہے۔یعنی دونوں مسجدوں میں بیک وقت اذان دیتا ہے مگر نماز باجماعت وہ اسی جامع مسجد میں پڑھ لیتا ہے، جس میں اول اذان دیتا ہے۔کیا ایک ہی وقت میں دونوں مسجدوں میں ایک ہی شخص روزمرہ بلاناغہ اذان دے سکتا ہے۔

﴿ج﴾

دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان دینا مکروہ ہے۔(**فی الدر المختار باب الاذان) یکرہ لہ ان یؤذن فی مسجدین و فی ردالمحتار. لانہ اذا صلی فی المسجد الاول یکون متنفلابالاذان**

---

۱) هكذا فی فتح القدير، ولا يدفع الى بنى هاشم هذا ظاهر الرواية وروى ابوعصمة عن ابى حنيفةؒ انه يجوز فی هذا الزمان الخ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز، ج ۲ ص ۲۱۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

وهكذا فی الدر المختار ولا الى بنى هاشم ...... ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العينى والهاشمى يجوز له دفع زكاته لمثله صوابه لا يجوز الخ، كتاب الزكاة باب المصرف، ج ۲ ص ۳۵۰، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

وهكذا فی الهداية باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز ج ۱ ص ۲۲۳، طبع رحمانيه لاهور۔

۲) وفی بدائع الصنائع: واما بيان من يصلح للإمامة فی الجملة فهو كل عاقل مسلم ...... كابن عمر وغيره والتابعون اقتدوا بالحجاج فی صلوة الجمعة وغيرها مع أنه كان أفسق أهل زمانه ولأن جواز الصلاة متعلق باداء الاركان وهولاء قادرون عليها الا أن غيرهم أولى كتاب الصلوة فصل فی بيان من يصلح الإمامة، ج ۱ ص ۱۵۶، طبع رشيديه۔

وهكذا فی مجمع الأنهر: كتاب الصلاة، ج ۱ ص ۱۶۳، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔

۳) تقدم تخريجه تحت عنوان "غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا" ص ۶۲۲ جز نمبر ۳۔

فی المسجد الثانی والتنفل بالاذان غیر مشروع ولان الاذان للمکتوبة وهو فی المسجد الثانی یصلی النافلة فلاینبغی ان یدعو الناس الی المکتوبة وهو لا یساعدهم فیها ج۱ص۲۹۵[1]۔ الخ۔ لہٰذا یہ مؤذن ایک ہی وقت میں ایک مسجد میں اذان دے سکتا ہے دوسری مسجد میں اسی وقت میں نہیں دے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبل از وقت اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ابتداء رمضان میں وقت آغاز نماز عشاء حنفی کب سے ہوا۔ اور وقت مغرب کب تک تھا۔ اور اب کیا ہے۔ نیز وقت مغرب باعتبار گھڑی کے تقریباً کتنا ہے اور جو اذان قبل از وقت ہو اس کی جماعت صحیح ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اس سال شروع رمضان المبارک میں پونے نو بجے عشاء کا وقت ہوجاتا تھا۔ پس اگر پونے نو بجے جماعت کھڑی ہوئی ہے تو نماز صحیح ہوگئی ہے۔ اگرچہ اذان وقت سے پہلے ہوئی ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تہجد کے لیے اذان دینا

﴿س﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہماری بستی کے لوگ تہجد خواں تقریباً سو عدد نفر کے قریب ہیں اور پکے تہجد خواں ہیں۔ بستی کا وقوع ضلع ڈیرہ غازی خان تحصیل جام پور بستی نوشہرہ غربی کے نام سے موسوم ہے۔ ایک ماہ کی مدت ہوئی ہے کہ تہجد کے لیے اذان شروع کی گئی تو اس اذان پر کئی لوگوں نے اختلاف کیا۔ کسی نے کہا بدعت ہے۔ کیونکہ اس کا رواج عام نہیں ہے۔ اس لیے لوگوں کو یہ کام بہت شاق گزرا۔ اور طرح طرح کے فتوے لگائے۔ لہٰذا علمائے دین سے التماس ہے کہ اس مسئلہ کو بزور دلائل واضح فرمادیں۔ تاکہ تشفی ہو، اور لوگوں سے اختلاف دور ہوں۔

---

۱) الدر المختار مع رد المحتار: باب الأذان مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد، ج ۱ ص ٤٥٥، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) وفی الهندیة: ویکره اداء المکتوبة بالجماعة، فی المسجد بغیر اذان واقامة کذا فی فتاوی قاضی خان الخ، الباب الثانی فی الأذان الفصل الأول فی صفته وأحوال المؤذن، ج ۱ ص ٥٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وهکذا فی الخانیة: مسائل الأذان، ج ۱ ص ۷۸، طبع رشیدیه کوئٹه۔

الاذان شرعاً (الاعلام بوقت الصلوة بالفاظ مخصوصة)

بحرالرائق ج۱ص۲۵۵پر ہے۔ قوله سن للفرائض ای سن الاذان للصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى اطلق بعضهم عليه الوجوب الى قوله فخرج بالفرائض ماعداها فلا اذان للوتر ولا للعيد والجنائز ولا للكسوف والاستسقاء والتراويح والسنن الرواتب لانها اتباع للفرائض الى قوله بعد الاوراق الاربعة ولايؤذن قبل وقت و يعادفيه اى فى الوقت اذا اذن قبله لانه يرادللاعلام بالوقت فلايجوز قبله بلاخلاف فى غير الفجروعبربالكراهية فى فتح القدير والظاهر انها تحريمية و امافيه فجوزه ابويوسف ومالك والشافعى لحديث الصحيحين – ان بلالايوذن بليل فكلوا واشربوا حتى يوذن ابن ام مكتوم ووقته عندابى يوسف بعد ذهاب نصف الليل وهو الصحيح فى مذهب الشافعى كما نقله النووى فى شرح المهذب والسنة عنده ان يوذن للصبح مرتين احداهما قبل الفجرو والاخرى عقب طلوعه ولم اره لابى يوسف وعندابى حنيفة و محمد رحمة الله عليهم لايوذن فى الفجر قبله لما رواه البيهقى انه عليه الصلوة والسلام قال يا بلال لاتوذن حتى يطلع الفجر الى آخر بحث صاحب البحر[1]، ج ۱، ص ۲۶۲، و قال ابن همام فى فتح القدير قوله والحجة على الكل. الخ. رواه ابوداؤد عن شداد مولىٰ عياض بن عامر عن بلال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له لاتؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذا و مديده عرضا ولم يضعفه ابوداؤد وأعله البيهقى بان شداد لم يدرک بلالافهو منقطع وابن القطان بان شدادا مجهول ايضالايعرف بغير رواية جعفر بن يرقان عنه وروى البيهقى انه صلى الله عليه وسلم قال يا بلال لاتؤذن حتى يطلع الفجر قال فى الامام رجال اسناده ثقات و روى عبدالعزيز بن ابى داؤد عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما ان بلالا اذن قبل الفجر فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم و روى البيهقى عن ابن عمر رضى الله عنهما ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ما حملک على ذالک قال استقيظت انا وسنان فظننت ان الفجر قد طلع فامره النبى صلى الله عليه وسلم ان ينادى على نفسه الا ان العبد قد نام وروى ابن عبدالبر عن ابراهيم قال كانوا اذا اذن المؤذن بليل قالوا له اتق

---

۱) البحر الرائق: باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵۵ تا ص ۲۶۲، طبع المكتبة الماجدية كوئٹہ۔

الـلـه واعد اذانک وهذا يقتضی ان العادة الفاشيه عندهم انكار الاذان قبل الوقت فثبت ان اذانـه قبـل الـفـجـر قد وقع و انه صلى الله عليه وسلم غضـب عليه وامره بالنداء على نفسـه ونهـاه عـن مثلـه فـيـجب حمل مارو وه على احد الا مرين اما انه من جملة النداء عليه يعنی لاتـعـتـمـدوا على اذانه فانه يخطئی فيؤذن بليل تحريضاً له على الاحتراس عن مثله و اما ان الـمـراد بـالاذان التـسحير بناء على ان هذا انما كان في رمضان كما قاله في الامام فلذا قال فكلوا و اشربوا او التذكير الذى يسمى في هذا الزمان بالتسبيح ليوقظ النائم و يرجع القائم كـمـا قيـل ان الـصـحابة كانوا حزبين حزبا يتهجدون في النصف الاول وحزبافی الاخير و كـان الـفـاصـل عـنـدهـم اذان بـلال رضـی الله عنه وعليه ماروى عنه صلى الله عليه وسلم لايـمـنـعـنـكـم مـن سحور كم اذان بلال فانه يؤذن ليوقظ نائمكم ويرقد قائمكم و قدروى ابـو الشيخ عن وكيع عن سفيان عن ابی اسحاق عن الاسود عن عائشة رضى الله تعالى عنها قـالـت مـاكـان الـمـؤذن يـوذن حتـى يطلع الفجـر [1] ج ۱ ص ۲۲۱ وبـدائـع الـصـنـائـع ج ۱ ص ۱۵۵/۵۴ پ ہے۔ولابی حنيفة و محمد رحمهما الله ماروی شداد مولى عياض بن عـامـر ان الـنـبـی صـلـى الله عليه وسلم قال لبلال لاتؤذن حتی يستبين لک الفجر هكذا و مـديـده عـرضـا ولان الا ذان شرع للاعلام بدخول الوقت والاعلام بالدخول قبل الدخول كـذب و كـذا هـو مـن باب الخيانة في الامانة والمؤذن موتمن على لسان رسول الله صلى الـلـه عـلـيه وسلم ولهذا لايجوز في سائر الصلوات ولان الاذان قبل الفجر يؤدی الى الضرر بالناس لان ذالک وقت نومهم خصوصافى حق من تهجد في النصف الاول من الليل فربما يـلـتبس الامر عليهم وذالک مكروه وروی ان الحسن البصرى كان اذا سمع من يؤذن قبل طـلـوع الفجر قال علوج فراغ لايصلون الا في الوقت لوادركهم عمر لادبهم وبلال رضى الـله عنه ماكان يوذن بليل لصلوة الفجر بل لمعنى لماروى عن ابن مسعود رضى الله تعالى عـنـه عن النبی صلى الله عليه وسلم انه قال لايفعنكم من السحور اذان بلال فانه يؤذن بليل لـيـوقـظ نـائـمـكـم و يـرقدقائمكم ويـسـتـسـحر صـائمكم فعليكم باذان ابن ام مكتوم وكانت الـصـحـابة فـرقتيـن (مثل مامر في عبارة فتح القدير) والدليل على انه اذان بلال كان لهذه المعانی لا لصلوة الفجر ان ابن مكتوم يعيده ثانيا بعد طلوع الفجر [2]۔اذان شرعاً الفاظ مخصوصہ

---

۱) فتح القدير، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۲۱، طبع رشيديه كوئٹه۔

۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل وأما بيان وقت الأذان والإقامة، ج ۱ ص ۱۵۴-۱۵۵، طبع رشيديه كوئٹه۔

کے ساتھ نماز کے وقت کی خبر دینے کو کہتے ہیں اور صاحب بحر کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ اذان سنت موکدہ قویہ قریبہ من الواجب فرائض خمسہ اور جمعہ کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز کے لیے اذان مشروع نہیں ہے باتفاق الائمہ۔ البتہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوات خمسہ اور جمعہ میں کسی ایک کے لیے وقت سے پہلے اذان دینا جائز ہے؟ صبح کی نماز میں بوجہ حدیث بالا مشروع اور جائز ہے یا نہیں۔ تو اس میں ائمہ ثلاثہ مع عبداللہ بن المبارک وابی یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقط صبح کی نماز میں بوجہ حدیث بالا مذکور صحیحین کے اور چند روایات کے وقت سے پہلے اذان دینا جائز ہے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ اسی صبح صادق سے پہلے اذان پر صبح کی نماز کے لیے اکتفاء جائز سمجھتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اکتفاء جائز نہیں، بلکہ وہ صبح کی نماز کے لیے دو اذانیں مشروع سمجھتے ہیں۔ دوسری اذان کا صبح صادق کے بعد دینا ضروری سمجھتے ہیں (۱)۔ جیسے باقی نمازوں میں بحر کی عبارت سے واضح ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں اذانیں صبح کی نماز کے لیے سنت ہیں اور فتح الباری میں ہے کہ چونکہ صبح کی نماز وقت اول میں اندھیرے میں مستحب ہے اس لیے پہلی اذان سے مصلین نیند سے بیدار ہو کر غسل وغیرہ طہارت کر لیں گے۔ اور دوسری اذان کے بعد سنتوں کے ادا کرنے کے بعد جماعت وقت اول میں ادا ہوگی (۲) لیکن امام ابوحنیفہ وامام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی نماز کے لیے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لیے بھی اوقات کے دخول سے پہلے اذان دینا مشروع اور جائز نہیں۔ مذکورہ بالا روایات کی بنا پر (۱) روایت ابی داؤد جس پر ابوداؤد نے سکوت کیا اسے ضعیف نہیں کہا۔ (۲) **روایة البیهقی قال فی الامام رجال اسناده ثقات** (۳) **روایة عبدالعزیز بن ابی داؤد عن نافع عن ابن عمر اجمالا** (۴) **روایت البیهقی عنه تفصیلا** (۵) **روایت ابن عبدالبر عن ابراهیم** (۶) **روایت الاسود عن عائشة ماکان المؤذن یؤذن حتی یطلع الفجر** (۷) طحاوی میں روایت ہے۔ **نافع عن ابن عمر عن حفصة رضی الله تعالی عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اذن المؤذن بالفجر قام فصلی**

---

۱) وفی فتح الباری: باب الأذان قبل الفجر، أی ما حكمه هل یشرع أو لا؟ واذا شرع هل یكتفی به عن اعادة الأذان بعد الفجر أو لا؟ والی مشروعیته مطلقاً ذهب الجمهور وخالف الثوری وأبوحنیفة ومحمد والی الاكتفاء مطلقاً ذهب مالك والشافعی وأحمد وأصحابهم، وخالف ابن خزیمة وابن المنذر وطائفة من أهل الحدیث وقال به الغزالی فی الأحیاء الخ، كتاب الأذان باب الأذان قبل الفجر، ج ۲ ص ۳۱۲، طبع دار الفكر۔

۲) وأیضاً فیه وانما اختصت الصبح بذلك من بین الصلوت لأن الصلاة فی أول وقتها مرغب فیه یأتی غالباً عقب نوم فناسب أن ینصب من یوقظ الناس قبل دخول وقتها لیتأهبوا ویدركوا فضیلة أول الوقت الخ، كتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ج ۲ ص ۳۱۳، طبع دار الفكر۔

رکعتی الفجرثم خرج الی المسجد و حرم الطعام و کان لایوذن حتی یصبح [1] (۸) طحاوی میں روایت ہے۔عن ابراھیم قال شیعنا علقمة الی ملکه فخرج بلیل فسمع موذنا یؤذن بلیل فقال اما ھذا فقد خالف سنة اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم [2] (۹) روی ان الحسن البصری کان اذا سمع من یوذن قبل طلوع الفجر قال علوج فراغ لایصلون ۔الخ. وغیرہ من الروایات. یہ سب روایات حقیق اور دوال صراحۃ ہیں اس بات پر کہ اذان قبل طلوع الفجر نہ ہو۔روایۃ ابن عبدالبر میں ہے۔کہتے تھے وہ کہ جب صبح صادق سے پہلے اذان ہوتی ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر اور اذان کا اعادہ کر لے وقت میں یعنی اللہ سے ڈر یہ خلاف مشروع اور خلاف سنت اصحاب اپنے وقت سے خارج اذان کیوں دی۔چنانچہ حضرت علقمہ نے بار بار فرمایا۔جب اذان قبل طلوع الفجر سنی کہ یہ خلاف سنت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔جو کام خلاف سنت اصحاب ہو، وہ خلافت سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔اس لیے کہ صحابہ آپ کی سنتوں پر شیدائی تھے۔اور آپ کی سنتوں کے خلاف وہ کر نہیں سکتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق والی حدیث مشہور میں ما انا علیه و اصحابی فرمایا ہے،ان کی سنت آپ کی سنت تھی اور حسن بصری رحمہ اللہ کا جب اذان قبل طلوع الفجر سن کر یہ فرمانا کہ لو ادرکھم عمر رضی اللہ عنہ لادبھم اگر اذان قبل طلوع الفجر سنت ومشروع ہوتی تو امام جامع الشریعت والطریقت یہ فرماتے؟ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی مار پیٹ کرتے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنت کام پر یہ ممکن ہے حاشا وکلا ہرگز نہیں اور پھر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایک خاص وقت تک اور فوائد ومعانی کے لیے تھی۔اور ایک خاص مصلحت کے تحت تھی۔لہٰذا جب اب وہ باتیں نہیں ان فوائد کے لیے خاص وقت اور مصلحت کے تحت نہیں۔بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کو سنت اور حکم شرعی سمجھا گیا تو پھر یہ خلاف سنت ہوتے ہوئے لائق تادیب ہوتی اور ان چیزوں کا لحاظ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور دقت نظر سے سمجھا۔اس وجہ سے اذان قبل الفجر اپنا معمول اور مذہب نہیں ٹھہرایا۔لہٰذا ان صحیح روایتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس حدیث صحیحین کا محمل متعین کیا جائے۔وہ یہ (۱) کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اپنی نگاہ کی خرابی وکمزوری اور آنکھوں میں کچھ ہونے کے اور نیند سے اٹھنے کی وجہ سے سستی میں ہونے کی وجہ سے ایک رات غلطی سے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی اور لوگوں کو اپنے معمولات تہجد وسحری کھانے سے نکالنا اور تکلیف میں ڈالنا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

۱) شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلوة، باب التأذین للفجر، ج ۱ ص ۹۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) طحاوی، کتاب الصلوة باب التأذی للفجر، ج ۱ ص ۹۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

ان پر اسی رات بھی غلطی کا اعلان کرادیا اور وہ تو آنکھوں میں خرابی ہونے کی وجہ سے غلطی کرتا ہے، تو ان کی خطا واضح کرنے کے لیے کہ لوگ ان کی اذان کی وجہ سے تکلیف میں نہ پڑیں اور ان صحابہ سے یہ کہا گیا کہ حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں غرض مذکور کے لیے اور ساتھ ساتھ اسی فائدہ کے لیے **لیوقظ نائمکم و لیرجع صائمکم** اور تم اپنے مشاغل سحری کے کھانے وغیرہ میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ تمہیں خود یقین ہو جائے یا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان سن لو[1]۔ (۲) اور یا یہ مراد ہے کہ کسی رمضان المبارک میں یہ دو اذانوں کا معمول رہا۔ ان معانی مذکورہ کے لیے اگر چہ دوسری اذان سے اتنا قریب دیا جائے کہ اس اذان کی انتہا پر دوسری اذان کی ابتداء ہو اور یہ ابتدا فرضیت رمضان کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کہ سحری کو اٹھنے میں آخری حصہ میں سب عادی نہیں تھے لیکن ہمیشہ کے لیے یہ عمل نہ تھا۔ بوجہ روایات مذکورہ اور حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث کہ اس پر غلطی کا اعلان کرایا گیا، اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب کہ اذان ایک تھی۔ فقط طلوع کے بعد (۳) اور یا اس اذان ونداسے مشروعہ یعنی مخصوصہ اذان سرے سے مراد ہی نہیں۔ بلکہ رمضان المبارک جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ سے لوگوں کو اٹھاتے ہیں۔ یعنی تذکیر سے جس کو آج اس زمانہ میں تسبیح کہتے ہیں۔ یہ مراد صحیحین کی حدیث اور یہ بھی ہمیشہ نہیں ہے۔ جیسے کہ آج کل بھی درود، نعت وغیرہ پڑھنے سے رمضان المبارک میں سحری کو لوگ اٹھاتے ہیں۔ بعض جگہوں میں تو اس صورۃ میں سب مذکورہ روایات جو کہ مطلقاً نفی اذان قبل طلوع الفجر کا کرتی ہیں ان میں کوئی استثناء و تخصیص کرنے کی احتیاج نہیں ہوگی۔ تو روایات سابقہ اور بدائع الصنائع والے نے جو عقلیہ ونقلیہ وجوہ نفی اذان للصلوۃ قبل الفجر پیش کی ہیں۔ یہ سب اسی کی مقتضی ہیں کہ مطلقاً اذان قبل طلوع الفجر نہ ہو۔ اور اگر حضور کے زمانہ میں ہوئی بھی ہو تو وہ وجوہ مخصوصہ اسی وقت کے ساتھ اور معانی مذکورہ فی الحدیث کے ماتحت یعنی **لیوقظ نائمکم** الخ اور چونکہ وقت کے تقاضے کے مطابق معانی مذکورہ کے لیے اذان قبل الفجر دی گئی، اس لیے سب وجوہات کے نہ ہونے کی وجہ سے سلف نے قولاً وفعلاً ای عملاً اس کی نفی کی اور کرنے والوں کو خلاف سنۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا البتہ صبح صادق سے پہلے اذان دینے کو بدعت نہیں کہا جا سکتا اور بدعت کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس اذان کے لیے احادیث میں حضور کی زندگی میں کچھ منشاء ہے۔ چاہے اذان تہجد کے لیے دی جائے۔ یا صبح کی نماز کے لیے علاوہ اس کے ائمہ ثلاثہ کا مذہب سی اذان کا للصلوۃ الفجر ہے تو پھر بدعت کہنا صحیح نہیں۔ لیکن اس بستی والے اگر حنفی ہیں تو پھر ان کی حنفی مذہب سے ناواقفیت پر تعجب ہے اور بصورت واقفیت اس عمل کے شروع کرنے پر تعجب ہے۔ اس لیے کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام مانتے ہوئے

---

۱) طحاوی، کتاب الأذان باب التأذين للفجر، ج ۱ ص ۹۷، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

کسی عمل کو کتابوں سے یا کسی سے معلوم کر کے شروع کردیں ساتھ ساتھ حنفیہ کی کتابوں پر عمل میں نہ ہو تو پھر یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور تمام اسلاف واخلاف حتی الیوم پر بے سمجھی اور بے عملی کا داغ لگا رہے ہیں۔ اس لیے باوجود بدعت نہ ہونے کے اس عمل کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں میں اختلاف کا نتیجہ تو حاصل ہوگیا جو کہ بڑا فتنہ ہے اور مسلمانوں میں اختلاف وفتنہ کا باعث کوئی جائز عمل بھی ہو اس کا ترک بھی ضروری ہوجاتا ہے جیسے کہ محوث عنہ) چنانچہ شامی وغیرہ نے لکھا ہے اور یہ بھی نہیں کہ کسی عالم ربانی، ولی اللہ پیر وشیخ بزرگ کو آپ کی بستی والوں کی طرح تہجد گزار جماعت نہیں ملے گی اور ضرورت محسوس نہ ہوگی اور یہ کہ جذبہ احیاء سنت ان کے اندر نہ تھا۔ اور سب کچھ کے باوجود ان کا نہ کرنا کیا ہمارے لیے کافی نہیں ورنہ ایسے تو بہت چیزیں کرنی پڑیں گی۔ جن کو حنفیہ نے ترک کیا۔ باوجود جواز وثبوت کے جیسے رفع الیدین وقراۃ خلف الامام وآمین بالجہر وغیرہ حالانکہ ان کو نہیں کرتے ہیں۔ اور ہم نے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تقویٰ وعلم وفہم وزہد وپرہیزگاری وغیرہ استنباط مسائل من القرآن والحدیث وحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے واقفیت اور خیر القرون میں ہونے کے ایسی شان والا پایا کہ اس لائق ہے کہ ان کی تقلید کی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلنے کے لیے امام ورہنما بنایا جاوے۔ اور ہم نے نہیں بنایا اس لیے کہ ہم تو نام سے ان کو ماننے والے ہیں۔ خیر القرون میں آپ کی طرح صفات میں امتیازی شان رکھنے والوں نے اور معاصرین ائمہ نے ان کو اسی لائق جانا۔ علاوہ اس کے اب تو تقلید شخصی واجب ہے ان فتنوں کے زمانے اور تقویٰ وپرہیزگاری کے کھوجانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دوری کے دور میں چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو ثابت کیا ہے[1] اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے کہ ہندوستان یعنی موجودہ ہندوپاک کی سرزمین اور افغانستان اور ماوراء النہر کے علاقہ میں جہاں فقہ حنفی کی کتابیں اور حنفی فقہ کے علماء ہیں اور دیگر ائمہ فقہ کی مدون کتابیں اور علماء نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید واجب ہے[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

---

۱) تالیفات رشیدیہ، فاسئلوا أهل الذكر الآیة، اور نااتفاقی ہونا اور لا اہالی ہو جانا عوام کا بسبب عدم تقلید کے دلیل وجوب شخص کی ہے، کہ اس میں انتظام عوام ہے، فتاوی رشیدیہ، تقلید واجتہاد کے مسائل ص ۲۰۷ و طبع ادارہ اسلامیات لاہور۔

۲)

(۱) اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا یہ فعل صحابہؓ کے دور میں رائج تھا۔ یہ کس دور سے شروع ہوا۔

(۲) مسجد کے امام صاحب سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام جائز ہے یا نہیں؟ ابھی تک امام صاحب نے جواب ہی نہیں دیا تھا کہ دوسرے شخص نے مداخلت کرتے ہوئے تلخ لہجہ میں کہا سلام ضرور پڑھا جائے گا جس کو اعتراض ہو وہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھے اپنی مسجد بنا کر پڑھے آیا مداخلت کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز میں نے اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے آیا یہ میرا فعل (اس مسجد میں نماز نہ پڑھنا) درست ہے یا نہیں؟ اسی بات پر بہت سے نمازیوں نے بھی اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے جبکہ وہ سب اسی محلّہ کے رہنے والے ہیں۔

﴿ج﴾

درود شریف پڑھنے میں اگر چہ بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے [1] لیکن اذان سے پہلے اس مروجہ طریقے سے پڑھنے کا قرآن وحدیث شریف اور فقہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔ مروجہ طریقہ کو ضروری سمجھنا اس پر اصرار کرنا اور مروجہ طریقہ پر نہ پڑھنے والے پر طعن کرنا ناجائز ہے غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ مروجہ طریقہ کو چھوڑنا چاہیے بلکہ ضروری ہے بلا تعیین وقت و قیودات کے جس وقت موقعہ ملے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا موجب خیر و برکت اور باعث نجات ہے۔ مسجد کے امام اور مقتدیوں کو دین کے مسائل سے واقف کرایا جائے دین اسلام جو کہ ایک کامل دین ہے اس میں اپنی طرف سے زیادتی بدعت اور گناہ ہے دین وہی معتبر ہے جو حضور اکرم ﷺ صحابہ، تابعین سے منقول ہے اس کے علاوہ سب مردود ہے۔ حدیث میں ہے: (من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد الحدیث) [2] دوسری مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز اور ثواب ہے۔ اکیلے نماز نہ پڑھیں کسی اور مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) الصحیح المسلم، عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما ...... أنه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فإنه من صلی علي صلوة صلی الله علیه بها عشراً ثم سلوا الله لی الوسیلة ...... الخ، کتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل ...... الخ، ج ۱ ص ۱۶۶، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۲) مکشوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
کـذا فی تبیین الحقائق: والفاجر اذا تعذر منعه یصلی الجمعة خلفه وفی غیرها ینتقل الی مسجد آخر، کتاب الصلوة باب الإمامة والحدث فی الصلوة، ج ۱ ص ۳۴۷، طبع دار الکتب بیروت۔

اذان سے قبل سلام پڑھنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اذان سے قبل الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ کہنا جائز نہیں ہے۔ شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے[1]۔ اس لیے اس سے بچنا لازم ہے[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اذان میں کمی وبیشی کرنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ:

(۱) اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام جائز ہے؟ (۲) اصل اذان میں کمی بیشی کرنے والا کیسا ہے۔ (۳) اور جو آدمی صلوٰۃ وسلام کو اذان کے ساتھ لازمی اور کار ثواب سمجھے وہ کیسا ہے؟

---

۱) فی الصحیح البخاری، حدثنا أبونعیم ...... ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشہد ...... التحیات للہ والصلوات السلام علیك أیہا النبی ورحمۃ اللہ ...... فلما قبض قلنا السلام علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب الأخذ بالیدین وصافح حماد ...... الخ، ج ۲ ص ۹۲۶، طبع قدیمی کتب خانہ۔

وھکذا فی مشکوۃ المصابیح: عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہوسلم یقول لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ...... وصلوا علی فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الخ، ج ۱ ص ۸۶، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

وفیہا أیضاً: عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیاً ابلغتہ، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) مشکوۃ المصابیح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا: قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أحدث فی أمرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیم کتب خانہ کراچی۔

﴿ج﴾

۱۳۱۱...... درود شریف کا پڑھنا ایک بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن اسی طریق سے جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا[1] اور یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور نہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا۔ بہرحال مروجہ طریقہ بدعت ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ[2]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوقت اقامت اذانیں دینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہمارے یہاں ایک جگہ پر رواج ہے کہ عشاء کی جماعت سے قبل تکبیر سے پہلے تمام لوگ امام اور مقتدی زور زور سے سات دفعہ صف کے اندر کھڑے ہو کر اذانیں دیتے ہیں جب اذانیں ختم ہو جاتی ہیں تو تکبیر کہہ کر نماز کی ابتدا کرتے ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اذانیں کس لیے دی جاتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ اذانیں اس وجہ سے دی جاتی ہیں تاکہ اس علاقہ میں آفتیں مصیبتیں اور بلائیں داخل نہ ہوں۔

اگر ایسا جائز ہوتا تو کہیں بھی اس طرح کیا جاتا۔ حالانکہ میں نے کہیں ایسا نہیں کرتے دیکھا۔ بینوا توجروا۔

---

۱) الصحیح مسلم، عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما: انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول اذا سمعت المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فإنه من صلی علی صلوة صلی الله علیه بها عشراً ثم سلوا الله لی الوسیلة ...... الخ، کتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل ...... الخ، ج ۱ ص ۱٦٦، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۲) اس لیے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے لهذا اس سے بچنا چاهیے۔
مشکوة المصابیح، عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج ۱ ص ۲۷، قدیمی کتب خانه کراچی۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایسا کرنا بدعت ہے کیونکہ شریعت میں سات دفعہ نماز عشاء سے قبل اذانیں کہنا برائے دفع مصائب ثابت نہیں ہے۔ نیز اس میں اس فعل کو لوگوں کے ضروری خیال کرنے کا بھی شدید خطرہ موجود ہے لہٰذا اس فعل سے رک جانا ضروری ہے۔ فتاوٰی دارالعلوم مرتبہ مولانا ظفیر الدین ج ۲ ص ۸۴ میں ہے۔ ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے لہٰذا بدعت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام اور نمازیوں کا جماعت سے پہلے اذان کے کلمات کہنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے روزانہ بلا ناغہ امام سمیت تمام نمازی جو اس وقت موجود ہوتے ہیں۔ ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور تمام اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر بیک وقت زور زور سے تین مرتبہ اذانیں کہتے ہیں اور پھر مسجد کے چاروں کونوں میں پھونکتے ہیں۔ اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز پڑھائی جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بستی والوں کا یہ عمل قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ حنفی سے ثابت ہے یا کہ نہیں؟ اگر ثابت ہے تو باقی اہل اسلام اس کے کیوں تارک ہیں اور اگر از روئے شرع محمدی یہ ثابت نہیں ہے تو مذکورہ بستی والوں کے لیے کیا حکم ہے۔ برائے مہربانی اہل سنت والجماعت کی معتبر کتب سے حوالہ کے ساتھ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

---

۱) وكـذا فى الشامية: قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما فى أذان المولود، والمهموم، والمصروع ...... الخ، بـاب الأذان مـطـلـب فـى المواضع التى يندب لها الأذان فى غير الصلاة، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

وهـكـذا فـى مشـكـوة المصابيح، عن عائشه رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله وسلم، من أحـدث فـى أمـرنـا هـذا مـا ليـس منه فهو رد، باب الاعتصام بالكتاب الخ، ج ۱ ص ۲۷، طبع قديمى كتب خانه كراچى۔

وهكذا فى حاشية البحر الرائق: قال الرملى: أى الصلوات الخمس فلا يسن للمنذورة ورأيت فى كتب الشـافـعية أنـه قد يسن الأذان لغير الصلاة كما فى اذان المولود والمهموم والمفزع والغضبان ...... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵٦، طبع ماجديه كوئته۔

﴿ج﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ واضح رہے کہ اذان شرعاً نماز فرض کے علاوہ دیگر نو موقعوں پر فقہائے کرام کے بیان کے مطابق مندوب اور مستحب ہے۔ (۱) مولود کے کان میں (۲) آگ لگ جانے کے وقت (۳) لڑائی کے وقت (۴) مسافر کے پیچھے (۵) جنات کی شرارت کے وقت (۶) مہموم (۷) غضبان اور (۸) مصروع کے کان میں (۹) مسافر راہ گم کردہ کے لیے اور علامہ شامی نے ایک اور موقع میں بھی مسنون ذکر کیا ہے۔ (۱۰) بدخو انسان یا جانور کے کان میں ۔ ھکذا فی الشامیۃ[1] ج اص ۲۸۳ باب الاذان ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بستی مذکورہ والے اگر ان اغراض میں سے کسی غرض کے لیے بغیر تخصیص وقت وعشاء و جماعۃ ودیگر قیود اذان دیا کرتے ہیں تو جائز ہے بدعت نہیں ہے یا عبادت اور کار ثواب سمجھ کر نہیں کرتے ہیں بلکہ کسی مرض و باء یا دوسری تکلیف کے رفع کرنے کے لیے وقتی طور پر بطور عملیات کے اذان دیتے رہتے ہیں ۔ تب بھی بدعت نہیں ہے[2] اور اگر عبادت سمجھ کر اذان دیتے ہیں اور ان دس موقعوں میں سے بھی کوئی موقعہ نہیں ہے تو بدعت اور ناجائز ہے اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم ج اص ۳۵ پر ہے۔ اکثر عملیات میں وقت اور یوم کا تعین منجانب اللہ نہیں بلکہ محض تجربہ کی بنا پر لوگوں نے یہ تعینات کیے ہیں ۔ اگر ان اوقات و حالات خاصہ کو مؤثر بالذات نہ سمجھے بلکہ ایسا تعین سمجھے جیسے وہاں مونجی بونے کے لیے برسات کا موسم متعین کیا جاتا ہے اور کسی کام کے لیے جاڑے کا موسم کسی کے لیے گرمی کا تو ان تعینات میں بھی کوئی مضائقہ نہیں[3] ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

اگر یہ عمل علی الدوام کرتے ہیں تو بدعت سیئہ اور ضلالہ ہے اور اگر کبھی کسی مخصوص وقت میں بطور عملیات کے دفع بلایا کے لیے کرتے ہیں نہ بطور ثواب و عبادت کے تو خاص وقت تک حسب ضرورت جائز ہے۔ ورنہ

---

۱) وكذا في الشامية: قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في أذان المولود والمهموم ...... الخ، باب الاذان مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، ج۱ ص ۳۸۵، طبع ايچ ايم سعيد كراچي۔
وهكذا في حاشية البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵٦، طبع مكتبه ماجدية كوئٹه۔

۲) وكذا في الشامية: قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في أذان المولود والمهموم ...... الخ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع سعيد۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵٦، طبع مكتبه ماجدية كوئٹه۔

۳) وكذا في المشكوة المصابيح: عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج ۱ ص ۲۷، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

بدعت سیئہ ضلالہ۔صورت مسئولہ میں بظاہر ثواب سمجھ کر یہ عمل کیا جاتا ہے۔عملیات کے طور پر نہیں اس لیے لازمی اس کو ترک کرنا چاہیے۔دین میں اس قسم کی مداخلت گمراہی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

میت دفنانے کے بعد اذان دینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان سے قبل الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وسلام علیک یا حبیب اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نور من نور اللہ۔پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا یہ پڑھنا بدعت ہے۔

(۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

(۱) بے شک درود شریف پڑھنا موجب خیر و برکت ہے۔لیکن مروجہ صلوٰۃ وسلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کامل دین میں ثبوت نہیں۔دلیل مثبت سے مانگنی چاہیے[1]۔

(۲) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔قبر پر اذان بدعت ہے[2]۔

(۳) جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا کا کوئی ثبوت نہیں۔اس لیے اس کو ترک کریں[3]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) کذا فی الصحیح البخاری: حدثنا أبونعیم ...... ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشھد ...... التحیات للہ والصلوات والطیبت السلام علیک أیھا النبی ورحمة اللہ ...... فلما قبض قلنا السلام علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب الأخذ بالیدین وصافح حماد ...... الخ، ج ۲ ص ۹۲۶، طبع قدیمی کتب خانہ۔

مشکوۃ المصابیح: عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عندی قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیاً أبلغتہ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱ ص ۸۷، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۲) وکذا فی در المختار: تنبیہ فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لا یسن الأذان عند ادخال المیت فی قبرہ ...... الخ، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۵، طبع ایچ ایم سعید۔

وھکذا فی البزازیة: ھامش علی الھندیة: لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنائز لأنہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ، الفصل الخامس والعشرون، ج ٤ ص ۸۰، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن۔

۳) ولا یقوم بالدعاء ففی قراءۃ القرآن لأجل المیت بعد صلوۃ الجنازۃ وقبلھا، نوع منہ وفی الأصل الصلوۃ علی الجنازۃ، خلاصة الفتاوی، ج ۱ ص ۲۲۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

تدفین کے بغیر قبر پر اذان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے بلاد میں جو بعد دفن میت قبر پر اذان دی جاتی ہے۔ کیا ازروئے شریعت محمدیہ مباح، یا حرام، یا مستحب ہے، اور قائل بالحرمۃ مخطی ہے یا مصیب۔ بینوا توجروا۔ اور علامہ شامی نے مندوبات میں شمار کیا ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے۔ (**قوله لایسن لغیرها) ای من الصلوات والافیندب الخ، ج ۱ ص ۲۸۳.**

﴿ج﴾

صورت مسئولہ میں اذان دینا مکروہ تحریمی و بدعت ہے۔ جس کا ثبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور اسلاف وائمہ کرام رحمہم اللہ سے منقول نہیں ہے۔ اور نہ ہی خیر القرون میں معمول رہا ہے۔ **من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد** (الحدیث)[1]

علامہ شامی نے باب الاذان میں **لایسن لغیرها** کے تحت جواذان کی مندوب صورتوں کو نقل فرمایا ہے۔ وہاں قیل سے جو خود ضعف کی طرف مشیر ہے یہ ذکر کیا (**قیل و عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا**) اس کے بعد صراحۃً اس کو رد کیا اور فرمایا **لکن رده ابن حجر فی شرح العباب**[2] اس کے بعد علامہ شامی نے کتاب الجنائز میں بلفظ تنبیہ ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ (تنبیہ) **فی الاقتصار علی ماذکر من الوارد اشارة الی انه لایسن الاذان عنداد خال المیت فی قبره کما هوا المعتاد الأن وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قیاسا علی ندبهما للمولود الحاقاً لخاتمة الامر بأبتدائه فلم یصب انتهی**[3]۔

واللہ اعلم: محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

---

۱) مشکوة المصابیح: باب الاعتصام، ج ۱ ص ۲۷، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔

۲) کذا فی الشامیة: کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایج ایم سعید کمپنی۔

۳) وکذا فی الشامیة: کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۵، طبع ایج ایم سعید کمپنی۔ وهکذا فی البحر الرائق: وخرج بالفرائض ما عداها فلا أذان للوتر ولا للعید ولا للجنائز ...... الخ، کتاب الصلوة باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵٦، طبع مکتبه جدید کوئٹه۔

ڈاڑھی منڈوانے والے کی اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین در یں مسئلہ کہ ہماری مسجد میں دو تین آدمی اذان برائے نماز دیتے ہیں اور ان کی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے۔ مگر نمازی ہیں اور ایک آدمی ڈاڑھی والا ہے اور حاجی بھی۔ اکثر اوقات اذان دیتا ہے اور اقامت بھی کہتا ہے۔ مگر ڈاک خانہ میں روپے جمع کراتا ہے اور سود لیتا ہے بلکہ سود در سود۔ تو اگر اور کوئی آدمی اذان کے وقت موجود نہ ہو تو کیا ڈاڑھی منڈا اذان پڑھے یا حاجی سود خوار۔ ان میں سے بہتر کون ہے؟ بینوا توجروا؟

﴿ج﴾

کسی متشرع اور دیندار آدمی کو مؤذن مقرر کیا جاوے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو ان میں سے اگر کوئی شخص اذان کہہ دے یہ بھی درست ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ کی اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام در یں مسئلہ کہ کیا نابالغ بچہ اذان کہہ سکتا ہے۔ اگر نہیں کہہ سکتا تو کتنی عمر شرط ہے۔ اور کیا کیا شرائط ضروری ہیں۔ جبکہ اذان کہنے والا عاقل بھی ہے اور کسی قسم کا کوئی جنون وغیرہ بھی نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

لڑکا اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت بالاتفاق صحیح ہے۔ اگر غیر مراہق عاقل

---

۱) البحر الرائق: فأن يكون رجلاً عاقلاً ثقةً عالماً بالسنة ...... وصرحوا بكراهة أذان الفاسق من غير تقييد الخ، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٤٢، طبع رشيديه سركی روڈ كوئٹه۔

وهكذا في العالمكيرية: وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنة كذا في النهاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٥٣، طبع رشيديه كوئٹه۔

وهكذا في خلاصة الفتاوى: المؤذن اذا لم يكن عالماً تقيا بأوقات الصلوة، لا يستحق ثواب المؤذنين واجب الى أن يكون عالماً بالسنة ...... الخ، الفصل الأول في الأذان، ج ۱ ص ٤٨، طبع رشيديه كوئٹه۔

ہوتب بھی ظاہر الروایہ میں کراہت نہیں ہے[1]۔ اور بعض روایات میں مکروہ ہے[2]۔ درمختار میں ہے۔ ویجوز بلاکراھة صبی مراھق وفی الشامی (قوله صبی مراھق) المراد به العاقل و ان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر وغیرہ وقیل یکرہ لکنه خلاف ظاھر الروایة[3]. الخ. (شامی باب الاذان) ج ۱ ص ۲۸۸ ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کی بے ادبی کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ میں کہ فجر کی اذان کے وقت دو اشخاص میں یہ جھگڑا ہوا کہ ایک نے کہا کہ میں اذان دیتا ہوں دوسرے نے کہا میں اذان دیتا ہوں تو ایک شخص نے ۴ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دے دی اور دوسرے نے ۴ بج کر ۳۵ منٹ پر دے دی اور کہا کہ ۴ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دینا جائز نہیں ہے۔ دوسرے مؤذن نے یہ کہا جس نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس نے دراصل یہ الفاظ کہے ہیں کہ ۴ بج کر ۳۰ منٹ پر اذان دینا حرام ہے۔ لیکن ہم یہ الفاظ لکھنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن مسئلہ پوچھنا ہے۔ اس لیے لکھے گئے ہیں؟

السائل: صوفی نثار احمد بستی ساہوڈاکخانہ خاص ضلع ملتان شہر

﴿ج﴾

دراصل کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ یہ اذان قبل از وقت ہے اور قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں ہے۔ ایسے کلام کے کہنے سے کوئی تعزیر یا گناہ لازم نہیں آتا[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

---

۱) کذا فی العالمکیریة: اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھة فی ظاھر الروایة، باب الأذان ج ۱ ص ۵٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) کذا فی العالمکیریة، واذان الصبی الذی لایعقل لایجوز باب الاذان، ج ۱، ص ۵٤، طبع ، رشیدیه، کوئٹه۔

۳) کذا فی الشامیة: کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۱، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وھکذا فی البحر الرائق: فاذان الصبی العاقل لیس بمستحب ولا مکروہ فی ظاھر الروایة فلا یعاد ...... الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵٤، طبع مکتبة الماجدیة کوئٹه۔

٤) وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: فیعاد اذان وقع بعضه قبل الوقت کالإقامة، قوله وقع وکذا کله بالأولی قوله کالإقامة أی فی انها تعاد اذا وقعت قبل الوقت ...... الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وھکذا فی بدائع الصنائع: وقت الأذان والإقامة فوقتھما ما ھو وقت الصلوات المکتوبات، حتی لو أذن قبل دخول الوقت لا یجزئه ویعیدہ اذا دخل الوقت فی الصلوات ...... الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان ج ۱ ص ۱۵٤، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وھکذا فی العالمکیریة: تقدیم الأذان علی الوقت فی غیر الصبح لا یجوز اتفاقاً ...... وان قدم یعاد فی الوقت الخ، کتاب الصلوة، باب الأذان، ج۱ ص ۵۳، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹه۔ وھکذا فی الهدایة: باب الأذان، ج ۱ ص ۹۰۔

کیا اذان دینے والا نماز پڑھا سکتا ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) میں نے اپنی بیوی کو حج کے لیے غیر محرم کے ساتھ بھیج دیا۔ مجھے پھر معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کر لی۔ پھر کبھی غیر محرم کے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ اب لوگ کہتے ہیں تیری توبہ قبول نہیں اور میں امام مسجد ہوں کہتے ہیں تیرے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ آیا میری توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اور میری امامت کرانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مجھے کہتے ہیں جو اذان دے پھر امامت نہیں کرا سکتا۔ یہ بھی مجھے وضاحت سے فرما دیں۔

﴿ج﴾

(۱) جو شخص صدق دل سے توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ التائب من الذنب کمن لاذنب له[1] (مشکوٰۃ باب التوبہ والاستغفار ص ۲۰۶)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ عن عائشة قالت قال رسول اللّٰہ ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله علیه[2]. (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب التوبہ والاستغفار ص ۲۰۳)
پس صورت مسئولہ میں جبکہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے تو یہ کہنا کہ تمہاری توبہ قبول نہیں جہالت اور گناہ ہے۔ امامت اس کی جائز ہے۔ اگر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو۔ قبولیت توبہ کے لیے خیرات کرنا ضروری نہیں[3]۔

(۲) جو اذان دے۔ اسی کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ جو اذان دے پھر امامت نہیں کرا سکتا۔ محض جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[4]۔

---

۱) وکذا فی المشکوة المصابیح: عن أنس رضی الله عنه قال ...... کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون، باب استغفار ج ۱ ص ۲۰۴۔
۲) مکشوة المصابیح: باب التوبة والاستغفار، ج ۱ ص ۲۰۳، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
۳) وکذا فی مشکوة المصابیح: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التائب من الذنب کمن لا ذنب له، باب التوبة والاستغفار، ج ۱ ص ۲۰۶، طبع قدیمی کتب خانه کراچی۔
٤) وکذا فی الشامیة: الأفضل کون الإمام هو المؤذن وفی الضیاء أنه علیه السلام اذن فی سفر بنفسه وأقام وصلی الظهر وقد حققناه، باب الأذان، ج ۱ ص ٤۰۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وهکذا فی در المختار: وقول عمر رضی الله عنه لو لا الخلافة لا ذنت أی مع الإمامة اذا الجمع أفضل باب الإمامة، ج ۱ ص ۵۵۲، طبع سعید۔

بے وضو اذان دینے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بغیر وضوء اذان کہنا جائز ہے یا نہ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمایا جاوے؟

﴿ج﴾

بے وضو اذان کہنا درست ہے۔ کچھ مواخذہ اور وبال اس میں کسی پر نہیں ہے۔ البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضو اذان کہے اس لیے کہ بعض فقہا نے بغیر وضو اذان کو مکروہ کہا ہے۔ ویری انه یکره الاذان ایضا ای علی غیر وضوء هدایه[1]. وقیل یکره الاذان علی غیر وضوء لحدیث الترمذی عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم- لایؤذن الامتوضی- البحر الرائق باب الاذان ج ۱ ص ۲۷۷[2]. فتاوی دار العلوم ج ۲ ص ۹۲. ویکره اذان جنب واقامته. واقامة محدث لاذانه علی المذهب[3]۔

بغیر وضو کے اذان دینا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بغیر وضو کے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

بے وضو اذان کہنا درست ہے۔ کچھ مواخذہ اور وبال اس میں کسی پر نہیں ہے۔ البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضوء اذان کہے اس لیے کہ بعض فقہاء نے بغیر وضو اذان کو مکروہ کہا ہے۔

---

۱) الهداية، كتاب الصلوة، باب الأذان ج۱ ص ۸۹، طبع رحمانيه لاهور۔

۲) البحر الرائق: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ٤٥٨، طبع رشيديه سركى روڈ كوئته۔
وهكذا في الشامية: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔
وهكذا في سنن الترمذي، عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يؤذن الا متوضى، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء، ج ۱ ص ۵۰، طبع ايچ ايم سعيد۔
وهكذا في العالمكيرية: ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية هكذا في الكافي، وهو الصحيح كذا في الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، ج ۱ ص ٥٤، طبع رشيديه كوئته۔

۳) فتاوى دار العلوم، كتاب الصلوة، باب الأذان ج ۲ ص ٦٩، طبع دار الاشاعت كراچى۔

ویکرہ اذان جنب واقامۃ محدث لااذانہ علی المذاہب (درالمختار باب الاذان) ص ۲۸۹[۱]. ثم اعلم انہ ذکر فی الحاوی القدسی عن سنن المؤذن کو نہ رجلاً صالحا عالما بالسنن والاوقات مواظبا علیہ محتسبا ثقۃ متطھرا مستقلاً ردالمحتار باب الاذان) ص ۲۹۰[۲] ویروی انہ یکرہ الاذان ایضاً ای علی غیر وضوء (ھدایہ[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقامت کہنے کا حق کس کو ہے

﴿س﴾
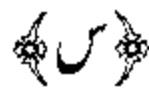
کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے اذان دی۔ بعدازاں بکر نے بغیر اجازت زید تکبیر شروع کردی۔ زید نے منع بھی کیا لیکن اس نے بضد ہو کر تکبیر ختم کی اور زید نے دوسرے آدمی کو کہا کہ تکبیر کہو یعنی پھر عمرو نے تکبیر کہی۔ نماز ہوگئی مگر بکر غصہ میں آ گیا اور کہا آئندہ میں منافقوں کی جماعت کے ساتھ نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھوں گا۔ یہ سب منافق ہیں اور دوسرے روز امام صاحب نے بغرض خیر خواہی بکر کو کہا خدا کے بندہ یہ کوئی بات نہیں کیونکر جماعت سے محروم رہتے ہو۔ نماز جماعت سے ادا کرنا ضروری ہے۔ بکر نے جواباً کہہ دیا میں لعنت کرتا ہوں ایسی نماز پر یا کہ جماعت پر بہرکیف۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

اولیٰ یہ ہے کہ جو اذان کہے وہی تکبیر کہے۔ اس کی اجازت کے بغیر دوسرا نہ کہے[۴] لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی بھی تکبیر کہہ دے تو شرعاً تکبیر میں کوئی قباحت نہیں۔ یعنی اعادہ تکبیر درست نہیں اس لیے زید کا اعادہ تکبیر کے

---

۱) وکذا فی الشامیۃ: کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۹۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔
وھکذا فی البحر الرائق: کتاب الصلوۃ باب الأذان، ج۱ ص ۳۵۸ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔
۲) وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب، ج ۱ ص ۳۹۳، طبع ایچ ایم سعید۔
۳) الھدایۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ۸۹، طبع رحمانیہ لاھور۔
وھکذا فی العالمکیریۃ: وکرہ اذان الجنب واقامتہ باتفاق ...... ولا یکرہ أذان المحدث فی ظاھر الروایۃ ...... الخ، کتاب الصلوۃ، الباب الثانی فی الأذان الخ، ج ۱ ص ۵۴، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔
٤) کذا فی مشکوۃ المصابیح عن زیادۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ ومن أذن فھو یقمْ رواہ الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، ج ۱ ص ٦٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ وھکذا فی ردالمحتار: أقام غیر من أذن بغیبتہ، أی المؤذن لا یکرہ ...... الخ، باب الأذان، ص ۳۹۵، سعید۔

لیے کہنا اور عمرو کا دوبارہ تکبیر کہنا درست نہیں ہوا۔ آئندہ اس سے احتراز کرے[۱]۔ بکر نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بھی بہت سخت ہیں۔ اس لیے وہ توبہ تائب ہو جائے[۲] اور نماز باجماعت کا اہتمام کرے[۳]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زیرِ تعمیر مسجد میں اذان کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد جس کی دیواریں تقریباً پانچ فٹ کی ہیں اور تعمیر ہو رہی ہے۔ اور اس میں تین نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں اور اس میں اذان وغیرہ نہیں دیتے۔ سوال کرتے ہیں کہ مسجد نامکمل اور نئی ہے۔ اس لیے اذان دینا جائز نہیں ہے اور نماز بھی باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿ج﴾

بحالت مذکورہ اذان نہ چھوڑی جائے۔ ہدایہ میں ہے۔ **الاذان سنة للصلوات الخمس و الجمعة لاسواها**۔ اور ان لوگوں کا کہنا کہ مسجد نامکمل میں اذان نہ دی جائے۔ غلط ہے[۴]۔ اذان کے مسنون ہونے کے لیے مسجد شرط نہیں ہے۔ بلکہ اذان فرائض کے لیے مسنون ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **وهو سنة مؤكدة للفرائض ص ۳۸۳**[۵]۔ بہر حال اذان کا ترک کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا في الدر المختار: أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لا يكره مطلقاً وان بحضوره كره ان لحقه وحشة كما كره مشية في اقامته، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٣٩٥، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔
وهكذا في البحر الرائق: وفي الفتاوى الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٤٤٧، طبع رشيديه سركى روڈ كوئته۔
هكذا في المبسوط: قال ولا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر لما روى أن عبد الله بن زيد ...... ان يكون له في الأذان نصيب فأمر بأن يؤذن بلال ويقيم هو ...... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٢٧٤، طبع غفاريه كوئته۔

۲) انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب، سورة النساء۔

۳) مشكوة المصابيح، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال ......صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة متفق عليه كتاب الصلوة، باب الجمعة وفضلها، ج١ ص ٩٥، طبع قديمى كتب خانه۔

٤) وكذا في الهداية كتاب الصلوة باب الاذان، ج ١، ص ٨٤، طبع رحمانيه، لاهور۔
وهكذا في البحر الرائق: أي سن الأذان للصلوات الخمس والجمعة ...... الخ، كتاب الصلوة باب الأذان، ج١ ص ٢٥٥، طبع ماجديه كوئته۔

٥) ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ١ ص ٣٨٥، طبع ايج ايم سعيد كراچي۔
وهكذا في العالمكيرية: الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة كذا في قاضي خان ...... الخ، الباب الثاني في الأذان، ج ١ ص ٥٣، طبع بلوچستان بكڈپو كوئته۔

اذان کے کتنی دیر بعد نماز جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا صبح کی اذان کے پندرہ منٹ بعد نماز فجر ہو سکتی ہے اور اگر ہو تو کیا سنت کے خلاف ہے؟

﴿ج﴾

نماز فجر میں عندالحنفیہ اسفار مستحب ہے۔ مستحب کہنے سے معلوم ہوا کہ غلس میں درست ہے۔ مگر بہتر اسفار ہے اور اسفار کے معنی ظہور نور اور انکشاف ظلمت کے ہیں۔ یعنی جس وقت خوب روشنی ہو جاوے۔ اس کی مقدار درمختار میں لکھی ہے کہ آفتاب کے نکلنے سے اتنی پہلے نماز شروع کریں کہ چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھ سکیں اور پھر اعادہ کی ضرورت ہو تو اعادہ کرلیں۔ غرض تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آفتاب نکلنے سے جماعت کریں۔ اذان فجر کے پندرہ منٹ بعد نماز فجر جائز ہے۔ غلس میں پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اختلاف صرف افضلیت وعدم افضلیت میں ہے۔ جواز میں اختلاف نہیں۔ **والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم به وهو المختار بحيث يرتل اربعين اية ثم يعيده بطهارة لو فسد (درمختار) وفی الشامی قوله باسفار ای فی وقت ظهور النور و انکشاف الظلمة (شامی ج ۱، ص ۲۶۹)**[۱] **وعن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر. رواه الترمذی و ابوداؤد والدارمی (مشکوٰة باب تعجيل الصلوة ص ۶۱)**[۲] **وعن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يصلی الصبح فتصرف النساء متلففات بمر وطهن مايعرفن من الغلس متفق عليه (مشکوة باب تعجيل الصلوة ص ۶۰)**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا فی در المختار: كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۳۶۶، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۲) وكذا فی المشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تعجيل الصلوة، ج ۱ ص ۶۱، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

۳) وفيها ايضاً: كتاب الصلوة، باب تعجيل الصلوة، ج ۱ ص ۶۱، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔
وهكذا فی المبسوط للسرخسی: وحديث الصديق عن بلال رضی الله تعالی عنهما أن النبی صلی الله عليه وسلم قال نوروا بالفجر أو قال أصبحوا بالصبح يبارك لكم ولان فی الاسفار تكثير الجماعة وفی التغليس تقليلها وما يؤدی ..... الخ، باب المواقيت الصلوة، ج ۱ ص ۱۴۶ طبع ادارة القرآن كراچی۔

مطلع ابر آلود ہو تو اذان میں تاخیر کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مغرب کی نماز کے وقت اگر بادل چھائے ہوئے ہوں۔ تو ایک پارٹی کہتی ہے کہ اذان چار منٹ پہلے پڑھنی چاہیے۔ دوسری پارٹی کہتی ہے کہ چار منٹ بعد میں اذان پڑھنی چاہیے۔ اس کے متعلق حکم صادر فرمادیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾

ابر وغبار کے روز ہمیشہ فجر اور ظہر اور مغرب کی نماز ذرا دیر کر کے پڑھنا بہتر و مستحب ہے تا کہ وقت پوری طرح ہو جائے۔ اور شبہ نہ رہے۔ قال فی الھدایہ ج ا ص ۸۴ **واذا کان یوم غیم فالمستحب فی الفجر والظھر والمغرب تاخیرھا وفی العصر والعشاء تعجیلھا** ۔ اگر گھڑی کے ذریعہ ٹھیک اوقات معلوم ہو سکتے ہوں۔ تو پھر ہر نماز کو اس کے معمولہ وقت میں پڑھے اور بلا وجہ جلدی یا دیر نہ کرے۔ بادل کے دن میں جب شرعاً ذرا تاخیر کرنا مستحب ہے تو چار منٹ پہلے اذان کہنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مسجد میں اذان کہنا جائز ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان مسجد میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور خطبہ کی اذان خطیب کے قریب ہونی چاہیے یا بعید بینوا توجروا۔

---

۱) وکذا فی الهداية: كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۱، طبع رحمانيه لاهور۔
وهكذا في الشامية: وتاخير ظهر الصيف ...... وتأخير عصر صيفاً وشتاءً ...... والمستحب تعجيل ظهر شتاء ...... وتعجيل عصر وعشاء يوم غيم وتعجيل مغرب مطلقاً وتأخير قدر ...... الخ، كتاب الصلوة باب المواقيت، ج ۲ ص ۳۶۶ تا ۳۷۰، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
وهكذا في البحر الرائق: وندب تأخير الفجر ...... وظهر الصيف أى ندب تأخيره ...... والعصر ما لم تتغير أى ندب تأخيره ما لم تتغير الشمس لرواية أبي داؤد ...... الخ، كتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۲۴۷، طبع ماجديه كوئته۔
وهكذا في العالمكيرية: وفي يوم غيم ينور الفجر كما في حال الصحو ويؤخر الظهر لئلا يقع قبل الزوال ويعجل العصر خوفاً أن يقع في الوقت المكروه ويؤخر المغرب ...... ويعجل العشاء ...... الخ، كتاب الصلوة، باب الأول في المواقيت وما يتصل بها ...... الخ، ج ۱ ص ۵۲، بلوچستان بك ڈپو كوئته۔

﴿ج﴾

سوائے خطبہ کی اذان کے باقی پنجگانہ نمازوں کے لیے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے اور مسجد سے خارج بہتر ہے۔ اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے۔ چنانچہ خطبہ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش ممبر ہونا اس کی دلیل کافی ہے۔ خطبہ کی اذان مسجد میں خطیب کے سامنے ہونی چاہیے۔ ممبر کے ساتھ متصل کھڑا ہونا ضروری ہے۔ وینبغی ان یوذن علی المئذنة او خارج المسجد ولایؤذن فی المسجد سے یرفع صوته تک ولایجهد نفسه (عالمگیری باب الاذان ج ا ص ۵۲[1]) ولایؤذن فی المسجد کا منشا یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جائز نہیں و فی الدرالمختار ویوذن ثانیا بین یدی الخطیب درالمختار مع شرحه ردالمحتار باب الجمعة ص ۷۰۶[2]) و اذا جلس الامام علی المنبر اذن الموذنون بین یدیه الاذان الثانی للمتوارث (غنیة المستملی ص ۵۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۱) وكذا في العالمكيرية: كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، ج ۱ ص ۵۵، طبع رشيديه كوئته۔
وكذا في قاضي خان هامش على الهندية، وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج ...... الخ، كتاب الصلوة مسائل الأذان، ج ۱ ص ۷۸، طبع رشيديه كوئته
وهكذا في البحر الرائق، باب الأذان، ج ۱ ص ۲۵۵، طبع ماجديه
۲) الدر المختار: باب الجمعة، ج ۲ ص ۱٦۱، طبع ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی۔
وهكذا في البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج ۲ ص ۲۷٤، طبع الرشيديه كوئته۔
وهكذا في الهداية: واذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذن بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث ...... الخ، كتاب الصلوة، باب الأذان، ج ۱ ص ۱۷۱، طبع شركت علميه ملتان۔

مواقیت الصلوۃ

نمازوں کے اوقات

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) کہ وقت نماز فجر رات کے آخری کون سے حصہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز تہجد کا وقت رات کے آخری کتنے حصہ تک رہتا ہے؟

(۲) مسجد میں نماز باجماعت شروع ہے۔ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا اعتقاد میرے عقیدہ کے ساتھ نہیں ملتا۔ کیا وہ نماز میں شامل ہو جائے یا کہ علیحدہ پڑھ لے اگر شامل ہو جائے تو کیا اس نماز کا اعادہ کرے یا نہیں۔

﴿ج﴾

(۱) نماز[۱] فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز تہجد کا وقت صبح صادق تک رہتا ہے[۲]۔

(۲) اگر عقائد کفر کی حد تک نہیں پہنچے صرف بدعات وغیرہ کا مرتکب ہے تو جماعت میں شامل ہو جائے اور

---

۱) (من طلوع الفجر الثانی) وهو البياض المنتشر المستيطر لا المستطيل (الى) قبيل (طلوع ذكاء) رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى تعبده عليه السلام قبل البعثة، ج ۱ ص ۳۵۹، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔ وكذا فى العالمكيرية: وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البياض المنتشر فى الأفق الى طلوع الشمس ولا عبرة بالكاذب، كتاب الصلوة، الباب الأول فى المواقيت وما يتصل بها وفيه ثلاثة فصول، ج ۱ ص ۵۱۰، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

وكذا فى الخانية: وقت الفجر حين يطلح الفجر المستطير الفجر فجر ان سمى العرب الأول كاذباً، كتاب الصلوة، باب الأذان الأذان سنة لأداء المكتوبة، ج ۱ ص ۷۲، طبع علوم اسلامیہ چمن۔

۲) رد المحتار: وبه ينتفى ما عن احمد من قوله قيام الليل من الغرب الى طلوع الفجر، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل مطلب فى صلوة الليل، ج ۲ ص ۲٤، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا فى فتح القدير: أجاب بما عمله متقرر أو ما فى البخارى عن عائشة رضى الله عنها كان صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلاث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء بالصبح، كتاب الصلوة، باب النوافل، ج ۱ ص ۳۹۱، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وكذا فى المسلم، عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى ما بين أن يفرغ من صلوة العشاء وهى التى يدعوا الناس العتمة الى الفجر احدى عشرة ركعة الخ، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل، ج ۱ ص ۲۵٤، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

علیحدہ نہ پڑھے[1]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ظہر کا آخری وقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بندہ مرض ریاح میں معذور ہے۔ پرسوں مورخہ ۶۷/۷/۱۰ کو بندہ کو قریباً ساڑھے گیارہ بجے دن سے لے کر ۴۲-۴ پر ٹھیک ہوا خارج ہوئی یعنی ٹھیک شام ۴ بج کر ۴۲ منٹ پر ہوا خارج ہوئی کیا چار بج کر ۴۴ منٹ تک نماز ظہر کا وقت رہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

غالب گمان تو یہ ہے کہ آج کل ۴ بج کر ۴۲ منٹ پر ظہر کی نماز کا آخری وقت ہی ہوگا۔ ویسے آپ تحقیق کر لیں۔ عین دوپہر کو کسی لکڑی کو کھڑا کر دیں۔ جتنا اس کا سایہ ہو اس پر نشان لگائیں۔ اب جب اس لکڑی کا سایہ دوپہر کے سایہ کے علاوہ دوچند ہو جائے یعنی اگر لکڑی ایک فٹ ہو تو سایہ اس کا دو فٹ ہو جائے دوپہر کے سایہ کے علاوہ، تو وقت ظہر نکل جائے گا۔ اس سے پہلے تک ظہر کا وقت رہتا ہے[2]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

فجر کی دوسری رکعت میں سورج طلوع ہو گیا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص صبح کی نماز پڑھ رہا تھا اور ایک رکعت پڑھ لی دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا تو سورج نکل آیا کیا اس کی نماز مکمل ہو جائے گی یا نہیں۔

---

۱) وکذا فی حاشیة ابن عابدین: ومبتدع لا یکفر بها وان کفر بها فلا یصح الاقتداء به اصلاً، کتاب الصلوة باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، ج ۲ ص ۳۵۷، طبع رشیدیه کوئته۔
وکذا فی البحر الرائق: وأطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع هو من اهل قبلتنا وقیده فی المحیط والخلاصة بأن لا تکون بدعه تکفره فإن کانت تکفره فالصلوة خلفه لا تجوز، کتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳٤۹، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) وکذا فی حاشیة ابن عابدین: ووقت الظهر من زواله الی بلوغ الظل مثلیه، کتاب الصلوة، مطلب فی تعبده علیه الصلوة والسلام قبل البعثة، ج ۲ ص ۱۹، طبع رشیدیه کوئته۔
وکذا فی البحر الرائق: والظهر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیه سوی الفیء، کتاب الصلوة، ج ۱ ص ٤۲۵، طبع رشیدیه کوئته۔

اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے بیان فرمادیں۔

﴿ج﴾

طلوع شمس کے وقت نماز جائز نہیں۔پس اگر درمیان نماز میں طلوع شمس ہوجائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے اوراس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔ کما فی الهداية ج ا ص ۸٦. لايجوز الصلوة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها في الظهيرة ولا عند غروبها[1] لحديث عقبه بن عامر رضي الله عنه قال ثلثة اوقات نهانا رسول الله ﷺ ان نصلي وان نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترفع وعند زوالها حتىٰ تزول و حين تضيف للغروب حتى تغرب. اخرجه مسلم والاربعة.[2] والتفصيل في شرح الوقاية كتاب الصلوة ص ۱۴۹ ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازوں کے اوقات کا تعین

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ اوقات خمسہ و جمعہ وعیدین سردیوں اور گرمیوں کا تعین ٹائم صحیح کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ فتویٰ تحریر فرمادیں تاکہ کسی جماعت کا تنازعہ فی الاوقات کا باعث نہ بنیں۔فقط والسلام

﴿ج﴾

نماز صبح کا ابتدائی وقت صبح صادق ہے۔ اور انتہائی وقت طلوع شمس ہے[3]۔نماز اسفار میں پڑھنی چاہیے[4]۔ظہر کا ابتدائی وقت زوال کے بعد شروع ہوکر مثلین تک رہتا ہے یعنی دن ڈھلنے سے لے کر تا آنکہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کے اصلی سایہ کے علاوہ دوگنا ہوجائے اور یہی جمعہ کا وقت بھی ہے[5] لیکن جمعہ کو پہلے پڑھنا

---

۱) كتاب الصلوة، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلوة، ج ۱ ص ۸۱، طبع مكتبه رحكانيه لاهور۔

۲) كتاب فضائل القرآن باب الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها، ج ۱ ص ۲۱٤، طبع قديمي كتب خانه كراچي۔

۳) وفي حاشية ابن عابدين: من طلوع الفجر الثاني الى طلوع ذكاء كتاب الصلوة، مطلب تعبده عليه السلام، ج ۲، ص ۱۸، طبع رشيديه، كوئٹه۔

٤) وكذا في حاشية ابن عابدين: والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، ج ۲ ص ۳۵، طبع رشيديه كوئٹه۔

٥) في حاشية ابن عابدين: ووقت الظهر من زواله الى بلوغ الظل مثليه، كتاب الصلوة مطلب في تعبده عليه السلام، ج ۲ ص ۱۹، طبع رشيديه كوئٹه۔

چاہیے (۱)۔عصر کا ابتدائی وقت مثلین سے شروع ہوکر غروب شمس تک۔لیکن نماز اصفرار یعنی آفتاب سے پہلے پڑھنی چاہیے (۲)۔مغرب کا ابتدائی وقت غروب شمس سے شروع ہوکر تا انعدام شفق سفید علیٰ مذہب ابی یعنی حنیفہ رحمہ اللہ نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھنی چاہیے (۳)۔تاخیر سخت مکروہ ہے (۴)۔عشاء کا ابتدائی وقت انعدام شفق سے لےکر تا صبح صادق۔نماز ثلث اول میں پڑھنی چاہیے (۵)۔باقی نماز ظہر گرمی میں تاخیر سے پڑھنی چاہیے یعنی ابراد میں اور جاڑے میں اول وقت میں پڑھنی چاہیے۔گھڑی کے اعتبار سے وقت کی تعیین مختلف اوقات میں خود کر سکتے ہیں (۶)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی نماز کا آخری وقت

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) جمعہ کی نماز کا آخری وقت گرمی کے موسم میں کس وقت تک جائز ہے یعنی کتنے بجے تک ہے۔

(۲) اور سردی کے موسم میں آخری وقت جمعہ کی نماز کا کس وقت تک جائز ہے یعنی کتنے بجے تک ہے۔

﴿ج﴾

جمعہ کا وقت مثل ظہر کے ہے۔زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور ایک مثل یا دو مثل تک علی

---

١) فی حاشیة ابن عابدین: وکره تحریماً ...... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، وواجبة، او نفلاً ...... مع شروق واستواء، الا یوم الجمعة علی قول الثانی، رد المحتار، مطلب یشترط بدخول الوقت، ج ٢ ص ٢٧، طبع رشیدیه کوئته۔

٢) وفی حاشیة ابن عابدین: ووقت العصر الی قبیل الغروب، کتاب الصلوة، مطلب فی صلوة الوسطی، ج ٢ ص ٢٢، طبع رشیدیه کوئته۔

٣) فی حاشیة ابن عابدین: ووقت المغرب منه الی غرب الشفق وهو الحمرة، کتاب الصلوة، مطلب لو ردت الشمس بعد غروبها، ج ٢ ص ٢٢، طبع رشیدیه کوئته۔

٤) وفی البحر الرائق: ویکره تأخیرها الی اشتباك النجوم أحمد الخ، کتاب الصلوة، ج ١ ص ٤٣١، طبع رشیدیه کوئته۔

٥) وفی حاشیة ابن عابدین: (و) وقت (العشاء) والوتر منه الی الصبح و) کتاب الصلوة، مطلب فی صلوة الوسطی، ج ٢ ص ٢٣، طبع رشیدیه کوئته۔

٦) وفی حاشیة ابن عابدین: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم (اذا اشتد البرد بکر بالصلوة واذا اشتد الحر أبرد بالصلوة، والمراد: الظهر۔
وفی حاشیة ابن عابدین: وتأخیر ظهر الصیف مطلقاً، کتاب الصلوة، ج ٢ ص ٣٥، (والمستحب تعجیل ظهر الشتاء) کتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس، ج ٢ ص ٣٥، طبع رشدیه کراچی۔

اختلاف القولین باقی رہتا ہے[۱]۔ لیکن جمعہ میں تعجیل یعنی جلد پڑھنا مستحب ہے اور بہتر ہے۔ باقی مختلف موسموں میں آخری اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے گھنٹوں کے حساب سے آخری وقت ایک نہیں ہوتا[۲]۔ فقط واللہ اعلم

ظہر اور جمعہ کی نماز کے وقت میں فرق

﴿س﴾

جناب مفتی صاحب مندرجہ ذیل سوالات کے جواب حدیث شریف کی روشنی میں دے کر مشکور فرماویں۔

(۱) اوقات نماز۔ ظہر اور جمعہ کے اوقات نماز میں کوئی فرق ہے؟ (۱) ہر ایک نماز یعنی ظہر اور جمعہ کا الگ الگ طور پر اول آخری نیز درمیانہ وقت کیا ہے؟ (۲) عصر کا وقت اول کب سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ پر کتنا وقت صرف کیا یعنی ہر جمعہ کو کتنا وقت لگایا کرتے تھے؟

(۳) کیا یہ احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ پہلے وعظ اور تقریر فرماتے رہے ہوں اور پھر خطبہ۔ ہے تو کس حدیث سے ثابت ہے اگر نہیں تو اس کا رواج کس نے ڈالا۔

(۴) جمعہ کا خطبہ اپنی زبان میں دینا کیسا ہے۔

(۵) سنا ہے کہ بقیع نامی بستی میں مسلمانوں نے جمعہ پڑھا تھا، اس وقت بقیع کی کیا آبادی تھی؟

(۶) کیا موجودہ دور میں پاکستان بھر میں کسی شہر میں جمعہ جائز ہے۔ فقہ حنفی کنز الدقائق فارسی باب الجمعہ میں تو یوں درج ہے شرط ادائے جمعہ مصر است یا فناء اور مصر موضع است کہ در وامیر وقاضی بود کہ تنفیذ احکام شرع و اقامت حدود کند یہاں پاکستان میں تو کہیں بھی شرعی احکام اور حدود شرعی جاری نہیں پھر جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے۔

﴿ج﴾

(۱) ظہر اور جمعہ کے اوقات میں کوئی فرق نہیں، جو وقت ظہر کا ہے وہی وقت جمعہ کا ہے البتہ نماز جمعہ سردی اور گرمی ہر حال میں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ بخلاف نماز ظہر کے سردیوں کے موسم میں تعجیل مستحب ہے یعنی اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ اور گرمیوں میں ابراد مستحب ہے یعنی اول وقت میں نہیں بلکہ سورج

---

۱) وفی حاشیة ابن عابدین: وکره صلوة ولو علی جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء ...... الا یوم الجمعة کتاب الصلوة، ج ۲ ص ۲۷، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) وفی حاشیة ابن عابدین: وکره صلوة ولو علی الخ مع شروق واستواء ...... الا یوم الجمعة، کتاب الصلوة، ج ۲ ص ۳۷، طبع رشیدیه کوئته۔

کی شدت حرارت کم ہوجائے اور کچھ ٹھنڈک ہوجائے تو پڑھنا مستحب ہے[1]۔ کذا فی کتب الحدیث والفقہ۔

(۲) اوپر معلوم ہوا کہ جمعہ اور ظہر کے اوقات میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا اول وقت دونوں کا زوال کے ہوجانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت مثل اول کے اختتام تک ہے صاحبینؒ کے نزدیک اور مثل ثانی کے اختتام تک امام صاحبؒ کے نزدیک۔ اس اختلاف سے بچنے کی وجہ سے اولیٰ یہ ہے کہ مثل اول ہی میں ادا کیے جاویں۔ بلاضرورت شدیدہ کے مثل ثانی تک مؤخر نہ کیے جائیں۔ تاکہ باتفاق ائمہ ظہر و جمعہ صحیح ہوجاویں[2]۔

(۳) بنا براختلاف مذکور فی وقت الظہر بین الصاحبین والامام وقت عصر میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہوگیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک اول وقت عصر مثل اول کے ختم ہوجانے سے شروع ہوجاتا ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک مثلین کے اختتام پر شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن عصر کی نماز مثل ثانی میں نہ پڑھی جاوے۔ بلکہ مثل ثانی کے ختم ہوجانے کے بعد پڑھی جائے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک تاخیر صلوۃ العصر الی مالم تتغیر الشمس مستحب ہے۔ تاکہ باتفاق ائمہ صلوٰۃ عصر مع حصول الاستحباب ہوجائے[3]۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کتب حدیث میں منقول ہیں۔ لہٰذا اسے جتنے وقت میں کوئی پڑھے گا (ان خطبوں میں سے) ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تقریباً اتنے وقت میں اس خطبے کو پڑھا ہوگا البتہ کتب حدیث میں یہ آتا ہے کہ آپ خطبہ مختصر اور نماز لمبی پڑھتے تھے۔ فتح القدیر میں ہے ومن الفقہ والسنۃ تقصیرھا وتطویل الصلوۃ کذا فی کتب الفقہ۔ لہٰذا یہی طریقہ رکھنا چاہیے تاکہ سنت پر عمل ہو[4]۔

---

۱) وفی صحیح البخاری: عن أنس بن مالك رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم كان يصلی الجمعة حين تميل الشمس، كتاب الصلوة، باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس، ج ۱ ص ۱۲۳، قديمی كتب خانه كراچی۔

وفی حاشية ابن عابدين: وكره تحريماً ...... (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء الخ مع شروق واستواء الا يوم الجمعة، كتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۷، طبع رشيديه كوئته۔

۲) وفی حاشية ابن عابدين: وكره تحريماً (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً ...... (مع شروق واستواء) الا يوم الجمعة علی قول الثانی، كتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس الخ، ج ۲ ص ۳۷، طبع رشيديه كوئته۔

۳) وفی فتاوی العالمكيرية: ووقت العصر من صيرورة الظل مثليه غير فیء الزوال الی غروب الشمس، كتاب الصلوة، الفصل الأول فی أوقات الصلوة، ج ۱ ص ۵۱، طبع رشيديه كوئته۔

٤) وفی فتح القدير: باب صلوة الجمعة، ج ۲ ص ۲۸، طبع رشيديه كوئته۔

٥) وفی صحيح مسلم: عن ابن عمر رضی الله عنهما: قال كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة قائماً ثم يجلس ثم يقوم قال كما يفعلون اليوم، كتاب الجمعة فصل يخطب الخطبتين قائماً الخ، ج ۱ ص ۲۸۳، قديمی كتب خانه كراچی۔

(۳) آپ ﷺ کا خطبہ ہی وعظ ہوا کرتا تھا۔ خطبہ اور تقریر کوئی الگ الگ نہیں ہوا کرتے تھے۔ جیسے کہ رواج ہے۔ یہ رواج عموماً پنجاب میں ہے۔ معلوم نہیں کس نے یہ رواج ڈالا ہے[۱]۔

(۴) خطبہ اپنی زبان میں دینا مکروہ وبدعت اور موجب اثم ہے[۲]۔

(۵) بقیع نامی کوئی بستی معلوم نہیں کہ وہاں مسلمانوں نے جمعہ پڑھا ہو۔ اور اس کی آبادی میں گفتگو ہو۔ البتہ بقیع الغرقد مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان کا نام ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ محض ''سنا ہے'' کافی نہیں۔ تحقیق کر کے اگر کسی کتاب میں معلوم ہو جاوے تو کتاب کا نام صفحہ وحوالہ تحریر کر کے دارالافتاء مدرسہ میں ارسال کر کے جواب حاصل کریں[۳]۔

(۶) یہ جو کتب فقہ میں اس طرح کی عبارات مسطور ہیں کہ اس میں امیر وقاضی ہوں اور احکام شرع نافذ ہوں اور حدود قائم کریں۔ ان سے مقصد یہ ہے کہ وہاں ایسا کوئی آدمی ہو یا شعبہ ہو کہ وہ اقتدار علیٰ تنفیذ الاحکام الشرعیۃ رکھتا ہو۔ چاہے امیر ہو یا قاضی یا کوئی اس قسم کا آدمی یا شعبہ ہو۔ حتیٰ کہ چوکی وتھانہ کیوں نہ ہو۔ اور اس میں تھانیدار کیوں نہ ہو۔ نیز فقہاء نے مصر کی علامات میں امیر وقاضی کا ذکر اتفاقاً کیا ہے۔ کہ اتفاق سے ان کے زمانہ میں اسلامی حکومت کے ہوتے ہوئے جو مصر ہوا کرتا تھا اس میں امیر و قاضی اور تنفیذ احکام شرعیٰ ہوا کرتا تھا۔ اور اقامۃ حدود بھی ہوا کرتی تھی۔ نہ یہ کہ امیر وقاضی کے نام نہ ہوں۔ اور آبادی کراچی اور لاہور کی بھی ہو جاوے۔ پھر بھی وہ مصر وشہر نہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے جو مختلف تعریفیں کی ہیں۔ یہ رسوم وعلامات بیان کیے ہیں۔ تعریف حقیقی کوئی بھی نہیں۔ تا کہ اس تعریف کے صادق نہ آنے پر مصر نہ ہو۔ اور پھر جمعہ جائز نہ ہو۔ صلوٰۃ جمعہ فی القریٰ میں اگر تسلی نہ ہو۔ تو رسالہ اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعہ فی القریٰ اور رسالہ احسن القریٰ کا مطالعہ کر کے اگر کچھ شبہات رہ جائیں۔ تو دارالافتاء مدرسہ سے جواب طلب کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) وفی مجموعة رسائل اللکنوی، الکراهة انما هی مخالفة السنة، لأن النبی صلی الله علیه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربیة، آکام النفائس، ج ٤ ص ٤٤، ادارة القرآن کراچی۔

۲) جنت البقیع ایك مشهور قبرستان هے جو مدینه منوره میں واقع هے، جهاں هزاروں صحابه کرام مدفون هیں۔

۳) وفی رد المحتار: لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات والظاهر أنه أرید به الکراهة النفل بالجماعة ألا ترى أن فی الجواهر لو صلوا فی القرى لزمهم أداء الظهر، کتاب الصلوة، باب الجمعة، ج ۳ ص ۸، طبع رشدیه کوئته۔

امام کا اپنی مرضی سے وقت نماز مقرر کرنا

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اوقات نماز بہ لحاظ موسم جو متغیر و تبدیل ہوتے رہتے ہیں یہ سنت ہے یا فرض۔ نیز جو امام مسجد صرف اپنے مفاد کی خاطر ظہر اور عصر کا ٹائم اپنی مرضی سے متعین کریں وہ جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

یہ مسئلہ واضح ہے اور سب کو معلوم ہے کہ نمازوں کے اوقات شرعاً موسع ہیں۔ ان میں تنگی نہیں ہے۔ جس وقت بھی وقت مستحب کے اندر نماز پڑھیں صحیح ہے۔ اور استحباب تاخیر و تعجیل بھی کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے[1]۔ سردیوں اور گرمیوں میں ہر ایک موسم میں ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے۔ اور زوال آفتاب تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہوتا ہے۔ پس ظہر کا وقت ساڑھے بارہ سے تین بجے کے بعد تک رہتا ہے۔ جیٹھ اور ہاڑ میں اور بھی دیر تک رہے گا[2]۔ مگر گرمیوں میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ آج کل سوا دو بجے سے تین بجے تک سب اچھا وقت ہے۔ جس وقت چاہے نماز پڑھیں۔ جھگڑا کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اوقات کے تعین میں اپنے مفاد کو دخل نہیں دینا چاہیے[3]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خبروں کے لیے جماعت کے وقت کی تبدیلی

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ چند دنوں سے نماز عشاء ۸ بجے رات ہو رہی تھی گزشتہ شب ایک صاحب نے عشاء کے فرضوں کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا۔ چونکہ آج کل ہنگامی حالات ہیں۔ اور خبریں ریڈیو کی ۸ بجے رات ہوتی ہیں۔ نماز عشاء پونے آٹھ بجے رات ہونی چاہیے۔ کافی نمازیوں نے تائید فرمائی لیکن ایک

---

۱) وفی حاشية ابن عابدين: ووقت الظهر من زواله الى بلوغ الظل مثليه، سوى الفيء الزوال وبه يفتى، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام قبل البعثة، ج ۲ ص ۱۹، طبع مكتبه رشيديه كوئته۔

۲) وفی حاشية ابن عابدين: والمستحب تعجيل ظهر الشتاء، كتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۵، طبع رشيديه كوئته۔

۳) وفی حاشية ابن عابدين: وتأخير ظهر الصيف مطلقاً، كتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۰، طبع رشيديه كوئته۔

شخص نے یہ کہا جو شرع کہتی ہے اس طرح اور اس وقت نماز عشاء ادا کی جائے۔اس کی تائید ایک صاحب نے فرمائی ہے۔لہٰذا عرض یہ ہے کہ آپ فتویٰ دیں آیا عشاء کی نماز آٹھ بجے رات حسب سابق ادا کی جانی چاہیے یا پونے آٹھ بجے رات ادا کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

نمازیوں کی کثرت کا اعتبار کیا جائے۔اگر سوا آٹھ بجے پڑھنے کی صورت میں کافی لوگ جماعت میں شریک ہوتے اور آٹھ بجے پڑھنے کی وجہ سے کم لوگ تو سوا آٹھ بجے ادا کرنی ہی بہتر ہے۔کیونکہ تکثیر جماعت بدیں صورت کہ اس میں کوئی دوسری شرعی قباحت نہ ہو۔شرعاً مقصود ہے۔بہرحال اس میں زیادہ نزاع پیدا نہ کیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وقت میں کافی گنجائش ہے ساڑھے سات بجے بھی ہو سکتی ہے (۱)۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

نماز کا افضل وقت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل صبح کی نماز کا افضل وقت کیا ہے۔

﴿ج﴾

آج کل کی تاریخ میں ساڑھے پانچ بجے صبح کی نماز پڑھنا وقت مستحب میں ادا ہو گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ صبح کی نماز میں اسفار مستحب ہے۔یعنی تاخیر کرنی چاہیے اس قدر کہ نماز فرض ادا کرنے کے بعد اتنا وقت طلوع آفتاب تک باقی رہے (۲) کہ اگر امام وغیرہ کا بے وضو ہونا ظاہر ہو

---

۱) وكذا في المبسوط للسرخسي: قال عليه السلام: صلاة الرجل مع اثنين خير من صلاة وحده وصلاته مع الخ، وكلما كثرت الجماعة فهو عند الله أفضل باب تكثير الجماعة مندوب اليه، ج ۱ ص ۴۰، طبع ادارة القرآن كراچي-وكذا في المبسوط للسرخسي: وما يؤدى الى تكثير الجماعة فهو أفضل، باب مواقيت الصلوة، ج ۱ ص ۲۹۵، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه۔ وكذا في فتح الملهم: أن أداء الصلوة في أول الوقت افضل الا اذاتضمن التأخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة، كتاب المساجد، باب استحباب التكبير بالصبح في اول وقتها الخ، ج ۲ ص ۲۱۲، مكتبه رشيديه كوئٹه۔

۲) وفي المبسوط للسرخسي: (والنا) حديث رافع بن خديج رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر، باب مواقيت الصلوة، ج ۱ ص ۱۴۶، طبع ادارة القرآن كراچي۔ وكذا في المبسوط للسرخسي: وحديث صديق عن بلال رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم: قال نوروا بالفجر أو قال أصبحوا بالصبح يبارك لكم ولأن في الأسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدى الى تكثير الجماعة فهو أفضل، باب مواقيت الصلوة، ج ۱ ص ۱۴۶، طبع ادارة القرآن كراچي۔

یا کسی وجہ سے نماز کے اعادہ کی ضرورت ہو تو آفتاب کے طلوع سے پہلے پھر نماز کا اعادہ ہو سکے[۱]۔ یعنی طلوع شمس سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے وقت مستحب شروع ہو جاتا ہے[۲]۔ فقط والجواب صحیح

گرمی میں ظہر کس وقت ادا کریں

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نماز ظہر و عصر گرمی میں کس وقت پڑھنی چاہیے۔

﴿ج﴾

چونکہ ظاہراً اکثر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو نماز ظہر کے متعلق وارد ہیں) کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت ظہر مثل اول تک ہے۔ اس لیے راجح اور مفتی بہ عند الحنفیہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز گرمی، سردی میں مثل اول کے اندر پڑھنی چاہیے تا کہ باتفاق الائمۃ ظہر کی نماز صحیح ہو، لیکن ائمہ حنفیہ کے نزدیک بوجہ ان احادیث کے جو اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہیں، یعنی حدیث ترمذی الاول **عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول من الصلوۃ رضوان اللہ والوقت الأخر عفو اللہ الحدیث ج ا ص ۴۳**[۳]، **ولحدیث الترمذی الأخر سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لاول وقتها الحدیث**[۴]۔ تیسری حالت میں

---

۱) وکذا فی جامع الترمذی: عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ان للصلوٰة اولاً و آخراً ...... وان أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وان آخر وقتها حين تطلع الشمس، جامع الترمذی، أبواب الصلوةو ج ۱ ص ۳۹، ايچ ايم سعيد كراچی۔

وكذا فی صحيح مسلم: عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، ج ۱ ص ۲۲۳، طبع قديمی كتب خانه كراچی۔

۲) وكذا فی جامع الترمذی: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ان للصلوٰة أولاً و آخراً وان أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وان وقتها حين تطلع الشمس، ابواب الصلوة، ج ۱ ص ۳۹، ايچ ايم سعيد۔

۳) جامع الترمذی، ابواب الصلوة، باب فی الوقت الأول من الفضل، ج ۱ ص ٤٣، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

٤) وكذا فی جامع الترمذی: أبواب الصلوة، باب فی الوقت الأول من الفضل، ج ۱ ص ٤٢، طبع ايچ ايم سعيد كراچی۔

ترمذی کی۔عن علی کرم اللہ وجہہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی ثلث لاتو خرھا الصلوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت الایم اذا وجدت لھا کفواً او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام[1]۔سردی کے موسم میں نماز ظہر میں تعجیل مستحب ہے۔ظہر کے وقت کے اول حصہ میں یعنی مثل اول کے اول حصہ میں ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔اور بوجہ ان احادیث کے جو کہ تاخیر ظہر اور ابراد ظہر میں وارد ہیں۔قولہ علیہ السلام اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوہ و قولہ علیہ السلام ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم الحدیث ج ا ص ۴۰[2]۔جو کہ حضرت بلال اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔تیسری حدیث کے آخر کے الفاظ یہ ہیں۔حتی صار ظل الطلول مثلہ الحدیث[3] گرمی کے موسم میں تاخیر مستحب ہے یعنی مثل اول کے آخر میں پڑھنا مستحب ہے۔الحاصل حنفیہ دونوں قسم کی حدیثوں پر عامل ہیں،تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے گرمی میں ظہر کی نماز کا وقت مذکور ہے[4] اور عصر کی نماز کے متعلق اگر چہ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثل اول ختم ہونے پر عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔لیکن دوسری متعدد حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا وقت مثل اول کے بعد بہت تاخیر سے شروع ہوتا ہے۔حتیٰ کہ مثلین کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔چنانچہ الکوکب الدری ج ا ص ۹۷۔دوسرے ائمہ کے مذہب کے محققین سے ذکر کرتے ہیں۔وفی شرح ابی الطیب عن النووی ان الحجرۃ ضیقۃ العرصۃ قصیرۃ بحیث یکون طول جدارھا اقل من مساحۃ العرصۃ وعن ابی سید الناس معنی قولہ لم یظھر من حجرتھا ای لم یصعد السطح قال فعلی ھذا تکون العصر واقعۃ بعد المثل بشیء کثیر بل بعد المثلین[5]۔الخ۔نیز امام محمد موطا میں امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں،جس کے آخر میں امام محمدؒ وقت عصر پہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔قال محمد ھذا الحدیث یدل علی ان تاخیر العصر افضل من تعجیلھا مادامت الشمس بیضاء نقیۃ لم یخالطھا

---

۱) وکذا فی جامع الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب فی الوقت الاول من الفضل، ج ۱ ص ۴۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲) وکذا فی جامع الترمذی: أبواب الصلوۃ باب ما جاء فی تأخیر الظھر فی شدۃ الحر، ج ۱ ص ۴۰، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) وکذا فی جامع الترمذی: أبواب الصلوۃ، باب ما جاء فی تاخیر الظھر فی شدۃ الحر، ج ۱ ص ۴۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

٤) وکذا فی حاشیۃ ابن عابدین: وتأخیر ظھر الصیف مطلقاً، کتاب الصلوۃ، مطلب فی طلوع الشمس، ج ۲ ص ۳۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

وکذا فی حاشیۃ ابن عابدین: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحر أبرد بالصلوۃ والمراد الظھر۔

۵)

صفرۃ وھو قول ابی حنیفة والعامة من فقھائنا بستان المحدثین۔شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راقم الحروف کہتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جو کچھ اس حدیث سے استنباط کیا ہے وہ صحیح ہے۔الحاصل دوسری حدیثیں بھی ہیں جو کہ اس پر دال ہیں کہ ظہر کا وقت مثل اوّل کے بعد دیر تک رہتا ہے۔ بلکہ مثلین تک رہتا ہے۔ اس لیے حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے جو کہ مفتی بہ اور راجح ہے[۱] کہ عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھیں، تا کہ بالاتفاق نماز صحیح ہو بلکہ عندالحنفیہ تاخیر صلوٰۃ العصر الی مالم تتغیر الشمس مستحب ہے۔جس پر مذکورہ بالا مؤطا میں امام محمد کی روایت کردہ حدیث اور دوسری متعدد حدیثیں دال ہیں۔لہٰذا عصر کی نماز مثلین سے پہلے نہ پڑھنی چاہیے جملہ کتب فقہیہ حنفیہ مذکورہ بالا میں تفصیل موجود ہے[۲]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مغرب کا وقت کب ختم ہوتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ:

(۱) مغرب کے بعد عشاء کا وقت کتنی دیر کے بعد شروع ہوتا ہے جواب گھنٹے اور منٹ کی شکل میں تحریر فرمادیں کیونکہ یہاں نقشہ جات سالانہ اوقات نماز میں اختلاف ہے ایک نقشہ سالانہ اوقات نماز وقت عشاء بیس منٹ قبل بتاتا ہے۔اسی طرح دوسرا نقشہ سالانہ اوقات نماز وقت عشاء بیس منٹ بعد ثابت کرتا ہے۔ یہاں کے ایک مفتی صاحب نے پہلے ایک کی صحت پر فتویٰ دیا۔ پھر کچھ سالوں کے بعد پہلے صحت شدہ نقشہ کے فتویٰ کو منسوخ فرما کر دوسرے نقشہ کی صحت پر فتویٰ دیا اب موجودہ صحت شدہ نقشہ کے مطابق نماز مغرب کے بعد عشاء کی نماز کا وقت شروع ہونے تک ایک گھنٹہ تیس منٹ کا فاصلہ ہے کیا صحیح ہے یا نہیں آپ تجربہ فرما کر تحریر فرمادیں۔

(۲) اسی طرح ان نقشہ جات میں طلوع فجر پر بھی بڑا اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے روزے اور نمازیں خراب ہوتی ہیں آپ بار بار تجربہ فرما کر اطمینان تجربہ فرماتے ہوئے تحریر فرمادیں صبح صادق

---

۱) وفی حاشیة ابن عابدین: ووقت الظھر من زواله الی بلوغ الظل مثلیه، کتاب الصلوۃ، مطلب فی تعبده علیه الصلوۃ والسلام، ج ۲ ص ۱۹، طبع رشیدیه کوئٹه۔

۲) وفی فتاوی العالمکیریة: ووقت العصر من صیرورۃ الظل مثلیه غیر فیء الزوال الی غروب الشمس، کتاب الصلوۃ، الفصل الأول فی أوقات الصلوۃ، ج ۱ ص ۵۱، طبع رشیدیه کوئٹه۔

وکذا فی احکام القرآن للجصاص: وقد بینا أن دلوك الشمس تحتمل الزوال والغروب جمیعاً الخ، الأمر بالصلوۃ الظھر والمغرب وبیان أول وقتھما، ج ۲ ص ۳۷۸، قدیمی کتب خانه کراچی۔

ہونے کے بعد سورج کتنی دیر بعد طلوع ہوتا ہے صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے تجربہ فرما کر درمیان والا وقت گھنٹہ اور منٹ کی شکل میں تحریر فرمایں تا کہ اختلاف کی خرابی دور کی جا سکے۔

(۳) مزید یہ بھی تحریر فرمایں کہ جو آدمی عشاء کی نماز فرض جماعت سے ادا نہ کر سکا ہو کیا وہ وتر کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس کو بمعہ حوالہ تحریر فرمایں کیونکہ ایک گروہ کے حضرات کہتے ہیں کہ ہرگز وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہونا چاہیے واضح فرمایں۔

﴿ج﴾

(۱) ائمہ کرام کتب فقہ میں اس قدر لکھتے ہیں کہ عشاء کا وقت غیبوبۃ شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور شفق کے بارے میں امام اعظمؒ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کی غیبوبۃ پر عشاء کا وقت ہوتا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک شفق ابیض کی غیبوبۃ پر شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قول امام اعظمؒ پر عمل کرنا احوط ہے۔ گھنٹہ اور گھڑی کا حساب کتب فقہ میں نہیں یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے کہ غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد سپیدی شفق کی غائب ہوتی ہے سو اس کی مقدار اہل تجربہ کے لکھنے کے موافق شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے [1] اور اس میں صیف و شتا میں چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے مذہب کے موافق بارہ منٹ پہلے وقت عشاء کا ہوتا ہے کیونکہ تفاوت بین شفق احمر و ابیض بارہ منٹ کا ہے۔ **کما فی الشامی قدمنا قریبا ان التفاوت بین الشفقین بثلاث درج کما بین الفجرین ج ا ص ۲۶۲** ۔ الخ۔ اور ایک درجہ ۴ منٹ کا ہے پس تین درجے بارہ منٹ کے مساوی ہوئے۔ کذا فی فتاویٰ دارالسلام [2]۔

(۲) نقشوں کے بارے صحیح معلومات مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵ یا دارالسلام کراچی سے کر لیں۔

(۳) جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے [3]۔ **کذا صرح الطحاوی**۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) کذا فی الهداية: واول وقت العشاء اذا غالب الشفق وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر الثانی، کتاب الصلوة، باب المواقيت، ج ۱ ص ۸۲، شرکت علميه بيروت۔

وكذا فی الهندية: ووقت المغرب منه الى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى، ج ۱ ص ۵۱، هكذا فی شرح الوقاية، وعند ابی حنيفة الشفق هو البياض الذی يلى الحمرة۔

۲) وكذا فی در المختار: كتاب الصلوة، مطلب فی صلوة الوسطى، ج ۱ ص ۳۶۱، ایچ ایم سعید کراچی۔

۳) وكذا فی در المختار: ولو ترك الجماعة فی الفرض لم يصلوا التراويح جماعة، لأنها تبع الخ، له أن يصلی الوتر معه، باب الوتر والنوافل، ج ۲ ص ۴۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

وكذا فی الفتاوى العالمكيرية: الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح، ج ۱ ص ۱۱۶، طبع رشیدیه کوئٹه۔ وكذا فی البحر الرائق: باب الوتر والنوافل، ج ۲ ص ۱۲۳، طبع رشیدیه کوئٹه۔

مغرب کے ایک گھنٹہ بعد عشاء کی اذان

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام:

(۱) غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد عشاء کی اذان کہی اور اس کے چار پانچ منٹ بعد عشاء کی نماز پڑھ لی۔ کیا اذان اور نماز صحیح اور جائز ہے یا نہیں۔

(۲) غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد عشاء کی نماز پڑھ لی جبکہ اذان اس سے پانچ دس منٹ قبل دی تھی کیا دونوں جائز ہو گئیں یعنی صحیح وقت پر ہوئیں یا کم وبیش۔

(۳) عشاء کی اذان غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد ہوئی اور اس کے پندرہ منٹ بعد نماز عشاء پڑھی۔ کیا اذان صحیح وقت میں ہوئی نیز اگر عشاء کی نماز غروب آفتاب کے بعد سوا اور ڈیڑھ گھنٹہ کے درمیان وقت میں پڑھی تو جائز ہوئی یا نہ۔

(۴) کیا عام ٹیکہ (انجکشن) اور رگ کا ٹیکہ دونوں مفسد روزہ ہیں یا نہ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

﴿ج﴾

(۲،۱) ان دونوں صورتوں میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ادا نہیں ہوئی البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز ہو گئی۔

(۳) اس صورت میں سب کے نزدیک نماز ادا ہو گئی۔

(۴) انجکشن کسی قسم کا ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وقت ختم ہونے پر اقتداء کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی زید نے سورج غروب ہونے سے قبل نماز عصر شروع کی۔ دو رکعتیں پڑھیں تو سورج غروب ہو گیا تو خالد نے چار رکعت نماز عصر اقتداء زید کے شروع کر دی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا زید کی نماز درست ہے اور خالد کی نماز درست نہیں یعنی چونکہ سورج غروب ہو گیا اور عصر کا وقت نہ رہا۔ لہٰذا خالد کی نماز فاسد ہو گئی دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ دونوں کی درست ہے۔ بموجب اس عبارت کے ومن صلی رکعتین من العصر فغربت الشمس فجاء انسان اقتدأبه فی الأخرین

(الجوھرۃ النیرہ ص ۳۰۔اب علماء سے استفسار ہے کہ خالد کی نماز ہوئی یا نہ)۔

﴿ج﴾

الجوھرۃ النیرہ کی یہ عبارت صحیح ہے۔راقم کے سامنے جوہرہ کا جو نسخہ ہے اس کے صفحہ ۳۷ پر موجود ہے۔ابن عابدین الشامی نے بھی جوہرہ کے حوالے سے بعینہ یہی نقل کیا ہے [1]......فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شرائط اقتداء میں سے اتحاد نماز بھی ہے۔کما فی الدر المختار ربط صلوۃ المؤتم بالامام بشروط عشرۃ نیۃ المؤتم الاقتداء واتحاد مکانھما واتحاد صلوتھما ج ا ص ۴۰۲ [2]۔
صورۃ مسئولہ میں دونوں کی نماز عصر اسی روز کی ہے۔اس لیے واحد ہے اور اس قدر اختلاف اقتداء کا مانع نہیں ہے۔قال فی البحر والاتحاد ان یمکنہ الدخول فی صلوتہ بنیۃ صلوۃ الامام فتکون صلوۃ الامام متضمنۃ لصلوۃ المقتدی۔(شامی ج ا ص ۴۰۶) [3]

اس مسئلہ کی نظیر وہ مسئلہ بھی ہے جس میں ظہر کی نماز صاحبین کے قول پر عمل کرنے والے یعنی ایک مثل پر پڑھنے والے کی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرنے والے یعنی دو مثل پر پڑھنے والے کے پیچھے

---

۱) کذا فی الھدایۃ: وأول الوقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتھا ما لم یطلع الفجر، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت، ج ۱ ص ۸۲، شرکت علمیہ ملتان۔
وکذا فی الھندیۃ: ووقت المغرب منہ الی غیبوبۃ الفق وھو الحمرۃ عندھما وبہ یفتی، ج ۱ ص ۵۱۔
ھکذا فی شرح الوقایۃ: وعند أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی الشفق ھو البیاض الذی یلی الحمرۃ۔
وفی امداد الفتاوی: غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے،اس فتوے میں غیوبت شفق ابیض کا اعتبار کیا گیا،اس لیے اس عبارت میں یوں تغیر ہونی چاہیے عشاء کا اتفاقی وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے اس لیے عشاء کی نماز اور اذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے،امداد الفتاوی، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت، ج ا ص ۱۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
۲) کذا فی الھدایۃ واول الوقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتھا ما لم یطلع الفجر، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت، ج ۱ ص ۸۲، شرکت علمیہ ملتان۔
وکذا فی الھندیۃ: ووقت المغرب منہ الی غیبوبۃ الشفق وھو الحمرۃ عندھما وبہ یفتی، ج ۱ ص ۵۱۔
وکذا فی شرالوقایہ وعند ابی حنیفۃؒ الشفق ھوالبیاض الذی یلی الحمرۃ۔
وکذا فی امداد الفتاوی، ج ۱ ص ۱۵۰، کتاب الصلوۃ باب المواقیت، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
۳) وکذا فی الدر المختار: أو ادھن أواکتحل وان وجد طعمہ فی حلقہ ...... وکذا، لأن الموجود فی حلقہ أثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن، والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنہ أنہ لا یفطر، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد ۲ ص ۳۹۵،۳۹۶، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

درست ہے۔ اور قضاء و اداء کا یہ اختلاف مضر نہیں ہے۔ لہٰذا خالد کی نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

استقبالِ قبلہ کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بندہ کو خداوند تعالیٰ نے ملک بصرہ، بغداد، فلسطین، بیت المقدس، مدینہ طیبہ، مکۃ المکرّمہ، جدہ ریاض، کویت اور کراچی سے مبارک سفر نصیب فرمایا۔ سمندر پار ہر شہر جس کی جہت ہوئی اسی جہت کعبہ شریف منہ کرنا پھرنا پڑا۔ جب کراچی پہنچا تب بغور نظر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کعبہ شریف سیدھا مغرب کی طرف ہے۔ وہاں گھر آیا تو خیال آیا کہ اب کعبہ سیدھا مغرب کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ کچھ جنوب کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ لیکن تمام ملک پاکستان کے آدمیوں کا زمانہ قدیم سے خیال آیا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ تمام لوگ غلط ہوں اور اکیلا میں ٹھیک خیال کرسکتا ہوں۔ شرم کے مارے نماز تو پڑھتا ہوں مگر خیال دل سے جہت کعبہ نہیں جاتا۔ خیر اب میرے پاس چند آدمی ضلع مردان کے آئے۔ انہوں نے یہی بات دریافت کی تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ ہم اور ہمارے شمال والے بھی سیدھا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن ہمیں بھی اب اس بات کا یہی تصور آتا ہے کہ کعبہ ایک جگہ ہے۔ اور اسی کی طرف منہ کرنا چاہیے یہ بات پہلے کسی نے نہیں کی۔ کہ ایک کعبے کی طرف منہ کرنا کیسے صحیح ہوتا ہے۔ کہ کراچی سے ضلع مردان دو ہزار میل لمبا سفر ہو۔ اور ہر کوئی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر سیدھا کعبہ کی طرف منہ کرے اور کعبے کی جہت صحیح ہو جائے۔ اگر میری بات صحیح ہو تو فرمادیں اگر میرا خیال محض غلط ہو تو بھی عقلی نقلی دلیل سے مجھے سمجھانا چاہیے۔ ملک حجاز و عجم میں کچھ جہتوں کا فرق ہے یا نہیں اور کیوں۔

﴿ج﴾

واضح ہو کہ استقبال قبلہ نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ مگر مکہ والے کے لیے جسے کعبہ شریف نظر آ رہا ہو عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اور دوسرے لوگوں کے لیے صرف جہت کعبہ کی طرف رُخ کرنا کافی ہے۔ قال فی الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۵ (فللمکی) اصابۃ عینها) (ولغیرہ) ای غیر معاینها (اصابۃ جهتها) بان یبقی بشیٔ من سطح الوجه مسامتا للکعبۃ او لهوائها[1]۔ لہٰذا ہم پاکستانیوں کے لیے جو بہت دور ہیں۔ مکہ مکرمہ سے مابین المغرب بین مغرب صیف (گرمیوں میں سورج کے غروب ہونے کی جگہ) اور

---

۱) کذا فی الدر المختار: کتاب الصلوۃ، مبحث فی استقبال القبلۃ، ج ۲ ص ۱۳۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

مغرب شتاء (سردیوں میں سورج کے غروب ہونے کی جگہ) رخ کرنا کافی ہے اللہ جل شانہ کا ہم بندوں پر کتنا بڑا فضل ہے کہ دور رہنے والوں کے لیے صرف جہت کو رخ کرنا کافی سمجھا ورنہ ہم کتنی بڑی مشقت میں پڑ جاتے۔ اور ہمارے سمت قبلہ کی دلیل عہد صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کی بنا کردہ محرابیں ہیں، اس کے خلاف دقائق علم نجوم وفلکیات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ اس پر رب تعالیٰ نے ہمیں مکلّف کیا ہے۔ قال فی الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۷ وتعرف بالدلیل وھو فی القری والامصار محاریب الصحابة والتابعین و فی المفاوز والبحار النجوم کالقطب والافمن الاھل۔ اوراس جہت کا فرق دور کے شہروں میں معمولی سے تفاوت سے واقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا آپ اپنے دل سے شک وشبہ کو بالکل نکال دیں۔ اور اسلاف کرام کے عہد و زمانہ کی بنا کردہ مساجد کی محرابوں کی سمت کی طرف نماز ادا کرلیا کریں۔ اس میں بہت بڑی وسعت اور گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

معذور ضعیف امام کا حکم

(س)

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہمارے امام مسجد صاحب بالکل ضعیف اور نابینا ہیں۔ جماعت کراتے وقت جب سجدہ کرنے کے بعد دوسری رکعت کے قیام کے لیے اٹھتے ہیں تو ان کا رخ قبلہ کی سمت سے ہٹ جاتا ہے اس صورت میں امام اور مقتدی کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں۔ الحاج شیخ محمد عالمگیر محلہ ٹوبا عالم شاہ ملتان

(ج)

تھوڑے سے انحراف سے استقبال قبلہ میں کچھ فرق نہیں آتا اس صورت میں نماز امام اور مقتدیوں کی درست ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم

قبلہ کا تعین قطب نما یا قطب ستارے سے

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل جو مساجد کی بنیاد رکھتے ہیں آیا اس کی بنیاد قطب نما آلہ

---

۱) کذا فی الدر المختار: مبحث استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشیدیه کوئته۔

۲) کذا فی رد المحتار: والحاصل أن المراد بالتیامن والتیاسر الانتقال عن عین الکعبة الخ لکن وقع فی کلامهم ما یدل علی أن الانحراف لا یضر الخ، کتاب الصلوة، مبحث فی استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشیدیه کوئته۔

سے رکھی جائے یا قطب ستارہ کو دیکھ کر کیونکہ لوگ ان دونوں کے درمیان فرق بتاتے ہیں۔تقریباً دوفٹ کا فرق ہے تو اب مساجد کی تعمیر قطب نما آلہ کو دیکھ کر رکھیں یا کہ قطب ستارہ کو۔

﴿ج﴾

سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے۔ بلکہ طریقہ معروفہ سلف یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے۔ جہاں نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب تارہ وغیرہ کے مشہور ومعروف ذرائع سے اندازہ کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جائے[۱]۔اگر اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ حسب طریقہ صاحب بدائع ان بلاد میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے۔اور اس پر احکام دائر ہیں۔ **ونصہ ولانهم جعلوا عين الكعبة قبلة في هذه الحالة بالتحرى و انه مبني على مجرد شهادة القلب من غير امارات والحجة صارت قبلة باجتهاد هم المبنى على الامارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر و غير ذلک**...... ج ۱ ص ۱۱۸[۲]۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قصداً نماز چھوڑنے والے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ جو شخص قصداً ایک نماز قضاء کرلے۔امام احمد بن حنبل کے فتویٰ کے مطابق وہ کافر اور امام شافعی اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔اور امام اعظمؒ اس کے ہمیشہ قید رکھنے کو واجب جانتے ہیں۔ یہ تو ایک نماز چھوڑنے کا فتویٰ ہے۔ جو شخص ہمیشہ نہ پڑھے یا کئی سالوں تک نہ پڑھے اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے اور اس کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کیا جائے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ترک صلوٰۃ بدون انکار فرضیت کفر کا موجب نہیں ہے۔اس کے

---

۱) كذا في الدر المختار: وتعرف بالدليل وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب والا فمن الأهل، مبحث في استقبال القبلة، ج ۲ ص ۱۳۸، طبع رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) كتاب البدائع والصنائع: كتاب الصلوة، فصل في شرائط الأركان، ج ۱ ص ۱۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

ساتھ کفار کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے [۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم
محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بے نمازی کے لیے کفر کا فتویٰ

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید نے فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کی قربانی ناجائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق صرف نماز کا ہے۔ لہٰذا نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے۔ اور کافر کا کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ لہٰذا اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ بینوا توجروا

﴿ج﴾

اگرچہ نماز ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے [۲] لیکن تارک صلوٰۃ بنا بر مذہب جمہور کافر نہیں ہوتا [۳]۔ لہٰذا تارک نماز کی قربانی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) كما في تفسير المظهري: أجمع الامة على أنها فريضة قطعية يكفر جاحدها، وأما تارك الصلوة عمداً وقال أبوحنيفةؒ لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب، مسئلة الصلوة فريضة قطعية يكفر جاحدها وهل يكفر تاركها بغير عذر، تحت قوله تعالى: حافظوا على الصلوات، ج ١ ص ٣٣٤، مكتبه بلوچستان بك ڈپو كوئته۔

هكذا في التنوير الأبصار مع الدر المختار: وتاركها عمداً مجانةً أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي ...... وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، طبع ايچ ايم سعيد كراتشي۔

ومثله في الشامية: وقال أصحابنا في جماعة منهم الزهري لا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يموت أو يتوب، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔

٢) كما في التنوير الأبصار: وتاركها عمداً مجانةً أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔ هكذا في الشامية: ج ١ ص ٣٥٢، سعيد كراتشي۔

ومثله في تفسير المظهري: تحت قوله تعالى حافظوا على الصلوات، ج ١ ص ٣٣٤ بلوچستان بك ڈپو كوئته۔

٣) كما في فتح الباري تحت الحديث من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر، وتمسك بظاهر الحديث أيضاً الحنابلة ومن قال بقولهم من أن تارك الصلوة يكفر ...... وأما الجمهور فتأولوا الحديث ...... فقيل المراد من تركها جاحداً لوجوبها او معترفاً لكن مستخفاً مستهزئاً بمن أقامها، كتاب مواقيت الصلوة، باب من ترك العصر، ج ٢ ص ٤١، قديمي كتب خانه كراچي۔

کیا تارک نماز کافر ہے

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کرتا ہے کیا وہ مطلقاً کافر ہے یا مسلمان ہے۔

﴿ج﴾

تارک الصلوٰۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوالدرداء، و حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، نخعی، ایوب سختیانی، ابوداؤد الطیالسی، ابوبکر ابن ابی شیبہ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اور حماد بن زید، مکحول، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں دیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہیے۔ اور خوب سزا دینا چاہیے۔ اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے۔ یہاں تک کہ توبہ کرلے۔ یا اسی حالت میں مرجائے۔ (تفسیر مظہری[۱]، نفع المفتی[۲] درمختار[۳]) اور اس سے اختلاط و خورد و نوش و گفتگو ترک کر دینا چاہیے۔ کہ اس وقت بجائے حبس کے اس قدر ممکن ہے۔ اور حبس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرلے۔ (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے[۴]) (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۴۴)[۵]

تارک نماز کے نیک اعمال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید ہر کام دین کے مطابق کرتا ہے صرف نماز گاہے بگاہے

---

۱) کتاب تفسیر مظہری: تحت قوله تعالی: حافظوا على الصلوات الخ، مسئلة الصلوة فريضة وقطعية الخ، بلوچستان، بک ڈپو کوئٹہ۔

۲) نفع المفتي والسائل: كتاب الصلوة، ص ۱۷۷، طبع مكتبه جليبيه كوئٹہ۔

۳) الدر المختار: كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۵۲، سعيد كراتشي۔
ومثله في الشامية: كتاب الصلوة، ج ۱ ص ۳۵۲، سعيد كراتشي۔

٤) البخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك رضي الله عنه، ج ۲ ص ٦٣٤، قديمي كراتشي۔

٥) امداد الفتاوى: مسائل منثورة متعلقه بكتاب الصلوة، ج ۱ ص ٥٤٩، دار العلوم كراتشي۔

چھوڑتا ہے۔ زید اور کام جو کرتا ہے اس کو ثواب سمجھتا ہے علمائے کرام کی کیا رائے ہے۔

ج

نماز چھوڑنے والا شخص گنہگار ہے جو شخص عمداً فرض نماز ترک کرتا ہے اس کے متعلق علمائے دین کا اختلاف ہے۔ اگر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابودرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا مذہب نیز ائمہ دین میں سے امام احمد ابن حنبل، اسحاق ابن راہویہ، ابراہیم نخعی، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ایوب السختیانی اور ابوداؤد الطیالسی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ دائرہ اسلام سے الگ ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو بنابر ارتداد قتل کیا جاوے۔

حضرت امام شافعی، امام مالک، حماد بن زید اور مکحول رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ کافر تو نہیں ہوتا لیکن اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو حاکم اسلامی قتل کردے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب سب سے اسہل ہے وہ یہ ہے کہ قتل کیا جاوے، نہ اسلام سے خارج۔ مگر حاکم وقت اس کو قید شدید میں رکھے اور خوب مارے حتیٰ کہ بدن سے خون نکل آوے، یہاں تک کہ یا تو وہ توبہ کرلے یا اسی حالت میں مرجائے (۱)۔ اس سے اختلاط وغیرہ تعلقات بند کیے جاویں۔

یہ ہے اصل حکم اسلام میں نماز چھوڑنے والے کا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں لوگوں نے نماز میں جو تساہل اختیار کیا وہ تو حد تنفر واعراض کو پہنچ چکا ہے جو سب کے نزدیک موجب کفر ہے (۲) لہٰذا اس شخص کو چاہیے کہ نماز ضرور

---

۱) کما فی تفسیر المظهری: أجمع الامة على أنها فريضة قطعية يكفر جاحدها، وأما تارك الصلوة عمداً وقال أبوحنيفة لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب، مسئلة الصلوة فريضة قطعية يكفر جاحدها، ج ١ ص ٣٣٤، مكتبه بلوچستان بك ڈپو کوئٹہ۔

ومثله فى التنوير الأبصار مع الدر المختار: وتاركها عمداً مجانةً أى تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلى ...... وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، طبع ايچ ايم سعيد كراتشى۔

ومثله فى الشامية: كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥٢، سعيد كراتشى۔

٢) لما فى فتح البارى تحت الحديث من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر، وتمسك بظاهر الحديث أيضاً الحنابلة ومن قال بقولهم من أن تارك الصلوة يكفر ...... وأما الجمهور فتأولوا الحديث ...... فقيل المراد من تركها جاحداً بوجوبها او معترفاً لكن مستخفاً مستهزئاً بمن أقامها، كتاب مواقيت الصلوة، باب من ترك العصر، ج ٢ ص ٤١، قديمى كتب خانه كراچى۔

ومثله فى التنوير الأبصار مع الدر المختار: هى فرض عين على كل مسلم ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، كتاب الصلوة، ج ١ ص ٣٥١، سعيد كراتشى۔

ومثله فى فتح القدير: من أنكر شرعيتها كفر بلا خلاف، كتاب الصلوة، ج ١ ص ١٩١، رشيديه كوئٹه۔

بروقت پڑھے اور حلال کمائی کماوے اور گزشتہ نمازوں کی قضا کرے تو اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ ان کو بخش دے گا۔ بہرحال حنفیہ کے ہاں کافر نہیں[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بے نمازی کے لیے حکومت کی سزا کی حیثیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ اگر حکومت وقت ایک آرڈی ننس کے ذریعے یہ حکم جاری کردے کہ ہر مسلمان بالغ پاکستانی سے نماز پر سختی سے عمل کروایا جائے گا۔ جو مسلمان پاکستانی اس پر عمل نہیں کرے گا تو اس کو کوڑوں کی یا جرمانہ یا قید بامشقت کی سزا دی جائے گی۔ کیا حکومت کو ایسی سزا دینے کا اسلام کے مطابق حق حاصل ہے۔

﴿ج﴾

قصداً نماز چھوڑنے والے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص کو قید شدید میں رکھنا چاہیے اور خوب سزا دینا چاہیے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرلے یا اسی حالت میں مرجائے۔ تفسیر مظہری[2] والنفع المفتی والدر المختار امداد الفتاویٰ ج۱ص۵۴۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نماز کی نیت کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں سنت چہار کی یا دو رکعات کی نیت کدام طریقہ کردن اولیٰ است۔

(۱) یک این است۔ نیت کردم ادا میکنم چہار رکعات سنت وسنت رسول اللہ بوقت نماز ظہر وبطرف قبلہ اللہ اکبر۔

---

۱) لما في تنوير الأبصار: وقضاء الفرض والواجب، والسنة، فرض وواجب، وسنة، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، ج ۲ ص ٦٣٣، رشيديه۔

۲) ومثله في تفسير المظهري: تحت قوله تعالى حافظوا على الصلوات، ج ۱ ص ۳۳٤ بلوچستان بك ڈپو كوئٹه۔ امداد الفتاوى: مسائل منثور، متعلقه بكتاب الصلوة، ج ۱ ص ٥٤٩، دار العلوم كراتشي۔

(۲) دیگر نیت این است نیت کردم ادا میکنم چہار رکعات سنت وسنت خدا تعالی وقت نماز خفتن رو بطرف قبلہ اللہ اکبر۔

(۳) دیگر نیت۔ نیت کردم ادا میکنم چہار سنت وقت نماز ظہر یا خفتن اللہ اکبر۔

ان سہ نیتوں میں سے کون سی نیت بہتر ہے۔

﴿ج﴾

سب سے بہتر نیت سنت نماز کی یہ ہے کہ نماز پڑھتا ہوں چار رکعات یا دو رکعات سنت مؤکدہ ظہر کی یا عصر کی رو بطرف قبلہ اللہ اکبر[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نماز جنازہ کی نیت

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز جنازہ کی نیت کس طرح کرنی چاہیے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت اس طرح کرنی چاہیے۔ کہتا ہے کہ نیت کرتا ہوں نماز کی نماز پڑھتا ہوں واسطے خدا کے اور کہتا ہے کہ نماز جنازہ کی نیت میں یہ الفاظ کہنا بھی ضروری ہے کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی۔

کیا ایسا کہنا ضروری ہے کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی۔

﴿ج﴾

نماز جنازہ ہو یا کوئی اور نماز۔ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔ اور یہ لفظ زبان سے کہنا کہ بندگی خاص خدا تعالیٰ کی ضروری نہیں ہے کیونکہ بندگی ہوتی ہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہر مومن مسلمان اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ زبان سے اس لفظ کا کہنا کوئی ضروری نہیں۔ دل کی نیت بھی کافی ہے۔

واللہ اعلم محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

---

۱) كما فی فتح القدير: (قوله أما الذكر باللسان فلا معتبر فيه) أی فی كونه شرطاً لصحة الشروع ويحسن الذكر باللسان لأن يجتمع عزيمة قلبه والعزيمة عقد القلب على ما يفعل، كتاب الصلوة باب شروط الصلوة تتقدمها، ج ۱ ص ۲۳۲، رشيديه۔

ومثله فی فتاوى اللكنوىؒ: وفی السنة بنوی السنة، كتاب الصلوة، التشريع الثانی فی النية، ج ۱ ص ۲۳۹، جليبيه كوئته۔

ومثله فی جامع الرموز: ولغيرهما (ای السنة والنفل) اللهم انی أريد الظهر، كتاب الصلوة، شروط الصلوة، ج ۱ ص ۱۳۷، سعيد كراتشی۔

اصاب المجیب بحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔صورۃ مسئول میں نماز جنازہ ہوگئی مسلمان جب عبادت کرتا ہے۔تو اس کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتی ہے۔زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے[1]، بلکہ صرف مستحب ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ویستحب التلفظ بالنیة (جلداول کتاب الصلوٰۃ)یعنی نیت کا تلفظ مستحب ہے۔ترک مستحب سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔اس کے تلفظ پر زور دینا ضروری قرار دینا بدعت ہے۔اس شخص کو اس سے باز آجانا چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں اگر کہے بہتر ہے۔اسی طرح زبان سے ان الفاظ کو (بندگی خاص خدا تعالیٰ کی) کہنا ضروری نہیں۔بلکہ صرف دل میں نیت کرنا ضروری ہے۔کما فی عالمگیریة ج ا ص ۶۱ النیة ارادة الدخول فی الصلوة والشرط ان یعلم بقلبه ای صلوة یصلی. الخ. ولاعبرة للذکر باللسان فان فعله لتجتمع عزیمة قلبه فهو حسن کذا فی الکافی[2]۔

دورانِ نماز تجوید کے خلاف قرآن پڑھنے کا حکم
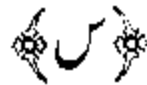
کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

اگر ایک آدمی عالم ہونے کے باوجود بھی لفظ ضاد کو مشابہ بالدال قصداً پڑھتا ہے اور مشابہ بالظاء کو غلط کہتا ہے تو اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اس کو تحریف قرآن کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔

---

۱) کما فی الهدایة: والشرط أن یعلم بقلبه أی صلوة یصلی أما الذکر باللسان فلا معتبر به ویحسن ذالك لاجتماع عزیمته، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ج ۱ ص ۹۵، رحمانیه لاهور۔

ومثله فی فتح القدیر: والنیة هی الارادة والشرط ان یعلم بقلبه ...... اما الذکر باللسان ...... ویحسن ذلك، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التی تتقدمها، ج ۱ ص ۲۳۲، رشیدیه کوئٹه۔

ومثله فی الدر المختار: والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للأدارة فلا عبرة للذکر باللسان ...... الا اذا عجز عن احضاره ...... وهو أی عمل القلب ان یعلم عند الأرادة بداهة بلا تأمل ای صلوة یصلی ...... والتلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، بحث النیة، ج ۱ ص ۴۱۵، سعید کراتشی۔

۲) العالمکیریة: کتاب الصلوة، باب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الرابع فی النیة، ج ۱ ص ۶۵، رشیدیه۔

تجوید وقرأت تفسیر وفقہ، صرف ونحو، لغت وادب۔ ان تمام فنون کے علماء وفضلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضاد صحیحہ فصیحہ رخوہ کا صحیح ومجرد تلفظ یہ ہے کہ نہ یہ عین دال ہے۔ نہ مشابہ بالدال اور نہ ہی عین ظاء معجمہ ہے۔ بلکہ مشابہ و مقارب ظاء معجمہ (۱) ہے۔ پس یہ صوت وسمع میں ظاء کے متقارب ہے۔ چنانچہ کتب تجوید میں مرقوم ہے۔ الضاد یشبہ لفظها للفظ الظاء (کہ ضاد کا تلفظ ظاء کے مشابہ ہے) ولو لا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء (۲)۔ (کہ اگر ان دونوں حرفوں میں استطالت ومخرج کا فرق نہ ہوتا تو یہ دونوں ایک ہی ہوتے) پس اس حرف کو تعمداً وعناداً باوجود قدرت علی الاداء الصحیح عین دال یا مشابہ بالدال پڑھنا بلاشبہ موجب اثم مفسد صلاۃ وتحریف فی القرآن وارتکاب حرام ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ہے۔ وان تعمد ذلک تفسد صلاته (۳) (کہ اگر قصداً ضاد کو عین دال وغیرہ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی) اور اگر صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اور ماہر وقاری کے حکم سے وہ شخص معذور ہو تو پھر عام فقہاء نے گنہگار ہونے اور نماز کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ ملاحظہ ہو منیۃ (۴) المصلی۔ فتاویٰ حجت (۵)۔ المنح الفدکیہ اور عرب کے تلفظ مشابہ بالدال سے استدلال بدیں وجوہ درست نہیں کہ کتب متقدمین اہل عرب صحیح صریح وفصیح۔ اس کے خلاف پر دال ہیں۔ نیز آج کل اختلاط عجم

---

۱) كما في تفسير روح المعاني: والفرق بين الضاد والظاء مخرجاً أن الضاد مخرجها من اصل حافة اللسان وما يليها من الأضراس من يمين اللسان أو يساره ومنهم من يتمكن من أخرجها منهما، والظاء مخرجها من طرف اللسان وأصول الثنايا العليا، واختلفوا في ابدال احداهما بالاخرى هل يمتنع وتفسد به الصلوة أم لا، فقيل تفسد قياساً ...... وقيل لا تفسد استحساناً ...... وقال جمع اذا أمكن الفرق بينهما ...... والا فلا يعسر التميز بينهما خصوصاً على العجم وقد أسلم كثير منهم في الصدر الأول ولم ينقل عنهم حثهم على الفرق ...... ينبغي ان يحول عليه ويفتى به، ج ۳ ص ٦١، طبع مصر۔

۲) كما في رسالة نهاية القول المفيد في علم التجويد، بحواله جواهر الفقه، (مفتی محمد شفیع رحمه الله تعالى) أن الضاد والظاء المعجمتان اشتركتا جهراً ورخاوةً واستعلاء واطباقاً وافترقتا مخرجاً ...... أن هذين الحرفين أعني الضاد والظاء متشابهتان في السمع ...... ولو لا هما لكانت أحداهما عين الأخرى، ص ٥٨، طبع مصر۔

۳) در المختار: كتاب الصلوة، مسائل زلة القارى، ج ۱ ص ٦٣٣، سعيد، (وفيه ايضاً) والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير المعنى تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد في جميع ذلك، كتاب الصلوة، مسائل زلة القارى، ج ۱ ص ٦٣١، سعيد۔

٤) ان كان يجتهد آناء الليل و أطراف النهار في الصحيح ولا يقدر عليه فصلوته جائزة وان ترك جهدة تفسد صلوته حلبى الكبير، شرح منية المصلى كتاب الصلوة، زلة القارى، ج ۱ ص ٤٨٢، سعيدى كوئٹه۔

٥) کتاب دستیاب نہیں۔

سے عرب کی زبانوں میں انقلاب وتغیر اور فساد ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ چنانچہ غیر قرآن میں غالبًا اور قرآن میں قلیلًا حروف عجمیہ (گ پ چ) اور بعض حروف عربیہ غیر مطلوبہ (مثلًا ثاء کے بجائے تاء اور ظاء کے بجائے دال) ادا کرتے ہیں۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ نیز آج کل کے عرب میں دینداری، زہد وتقویٰ، عمل وورع کی کمی ہے۔ تو اس صورت میں ان کے فضل وتلفظ سے حجت نہ پکڑنا اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ نیز مدینہ کے شیخ القراء شیخ حسن شاعر کے فتویٰ میں اس حرف کو اقرب الی ''الظاء'' لکھا ہے۔ اور دال وغیرہ کے تلفظ کو انہوں نے غلط قرار دیا ہے۔ نیز حدیث میں ہے۔ **لافضل للعرب علی العجم الا بتقوی اللہ او کما قال** [1]۔ اور لحون عرب سے لحون صحیحہ وفصیحہ مراد ہیں۔ جو آج کل مفقود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آج کل مدار صحت ومعیار درستگی متقدمین کا کلام ہے۔ جو غیر متبدل ہے۔ اور ویسے بھی جب عمل وقول میں تخالف ہو تو قول کو لیا جاتا ہے کیونکہ فعل میں احتمال عذر وخصوصیت ممکن ہے اور کتابوں کا درجہ بھی قول ہی کا ہے [2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ض۔ ظ۔ د کی ادائیگی کا طریقہ

﴿س﴾

عرض ہے کہ آپ چونکہ تمام پاکستان میں معتمد مفتی ہیں اور عوام کیا تمام علماء پاکستان کا آپ پر اعتماد ہے۔ لہٰذا ہم اہلیان بہادر خیل فی الحال مسئلہ ضاد میں مختلف ہو گئے ہیں۔ قدیم زمانہ سے لوگ **و لا الدوالین یا و لا الدالین** پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے تمام آباؤ اجداد سے یہ قرأت یعنی **و لا الدو الین** چلا آرہا ہے۔ اب ایک مولوی صاحب **و لا الظالین** پڑھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ **و لا الدوالین** سے **و لا الظالین** بہتر ہے۔ جبکہ ضاد کو اصلی مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اب آپ معتبر کتب فقہ وتفاسیر سے مضبوط فتویٰ مفصل اس بارے میں ارسال کیجیے۔ آیا **و لا الدوالین** اچھا ہے یا **و لا الظالین**۔ شرح فقہ میں جو ملا علی قاری صاحب نے یہ عبارت نقل کی ہے۔ کہ **سئل الامام الفضولی**۔ الخ۔ کی توجیہ بھی فرما دیجیے۔ بینوا توجروا۔

---

۱) مجمع الزوائد، ج ۸ ص ۱۶۰، رقم الحدیث، ۱۳۷۹۔

۲) هکذا مثله فی رسالة نهایة القول المفید فی علم التجوید، بحواله جواهر الفقه، (مفتی محمد شفیع رحمه الله) ان الضاد والظاء المعجمتان اشترکتا جهراً أو رخاوة واستعلاء واطباقاً وافترقتا مخرجاً ...... ان هذین الحرفین أعنی الضاد والظاء متشابهان فی السمع ولا تفترق الضاد الا باختلاف المخرج ...... ولولاهما لکانت احدهما عین الأخری فالضاد أعظم کلفة وأشق علی القاری من الظاء وحتی لو قصر القاری فی تجوید الظاء جعلها ضاداً انتهی، ص ۵۸، مطبوعه مصر (مذکوره دونوں کتابوں کی عدم موجودگی میں یه حواله نقل کیا گیا ہے)۔

﴿ج﴾

(الف) قراء مجودین کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ضاد معجمہ کو اس کے مخرج معلوم (زبان کی آخری کروٹ اور اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ) سے بمع جمیع صفات ذاتیہ مقررہ عند القراء (جہر رخوت استعلاء۔ اطباق۔ اصمات۔ استطالت) ادا کیا جائے گا۔ اس طرح کہ زبان کی نوک ثنایا علیا (سامنے والے اوپر کے دو دانتوں) کی نوک اور جڑ سے جدا رہے۔ اور اس کی آواز بلند و جمہوری لطیف و نرم۔ مطبق۔ بطئی و مصمت بتدریج شروع مخرج سے اخیر مخرج تک مستطیل و ممتد ہو۔ تو یہ صرف سمع و اداء شیخ ماہر میں مشابہ بالظاء المعجمہ ہوگا۔ نہ کہ عین ظاء یا عین دال یا عین دواد۔ یا ان کے مشابہ اور یہ تشابہ محض صفتی اور کیفی ہوگا۔ بوجہ اشتراک در اکثر صفات لازمہ نہ کہ ذاتی مخرجی بھی۔ کیونکہ ان میں تخالف مخرجی موجود ہے۔ ان دونوں حروف کے تشابہ کے چند دلائل یہ ہیں۔

(۱) وحقیقة النطق بالضاد ان تخرجها من حافتي اللسان او احداهما و مايحاذيها من الاضراس العليا. ولقطي لها صفاتها. فهذا حقها. ويشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة اھ (حقیقۃ التجوید للشیخ محمد صدیق الخرسانی ص ۳۶ مطبوعہ علی گڑھ)

(۲) فان لطظت بالضاد المعجمة بمخرجها و صفاتها فيشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة اھ۔ (اتحاف العباد للشیخ محمد نمر النابلسی ص ۱۲ نمبر ۲ طبع مصر)

(۳) ان هذين الحرفين متشابهان في السمع ولاتفترق الضاد عن الظاء الاباختلاف المخرج والاستطالة في الضاد ولولا هما لكانت احداهما عين الاخرى اھ. (جهد المقل للعلامة المرعشي نقلاعن الرعايه للمكي)

(۴) اننانجد اعراب الشام وما حولها ينطقون بالضاد فيحسبها السامع ظاء لشدة قربها منها وفيه بحث طويل اھ۔ حاصل یہ کہ امام فضل کا یہ قول اجماعی و اتفاقی نہیں بلکہ زلۃ ولغزش اور خطاء کی صورت میں تبدیل الضاد بالظاء کو موجب عدم جواز امامت (موجب عدم صحت صلوۃ) قرار دینا اکثر مشائخ متاخرین کے قول کے خلاف ہے۔ کیونکہ فقہاء حنفیہ کی عام کتب فقیہ معتبرہ کے باب زلۃ القاری میں مرقوم ہے۔

والاصل انه ان ذكر حرفا مكان حرف و غير المعنى فان امكن الفصل بين الحرفين بلاكلفة كالصاد مع الطاء بان قرأ (الطالحات) مكان (الصالحات) فسدت صلاته عندالكل و ان لم يكن الفصل بينهما الا بمشقة كالضاد مع الظاء والصاد مع السين والطاء مع التاء.

فالاكثر على انه لا تفسد و كثير من المشائخ افتوابه (هكذا في الفتاوى البزازية[1] والفتاوى الهندية[2]، وفتاوى قاضي خان[3]. وفتح القدير[4] و خلاصة الفتاوى[5] و شرح المنية[6] للحلبي۔وردالمحتار[7] للشامي وغيرها)۔

پس یا تو یہ کہا جائے کہ اس قول کے معنی یہ ہیں کہ غیر عارف وغیر مشاق وغیر ماہر جس کی زبان پر غلط ادا جاری ہوجاتی ہو۔اس کی امامت صحیح ومرتل پڑھنے والے کی موجودگی میں درست نہیں۔یا یہ کہیں کہ امام فضلی نے بعض مشائخ کا قول غیر مفتی بہ لیا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ولو تعمد یکفر۔اپنے حال پر۔اور درست ہے۔ملاعلی قاری کہتے ہیں قلت اما کون تعمده کفرا فلا کلام فیه اذالم یکن فیه لغتان ففي ضمنين الخلاف سامی[8] اھ۔واللہ اعلم

هذا ما عندی والعلم عندالهادی. والله يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

ضاد کی آواز کی مشابہت

﴿س﴾
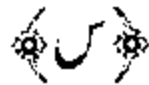
کیا فرماتے ہیں علماء دین وقراء عظام دریں مسئلہ کہ لفظ ضاد کی آواز کن حروف کے مشابہ ہے۔اور اس کا مخرج کیا ہے۔صحیح کتب سے باسناد وباحوالہ جواب عنایت فرماویں۔

﴿ج﴾

جمال القرآن مصنفہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے۔مخرج نمبر ۸ ض کا

---

۱) فتاوى البزازية: كتاب الصلوة، الثاني في عشر في زلة القارى، ج ٤ ص ٤٢، رشيديه۔

۲) العالمكيرية: كتاب الصلوة، فصل الخامس، في زلة القارى، ج ١ ص ٧٩، رشيديه۔

۳) فتاوى قاضي خان، كتاب الصلوة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، ج ١ ص ١٤١، رشيديه۔

٤) فتح القدير: كتاب الصلوة، فصل في القراءة، ج ١ ص ٢٨٢، رشيديه۔

٥) خلاصة الفتاوى: كتاب الصلوة، الفصل الثاني عشر في زلة القارى، ج ١ ص ١٠٦، رشيديه۔

٦) شرح منية للحلبي الكبير: كتاب الصلوة، زلة القارى، ج ١ ص ٤٨٢، سعيدى۔

٧) در المختار: كتاب الصلوة، مسائل زلة القارى، ج ١ ص ٦٣٣، سعيد كراتشي۔

٨) الفقه الأكبر لملا على القارى: مطلب في ايراد الألفاظ المكفرة التي جمعها العلامة بدر الرشيد، فصل من ذلك في ما يتعلق بالقراءة والصلوة، ج ١ ص ٤٥٧، طبع دار البشائر الإسلامية۔

ہے۔اور وہ حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ دائیں یا بائیں سے نکلتا ہے۔جبکہ اضراس علیا یعنی زبان اوپر کی داڑھوں کی جڑوں سے لگادیں اور بائیں طرف سے آسان ہے۔اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں۔اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں۔ اس لیے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے۔اس حرف کو دال پر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے۔ یہ بالکل غلط ہے۔اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے۔البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی۔علم تجوید وقرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

اور تفسیر عزیزی ص ۷۳ (سورۃ التکویر) پر ہے وفرق درمیان مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است اگر خوانندگان این دیار ہر دو را یکسان برآرند نہ در مقام ضاد ظا میشود و نہ در مقام ظا ضاد مخرج ایں ہر دو حرف را جدا جدا شناختین قاری قرآن را ضروراست۔الخ

اور جہد المقل میں ہے۔**الضاد و الظاء و الذال المعجمات الکل متشارکة فی الجهر والرخاوة و متشابهة فی السمع (وایضافیه) ویشبه صوتها (ای صوت الضاد المعجمة) صوت الظاء المعجمة بالضرورة......** (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۷ مطبع شوکت اسلامیہ[۱]) اور سعایہ شرح شاطبی میں ہے **ان هذه الثلث (ای الضاد و الظاء و الذال) متشابهة فی السمع و الضاد لاتفترق من الظاء الاباختلاف المخرج و زیادة استطالة فی الضاد و لولاهما لکانت احدیهما غیر الاخری**۔(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۷ مطبع شوکت اسلامیہ)[۲]

اس مسئلہ کی مزید تفصیل مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی اور احسن الفتاویٰ مولانا رشید احمد......اور تفسیر مواہب الرحمان تحت آیۃ **وما هو علی الغیب بضنین** (سورۃ تکویر) میں ملاحظہ فرمالیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حروف کی غلط ادائیگی سے نماز میں فساد

﴿س﴾

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم!

---

۱) مجموعة الفتاوی، ج ۱ ص ۲۵۱، ایچ ایم سعید،

۲) مجموعة الفتاوی، ج ۱ ص ۲۵۱، ایچ ایم سعید،

المرام آنکہ احقر کو ایک مسئلے کے متعلق ٹھوس اور آخری تحقیق مطلوب ہے۔ متعدد علماء کرام سے استفسار کر چکا ہوں لیکن ہنوز اطمینان میسر نہیں آیا۔ اللہ کرے آپ ہی کی بدولت یہ مسئلہ حل ہو جاوے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے زلۃ القاری کے باب میں ابدال حرف بحرف آخر کی صورت میں نماز کے فساد وعدم فساد کی جو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ معنی میں تغیر ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ ساری بحث ابدال خطا ہی کے بارہ میں ہے یا ابدال عجز، ابدال عمد کا بھی یہی حکم ہے۔ تشویش یہ ہے کہ اگر ابدال عجز کا بھی یہی حکم ہے تب تو نماز کے صحیح ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی حرف کے صحیح ادا کرنے پر قادر ہی نہیں تو اس کی نماز کے صحیح ہونے کے معنی کے تغیر پر موقوف رکھنے کا کیا معنی؟ اور ایسے ہی اگر اس تفصیل کو ابدال عمد پر بھی لاگو کیا جائے تو پھر قرآن کے الفاظ کی کوئی صورت اہمیت ہی کی باقی نہیں رہتی اس لیے کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب تک معنی نہ بدلیں خواہ کوئی شخص جان بوجھ کر غلط سلط اور کچھ کا ہی کچھ کیوں نہ پڑھتا رہے اس کی نماز پر فساد کا حکم نہیں کیا جا سکتا نیز اس سے عمد اور خطا دونوں کا مساوی ہونا معلوم ہوگا۔ حالانکہ دوسرے احکام شرعیہ میں عمد اور خطا میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ قتل خطاء کے بارے میں تو ارشاد باری یہ ہے۔ **ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة** الخ اور قتل عمد کے بارے میں ارشاد ہے۔ **ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاءه جهنم** الایۃ۔ نیز زلۃ کے لفظ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل ابدال خطا ہی سے متعلق ہے اس لیے کہ عجز اور عمد دونوں کے بارے میں زلۃ کے لفظ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن بعض حضرات کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنا تحریف کا موجب تو ہے مگر نماز اس سے اسی صورت میں فاسد ہوتی ہے کہ معنی بھی بدل جائیں۔ حالانکہ تحریف ایک بدترین عمل ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تعمد کو کفر کا موجب بھی بتایا ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر میں یہ عبارت موجود ہے۔ **وفي المحيط سئل الامام الفضل عن من يقرأ الظاء مكان الضاد او بالعكس فقال لاتجوز امامته ولو تعمد يكفر**۔ چنانچہ شامی میں خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے قاضی ابو عاصم کا جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ **ان تعمد ذلک تفسدو ان جری علی لسانه او لایعرف التمییز لاتفسد** ج ۱ ص ۴۶۸۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ تعمد بہر حال مفسد ہے اور عجز بہر حال غیر مفسد۔ اس لیے آنجناب سے ملتمس ہوں کہ اس بارہ میں آخری اور انتہائی تحقیق کو پہنچا ہوا فیصلہ صادر فرمائیں کہ آیا جب تک معنی میں تغیر فاحش نہ ہو اس وقت تک نماز نہیں ٹوٹتی یا یہ کہ کسی شخص کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ خواہ معنی نہ بھی بدلیں۔ جیسے کوئی شخص عمداً **یعلمون** کو **یفعلون** اور ولا الضالین کو ولا الظالین پڑھے۔ کیونکہ بعض غیر مقلدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فقہاء نے چونکہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز

قرار نہیں دیا اس لیے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ جائز ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی تب تو ان کی بات ثابت ہو جاتی ہے۔ نیز ابدال کی ایک صورت اور بھی ذہن میں آتی ہے کہ قاری صحیح تو پڑھ سکتا ہو۔ لیکن تساہل اور بے پرواہی برتے جس سے غلط پڑھا جائے۔ اس لیے اس صورت کا بھی حکم بیان فرماویں۔ نیز قاضی ابو عاصم کے کلام میں عجز کی دو صورتیں مذکور ہوئیں۔ یعنی ایک جری علی لسانہ اور دوسری لایعرف التمییز ان کی بھی وضاحت فرمائیں۔ برائے کرم اپنے فتویٰ میں فقہاء کی عبارتیں بھی بمعہ حوالہ جات درج فرمائیں۔ کیونکہ احقر آپ کے جواب کو اپنی ایک کتاب کا حصہ بنانا چاہتا ہے۔ فقط والسلام مع الآداب والاکرام۔ قاری محمد شریف لاہوری حال مقیم مسجد ریاض دہلی سوداگرانی کالونی شہید ملت روڈ......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(الف) ابدال حرف بحرف آخر کی آٹھ صورتیں ہیں۔ (۱) ابدال زلۃ وخطاء (باوجود قدرت ادا اور یادداشت کے مشاق وواقف کی زبان سے خطا بے اختیار و بلا قصد وارادہ سبقت لسانی سے ایک حرف کے بجائے دوسرے حرف کا نکل جانا اور اسی کو ابدال جریان علی اللسان کہتے ہیں) (۲) ابدال عجز وعذر (آناء اللیل واطراف النہار پوری محنت ومشقت اور انتہائی ریاضت ومجاہدہ کے باوجود بحکم شیخ کامل وماہر واستاد معتمد ومستند تمایز حروف وتعدد وتفریق مخرج سے عاجز و بے بس ہونا اور ان کے تغایر پر قدرت نہ رکھنا عام ہے کہ عذر فطری وخلقی ہو جیسے لثغت (توتلاپن) یا غیر فطری ہو جیسے غلظت لسان وعدم مطاوعت فم (زبان کا سخت اور اکھڑ ہونا) (۳) ابدال سہو ونسیان (ذہول وبھول سے ایسا ہو جانا) (۴) ابدال شک وتردد (شبہ اور ظن سے ایسا کرنا) یہ دونوں صورتیں ابدال زلت والی صورت کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ ان میں بھی قصد وارادہ کا دخل نہیں۔ (۵) ابدال تعمد بالاعتقاد والاصرار (اپنے قصد واختیار اور دلی اعتقاد ویقین سے اور عینیت واتحاد کی قطعیت سے جان بوجھ کر بنیت تحریف وتبدیل ہمیشہ اور ہر جگہ ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف پڑھنا اور ان کے تغایر کا مجود وانکار کرنا) (۶) ابدال تعمد مع القدرۃ و تغیر المعنی بلااعتقاد و اصرار (صحیح ومجود ومتمائز کی ادا پر قدرت رکھتے ہوئے طوعاً وقصداً تبدیلی حرف کرنا جبکہ معنی بھی متغیر ہو جائیں۔ مگر اعتقاد واصرار نہ ہو عام ہے کہ اس کا منشاء نزاع وفساد ہو یا ضد وعناد یا خوف فتنہ یا استغراب ہو) (۷) ابدال تعمد مع القدرۃ بلااعتقاد و تغیر و اصرار (قدرت ادا کے باوجود ارادۂ تبدیلی کرنا، جبکہ اعتقاد وتغیر اور اصرار ومداومت نہ ہو۔ عام ہے۔ کہ تاویل وشبہ کی بناء پر ہو یا بے پرواہی کی وجہ سے ہو) (۸) ابدال بالقصد مع عدم التمیز (عوام و

خواص غیر مشاق کا عدم مشق و ریاضت اور تساہل و تکاسل و غفلت و بے خیالی کے سبب یا بے علمی و ناواقفیت و جہالت کے یا تجوید و تصحیح کی ضرورت و فرضیت سے ناواقف ہونے کے سبب تبدیلی حروف کرنا اور تصحیح و تمییز کی طرف سے لاپرواہی و بے توجہی برتنا) آئندہ بیان سے ان سب صورتوں کے احکام و مسائل متعلقہ نماز معلوم ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ب) قدماء فقہاء حنفیہ کے نزدیک فساد صلوٰۃ کا مبنی و مدار (بصورت زلۃ القاری) تغیر معنی انقلاب مراد الٰہی، مخالفت مفہوم یا احتمال مطلب پر ہے۔ اور متاخرین کے یہاں فساد صلوٰۃ کا منشاء بصورت وضع صرف مکان حرف آخر تمایز بالسہولۃ و فصل بالمشقت ہے اور تفصیل یہ ہے۔

اول! قدماء احناف کا مسلک کلی زلۃ القاری میں یہ ہے کہ اگر اس سے ایسا تغیر فاحش معنوی ہو جائے جس کے اعتقاد سے کفر لازم آ جاتا ہو تو اس سے مطلقاً (عمداً ہو خواہ سہواً یا زلۃ و خطاء) نماز فاسد ہو جائے گی سوائے بے موقع وقف و وصل کے مقامات کے۔ (مثلاً و لاتقربوا الصلوۃ. لا الہ. اصحب النار الذین یحملون العرش عزیزن بن اللہ. وایاکم ان اتقوا اللہ). کہ ان میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر تغیر معنوی مادون کفر مگر فاحش وقوی و غیر موافق ہو جس سے انقلاب معنی اور فساد مراد لازم آئے کہ ہر دو معنی میں کسی قسم کی بھی مناسبت متصور نہ ہو سکے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مثلاً ھذا الغراب کی جگہ ھذا العباد اور تبلی السرائر کی جگہ تبلی السرائل) اور اگر تغیر معنوی بعید مادون فاحش یا تغیر قریب یا موافق ہو تو فاحش نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زلۃ وخطاء حروف کی ہیئات (اعراب و تشدید وغیرہ) میں ہو تب بھی مفسد صلوٰۃ نہیں الا یہ کہ وہ فاحش و بعید ہو۔ اسی طرح اگر غلطی کلمات و آیات میں واقع ہو اور وہ کلمہ یا آیت مبدل عنہا قرآن میں موجود ہو۔ تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ھکذا قال الحلبی فی غنیۃ المستملی. وکذا فی فتاوی السعدیۃ والشامیۃ والخانیۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ) اور واضح ہو کہ قاضی خان کی تمام جزئیات مستنبطہ اور فروع متخرجہ (در باب زلۃ القاری) اسی قول قدماء پر ہی متفرع ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ولو قرأ والعدیت ظبحا بالظاء تفسد صلوتہ (۳) وکذا لو قرأ (غیر المغضوب علیھم) بالظاء و بالذال تفسد صلوتہ. ولو قرأ (ولاالضالین) بالظاء و بالذال تفسد صلوتہ (۴) (ولسوف یعطیک ربک فترضی) قرأ فترظی بالظاء تفسد صلوتہ (۵) کیدھم فی تضلیل) قرأ بالظاء قال بعضھم لا تصح۔ اسی طرح مندرجہ ذیل اغلاط بھی برقول متقدمین بسبب تغیر معنی یا اہمال مفسد ہیں۔ فرض کی جگہ فرظ یا فرز۔ وتلذ میں ضاد وظاء۔

مماذرأ اور وذروا میں بھی ضاد و ظاء لاذقنک اور وذللنھا تذلیلا. فظًا غلیظ. میں

ضادفظلت میں ضادوذال، لظلام میں ذال۔(۸)لاانفصام میں سین۔(۹)خصیما میں سین۔(۱۰) سربا میں صاد۔(۱۱)الصخرۃ یخصفن میں سین۔(۱۲)سوط قسورۃ میں صاد۔اسی طرح (۱۳)سدیدا میں صاد۔(۱۴)صبحا میں سین۔اسی طرح (۱۵)وتواصو بالصبر میں سین۔(۱۶)والصیف میں سین۔(۱۷)وصموا میں سین۔(۱۸)حسوما میں صاد۔(۱۹)متربص فتربصوا میں سین۔ (۲۰)وعنت الوجوہ میں دال۔(۲۱)نبطش البطشۃ میں تا۔(۲۲)الصراط میں تا۔(۲۳)امطرنا اور مطرا میں تا۔(۲۴)فطرۃ اللہ ۔(۲۵)والطور۔(۲۶)لولا ن ربطنا ۔(۲۷)لوط میں تا۔والتین میں طاء(۲۸)الم یجدک میں دال کی جگہ تا۔(۲۹)حمالۃ الحطب میں تا۔(۳۰)طائفۃ میں تا۔ (۳۱)طائفۃ (۳۲)والتین میں طاء(۳۳)یدخلون میں تا۔(۳۴)احد لم یلدو لم یولد میں دال کے بجائے تا۔ پس ان تمام جزئیات میں عوام وخواص سب کا حکم یکساں ہے۔اور اسی طرح عموم بلویٰ اور عدم معرفت تمایز کا لحاظ نہیں کیا گیا۔پس یہ قول احتیاط وانضباط پر مبنی ہے[1]۔

دوم متاخرین احناف۔(ابن مقاتل، ابن سلام، اسماعیل زاہد، ابوبکر بلخی، نہدارانی ابن فصل، حلوانی رحمہم اللہ وغیرہم) کا قاعدہ کلیہ (وضع حرف مکان حرف آخر کے بارے میں) یہ ہے کہ اگر اس سے معنی متغیر نہ ہوں (مثلاً ان المسلمین کی جگہ ان المسلمون. ان الظالمین کی جگہ ان الظالمون) تو نماز بہرحال فاسد نہ ہوگی۔ (سوائے تعمد اعتقاد واصرار والی صورت کے) اور معنی کے تغیر وتبدل کی تقدیر پر اگر وہ دونوں حرف ایسے ہوں کہ ان میں آسانی سے جدائی ممکن ہے۔جیسے طاء وصاد، اور باوتا، اور جیم ولام وغیرھا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔اور اگر وہ دونوں حرف ایسے ہوں کہ ان میں بغیر مشقت وکلفت کے فرق وامتیاز ممکن نہیں ہے۔جیسے ضادوظاء اور صادوسین اور طاء وتاء اور ذال وظاء اور قاف وکاف (مثلاً غیر المغضوب کی جگہ غیر المغظوب اور الصمد کی جگہ السمد اور اطھر کی جگہ اتھر اور تلذ کی جگہ تلظ اور فلا تقھر کی جگہ فلاتکھر پڑھے) تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔اکثر ائمہ مشائخ کا قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اکثر مشائخ کبار (ابومطیع بلخی، ابوالقاسم محمد بن سلمہ رحمہما اللہ وغیرہ) نے حروف مشکلہ متغیر المعنی میں عموم بلویٰ ودفع حرج اور ضرورت ورخصت اور وسعت کی غرض سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔(یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جبکہ

---

۱) کما فی ردالمحتار، والقاعدۃ عندالمتقدمین ان ماغیر المعنی تغییرا یکون اعتقادہ کفر ایفسد فی جمیع ذالک سواء کان فی القرآن اولا الا ماکان من تبدیل الجمل مفصولا بوقف تام و ان لم یکن التغییر کذالک فان لم یکن مثلہ فی القرآن والمعنی بعید متغیر تغییرا فاحشا یفسد ایضا (کتاب الصلوٰۃ مطلب مسائل زلۃ القاری، ج ۲، ص ۴۷۳، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

بلا تعمد ہو۔ ورنہ بصورت تعمد بحالت تغیر معنی اتفاقاً مفسد ہے[1]) ھکذا فی الفتاوی البزازیۃ والفتاوی الھندیۃ و فتاوی قاضیخان و فتح القدیر و خلاصۃ الفتاوی وغنیۃ المستملی و ردالمحتار المعروف بالشامیۃ)[2]

(ج) اب مندرجہ بالا قواعد وضوابط کی روشنی میں ابدال حرف بحرف آخر کی آٹھوں صورتوں کے احکام الگ الگ تحریر کیے جاتے ہیں۔ واللہ ھوالموفق وھوالہادی۔

(۱) ابدال زلت (اوراس کے دونوں ملحقات یعنی) ابدال سہوونسیان، ابدال شک وتردد، (ابدال غلط مع عدم العلم) کا بھی یہی حکم ہے۔ (یعنی غلطی سے تبدیلی حرف کرنا، جبکہ قاری کو اپنی غلطی کا علم نہ ہو) ان صورتوں میں تغیر معنیٰ یا اہمال لازم آئے۔ نیز دونوں حرفوں میں تمایز اصوات سہولت سے ممکن ہوتو باتفاق قدماء ومتاخرین حنفیہ اوراگر صرف تغیر معنوی ہومگر تمایز سہولت سے نہ ہوسکے تو صرف متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہے۔ اوراگر عدم امکان فصل بلا مشقت اورعدم تغیر معنوی ہوتو اتفاقاً نماز غیر فاسد ہے۔ اور بصورت عدم تغیر معنی بالاجماع غیر فاسد ہے۔ عام ہے کہ وہ دونوں حروف سہل التمیز ہوں یاعسیر التمیز ہوں۔ کیونکہ حقیقت کی رو سے نماز کی صحت اوراس کا فساد صحت معنی اورفساد معنی کے تابع ہے۔ چنانچہ تمام کتب فقہ میں متاخرین کا قاعدہ مذکورہ تغیر المعنی کی قید سے مقید ہے۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔ اور ایک قول (قاضی ابوالحسن، قاضی امام ابوعاصم اور صفار رحمہم اللہ کا) یہ ملتا ہے کہ زلت وخطاء جریان ولغزش کی صورت میں مطلقاً نماز غیر فاسد ہے۔ خواہ تغیر معنی ہی لازم آجائے اوروہ دونوں سہل التمایز ہی ہوں۔ بزازیہ میں اس قول کو اعدل الاقاویل اورمختار قرار دیا ہے۔ اور آج کل عموم بلویٰ اورضعف حفظ وضبط کی وجہ سے اس قول پر جائز ہے۔

---

۱) واما المتأخرون کابن مقاتل...... فاتفقوا علی ان الخطا فی الاعراب لایفسد مطلقا ولواعتقاده کفرا...... وان کان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینهما بلا کلفة کالصادمع الطاء بان قرأ...... فاتفقوا علی انه مفسدوان لم یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد...... فاکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی۔ الخ کتاب الصلوٰة مسائل زلة القاری ج ۲، ص ٤٧٤، مکتبه رشیدیه۔

۲) وکذا فی الهندیة، کتاب الصلوٰة الفصل الخامس فی زلة القاری ج ۱، ص ۷۹، طبع مکتبه علوم اسلامیه، چمن۔

وکذا فی فتاوی قاضی خان، کتاب الصلوٰة فصل فی قراءة القرآن خطأ...... ج ۱، ص ۱٤۰

وکذا فی البزازیه، کتاب الصلوٰة الثانی عشر فی زلة القاری ج ٤، ص ٤٢۔

وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوٰة الفصل الثانی عشر فی ذلة القاری ج ۱، ص ۱۰۵، طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه

وکذا فی حلبی کبیر: فصل فی بیان احکام زلة القاری: ج، ص ٤٨٦، سهیل اکیڈمی)۔

(۲) ابدال عجز وعذر (عدم قدرت) اس صورت میں نماز اجماعاً بہر حال غیر فاسد ہے تغیر ہو خواہ نہ ہو۔ نیز دونوں حرفوں میں عسر الفصل ہو خواہ نہ ہو۔ پس اس میں قاری کو معذور و مجبور، مصیب ومعفو عنہ تصور کیا جائے گا، اور نہ تو اس کی نماز ہی باطل ہے اور نہ وہ خود گنہگار ہے۔ بلکہ باوجود تکلف ومشقت کے اگر ادا نہ ہوگا تو بھی اجر ملے گا اجر مشقت واجر قراءت۔ عن عائشة رضى اله عنها. قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الماهر بالقران مع السفرة الكرام البررة والذى يقرأ القران و يتعتع فيه وهو عليه شاق فله اجران[1]۔ (متفق علیہ)

لیکن احتیاطاً وہ تصحیح وتجوید کی کوشش ومحنت کرتا رہے۔ اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا تو خوف مواخذہ ہے۔ اس صورت کے حکم مذکور کے دلائل یہ ہیں۔ (۱) لایکلف الله نفسا الاوسعها۔ (البقرۃ ع۲۸۶۔۴۰) (۲) وما جعل عليكم فى الدين من حرج۔ (حج ع۱۷-۱۰) (۳) امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۸۲ فصل تجویز میں ہے۔ وجواب خامس تتمہ ہم وارد و آں اینکہ بفساد صلوۃ (ای بصورت تغیر معنی) برفتویٰ متاخرین عام نیست۔ بلکہ مخصوص است بقادر براداے صحیح۔ اما غیر قادر پس نمازش و ہمچنیں امامتش صحیح خواں راوغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است۔ خواہ بصورت دال خواند خواہ بصورت ظاء کہ آں لغت اوگشتہ[2]۔ (۴) امداد الفتاوی ج۱ ص۱۸۰ پر ہے۔ کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے[3]۔

(۵) امداد ج باب القرأۃ ص۱۵۲ پر ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز ہی صحیح نہیں غلط ہے۔ کیونکہ ائمہ میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں۔ پس جب یہ شخص مثل اُمی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوۃ کی کوئی وجہ وجیہ نہیں معلوم ہوتی[4]۔

(۶) قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمہ اللہ رسالہ تلفظ الضاد[5] میں فرماتے ہیں۔ اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور شخص امی ہوگا اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا[6]۔

---

۱) جامع الترمذی، باب ما جاء فی فصل قاری القرآن ص ۱۱۸ ج ۱ طبع ایچ ایم سعید کراتشی۔
۲) امداد الفتاوی ، فصل فی التجوید ص ۲۴۴ ج۱ طبع مکتبہ دارالعلوم کراتشی.
۳) امداد الفتاوی، فصل فی التجوید ص ۲۴۲ طبع مکتبہ دارالعلوم کراتشی.
٤) امداد الفتاوی، باب القراءۃ ص ۲۱۳ طبع مکتبہ دارالعلوم کراتشی.
٥) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں ھے۔ لیکن امداد الفتاوی ص ۲۰۹ ج۱ میں مذکور ھے۔
٦) کما فی رد المحتار ،
وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف اولا يقدر على اخراج الفاء الا بتكرار۔ (الخ)
کتاب الصلوۃ مطلب فی الالثغ ص ۳۹٤ ج ۲ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،

(۳) ابدال تعمد بالاعتقاد والاصرار - اس میں فساد صلوٰۃ اقل احوال اور مظنہ کفر منتہی احوال ہے۔ ایسا کرنا تحریف صریح اور قطعاً حرام ہے۔ نہ تو ایسے شخص کی نماز درست ہے اور نہ ہی امامت اور نہ ہی کوئی اور عمل وعبادت، تغیر معنی ہو خواہ نہ ہو۔ نیز اس لفظ کا مثل قرآن میں موجود ہو خواہ نہ ہو، خواہ فصل [illegible] سہل، خواہ عسیر وشاق، اس پر جمیع متقدمین ومتاخرین کا اجماع واتفاق ہے۔ دلائل (۱) یحرفون الکلم عن مواضعه (نساء ع۴-۷ وغیرہ) (۲) ون منهم لفریقا یلون السنتهم بالکتب. الایة (آل عمران ع۸۸-۸)

(۳) طحطاوی علی المراقی کے باب زلۃ القاری مسئلہ خطائی الاعراب میں ہے۔ امالو تعمده مع مایغیر المعنی کثیرا او یکون اعتقاده کفراً فالفساد حینئذ اقل الاحوال ص ۱۸۶ [1]۔ (۴) وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة او یقرأ اصحاب الجنة مکان (اصحب النار) او علی العکس فقال لایجوز امامته ولو تعمد (ای مع انقلاب المراد و فساد المعنی والاعتقاد) یکفر (فقه اکبر)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر ص ۲۰۵ میں رقمطراز ہیں۔ قلت اما کون تعمده کفرا فلاکلام فیه اذا لم یکن فیه لغتان ففی ضنین الخلاف (سامی) [۲]۔ (۵) عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ یہ شخص بنیت تحریف وفساد اعتقاد قرآن کے ایک مستقل حرف کو قصداً وارادۃً واصراراً دوسرے حرف سے بدل رہا ہے۔

(۴) ابدال تعمد مع القدرة وتغیر المعنی بلااعتقاد - یہ صورت بھی مطلقاً باجماع جمیع متقدمین ومتاخرین احناف موجب فساد صلوٰۃ واثم ومعصیت ہے۔ ایسا شخص مرتکب خطاء، فاحش وتحریف وغلط قبیح ہے۔ مگر بصورت عدم فساد اعتقاد واصرار ومداومت اس میں خوف کفر نہیں۔ طحطاوی میں ہے۔ ومحل الاختلاف (ای بین الطرفین و ابی یوسف فی حالة تغیر المعنی تغیرا فاحشا) فی الخطاء والنسیان اما فی العمد فتفسد به مطلقا بالاتفاق (ای سواء کان اللفظ موجودا فی القران او لم یکن) اذا کان مما یفسد الصلوة اما اذا کان ثناء فلایفسد ولو تعمد ذلک افاده امیر حاج [۳]۔

---

۱) طحطاوی تکمیل ، مسئله زلة القاری تحت باب ما یفسد الصلاة ص ۳۳۹ طبع قدیمی کتب خانه کراچی)

۲) منح الروض الازهر علی شرح الفقه الکبر فصل فی القرأة والصلوة ص ٤٥٧ طبع دارالبشائر بیروت.

۳) فی حاشیة طحطاوی علی المراقی الفلاح: ومحل الاختلاف فی الخطا والنسیان أما فی العمد فتفسد به مطلقا بالاتفاق اذا کان مما یفسد الصلاة أما اذا کان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذالك أفاده ابن أمیرا الحاج (تکمیل مسئله زلة القاری تحت باب ما یفسد الصلاة ص ۲۳۹ طبع قدیمی کتب خانه کراچی) (طحاوی علی الدر المختار میسر نهیں)

(۵) ابدال تعمد مع القدرة بلاتغير و اعتقاد و اصرار ۔ اس صورت میں قاری مصلی دنیوی و ظاہری وفقہی حیثیت سے بری الذمہ اور اخروی و باطنی حیثیت سے دیانة فیما بینه و بین الله تعالی مرتکب تحریف وتبدیل قرآن نیز آثم وعاصی ہے۔ پس اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس پر صحت بمعنی براءت ذمہ کا حکم لگایا جائے گا نہ کہ صحت بمعنی قبول واجابت اور رفع اثم ومعصیت کا بھی اور جواز بمعنی صحت صلوۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوۃ کو ہے۔ چنانچہ ریاء نماز پڑھنا یا ارض مغصوبہ میں نماز پڑھنا۔ ان دونوں صورتوں میں جواز بمعنی براءت ذمہ وصحت صلوٰۃ ظاہراً موجود ہے نہ کہ جواز بمعنی رفع اثم باطناً بھی۔ پس ان میں ترتب اجر وثواب اور قبول اجابت (بمعنی الوقوع فی حیز مرضات اللہ) مفقود ہے۔ نہ کہ جواز وصحت صلوٰۃ بھی۔ اس کی مزید وضاحت ان احادیث ودلائل سے ہوتی ہے۔

(۱) من شرب الخمر فلاتقبل له صلوة اربعين صباحا[1] (۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ من شرب الخمر فلاتقبل له صلوة اربعين صباحا (۳) من اتى عريفا لاتقبل صلاته (۴) لاتقبل صلوة العبد الأبق (۵) لاتقبل صلوة فى الارض المغصوبة[2] (۶) مسافر عاصی پر بھی قصر صلوٰۃ اور صحت صلوٰۃ بمعنی براءت ذمہ لگایا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جواز اصابۃ اور جواز قبول میں تلازم نہیں۔

(۷) فساد صلوٰۃ کے لیے تغیر معنی کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ نماز میں اصل مقصود اور اس کی حقیقی روح اور اس کا اصلی مغز مناجات ومکالمہ ربانی قربت حق اور عبادتً (انتہائی درجہ کی نیاز مندی، عبودیت کیشی، اظہار بے بسی و بے چارگی، تذلل للخالق، اعلان عبدیت (فدائیت) ہو۔ اسی لیے قرأۃ صلوٰۃ کے لیے تجوید کی مقدار مایجوز بہ الصلوٰۃ کفایت کرلیتی ہے اور اس میں تجوید کے تمام افراد وقواعد کا استیعاب لازمی نہیں۔ پس جب تک تغیر معنوی سے اس مقصود اصلی کی مخالفت لازم نہیں آجائے گی اس وقت تک فساد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

مفتاح الصلوٰۃ میں مرقوم ہے۔ ومدار الامامين (اى الامام الاعظم و محمد) على تغير المعنى. سواء وجد المثل او لا البتہ تعمداً اس ابدال کو عادت بنالینا اور اس پر اصرار و مداومت ضرور مذموم ومفسد صلوٰۃ ہے تغیر معنی ہو خواہ نہ ہو۔ کیونکہ اس سے عقیدہ کی خرابی مترشح ہوتی ہے[3]۔

---

۱) مجمع الزوائد حديث ٨١٩١ ص ١١١ ج ٥ طبع دارالفكر بيروت)

۲) جامع الاصول حديث ٣٠٧٦ ص ٦٧ ج ٥ دار مكتب العلميه بيروت)

۳) مفتاح الصلوة موجود نهيں. شاميه ميں ديكهيے. والقاعدة عند المتقدمين ان ما غير المعنى تغيير يكون اعتقاده كفر يفسد فى جميع ذالك (شاميه ، كتاب الصلوة ، مسائل زلة القارى ، ص ٤٧٣ ج ٢ طبع رشيديه كوئٹه

فسادِ صلوٰۃ کے لیے تغیر معنی کے شرط ہونے کے دلائل: (۱) فتاویٰ شیخ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ (صاحب بحرالرائق) کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔ سئل عن المصلی اذا ابدل الضاد بالظاء فی (الضالین) وغیر ھا ھل تفسد صلوته مع قدرته علی النطق بالضاد. اجاب الراجح عدم الفساد[1]۔ واللہ اعلم

اس سے متبادر یہی ہے کہ تعمد ابدال حرف بحرف آخر بصورت عدم تغیر معنی مفسد نہیں[2]۔

(۲) امداد الفتاویٰ ج ا باب القرأۃ ص ۱۵۲ پر ہے۔ تغیر معنی کی تقدیر پر (ابدال حرف بحرف آخر) موجب فسادِ صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے[3]۔ (۳) امداد ج افصل تجوید ص ۱۸۱ پر ہے۔ صحت وفسادِ صلوٰۃ تابع صحت معنی وفساد معنی است لیکن معصیت در ہر دو صورت مشترک[4]۔ (۴) امداد الفتاویٰ ہی میں ہے گویہ ابدال تحریف ہے لیکن ہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فسادِ صلوٰۃ نیست[5] الخ۔ (۵) امداد الفتاویٰ ج اص ۱۸۰ پر ہے۔ قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ عموم بلویٰ کے نماز فاسد نہیں ہوتی[6] (۶) کبیری ص ۴۴۸ باب احکام زلۃ القاری بحث وصل حرف بکلمۃ فی التلاوۃ (مثلاً ایا کنعبد. اعطینا کالکوثر) میں ہے۔

فان صلوته لاتفسد علی قول العامة من العلماء قال قاضیخان لاتفسد و ان تعمد ذلک فی شرح التهذیب و هو الصحیح[7]۔ پس جب وصل حرف بالحرف تعمداً میں نماز فاسد نہیں ہوتی بسبب عدم تغیر المعنی تو اسی طرح ابدال حرف بحرف تعمداً بلا تغیر المعنی میں بھی فاسد نہیں ہونی چاہیے۔

دفع شبہات

﴿پہلا شبہ﴾ اگر تغیر وعدم تغیر معنی والی تفصیل ابدال عمد میں بھی جاری کی جائے تو پھر الفاظ قرآن کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب تک معنی نہ بدلیں خواہ کوئی شخص جان بوجھ کر غلط سلط اور کچھ کا کچھ ہی کیوں نہ پڑھتا رہے اس کی نماز پر فساد کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

---

۱) امداد الفتاوی ، (کتاب الصلوة فصل فی التجوید ، ص ۲۲۵ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی)

۲) امداد الفتاوی ، (کتاب الصلوة فصل فی التجوید ، ص ۲۱۳ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی)

۳) امداد الفتاوی ، (کتاب الصلوة فصل فی التجوید ، ص ۲٤٤ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی)

٤) امداد الفتاوی ، (کتاب الصلوة فصل فی التجوید ، ص ۲٤٤ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی)

٥) امداد الفتاوی ، (کتاب الصلوة فصل فی التجوید ، ص ۲٤۲ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی)

٦) امداد الفتاوی، کتاب الصلوٰة، فصل فی التجوید ج ۱ ، ص ۲٤٤ ، طبع دارالعلوم، کراچی

۷) کما فی حلبی کبیر (فصل فی بیان احکام زلة القاری ، ص ٤۸۱ ج ۱ طبع سعیدی کتب خانه کوئٹه

﴿جواب﴾ نماز بلاشبہ تعمداً اس پر اصرار کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ و وظیفہ بنالینا اور بدعقیدگی سے اس پر مداومت کرنا تحریف مذموم و مفسد صلوٰۃ ہے خواہ تغیر معنی نہ ہی ہو (جس کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں [۱]) لیکن بلا اصرار و مداومت وفساد اعتقاد محض ایک دو جگہ ایسا کرنا (خواہ کسی وجہ سے ہو) مطلقاً مفسد نہیں۔ بلکہ اسی صورت میں مفسد ہے جبکہ تغیر معنی بھی لازم آ جائے [۲]۔ پس اگر تغیر وتبدل معنوی نہ ہو تو نماز دینی وفقہی احکام کی رو سے بنظر فقیہ بلاشک جائز وصحیح ہے۔ گوایسا شخص دیانۃ و باطناً آثم و عاصی اور فاسق و فاجر ضرور ہے۔ (اور اس کے دلائل بھی اوپر مذکور ہو چکے ہیں [۳]) اور چونکہ نماز میں قرآن کی قرأت وتلاوت بعض وجوہ سے خارج از نماز والی قرأت سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ (مثلاً خارج از نماز تلاوت فقط سنت ومستحب ہے [۴] اور داخل نماز قدر مفروض فرض اور رکن ہے اور ایک آیت کا حفظ کرنا ادائیگی نماز کے لیے ہر مسلمان مکلّف (عاقل و بالغ) پر فرض عین ہے [۵] اور پورے قرآن مجید کا حفظ کرنا مجموعی طور پر فرض کفایہ ہے [۶]۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ اور ایک دوسری چھوٹی سورت کا یا اس کے مثل مثلاً چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت کا حفظ کرنا ہر مسلمان مکلّف پر واجب العین ہے اور مقدار واجب سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے [۷]۔ اسی طرح سب مسائل تجوید فقہاء کے نزدیک واجب العمل نہیں تاکہ نماز میں (جو اسلام کا رکن اعظم اور قربت مقصودہ بدنیہ اور عبادت مطلوبہ عامہ مفروض عین ہے اس میں) فتور وخلل اور حرج وتنگی (جو شرعاً مدفوع ہے) لازم نہ آئے۔ پس فقہاء کے نزدیک محض قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ (جس کی رعایت سے قرآنیت وعربیت باقی رہتی ہے اور اس کے ترک سے فساد معنوی ظہور میں آتا ہے)

---

۱) تقدم تخريجه تحت عنوان ابدال تعمد باالاعتقاد ولا صرار ص ٦٦٧، ٦٦٨ جزيه ١، ٢، ٣ .

۲) تقدم تخريجه ص ٦٦٩ جزيه ١، ٢.

۳) تقدم تخريج تحت عنوان ابدال تعمد مع القدرة بلا تغير الخ ص ٦٦٨ جزيه ٥ .

٤) كما فى الشامية ينبغى لحافظ القرآن فى كل أربعين يوما ان يختم مرة (مسائل شتى، ج ٦، ص ٧٥٧ طبع ، سعيد ومثله فى الهنديه، (فصل فى التراويح، ص ١١٧ ج ١ طبع رشيديه كوئٹه۔

٥) فصل فى واجبات الصلوة ، ومنها قرأة الفاتحة وضم السورة او ثلاث آيات الخ (نور الايضاح، ص ٢٤٦ قديمى كتب خانه كراچى

ومثله فى البحر الرائق، (كتاب الصلوة باب صفة الصلوة) ص ٥١٠ تا ٥٢٦ طبع رشيديه كوئٹه. ومثله فى تبيين الحقائق (كتاب الصلوة باب صفة الصلوة ص ٢٧٤ تا ٢٧٨ طبع دار الكتب العلميه بيروت)

٦) حفظ جميع القرآن...... جميع القرآن من حيث ان هو يسمى فرض كفايه الخ (مطلب فى الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية ص ٥٣٨ ج١ طبع سعيد كراچى.

ومثله فى حلبى كبير ص ٤٩٥ سهيل اكيڈمى لاهور.

٧) تقدم تخريجه تحت عنوان هذا وصفحه هذا جزيه ٥ .

واجب العمل ہے (نہ کہ تمام امور واحکام تجویدیہ) اس لیے داخل نماز والی تلاوت کا بہمہ وجوہ خارج از نماز والی تلاوت کے متحد ومتفق ہونا ضروری نہیں پس ابدال تعمد بلاتغیر معنی گوفی نفسہ ناجائز اور موجب اثم ومعصیت ہے لیکن نماز کے لیے مخل وحارج نہیں۔ کیونکہ وہ مقصود صلوٰۃ (عبادت ومناجات ومکالمہ ربانی) کے منافی نہیں [۱]۔ دوسرے یہ کہ فقہاء ظاہری ودنیوی احکام پر نظر رکھتے ہیں نہ کہ اخروی وباطنی امور پر ہی پس ابدال تعمد بلاتغیر معنی میں غالب ظن یہ ہے کہ اس میں بدعقیدگی نہیں۔ اس لیے ظاہر پر نظر کر کے اس کو مفسد نہیں قرار دیں گے [۲]۔ اس کی نظیر نوم اضطجاع وتورک ہے کہ اس کو مطلقاً ناقض وضوء قرار دیا ہے۔ حالانکہ نقض وضوء کی اصل علت استرخاء مفاصل ہوکر خلاف وضو کسی چیز کا صادر ہوجانا ہے۔ مگر فقہاء ظاہری حالت پر نظر کر کے نوم کو مطلقاً ناقض قرار دیتے ہیں، حقیقی سبب پایا جائے، خواہ نہ پایا جائے۔ فلیتامل ..... مگر یہ یاد رکھیں کہ ہر جگہ اور ہمیشہ تعمداً ابدال حرف کرنا بلاشبہ مفسد ہے۔

﴿دوسرا شبہ﴾ اس سے عمداً اور خطاء دونوں کا مساوی ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ دوسرے احکام شرعیہ میں عمداً اور خطاء میں بڑا فرق ہے مثلاً قتل عمد اور قتل خطاء۔

﴿جواب﴾ اولاً یہ کہ ابدال زلت وغیرہ میں بصورت تغیر معنوی وسہولت تمایز باجماع متقدمین ومتاخرین اور بصورت تغیر وتمایز فقط عند المتقدمین نماز فاسد ہے۔ اور بصورت تعمد وتغیر معنوی بہرحال نماز فاسد ہے عام ہے کہ وہ دونوں حروف سہل التمایز ہوں یا غیر سہل التمایز ہوں۔ اس میں متقدمین ومتاخرین کا کوئی خلاف نہیں [۳]۔ پس عمد اور خطاء میں فرق ہوگیا۔ ثانیاً یہ کہ نماز میں لحن قرأت کی دونوں صورتوں (خطاء اور عمد) کے درمیان اخروی امور (ترتب اثم ومعصیت اجر وثواب وقبولیت) کے لحاظ سے فرق ہے۔ پس خطا کی صورت میں قاری معذور ومعیب اور غیر آثم وغیر فاسق ہے اور اس کی نماز باطناً مقبول ومنظور ہے جبکہ ظاہراً کوئی خرابی اور تبدیلی مفہوم، انقلاب مراد وفساد معنی لازم نہ آرہا ہو۔ اور عمد کی حالت میں قاری لامحالہ آثم وعاصی اور

---

۱) تقدم تخریجه صفحه ٦٦٩ جزیه ٥

۲) تقدم تخریجه ص ٦٦٩ جزیه ٣.

۳) كما فی الشامية ، كتاب الصلوة باب مايفسد الصلوة مسائل زلة القاری ص ٦٣٠ ایچ ـ ایم سعید كراچی. وكذا فی الهندیه ، كتاب الصلوة الباب الرابع ، الفصل الخامس فی زلة القاری، ص ٧٩ ج ١ ، رشیدیه كوئٹه۔ ومثله فی حاشیةالطحطاوی ، كتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة ، ص ٣٣٩ (دارالكتب العلمیه بیروت)

(وقد تقدم مرارا)

فاسق وفاجرومرتکب گناہ ہے[1]۔ گو تغیر معنوی کے معدوم ہونے کے سبب اس کی نماز پر جواز بمعنی براءۃ ذمہ کا حکم لگادیا جائے گا۔ اس کی نظیریں یہ ہیں کہ صوم اکل وشرب سے اور صلوٰۃ کلام واکل وشرب وسلام وغیرہ سے اور حج جماع سے فاسد ہوجاتا ہے۔ عام ہے کہ یہ امور عمداً ہوں یا خطاء ہوں اسی طرح قتل عمد وخطاء دونوں دنیوی سزا کے بارہ میں شریک ہیں۔ گو اس میں تفاوت ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور بصورت عفو وصلح دیت ہے اور قتل خطاء میں دیت ہے۔ اس طرح احرام کے ممنوعات ومحظورات کے ارتکاب سے لزوم جنایات دینویہ مطلقاً ہوتا ہے۔ ارتکاب عمداً ہو خواہ خطاءً بلکہ اس سے اوپر یہ کہ مجرم کے قتل صید کی حالت میں جنایت اصطیاد کا اور مصلی کے کلام فی الصلوٰۃ کی حالت میں فساد صلوٰۃ کا حکم اس صورت میں ہی نافذ ہوتا ہے جبکہ ان کے لزوم جنایت وحرمت اصطیاد اور فساد صلوٰۃ کا سرے سے علم بھی نہ ہو۔ پس ان احکام میں گو دنیوی وظاہری امور کے اعتبار سے عمد وخطاء مساوی ہیں۔ مگر اخروی وباطنی امور میں ان کا فرق واختلاف ضرور مسلم ہے کہ عمد کی صورت میں تو لزوم اثم و معصیت ہوتا ہے مگر خطاء کی صورت میں نہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿تیسرا شبہ﴾ زلت کے لفظ سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تفصیل (تغیر معنی وعدم تغیر معنی کی) ابدال خطا ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ عجز وعمد دونوں ہی کے بارے میں زلت کے لفظ کا استعمال کوئی معنی نہیں رکھتا۔

﴿جواب﴾ اولاً یہ کہ جب کتب فقہ میں تعمد کے احکام اور اس کی جزئیات بھی بطور مستقل وصریح مذکور ہیں تو یہ عنوان کسی طرح بھی ان کے مخالف نہیں۔ ثانیاً یہ کہ زلت مطلق خطیئۃ (غلطی اور گناہ) کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

﴿چوتھا شبہ﴾ شامی میں خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے قاضی ابوعاصم کا قول اس طرح مذکور ہے۔ ان تعمد ذلک تفسد و ان جری علی لسانه اولا یعرف التمییز لاتفسد ج ۱ ص ۴۶۸۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ تعمد بہرحال مفسد ہے اور عجز بہرحال غیر مفسد ہے۔

---

۱) حذیفة بن الیمان رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقرؤا القرآن بلحون العرب وأصواتها وایاکم ولحون اهل العشق، ولحون اهل الکتابین ، وسجیئ بعدی أقوام یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح ، لا یجاوز حناجرهم مفتونة قلوب الذین یعجبهم شأنهم(الحدیث)(جامع الأصول الکتاب الثانی فی تلاوة القرآن وقرأته ، الباب الاول، الفصل الثانی ، حدیث ۹۱۳ ص ۲۸۷ ج ۲ دارالکتب العلمیه بیروت

وفی الشامیة ومنها القرء ة بالألحان ان غیر المعنی والا لا (شرح) أی وان لم یغیر المعنی فلا فساد (کتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها ص ۶۳۰ ج۱ ایچ۔ ایم سعید کراچی)

ومثله فی الهندیة(کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلوة والتسبیح وقراء ة القرآن ص ۳۱۷ ج رشیدیه کوئٹه

﴿جواب﴾ شامی میں اور اسی طرح بعض دوسری کتب فتاویٰ میں یہ قول فقہاء متاخرین کے قاعدہ کلیہ عدم عسر اور عسر تمایز کے بعد مذکور ہے۔ اسی طرح بعض فتاویٰ میں اس قول کے ساتھ بعض دوسرے متاخرین کے اقوال بھی مرقوم ہیں اور فقہاء متاخرین کا قاعدہ کلیہ تغیر معنی کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة[1]۔ الخ۔ خانیہ میں ہے: وان ذکر حرفا مکان حرف و غیر المعنی[2]۔ الخ۔ خزانۃ المفتین میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے مذکور ہے: وان ذکر حرفا مکان حرف و غیر المعنی[3]۔ الخ۔ پس حاصل یہ ہوا کہ ابدال حرف بحرف آخر میں صحت و فساد صلوٰۃ کے لیے اکثر متاخرین تو تغیر معنی کے ساتھ سہولت و عسر تمایز کا اور بعض حضرات (قاضی ابوالحسنؒ اور قاضی ابوعاصمؒ) جریان وعدم تمیز و تعمد کا اور بعض حضرات (ابن مقاتل) قرب اتحاد و تخالف مخارج کا اعتبار کرتے ہیں اور بعض حضرات (امام صفارؒ) ابدال حروف کو مطلقاً غیر مفسد کہتے ہیں۔ پس قول ابی عاصمؒ کو مستقل قول قرار دیں خواہ ماقبل کی تفسیر۔ بہرحال وہ تغیر معنی کے ساتھ مقید ہے۔ رہا تعمد بلاتغیر و اصرار سو وہ بسبب حقیقی علت فساد (تغیر معنی) کے نہ پائے جانے کے مفسد نہیں۔ اس قول کے مقید ہونے کے قرائن و شواہد (۱) فتاویٰ سعدیہ میں ہے۔ بالجملہ فتویٰ درحد تبدیل حروف مشکلہ، متغیر المعنی، بحالت غیر تعمد میان متقدمین و متاخرین مختلف است۔ پس معلوم ہوا کہ حروف مشکلہ متغیر المعنی بحالت غیر تعمد میں اختلاف نہیں۔

(۲) امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۳[4] پر ہے۔ فی الدر المختار قال فی الخلاصة الاصل فیما اذا ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی (الی قوله) قال القاضی ابو عاصم. ان تعمد ذلک تیفسد و ان جری علی لسانه او لایعرف التمییز لاتفسد و هوالمختار (حلیة) و فی البزازیة وهو اعدل الاقاویل وهو المختار[5] شامی ج ۱ ص ۴۶۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ تغیر معنی کی تقدیر پر

---

۱) فتاوی عالمکیری: کتاب الصلوة، الباب الرابع، الفصل الخامس فی زلة القاری، ص ۷۹ ج ۱، رشیدیه کوئٹه

۲) خانیه: کتاب الصلوة، فصل فی قرأة القرآن خطاء، ص ۱۴۱ ج ۱ طبع رشیدیه کوئٹه

۳) خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، ص ۱۰۶ ج ۱ رشیدیه کوئٹه ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة: کتاب الصلوة الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، ص ۴۲ ج ۴ رشیدیه کوئٹه

۴) امداد الفتاوی، کتاب الصلوة، فصل فی التجوید ص ۱۹۰ ج ۱ طبع دارالعلوم کراچی

۵) شامی، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، مسائل زلة القاری، اذا قرأتعالی جدک بدون الف لا تفسد، ص ۶۳۳ ج ۱ طبع ایچ۔ ایم سعید کراچی
وکذا فی حلبی کبیر، باب زلة القاری: ص ۷۸-۴۷۷، سعیدی کتب خانه کوئٹه)

تعمداً موجب فسادِ صلوٰۃ ہے۔ اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں منعقد نہیں ہے۔ پس جو لوگ بوجہ مشق و ریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز نہیں کرسکتے ان کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

(۲) طحطاوی بحث خطاء فی الاعراب میں ہے۔ "اجمع المتاخرون کمحمد وابن مقاتل و غیرھما علیٰ ان الخطاء فی الاعراب لایفسد مطلقا و ان کان مما اعتقادہ کفر. (الی قولہ) و فی النوازل لاتفسد فی الکل و بہ یفتی. وینبغی ان یکون ھذا فی ماذا کان خطاء او غلطا و ھو لا یعلم انَّ تعمد ذلک مع مالایغیر المعنی کثیرا۔ الخ۔ ص۱۸۶[۱]۔

﴿پانچواں شبہ﴾ اگر واقعہ یہی ہے کہ ایک کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنے سے بھی (عدم تغیر معنی کی صورت میں) نماز نہیں ٹوٹتی تو بعض غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ثابت ہوجاتا ہے کہ چونکہ فقہاء نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد نماز قرار نہیں دیا اس لیے ایک کی جگہ دوسرے کا پڑھنا بے دریغ درست ہے؟

﴿جواب﴾ اولاً تو غیر مقلدین ضاد و ظاء کی صحیح ادا پر قدرت ہی نہیں رکھتے کہ ان پر ابدال تعمد مع القدرۃ صادق آسکے۔ پس ان کا ابدال الضاد بالظاء ابدال عدم تمیز کے قبیل سے ہے۔ جو برقول متاخرین بوجہ عموم بلویٰ کے مفسد نہیں[۲]۔ (اور احقر کی رائے میں غیر مقلدین کے اس ابدال کو ابدال بدتمیزی سے تعبیر کرنا نہایت موزوں ہے)۔

ثانیاً: اگر ان میں سے بعض لوگ صحیح ادا پر قادر بھی ہوں اور پھر بھی ابدال حرف کرتے ہوں تو ان کی نماز بلاشبہ فاسد ہے۔ کیونکہ ابدال ضاد و ظاء کی اکثر جزئیات میں تغیر معنی پایا جاتا ہے[۳]۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس ابدال تعمد مع تغیر المعنی والاصرار بے شک موجب فساد صلوٰۃ ہے۔ اس پر قدماء و متاخرین کا اجماع ہے۔

---

۱) طحطاوی : کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ، ص ۳۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)
وکذا فی الھندیۃ، کتاب الصلوۃ، الباب الرابع، الفصل الخامس فی زلۃ القاری، ص ۷۹ ج ۱ رشیدیہ کوئٹہ.

۲) الدر المختار : الا مایشق تمیزہ کالضاد والظأ فاکثرھم لم یفسدھا کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ ص ٦٣٣ ج١ ایچ۔ ایم سعید...... الرد المحتار وان لم یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثروھم علی عدم الفساد لعموم البلوی کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطلب زلۃ القاری ص ٦٣٠ ج ١ مکتبہ ایچ ۔ ایم سعید .
وکذا فی الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ص ١٤١ ج١ کتاب الصلوۃ فی قراءۃ القرآن خطأ وفی الاحکام المتعلقۃ بالقرأۃ رشیدیہ کوئٹہ.

۲) فی حاشیۃ الطحطاوی، محل الاختلاف، فی الخطاء والنسیان اما فی العمد فتفسد بہ مطلقا بالاتفاق ای سواء اذا کان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذالک افادہ امیر حاج ص ٣٣٩ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی.
لما فی العالمگری وفی خزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ ولا یعرف التمیز لا تفسد وھو المختار علیہ وفی البزازیۃ وھوا عدل الا قاویل وھو المختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطلب زلۃ القاری ص ٧٤ ج١ رشیدیہ کوئٹہ

غیر مقلدین کے قول کا ابطال۔ اولاً: بصورت تعمد مع القدرۃ فساد صلوٰۃ میں کوئی کلام نہیں۔ ثانیاً: بصورت تعمد بلا تغیر جواز صلوٰۃ بمعنی صحت صلوٰۃ جواز بمعنی رفع اثم و صحت تلفظ کو مستلزم نہیں پس ضاد کی جگہ ظاء یا ظاء کی جگہ ضاد پڑھنا بلاشبہ تحریف و لحن ہے جو موجب معصیت اخرویہ ضرور ہے گو براءۃ ذمہ دنیویہ کے لیے حارج نہیں۔ ثالثاً: یہ کہ بر قول متقدمین حنفیہ تبدیلی ضاد و ظاء کی اکثر صورتیں بسبب تغیر معنی مفسد صلوٰۃ ہیں۔ پس اکثر کے اعتبار ست کل پر فساد ہی کا حکم لگایا جائے گا۔ (اور وہ جزئیات و صور اس سے پہلے بحوالہ قاضی خان گزر چکی ہیں) اور متاخرین کے قول کی رو سے حروف مشکلہ متغیر المعنی میں عدم فساد کا حکم عموم بلویٰ کی ضرورت و مجبوری اور رفع حرج کی رخصت کی بنا پر ہے نہ کہ بطور عزیمت کے پس بقاعدہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ۔ اس سے حکم کو صورت مجبوری و عذر و عدم تمیز اور بلا تعمد پر ہی محصور کیا جاوے گا۔ اور صورت تعمد و اصرار و اتباع اہواء و حالت نزاع و جدال و مخاصمہ کی طرف متعدی نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ[1] ج ا ص ۱۲۲ فصل تجوید میں ہے۔ دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عند الاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو۔ ورنہ وہ بھی (بر تقدیر تغیر معنی) مفسد صلوٰۃ ہے۔ ورنہ ظبحا — المغظوب — هظيم — اور فتر ظی اور فرظ میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا۔ چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل بلا مشقت کو ٹھہرانا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ عمداً وہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا۔ پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرے مگر ظاء نکل گیا۔ اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ رد کرتی ہیں۔ فافهم۔

﴿تنبیہ﴾ يعملون کی جگہ يفعلون پڑھنا ابدال کلمہ بکلمہ کے قبیل سے ہے نہ کہ ابدال حرف بحرف کے قبیل سے۔ اور وہ ابدال زلت و خطاء اور اس کے ملحقات (سہو و نسیان شک و تردد، تعمد بلا اعتقاد و اصرار) کی صورتوں میں مفسد نہیں۔ اور مزید تفصیل یہ ہے کہ: (۱) اگر وہ دونوں کلمات معنی میں قریب قریب ہوں (عام ہے کہ مبدل منہ قرآن میں ہو یا نہ ہو)۔ مثلاً عليم کی جگہ حكيم، بصير کی جگہ خبير، حكيم کی جگہ سميع، اواه کی جگہ اياه — اواب کی جگہ اياب — قوامين کی جگہ قيامين — جعلنا کی جگہ خلقنا — ينبهم کی جگہ بينيهم — متبر کی جگہ مدمر و اوتيت من كل شي کی جگہ من كل نفس — فمن يجير الكفرين کی جگہ فمن يرد — ضربوا لک الامثال کی جگہ كذبوا لک الامثال — فسوف نوتيه کی جگہ فسوف نصليه — وما يأتيهم من رسول کی جگہ وما ياتيهم من رزق وغیرہ وغیرہ۔ تو اس صورت میں

---

[1] امدادا الفتاوی، ص ۱۹۰ ج ۱ مکتبہ دار العلوم کراچی۔

نماز فاسد نہ ہوگی[1]۔ کیونکہ یہ تغیر وتبدل فاحش کو مستلزم نہیں۔ نیز قرآن کے مشابہ ہے۔ اور قرآن کے مشابہ الفاظ کی تلاوت سے فساد صلوۃ لازم نہیں آتا۔ البتہ اس کی عادت بنالینا ضرور مذموم اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ بلکہ اصرار و مداومت میں کفر کے لازم آنے کا خوف ہے۔ (۲) اور اگر وہ دونوں کلمات قریب قریب نہ ہوں گو کلمہ مبدل عنہا قرآن میں موجود ہی ہو۔ مثلاً نضبت کی جگہ سطحت — رفعت کی جگہ خلقت — لمن السجدین کی جگہ لمن السحرین، فسترضع کی جگہ فستعوض — حتی اذا فزع کی جگہ فرغ — یا کلمہ مبدلہ کی مثل قرآن میں نہ ہو۔ نیز اس کے اعتقاد سے کفر لازم نہ آتا ہو۔ مثلاً الغرب کی جگہ الغبار — وما اتینھم کی جگہ وما اھلکنھم، قسورۃ کی جگہ قوسرۃ یا قصورۃ، کعصف ما کول کی جگہ کعفص — عیسیٰ بن سارۃ، مریم بنت غیلان یا کلمہ مبدلہ عنہا قرآن میں موجود ہو مگر اس کا اعتقاد موجب کفر ہو۔ مثلاً فاعلین کی جگہ غافلین — عیسیٰ ابن مریم کی جگہ لقمٰن — الشیطٰن کی جگہ الرحمن یا اس کا الٹ ابلیس کی جگہ ادریس یا اس کا برعکس۔ فلعنۃ اللہ علی الکفرین کی جگہ علی الموحدین ان تینوں صورتوں میں عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ (غنیۃ المستملی)[2]

(۶) ابدال بالقصد مع عدم التمیز ۔ غیر عارف تجوید وغیر مشاق کا ابدال حروف کرنا (خواہ اس کا سبب کوئی ہی ہو) متاخرین کے ہاں عموم بلوی اور شیوع ابتلاء کے سبب مطلقاً مفسد صلوٰۃ نہیں تاکہ براءۃ ذمہ میں فتور وخلل اور حرج وتنگی لازم نہ آئے جو شرعاً مرفوع ومدفوع ہے۔ مگر اخروی اثم ومعصیت بسبب تکاسل وتغافل کے ضرور لازم آئے گا۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۵۱[3] باب القرأۃ میں ہے۔ پس مجموعہ روایات بالا واشعار ھذا سے معلوم ہوا کہ جو جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

﴿عموم بلویٰ کے دلائل﴾ (۱) شامی میں ہے۔ وفی التتارخانیۃ عن الحاوی حکی عن الصفار انہ کان یقول الخطاء اذا دخل فی الحروف لایفسدلان فیہ بلوی عامۃ الناس لانھم لایقیمون

---

۱) الدر المختار ولو زاد کلمۃ او نقص کلمۃ او نقص حرفاً او قدمہ او بدلہ باخر نحو من ثمرہ اذا اثمر انفرجت بدل انفجرت باب بدل اواب لم تفسد مالم یتغیر المعنی ۔ کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ، ج۱، ص ۶۳۲تا ۶۳۳ مکتبہ ایچ ۔ ایم سعید کراچی

وکذا فی المخانیۃ علی ھامش الھندیۃ کتاب الصلوۃ فصل فی القراء ۃ القران ص ۱۴۱ ج ۱ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲) یہ کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔

۳) باب القراۃ طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی ص ۱۶۲ ج۱

الحروف الابمشقة و فیها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج و لاقربه الا ان فیه بلوی العامة. کالذال مکان الصاد او الزای المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ ....قلت فینبغی علی هذا عدم الفساد فی ابدال الثاء سینا والقاف همزة کما هو لغة عوام زماننا فانهم لا یمیزون بینهما ویصعب علیهم جدا...... کالذال مع الزای. ولاسیما علی قول القاضی ابی عاصم و قول الصفار الخ ج ا ص ۴۶۸[1]۔

(۲) خزانۃ الروایات[2] میں ہے: ولو قرأ (المغضوب) بالظاء (ولاالضالین) بالظاء او بالذال قال بعضهم لایفسدلانه بلوی عام فان العوام لایمیزون ولا یعرفون المخارج و کثیر من المشائخ افتوابه–وقال القاضی ابوالحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد (ای علی تقدیر التغیر المعنوی) و ان جری علی لسانه (ای احیانا من غیر قصد و ارادة) اولا یعرف التمییز (ای بسبب عدم الریاضة والمحنة) لاتفسد–وهذا اعدل الاقاویل وهو المختار......وهکذا فی کثیر من المعتبرات[3]..........

(۳) صلوٰۃ مسعودی میں ہے اور الضالین ضاداست اگر ذال گوید (ای زلۃ وخطاء) اختلاف مشائخ است خواجہ محمد بن مسلم بلخی رحمہ اللہ گفتہ است روابود۔ وشیخ الاسلام برہان الدینؒ گفتہ است کہ فتوی خواجہ امام شہید کہ روا بود خواجہ امام علی بندوانی گفتہ است کہ روا بود۔

(۴) حلبی غنیۃ المستملی میں کہتے ہیں۔ورروی عن محمد بن سلمة انها لاتفسدلان العجم لایمیزون بین هذه الحروف. وکان القاضی الامام الشهیدالحسن یقول الاحسن فیه ای فی الجواب فی هذه الابدال المذکور ان یقول المفتی ان جری ذلک علی لسانه اولم یکن ممیزا بین بعض هذه الحروف و بعض وکان ای الکلمة علی وجهها لاتفسد صلوته. وکذا ای مثل ماذکر الحسن روی عن محمد بن الشیخ الامام اسماعیل الزاهد. وهذا معنی ماذکر فی فتاوی الحجة. انه یفتیٰ فی حق الفقهاء باعادة الصلوة وفی حق العوام بالجواز کقول محمد بن سلمة اختیارا للاحتیاط فی موضعه والرخصة فی موضعها[4]۔

---

۱) کتاب الصلوة مطلب اذا قرأ قوله تعالی جدك بدون الف لا تفسد ص ۴۷۷ تا ۴۷۸ ج۲ رشیدیه جدید کوئٹه.

۲) مذکوره کتاب دستیاب نهیں هے.

۳) ومثله فی الهندیة ص ۷۹ ج ۱ طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن .

وکذا فی الشامیة ص ۴۷۴ ج۲ طبع مکتبه رشیدیه جدید کوئٹه وکذا فی خلاصة الفتاوی کتاب الصلوة الفصل الثانی عشر ص ۱۰۵ ج۲ رشیدیه کوئٹه

۴) حلبی ص ۴۷۸ ج۱ فصل فی احکام زلة القاری طبع سعیدی کتب خانه کوئٹه.

(۵) جواہر الاخلاطی[۱] میں مسطور ہے۔ اذا قرأ مکان الضاد ظاءً لو کان فقیها یفتی باعادة الصلوة ولو کان عامیا یفتی بالجواز اختیاراً للاحتیاط فی موضعه والرخصة فی موضعها[۲]۔

(۶) بزازیہ میں ہے۔ قال (غیر المغضوب) او (الضالین) بالذال او الظاء قیل لاتفسد لعموم البلویٰ فان العوام لایعرفون مخارج الحروف– وکثیر من المشائخ افتوا به– هکذا نقله الطحطاوی[۳]۔

(۷) فتاویٰ سعدیہ[۴] میں ہے۔ بالجمله فتوی در تبدیل حروف مشکله متغیر المعنی بحالت غیر تعمد میان متقدمین و متاخرین مختلف است و در عالمگیری از ظهیریه منقول است حکی عن ابی القاسم الصفار ان الصلوة اذا جازت من وجه و فسدت من وجه یحکم بالفساد احتیاطا الا فی باب القراء ة لان للناس فیها عموم البلویٰ[۵]...... پس بناء علی هذا اگر عمداً حروف ذال و ظاء و زا بجائے ضاد ادا مینمایند نماز شان فی نفسه و نماز غیر پس ایشان فاسد است و اگر امتیاز ندارند یا احیانا بر زبان شان جاری مے شود یا بحسب زعم خود ضاد ادامے نمایند و سعی میکنند درادایش از مخرجش باصفات درین حالت نماز شان در سابق و حال و نماز امثال شان پس ایشان جائز است.

(۸) کشف الغطاء میں فتاویٰ غیاثیہ کے حوالہ سے مذکور ہے۔ ان قرأ (اللـه السمد) مکان (اللـه الصمد) او (السیف) مکان (الصیف) او (السالحین) مکان (الصالحین) او قرأ (غیر المغضوب) بالظاء او (الظالین) بالظاء اور بالذال قال بعضهم لا تفسد لانه بلوی عاما فان العوام لایمیزون ولا یعرفون مخارج الحروف. منهم ابوالقاسم و محمد بن سلمة و کثیر من المشائخ افتوا به (هکذا فی زلة القاری من مجموع الفتاوی)

(۹) اس حرف (ض) کو غلط بظن صواب و بقصد صواب پڑھیں جیسا ابتلاء عام ہے۔ چونکہ عموم بلوی

---

۱) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں

۲) ومثله فی حلبی کبیر فصل فی احکام زلة القاری ص ۴۷۸ ج۱ طبع مذکورہ بالا.

۳) تقدم تخریجه تحت جزء (ب) وج سوال هذا.

٤) مذکورہ کتاب دستیاب نہیں هے

٥) وفی الهندیة فصل احکام زلة القاری ص ۸۲ ج۱ قبیل الباب الخامس فی الامامة ۔ طبع مکتبه علوم اسلامیه چمن

موجبات تیسیر وتخفیف سے ہے اس لیے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۱۸۰ فصل التجوید)

(۱۰) غرض تقدیر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہ کرے اور اگر بلاقصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو اس کی نماز ہو جائے گی۔ لیکن صحیح معنوں میں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو وہ احق بالامامۃ ہے۔ (امداد ج ا ص ۱۵۲، ۱۵۳) **هذا ما عندی و العلم عندالهادی. و الله يقول الحق وهو يهدی السبيل و انا العبد العاثر محمد طاهر الرحيمی عفی الله عنه خادم التجويد و القرأت مدرسه قاسم العلوم ملتان**

الجواب صحیح: محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

یصفون کیسے پڑھے

﴿س﴾
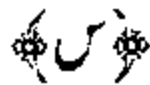
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ **سبحان ربک رب العزة عما يصفون** لیکن بعض علماء سے یاصفون سنا گیا ہے **وسلم علی المرسلين** خطبہ میں **والسلام علی المرسلين** پڑھ دیتے ہیں۔ اس تکبیر میں **الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله و الله اكبر ولله الحمد** درمیان سے اللہ اکبر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صحیح معنی تحریر فرمادیں اور غلط پڑھنے کی صورت میں جو معنی میں تغیر آتا ہے آگاہ کریں۔

﴿ج﴾

یاصفون مہمل لفظ ہے جس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ نیز والسلام المرسلین بھی فحش غلطی ہے اس کا بھی کوئی معنی نہیں بنتا۔ اس لیے اگر ایسے جاہل اور ناخواندہ امام کا جہل اپنے لیے عذر ہو بھی جائے لیکن دوسروں کو ایسا امام ہرگز نہیں رکھنا چاہیے [1]۔

---

۱) كمافی تنوير الأبصار مع الدر المختار والأحق بالامامة الا علم بأحكام الصلوة ثم الأحسن تلاوة وتجويدا للقراءة تم الأورع كتاب الصلوة باب الامامة، ج، ۱، ص ۵۵۷، طبع ايچ۔ايم سعيد كراچی.
وكذا فی العالگيرية الاولی بالامامة اعلمهم باحكام الصلاة هذا اذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة ويجتنب الفواحش الظاهرة كتاب الصلاة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الثانی فی بيان من هو أحق بالامامة، ص ۸۳ ج ۱ طبع، بلوچستان بك ڈپو كوئٹه بلوچستان.
وايضا فی البدائع الصنائع، كتاب الصلاة فصل فی بيان من هو أحق بالامامة واولی بها، ص ۱۵۷ ج ۱ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه بلوچستان

﴿سوال۲﴾ کیا مندرج اغلاط سے نماز اور خطبہ ہو جاتا ہے۔

﴿ج﴾ خطبہ ہو جاتا ہے اور نماز میں احتیاط تو یہ ہے کہ فساد کا حکم دے کر اعادہ کر دیا جاوے۔ لیکن بوجہ عموم بلوی ہونے کے جواز کا حکم دیا جا سکتا ہے[1]۔

﴿سوال۳﴾ مسلمان سامعین پر اس قسم کی تخفیف یا اضافہ کس قدر تکفیر کا باعث ہیں۔

﴿ج﴾ اس میں تکفیر نہیں ہے۔ البتہ[2] ان کو صحیح کرنا اور غلط سے بچنا لازم ہے۔

﴿سوال۴﴾ کیا عجمیوں کے لیے کچھ اس قسم کی مراعات ہیں کہ ان میں عین علیم الیم وغیرہ میں فرق کیے بغیر پڑھ سکیں۔

﴿ج﴾ عجمیوں پر بھی قرآن کریم کا تلفظ صحیح کرنا لازم ہے ہر لفظ کو صحیح مخرج سے تمام صفات سے نکالنا اور سیکھنا فرض ہے باوجود کوشش ہر وقت جاری رہنے کے اگر غلطی ہو جاوے تو معذور ہے۔ لیکن آخر عمر تک سیکھتا

---

۱) كما في الدر المختار، ولو زاد كلمة أو نقص كلمة او نقص حرفا، لم تفسد ما لم يتغير المعنى باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها. ص ٦٣٢ ج١ طبع ايچ ايم سعيد كراچى.

وايضا فى التا تار خانية : الخطا اذا دخل فى الحرف ، لا تفسدلأن فى هذا بلوى عامة الناس لا يقيمون الحرف ولا يمكنهم اقامتها الا بمشقة، نوع آخر فى زلة القارى ، الفصل الاول ص ٤٧٨ ج١ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراتشى.

وايضا فى العالمگيرية (ومنها) زيارة حرف ان زاد حرفا فان كان لا يغير المعنى لا تفسد صلاته عند عامة المشايخ نحو ان يقرأ وانهى عن المنكر بزيادة الياء هكذا فى الخلاصة كتاب الصلاة الباب الرابع فى صفة الصلاة ، الفصل الخامس فى زلة القارى، ص ٧٩ ج١ طبع بلوچستان بك ڈپو كوئٹه.

۲) كما فى رد المحتار: فأما المتأخرون كابن مقاتل ...... فافقوا على أن الخطأ فى الأعراب لا يفسد مطلقاً ولو اعتقاده كفراً لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الأعراب، كتاب الصلاة، مطلب مسائل زلة القارى، ج ٢ ص ٤٧٤، طبع مكتبه رشيديه كوئته بلوچستان۔

وكذا فى فتاوى قاضى خان: واختلف المتأخرون فى ذلك قال محمد بن مقاتل ...... لا تفسد صلاته وما قاله المتقدمون لأحوط لأنه لو تعمد يكون كفراً وما يكون كفر لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع لأن الناس لا يميزون بين اعراب واعراب فلا تفسد الصلاة وهذا على قول أبى يوسف رحمه الله تعالى ظاهر لأنه لا يعتبر الأعراب عرف ذلك فى مسائل، كتاب الصلاة، فصل فى قراءة القرآن خطأ وفى الأحكام المتعلقة بالقراءة، ج١ ص ١٣٩، طبع مكتبع علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

وأيضاً فى العالمكيرية: كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارى، ج ١ ص ٨١، طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان۔

رہے کوشش ترک کرنے پر گناہ ہوگا(۱)۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

نماز میں دیگر روایات کے مطابق تلاوت کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کی بیس روایات جو عشرہ قراءات سے موسوم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک روایت کو خاص کر کے فرض نماز میں پڑھنا اور ادل بدل کر کبھی کسی اور کبھی کسی روایت میں فرض نماز کی جماعت کرانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر ان روایات سے ناواقف لوگ مقتدی ہوں تو اور علماء وطلبہ کی جماعت ہو تو جیسے مدارس عربیہ خیر المدارس وغیرہ تو کیا حکم ہے۔ ایسے جماعت کرائی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿ج﴾

قرآن مجید کی دس قراءات متواتر ہیں جو قطعاً صحیح اور یقیناً قرآن ہیں۔ ان کو قبول کرنا اور ان کو منزل من اللہ سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان کا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔ ان دس قرأتوں کے متواتر وصحیح اور مقبول ہونے پر تمام علماء وفقہاء جملہ مفسرین ومحدثین ونیز ائمہ اربعہ وغیرہم کا اجماع ہے۔ پس قرأۃ متواترہ جو بھی ہو اس سے نماز میں فرض قرأت یقیناً ادا ہو جائے گا البتہ قرأۃ شاذہ سے فرض قرأت ادا نہ ہوگا اور قرأۃ شاذہ سے نماز فاسد بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ شامی ج اص ۳۵۸ میں ہے۔ **القران الذی تجوز به الصلوة بالاتفاق هو المضبوط في مصاحف الائمة التي بعث بها عثمان رضى الله عنه الى الامصار وهو الذى اجمع عليه الائمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة وتفصيلا فما**

---

۱) كما في الدر المختار: فما دام في التصحيح والتعلم ولم يقدر عليه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة كما في المحيط وغيره، كتاب الصلاة، مطلب في الالثغ، ج۲ ص۳۹۶، طبع مكتبه رشيديه كوئته بلوچستان۔

وكذا في المحيط البرهان: والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن هذا الرجل ان كان يجهد آناء الليل والنهار في تصحيح هذه الحروف ولا يقدر على تصحيحها، فصلاته جائزة لأنه جاهد وان تكر جهده فصلاته فاسدة لأنه قادر وان ترك جهده في بعض عمره لا يسعه أن يترك في باقي عمره، ولو ترك تفسد صلاته الا أن يكون الدهر كله في تصحيحه والله أعلم، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في كيفيتها، فرع في زلة القاري، ج ۱ ص ۳٦۷، طبع المكتبه الغفاريه كانسي روڈ كوئته بلوچستان۔

وأيضاً في التاتارخانية: كتاب الصلاة، نوع آخر في زلة القاري، الفصل الأول في ذكر حرف مكان حرف، ج ۱ ص ٤۷۸، طبع ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی۔

فوق السبعة الی العشرة غير شاذ و انما الشاذماوراء العشرة وهو الصحيح و تمام تحقيق ذلک فی فتاوی العلامة قاسم[1]......

مگر یہ بات یاد رہے کہ گو یہ سب روایتیں صحیح اور فصیح ہیں۔لیکن صحیح یہ ہے کہ عجیب قراءتیں امالوں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں عوام کے سامنے نہ پڑھے جیسے امام ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ کسائی کی قرأتیں کہ ان کو سن کر عوام ہنستے ہیں اور قرآن مجید پر ہنسنا بے دینی ہے۔اس لیے عوام کے سامنے ان کے دین کو بچانے کے لیے عجیب عجیب قرأتیں اور روایتیں نہ پڑھے۔(کذا فی عمدۃ الفقہ حصہ دوم ص۱۲۳)[2]
اور چونکہ مدارس عربیہ میں اہل علم غالب واکثر اور عوام الناس قلیل ومغلوب ہوتے ہیں اس لیے مدارس میں ان قرأت

---

۱) كما فی رد المحتار: كتاب الصلاة، مطلب فی حكم القرآة بالشاذ ومطلب بيان المتواتر والشاذ، ج ۱ ص ۳۵۸، طبع مكتبه رشيديه قديم كوئٹہ۔
رد المحتار: كتاب الصلاة، مطلب فی حكم القراء ة بالشاذ، ومطلب بيان المتواتر والشاذ، ج ۲ ص ۲۲۶،۲۲۷، طبع مكتبه رشيديه جديد كوئٹہ۔

۲) كما فی درالمختار مع ردالمحتار ، ويجوز بالروايات السبع لكن الاولى ان لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لدينهم (قوله بالغريبة) ای بالروايات الغريبة الا مالات لان بعض السفهاء مالا يعلمون فيقعون فی الاثم والشقاء ولا ينبغی للائمة ان يحملوا العوام على ما فيه نقصان دينهم ولا يقرأ عندهم مثل قرأة ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزة والكسائی صيانة لدينهم فلعلهم يستخفو ن او يضحكون وان كان كل القرآت صحيحة فصيحة و مشائخنا اختاروا قرأة ابی عمرو حفص عن عاصم، كتاب الصلوة مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، ص ۳۲۰ ج۲ طبع، مكتبه رشيديه كوئٹه.
وكذافی التاتار خانية: فتاوی الحجة : وقراء ة القران بالقراء ات السبع والروايات كلها جائزة، ولكنی أری الصواب أن لا يقرأ بالقراء ة العجيبة بالامالات وبالروايات الغريبة لأن بعض الناس يتعجبون وبعضهم يتفكرون وبعضهم يخطؤن ، وبعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون ولعلهم لا يرغبون فيقعون فی الاثم والشقاء ، ولا ينبغی للائمة ان يحملوا العوام الی ما فيه نقصان دينهم ودنياهم وحرمان ثوابهم فی عقابهم، لا يقراء علی رأس العوام والجهال وأهل القری والجبال مثل قرأة ابی جعفر المدنی وابن عامر وعلی بن حمزة الكسائی صيانة لدينهم فلعلهم يتسخفون أو يضحكون وان كان كل القراء ات والروايات صحيحة فصيحة طيبة ومشايخنا اختارو قراء ة ابی عمر حفص عن عاصم ، كتاب الصلوٰة ، فصل فی القراء ة ص ۴۵۵ ج۱ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراچی
وكذا فی العالمگيرية: فی الحجة : قراء ة القرآن بالقراآت السبعة والروايات كلها جائزة ولكنی أری الصواب ان لا يقرأ القراء ة العجيبة بالامالات والروايات الغريبة كذا فی التاتارخانية، كتاب الصلاة ،الباب الرابع ، فی صفة الصلاة الفصل الرابع فی القراء ة ، ص ۷۹ ج۱ طبع مكتبه علوم اسلاميه چمن بلوچستان.

کا پڑھنا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں بلاشبہ مناسب ہے اور چونکہ مدارس پر عوام کو اعتماد ہوتا ہے اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ایسی روایات کے پڑھنے سے تبلیغ واشاعت قرأت کا ثواب ملے گا۔ تاکہ وہ ان قراءت سے متعارف و مانوس ہوں اور عوام الناس کو بھی چاہیے کہ اگر کسی کو قرأۃ کا علم نہ ہو اور وہ کسی معتبر ماہر قاری سے اپنی یاد کے خلاف کوئی اختلاف قرأت سنے تو ایسے شخص کے لیے بجائے تردید وتغلیط کے سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط

نمازی کے پاس بلند آواز سے تلاوت کرنے کا حکم

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ہماری مسجد شریف میں طالب علموں کے لیے علیحدہ ایک درس گاہ موجود ہے مگر بوقت نماز ظہر طالب علم مسجد میں پڑھتے ہیں اور بہ آواز بلند پڑھتے ہیں۔ جماعت ہو جانے کے بعد جو نمازی آتے ہیں اور اکیلے نماز پڑھتے ہیں اور کئی آدمی سنتیں نفلیں پڑھتے ہیں۔ اس وقت طالب علم بہ آواز بلند پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ نمازی لوگ طالب علموں کو ہدایت کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ پڑھو ہم تمہاری بلند آواز پر بھول جاتے ہیں۔ امام صاحب کو عرض کیا گیا کہ لڑکوں کو آہستہ آہستہ پڑھنے کی ہدایت کریں۔ مگر امام صاحب اکثر تو خاموش ہو جاتے ہیں اور بے پرواہی سے چلے جاتے ہیں لڑکوں کو کوئی ہدایت نہیں کرتے نمازی بے چارے پریشان ہیں۔

﴿ج﴾

مسجد میں اگرچہ علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم جائز ہے۔ لیکن اوقات نماز میں جہر کے ساتھ تعلیم کا جاری رکھنا جس سے نمازیوں کو پریشانی اور تشویش ہو درست نہیں۔ اوقات نماز میں استاذ اور طلبہ کو پابند کیا جاوے کہ وہ نمازیوں کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنیں [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱) کما فی ردالمحتار: ویکرہ الإعطاء مطلقاً وقیل ...... ورفع صوت بذکر، الا للمتفقھة، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، ج ۲ ص ۵۲۳، طبع مکتبہ رشیدیہ (جدید) کوئٹہ۔
وأیضاً فی رد المحتار: لأنہ حیث خیف الریاء أو تأذی المصلین أو النیام ...... وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا، الا أن یشوش جھرھم علی نائم أو مصل أو قاری الخ، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ج ۱ ص ۵۲۴، طبع مکتبہ رشدیہ (جدید) کوئٹہ۔
وکذا فی العالمکیریة: وأما المعلم الذی یعم الصبیان بأجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر أو غیرہ لا یکرہ، کتاب الصلوۃ، الباب السابع فی ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، الفصل الثانی فما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ، ج ۱ ص ۱۱۰، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ چمن بلوچستان۔
وکذا فی البزازیة: معلم الصبیان بأجر لو جلس فیہ لضرورة الحر لا بأس بہ، کتاب الصلوۃ، الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد، ج ۴ ص ۸۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

کیا مسجد کی جماعت سے قبل جماعت کرانا جائز ہے

﴿س﴾

گزارش ہے کہ ہمارے ہاں مسجد میں ایک پیش امام غالباً چالیس سال سے ہے اور وہ اہل مسجد کے نمازیوں کو پانچوں نمازیں با جماعت وقت مقررہ پر جو کہ اہل سنت حنفیہ نقشے کے مطابق ہیں ان اوقات میں نمازیں با جماعت ادا ہوتی ہیں۔ لیکن عرصہ ایک سال سے ہمارے ہاں کچھ حضرات ایسے پیدا ہوگئے ہیں جنہوں نے اپنا ایک پیش امام علیحدہ بنالیا ہے۔ یہ لوگ تعداد میں کبھی تین چار اور کبھی آٹھ دس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے مقرر کردہ وقت سے پہلے اپنے ایک امام کے ہمراہ نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔ عموماً دس پندرہ منٹ کا فرق ہوتا ہے۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے اوقات دونوں کے ایک ہی ہیں۔ یہ کم تعداد والے لوگ مسجد کی چھت پر ورنہ مسجد کے نچلے حصے میں (جو کہ اصل مسجد ہے) نماز با جماعت اپنے پیش امام کے پیچھے ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ مسجد کے مقرر کردہ اوقات میں خلل ڈالتے ہیں۔ براہ کرم ان کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں جو حکم ہو وہ ہمیں صادر فرما دیں جناب کی عین نوازش ہوگی۔

(۲) جس مسجد کی چھت پر تین اطراف بالکل دیوار نہیں ہے۔ اس حالت میں کیا اہل سنت مسجد کی چھت پر نماز ادا کر سکتے ہیں؟ براہ کرم فتویٰ صادر فرما دیں۔

تنقیح

(۱) ان لوگوں کو سمجھا دیں اور وجہ دریافت کریں کہ وہ لوگ سابقہ امام کے پیچھے کیوں نماز ادا نہیں کرتے ہیں۔ (۲) اور کیا یہ لوگ پہلے اس امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے اور اب الگ ہوئے کیا یہ ابتداء سے ہی الگ ہیں۔ (۳) اور کیا یہ لوگ اس مسجد کے نمازی اور اہل محلّہ کسی اور مسجد کے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات موصول ہوتے ہی فتویٰ تحریر کیا جائے گا۔

(۱) ان لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا گیا ہے، مگر وہ لوگ نہیں سمجھتے سابق امام کے پیچھے اس لیے نماز نہیں پڑھتے کیونکہ یہ لوگ اہل حدیث کے خیالات سے ہیں۔ اور پیش امام ہذا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے ہیں۔ جو کہ اس مسجد میں چالیس سال سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ (۲) پہلے یہ لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے مگر اب ۱۹۷۱ء میں یہ مسجد نئی تعمیر کرائی گئی ہے۔ اس وقت سے اور مذہبی مخالفت کی بنا پر الگ جماعت کرنی شروع کر دی ہے۔ (۳) یہ لوگ اس مسجد کے نمازی ہیں اور نہ ہی اہل محلّہ ہیں صرف ایک شخص اس مسجد کا نمازی اور اہل محلّہ ہے۔ باقی تمام نمازی دوسرے محلّہ سے آ کر اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور چھت پر

اسی وقت جماعت کراتے ہیں جبکہ پیش امام نیچے نماز کی جماعت کرا رہا ہوتا ہے۔

﴿ج﴾

اگر دوسرے محلوں کے لوگ آ کر الگ جماعت کرتے ہیں اور اہل محلہ نہیں ہیں، تو محض ان کی شرارت ہے۔ اس شرارت کا جواب یہ ہے کہ حکومت میں درخواست دی جائے اور محکمہ اوقاف کو بھی اطلاع دی جائے کہ ہمارے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور الگ جماعت کر کے انتشار پیدا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ حکومت کی مداخلت سے یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

---

۱) کما فی ردالمحتار: ولو أم قوماً وهم له كارهون، ان الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد، لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون، وان هو أحق لا والكراهة عليهم، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۵۵۹، طبع ایچ ایم سعید کراچی۔
وكذا في البحر الرائق: رجل أم قوماً وهم له كارهون، ان كانت الكراهية لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك، وان كان هو احق بالإمامة لا يكره له ذلك، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۶۰۹، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
وكذا في الفتاوى التاتار خانية: كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو ألاحق بالإمامة، ج ۱ ص ۶۰۳ تا ۶۰۴، طبع ادارة القرآن كراچی۔